www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

واصفیات

☆ حرف حرف حقیقت

☆ قطرہ قطرہ قلزم

☆ دل دریا سمندر

ناشر

کاشف پبلی کیشنز

301-A محمد علی جوہر ٹاؤن، لاہور

فون: 0300-4003726

واحد تقسیم کار

علم و عرفان پبلشرز

الحمد مارکیٹ، 40۔ اُردو بازار، لاہور

فون: 37352332-37232336

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جملہ حقوق محفوظ

نام کتاب .... واصفیات

مصنف .... واصف علی واصف

ناشر .... کاشف پبلی کیشنز' لاہور

A - 301 جوہر ٹاؤن' لاہور

مطبع .... زاہدہ نوید پرنٹرز' لاہور

کمپوزنگ .... راجا محمد طاہر

سن اشاعت .... نومبر 2014ء

قیمت .... -/1000 روپے

بہترین کتاب چھپوانے کے لیے رابطہ کریں: 0300-9450911

علم و عرفان پبلشرز

40۔ الحمد مارکیٹ' لاہور

فون 0423-7232336---0423-7352332

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
دربار مارکیٹ ، لاہور

مشتاق بک کارنر
الکریم مارکیٹ اُردو بازار، لاہور

اشرف بک ایجنسی
اقبال روڈ کمیٹی چوک ، راولپنڈی

کتاب گھر
اقبال روڈ کمیٹی چوک ، راولپنڈی

کتاب نگر
حسن آرکیڈ، ملتان کینٹ

رشید نیوز ایجنسی
اخبار مارکیٹ ، اُردو بازار، کراچی

کشمیر بک ڈپو
تلہ گنگ روڈ ، چکوال

مختار برادرز
جھوانہ بازارد، فیصل آباد

ویلکم بک پورٹ
اردو بازار ، کراچی

چلڈرن پبلی کیشنز
اردو بازار ، کراچی

ادارہ کا مقصد ایسی کتب کی اشاعت کرنا ہے جو تحقیق کے لحاظ سے اعلیٰ معیار کی ہوں۔ اس ادارے کے تحت جو کتب شائع ہوتی ہیں ان کا مقصد کسی کی دل آزاری یا کسی کو نقصان پہنچانا نہیں بلکہ اشاعتی دنیا میں ایک نئی جدت پیدا کرنا ہے۔ جب کوئی مصنف کتاب لکھتا ہے تو اس میں اس کی اپنی تحقیق اور اپنے خیالات شامل ہوتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ آپ اور ہمارا ادارہ مصنف کے خیالات اور تحقیق سے متفق ہوں۔ اللہ کے فضل و کرم، انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کمپوزنگ طباعت، تصحیح اور جلد سازی میں پوری احتیاط کی گئی ہے۔ بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی یا صفحات درست نہ ہوں تو از راہ کرم مطلع فرمادیں۔ انشاء اللہ اگلے ایڈیشن میں ازالہ کیا جائیگا۔ (ناشر)

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں: www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

حرف حقیقت

واصف علی واصف

ناشر

کاشف پبلی کیشنز

A-301 محمد علی جوہر ٹاؤن، لاہور

فون: 0300-4003726

واحد تقسیم کار

علم و عرفان پبلشرز

الحمد مارکیٹ، 40۔ اُردو بازار، لاہور

فون: 37352332-37232336

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جملہ حقوق محفوظ

نام کتاب .... حرف حرف حقیقت
مصنف .... واصف علی واصف
ناشر .... کاشف پبلی کیشنز' لاہور
A - 301 جوہر ٹاؤن' لاہور
مطبع .... زاہدہ نوید پرنٹرز' لاہور
کمپوزنگ .... راجا محمد طاہر
سرورق .... محمد حنیف رامے
سن اشاعت .... نومبر 2014ء
قیمت .... -/350 روپے

بہترین کتاب چھپوانے کے لیے رابطہ کریں 0300-9450911

علم وعرفان پبلشرز
40۔ الحمد مارکیٹ' لاہور
فون 0423-7352332--0423-7232336

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
دربار مارکیٹ، لاہور

مشتاق بک کارنر
الکریم مارکیٹ اردو بازار، لاہور

اشرف بک ایجنسی
اقبال روڈ کمیٹی چوک، راولپنڈی

کتاب گھر
اقبال روڈ کمیٹی چوک، راولپنڈی

کتاب نگر
حسن آرکیڈ، ملتان کینٹ

رشید نیوز ایجنسی
اخبار مارکیٹ، اردو بازار، کراچی

کشمیر بک ڈپو
تلہ گنگ روڈ، چکوال

مختار برادرز
بھوانہ بازار، فیصل آباد

ویلکم بک پورٹ
اردو بازار، کراچی

چلڈرن پبلی کیشنز
اردو بازار، کراچی

ادارہ کا مقصد ایسی کتب کی اشاعت کرنا ہے جو تحقیق کے لحاظ سے اعلیٰ معیار کی ہوں۔ اس ادارے کے تحت جو کتب شائع ہوتی ہیں ان کا مقصد کسی کی دل آزاری یا کسی کو نقصان پہنچانا نہیں بلکہ اشاعتی دنیا میں ایک نئی جدت پیدا کرنا ہے۔ جب کوئی مصنف کتاب لکھتا ہے تو اس میں اس کی اپنی تحقیق اور اپنے خیالات شامل ہوتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ آپ اور ہمارا ادارہ مصنف کے خیالات اور تحقیق سے متفق ہوں۔ اللہ کے فضل و کرم، انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کمپوزنگ طباعت، تصحیح اور جلد سازی میں پوری احتیاط کی گئی ہے۔ بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی یا صفحات درست نہ ہوں تو از راہ کرم مطلع فرمادیں۔ انشاء اللہ اگلے ایڈیشن میں ازالہ کیا جائیگا۔ (ناشر)

www.iqbalkalmati.blogspot.com

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی بات، باتوں کی پیغمبر ہوتی ہے

واصفؒ

www.iqbalkalmati.blogspot.com

حرفِ چند

واصف علی واصفؒ کے صوفیانہ نثر پاروں کا تیسرا مجموعہ قارئین کرام کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ اس سے قبل ان کی ایسی ہی تحریروں کے دو مجموعے بعنوان ''دل دریا سمندر'' اور ''قطرہ قطرہ قلزم'' شائع ہو کر قبولِ عام کی سند حاصل کر چکے ہیں۔

زیرِ نظر مجموعہ میں واصف علی واصفؒ کے ان مضامین کو یکجا کیا ہے' جو ان کے وصال (۱۸ جنوری ۱۹۹۳ء) سے قبل تقریباً دو ڈھائی سال کے عرصے میں اشاعت پذیر ہوئے اور حسبِ سابق روزنامہ ''نوائے وقت'' کے صفحات کی زینت بنتے رہے۔ لوگوں کی ایک بڑی تعداد نے ان بصیرت افروز اور ایمان پرور تحریروں سے اکتسابِ فیض کیا اور بڑے ذوق و شوق سے ان کا مطالعہ کرتے رہے۔

اس کتاب کی طباعت اور تزئین کے تمام مراحل واصف علی واصفؒ کی زندگی میں مکمل ہو گئے تھے' لیکن ان کی علالت کے باعث طباعتی عمل میں بار بار رکاوٹ پڑتی رہی۔ مقامِ افسوس ہے کہ یہ کتاب صاحبِ کتاب کی زندگی میں طبع نہ ہو سکی اور اب یہ پس مرگ (Posthumous) تصنیف کی حیثیت سے پیش کی جا رہی ہے۔

اس کتاب کا عنوان یعنی ''حرف حرف حقیقت'' واصف علی واصفؒ نے خود ہی تجویز کر دیا تھا۔ ان کی اس انداز کی کتب کے سہ لفظی عنوانات جز اور کل کے وصل کی نشاندہی کرتے ہیں۔ اس داستانِ وصل کو خوبصورت علامات کے پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔ صوفیانہ ادب کا محور و مرکز یہی داستان رہی ہے اور دورِ حاضر کے صوفی باصفا' بے مثل درویش اور صاحبِ اسلوب ادیب واصف علی واصفؒ نے بھی اسی روایت کو نئی آب و تاب کے ساتھ آگے بڑھایا ہے۔

یہ تعارف نہیں بلکہ چند معروضات ہیں' جن کا تعلق کتاب کی طباعت سے ہے۔ امید واثق ہے کہ واصف صاحبؒ کی دیگر تصانیف کی طرح ان کی یہ کتاب بھی طالبانِ حق اور مسافرانِ راہِ سلوک کیلئے مینارۂ نور ثابت ہو گی۔

محمد اکرام چغتائی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

فہرست مضامین

-1	الفاظ	9
-2	خلق عظیم	14
-3	رحمت	20
-4	الہیٰ، یا الہیٰ یا الہیٰ	25
-5	انسان اور انسان	28
-6	وضاحت	32
-7	بچہ	37
-8	جھڑکی نہ دو	40
-9	کہانی	43
-10	آنکھیں	47
-11	کائنات اور کائنات	51
-12	آدھا رستہ	54
-13	سنگتیں	57
-14	وسعتیں	61
-15	عظیم لوگ	65
-16	امیر غریب	69
-17	ہمہ رنگ	75
-18	عدل	79
-19	حقوق	83
-20	مقصد	87

www.iqbalkalmati.blogspot.com

-21	منزل	92
-22	جوازِ ہستی	96
-23	سوچتے سوچتے	100
-24	جہاں میں ہوں	103
-25	ہم کیا کرتے ہیں؟	108
-26	بے ترتیب	111
-27	رابطہ	115
-28	رشتے	118
-29	نصیحت	122
-30	ضمیر کی آواز	126
-31	محنت	130
-32	فطرت	135
-33	حقیقت	140
-34	دیدنی	143
-35	بیزاری	149
-36	معلوم اور نامعلوم	153
-37	آخری خواہش	157

☆......☆......☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

انتساب

ورق ورق میری نظروں میں کائنات کا ہے
کہ دستِ غیب سے لکھی ہوئی کتاب ہوں میں

واصف علی واصفؒ

www.iqbalkalmati.blogspot.com

الفاظ

ہر خیال اپنے مخصوص پیرہن میں آتا ہے۔ یہ پیرہن الفاظ سے بنتا ہے۔ خیال نازل فرمانے والے الفاظ نازل فرمائے ہیں۔ الفاظ ہی کے دم سے انسان کو جانوروں سے زیادہ ممتاز بنایا گیا۔ انسان اشرف ہے نے اس لئے کہ وہ ناطق ہے۔ انسان کو بیان کی دولت سے نوازا گیا اور بیان الفاظ کی ترتیب کا نام ہے۔ حسنِ ترتیب الفاظ کی اپنی صفت ہے۔ انداز بیاں بے شک انسان کا ہی ہے لیکن یہ خوبی دراصل الفاظ کی ساخت میں پنہاں ہوتی ہے۔ موزوں الفاظ کا انتخاب ہی انسان کو صاحب طرز بناتا ہے۔ سنگ تراش کا فن یہ ہے کہ وہ پتھر میں چھپے ہوئے نقش کو اجاگر کرتا ہے۔ یہ کام بڑا کام ہے۔ ہر آدمی کے بس کا نہیں..... اسی طرح الفاظ سے مضمون اور مضامین سے الفاظ کے رشتوں کا علم ہی انسان کو مصنف بناتا ہے۔ الفاظ کے بغیر حسن خیال بس جلوہ ہے' صرف جلوہ..... ایک گونگے کے خوبصورت خواب کی طرح..... اور خیال..... بغیر الفاظ صرف ایک ڈکشنری ہیں..... ایک ڈھیر ہے ایسی اینٹوں کا جنہیں کوئی عمارت بننا نصیب نہیں ہوا۔

دنیا میں اصل قوت الفاظ کی ہے۔ اس کائنات کی ابتداء ایک لفظ سے ہوئی..... ایک مقدس لفظ..... ایک امر' صاحب امر کا ''کن'' کے لفظ میں ایک مکمل کائنات' ایک مکمل نظام' ایک مکمل داستان پنہاں تھی..... یہ ایک ایسا لفظ تھا کہ جس کی اطاعت میں آج تک ہر شے عمل پیرا ہے۔ یہ لفظ کا عجب کرشمہ تھا کہ نہ ہونے سے ہونا ہو گیا..... عدم سے وجود کا سفر ''کن'' سے شروع ہوا اور وجود سے عدم تک سفر بھی اسی لفظ کی تاثیر کا حصہ ہی ہے۔

الفاظ کی طاقت قدم قدم پر عیاں ہوتی ہے۔ قوموں کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کیلئے الفاظ کا تازیانہ ہی کافی ہے۔ قوم وملی شعراء کا کمال الفاظ کے دم سے ہے۔ الفاظ خون میں حرکت پیدا کر دیتے ہیں۔ غلامی آزادی میں بدل جاتی ہے۔ انسان کے عمل کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ کسی معاشرے میں استعمال ہونے والے الفاظ کا بغور مطالعہ کرنے سے اس معاشرے کا اخلاقی معیار واضح ہو جاتا ہے۔ ترقی کرنے والے معاشروں میں اور طرح کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔

الفاظ ہی امید کے چراغ روشن کرتے ہیں اور الفاظ ہی مایوسی کی تاریکیاں پیدا کرتے ہیں۔ الفاظ کی خاص ترتیب حدی خوانی کا کام کرتی ہے۔ ہمارے ترانے ہماری کیفیات کو ایک نہج کی طرف مائل کرتے ہیں۔ دشمنوں کے خلاف صف آراء ہونے کا عمل الفاظ کی بدولت ممکن ہے۔

محبت ایک جذبہ ہے' ایک خواہش ہے' کسی کے قریب ہونے کی۔ محبت خاموش بھی ہو سکتی ہے لیکن الفاظ محبت کو کچھ اور ہی چاشنی اور رنگ عطا کر دیتے ہیں۔ محبت کرنا اپنی جگہ لیکن محبت کی تاثیر میں ڈوبا ہوا شعر

www.iqbalkalmati.blogspot.com

پچھ اور ہی جلوہ ہے۔ محبت اتنی قابل محبت نہیں ہوتی جتنا اسے الفاظ بنا دیتے ہیں۔

ہمارے رشتے' ہماری چاہتیں' ہماری نفرتیں اس لئے دیرپا ہیں کہ ہم انہیں الفاظ میں ریکارڈ کر دیتے ہیں۔ کسی کو دوست کہہ دینے کے بعد ہم اس کی جفائے وفا نما کو برداشت کرتے ہیں۔ وہ دوستی کا جذبہ اندر سے کئی دفعہ زخمی ہوتا ہے لیکن ہم جذبوں کے سرد ہونے کے باوجود لفظ دوستی کو نبھاتے ہیں۔ الفاظ ہمارے تعلقات کو استقامت بخشتے ہیں۔ ہم رشتوں کو اس لئے بھی قائم رکھتے ہیں کہ انہیں رشتہ کہہ دیا جا چکا ہے۔ کہہ دینا ہی قیام ہے۔ کلمہ پڑھنے سے مسلمان ہونے والا زندگی بھر مسلمان رہتا ہے۔ اگر اسلام کا مفہوم سمجھ میں نہ بھی آئے تو بھی مسلمان ہی رہتا ہے۔ کلمہ پڑھ لینے سے ہی مہر ثبات لگ جاتی ہے۔

الفاظ سے ہی قرآن ہے۔ خدا کے مقدس الفاظ بندوں کے نام' روح القدس کا لایا ہوا پیغام پیغمبر ﷺ کے ذریعے سے تمام بنی آدم کیلئے۔ ان الفاظ کی ترتیب اتنی مستقل کہ اس کی حفاظت اللہ نے اپنے ذمہ لگا رکھی ہے۔ زیر' زبر' نقطہ تک نہیں تبدیل کیا جا سکتا...... قرآن کے الفاظ قرآن کے علاوہ استعمال ہوں تو قرآن نہیں الفاظ خدا کے ہوں تو قرآن ہے۔ نبی ﷺ کے الفاظ حدیث ہیں۔ بزرگان دین کے الفاظ ملفوظات ہیں۔ داناؤں کے الفاظ اقوال ہیں۔ جتنی مقدس زبان سے ادا ہوں گے اتنے ہی الفاظ مقدس ہوں گے' اتنے ہی مؤثر ہوں گے۔

ہم الفاظ کی دنیا میں رہتے ہیں۔ الفاظ کے حصار میں رہتے ہیں۔ الفاظ ہمارا کردار ہیں۔ الفاظ ہمارا ماحول ہیں اور کبھی کبھی تو الفاظ ہماری عاقبت ہیں۔ الفاظ کانوں کے راستے دل پر اثر کرتے ہیں اور دل پر اثر کے بعد اعضا و جوارح پر عمل کا حکم نازل ہوتا ہے اور یوں انسان کا کردار بنتا رہتا ہے۔ اچھے الفاظ پر کچھ خرچ نہیں ہوتا لیکن اچھے الفاظ سے بہت کچھ حاصل ہوتا ہے۔ الفاظ ہی انسان کو پسندیدہ یا ناپسندیدہ بناتے رہتے ہیں۔ الفاظ خوشبو کی طرح ماحول کو معطر کرتے ہیں۔

ہر سماج اور ہر گروہ کے الفاظ الگ الگ ترتیب رکھتے ہیں۔ آپ کسی کے الفاظ یا گفتگو سن کر یہ بتا سکتے ہیں کہ وہ کس پیشے سے تعلق رکھتے ہیں۔ بازار میں بیٹھنے والے بازاری زبان استعمال کرتے ہیں۔ دارالعلوم کے لوگ اور ہی زبان استعمال کرتے ہیں۔ علماء کی زبان اور ہے۔ حکما کی زبان اور ہے۔ اسی طرح جہلا کی زبان اور ہے۔ فلمی ماحول کے الفاظ اور ہیں۔ ڈرامے کے اور' نثر کے اور' اور شعر کے اور...... شعر کی دنیا میں الفاظ کی ایک بندش بس معنی کے پرت کھولتی چلی جاتی ہے۔ سامعین پر ایک کیفیت طاری کر دینا شعر کا اعجاز ہے۔ دل سے نکلی ہوئی بات دلوں میں ایسے داخل ہوتی ہے کہ سامع کہہ اٹھتا ہے کہ "میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے۔" بولنے والے کا سوز الفاظ میں سوز پیدا کر دیتا ہے۔ درد سے گایا ہوا کلام محفل میں عجب سماں پیدا کر دیتا ہے۔ الفاظ کے معنی پیچھے رہ جاتے ہیں۔ گانے والے کا سوز قلوب کو زندہ کر دیتا ہے۔

ایک دفعہ عظیم پریم راگی نے اپنی ایک نجی محفل میں ایک واقعہ بیان کیا۔ کہنے لگے کہ ایک رات ایک محفل میں انہوں نے بہت گایا۔ دیر تک محفل بپا رہی۔ سامعین محظوظ ہوئے۔ بہت دھن برسا۔ لیکن رنگ نہ برسا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بس اندر ہی اندر وہ کچھ پریشان ہوئے۔ رات گہری ہو چکی تھی۔ انہوں نے اپنے گرو کو یاد کیا۔ دل کا چراغ روشن کر کے کچھ الفاظ اپنے پاس سے مرتب کر کے الاپنا شروع کیا۔ الفاظ تھے۔

سیاں سے ملا جا رہے بالم

بالم سے ملا جا رے سیاں

بس کیا تھا' دل کے چراغ نے دلوں کے چراغ روشن کر دیئے۔ محفل میں کیفیات کا عجب عالم پیدا ہو گیا۔ بے خودی' محبت اور سرشاری کا عالم تھا۔ گانے والے کا درد بیدار ہوا کہ سب کا درد بیدار ہو گیا۔

غرضیکہ الفاظ میں جادو بھرنے والی شے ادا کرنے والے کا جذبہ ہے۔ بولنے والے کا لہجہ بھی الفاظ کے حسن کو متاثر کرتا رہتا ہے۔ میٹھے بول کو کرخت لہجہ مل جائے تو بول میٹھا نہیں رہتا۔ مولانا رومؒ نے ایک کہانی بیان فرمائی ہے۔ ایک دفعہ صحرا میں دو قافلے قریب قریب آ کر ٹھہرے۔ ایک قافلہ مسلمانوں کا تھا دوسرا یہودیوں کا۔ صبح کے وقت مسلمانوں نے فجر کی اذان کہی۔ نماز ادا کی۔ اتنے میں یہودیوں کے کیمپ کی طرف سے ایک آدمی ایک تھال میں کچھ تحفے تحائف لے کر مسلمانوں کے کیمپ میں داخل ہوا اور امیر قافلہ سے ملاقات کی تمنا کی۔ ملاقات ہوئی تو آنے والے نے کہا "یہ حقیر سا تحفہ ہمارے سالار قافلہ نے آپ کی خدمت میں پیش کیا ہے"۔ مسلمان امیر نے کہا "آخر کس لئے۔" آنے والا بولا "جناب! آج ہمارے سردار کا ایک دیرینہ مسئلہ حل ہو گیا۔ آپ لوگوں کی بدولت۔ ہمارے امیر کی ایک بیٹی اسلام قبول کر چکی تھی اور وہ کسی قیمت پر اسلام کو ترک نہ کرتی تھی۔ ہمارے قافلہ سالار نے بڑی کوشش کی لیکن وہ نہ مانی۔ آخر آج صبح آپ کے مؤذن نے اذان کہی۔ وہ کچھ اتنے کرخت لہجے میں تھی کہ ہمارے سردار کی بیٹی اپنے پرانے دین پر واپس آ گئی۔" نتیجہ یہ ہے کہ مؤذن اور مبلغ کی کو خوش الحان ہونا چاہئے۔ اچھی دعوت کو اچھے انداز سے پیش کرنا ہی اچھی بات ہے۔ رسم اذان کو روح بلالی کی کتنی ضرورت ہے' اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔

علاقائی الفاظ علاقائی تہذیب و تمدن کا آئینہ ہیں۔ کسی انسان کے ذخیرۂ الفاظ سے یہ معلوم کرنا آسان ہے کہ وہ آدمی کونسے علاقے کا رہنے والا ہے اور کونسے پیشے سے تعلق رکھتا ہے۔ تشبیہ اور استعارے کے الفاظ بھی علاقے اور زمانے کی نشاندہی کرتے ہیں۔ صحرائی لوگوں کے الفاظ اور ہیں۔ کوہستانی لوگوں کے اور۔ میدانی لوگوں کی زبان مختلف ہوتی ہے۔

بہرحال الفاظ کی حرمت بولنے والے کے انداز اور لہجے کے دم سے ہے۔ مقدس الفاظ کو منزہ زبان میسر نہ ہو تو لفظ اپنی تاثیر کھو بیٹھتا ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے کہ اگر اس قرآن کو پہاڑ پر نازل کیا جاتا تو وہ بھی خشیت اللہ سے لرزنے لگ جاتا۔ آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ قرآن پڑھا جاتا ہے اور سننے والے ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ صادق کلام کیلئے صادق زبان چاہئے۔

ہم نے قوم ہونے کی حیثیت سے الفاظ کے استعمال پر غور کرنا چھوڑ دیا ہے۔ ہم بے جہت و بے سمت الفاظ کے سیلاب میں ڈوبے جا رہے ہیں۔ ہر روز لاکھوں الفاظ اخباروں میں چھپ رہے ہیں۔ کالم کے کالم

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

چھپ رہے ہیں لیکن میٹھے بول ختم ہو رہے ہیں۔ ''از دل خیزد بر دل ریزد'' والے الفاظ نہیں آتے۔ دلوں کو زخمی کرنے والے الفاظ عام ہیں۔ زخموں کے مرہم کہاں ہیں۔ کرامتیں بننے والے الفاظ کہاں غائب ہو گئے۔ انسان کو انسان کے قریب لانے والے الفاظ گم ہو گئے کیا؟ گنج شکرؒ ایک میٹھی زبان کی تاثیر کو بھی کہا جا سکتا ہے۔ آج نہ جانے کیوں لوگوں کے پاس شکریہ ادا کرنے کیلئے نہ وقت ہے نہ الفاظ۔ اپنی کوتاہی پر معذرت کرنے کی نہ توفیق ہے نہ جرأت۔ آج کسی سیاسی اجتماع میں بولے جانے والے الفاظ کو غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہم لوگ کہاں سے چلے تھے اور کہاں آ گئے۔

تلخ الفاظ معاشرے کو تباہ کر رہے ہیں۔ میٹھا بول زندہ کرنا چاہئے۔ زندہ رہو اور زندہ رہنے دو کے اصول کو اپنایا جائے تو ہمارا انداز کلام یکسر بدل سا جائے۔ لوگ اپنی زندگی میں مطمئن ہو جائیں۔ میٹھے بول سننے سے زبان میٹھی ہو جاتی ہے اور یوں مٹھاس سے مٹھاس پیدا ہوتی رہے گی۔ جب سے انسان کا احترام کم ہوا الفاظ کا احترام بھی کم ہو گیا۔ الفاظ کے انتخاب میں ذرا بھی احتیاط سے کام نہیں لیا جاتا اور نتیجہ یہ کہ ہر دل زخمی' ہر انسان آزردہ۔ ہماری زبان تلوار کی کاٹ سے کم نہیں۔

بعض اوقات صداقت کی زبان بھی اتنی تلخ ہوتی ہے کہ بس خدا کی پناہ۔ اگر کسی انسان کی ایک آنکھ کام نہ کرتی ہو تو یہ ضروری نہیں کہ اس کے منہ پر ہی اسے کانا کہہ دیا جائے۔ ہر چند کہ یہ صداقت ہے لیکن یہ ایک بدتمیزی کا مظاہرہ ہے۔ صداقت کا غیر محتاط اظہار بھی باعث پریشانی ہو سکتا ہے۔

ایک دفعہ ایک بادشاہ نے ایک دست شناس و ستارہ شناس انسان کو بلایا۔ اس سے اپنا احوال پوچھا۔ منجم نے حساب لگایا۔ زائچہ بنایا اور بادشاہ کو اطلاع دی ''جہاں پناہ! آپ کے سب عزیز آپ کے سامنے مر جائیں گے''...... بادشاہ اتنی بری خبر پر بڑا پریشان ہوا۔ اسے غصہ آ گیا کہ منجم نے کیا خبر دی ہے۔ اس نے منجم کو گرفتار کرا دیا۔ سلطنت میں منادی کرا دی گئی کہ کوئی اور منجم بادشاہ کیلئے حساب لگائے۔ ایک آدمی حاضر ہوا۔ اس نے زائچہ بنایا' حساب لگایا اور کہا ''جہاں پناہ! آپ کی عمر طویل ہے۔ آپ اپنے سب عزیزوں سے زیادہ عمر پائیں گے۔'' بادشاہ خوش ہو گیا۔ بولا ''مانگ کیا مانگتا ہے۔'' منجم نے کہا ''جہاں پناہ! بس میرے استاد کو رہا کر دیں۔'' سلطان نے وضاحت چاہی تو منجم نے کہا ''گرفتار منجم میرا استاد ہے۔ اس نے بھی وہی کچھ بتایا جو میں نے بتایا لیکن وہ الفاظ کے انتخاب میں محتاط نہ ہو سکا۔ آپ عزیزوں سے زیادہ عمر پائیں یا آپ کے عزیز آپ سے پہلے مر جائیں' بات ایک ہی ہے لیکن ادائیگی مختلف ہے۔'' اور یہی چیز اہم ہے کہ ہم الفاظ کو کس طرح استعمال کرتے ہیں۔

الفاظ بھی خاندان رکھتے ہیں۔ قصیدے کے الفاظ اور ہوتے ہیں اور مرثیے کے اور...... تنقید کے اور' توصیف کے اور...... رزمیہ اور' عشقیہ اور...... غزل کے الفاظ اور ہیں' مثنوی کے اور...... کیا یہ سمجھنے کی ضرورت نہیں کہ شرافت کے الفاظ کون سے ہیں...... بدمزاج ہونا اتنا خطرناک نہیں جتنا بدتمیز ہو جانا کیونکہ بدتمیز آدمی الفاظ کے غلط استعمال کا مجرم بھی ہے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

الفاظ کے صحیح استعمال کی توفیق' نعمت ہے۔ یہ نعمت بھی کم انسانوں کو نصیب ہوتی ہے۔ الفاظ سے ماحول کو خوشگوار بنانے کا کام لیا جائے تو بڑی بات ہے۔ خالی الفاظ نگلنے اور الفاظ اگلنے سے کوئی مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ الفاظ سے ماحول روشن کیا جائے۔ الفاظ سے دلوں کو خوش کیا جائے۔ الفاظ سے تعمیر ملت کے عظیم کام میں شامل ہونے کیلئے لوگوں کو آمادہ کیا جائے۔ الفاظ حقیقت ہیں...... الفاظ امانت ہیں...... الفاظ دوست ہیں...... لفاظ طاقت ہیں...... انہیں ضائع نہ یا جائے۔ انہیں رائیگاں نہ ہونے دیا جائے۔

☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

خلق عظیم

حکمائے عالم نے سب سے بڑے اخلاق کے بارے میں دنیا کو جو معیار اخلاقیات دیا' وہ سب انسانوں کا تصور ہے اور انسانی تصور میں نقص کا ہونا بعید از قیاس نہیں ہوسکتا۔ اس کے برعکس جو معیار اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا' وہ ہر خامی سے آزاد ہے۔ خالق ہی بہتر جانتا ہے کہ مخلوق کیلئے کون سا معیار اخلاق بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کی ذات میں یہ فیصلہ فرما دیا کہ **لقد کان لکم فی رسول الل اسوۃ حسنۃ۔**

اس کے بعد اخلاق کا بہترین نمونہ حضور ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ تکمیل انسانیت کا نقطۂ عروج حضور ﷺ کی ذات اقدس ہے۔ تکمیل ذات میں تکمیل اخلاق کا دعویٰ اپنی تکمیل کے ساتھ موجود ہے۔ ذات کامل ہو تو صفت مکمل ہو جاتی ہے۔ ذات اور صفات کا رشتہ عجب ہے۔ کبھی صفت ذات کی پہچان ہے اور کبھی ذات صفت کی۔ مثلاً اگر صفت صداقت ہے تو ذات صادق ہی کہلائے گی۔ لیکن اگر ذات حضور اکرم ﷺ کی ہو تو آپ ایسے صادق ہیں کہ آپ جو بھی فرمائیں' وہی صداقت ہے۔

آپ ﷺ کی ذات گرامی اتنی مکمل ہے کہ آپ ﷺ کے دم سے ہی صفات کی تکمیل ہوئی' صفات کو مرتبہ ملا' صفات کو تقدس ملا' پہچان ملی' عروج ملا۔ ایک عام آدمی سچ بولے تو ہم اس سچ کی تحقیق کر سکتے ہیں عقل کے ذریعے سے' مشاہدے کے ذریعے سے۔ لیکن ایک پیغمبر اور خاص طور پر حضور اکرم ﷺ کی صداقت ہماری تحقیق سے بلند و ماورا ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے زندگی کے معاملات میں جو بھی ارشاد فرمایا' وہ صداقت ہے کہ ان کا مشاہدہ موجود تھا۔ لیکن کمال صفت تو یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اللہ کریم کے بارے میں اور مابعد کے بارے میں جو کچھ ارشاد فرمایا' وہ ہماری تحقیق میں نہ آسکنے کے باوجود صداقت ہے' بلکہ صداقت مطلق ہے اور کمال صفت کا یہ اعجاز ہے کہ ہم آپ ﷺ کی ہر بات کو تحقیق کے بغیر تسلیم کرنے کو اپنا ایمان بلکہ سرمایۂ ایمان سمجھتے ہیں۔

آپ ﷺ سے پہلے پیغمبروں میں رسالت کا رنگ مخصوص اور جزوی تھا۔ آپ ﷺ کی شخصیت میں رسالت اپنے انتہائی رنگ سے ایسی مکمل ہوئی کہ اس کے بعد کسی رسول کی ضرورت ہی نہیں۔ یعنی آپ ﷺ نے اخلاق کو اس درجہ مکمل فرمایا کہ اس کے بعد کسی اور تفصیل کی ضرورت ہی نہیں۔ آپ ﷺ نے انفرادی اور اجتماعی اخلاق میں وہ انقلاب پیدا فرمایا کہ دیکھنے والے حیران رہ گئے۔

حضور اکرم ﷺ کی تعلیم کا نتیجہ تاریخ نے دیکھا کہ آقا پیدل چل رہا ہے اور غلام سوار ہے۔ آپ ﷺ کے دم سے گویا اخلاق اور صفات کو سند عطا ہوئی۔ آپ ﷺ کے اخلاق کی یہ تاثیر ہے کہ آپ ﷺ جب ارشاد فرماتے تو سامعین سر جھکا کر اور خاموش ہو کر یوں سنتے جیسے ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

آپ ﷺ کا حسن اخلاق یہ ہے کہ آپ ﷺ نے جس کو دفعتاً دیکھا' وہ مرعوب ہو گیا۔ جو آپ ﷺ سے آشنا ہوا' وہ محبت اور ادب کرنے لگ گیا۔ آپ ﷺ نے اخلاق کو تکمیل کا وہ درجہ عطا فرمایا کہ ایک طرف تو اللہ اور اللہ کے فرشتے آپ ﷺ پر درود بھیجتے ہیں اور دوسری طرف آپ ﷺ کے جانثار آپ ﷺ کی خدمت میں آج تک درود و سلام اور نعت کا ہدیہ پیش کرتے آ رہے ہیں۔ اپنے تو اپنے' بیگانے بھی آپ ﷺ کو عقیدت کے نذرانے پیش کرتے ہیں۔ آج بھی چودہ سو سال کی دوری کے باوجود آپ ﷺ دلوں کے قریب ہیں۔

آپ ﷺ کی ذات اقدس میں جہاں اللہ کریم نے انسانیت کی تکمیل فرمائی' نبوت کی تکمیل فرمائی' وہاں اخلاق جلیلہ کی تکمیل بھی فرما دی۔ آپ ﷺ کا کردار' کردار کی انتہا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد' ارشاد کی انتہا ہے اور آپ ﷺ پر نازل ہونے والی کتاب آسمانی کتب کا حرف آخر۔ آپ ﷺ کے اخلاق عالم کا یہ مقام ہے کہ اسے صداقت نبوت کیلئے دلیل کے طور پر پیش کیا گیا۔ سورۂ یونس میں ارشاد ہے کہ ''میں نبوت سے پہلے تم لوگوں میں ایک عمر بسر کر چکا ہوں' کیا تم سمجھتے نہیں۔'' گویا اعلان نبوت سے پہلے آپ ﷺ کی چالیس برس کی تمام عمر بھی مرقع اخلاق ہے۔

نبوت اخلاق کا نتیجہ نہیں' اخلاق نبوت کی عطا ہے اور نبوت اور پھر آپ ﷺ کی نبوت' کمال عطائے الٰہی ہے۔ جب اللہ کریم اپنے حبیب ﷺ کو اخلاق کا معیار بنا کر پیش کرے تو وہ اخلاق کتنا مکمل ہو گا' اس کا اندازہ مشکل نہیں۔ دراصل اخلاق ایک ایسی راہ عمل ہے' جس پر چلنے والے انسان کا کردار مخلوق خدا کیلئے بے ضرر اور منفعت بخش ہوتا ہے۔ انسانی سوچ اخلاق کا جو معیار دیتی ہے' وہ قابل تاثیر ہو سکتا ہے لیکن جب پیغمبر اخلاق کا معیار دے تو وہ معیار خدا کی طرف سے ہوتا ہے اور خالق بہتر جانتا ہے کہ مخلوق کیلئے کون سا کردار بہتر ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے اخلاق کے بیان کے بارے میں جہاں تاریخ گواہ ہے' وہاں قرآن بھی شاہد ہے کہ ''اے پیغمبر ﷺ! تم اعلیٰ اخلاق پیدا ہوئے۔'' حضور ﷺ کا اپنا ارشاد تکمیل اخلاق کے ضمن میں ایک مینارۂ نور کی طرح درخشاں ہے۔ ارشاد ہے ''میں حسن اخلاق کی تکمیل کیلئے بھیجا گیا ہوں۔'' اور یہ کہ ''میں تو اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ مکارم اخلاق کا معاملہ تکمیل تک پہنچاؤں۔'' شاید ہی کوئی ایسی اخلاقی صفت ہے جس کے اپنانے کی آپ ﷺ نے تلقین فرمائی ہو' جس پر آپ ﷺ نے خود عمل کر کے نہ دکھایا ہو۔ آپ نے زندگی کو اخلاق کی تفصیل اور تکمیل بنا دیا۔

آپ ﷺ محافظ اخلاق ہیں' مفسر اخلاق ہیں' مظہر اخلاق ہیں' منبع اخلاق ہیں' مجسم اخلاق ہیں' بلکہ مکمل اخلاق ہیں۔ آپ ﷺ کی اخلاقی رفعتوں کا بیان دراصل آپ ﷺ کی پوری سیرت کا بیان ہے۔ اخلاق کی جزئیات میں آپ ﷺ کے ہاں استقامت عمل ہے' حسن سلوک ہے' حسن معاملہ ہے' عدل و انصاف ہے' جود و سخا ہے' ایثار ہے' مہمان نوازی ہے' سادگی اور بے تکلفی ہے' شرم و حیا ہے' عزم و استقلال ہے' شجاعت ہے' صداقت' امانت ہے' ایفائے عہد ہے' زہد و تقویٰ اور قناعت ہے' عفو و رحم ہے' کفار اور مشرکین سے حسن سلوک ہے' غریبوں کے ساتھ محبت ہے' حیوانات اور پرندوں پر رحم ہے' رحمت و محبت عام ہے' رقیق

www.iqbalkalmati.blogspot.com

الخلق ہے' عبادت و تعزیت ہے' اولاد سے محبت ہے' غرضیکہ حسنت جمیع خصاله۔

آپ ﷺ کے بارے میں کیا لب کشائی کی جا سکتی ہے۔ آپ ﷺ کے اخلاق اور اوصاف کا ذکر احادیث اور سیرت کی کتابوں میں بڑی تفصیل سے کیا گیا ہے۔ آپ ﷺ کی زندگی کا ایک ایک وقعہ اخلاق و اوصاف کی تفسیر نظر آتا ہے۔ آپ ﷺ کے اخلاق میں سب سے نمایاں بات یہ ہے کہ آپ ﷺ نے جس اخلاق کا پرچار کیا' اس پر مکمل طور پر عمل کر کے بھی دکھایا۔ آپ ﷺ کی ذات اقدس تمام انبیائے کرام اور مصلحین عالم میں واضح طور پر اس لئے ممتاز ہے کہ آپ ﷺ کا عمل آپ ﷺ کے علم کا شاہد ہے۔ حدیث نبویؐ اور سنت نبویؐ میں تطابق ہے۔

آپ ﷺ کا کمال اخلاق یہ ہے کہ وہ دور جس میں صداقت' دیانت اور امانت کے چراغ گل ہو چکے تھے' آپ ﷺ نے اپنے پاکیزہ کردار سے اس دور میں ''الصادق'' اور ''الامین'' کے القاب حاصل کئے اور وہ بھی مخالفین سے۔ آپ ﷺ کے قریب رہنے والے سبھی لوگ یک زبان یہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نہایت نرم مزاج' خوش اخلاق اور نیک سیرت تھے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ نے کبھی برائی کے بدلے میں برائی سے کام نہیں لیا۔ آپ ﷺ ہمیشہ درگزر فرماتے' معاف فرما دیتے۔ آپ ﷺ نے کبھی کسی کا دل نہیں دکھایا۔ آپ ﷺ نے کبھی کسی کو بات کرنے کے دوران ٹوکا نہیں۔ آپ ﷺ خندہ جبیں' نرم گفتار اور مہربان تھے۔

آپ ﷺ پر جب پہلی بار وحی نازل ہوئی تو آپ ﷺ نزول وحی کی شدت سے گھبرائے اور آپ ﷺ پر لرزہ طاری ہو گیا۔ آپ ﷺ نے گھبرا کر رفیقہ حیات سے اپنی کیفیت کا ذکر فرمایا کہ مجھے اپنی جان کا خوف ہے۔ حضرت خدیجہؓ نے آپ ﷺ کو تسلی دی اور آپ ﷺ کے اخلاق کے بارے میں یہ کہا ''ہرگز نہیں خدا کی قسم! خدا آپ کو کبھی اندوہ گیں نہ کرے گا۔ آپ عزیزوں اور رشتے داروں سے حسن سلوک کرتے ہیں۔ ناتواں' بے کسوں اور غریبوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔ جس کے پاس کچھ نہیں ہوتا' اسے دیتے ہیں۔ مہمانوں کی تواضع کرتے ہیں' مصائب میں حق کے معاون اور مددگار ہیں اور آپ ﷺ میں وہ تمام صفات ہیں کہ آپ ﷺ صادق القول ہیں۔''

آپ ﷺ کے قبل نبوت کے اخلاق کا گواہ حضرت خدیجہؓ سے بہتر اور کون ہو سکتا ہے۔ آپ ﷺ داعی حق ہونے کی حیثیت سے اپنی تعلیم کا افضل و اعلیٰ نمونہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں انسانی زندگی کیلئے جس انسانی اخلاق کی تعلیم فرمائی' اس کا عملی مظہر سرکار ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ حضور اکرم ﷺ کو اس بات کی پوری آگہی تھی کہ آپ ﷺ کو دنیا کیلئے معلم اخلاق بنا کر بھیجا گیا ہے۔ آپ ﷺ کے اعمال اور آپ کے اقوال اس بات کا مکمل ثبوت ہیں۔ اخلاق کی تکمیل آپ ﷺ کے دم سے ہوئی۔

آپ ﷺ کے چند ارشادات ملاحظہ ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کامل انسان اور کامل ایمان اس مومن کا ہے' جس کا اخلاق اچھا ہے۔ اعمال کے ترازو میں حسن خلق سے بھاری کوئی نیکی نہیں۔ انسان حسن

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اخلاق سے عبادت کا درجہ حاصل کر سکتا ہے۔ تم میں سب سے اچھا وہ ہے' جس کے اخلاق اچھے ہیں۔ حضور اقدسؐ سے ایک مرتبہ سوال کیا گیا کہ ''کون سی نیکی بہتر ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''کھانا کھلانا اور سب کو سلام کہنا یعنی سب کو سلامتی کی دعا کا پیغام پہنچانا۔''

حضرت ابوذر غفاریؓ نے ایک مرتبہ اپنے کسی غلام کو برا بھلا کہا۔ حضور اکرم ﷺ نے سن لیا۔ فرمایا ''ابوذرؓ ابھی تم میں جہالت باقی ہے' غلام تمہارے بھائی ہیں' اللہ نے انہیں تمہارے ماتحت کیا ہے' جس کا بھائی ماتحت ہو' اسے چاہئے کہ بھائی کو ویسا ہی کھانا کھلائے جیسا آپ کھائے' ویسا ہی پہنائے جیسا آپ پہنے' بھائی سے ایسا کام نہ لے جو اس سے نہ ہو سکے' کوئی سخت کام ہو تو اس کی مدد کرے۔''

حضور ﷺ کے اخلاق عالی میں حسن سلوک کو بڑی اہمیت ہے۔ آپ ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا ''قسم ہے وہ ایمان نہیں لایا' خدا کی قسم وہ ایمان نہیں لایا' خدا کی قسم وہ ایمان نہیں لایا۔'' صحابہؓ نے عرض کیا ''یا رسول اللہ! کون؟'' آپ ﷺ نے فرمایا ''جس کا پڑوسی اس کے شر سے محفوظ نہیں۔''

آپ ﷺ کی زندگی کے واقعات اور آپ ﷺ کے ارشادات میں ایسے ہزار ہا پہلو سامنے آتے ہیں' جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ حسن اخلاق کی تکمیل کیلئے تشریف لائے۔ کون سی ایسی خوبی ہے جو آپ ﷺ کی ذات میں موجود نہ ہو۔ آپ ﷺ نرم مزاج تھے' خوش گفتار تھے' متین تھے' حلیم الطبع تھے۔ کسی کی دل آزاری نہ فرماتے۔ آپ ﷺ کی مجلس میں نئے آنے والوں کو جگہ نہ ملتی تو آپ ﷺ اپنی ردائے مبارک بچھا دیتے۔ بچوں پر تو آپ ﷺ اس حد تک شفیق تھے کہ مشرکوں کے بچوں پر بھی رحم کرنے کا آپ ﷺ نے حکم فرمایا۔ غلاموں پر آپ ﷺ کی شفقت کا یہ عالم تو اس بات سے بھی واضح ہو جاتا ہے کہ آج بھی آپ ﷺ کی غلامی ہی سرفرازی کا ذریعہ ہے۔ آپ ﷺ نے ہمیشہ غریبوں اور بے کسوں سے عملی ہمدردی کا اظہار فرمایا۔ آپ ﷺ نے دنیا میں مساوات کا اعلیٰ ترین نمونہ قائم کیا۔ فتح مکہ کے بعد آپ ﷺ کا ارشاد ہے ''اے گروہ قریش! اللہ نے جہالت کا غرور اور نسب کا افتخار مٹا دیا۔ تمام لوگ آدمؑ کی اولاد ہیں اور آدمؑ مٹی سے بنے۔'' اور خلق کا یہ عالم ہے کہ آپ ﷺ کے پاس خلق عظیم ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''ہر دین کا خلق ہوتا ہے اور اسلام کا خلق حیا ہے۔''

آپ ﷺ کے پاس جو صفت بھی موجود ہے' دائم ہے۔ آپ ﷺ دائم الرضا ہیں' دائم الزہد ہیں' دائم الشوق ہیں' دائم الصبر ہیں' دائم الصدق ہیں اور دائم الامر ہیں' دائم الفکر ہیں۔ غرضیکہ آپ ﷺ ہمہ وصفت موصوف ہیں۔ حسن آپ ﷺ کی صفت ہے اور صفت آپ کا حسن۔ آپ ﷺ ہمیشہ ہشاش بشاش رہے اور اللہ تعالیٰ کے خوف اور اللہ کی محبت نے آپ ﷺ کو دنیا کے خوف اور محبت سے آزاد کر دیا۔ حضرت سعد بن ہشامؓ سے روایت ہے کہ آپ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے پوچھا کہ ''اے ایمان والوں کی ماں! حضور اکرم ﷺ کے اخلاق کے بارے میں کچھ بتائیں'' تو آپ نے فرمایا کہ ''تم نے قرآن نہیں پڑھا۔'' انہوں نے کہا ''قرآن تو پڑھا ہے'' حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ ''حضور اکرم ﷺ کا خلق قرآن تھا۔'' یعنی آپ ﷺ

www.iqbalkalmati.blogspot.com

قرآن مجسم تھے۔ آپ ﷺ کا اخلاق ہی منشائے قرآن کے عین مطابق ہے۔ قرآن کو پڑھیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ قرآن جس اخلاق کی تعلیم دے رہا ہے' وہ حضور ﷺ ہی کا اخلاق ہے اور حضور ﷺ کی زندگی اور آپ ﷺ کے اخلاق دیکھیں تو یوں نظر آتا ہے کہ آپ ﷺ کا اخلاق قرآن ہی کا اخلاق ہے۔ اللہ کا پسندیدہ اخلاق آپ ﷺ کی ذات میں اور آپ ﷺ کا اخلاق اللہ تعالیٰ کے ارشاد میں موجود ہے۔ اسی لئے آپ ﷺ کے اخلاق کی پیروی ہی رضائے الٰہی کا ذریعہ ہے۔

اخلاقیات کے تمام مکاتیب فکر اس بات پر متفق ہیں کہ رحم اخلاق کی اعلیٰ صفت اور حضور ﷺ کی ذات مبارکہ میں رحم اور رحمت کا یہ عالم ہے کہ آپ ﷺ کے بارے میں ارشاد ہے وما ارسلنک الا رحمتہ اللعالمین۔ کہ آپ ﷺ تمام مخلوق کیلئے رحمت مجسم بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ اپنا' بیگانہ' مومن' کافر' چرند پرند' ذی جان' بے جان' مرئی یا غیر مرئی' کوئی مخلوق ہو آپ ﷺ کی رحمت کا سایہ سب کیلئے ہے اور ہمیشہ کیلئے ہے۔ آپ ﷺ کو جب بھی کسی نے کفار پر لعنت بھیجنے کیلئے کہا' آپ ﷺ نے ہمیشہ یہی فرمایا کہ ''میں لعنت کیلئے نہیں' رحمت کیلئے بھیجا گیا ہوں۔'' روایت ہے کہ حضور اقدسؐ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا' آپ ﷺ کے رعب و جمال سے کانپنے لگا' آپ ﷺ نے فرمایا ''اپنے آپ کو سنبھال' میں کوئی بادشاہ نہیں' میں تو قریشی ماں کا بیٹا ہوں' جو سوکھا گوشت کھایا کرتی تھی۔''

آپ ﷺ لغزشوں کو معاف فرمانے والے تھے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ''میں نے حضور اقدسؐ کی خدمت کی ہے۔ میں نے کبھی آپ ﷺ کو یہ کہتے نہیں سنا کہ تم نے ایسا کیوں کیا اور ایسا کیوں نہ کیا۔ غلاموں کے ساتھ شفقت کا یہ عالم ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا ''یا رسول اللہ! غلاموں کا قصور کتنی دفعہ معاف کریں۔'' آپ ﷺ خاموش رہے۔ اس نے جب تیسری مرتبہ یہی گزارش کی تو آپ ﷺ نے فرمایا ''ہر روز ستر مرتبہ۔'' حضور اقدسؐ اکثر دعا فرمایا کرتے تھے کہ ''اے اللہ! مجھے مسکین زندہ رکھ' مسکین اٹھا' مسکینوں ہی کے ساتھ میرا حشر ہو۔'' حضرت عائشہؓ نے دریافت کیا ''یہ کیوں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا ''اس لئے کہ مسکین دولت مندوں سے پہلے جنت میں جائیں گے۔''

آپ ﷺ کی روزمرہ کی زندگی انتہائی سادہ تھی۔ آپ ﷺ میں تکلف اور تصنع کا سایہ تک نہیں تھا۔ نماز' خوراک' رہائش میں ہمیشہ سادگی سے کام لیتے۔ امارت اور فضولیات آپ ﷺ کو ناپسند تھیں۔ واقعہ ہے کہ ایک صحابی نے نیا مکان بنوایا' جس کا گنبد بلند تھا۔ آپ ﷺ نے دیکھا تو پوچھا ''یہ مکان کس کا ہے؟'' لوگوں نے نام بتایا۔ آپ ﷺ چپ رہے اور وہ شخص جب حسب معمول آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام کیا تو آپ ﷺ نے منہ پھیر لیا۔ اس نے پھر سلام کیا' آپ ﷺ نے پھر منہ پھیر لیا۔ وہ سمجھ گیا کہ ناراضگی کی کیا وجہ ہے۔ جا کر گنبد کو زمین کے برابر کر دیا۔ آپ ﷺ نے جب دوبارہ مکان دیکھا تو ارشاد فرمایا ''ضروری عمارت کے سوا ہر عمارت انسان کیلئے وبال ہے۔''

ایک دفعہ آپ ﷺ ایک چٹائی پر آرام فرما رہے تھے۔ اٹھے تو لوگوں نے دیکھا کہ پہلوئے مبارک

www.iqbalkalmati.blogspot.com

پر نشان پڑ گئے ہیں۔ عرض کیا ''یا رسول اللہ! ہم لوگ کوئی گدا منگوا کر حاضر کریں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا ''مجھ کو دنیا سے کیا غرض' مجھے دنیا سے اتنا ہی تعلق ہے جتنا اس سوار کو جو تھوڑی دیر کیلئے کسی درخت کے سائے میں بیٹھ جاتا ہے اور پھر اس کو چھوڑ کر آگے بڑھ جاتا ہے۔'' آپ ﷺ نے سادہ زندگی کو ہی بلند خیالی کیلئے لازمی قرار دیا۔

دنیا کے تمام مفکرین اخلاق نے آج تک جتنے بھی اخلاق کے اصول بنائے ہیں' آپ ﷺ کی زندگی ان اصولوں کی مظہر ہے۔ آج کے زر پرست اور ہوس پرست معاشرے میں شاید یہ بات سمجھنا مشکل ہو کہ وہ انسان جو پیغمبروں کا امام ہو' اللہ کا محبوب ہو' قبیلے کا سردار ہو' جس کا نام لوگوں کے ایمان کا حصہ ہو' جس کا علم دلوں پر جاری ہو' جس کے اشاروں پر لوگ اپنی جان نثار کرنے کو سعادت سمجھتے ہوں' اس انسان کے جسم مقدس پر کوئی پیوند دار لباس ہو اور پیوند بھی اپنے دست مبارک سے لگائے ہوں۔ جس کو دولت معراج عطا ہو رہی ہے' عروج کی انتہا ہو رہی ہے' اس کی زندگی اتنی سادہ ہو کہ اگر حضرت عمرؓ دیکھیں تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جائیں کہ قیصر و کسریٰ تو باغ و بہار کے مزے لوٹیں اور آپ ﷺ اللہ کے پیغمبر ہوتے ہوئے اس حال میں زندگی بسر کریں اور پھر حضور ﷺ سادگی اور یقین سے یہ ارشاد فرمائیں کہ ''اے عمرؓ! تم کو یہ پسند نہیں کہ ان کیلئے دنیا ہو اور ہمارے لئے آخرت۔''

حضور اقدسؐ نے اخلاق انسانی کو تکمیل کے اس درجے تک پہنچا دیا کہ یہ اخلاق آسمان ہو کر رہ گیا۔ اللہ نے انسانوں کیلئے جو بھی اخلاق پسند فرمایا' وہ دراصل اخلاق محمدی ﷺ ہے۔ حضور ﷺ نے جس اخلاق کو پیش کیا وہ دراصل اللہ کا پسندیدہ اخلاق ہے۔ کوئی خوبی ایسی نہیں جو حضور ﷺ پر نور میں نہ ہو۔ آپ ﷺ ایفائے عہد میں اتنے بلند تھے کہ آپ ﷺ تین دن تک ایک جگہ کھڑے رہے' ایک انصاری نے آپ ﷺ سے ٹھہرنے کا وعدہ لیا اور وہ خود بھول گیا۔ تین دن کے بعد جب وہ وہاں سے گزرا' آپ ﷺ کو دیکھا تو اسے یاد آیا لیکن آپ ﷺ نے اس سے صرف اتنا کہا کہ تو نے مجھے بہت تکلیف دی۔

حضور ﷺ کے اخلاق کے بارے میں کیا کیا کہا جائے۔ آپ ﷺ نے اللہ سے اسوۂ حسنہ کی سند لی' دنیا نے آپ ﷺ کو معلم اخلاق مانا' آپ ﷺ پر نبوت کی تکمیل ہوئی' انسانیت کی تکمیل ہوئی اور اخلاق کی تکمیل ہوئی۔ آپ ﷺ کی ذات کے بارے میں بس یہی کچھ کہا جا سکتا ہے کہ

سچ آکھاں تے رب دی شان آکھاں
جس شان توں شاناں سب بنیاں

☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

رحمت

رحمت کا تصور یا اس کے وجود کا ثبوت اللہ تعالیٰ نے خود عطا فرمایا۔ اس کا ارشاد ہے اور یہ ارشاد بڑے زور دار لہجے میں آیا ہے کہ میری رحمت سے مایوس نہ ہونا یعنی خبردار میری رحمت سے مایوس نہ ہونا۔ اگر انسان کے اعمال اپنے منطقی نتیجے پر منتج ہوں تو رحمت کا لفظ کوئی معنی نہیں رکھتا۔ انسان محنت کرے گا' حاصل کر لے گا۔ بدی کرے گا' سزائے پالے گا۔ نیکی ہوگی' انعام پائے گا۔ ہر وجہ کا ایک نتیجہ ہے اور ہر نتیجے کیلئے کوئی نہ کوئی وجہ ہے۔ اگر وجوہ اور نتائج صرف وجوہ اور نتائج ہی ہوتے تو غالباً انسان کے دل سے امید' آس اور رحمت کا تصور ختم ہو جاتا۔ رحمت ہوتی ہی انسان کو اس کی بداعمالیوں کی سزا سے بچانے کیلئے' یعنی حال کی غلطی جو مستقبل میں اپنے لئے سزا مرتب کر چکی ہے یا لکھ چکی ہے' اس سے بچانے والی شے رحمت کہلائے گی۔ پس یہ ارشاد کہ میری رحمت سے مایوس نہ ہونا' صرف یہی مفہوم رکھتا ہے کہ اے انسان! اپنے مستقبل سے مایوس نہ ہونا اور یہ کہ اے انسان! اگر کبھی غلطی سرزد ہو جائے تو یاد رکھنا کہ غلطی کی سزا ضرور ہے لیکن یہ بات نہ بھولنا کہ میری رحمت میرے غضب سے زیادہ وسیع ہے۔ غلطی کی سزا دینے والا میں ہی ہوں۔ لیکن یہ میرا ہی فضل ہے کہ میں غلطیاں معاف بھی کرتا ہوں' خطاؤں سے درگزر بھی کرتا ہوں' انسان کی کمزوری کو اپنی رحمت کی طاقتیں عطا فرماتے ہوں۔

آنے والے اندیشوں میں مبتلا رہنے والے انسان کیلئے ایک صدا بلند ہوتی ہے کہ خبردار یہ نہ بھولنا کہ میں اور صرف میں اس بات پر قادر ہوں کہ گناہ معاف کر دوں اور یہی نہیں بلکہ انسان کی تمام غلطیوں کو معاف کر دوں اور یہ کہ اس کے تمام گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دوں۔ میں انسان کو تاریکیوں سے نکالتا ہوں' اسے روشنی عطا کرتا ہوں' ظلمات سے نور کا سفر میری رحمت کے سہارے ہو سکتا ہے۔ کافروں کو سزا سے پہلے انہیں ہدایت حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمانے والا ہوں۔ بے ایمانوں کو ایمان کی دولت عطا کرتا ہوں۔

اللہ کریم کی رحمت کو اگر غور سے دیکھیں تو زندگی کے قدم قدم پر چھائی ہوئی ہے۔ ہمارا ایک ایک سانس اس کا مرہون منت ہے۔ رات کو سونے کے بعد صبح کی بیداری اس کی رحمت کے سہارے ہوتی ہے۔ انسان نہیں جانتا کہ وہ کن کن مشکل مقامات سے گزار دیا جاتا ہے۔ یہ زندگی مشاہدات سے بھری ہوئی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جو لوگ رحمت کے قائل نہیں' وہ کس مشکل میں مبتلا ہوتے ہیں۔ ان کے پاس مال ہوتا ہے' سکون نہیں ہوتا۔ وہ اپنی آرزوئیں پوری کر کے بھی دولت سکون سے محروم ہوتے ہیں۔ یہ اس کا فضل ہے کہ وہ انسان کے دل کو سکون و قرار کی دولت سے مالا مال کر دے۔

اللہ کریم نے انسان کو رحمت کا تصور دیا۔ رحمت کے خیال سے ہی انسان کے تصور میں بہار پیدا ہو

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جاتی ہے۔ ایسی آرزو جس کے حاصل کرنے کی خواہش ہو اور اس کا استحقاق نہ ہو' رحمت کے انتظار میں پل جاتی ہے۔ مسلمان جنت کی تمنا میں اپنی حیات کا سفر کر رہے ہیں۔ یہ یقین کہ ان کی آخرت بہتر ہوگی' صرف رحمت کے تصور سے حاصل ہوتا ہے۔ ہمارے لئے سب سے بڑا اعزاز یہی ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی رحمت کے انتظار میں رہتے ہیں۔ مسلمان رحمت کے حق سے مایوس نہیں ہوتا۔ ہم اعمال پر بھروسہ نہیں کرتے' بھروسہ اس کے فضل پر ہے۔ ہمیں اپنے اعمال کا آسرا نہیں' آسرا اس کی رحمتوں کا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ عبادت وہ ہے جو مجبور کو منظور ہو جائے ورنہ کروڑوں سال کی عبادت ایک سجدہ نہ کرنے سے ضائع ہوتی دیکھی گئی اور مقرب معتوب ہوا کہ اس نے اپنے عمل کے غرور میں اپنا مقام چھوڑ دیا۔ یہاں مقام صرف منظوری کا ہے' تقرب صرف رضا مندی کا ہے' نتیجہ' اعمال کا نتیجہ' اعمال پر نہیں عنایات پر ہے۔ عدل اہم چیز ہے لیکن فضل عدل سے بہت زیادہ قوی ہے۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ انسان کو ضعیف پیدا کیا گیا' ترغیبات کے رنگین جال میں انسان پھنس جاتا ہے اور جو لوگ اس جال سے بچ گئے' وہ رحمت کے دائرے میں پناہ پا گئے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے مقرب کئے ہوئے' اپنے نامزد فرمائے ہوئے انبیاء علیہم السلام کو دنیا میں اس لئے مبعوث فرمایا کہ وہ لوگوں کو گناہ اور کفر کی تاریکی سے باہر نکالیں۔ ان سے جہالت کے اندھیرے دور کریں اور وہ لوگ جو خواہشات کے جال میں جکڑے جا چکے ہیں' ان کو امید اور رحمت کی قوت عطا فرما کر انہیں ہر بندھن توڑنے کیلئے تیار کر دیا جائے۔

دنیا میں آنے والے تمام پیغمبروں علیہم السلام نے انسانیت کی خدمت کی' انسان کو فلاح کی طرف سفر کرایا اور سب پیغمبروں میں سب سے زیادہ بزرگ پیغمبر ﷺ' محبوب پیغمبر ﷺ' منور پیغمبر ﷺ اور پیغمبروں کے امام پیغمبر ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمتوں کے کمال کا مظہر بنا کر بھیجا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ہم نے آپ ﷺ کو سب جہانوں کیلئے رحمت بنا کے بھیجا۔ یہ مقام بڑے غور کا ہے کہ کیا ایک انسان سب انسانوں کیلئے اور سب جہانوں کیلئے رحمت یا باعث رحمت ہو سکتا ہے اور اگر ایک انسان سب انسانوں کیلئے' سب جہانوں کیلئے' پوری کائنات کیلئے' ماضی' حال' مستقبل کیلئے' ظاہر باطن کی کائنات کیلئے' رسول رحمت ہے تو وہ ایک انسان کیا انسان ہوگا۔ اب ایسے انسان کے بارے میں کچھ کہنے کی بجائے اس پر درود و سلام بھیجا جائے۔ عام آدمی اپنی ذات کیلئے باعث رحمت نہیں ہو سکتا اور سرکار ﷺ پوری کائنات کیلئے باعث رحمت ہیں۔ یعنی پوری کائنات کیلئے مایوسیوں سے نکلنے کی ضمانت عطا فرماتے ہیں۔ تو مطلب واضح ہوا کہ رحمت قرب رسول ﷺ ہے اور اس قرب سے محروم انسان کو اس کے اعمال کی عبرت کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔ عمر گذشت کے کفر اور اس کی بداعمالیوں کے نتیجے سے بچنے کا واحد ذریعہ حضور ﷺ کی مہربانی ہے۔ ہمیں اپنے اعمال کی کمی بیشی سے بچانے والی ذات حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ آپ ﷺ کا وجود مبارک جہاں باعث تخلیق کائنات ہے' وہاں باعث قیام کائنات اور باعث نجات کائنات بھی ہے۔

انسان دنیا کے بکھیڑوں میں مبتلا ہو کر بھول جاتا ہے کہ وہ کس سفر پر آیا' کس مقصد کیلئے آیا اور اسے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کہاں جاتا ہے۔ وہ کھیل میں مصروف ہو جاتا ہے اور مقصد اعلیٰ اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ حضور علیہ کی ذات گرامی گمراہوں کو ہدایت دے کر صراط مستقیم سے آشنا فرماتی ہے۔ آپ علیہ کے بارے میں اللہ کا ارشاد ہے کہ آپ علیہ رسولوں میں سے ہیں اور آپ ہی صراط مستقیم پر ہیں۔ یعنی حضور علیہ کے راستے پر چلنے والا' حضور علیہ سے محبت کرنے والا' حضور علیہ کی اطاعت کرنے والا اللہ کے قرب کو حاصل کر لیتا ہے اور جس پر حضور علیہ مہربان' اس پر اللہ مہربان اور جس پر اللہ مہربان ہو جائے' وہ کسی اعمال کی کمی بیشی سے کیوں خوف کھائے گا۔ اللہ ہی کا ارشاد ہے کہ اے میرے محبوب علیہ! یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں ان پر عذاب ڈالوں جبکہ آپ ان میں ہیں یعنی جس دل میں حضور علیہ کی یاد ہے' وہ ہمیشہ قرار میں رہے گا اور جائے قرار بہشت کے علاوہ کیا ہے؟ گویا کہ حضور علیہ کی محبت باعث حصول نجات ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ انسان نیک اعمال نہ کرے کیونکہ یہ حضور علیہ کی محبت سے انحراف ہے۔ حضور علیہ کا ہر عمل ہمارے لئے ایک نمونہ ہے اور ہر عمل ہمارے لئے نجات کا باعث ہے۔

یہاں تک بھی کہا جاتا ہے کہ فقرائے کرام سے سرزد ہونے والی کرامتیں بھی حضور علیہ کی رحمتوں کے جلوے ہیں۔ ہم نے دیکھا کہ آپ علیہ کی نگاہ رحمت کی ضمانت ہے۔ آپ علیہ کی رحمت اللہ کی رحمت ہے کیونکہ آپ علیہ خود ہی اللہ کی رحمت ہیں۔ مولانا رومؒ کو مولوی بنانے والا عمل اس کی رحمت کا عمل ہے۔ رحمت انسان کو عام سے خاص اور خاص سے خاص الخاص بناتی رہتی ہے۔ اقبالؒ کو محرم راز بنانے والی شے یہی رحمت ہے۔ اقبالؒ جانتا تھا کہ اس کے شعر باقی شعراء سے زیادہ بلند نہیں' اس کا فکر باقی فلسفیوں سے زیادہ بلیغ نہیں۔ ملت کا درد حالی کے پاس بھی تھا اور شب بیداری اسی اقبالؒ کے بقول عطارؒ' رومیؒ' رازیؒ اور غزالیؒ کو بھی ملی' لیکن اقبالؒ کو جو پذیرائی عطا ہوئی' جو قوم نے اپنے دل میں اسے جگہ دی' یہ صرف اور صرف حصول رحمت مصطفیٰ علیہ کے دم سے ہے۔ اقبالؒ کردار کا غازی نہ ہونے کے باوجود قلندرانہ مقامات پر فائز کیا گیا۔ اس کی آواز قوم کیلئے ایک پرسوز حدی خواں کی آواز تھی۔ اس کا نالۂ نیم شبی آج بھی قوم کیلئے بیداری کا پیغام رکھتا ہے۔ اس نے قوم کو ایک ایسے تصور سے ہمکنار کیا جسے پاکستان کا لقب ملا۔ یہی تصور اقبالؒ تھا۔

رحمت ایک مستقبل کا تصور دے کر انسان کو جاوداں کر دیتی ہے۔ خاک افلاک تک جا پہنچتی ہے۔ رحمت کے شکر میں جھکا ہوا سر سرفراز کر دیا جاتا ہے۔

رحمت ایک عام زندگی میں ایسا انقلاب برپا کرتی ہے کہ وہی عام انسان خاک کے ایک ذرے سے ماہتاب و آفتاب بنا دیا جاتا ہے۔ آنے والے زمانوں کو رخ عطا کرنے والے لوگ رحمت سے نوازے ہوئے ہوتے ہیں۔ ان کی فکر رحمت کا کرشمہ ہے۔ ان کی فصاحت اور بلاغت رحمت کا اعجاز ہے۔ رحمت رفعتیں عطا کرتی ہے' فانی کو جاودانی بناتی ہے' جزو کو کل کے راستے دکھاتی ہے' کثرت کو وحدت میں سمیٹتی ہے' مایوسیوں میں امیدوں کے چراغ جلاتی ہے' ہونی کو انہونی اور انہونی کو ہونی کر دیتی ہے' غریبی میں بادشاہی اور بادشاہی میں فقیری کو عطا کرنے والی شے رحمت ہے۔ وہ جو دیکھنے میں خاک نشیں نظر آتا ہے' حقیقت میں عرش نشیں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہے۔ دونوں جہاں کیلئے رحمتوں کا پیغام لانے والی ذات انسان کو تکلیفوں میں مبتلا دیکھ کر پریشان ہو جاتی ہے۔ آپ ﷺ کو اپنا کوئی غم نہیں۔ آپ ﷺ آدھی آدھی رات تک جاگتے ہیں' سجدے کرتے ہیں اور روتے ہیں۔ بس امت کا حال دیکھ کر آپ ﷺ کو آزردہ کرنے والی بات صرف یہی ہے کہ امت نے آپ ﷺ کا راستہ ترک کر دیا' لیکن ابھی بہت کچھ باقی ہے۔ ابھی امیدوں کے چراغاں ہیں' ابھی اعتماد کی منزلیں طے ہو رہی ہے۔ ابھی لوگوں میں یقین ہے' آپ ﷺ کی رحمتوں کا' آپ ﷺ کی نوازشوں کا۔ حق نہ رکھنے کے باوجود آپ ﷺ کی عنایت کو اپنا حق سمجھنے والے اتنی ناحق بات بھی نہیں کر رہے۔ یہی تو حق ہے اور یہی اللہ کے حکم کا مفہوم ہے کہ میری رحمت سے مایوس نہ ہونا یعنی عمل کی کوتاہی کی وجہ سے حق نہ رکھنے کے باوجود رسول رحمت کی عنایت کو اپنا حق مانتے رہنا۔ یہی راستہ مایوسیوں سے بچنے کا راستہ ہے۔ اسی یقین کو ایمان کہتے ہیں۔ وہ اللہ جس نے ہمیں اپنا دین عطا فرمایا' اپنی عنایات عطا فرمائیں' ہمیں آنکھیں عطا کیں اور آنکھوں کیلئے روشن روشن کائنات بنائی' اسی اللہ نے جس نے ہمارے لئے دنیا کی راہیں آسان فرمائی' ہمارے لئے دریاؤں کو حکم دیا کہ ہمیں راستہ دے دیں' بلند پہاڑوں کیلئے حکم ہے کہ انسان کو راستہ دے دیں۔ ہر راز کو حکم ہے کہ انسان کیلئے آشکار ہو جائے' ہر مخفی کو ظہور کا حکم دینے والا اپنی رحمتوں کے اٹل ہونے کا اعلان فرماتا ہے۔ رحمت آ کے رہے گی' گناہ معاف کر دیئے جائیں گے' شرط اظہار ندامت ہے' شرط خلوص دل سے توبہ ہے۔ شرط حضور ﷺ کے دامن سے وابستہ ہونے کی تمنا ہے۔ شرط اللہ کی رسی کو مل کر مضبوط پکڑنے کی ہے یعنی شرط رحمت کی تمنا ہے اور اس کا انعام حصول رحمت۔

رحمت کے کرشمے دیکھنے والی آنکھ اکثر پرنم رہتی ہے۔ رحمت والے لوگ اس جہاں میں رہ کر بھی اس جہاں کے خیال میں زندہ ہوتے ہیں۔ دور کے زمانے بھی ان کو حضور ﷺ کے قریب رکھنے میں رکاوٹ نہیں ڈالتے کیونکہ اس نگاہ میں صدیوں کے فاصلے بھی کوئی وقعت نہیں رکھتے۔ وہ نگاہ صدیاں عبور کر کے اپنے درویشوں کی زندگی کو آج بھی روشن کرتی ہے۔ آپ ﷺ آج بھی قریب کرتے ہیں اور قریب ہوتے ہیں۔ یہی رحمت کا کرشمہ ہے کہ اس میں نہ ماضی دور ہوتا ہے نہ مستقبل بعید ہوتا ہے۔ اس میں فاصلے سمٹ جاتے ہیں' فاصلے تاریخ کے ہوں یا جغرافیے کے' اس میں کچھ اہمیت نہیں رکھتے۔ آج رجوع کرنے والا پرانے جلوے کو حاضر پاتا ہے۔ گزرے زمانے کے جلووں کو پکارنے والا مایوس نہیں کیا جاتا کیونکہ جلوے گزرتے نہیں۔ سورج میں روشنی قائم ہے' چاند میں نور باقی ہے۔ آسمانوں کی گردش برقرار۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کائنات کیلئے رحمت کا سبب ماضی بن جائے۔ یہ ناممکن ہے۔ کائنات حاضر' رحمت حاضر' کائنات موجود رحمت موجود بلکہ یہاں تک کہ کائنات نہ موجود ہو' رحمت تب بھی موجود رہتی ہے کیونکہ رحمت دراصل حی و قیوم کی صفت ہے اور اس صفت سے حضور ﷺ کو متصف کیا گیا۔ جب صفت نہیں مر سکتی تو موصوف نعوذ باللہ کیسے فانی ہو سکتے ہیں۔ رحمتیں مرنے کے بعد بھی حاصل ہوتی رہتی ہیں۔

ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ ہمارے ماں باپ پر رحم فرما' ہماری اولادوں پر فضل کر اور اگر ماں باپ یا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اولاد رخصت ہو چکے ہوں' تب بھی دعا کے حوالے سے ان پر رحمت ہو سکتی ہے۔ رحمت ہڈیوں پر کیا ہو گی' خالی بے جان گوشت پوست پر کیا ہو گی' رحمت تو ہمارے ماں باپ پر ہو گی اور اگر ماں باپ زندہ نہیں تو پھر ماں باپ کا لفظ کس کیلئے ہے۔ ہم کسی وابے کیلئے دعا نہیں کر رہے ہیں کیونکہ یہ دعا ہمیں حی و قیوم نے بتائی ہے۔ اللہ واہموں کی بخشش کی دعائیں نہیں بتاتا۔ رحمت کا سلسلہ ہمیشہ ہمیشہ سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے جاری ہے اور رحمت مانگنے والے کیلئے ہے اور نہ مانگنے کیلئے بھی ہے اور کبھی کبھی تو نہ مانگنے والے زیادہ خوش قسمت نظر آتے ہیں کہ ان کیلئے ہر صاحب راز نے دعا کی۔

اللہ کو بھول جانے والے لوگ اللہ کو تو یاد ہیں۔ وہ جنہوں نے اللہ کو نظر انداز کر دیا' اللہ انہیں نظر انداز نہیں کرتا۔ وہ جنہوں نے اللہ کو چھوڑ دیا' اللہ انہیں نہیں چھوڑتا۔ اللہ نے پیغمبر بھیجے کہ ان ناسمجھ لوگوں کو ہدایت عطا فرمائی جائے۔ ان لوگوں کا استحقاق نہیں' لیکن ان پر رحمت کرنا رحمتوں والے کی شان ہے۔ وہ اتنی بڑی رات کے اندر روشنی کا چراغ جلاتا ہے۔ وہ کفر کے اندھیروں میں ایمان کے نور کا جلوہ دکھاتا ہے۔

رحمت حق اس شخص کی تلاش میں رہتی ہے جس کی آنکھ پرنم رہتی ہے۔ آنسوؤں کے قریب رہنے والے رحمت حق کے قریب ہیں۔ انسان کی زبوں حالی پر ترس کھانے والے رحمت حق کے اندر ہیں۔ رحمت کرنے والے دراصل رحمت حاصل کرنے والے ہیں۔ انسان کے قریب رہنے والے خدا کے قریب ہیں اور خدا کے قریب رہنے والے محبوب خدا ﷺ کے قریب رہتے ہیں اور یہ قرب' قرب رحمت ہے۔ رسول رحمت کی ہر بات حصول رحمت کا ذریعہ ہے۔ آپ ﷺ نے کسی سے بھی انتقام نہیں لیا۔ غلاموں کو ایک دن میں ستر مرتبہ معاف کرنے کا حکم فرمایا۔ آپ ﷺ پوری کائنات کیلئے دعوت رحمت ہیں۔ اپنوں کو عبادت کے غرور سے بچاتے ہیں اور عبادت سے محروموں کو رحمت کا تصور دے کر عبادت کے قریب لاتے ہیں۔ فریاد کرنے والوں کو رحمت کے حصول کا حق عطا فرماتے ہیں۔ جس کو رحمت کا حق مل گیا' اسے رسول رحمتؐ کے دامن میں پناہ مل گئی۔ جسے حضور ﷺ کے دامن میں پناہ مل گئی' اس کا کام آسان ہو گیا یعنی حضور ﷺ پر ہمیشہ درود و سلام بھیجتے رہنا اور یہی اصل نسخہ ہے' حصول رحمت کا۔

☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

الٰہی' یا الٰہی یا الٰہی!

اے خاموشی کی زبان سننے والے مالک' اے اپنی مخلوق کے ہر حال سے ہمہ حال باخبر رہنے والے مولا' ہم پر رحم فرما' تو ہی تو جانتا ہے کہ ہم کس چیز سے محروم رہے ہیں' اے بنانے والے ہمیں پھر سے بنا...... ہم شاید ہم نہیں رہے۔ سب کچھ وہی ہے لیکن سب کچھ بدل سا گیا ہے......

ہمارا آسمان خوبصورت ہوتا تھا مگر اب وہی آسمان ہمارے سر پر وزن ڈال رہا ہے۔ پاؤں تلے سے زمین نکلا چاہتی ہے۔ ہم تیرے دیرینہ التفات سے محروم سے ہوتے جا رہے ہیں۔ ہماری زندگی تیرے محبوب ﷺ کے بتائے ہوئے راستے سے بھٹک گئی ہے......

ہم انسان کی محبت سے محروم ہیں...... انسان' انسان کے قریب آئے تو یوں لگتا ہے کہ خطرہ' خطرے کے قریب آ گیا ہے...... بھائی' بھائی کیلئے خوف پیدا کر رہا ہے۔ ہم پر بے یقینی کی وبا نازل ہو چکی ہے۔ ہر آدمی' ہر دوسرے آدمی سے ڈر رہا ہے۔ ہم عزم کوہ کن کی باتیں کرتے ہیں لیکن ہم حوصلہ شکن واقعات سے روشناس کر دیئے جاتے ہیں۔ جس قوم کے دل سے علما اور ادبا کا احترام ختم ہو جائے' اس کے انجام سے ڈر سا لگتا ہے۔

میرے مولا! تو ہی ہمیں اندھیروں سے نکال...... ہمیں روشنی دکھا' ہمیں راستہ دکھا...... اپنی محبت کا راستہ...... کامیابیوں کا راستہ...... یقین کی منزل دور' ہوتی جا رہی ہے...... تیرا فضل چاہئے...... تو نے ہمیشہ ہمارے ساتھ مہربانی کی...... عظیم مہربانی' بڑا احسان۔ تیرا فضل ہمیں میسر رہا...... اب کیا ہو گیا۔

ہم نے شاید شکر کرنا چھوڑ دیا...... ہم گلہ اور شکایت کرنے والی قوم بنتے جا رہے ہیں...... ہمارا مستقبل محرومی نہ ہو جائے...... میرے مولا تیرا اپنا ارشاد ہے کہ "اگر تم شکر کرو گے تو نعمتوں میں مزید اضافہ ہوگا"...... ہم توبہ کرتے ہیں' ناشکر گزاریوں سے توبہ' احسان فراموشی سے توبہ......

میرے آقا! تیرا شکر ہے کہ تو نے ہمیں اپنے پیارے نبی ﷺ کی امت سے پیدا کیا ہر احسان سے بڑا احسان...... یہی احسان ہے...... ہمیں اپنی اس عنایت کی قدر کرنے کا شعور بخش...... میرے مالک! تو نے ہمیں اس ملک کی نعمت سے لوازا...... یہ صرف تیرے فضل اور تیری شفقت کے سبب سے ممکن ہوا...... تو نے دس کروڑ غلام مسلمانوں کو آزادی کا شعور اور آزادی کے حصول کا حوصلہ بخشا...... دس کروڑ غلام مسلمان آزاد مملکت حاصل کر گئے اور آج دس کروڑ آزاد مسلمان اس مملکت اور اس آزادی کی حفاظت کرنے کا حق ادا نہیں کر رہے......

میرے اللہ! ہم تیرے سب احسانات کا شکر ادا کرتے ہیں۔ تو نعمتوں میں اضافہ فرما...... ہمیں ایک منزل کے حصول کیلئے آمادہ سفر کر...... ہم مختلف گروہوں میں بٹتے جا رہے ہیں...... ہمارے ہاں کچھ لوگ ظالم ہیں' کچھ مظلوم۔ ہم پر رحم فرما...... جب محروم اور غریب اس مقام تک پہنچا دیا جائے کہ وہ تیری رحمت سے مایوس

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہونے لگے تو وہ وقت امراء کیلئے آغاز عبرت کا وقت ہوتا ہے۔ یا اللہ! جنہیں دولت دی ہے انہیں سخی بنا اور جنہیں غریب بنایا انہیں اپنے قریب تو رکھ۔

اے شفیق و رحیم آقا..... ہم ڈرتے ہیں کہ ہمیں ہمارے اعمال کے حوالے نہ کر دیا جائے..... ہمیں اعمال کی عبرت سے بچا... ہمیں اس بڑھیا کے انجام سے بچا جس نے محنت شاقہ سے سوت کاتا اور آخر میں اسے الجھا دیا۔ ہمیں رائیگاں محنتوں سے دوچار نہ ہونے دے' میرے خدا..... ہم پر کسی بیرونی دشمن نے نہیں' اندرونی دشمن نے عذاب ڈالا..... سفید پوش طبقے کی کمائی تیری کتاب چھاپنے والوں کے ادارے میں لٹ گئی فنانس کمپنیاں غریبوں سے ظلم کر گئیں..... میرے مولانا' حالات بہتر فرما..... تو تو مسبب ہے۔ سکون کے اسباب پیدا فرما...

یہ ملک تیرا ہی ہے..... تیرے لئے' تیرے نام کی عظمت کیلئے۔ تیرے ہی فضل سے بننے والا یہ ملک تیرے اور صرف تیرے ہی کرم سے قائم رہ سکتا ہے..... تو اکابرین ملت کے دلوں کو ہدایت سے منور فرما' تاکہ ملت میں وحدت کردار پیدا ہو سکے۔ دشمن کبھی طاقتور نہیں ہوتا' بس دوست ہی چھوڑ جاتے ہیں..... اے اللہ! ہم التجا کرتے ہیں' ہم تیرے دربار میں دعا کرتے ہیں کہ ہم پر رحم فرما.....

دنیا میں مسلمانوں کے ساتھ ہونے والے واقعات ہمارے سامنے ہیں۔ ہم ڈرتے ہیں اس دن سے' جب ہمارے اعمال ہماری عبرت بن کر ہماری راہ میں کھڑے ہوں گے اور پھر اس کے بعد کوئی راستہ نہیں ہوگا..... یا الٰہی! تو ہماری منزل کو آسان فرما..... ہمیں توبہ کی توفیق عطا فرما۔ اے اللہ! ہمیں اپنے ماضی' اپنے حال اور اپنے مستقبل پر خوش ہونے والی قوم بنا..... ہمیں وسوسوں سے باہر نکال۔ ہمیں مغرور اور مایوس ہونے سے بچا۔ ہم مال جمع کرنے والی اور گننے والی قوم بنتے جا رہے ہیں۔ ہم چھینا جھپٹی کا شکار ہوتے جا رہے ہیں۔ عافیت مشکل ہوتی جا رہی ہے۔

کامیاب ریاست تو وہی ہے کہ ایک خوبصورت عورت' زیورات سے لدی ہوئی' تن تنہا ملک کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک سفر کر جائے اور اسے کوئی خطرہ نہ ہو..... ایک ایسا معاشرہ جس میں نہ کوئی مظلوم ہو' نہ محروم..... میرے اللہ یہ دور کبھی آئے گا؟ تو چاہے تو سب کچھ ہو سکتا ہے۔ تو نے تو حرف ''کن'' کہنا ہے اور پھر بدل جائے گا نظام ہستی..... تیرے ہی کرم کی بات ہے..... تیرے ہی فضل کا سوال ہے..... تیرے ہی رحم کا آسرا..... تیری ہی عنایات کا سہارا ہے.....

تو ہمارے دلوں کو اپنے نور سے زندہ کر..... ہماری راتوں کو اپنی یاد سے آباد کر..... ہمیں سوز دروں سے نواز دے..... ہمیں نمائش اور آلائش سے بچا۔ ہم پر نازل فرما' اپنے کرم کی بارش۔ ہم پر آسان فرما' اپنی معرفت کی منزل..... ہمیں ایک بار پھر وہی جام الفت دے..... آباد کر اجڑے ہوئے آشیانے..... ایک بار پھر اس قوم کو سنبھلنے کا موقع دے۔ ہمیں ایک درخشاں تاریخ لکھنے کا موقع دے۔ ہمیں تاریخ اسلام میں کسی روشن باب کا اضافہ کرنے والا بنا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اے مالک! تو ہمیں وہ زندگی دے کہ ہم بھی خوش رہ سکیں اور تو بھی ہم پر راضی رہے..... اے اللہ! ہماری زندگی کے تقاضے اور دین کے تقاضوں میں جو فرق آ چکا ہے' اسے دور فرما۔ ہماری زندگی کی ضروریات اور ہیں اور دین کی ضرورت اور ہے.....

یا الٰہی! ہمیں لیڈروں کی یلغار سے بچا..... ہمیں ایک قائد عطا فرما۔ ایسا قائد جو تیرے اور تیرے حبیب ﷺ کے تابع فرمان ہو..... ہم اس کی اطاعت کریں تو تیری ہی اطاعت کے حقوق ادا ہوتے رہیں۔ مولا..... اس قوم کو میزان کا محافظ بنا۔ عدلیہ کا میزان' تجارت کا میزان' سیاست کا میزان' علم و تعلیم کا میزان اور امانتوں کی حفاظت کے اداروں کے نظام کا میزان.....

اے مولا! تو بن مانگے دینے والا ہے اور ہم لاعلم' یہ بھی نہیں جانتے کہ تجھ سے کیا مانگا جائے۔ ہمارے لئے جو بہتر ہے وہ بن مانگے دے دے اور جو ہمارے لئے نامناسب ہے' اس کے مانگنے کی توفیق ہی نہ دے۔

یا اللہ! اس قوم کے دن دیانتدار محنت میں گزریں..... اس قوم کو رزق حلال سے تعارف کرا..... اس کی راتوں کو اپنے ذکر سے آباد رکھ..... جس قوم سے نالۂ نیم شب اٹھ جاتا ہے' اس سے سکون اٹھ جاتا ہے.... یا اللہ ہمیں اپنے خوف کے علاوہ ہر قسم کے خوف سے آزاد رکھ..... یا اللہ آدمی کا آدمی کے دل میں احترام پیدا کر..... ہم میں ایک عظیم قوم بننے کی صفات پیدا کر..... والدین کو اولاد کی گستاخی سے بچا' اولاد کو والدین کی ناراضگی سے بچا ہمارے مستقبل کو ہمارے حال سے بہتر بنا..... ہمیں وعدے پورا کرنے والی قوم بنا۔ ہمیں مخالفین کو معاف کرنے کا حوصلہ عطا فرما۔ ہمیں اپنی غلطیوں کی معافی مانگنے کی جرأت عطا فرما.....

اس قوم کو ایک قوم بنا..... الٰہی! اپنی توحید کا واسطہ' مسلمانوں میں وحدت پیدا فرما۔ تیرے حبیب ﷺ کی امت' تیرے حبیب ﷺ کی امت کہلانے کی مستحق ہو جائے۔ یا الٰہی! سادہ اور صداقت والی زندگی عطا فرما..... اور سب سے بڑی بات..... تیرے کرم کی انتہا چاہتے ہیں کہ تجھ سے تیرے محبوب ﷺ کی محبت مانگتے ہیں۔

☆☆☆

انسان اور انسان

اللہ کی تلاش کرنے والے انسانوں کی راہوں سے گزرتے ہیں۔ انسان ہی متلاشی ہے اور انسان ہی مظہر صفات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا اپنے اظہار کیلئے۔ انسان کو صلاحیتیں عطا فرمائیں تاکہ وہ اس کائنات کے بارے میں اور اس کے خالق کے بارے میں غور کرے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے ذریعے اپنا اور اپنی مخلوق کا تعارف کرایا۔ ہم ہر روز دعا کرتے ہیں کہ ''اے اللہ! ہمیں سیدھی راہ دکھا یعنی ان انسانوں کی راہ جن پر تیرا انعام ہوا۔'' گویا کہ انعام یافتگان کا راستہ' سیدھا راستہ ہی' خدا کا راستہ ہے۔

وہ لوگ جو انسان کو چھوڑ کر یا انسان سے منہ موڑ کر خدا کی تلاش کرتے ہیں' کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اللہ کی کتاب انسانوں کے تذکرے اور انسانوں کے انجام کے بارے میں آگاہی دینے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہت بلند مقام عطا فرمایا۔ انسان کے آگے فرشتوں کو جھکا دیا۔ انسان کو اللہ کے راستے سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ نے اپنا گھر انسانوں کے ذریعے بنایا۔ اللہ کے ذکر کیلئے انسانی زبان اور اللہ کی یاد کیلئے انسانی دل درکار ہیں۔ اللہ کی خوشی انسان کی خدمت میں ہے۔ اللہ کا حکم ہے کہ ''انسانوں کی خدمت کرو' بھوکوں کو کھانا کھلاؤ' سائل کو جھڑکی نہ دو' یتیم کا مال ہرگز نہ کھاؤ' کئے ہوئے وعدے پورے کرو' نرم خو اور نرم دل ہو جاؤ' زمین پر اکڑ اکڑ کر مت چلو۔'' یہ تمام احکام اللہ کے ہیں اور انسان کی خدمت کیلئے ہیں۔ اللہ کی رضا انسان کو خوش رکھنے میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ''ماں باپ کے آگے اف نہ کرو' ان کو جھڑکی نہ دو' ان سے نرم الفاظ میں بات کرو' وہ جب بڑھاپے میں پہنچیں تو ان کیلئے رحمت کے بازو پھیلا دو۔'' خدمت ماں باپ کی اور خوشی اللہ کی' یہی بات غور طلب ہے کہ اللہ کہاں ہے؟ سجدے میں اللہ ملتا ہے لیکن مسکین کو کھانا کھلانے میں اللہ کی رضا حاصل ہوتی ہے۔ انسان نے جس مقام پر انسانوں کو چھوڑ کر خدا سے محبت کا دعویٰ کیا وہ اکثر غلط نکلا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نام کے ساتھ' اپنے کلمے کے ساتھ انسان کا اسم بلند کیا۔ اپنا کلام انسانی قلب پر نازل فرمایا اور اپنے دین کی تبلیغ انسانوں کے ذریعے کی' انسانوں کیلئے......

اللہ کے بارے میں جتنی بھی آگاہی دنیا میں موجود ہے' جتنا بھی بیان اور علم موجود ہے سب انسان کے ذریعے سے ہے۔ اللہ جن انسانوں کو اپنے قریب رکھتا ہے انہی انسانوں کو' انسانوں کے قریب کر دیتا ہے۔ یعنی جو شخص اللہ کے ہاں جتنا محبوب ہوگا' اس کیلئے انسان کی دنیا اتنی ہی محبوب ہوگی۔ اس لئے جو انسان محبوب رب العالمین ﷺ ہے' وہی انسان رحمتہ اللعالمین ﷺ ہے۔ اللہ کے ساتھ محبت کرنے والے انسانوں سے بیزار نہیں ہو سکتے اور انسان سے بیزار ہونے والے اللہ کے قریب نہیں ہو سکتے۔

دیکھنے والی بات یہ ہے کہ انسان کی محبت اور خدا کی محبت میں کیا فرق ہے؟ اللہ کے حوالے کے بغیر

www.iqbalkalmati.blogspot.com

انسان کی محبت یا انسان کی خدمت ہمیں غافل کر سکتی ہے' عاقبت سے بے خبر رکھتی ہے اور ہم اس دنیا اور اس زندگی میں کھو کر رہ جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صرف اخلاقیات الٰہیات کے بغیر معاشرے کو گمراہ کر سکتی ہے۔ مثلاً اگر ہم غریب کی مدد کریں تو یہ نیکی ہے۔ یہ اللہ کی رضا حاصل کرنے کا ذریعہ ہے لیکن یہ بات بہت ہی اہم ہے کہ ہمیں جاننا چاہئے کہ جس مال سے ہم غریب کی مدد کر رہے ہیں وہ مال حرام کی کمائی نہ ہو کیونکہ حرام کی کمائی کہیں نہ کہیں سے ظلم یا دھوکے کے ذریعے آتی ہے۔ لہٰذا غریب کی مدد کی نیکی ایک بدی کو جنم دے سکتی ہے۔ اسی طرح رشوت کی دولت سے اگر حج کیا جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی ہی نہیں اس کے نظام کے خلاف بغاوت ہے۔ لازم یہ ہے کہ انسان اللہ کی رضا کیلئے اللہ کے قانون کے مطابق کمائی ہوئی دولت سے غریبوں' مسکینوں اور یتیموں کی خدمت کرے۔ مسکین یا بھوکا کوئی بھی انسان ہو' اسے کھانا کھلانے سے اللہ راضی ہوتا ہے۔ یہاں دین کی کوئی قید نہیں۔ بھوکے آدمی کو کھانا کھلانا ہے۔ لیکن کھانا کھلانے والا انسان احتیاط کرے اور غور کرے کہ اس نے یہ کھانا کہاں سے حاصل کیا۔ ناجائز کمائیوں سے بنے ہوئے محلات پر لکھ دینا کہ یہ اللہ کے فضل سے بنا ہے' ایک ظلم ہے۔

اللہ کے ہاں انسانوں کے تذکرے ہیں۔ جب ہم اللہ کا ذکر کرتے ہیں تو اس کے اپنے ارشاد کے مطابق وہ ہمارا ذکر کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں انسان کی کتنی اہمیت ہے اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ ساری کائنات کی وسیع و عریض تخلیق میں سے سب سے اشرف مخلوق انسان ہے۔ انسان کا مقام یہی ہے کہ اسے ''احسن تقویم'' بنایا گیا۔ اگر کسی انسان کا دل توڑ دیا جائے تو اللہ ناراض ہو جاتا ہے' کسی انسان کو حق سے محروم کر دیا جائے اللہ کو ناپسند ہے۔ جو زمانہ اللہ کی منشاء کے مطابق ہوتا ہے وہ انسان کی سرفرازی کا دور ہوتا ہے' انسان کے حقوق کے تحفظ کا دور ہوتا ہے' انسان کی عزت نفس کے لحاظ کا زمانہ ہوتا ہے۔ انسانیت کی عزت ہی خدا کے احکام کی بجا آوری میں ہے۔ نیکی دراصل نسانوں کے ساتھ نیک سلوک کا نام ہے' خالی نیکی تو کوئی نیکی نہیں۔ ہم نیکی انسان کے ساتھ کرتے ہیں' انعام اللہ تعالیٰ سے ملتا ہے۔ ہم غریب کی خدمت کرتے ہیں' سخاوت کی منزل پاتے ہیں۔ غریب انسان ایک لحاظ سے محسن ہے کہ وہ سخی ہونے کا موقع دیتا ہے۔ اگر اللہ کی طرف رجوع ہو تو لوگ غریبوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر ان کی خدمت کریں' ان کی مدد کریں۔

عبادت اس مقام پر نہیں پہنچا سکتی جہاں غریب کی خدمت پہنچاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کا حکم فرمایا' غریب کیلئے۔ اللہ کے پاس زمین و آسمان کے خزانے ہیں۔ وہ مالک ہے' وہ خود عطا کر سکتا ہے پھر زکوٰۃ کی کیا ضرورت ہے؟ اللہ تعالیٰ نے انسان کو حکم دیا کہ اپنے جمع شدہ مال میں سے غریب بھائی کی خدمت کرے اور وہ پیسہ جو سنگدلی پیدا کر رہا ہے وہ فراخدلی پیدا کرے۔ نظام خیرات' صدقات اور بیت المال سب غریبوں کیلئے ہے تاکہ جو لوگ زندگی کی دوڑ میں پیچھے رہ گئے ہوں ان کا ہاتھ پکڑ کر ان کو بھی ساتھ چلا دیا جائے ورنہ اس چند روزہ زندگی میں سفر تو سب کا کٹ ہی جائے گا اور پھر اس کے بعد ایک ایسا دور آئے گا' ایک ایسا دن ہوگا جب انسان سے پوچھا جائے گا کہ اس نے اللہ کی دی ہوئی نعمتیں کس طرح استعمال کیں۔ اس نے انسانوں کے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ساتھ کیسا سلوک کی۔

ہماری نیکیاں انسان کے ساتھ' ہماری بدی انسان کے ساتھ یعنی نظام ثواب و گناہ انسانوں ہی کے ذریعے سے مرتب ہوتا ہے۔ اگر ہمارے علاوہ دنیا میں اور کوئی انسان نہ ہو تو ہمارے لئے نہ کوئی جزا ہے نہ سزا۔ ہم جمادات و حیوانات میں سے ہو جائیں۔ انسان کے دم سے ہی رونقیں ہیں۔ اللہ کے نام پر انسانوں کے ساتھ سنگتیں بنتی ہیں۔ اللہ کے خوف سے انسانوں کے ساتھ نیکیاں کی جاتی ہیں۔ یہی خوف الٰہی ہمیں گناہوں سے بچاتا ہے۔ ہم دوسروں کے حقوق پامال نہیں کر سکتے اس لئے کہ ہم اللہ سے ڈرتے ہیں۔ ہم ایک بتائے ہوئے راستے کے مطابق سفر کرتے ہیں کہ وہ راستہ ہمیں اللہ نے اپنے پیغمبر ﷺ کے ذریعے بتایا۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کی عملی شکل پیغمبر ﷺ کی حیات طیبہ میں نمایاں ہوتی ہے۔ پیغمبر ﷺ کی ذات اس لئے بھی اہم ہے کہ اس ذات میں ثبوت ہے کہ اللہ اپنے بندوں سے پیار کرتا ہے اس ذات کے ذریعے بتایا جاتا ہے کہ زندگی صرف عبادت نہیں ہے۔ زندگی کوشش ہے' زندگی جہاد ہے' زندگی محبت ہے' زندگی فتوحات ہے' زندگی تنہائی بھی ہے' مجلس بھی ہے' زندگی تنہائی کا سجدہ بھی ہے اور محفلوں کی رونقیں بھی' اللہ کی محبت انسانوں کے ساتھ جلوہ گر ہوتی ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی شخص مقرب الٰہی ہو اور انسان کی محبت سے محروم ہو۔ یہ دعویٰ شیطانی ہے کہ ہم صرف اللہ سے محبت کرتے ہیں اور مخلوق سے کچھ سروکار نہیں۔ یہ غرور ہے' تکبر ہے۔ شیطان نے انسان کو تسلیم کرنے سے انکار کیا اور نتیجہ یہ کہ خدا کے آگے کئے ہوئے سجدے بھی رائیگاں ہو گئے۔ ہمارا سارا نظام عبادت انسانوں سے مرتب ہے' ہماری دعائیں بالعموم اجتماعی ہیں۔ ''اے ہمارے رب! ہم پر رحم فرما' ہمیں سیدھی راہ دکھا...... ہم پر ہماری ہستی سے زیادہ بوجھ نہ ڈال' ہمیں گناہوں سے بچا۔'' گویا کہ منشائے الٰہی یہی ہے کہ ''میں'' سے ''ہم'' بنا جائے۔ ''ہم'' کے بغیر ''تم'' کی عبادت جھوٹ ہے۔ ایک مقام پر انسان کو تنہا رکھا گیا ہے...... سجدہ... اللہ کی عظمت بیان کرتے وقت......

ہمارا سارا منظر اور پس منظر انسانوں سے ہے۔ غور کیا جائے تو کوئی انسان' انسانوں کی وابستگی کے بغیر رہ نہیں سکتا۔ مثلاً میرے پاس صرف آنکھیں ہیں' نظر ہے لیکن میرا منظر انسانوں کے چہرے سے بنا ہے۔ اگر منظر نہ ہو تو نظر کس کام کی؟ اسی طرح میری سماعت محتاج ہے انسانوں کی آواز کی۔ میرے اردگرد بولنے والے انسانوں کا ہجوم نہ ہو تو میرے کان بیکار ہو جائیں' اللہ نے انسانوں کو بیان عطا فرمایا۔ یہ بڑے غور کا مقام ہے کہ بیان سننے والا نہ ہو تو بیان کیا بیان ہوگا۔ میری زبان محتاج ہے سننے والے کانوں کی' میرا دل محتاج ہے انسان کے چہرے کی محبت کا' میرے جذبات' میرے احساسات سب انسانوں سے وابستہ ہیں' مجھے راہنمائی چاہئے کسی انسان کے ذریعے۔ اللہ کی منزلوں تک پہنچانے والا اللہ کا بندہ ہی ہوگا۔ میں نیکی' بدی' گناہ و ثواب' خوشی اور غم جو کچھ بھی حاصل کروں گا انسان کے ذریعے' میری زندگی' انسانوں کے ذریعے سے گزرے گی۔ ہمیں بات سمجھ میں نہیں آتی ہے۔ میری پیاس بجھانے والا پانی کتنے ہاتھوں کی محنت کا نتیجہ ہے۔ ہمارے پاؤں کے نیچے جو سڑک ہے اس کے بننے میں کتنے سال اور کتنے انسانوں کے پسینے لگے ہوئے ہیں۔ آنکھ کھول کے چلے تو

www.iqbalkalmati.blogspot.com

انسان کو انسانوں کے احسانات نظر آئیں گے۔ ان انسانوں کا شکریہ ادا کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''جس نے انسان کا شکریہ ادا نہ کیا اس نے خدا کا کیا شکریہ ادا کرنا ہے۔'' جس انسان نے ماں باپ کو پرورش کرتے ہوئے دیکھا اور انہیں نہ مانا' اس نے خدا کو دیکھے بغیر کیا ماننا ہے؟

اللہ تعالیٰ انسانوں ہی کی دنیا میں اپنے جلوے دکھاتا ہے۔ انسان خاموشی سے دعا مانگتا ہے' اللہ خاموش دعاؤں کو سنتا ہے' منظور فرماتا ہے۔ اللہ کے جلوے انسانوں کے روپ میں ہر ہر جگہ نظر آ سکتے ہیں۔ یہ جہان اللہ کی نشانیوں سے بھرا پڑا ہے۔ اللہ کے بندوں نے اللہ کی یاد کے چراغ جلا دیئے اور ان چراغوں کی روشنی میں آنے والے انسانوں کو نئی منزلوں پر چلنے کی توفیق دے۔ اللہ کی تلاش بہت آسان ہے۔ وہ انسانی شہ رگ سے قریب ہے' بہت قریب لیکن اس تک رسائی حاصل کرنا اس لئے مشکل ہے کہ انسان' انسان ہے اور اللہ' اللہ! حادث' قدیم نہیں ہوسکتا اور قدیم حادث نہیں ہوسکتا۔ بس فرق یہی ہے کہ ہم ساجد ہیں وہ مسجود۔ ہم پیدا ہوتے ہیں اور مر جاتے ہیں اور وہ پیدائش اور موت سے آزاد حی و قیوم ہے۔ وہ ہر آغاز سے پہلے موجود تھا اور ہر انجام کے بعد موجود رہے گا۔ وہ اتنا قریب ہے لیکن اسے دیکھا نہیں جا سکتا جس طرح ہم اپنی بینائی کو خود نہیں دیکھ سکے لیکن بینائی ہمارے قریب رہتی ہے۔ ہماری روح ہمارے پاس ہے لیکن ہم اسے دیکھ نہیں سکتے۔ ہماری ذات ہر وقت ہمارے ساتھ ہے لیکن اپنی ذات کا دیدار ممکن نہیں۔ سمندر میں رہنے والی مچھلی سمندر کو دیکھ نہیں سکتی۔ پانی سے نکلے بغیر سمندر نظر نہیں آتا اور پانی سے نکلے تو مچھلی' مچھلی نہیں رہتی۔ بس اللہ کے جلوے' اللہ کے جلوے ہیں۔ پاس ہیں' ساتھ ہیں لیکن کیا ہیں......؟ اور کہاں ہیں' صرف محسوس کیا جا سکتا ہے...... اور اللہ کی محبت کی انتہائی عملی شکل اللہ کے محبوب ﷺ کی اطاعت اور محبت میں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ''اے نبی ﷺ! کہہ دیجئے کہ اگر تم لوگوں کو اللہ سے محبت ہے تو میری اطاعت کرو اللہ تم سے محبت کرے گا۔'' یعنی اللہ کی محبت انسان کے حوالے کے بغیر منظور ہی نہیں ہوسکتی۔ ہم اللہ سے محبت کریں اور پیغمبر ﷺ کی نفی کریں تو یہ ممکن ہی نہیں کہ اللہ ہم سے محبت کرے۔ رابطے کیلئے انسان اور انسان کامل کا ہونا شرط اوّل ہے...... اور اس انسان کامل ﷺ کی زندگی اللہ کی یاد میں اور انسانوں کی خدمت میں گزری۔

عرفان الٰہی کیلئے مقام انسانیت کو پہچاننا ضروری ہے۔ انسانوں سے محبت کرو۔ یہی اللہ سے محبت کا ایک پہلو ہے۔ اللہ کی منزل کے سفر پر انسانوں کے ڈیرے ہیں۔ یہ راستہ انسانوں سے گزرتا ہے۔ اللہ کا ذکر کرنے والے اللہ کے نام پر نثار ہونے والے اللہ کی راہ میں شہید ہونے والے اللہ کی یاد میں بے خبر ہونے والے...... سب اللہ کے مظاہر ہیں۔ ان مقامات سے گزرے بغیر توحید کا سفر ممکن نہیں۔ زمین پر رہنے والوں کا خیال رکھو' آسمان والا تمہارا خیال رکھے گا۔ اللہ کے نام پر ہی بعض اوقات اللہ کے بندوں پر ظلم ہوا' اس بات کا خیال رکھا جائے کہ انسانوں کو تنگ نہ کیا جائے۔ انسان کے ذریعے ہی سے منزلیں حاصل ہوتی ہیں۔ وحدت کے جلوے کثرت میں پنہاں ہیں لیکن اس کے سمجھنے کیلئے احتیاط اور استاد کامل کی ضرورت ہے۔

☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

وضاحت

پچھلا مضمون ''انسان اور انسان'' جب اخبار میں چھپا تو کافی دوستوں کو خوشی بھی ہوئی اور پریشانی بھی اور شدت کے ساتھ ایک قاری نے تحریر کیا کہ ''آپ کا مضمون پڑھ کر بہت خوشی ہوئی کہ آپ بھی ہماری طرح انسان دوست محسوس ہوتے ہیں۔ اس زندگی کا مقصد اخلاقیات اور انسان دوستی ہی تو ہے' انسان' انسان کے کام آئے تو انسان ہے' ورنہ وہ کیا انسان! دنیا کے مذاہب میں صرف انسانوں کی خدمت اور اخلاقیات کا درس دیا جاتا ہے اور یہ کہ نظام عبادات انسان کو خدمت انسان پر مائل کرنے کیلئے ٹریننگ کا ایک نظام ہے اور بس۔''

وہ آگے چل کر فرمانے لگے کہ ''ہم سب لوگ مل کر ''ہیومنزم'' کی تحریک چلائیں اور قوم کو ملا کے دین کی اذیت سے بچائیں اور اس کام کیلئے آپ ہی موزوں شخص نظر آتے ہیں مثلاً آپ کے مضمون کا یہ فقرہ کہ ''جو انسان رب اللعالمین ﷺ ہے' وہی انسان رحمتہ اللعالمین ﷺ ہے'' ان صاحب کے خیال میں یہی تھا کہ انسان کا رب تو انسان ہی ہے اور وہ اس بات کو بھی مانتے تھے کہ انسان میں اشرف انسان رحمت اللعالمین ﷺ ہیں۔

اپنے عزیز کی یہ تحریر پڑھ کر مجھے تعجب بھی ہوا اور افسوس بھی۔ تعجب اس بات کا کہ یہ بات تو میں نے لکھی ہی نہیں' انہوں نے کہاں سے پڑھ لی اور افسوس اس بات کا کہ میرے عقیدے کے بارے میں میرے عقیدے کے باوجود لوگوں کو کیا بدعقیدتی ہے۔ میں نے اخبار دوبارہ پڑھا کہ یہ کیسے ہوگیا۔ وہاں اتفاق سے کمپیوٹر کی تیز رفتاری کے باعث ایک لفظ رہ گیا اور اس سے یہ سارا ابہام پیدا ہوا۔ وہ فقرہ دراصل یوں تھا۔

''جو انسان محبوب رب اللعالمین ﷺ ہے' وہی انسان رحمت اللعالمین ﷺ ہے۔''

یعنی جو انسان سب کائنات کیلئے مجسم رحمت ہے' وہی انسان تو محبوب رب اللعالمین ﷺ ہے یعنی رب اللعالمین کو محبوب ہی وہی ذات ہے جو انسانوں کیلئے باعث رحمت ہے۔ انسان کو چھوڑ کر خالی رب کی عبادت کرنے والے عام طور پر کہیں نہ کہیں کھو جاتے ہیں۔ اس میں ایک وضاحت ضرور درکار ہے کہ انسان کی خدمت اور خالی انسان کی خدمت کا تعلق اخلاقیات سے ہے۔

اخلاقیات کی تعریف کرنا آسان نہیں۔ کسی ایک دور کا قانون اخلاقیات کسی دوسرے دور میں بد اخلاقی ہوسکتا ہے۔ کسی خاص جغرافیائی حالات کا ضابطۂ اخلاق کسی مختلف جغرافیائی حالات کے ممالک میں کچھ اور صورت اختیار کر جاتا ہے۔ بہرحال اخلاقیات کے بالعموم قواعد کچھ یوں سے ہیں کہ لوگوں کی خدمت کرنا...... بھوکے کو کھانا کھلانا...... کیئے ہوئے وعدے کو پورا کرنا...... کسی انسان کو دکھ یا نقصان نہ پہنچانا...... دنیا میں فتنہ و فساد نہ پھیلانا...... ماں باپ کی فرمانبرداری کرنا...... زمین پر اکڑ اکڑ کر نہ چلنا...... علم کی قدر کرنا...... ہوس پرستی اور زر پرستی سے اجتناب کرنا گفتگو میں نرمی اختیار کرنا...... کسی انسان سے ایسا سلوک نہ کرنا' جو ہم نہیں چاہتے کہ

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہمارے ساتھ ہو...... اخلاق کا سارا سفر مختصر طور پر کہا جا سکتا ہے کہ یہ بے ضرر ہونے سے شروع ہوتا ہے اور منفعت بخش ہونے پر ختم ہوتا ہے۔ وہ جذبات اور وہ کوششیں جو انسان کے مجموعی ارتقاء کیلئے کی جائیں' اخلاقیات کا حصہ ہیں۔

مہذب قومیں بااخلاق ہوتی ہیں۔ مہذب قومیں محنتی ہوتی ہیں۔ اپنے حق کے مطابق اپنا معاوضہ حاصل کرتی ہیں اور دوسرے کے حق کے مطابق ان کی خدمت کرتی ہیں۔ ہر مذہب نے اس مضمون پر وضاحتیں کی ہیں۔ دنیا میں آنے والے مصلحین نے انسان کی خدمت کے مضمون کو واضح کیا ہے۔ اس حقیقت کو آشکار کرنے کی کوشش کی جاتی رہی ہے کہ آج رنگ و نسل' فرقہ و قبیلہ' عقیدتوں اور عقیدوں میں بٹے ہوئے انسانوں کو سکھایا جائے کہ وہ ایک نفس سے پیدا ہوئے ہیں۔ کثرت انسان وحدت آدم پر منتج ہوتی ہے۔ ایسے لوگوں کو معلم اور مصلح کہا جاتا رہا ہے۔

ضابطۂ اخلاق انسانوں کی بہتر سوچ کا نتیجہ ہو سکتا ہے۔ یہ سب ضابطہ بجا اور درست مانا جا سکتا ہے' اگر انسانی زندگی دنیاوی سفر تک ہی محدود ہو۔ زندگی صرف ظاہری اخلاقی عمل تک ہی محدود نہیں۔ اس میں بے شمار عنوانات پائے جاتے ہیں اور یہیں سے ایک مفکر اور پیغمبر کا فرق شروع ہوتا ہے۔ پیغمبروں نے دنیا کو یہ بتایا ہے کہ زندگی ظاہری موت تک ہی نہیں' اس میں ایک مابعد بھی شامل ہے۔ جب انسان سے اس کے اعمال کی باز پرس ہوگی اور اس کو اس کے اعمال کے بدلے جزا و سزا نصیب ہوگی۔ مذہب نے یہ بھی بتایا کہ یہ زندگی اور اس زندگی کیلئے بہتر نتائج کو سمجھنے کیلئے یہ بے حد ضروری ہے کہ انسان یہ سمجھ لے کہ وہ یہاں کیسے آیا۔ کیا وہ اپنی مرضی اور اختیار سے آیا؟ اگر اپنی مرضی اور اپنے اختیار سے آیا ہوتا تو وہ اپنی مرضی اور اپنے اختیار سے یہاں سلامت رہتا۔ چونکہ وہ یہاں ہمیشہ ٹھہر نہیں سکتا اس لئے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اس کو لانے اور واپس لے جانے میں کسی اور طاقت کا دخل ہے۔ اگر انسان صرف اپنے ماں باپ کے عمل سے پیدا ہوتا تو ماں باپ کو یہ حق ہونا چاہئے کہ وہ چاہیں تو بیٹے پیدا ہوں اور چاہیں تو بیٹیاں پیدا ہوں' لیکن ایسا نہیں ہے۔ وہ کمزور ہیں' بے اختیار ہیں' مجبور ہیں اور اسی طرح انسان۔

اپنی خوشی سے آئے نہ اپنی خوشی چلے

پیغمبروں نے یہ بتایا کہ اس کائنات کو پیدا کرنے والے نے ہی انسان کو پیدا فرمایا۔ جس نے چاند ستاروں کو تخلیق فرمایا' انہیں روشن کیا' اسی ہستی نے انسان کو صورت عطا کی۔ اسے ایک خاص مقصد اور مدت کیلئے اس جہان اجنبی میں بھیجا۔ اس طاقت کو بالعموم فطرت کہا جاتا ہے۔ پیغمبروں نے یہ بتایا کہ فطرت کو صنعت گری عطا کرنے والی ذات صانع عظیم ہے۔ وہ فاطر ہے' زمین و آسمان اور ان میں ہونے والی تبدیلیوں کا اور یہ کہ اس ذات بزرگ کا نام اللہ ہے اور پیغمبروں نے یہ بھی بتایا کہ اللہ کریم وہ ذات ہے جس کا نہ کوئی ماں باپ ہے اور نہ اس کی کوئی اولاد ہے وہ حی و قیوم ہے' جو وقت کی پیدائش سے پہلے بھی موجود تھا اور وقت کے اختتام کے بعد بھی موجود رہے گا۔ یعنی وہ ہر مخلوق اور ہر آغاز سے قبل موجود تھا اور ہر انجام کے بعد بھی اپنی ذات

میں قائم و دائم رہے گا۔ پیغمبروں نے یہ بھی بتایا کہ وہ اللہ نے جس زندگی کو تخلیق فرمایا' جس نے انسان کو پیدا فرمایا' اسی نے انسان کو اس سفر پر بھیجا اور اسی نے ایک مقصد حیات اور عرصۂ حیات کا حکم دے رکھا ہے۔

پیغمبروں کی بات کو بالعموم باتوں کا پیغمبر مانا گیا۔ وہ منتخب لوگ اخلاقیات میں اس حد تک ارفع و اعلیٰ تھے کہ انہیں لوگوں نے سند مانا اور پیغمبروں نے یہ بات بڑی وضاحت سے بیان کی کہ اس زندگی کو ضابطۂ اخلاق دینا انسان کے بس میں نہیں کیونکہ انسان ایک محدود سوچ رکھتا ہے' ایک بڑے محدود عرصے کو دیکھ سکتا ہے۔ یہ تو صرف اسی ذات کا حق ہے جو زندگی اور موت دینے کی قدرت رکھتا ہے۔

نظام عبادات اسی ذات کے قرب کا ذریعہ ہے اور اسی طرح اخلاقیات بھی قرب حق ہے' ایک ذریعہ ہے۔ اس بات کی وضاحت یوں کی جاسکتی ہے کہ جب ہم نیکی' بدی' اچھائی' برائی کے تصور کے مطابق عمل کرتے ہیں تو ہم کسی نہ کسی ذات کی خوشنودی چاہتے ہیں۔ اگر وہ ذات کسی ملک کا بادشاہ ہو تو بادشاہ کی خوشنودی اخلاق کے نام پر ظلم پیدا کر سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نیک بادشاہوں کے دربار میں بھی بد درباری رہے۔ بادشاہ رحم دل تھا لیکن اس کے مصاحب رعایا پر ظلم ڈھاتے رہے۔ اگر وہ ذات اپنی ذات ہے تو تجربہ بتاتا ہے کہ انسان ایک فاقے کو ٹالنے کیلئے اپنی عزت تک کا سودا کرنے کیلئے تیار ہو جاتا ہے۔ اپنی خوشنودی نفس کی خوشنودی ہو جاتی ہے اور نفس کی خوشنودی اخلاقیات کو چھوڑ دیتی ہے۔ وہ ذات اگر اللہ کی ذات ہو تو اس میں حکومت' مصلحت اور نفس پرستی شامل نہیں ہو سکتی۔ ایک سجدہ ہزار سجدوں سے نجات دلاتا ہے۔

یہاں پر مذہب کی اخلاقیات اور اخلاقیات کے مذہب میں فرق آتا ہے۔ اخلاقیات کا سفر صرف محدود ترین سفر ہے۔ اخلاقیات کا مذہب' مذہب ہی نہیں' یہ ہر آدمی اور ہر انسان کا اپنا اپنا مذہب ہو جاتا ہے۔ مذہب کی اخلاقیات ہر دور کیلئے' ہر زمانے کیلئے ایک خوبصورت نتیجہ حاصل کرتی ہے۔ اس بات کی وضاحت یہ ہے کہ مذہب دراصل اخلاقیات میں الٰہیات کا شامل ہونا ہے۔ ہم جواب وہی کے تصور کے مطابق اللہ کے حکم کے مطابق' نظام اخلاقیات پر کاربند رہیں تو انسان' انسان کے قریب آ سکتا ہے اور انسان اللہ کی خوشنودی حاصل کر لیتا ہے۔

دنیا میں جتنے بھی مصلحین آئے ہیں ان میں سب سے بڑا' معتبر اور معزز نام حضور اکرم ﷺ کا ہے۔ آپ ﷺ پوری کائنات کے انسانوں کیلئے معلم اخلاق ہیں۔ ایک طرف تو آپ ﷺ خدا کے انتہائی قریب ہیں اور ایک طرف آپ ﷺ انسانوں کے بہت نزدیک۔ بھوکے کو کھانا کھلایا جاتا ہے اس بات سے قطع نظر کہ وہ یہودی ہے یا کون ہے۔ آپ ﷺ کی رحم دلی کا کیا عالم بیان کیا جا سکتا ہے۔ آپ ﷺ نے کسی کو زندگی بھر اذیت نہیں دی' کسی انسان سے بدلا نہیں لیا۔ فتح مکہ کے وقت آپ ﷺ نے پوچھا ''لوگو! آپ کو معلوم ہے کہ میں آج آپ کے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں۔ آپ سے کیا بدلہ لینے والا ہوں؟'' لوگوں نے عرض کیا کہ ''آپ ہی بہتر جانتے ہیں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''آج میں آپ سے وہ بات کہنے والا ہوں' جو مجھ سے پہلے میرے بھائی یوسف نے اپنے بھائیوں سے کہی تھی کہ آج کے دن تمہارے لئے کوئی سزا نہیں۔''

www.iqbalkalmati.blogspot.com

آپ ﷺ کے مثالی اخلاق کی اور رحم دلی کی کیا بات کی جاسکتی ہے۔

آپ ﷺ ایک بار کسی غزوہ سے اپنے رفقاء کے ساتھ واپس تشریف لا رہے تھے کہ آپ ﷺ نے اپنے راستے پر دور سے دیکھا کہ ایک کتیا اپنے بچوں کو دودھ پلا رہی ہے۔ آپ ﷺ نے اپنے ساتھیوں کو حکم فرمایا کہ سفر روک دیا جائے اور راستہ بدل دیا جائے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کتیا کے عمل میں رکاوٹ آئے اور ڈر کے مارے وہ اپنے بچوں کو دودھ پلانا چھوڑ دے۔ کتیا کے بچوں کے ساتھ یہ سلوک عام تو کیا' خاص انسانوں کے بس کی بات نہیں' بلکہ کسی انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔ آپ ﷺ ایسی ذات ہیں' اس شان کی رسالت رکھتے ہیں کہ آپ ﷺ ہی کا حق ہے کہ آپ ﷺ حکم فرمائیں اور دنیا کے اخلاقیات کے ماہروں کا حق ہے کہ وہ آپ ﷺ کی اطاعت کریں۔

مزید وضاحت یہ ہے کہ انسان کو پتا ہی نہیں چل سکتا کہ اس کیلئے کیا اچھائی ہے اور کیا برائی ہے۔ بے شمار لوگوں نے دنیا میں اچھائی سمجھ کر برائی کی ہے۔ یعنی ایک ایسا کام جو بظاہر اچھا ہو اور جس کا نتیجہ برا ہو' سرزد ہوتا رہا ہے۔ جس کی مثال جابر حکمرانوں کے دور سے دی جاسکتی ہے۔ فرعون کا یہ حکم کہ ''لوگو! تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ تم میرے سامنے جھکو اور میرے لئے یہی بہتر ہے کہ میں تم پر حکومت کروں۔'' کچھ لوگ تو کہتے رہے ہیں کہ سب انسان برابر ہیں اور جب انہوں نے اپنی ذات میں اس کا ثبوت نہیں دیا تو پھر یہ کہا جاتا رہا ہے کہ سب برابر تو ہیں' لیکن کچھ لوگ زیادہ برابر یعنی حکومت کرنے والے کا حق اور ہے اور محکوم ہونے والے کا حق اور...... اور اسی طرح اخلاقیات کے نام پر مصیبتیں نازل ہوتی رہی ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ انسان اپنے لئے پسند کرے وہ چیز' جو اس کیلئے نقصان دہ ہو اور ناپسند کرے وہ چیز' جو اس کیلئے فائدہ مند ہو۔ اس کی عام مثال ان بچوں کی زندگی سے ملتی ہے جو وقت ضائع کرنے کو پسند کرتے ہیں۔ حالانکہ اس کا نتیجہ ان کیلئے مصیبت ہے۔ انسان اپنے لئے آرام پسند کرتا ہے اور آرام طلبی کے ذریعے وہ مصیبتوں میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ اس لئے بہتر ہے کہ اپنی مرضی کو تابع فرمان الٰہی کر دیا جائے۔ اگر الٰہیات کو اخلاقیات سے نکال دیا جائے تو تنہائی کے جرائم' جرائم ہی نہیں رہیں گے۔ مجرم وہ ہوگا جو قانون کی زد میں آئے اور جو قانون کی نظر سے بچ جائے' وہ مجرم ہی نہیں کہلائے گا' لیکن الٰہیات کی شمولیت کے بعد گنہگار' گنہگار ہے' چاہے لوگوں میں نیکوکار ہی کیوں نہ مشہور ہو۔ ایسا انسان بد ہے' چاہے وہ ظاہرداری میں ایک بہت درویش صورت بن کر بیٹھ جائے۔

مزید وضاحت یہ ہے کہ اخلاقیات کا نظام جوابدہ ہے صرف زمانے کو اور دین میں اخلاقیات اور الٰہیات کا مجموعہ انسان کو جوابدہ کرتا ہے اس ذات کے آگے' جس نے زندگی پیدا کی اور زندگی کو مدعا دیا کہ ''اے انسانوں اور جنات کے گروہ' میں نے تمہیں عبادت کیلئے پیدا کیا۔'' اب عبادت کی تعریف یہ کی جاسکتی ہے کہ وہ نظام عمل جس سے انسان' انسانوں کی فلاح بھی کر سکے اور تقربِ الٰہی بھی حاصل کر سکے۔ اس کی اعلیٰ ترین شکل اور مکمل ترین صورت حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ پس اخلاقِ محمدی ﷺ ہی اخلاق ہے اور شریعت محمدی ﷺ ہی ذریعہ ہے' قربِ حق کا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اسلام میں رہبانیت منع ہے۔ خدا کو چھوڑ کر بندوں میں مصروف رہنا بھی رہبانیت کی ایک شکل ہے اور انسانوں کو چھوڑ کر عبادت میں مصروف رہنا بھی ایک طرح کی رہبانیت ہے۔ برائی اچھائی کے تصور کے ساتھ اخلاقیات میں الٰہیات کی شمولیت سے جرم اور گناہ کا فرق معلوم ہو سکتا ہے۔ جرم حکومت کے حکم کی خلاف ورزی ہے اور گناہ الٰہیات کے حکم کے خلاف عمل کا نام ہے۔ یہ ممکن ہے کہ ایک چیز گناہ ہو اور وہ جرم نہ کہلائی جائے۔ یہیں سے اس دھوکے کا امکان ہے جو "ہیومنزم" کے نام پر کھایا جاتا رہا ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ انسان دوستی اور انسان نوازی تو کی جائے لیکن انسان پرستی نہ کی جائے' پرستش اللہ کی اور خدمت انسان کی...... یہی ہمارا "ہیومنزم" ہے۔

بس اپنے محترم قاری سے وضاحت کے ساتھ گزارش ہے کہ ہم کسی "ہیومنزم" کے نام پر کوئی تحریک نہیں چلا سکتے۔ ہم صرف ایک ہی تحریک مانتے ہیں' وہ تحریک ہے' محسن انسانیت ﷺ کی عطا کی ہوئی کہ انسانوں کو انسان کی خدمت کے ساتھ ساتھ خدا کی طرف مائل کرو اور اللہ کو اس کی رحمت کے ساتھ انسانوں پر مہربان ہونے کی گزارش کرتے رہیں۔ ہمارے لئے اتنا عمل اور اتنا علم اور اتنا ہی اخلاق کافی ہے۔

☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بچہ

میں دیکھتا ہوں کہ کہ ایک بچہ ہے' اکیلا' اداس۔ لیکن اس میں کسی قسم کی گھبراہٹ یا مایوسی نہیں۔ وہ بچوں کی طرح نہ بے تاب ہے' نہ بے چین اور نہ ہی بے فکر۔ بڑی عجیب بات تھی۔ لیکن وہ بچہ اتنا اکیلا بھی نہیں تھ۔ اس کے اردگرد ہجوم تھا اور یہ ہجوم بڑے انسانوں کا تھا۔ اس سارے ماحول میں وہ بچہ اکیلا تھا کیونکہ اور کوئی بچہ نہ تھا۔ میں یہ جاننے کیلئے کہ وہ کون ہے اور یہ سب کون ہیں اور یہ میدان کونسا ہے' اس بچے کے قریب گیا اور اس سے پہلے کہ میں اس سے کچھ پوچھوں' وہ خود ہی بولنے لگ گیا۔ یہ مزید تعجب کی بات تھی۔ اس کے انداز سے یہ محسوس ہوتا تھا کہ یا وہ مجھے جانتا ہے یا میں اسے جانتا ہوں۔ میں نے مزید تجسس کا اظہار کیا تو بچہ بولا ''بے صبر ہونا اچھی بات بھی نہیں۔ زبان اور کان کے استعمال سے پہلے آنکھوں کا استعمال کرنا چاہئے۔ دیکھو یہ کیا ہو رہا ہے۔ یہ سب لوگ ایک ہجوم ہیں اور سارے کے سارے تنہا ہیں۔ کوئی کسی کا پرسان حال نہیں۔ یہ ایک دوسرے کو جانتے ہیں لیکن ایک دوسرے کو تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں ہیں اور اسی لئے یہ ایک دوسرے کے پاس سے اجنبی اور بیگانے بن کر گزرتے جا رہے ہیں۔ ان لوگوں کے اندر ایک اور ہجوم چل رہا ہے۔ یہ سب خاموش ہیں لیکن ان کے اندر کا ہجوم ایک ہنگامہ کھڑا کر رہا ہے۔ اندر کا ہجوم' ہجوم خیال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ سب ایسے ہیں' جیسے یہ سب ہیں۔''

''اور ہاں'' بچے نے گفتگو جاری رکھی ''اچھا تو تمہارے سوال کا جواب تو دوں کہ میں کون ہوں' یہ کون ہیں' یہ سب کیا ہے اور یہ کہ یہ کونسا میدان ہے۔ تم نے اتنے سوال کر دیئے کہ مجھے جواب کی مشکل سے دوچار ہونا پڑا۔''

بچے کی باتوں میں کہیں کوئی بچپن کا تاثر نہیں تھا۔ اس عمر میں وہ ایسے تھا تو ویسی عمر میں کیسا ہو گا' میں سوچنے لگ گیا۔ بچے نے میری حیرت کی پرواہ کئے بغیر اپنا بیان جاری رکھا۔ وہ کہنے لگا'' یہ سب میرے رشتہ دار ہیں' میرے عزیز ہیں' میرے ہی ہیں' میرے ہی تھے۔ کل تک یہ سب میرے ساتھ تھے۔ ہم سب یہاں سے دور گاؤں میں رہا کرتے تھے۔ یہ لوگ آہستہ آہستہ ایک ایک کر کے مجھے چھوڑتے چلے گئے' اس وعدے کے ساتھ کہ وہ جلد واپس آئیں گے۔ لیکن وہ اس میدان میں آ کر سب کچھ بھول گئے۔ بلکہ ایک دوسرے کی پہچان تو کیا' خود اپنی پہچان اور شناخت بھول گئے۔ شاید واپسی کے وعدے اور واپسی کے راستے ہی بھول گئے۔ ان کے اس دیس میں اب میں اکیلا رہتا ہوں اور میرے ساتھ ان لوگوں کی یادیں رہتی ہیں۔ ان کی یادیں اب پرانے کھنڈرات میں چمگادڑیں بن کر الٹی لٹکتی ہیں۔ وہ صرف رات کے اندھیروں میں نظر آتی ہیں۔ یہ لوگ بڑے بڑے کشادہ ماحول کو چھوڑ کر آئے ہیں لیکن ان لوگوں نے مجھے کبھی یاد نہیں کیا۔ ان کے دل تنگ ہو گئے ہوں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جیسے۔ میں مدت بسیار ان کا انتظار کرتا رہا۔ آخر تھک ہار کر ان کی تلاش میں یہاں آ نکلا۔

یہ میدان' میدان خود پرستی ہے' اسے آپ دولت اور شہرت کے حصول کی ''تمنا گاہ'' بھی کہہ سکتے ہیں۔ یہاں ان لوگوں نے اپنے قد بڑھا لئے ہیں۔ اپنے لہجے بدل لئے ہیں۔ اپنے دل تک سے دستبردار ہو چکے ہیں' یہ لوگ۔ یہ مشینوں اور کمپیوٹروں پر کام کرتے کرتے خود بھی کمپیوٹر ہو گئے ہیں۔ یہ سب مجھے دیکھتے ہیں' لیکن پہچانتے نہیں۔ یہ لوگ میری آواز اور پکار سنتے ہیں لیکن ان کو اپنے کانوں پر اعتبار نہیں۔ یہ سب کبھی کبھی مجھے یاد بھی کرتے ہیں لیکن مشینوں نے ان سے احساس چھین لیا ہے۔ یہ اپنے قد سے نکل کر اپنے اصل سے کٹ گئے ہیں۔''

بچہ اپنے بیان کے جادو میں مجھے لپیٹتا جا رہا تھا اور میں ایک بچے کے ہاتھوں بے بس ہونے کی ندامت کو چھپانے کی ناکام کوششوں میں مصروف تھا کہ بچہ مجھ سے مخاطب ہوا ''تم ایسا کیوں سوچ رہے ہو کہ میں نے تمہیں سامع کیوں بنا دیا۔ یہ اس لئے کہ تم ابھی اپنے قد سے باہر نہیں نکلے۔ تم ابھی تھوڑا زندہ ہو۔ میرے اور ان لوگوں کے درمیان صرف تم ہی ایک پل کا کام کر سکتے ہو۔ تم میری بات سنتے جاؤ کیونکہ اب اس کے سوا تمہارے پاس کوئی چارہ نہیں۔ ہاں تو یہ لوگ اپنی آبادیاں ویران کر کے آنے والے یہاں کونسی آبادی میں مصروف ہیں۔ یہ لوگ شاید مر چکے ہیں لیکن ان کے پاس اپنی موت کی خبر دینے کیلئے وقت بھی نہیں تھا۔ یہ بڑی اذیت اور گمنامی میں مرے ہوں گے۔ لیکن نہیں! یہ مرے نہیں۔ یہ تو صرف اور صرف موت کے انتظار میں زندہ ہیں۔ ان کا زیادہ حصہ مر چکا ہے لیکن سانس زندہ ہے۔ ان کا احساس مر چکا ہے' ان کا دل مر چکا ہے' ان کی یادداشت مر چکی ہے۔ ان کا ماضی مر گیا' ان کا مستقبل بھی مر گیا۔ ان کا حال' بدحال ہے۔ ان کی سماعت بہری ہو گئی ہے۔ ان کی آنکھوں کے آگے بینائی ہی کا پردہ آ گیا ہے۔ آوازوں کی گھمبیر میں ان کی گویائی ڈوب گئی ہے۔ یہ سب لوگ کسی کے نہیں ہیں' یہ اپنے بھی نہیں ہیں۔ یہ محبت نہیں کر سکتے۔ یہ صرف مقابلہ کر سکتے ہیں اور آخری مقابلہ' موت کا مقابلہ ہے۔ یہ لوگ' ذرا غور سے دیکھو۔ یہ لوگ کیا کر رہے ہیں۔ یہ صرف ''وقت'' کھاتے جا رہے ہیں اور وقت پورا کر رہے ہیں اور پھر ان کا وقت ختم ہو جائے گا۔ لیکن نہیں' ان کو جلد موت نہیں آئے گی۔ ان کے پاس بڑے بڑے ہسپتال ہیں' بڑے انتظامات ہیں۔ یہ زندہ رہ سکتے ہیں۔ کئی کئی مہینے' کئی کئی سال بستر پر زندہ رہتے ہیں۔ یہ ہزار قسم کی نالیاں لگا لیتے ہیں اور موت سے چھپ کر خاموش لیٹے رہتے ہیں کہ کسی کو خبر تک نہ ہو۔ یہ بڑے لوگ بن گئے ہیں۔

وہ دیکھو وہ آدمی جو ہماری طرف دیکھ رہا ہے۔ وہ پہچاننے کی کوشش کر رہا ہے کہ ہم لوگ کون ہیں۔ وہ اپنا ہی ہے' وہ بہت قریبی تھا۔ وہ قریب آنا چاہتا ہے لیکن اس کے پاس اتنا وقت نہیں کہ وہ قریب آ سکے۔ وہ پہلے سے طے شدہ پروگرام کا غلام ہو چکا ہے۔ اس کے پاس اپنی مرضی سے چلنے پھرنے تک کا اختیار نہیں۔ وہ ایک صاحب مرتبہ آدمی ہے۔ اس کے پاس اپنے لئے بھی وقت نہیں ہے۔''

بچہ افسون کلام سے مجھے مکمل گرفتار کر چکا تھا۔ میں نے اس سے آزاد ہونا چاہا۔ میں نے چاہا کہ اس

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کی باتوں کو سنا ان سنا کر کے بھاگ جاؤں۔ بچہ بولا ''تم مجھ سے آزاد نہیں ہو سکتے' تم بھاگ نہیں سکتے۔ تم میرے حلقۂ تاثیر میں ہو۔ یہ دیکھو۔ تم خود کیا ہو۔ تم غور کرو۔ تم میری طرح بنتے جا رہے ہو۔ تم خود ایک بچہ ہوتے جا رہے ہو۔ لو یہ دیکھو' تم میری جیسے ہو گئے۔ لو تم تو میں ہی ہو گئے۔ اب میری کیا ضرورت!''

یہ کہہ کر بچہ غائب ہو گیا۔ میں نے دیکھا اب اس میدان میں اکیلا بچہ تھا۔ میں خود ہی پکار کر کہہ رہا تھا ''آؤ ہم لوٹ چلیں۔ آؤ ہم ایک بار پھر عہد کہن تازہ کریں۔ آؤ ہم سب ہم بن جائیں۔ آؤ تازہ ہواؤں کی طرف۔ مشینوں کو مشینوں پر کام پر لگا کر آؤ بھاگ چلیں۔ آؤ ہم قدرت کے نظاروں کے قریب ہو جائیں تاکہ ہم صداقت کے قریب ہو جائیں۔ آؤ چار دن کی زندگی میں زہر گھولنا بند کر دیں۔ آؤ اذیت دینے اور اذیت لینے کے اذیت ناک عمل سے توبہ کریں۔ آؤ آؤ...... گزرے ہوئے زمانوں کو پھر سے یاد کریں۔ آؤ کہ ابھی تھوڑا سا وقت باقی ہے۔ آؤ گزشتہ سے پیوستہ ہو جاؤ' آؤ زندگی سے دکھ کم کریں۔ آؤ اپنی بجائے دوسروں کیلئے زندگی گزاریں۔ آؤ فریادی کی فریاد سنیں۔ آؤ چمگادڑوں کو آزاد کر دیں اور ویران زمانے آباد کر دیں۔ آؤ بجھے ہوئے چراغ روشن کر دیں۔ آؤ آؤ کہ معاف کر دیں ایک دوسرے کو۔ فتح کی سنت پوری ہو گئی' عام معافی کی سنت ادا کریں۔ آؤ ایک بار پڑھا ہوا کلمہ پھر سے پڑھیں۔ آؤ حضور اکرم ﷺ کی امت کے ہر فرد کو خوشی عطا کریں۔ آؤ دوسروں کی زندگی اور اپنی عاقبت خراب ہونے سے بچائیں۔ آؤ ساتھیو! لیکن تم کیسے ساتھی ہو' تم ساتھ ہی نہیں دیتے۔ آؤ ایمان کی روشنی تلاش کریں۔ آؤ محبت کے نخلستان آباد کریں۔ آؤ کہ ہم سب ایک ہی ندی کے دھارے ہیں۔ ہم سب ایک ہی ناؤ میں سوار ہیں۔

بند کرو ذاتیات' بند کرو جھوٹ کو اخبار کی پذیرائی دینا۔ بند کرو ایمان فروشی کے مکروہ کاروبار۔ بند کرو اپنی خواہشات کے بے ہنگم پھیلاؤ کا بے مقصد و بے ترتیب سلسلہ۔ بند کرو ایک دوسرے کو بدنامیوں کے بازاروں کی رسوائی بنانے کا عمل۔ بند کرو کہ تم روبرو لائے جانے والے ہو۔ اس دن' اس مالک کے روبرو جس کے سامنے تم جھوٹ نہ بول سکو گے اور پھر تمہارے سر سے ستار العیوبی کی چادر اتار دی جائے گی۔ تم کیسے نظر آؤ گے اس دن' جب عمل تبدیل کرنے کا موقع نہ دیا جائے گا۔ جب توبہ کا لفظ تو ہو گا لیکن اس کے معنی نہ ہوں گے۔ وہ دن بہت دور ہے۔ یہی تو ہے تمہاری ناعاقبت اندیشی۔''

ابھی میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ آواز آئی ''بس اب لوٹ جاؤ اس ماحول سے...... یہ تو عالم خواب ہے۔ تم کیا زور لگاتے جا رہے ہو۔'' بس پھر کیا تھا' خواب سے بیداری کے بعد پہلا کام یہ ہوا کہ آئینے میں اپنے آپ کو دیکھا۔ میں پورا ہی تھا۔ شکر ہے کہ میں بچہ نہ رہا۔ لیکن میں ابھی تک سوچ رہا ہوں کہ وہ کون تھا اور میں کون تھا...... اور یہ سب کیا تھا۔ کیا یہ واقعی محض خواب تھا؟

☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جھڑکی نہ دو

جھڑکیاں دینے والا' رعب جمانے والا' دھمکیاں دینے والا' بھول چکا ہوتا ہے کہ وہ بھی انسان ہے۔ انسان کو انسانوں پر رعب جمانے اور انہیں جھڑکی دینے کا کوئی حق نہیں۔ یہ نعلی استحقاق صرف غرورنفس کا دھوکا ہے اور غرور کسی انسان میں اس وقت تک نہیں آ سکتا' جب تک وہ بدقسمت نہ ہو۔ نصیب والے' قسمت والے ہمیشہ عاجز و مسکین بن کے رہے۔ وہ کسی مرتبے پر فائز ہوئے' تب بھی انکسار سے کام لیتے رہے۔ مغرور بادشاہ فرعون کی عاقبت کے وارث ہوتے ہیں۔ مسکین سرفراز رہتا ہے۔ وہ سدا بہار ہے۔ وہ دولت اور حکومت کو امانت سمجھتا ہے' مالک کی عطا کردہ عنایت...... وہ مالک جو اعلان فرماتا ہے کہ وہ اصل مالک ہے' ملک کا مالک...... جسے چاہے ملک عطا کرتا ہے اور جسے چاہے معزول فرماتا ہے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ بیلٹ بکس ہمارے لئے قوت نافذہ ہے اس لئے ہم بیلٹ بکسوں کے ساتھ کھیل کرتے رہتے ہیں اور پھر قدرت ہمارے ساتھ کھیل کرتی ہے اور جب ہم معزول ہو جاتے ہیں تو ہم اپنی آتش نوائیوں اور شعلہ بیانیوں کو اپنے لئے مرتبہ ساز مان لیتے ہیں اور اس طرح ہم بھول جاتے ہیں کہ اصل طاقت کیا ہے اور اس کا اصل سرچشمہ کیا ہے؟

بہر حال بات جھڑکی سے شروع ہوئی تھی۔

یہ مالک کا حکم ہے کہ سائل کو جھڑکی نہ دو اب سوچنے والی بات تو یہ ہے کہ مالک غریب کے ساتھ ہے۔ سائل کے ساتھ ہے۔ ضرورتمند کے ساتھ ہے۔ ہر وہ انسان جو ضرورتمند ہے اور ضرورت پوری کرنے کیلئے آپ کے تعاون کیلئے سوال کرتا ہے' سائل ہے۔ سائل کی ضرورت پوری کرو یا نہ کرو' اسے جھڑکی نہ دو۔ یہ حکم ایک بڑا راز ہے۔

کہتے ہیں اور کہنے والے چشم دید گواہ ہیں کہ ایک دفعہ ایک بہت عظیم انسان' بہت پاکیزگی میں رہنے والا درویش اپنے معتقدین کے ساتھ نماز فجر ادا کر کے مسجد سے باہر آ رہا تھا۔ بلکہ تشریف لا رہے تھے۔ آپ نے ایک خاکروب کو دیکھا جو کوڑا وغیرہ اپنے ٹوکرے میں ڈال کر اسے اٹھا کر اپنے سر پر رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وزن زیادہ تھا۔ بزرگ نے آگے بڑھ کر اپنے ہاتھوں سے ٹوکرے کو پکڑ کر اس کی مدد کی...... مریدوں نے تو بہت ہی شرمندگی و ندامت کا اظہار کیا اور خاکروب کو کوسنے لگے۔ کہتے تھے "پیر صاحب! آپ ہمیں حکم فرما دیتے۔ آپ نے خود کیوں زحمت فرمائی......" بزرگ بولے "بے وقوفو...... بات سمجھے نہیں ہو...... یہ اللہ کا فضل ہے کہ اس کو اس حال میں رکھنے والے نے ہمیں اس حال میں رکھا ہوا ہے۔ وہ ضرورتمند تھا ہم نے ضرورت پوری کی۔ اللہ کا شکر ہے اور تم لوگ ضرورت بھی پوری نہیں کرتے اور جھڑکی بھی دیتے ہو۔ توبہ کرو اور بے نیاز اللہ سے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ڈرتے رہو..... ہماری پیریں اور فقیریاں بے کار ہیں اگر محروم اور محتاج کے کام نہ آئیں......''

بات یہ کھلی کہ ہم لوگ اسی سائل کو جھڑکی دیتے ہیں جسے ہم کچھ نہیں دیتے۔ ایک تو اس کی مدد نہیں کرتے' دوسرے اس کی تذلیل کرتے ہیں اور تیسرے اس غرور کا اظہار کرتے ہیں جو ہمیں اپنے مرتبے پر ہے۔ خاک ہو جائے وہ مرتبہ جو دوسروں کیلئے مفید نہ ہو..... افسوس ہے اس علم پر جو دوسروں کے کام نہ آئے اور پناہ مانگو اس علم سے جو اپنے بھی کام نہ آئے..... وہ دولت جو غریب کو جھڑکی دینے کا ذریعہ بنتی ہے' ایک عذاب ہے...... لعنت ہے وہ طاقت جو کمزور کی حفاظت نہیں کرتی بلکہ اسے ڈراتی ہے۔ جہنم کی نشانیوں میں سے ایک ہے۔

سائل بڑے راز کی بات ہے..... وہ بظاہر کچھ مانگنے کیلئے آتا ہے لیکن دراصل وہ کچھ دینے کیلئے آتا ہے.....ہم پہچان نہیں سکتے۔ ہم غافل ہوتے ہیں..... مغرور ہوتے ہیں..... اس لئے اس پیغام سے محروم رہتے ہیں جو صرف سائل کے ذریعہ ہم تک پہنچتا ہے۔

ایک دفعہ ایسا اتفاق ہوا کہ ایک سائل ہمیں ملا..... یہ ان دنوں کی بات ہے جب ڈیپریشن سے ہماری نئی نئی آشنائی ہو رہی تھی..... ہم ایک شام' ایک اداس شام' ایک باغ میں تنہا غور کر رہے تھے..... سورج ڈوب چکا تھا اور ڈوبنے والا اپنے بعد فضا میں ایک گہری سرخی چھوڑ چکا تھا..... اتنے میں ایک سائل میری طرف آتا ہوا دکھائی دیا..... میں اسے دیکھے بغیر ہی اسے ناپسند کرنے لگا..... وہ اس بات سے بے نیاز کہ میں اس کی طرف متوجہ نہ تھا۔ بولا ''سائل کی طرف' آنے والے کی طرف توجہ تو کرنی چاہئے.....'' میں نے اس کی طرف دیکھا اور کچھ سمجھے بغیر پوچھا..... ''آپ کیا چاہتے ہو.....'' وہ بولا ''ہمارا تو وہی سوال ہے پرانا..... کچھ مدد کرو۔'' میں اس کی شخصیت اور اس کے انداز گفتگو کے اثر میں آتا چلا گیا..... میں نے اس کی مقناطیسی شخصیت کے رعب میں آکر اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور بڑی احتیاط سے ایک پانچ روپے کا نوٹ نکالا اور اس سے کہا ''بابا جی قبول فرماؤ.....؟'' بابا مسکرایا اور بولا ''بیٹا! اسے تو میں قبول کرتا ہوں لیکن میری بات غور سے سنو..... میں بھیجا گیا ہوں تمہیں یہ بتانے کیلئے کہ تم جس کو پریشانی سمجھ رہے ہو' یہ تو ایک اچھے دور کا آغاز ہے..... جب یوسف علیہ السلام کنوئیں میں گرائے گئے تو انہیں معلوم نہیں تھا کہ یہ نئے سفر کا آغاز ہے..... پیغمبری کا سفر' بادشاہت کا سفر..... جہاں ایک دور ختم ہوتا ہے وہیں سے دوسرے دور کا آغاز ہوتا ہے۔ کبھی مایوس نہ ہونا..... اور سائل کو کبھی جھڑکی نہ دینا۔ سائل محسن بھی ہوتا ہے' معلم بھی.....''

بابا بولتا جا رہا تھا اور لفظوں کے چراغ من میں اجالا پیدا کر رہے تھے..... میرے بارے میں کچھ باتیں ایسی فرما رہے تھے جو صرف میں ہی جانتا تھا..... میں چاہتا تھا کہ وہ یونہی بولتے چلے جائیں..... لیکن وہ اچانک چپ ہو گئے..... میں نے کہا ''مزید ارشاد۔'' بولے ''نہیں.....'' میں نے کہا ''کیوں.....'' بولے ''جس طرح تیری جیب میں پڑے ہوئے دو سو روپے میں سے میرے لئے صرف پانچ روپے تھے' اسی طرح میرے علم میں سے تمہارا اتنا ہی حصہ تھا۔'' میں نے کہا ''آپ سے پھر کب ملاقات ہو گی.....؟'' بولے ''ہو گی' ضرور ہو گی۔ ہاں تم اپنا پتہ تو بتاؤ..... ہم تو سیلانی لوگ ہیں.....'' بابے نے جیب سے ایک سنہری رنگ والا پوسٹ کارڈ سائز کا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کارڈ نکالا میں نے اپنا پتہ لکھ دیا۔ دستخط کر دیئے۔ روشنی ختم ہو چکی تھی...... بابے نے کہا ''اچھا بیٹا اب میرے پیچھے نہ آنا۔ میں جا رہا ہوں......'' بابا ایک طرف کو ہو لیا...... لیکن میں اس کے پیچھے چل پڑا...... مگر کہاں تک...... بابا غائب ہو چکا تھا...... ڈیپریشن ختم ہو چکا تھا...... نئے عنوان ظاہر ہو رہے تھے...... بابا فقیر سرشار کر گیا......

بات ختم ہو گئی' لیکن بات ختم نہیں ہوئی...... سقوط ڈھاکہ پر بھی پھر ڈیپریشن کا شکار ہوا...... ایک شام نماز مغرب کے بعد مسجد سے نکلے...... گہری شام ہو چکی تھی...... میں نے دیکھا کہ میرے آگے آگے ایک بزرگ صورت انسان چل رہا تھا۔ لمبے بال...... ننگے پاؤں...... ہاتھ میں تسبیح...... میں اس کے پیچھے ہو لیا...... کچھ دور جا کر وہ اچانک رک گیا اور پیچھے مڑ کر مجھ سے مخاطب ہوا۔ ''میرے پیچھے کیوں آ رہے ہو...... میں نے پہلے بھی کہا تھا میرے پیچھے نہ آنا۔ تم باز نہیں آتے...... اچھا بولو کیا تکلیف ہے......'' میں نے کہا ''کچھ نصیحت ہی......'' بولا ''سائل کو جھڑکی نہ دیا کرو...... ہم لوگ محسن ہیں۔ معلم ہیں...... ڈیپریشن کی ضرورت نہیں...... تم ہم سے زیادہ فکر مند ہو......؟ سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' اتنے میں بابے نے جیب سے ایک کارڈ نکالا اور کہا ''مجھے اس پتہ پر پہنچا دو......'' میں نے کارڈ دیکھا...... میرا ہی نام' میرا پتہ اور میرے ہی ہاتھ کا لکھا ہوا...... دستخط میرے ہی' بقلم خود...... میرے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی...... آج سے پندرہ سال پہلے والا بابا میری نظروں کے سامنے آیا۔ لیکن یہ بابا وہ نہیں تھا۔ قطعاً مختلف...... میں اور حیران ہوا...... بابا بولا ''حیران ہونے والی کوئی بات نہیں...... ہمارا چولا بدلتا رہتا ہے...... ہم صرف سائل ہیں۔ محسن' معلم...... ہماری شکل و صورت کچھ بھی ہو' ہم وہی ہیں۔ تمہیں عطا کرنے کیلئے آتے ہیں...... ہماری طرف غور کیا کرو...... ہم پیسے مانگتے ہیں تو صرف اس لئے کہ تم بخیل ہونے سے بچ سکو...... ہم تم کو سخی بنانے کیلئے آتے ہیں...... سخی...... اللہ کا دوست صرف سائل کے دم سے...... سائل کو جھڑکی نہ دو......'' بابا پھر غائب ہو گیا۔ ڈیپریشن ختم ہو گیا...... اندھیرے میں روشنی پھیل گئی...... مایوسیوں میں امید کے چراغ جل اٹھے۔ ''کارساز ما بفکر کار ما......''

آج تک وہ سائل میری نظروں کے سامنے ہے۔ معلم...... محسن...... بخیل کو سخی بنانے والا۔ غیر اللہ کو حبیب اللہ بنانے والا...... جھڑکی کیلئے نہیں' ادب و احترام سکھانے کیلئے آتا ہے...... ہمارے دروازے پر اللہ کی رحمت دستک دیتی ہے اور کہتی ہے۔ خبردار! غافل نہ ہونا......

☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کہانی

یہ جیون ایک کہانی ہے اور یہ کہانی بڑی پرانی ہے۔ پہلے بچے کے ساتھ ہی کہانی پیدا ہوگئی اور پھر کہانی سے کہانی اور پھر کہانیاں ہی کہانیاں...... ایک جال ہے کہ بچھا ہوا ہے۔ کچھ پوری کہانیاں ہیں اور کچھ ادھوری...... کسی کا آغاز نہیں' کسی کا انجام نہیں......

کہانی سنانے والا کوئی نہ ہو' تو بھی کہانی خود کو سناتی رہتی ہے۔ سامع نہ بھی ہو تو بھی کہانی جاری رہتی ہے۔ وجود آدمؑ سے پہلے بھی کہانی تھی اور تخلیق آدمؑ کے بعد تو کہانی کا باقاعدہ آغاز ہو گیا تھا۔ فردوس بریں کا قصہ' طاغوت' ابلیس اور پھر لغزش آدمؑ' دانہ گندم' پھر سفر سوئے زمیں' فردوس گم گشتہ...... اور پھر قیام و قرار فی الارض...... ایک مکمل کہانی۔

اس کے بعد عروج آدم خاکی...... سب کہانی ہے۔ چمن جانے کے بعد جس مقام کی دوبارہ تلاش شروع ہو جائے' وہی مقام انسان کا بہشت ہے۔ انسانوں کی اقسام کی طرح کہانیوں کی بھی بہت سے اقسام ہیں۔ شاید ہر آدمی کیلئے الگ قسم ہے۔ رونے والوں کیلئے المیہ' ہنسنے والوں کیلئے طربیہ' سیاحت کا شوق رکھنے والوں کیلئے سفر نامے' سیاحت نامے' بہادروں کیلئے رزمیہ' صاحبان فکر کیلئے تمثیل نگاری اور علامتی کہانیاں اور کچھ ملامتی کہانیاں۔ مختصر کہانی' طویل کہانی' بامقصد کہانی' بے معنی کہانی' مذہبی کہانی' اخلاقی کہانی' جنسی کہانی' روحانی کہانی' غرضیکہ فانی اور لافانی کہانی۔ بھول جانے والی کہانی' نہ بھولنے والی کہانی...... بس کہانی ہی کہانی ہے۔

کسی علاقے میں جاؤ وہاں کی علاقائی کہانی' کہیں بھی نہ جاؤ تو تصوراتی اور تخلیلاتی کہانی...... انسان میں جب تک کہانی سننے کا شوق ہے' کہانی رہے گی۔ ہم ایک دوسرے کو کہانیاں سناتے رہتے ہیں۔ اپنی اپنی داستان...... اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر وہی ایک دفعہ کا ذکر......

کہانی سننے کا شوق بچپن سے ہی پیدا ہوتا ہے یا کر دیا جاتا ہے' تمام لائبریریاں کہانیوں سے بھری پڑی ہیں۔ سائنس کے ارتقاء کے ساتھ سائنسی کہانیاں شروع ہو گئیں۔ انسان کہانیوں سے بچ نہیں سکتا۔ انسانی کہانیاں نہ ملیں تو جانوروں کی کہانیاں موجود ہیں' دانائی اور حکمت کے خزانوں کے ساتھ۔ مثلاً پیاسا کوا' لالچی کتا' اتفاق کی برکت' بے وفا دوست اور ریچھ اور نادان اور دانا بکریوں کی کہانی' جو کچھ اس طرح سے ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک پہاڑی نالے پر ایک نہایت ہی تنگ پل تھا۔ مشکل سے پاؤں رکھا جاتا تھا۔ ایک دفعہ دو نادان بکریاں آمنے سامنے سے پل کے درمیان تک آ گئیں۔ جگہ تنگ تھی' دونوں نہیں گزر سکتی تھیں۔ واپس جانا بھی مشکل تھا۔ ایک دوسرے کو کوسنے لگیں کہ تم نے میرا راستہ روکا ہے' جھگڑا شروع کر دیا۔ باتوں باتوں میں سینگوں کا استعمال شروع کر دیا اور پھر...... دونوں دھڑام سے نیچے گر گئیں۔ کچھ دیر کے بعد دو دانا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بکریاں آمنے سامنے سے پھر درمیان میں آ گئیں۔ انہوں نے غصہ کرنے کی بجائے صورتحال کا جائزہ لیا۔ سینگوں کی بجائے عقل سے کام لیا اور ایک بکری بیٹھ گئی اور دوسری نے اس کے اوپر سے گزر کر اپنی راہ لی...... دونوں بچ گئیں۔

وہ دن گئے جب بچوں کو سکولوں میں ''گلستان'' ''بوستان'' کی کہانیاں پڑھایا کرتے تھے اور نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ با اخلاق معاشرہ پیدا ہوتا تھا اور آج جو کچھ ہو رہا ہے' ویڈیو کی کہانیوں کا اثر ہے۔ جنسی تشدد اور دہشت گردی پہلے فلموں میں دکھائی جاتی ہے اور پھر سماج میں اسے دیکھا جاتا ہے۔ جب ذہن پختہ ہو جائے تو اصلاح کا امکان کم ہو جاتا ہے۔

کہانی کیلئے ضروری ہے کہ اس میں ایک مرکزی خیال ہو مثلاً پاکستان کی کہانی میں مرکزی خیال اقبالؒ کا ہے۔ ایک مرکزی کردار بھی ہونا چاہئے' جیسے قائداعظمؒ' ایک آغاز بھی ہو جیسے ۱۹۴۷ء' اس میں ایک ماحول بھی ہونا چاہئے۔ ہمارا ماحول۔ اگر اخبارات کچھ نہ بیان کریں تو۔ کہانی میں ایک کلائمکس بھی ہونا چاہئے۔ کلائمکس یا نقطۂ عروج اس مقام کو کہتے ہیں جس کے بعد یہ مقام نہیں رہتا۔ عروج ہمیشہ نہیں رہ سکتا۔ ہر حکمران اپنے دور کو عروج کا نقطہ سمجھتا ہے' یہ جانے بغیر کہ عروج کے بعد زوال ہوتا ہے۔ شکر ہے پاکستان نے ابھی عروج حاصل کرنا ہے۔ ہم ابھی راہگذر میں ہیں۔

عروج کے حوالے سے ایک کہانی مشہور ہے۔ کہتے ہیں کسی خطے نے عروج حاصل کر لیا۔ یہ بہت قدیم زمانے کا ذکر ہے۔ مالک نے دیکھا کہ بندہ فطرت میں مداخلت کر رہا ہے' جبریلؑ کو حکم دیا کہ بستی کو اڑا دیا جائے۔ عزرائیل سے نہیں' جبریلؑ سے کہا گیا۔ جبریلؑ نے عرض کی کہ اے مالک الملک! اجازت ہو تو میں ان لوگوں کے علم کا معیار دیکھ لوں۔ اجازت مل گئی۔ وہ گئے اور ایک گڈریئے کو دیکھا کہ وہ جنگل میں بھیڑیں چرا رہا تھا۔ جبریلؑ انسانی لباس میں اس کے پاس پہنچے اور بولے ''بھائی کچھ حساب لگانا جانتے ہو۔'' وہ بولا ''ہاں! لیکن بہت کم۔'' جبریلؑ نے کہا ''حساب لگاؤ' اس وقت جبریلؑ کہاں ہے؟'' گڈریئے نے چھڑی سے ہی زمین پر دو چار لکیریں کھینچیں اور کہا ''آسمان پر تو نہیں ہے'' جبریلؑ نے کہا ''مزید حساب لگاؤ'' اس نے حساب لگایا اور بولا ''زمین پر بھی نہیں ہے۔'' جبریلؑ نے مزید حساب کیلئے کہا۔ وہ بولا ''بھئی یا تم جبریل ہو یا میں...... میں تو نہیں ہوں...... بس تم ہی جبریلؑ ہو......'' اس کے بعد بستی کو نابود کر دیا گیا۔

مولانا رومؒ نے کہانیوں کے روپ میں معرفت کے مسائل حل کئے۔ وہ علم باطن اور علم روح کے اظہار کیلئے کہانیاں لکھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر شوق مر جائے تو انسان کے زندہ رہنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ عشق کو مولانا ''طبیب جملہ علت ہائے ما'' کہتے ہیں۔ ان کی ہر کہانی پر مغز و پر سوز ہے۔ وہ درس باطن دے رہے ہیں اور کہانیاں بیان کر رہے ہیں۔ نکتے کھولتے چلے جاتے ہیں اور بات کی وضاحت ہوتی چلی جاتی ہے۔ اقبالؒ کو علم کا خزانہ پیر رومیؒ کے فیض سے حاصل ہوا۔ رومیؒ کہتے ہیں کہ مریض محبت کو اگر چارہ ساز سے نسبتِ قلبی نہ ہو تو سب چارہ سازی حجاب ہے۔ محبوب کا ہاتھ ہی دست شفا ہے۔ یہی عالم قوموں کا ہے۔ اگر قائد محبوب ہو تو ہر نسخہ

www.iqbalkalmati.blogspot.com

شفا ہے' ورنہ بے تعلق ہجوم چارہ گراں مرض کے اضافے کا باعث بنتا ہے۔ ہم لوگ چارہ سازوں کے چنگل میں ہیں۔ قائدین کے نرغے میں آ گئی قوم...... خدا لیڈروں سے بچائے' خدا لیڈر سے ملائے......

بہر حال کہانیاں تعلیم و تبلیغ کیلئے بھی موزوں ہیں اور عرفان ذات کیلئے بھی۔ سیف الملوک کہانی ہے' ایک شاہزادے اور ایک پری کی...... لیکن یہ داستان ہے خود آگہی کی منزلوں کی' یہ سیر ہے وادی حیرت کی' یہ بیان ہے فراق کے درد کا' بارگاہ حسن میں دل کی فریاد کا۔ میاں محمد صاحبؒ نے رنگ بھر دیئے ایک فرضی کہانی میں۔ اس میں قدر دانوں اور قدر شناسوں کے احسانات کا ذکر ہے' محسنوں کا فیض ہے اور شکر کا اظہار کہ

میں گلیاں دا کوڑا روڑا محل چڑھایا سایاں

یعنی سخی نے ہمیں کیا سے کیا کر دیا...... گلیوں سے نکال کر محلوں میں بٹھا دیا...... وہ اگر چاہے تو قطرہ بھی سمندر ہو جائے۔ بڑے عرفان کی داستان ہے' بڑے درجے کا بیان ہے' کہانی لیکن معرفت کی داستان۔

کہانی کہانی کے روپ میں اصل کہانی ختم ہوتی جا رہی ہے۔ ہم داستانیں سنتے سناتے کہیں خود بھی کسی داستان کا حصہ نہ بن جائیں۔ ہمیں ہر لمحہ بیدار رہنا چاہیے۔ ہمارے ہاں بھی بڑے جادو بیان داستان گو موجود ہیں۔ غریبوں کو امیر ہونے کا کاذب مژدہ سنانے والے داستان گو' غریبی میں مزید اضافہ کر کے رخصت ہو جاتے ہیں اور غریب دیکھتا رہ جاتا ہے بیچارہ۔ آسمانوں کے تذکرے سنتے سنتے انسان بھول جاتا ہے کہ اس کے پاؤں زمین پر ہیں۔

داتا گنج بخشؒ نے بھی بہت سی کہانیاں لکھی ہیں۔ ان کے اپنے انداز ہیں۔ وہ توحید' رسالت اور عرفان کے بارے میں وضاحتیں دینے کیلئے کہانی پیش کرتے ہیں مثلاً ایک دفعہ انہوں نے اپنے شیخ سے پوچھا ''جناب توحید کیا ہے؟'' شیخ نے کہا ''پھر کبھی بتاؤں گا۔'' کچھ ہی دنوں بعد سفر حج کا آغاز ہوا۔ دوران سفر ایک دن نماز ظہر سے فارغ ہو کر یہ لوگ بیٹھے ہی تھے کہ مغرب سے ایک سوار آیا۔ داتا صاحبؒ کے شیخ نے تعظیم کی' استقبال کیا۔ آنے والے نے کان میں کچھ کہا لیکن شیخ نے معذرت ظاہر کی۔ سوار واپس چلا گیا۔ داتا صاحبؒ نے پوچھا ''سرکار یہ کون تھے؟'' آپ نے کہا ''یہ تیرے سوال کا جواب تھا کہ توحید کیا ہوتی ہے۔'' داتا صاحبؒ نے وضاحت کی التجا کی۔ شیخ نے کہا ''یہ خضرؑ تھے۔ کہتے تھے کہ اگر مناسب سمجھو تو میں تمہارے ساتھ حج کے سفر کیلئے ہمراہی اختیار کروں۔ میں نے کہا نہیں...... کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں حج کے خیال سے غافل ہو کر تمہارے خیال میں مصروف ہو جاؤں'' بس توحید یہی ہے کہ وحدت مقصد قائم رہے۔ ایک مقصد سے دوسرا مقصد نہ نکالنا چاہئے' خواہ دونوں مقاصد ہی نیکی کے ہوں۔ نیکی اور ہے' توحید اور۔

ایک اور کہانی بھی آپ نے لکھی۔ ایک سفر میں داتا صاحبؒ اپنے چند ساتھیوں سمیت سفر پر روانہ تھے۔ حج ہی کا سفر تھا۔ ایک آدمی کو قافلے کا امیر بنا دیا گیا تھا۔ راستے میں قزاقوں نے سب قافلے کو روک لیا اور اپنے سردار کے روبرو پیش کر دیا۔ سردار نے کہا ''جو کچھ ہے حاضر کر دو۔'' سب نے سب کچھ حاضر کر دیا۔ سردار نے پھر کہا ''ان سب کی تلاشی لو......'' تلاشی لینے پر امیر قافلہ کے پاس خفیہ جیب میں سے کچھ اشرفیاں برآمد

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہوئیں۔ ڈاکوؤں کے سردار نے حکم دیا کہ ''اسے قتل کر دیا جائے۔'' داتا صاحبؒ نے مداخلت کی اور کہا ''یہ نہیں ہو سکتا' وہ ہمارے امیر قافلہ ہیں' ہم یہ برداشت نہیں کریں گے۔'' سردار نے کہا ''عجیب آدمی ہو...... یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ سچے آدمیوں کا امیر جھوٹا ہو......اسے چھوڑ دو واپس جانے کیلئے اور تم اپنا سفر جاری رکھو۔ ہم لوگ ڈاکو نہیں ہیں' ہم تو سرکاری ڈیوٹی والے لوگ ہیں۔ دودھ پانی الگ کرنے والے' حاجیوں کو توکل کی منزل عطا کرنے والے۔ آئندہ یاد رکھنا سالار کارواں کیلئے ضروری ہے کہ وہ صادق ہو' امین' ہو' جھوٹے سالاروں نے ہی تو ملت کا بیڑہ غرق کر رکھا ہے۔''

جہاں کہانیوں نے باطن روشن کئے ہیں' وہاں کہانیوں نے ہی فسادات پھیلائے۔ ملت اسلامیہ کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے میں کہانیوں کا حصہ ہے۔ مثلاً ایک دفعہ ایک آدمی نے دوسرے سے پوچھا ''بھائی آپ نے وہ کہانی سنی ہے۔'' دوسرے نے کہا ''نہیں بھائی میں نے دوسری کہانی سن رکھی ہے۔'' بس کہانی ختم ہو گئی۔ لیکن یہ کیا کہانی ہوئی۔ یہی تو بڑی کہانی ہے کہ ایک آدمی نے ایک کتاب پڑھ لی وہ ایک فرقہ بن گیا' دوسرے نے دوسری کہانی پڑھ لی وہ دوسرا فرقہ بن گیا۔ جس نے جو کتاب پڑھ لی' وہ الگ فرقہ بنتا چلا گیا۔ کہانیاں جاری ہیں اور فرقے بننے کا کام بھی جاری ہے۔ ابھی کل ہی کی بات ہے۔ ہم ایک خدا' ایک رسول ﷺ اور ایک کلمے سے آغاز کر رہے تھے اسلام کا۔ اب تھوڑے ہی عرصہ کے بعد بن گئے ستر فرقے۔ کس نے بنائے؟ کون ہے ہم میں سے جو امام حسینؓ کے قافلے میں موجود تھے اور کون ہے جو یزید کے ساتھ موجود تھا۔ ہم سب ناموجود تھے اور کہانیاں ختم لے رہی تھیں۔ قلم چل رہے تھے اور صداقت قلم ہو رہی تھی۔ فرقہ پرستوں کی کہانی درمیان سے شروع ہوئی اور اسے درمیان میں ہی ختم کر دینا چاہیے۔

یہ بہت کافی ہے کہ ہم کلمۂ توحید کی مرکزیت پر یقین رکھتے ہوئے ملت واحدہ ہو جائیں۔ پاکستان کی کہانی جو اقبالؒ کی بلند خیالی سے شروع ہوئی ہے' اسے بلند اقبالی حاصل ہونا چاہیے...... ورنہ؟ ورنہ کچھ نہیں۔

☆☆☆

آنکھیں

عجائبات دہر میں سب سے بڑا عجوبہ انسانی آنکھ ہے۔ یہ ایک کیمرے کی طرح ہے لیکن اس کی ساخت میں قدرت کاملہ نے کمال دکھایا ہے...... یہ چہرے کی زینت ہونے کے ناطے سے بھی انسان کی شخصیت کا طرۂ امتیاز ہے۔

آنکھیں اس کائنات کے ساتھ ہمارے رابطے کا ذریعہ ہیں۔ جس ذات نے انسانی آنکھ کو دیکھنے والا بنایا' اسی نے انسان کے دیکھنے کیلئے ایک خوبصورت کائنات بنائی' رنگا رنگ کے جلوے پیدا فرمائے اور ان جلووں میں اپنی جلوہ گری کے کرشمے دکھائے......

فنکار' فن کے جلووں میں خود جلوہ گر ہے...... آنکھ نہ ہوتی تو کسی رنگ اور کسی روشنی کی کوئی ضرورت و افادیت نہ تھی...... مشاہدہ' جہاں مشہود کی جلوہ گری کا کمال ہے' وہاں یہ شاہد کے انداز نظر کا حسن بے مثال بھی ہے...... قدرت نے جس ذوق تخلیق کا اظہار بے رنگ زمین میں رنگ دار گلکاری کر کے کیا ہے' اس کی داد بس چشم بینا ہی دے سکتی ہے......بس آنکھ والا ہی ترے جوبن کا تماشا دیکھ سکتا ہے...... دیدۂ کور تو پھر دیدۂ کور ہی ہے......

آنکھ آسمان کے کروڑوں ستاروں کو بیک وقت دیکھ سکتی ہے۔ یہ آسمان کو زمین پر اتارتی ہے۔ یہ دور کے جلوے قریب لاتی ہے۔ یہ کیا کیا نہیں دیکھتی...... یہ سب کچھ دیکھ سکتی ہے' لیکن یہ صرف اپنے آپ کو نہیں دیکھ سکتی...... خود بینی کیلئے اسے کسی آئینے کی ضرورت ہے...... کسی اور کی ضروت ہے...... زمین و آسمان کی وسعتیں اس کے سامنے آشکار ہوتی ہیں' صرف اپنی ذات مخفی ہوتی ہے...... اپنی ذات کا سفر کسی اور ذات کے تعاون کے بغیر ممکن ہی نہیں...... یہ وسیلہ ہی خود بینی کیلئے اہم ترین ذریعہ ہے۔ خود شناسی نہ ہو تو خدا شناسی کا عمل ممکن ہی نہیں...... آئینہ ہی آنکھوں کو اپنے باطن میں اترنے کا راستہ بتاتا ہے۔ اگر آئینہ میسر نہ ہو' تو آنکھ خود کو دہر شناس سمجھ کر غرور میں مبتلا ہو جاتی ہے......

آنکھ انسان کو بڑے بڑے کرشمے دکھاتی ہے۔ آنکھ جب محو نظارہ ہو تو اس کی مستی دیکھنے کے قابل ہوتی ہے...... سرشار اور محو حیرت آنکھ بارگاہ حسن میں دم بخود ہو جاتی ہے...... آنکھ جلوے میں گم ہوتی ہے اور وجود بے حرکت اپنے آپ سے بے خبر' اپنے گرد و پیش سے بے نیاز' گردش زمان و مکاں سے آزاد ہو جاتا ہے......

زمانۂ انتظار میں آنکھوں میں چنار جلنے کا موسم ہوتا ہے۔ موسم فراق میں آنکھوں سے انگارے پھوٹتے ہیں۔ دل خون ہو کر اشکوں کے ساتھ بہہ جانا چاہتا ہے......

آنکھیں دور کے منظر کو قریب سے دیکھنا چاہتی ہیں...... جلوے کی جدائی میں ایک نیا جلوہ پیدا ہو جاتا ہے...... ایک متاع بے بہا حاصل ہو جاتی ہے...... درد کی دنیا' سوز کی دنیا' آرزومندی کی دنیا' انسان کو عطا

ہوتی ہے..... آنکھیں انسان کو لبادوں اور نقابوں کے اندر دیکھنے کا شعور عطا کرتی ہیں۔ رونے والی آنکھ قرب حق کے ذرائع میں سب سے بڑا ذریعہ ہے..... آنکھیں ہمیں ایک دوسرے کی پہچان کراتی ہیں..... آنکھیں آنکھوں کو پہچان لیں تو بس ہم نے ایک دوسرے کو پہچان لیا..... آنکھوں کا کمال یہ ہے کہ پہلی ملاقات سے پہلے بھی ایک دوسرے کی شناسا ہوتی ہیں..... تبھی تو ہم فوراً کہہ اٹھتے ہیں' ہاں یہی ہے وہ نظارہ جس کی تلاش تھی......

آنکھیں ایک اور انداز سے بھی انسان کی رہنمائی کرتی ہیں اور یہ بہت بڑی رہنمائی ہے..... آنکھیں جلوے کو دیکھ کر اسے ایک خاص شعور کے ماتحت' جسم کے مختلف حصوں کو ٹیلی کاسٹ کرتی ہیں اور پھر ایک خاص قسم کا انداز پیدا ہو جاتا ہے' انسانی زندگی میں..... دیکھا ہوا نظارہ ارسال کر دیا جاتا ہے' دل کو' دماغ کو' نفس کو' روح کو اور قوت متخیلہ کو..... آنکھوں کے اس عمل سے عرفان ذات کے دلچسپ سفر کا آغاز ہوتا ہے......

اگر نظارہ دماغ کو ارسال ہو تو انسان حیرت کے سفر پر روانہ ہوتا ہے..... اسے ماہیت اشیاء سے تعارف ہوتا ہے..... وہ ہونے اور نہ ہونے کے عمل کو دیکھتا ہے..... وہ سفر کرتا ہے اور دیکھتا ہے' وقت کے عبرت کدے میں من مانیاں کرنے والوں کے عبرتناک انجام کو..... وہ دیکھتا ہے کہ گھمنڈ' غرور اور تفاخر سے زندگی بسر کرنے والے کاذب لوگ کس عاقبت تک پہنچے..... ان کے ساتھ کیا ہوا' جو دلوں کو زخمی کرتے تھے۔ وہ زمین پر اکڑ اکڑ کر چلتے تھے۔ آج زمین کے اندر کس حال میں ہیں..... جنہیں حق کی آواز سنائی نہ دیتی تھی' وہ اپنے لئے کیا رسوائی لکھ گئے..... کہاں گئے دارا و سکندر' کہاں گئے وہ' جو کل تک یہاں تھے۔ آنکھیں کتنے بڑے المیے سے تعارف کراتی ہیں۔ کتنے بڑے حادثے کی نقاب کشائی کرتی ہیں..... یہ دنیا ہے' یہاں کوئی نہیں ٹھہر سکا..... وقت کا دریا سب کچھ بہا لے جاتا ہے..... اس صحرا میں کتنے قافلے گم ہو گئے' کتنے ہی محلات مسمار ہوئے' کتنی بستیاں ویران ہو گئیں..... کتنے باغ سوکھ گئے اور کتنے دیار اجڑ گئے..... آنکھیں ایک منظر کے بعد اور منظر دکھاتی چلی جاتی ہیں اور انسان کہہ اٹھتا ہے کہ باقی رہی تو ذات رب ذوالجلال..... ہر شے فانی' ہر شے مسافر' ہر چیز راہی ہے..... آنکھوں کا یہ بہت بڑا احسان ہے کہ وہ صاحبان فکر کو خوراک مہیا کرتی ہیں..... جلوے کے اندر جلوہ..... آئینے کے اندر آئینہ..... اور دریا کے اندر دریا..... نظاروں کا صحیح چناؤ ہی اصل تعلیم ہے۔ یہی احسان ہے آنکھوں کا۔

اور آنکھیں' اگر مناسب سمجھیں تو' جلوہ دل کو ارسال کر دیتی ہیں اور پھر بس گل و نغمہ' رنگ و نور' حسن و کمال' شب انتظار' شب وصال و شب فراق کے جلوے ہوتے ہیں اور انسان..... خاموش' دھڑکنے والا دل اچانک نئی دھڑکنوں سے آشنا ہو جاتا ہے..... دلبری کے کمال ہوتے ہیں' انسان کے سامنے..... شوق دیدار اور شوق نظارہ انسان کو بے تاب کر دیتے ہیں..... انسان بس ایک چہرے کو ہی مقصد حیات مان لیتا ہے۔ باقی سب لغو نظر آتا ہے..... آنے والے کو پھر سے آنے کی دعوتیں ہوتی ہیں اور جانے والے پر قیامتیں نثار ہوتی ہیں..... وجود محبوب ہی وجود مقدس بن جاتا ہے..... یہ کائنات دل والوں کیلئے ایک اور جہت اختیار کر جاتی ہے..... اس میں کششیں ہوتی ہیں لطف ہوتا ہے..... آنکھیں چار ہوتے ہی زمین و آسمان کا رنگ بدل جاتا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہے..... موسم بدل جاتے ہیں' کیفیتیں بدل جاتی ہیں' تعلقات بدل جاتے ہیں' ترجیحات بدل جاتی ہیں..... مکان ولامکاں تک بدل جاتے ہیں.....

آنکھوں نے جلوہ کیا دکھایا کہ جہاں بلکہ دونوں جہان بدل گئے..... پتھر دل سے چشمے جاری ہو جاتے ہیں۔ نزاکت احساس سے تعارف ہوتا ہے۔ بے حسی اور جمود ختم ہو جاتے ہیں..... آنے والے زمانوں کیلئے حسین یادیں مرتب ہوتی ہیں۔ آنکھیں بولتی نہیں ہیں' صرف دیکھتی ہیں لیکن آنکھوں کے انداز نظر پر سب گویائیاں نثار ہو جاتی ہیں۔

ندرت خیال اور ندرت بیان کا زمانہ آتا ہے۔ انسان' انسان پر مرتا ہے..... تمنائے قرب حسن ہی محبت ہے..... غرضیکہ آنکھیں محبت شناس کراتی ہیں..... اور زندگی نثر سے نکل کر نظم میں داخل ہو جاتی ہے۔ آنکھیں بڑی محسن ہیں۔

کبھی کبھی آنکھیں روح کی طرف روانہ کر دیتی ہیں' منظر کی لطافت کو..... بس انسان کو غفلت کی نیند سے بیدار کرنے کیلئے یہی کافی ہے..... آنکھیں مؤذن ہیں' روح کی..... کہ جاگ اے سونے والے! جلوۂ حق منتظر ہے' طالب دیدار کا..... ''الست بربکم'' کا زمانہ یاد کرو..... وہ دن یاد کرو کہ تم نے ہی کہا ''بلیٰ۔'' کیا تم بھول گئے..... ابھی کل ہی کی تو بات ہے..... تم پر شفقتیں ہوئی تھیں' تم پر عنایات نازل ہوئیں۔ تم پر رحمت کا مینہ برسا' تم پر اس نے اپنے جلووں کو آسان کیا..... تمہیں عطا کی اپنے محبوب ﷺ کی محبت..... یہ دیکھو جن لوگوں کے آستانے ہیں' زندہ ہیں..... اللہ کی یاد کرنے والوں نے قبرستانوں میں میلے لگا دیئے اور غافل لوگوں نے زندگی کو ہی قبرستان بنا دیا..... کیا کر رہے ہو تم لوگ..... یہ آنکھوں کا احسان ہے کہ وہ غافل کو بیدار کرتی ہیں۔ وہ اسے ایسا منظر دکھاتی ہیں کہ بس انسان ایک زمانے سے کسی اور زمانے میں پہنچ جاتا ہے۔ وقت کے فاصلے سمٹ جاتے ہیں اور روح محو عبادت ہو جاتی ہیں..... جبین شوق میں ہزاروں سجدے تڑپ تڑپ جاتے ہیں..... اور انسان پہنچ جاتا ہے وہاں' جہاں اس کی خود آگہی' خدا آگہی کے سفر میں داخل ہوتی ہے۔ یہی زمانہ حاصل ہستی ہے..... اسی زمانے میں تطہیر وتقدیس کی جلوہ گری ہوتی ہے۔ ہر طرف نشانیاں ہی نشانیاں' مقطعات ہی مقطعات۔ آنکھوں کا یہ احسان سب سے بڑا احسان ہے.....

آنکھیں کبھی کبھی انسان سے ناراض ہو جاتی ہیں..... اور پھر اس کو بدبخت نظاروں کی طرف لے جاتی ہیں۔ وہ آوارہ پھرنے لگ جاتا ہے..... وہ برہنگی اجسام کا دلدادہ ہو جاتا ہے۔ آنکھیں ایسا ایسا منظر تلاش کر کے انسان کے آگے پیش کرتی ہیں کہ وہ کہیں کا نہیں رہتا..... بدبخت نظاروں کا متلاشی انہی بدبختیوں کا حصہ بنتا چلا جاتا ہے اور پھر وہ اس عاقبت تک جا پہنچتا ہے' جو ان نظاروں کی ہوتی ہے..... نفس کو اکسانے کا عمل آنکھوں سے شروع ہوتا ہے..... اور پھر انسان ایک درندے کی طرح اپنے شکار کی تلاش میں سرگرداں ہو جاتا ہے۔ گناہ کی تلاش ہی تو گناہ ہے..... آنکھوں کا یہ عمل کبھی کبھی تو قوموں کو تباہ کر دیتا ہے..... اگر خدا نہ کرے' کبھی نہ کرے' ہماری قوم کو کبھی کسی فرض کے پورا کرنے کی کوتاہی کی سزا ہوئی تو اس کی وجہ وی سی آر بھی ہو سکتی ہے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

نظاروں کا گناہ ختم ہو جائے تو وجود کا گناہ ختم ہو سکتا ہے..... ایسی باطل شناس آنکھیں شفایاب ہو سکتی ہیں۔ اگر ان کو وہ سرمہ مل جائے، جسے خاک مدینہ و نجف کہا گیا ہے......

آنکھیں کبھی کبھی گزرا ہوا زمانہ بھی دکھا دیتی ہیں..... جو ہو چکا' وہ پھر سے ہونے لگتا ہے۔ جو گزر گیا وہ پھر سے گزرنے لگتا ہے..... جس سانحہ پر ہم رو چکے ہوں' اس پر پھر سے رونے کو جی چاہتا ہے۔ یہ آنکھوں کا کمال ہے کہ ایک خاص وقت میں ایک خاص منظر دکھا دیتی ہیں اور پھر پرانے نغمات یاد آ جاتے ہیں۔ پرانے ترانے' ہاں قومی ترانے یاد آتے ہیں..... لیکن کیا کیا جائے......

آنکھوں کی تمام کوششیں خاموش ہو جاتی ہیں..... عہد جنوں ہی نہیں ہوتا..... لوگ مطلب اور منفعت کی دنیا میں گم ہوتے ہیں..... کون آتا ہے' درد کے صحرا میں..... اور عہد جنوں بھی ایک یادگار ہی تو دے گیا..... ایک مینار اس نے ہمیں شرمندہ تو نہیں کرنا..... ہم شرمندہ ہی کیوں ہوں..... چلو ہم آنکھیں بند کر لیتے ہیں لیکن

رہ گئی کان میں صدائے جرس
کارواں کا غبار آنکھوں میں

☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کائنات اور کائنات

قدرت کے قوانین اور اصول اٹل ہیں۔ قدرت اپنے بنائے ہوئے قوانین اور اصولوں کے مطابق خود بھی پابندی اختیار کرتی ہے ور دوسروں کو بھی ان میں پابند کر کے رکھ دیتی ہے۔ اللہ کا نظام نہیں بدلتا۔ اس نے جو کچھ کر دیا وہ ہو گیا اور ایسا ہوا کہ ہمیشہ ہی ہوتا رہا۔ سورج مشرق سے نکلتا ہے تو نکلتا ہی چلا آ رہا ہے۔ مغرب میں ڈوبتا ہے تو مغرب میں ہی ڈوبتا چلا جا رہا ہے۔

یہ عجب بات ہے کہ ہر روز نئی اور نرالی شان والا اللہ' ہر چیز کو اس کے حصار اور اس کے مدار میں ہمیشہ حرکت کرتے رہنے کا حکم لکھ چکا ہے اور جو کچھ وہ لکھ چکا ہے' وہ اٹل ہے...... ہمارے ارادے بدلتے رہتے ہیں لیکن اس کا ''امر'' اٹل ہے' تبدیل نہیں ہوتا...... زمین کی گردش' بلکہ گردش شام وسحر' گردش افلاک' گردش زمانہ ہر چیز مقرر شدہ اور مکتوب ہے' ایک مخفی کتاب میں......

جاننے والے جانتے ہیں کہ زندگی کے نصیب میں موت لکھی جا چکی ہے۔ ہونا نہ ہونا ہو کر رہتا ہے۔ قادر مطلق نے قوانین قدرت بیان فرما دیئے ہیں کہ ایسا ہوگا' ایسا نہیں ہوگا...... انسان جتنی کوشش کرے گا' اتنا ہی نتیجہ حاصل کرے گا۔ یہ اصول ہے۔ دریا پہاڑوں سے نکلے گا...... رواں دواں اپنی منزل کی طرف روانہ ہوگا اور سمندر سے ہمکنار ہوگا...... آسمانوں سے مینہ برسے گا' زمین سے پودے اگیں گے' پرندے ہوا میں اڑیں گے اور مچھلیاں پانی میں تیریں گی...... سب اصول مقرر ہو چکے ہیں۔ تمام قوانین مرتب ہو چکے ہیں۔ سب باتیں طے ہو چکی ہیں۔ ہر آغاز کا ایک انجام ہوگا اور ہر انجام کسی آغاز پر منتج ہوگا۔

اگر بات صرف یہاں تک ہوتی تو یہ کائنات' یہ زندگی ایک مشین بن کر رہ جاتی۔ لیکن غور کرنے والے' فکر کرنے والے' تدبر وتفکر کرنے والے جانتے ہیں کہ اس منظم اور مرتب کائنات کے ساتھ ساتھ ایک اور کائنات بھی ہے...... جہاں کے اصول' اصولوں کے جہاں سے الگ ہیں۔ جہاں کے قانون' قانون کی دنیا سے بہت ہی مختلف ہیں۔ یہ ایک نرالی کائنات ہے۔ بالکل مختلف یکسر عجیب' بلکہ ایک عجوبہ......

اصول تو یہ ہے کہ آگ جلائے گی' لیکن عجیب بات یہ ہے کہ نار ہے اور اس میں گلزار ہے اور اس گلزار کے اندر محرم اسرار جلوہ گر...... اصول بنانے والے نے اصول کو معطل کرنے کا بھی اصول بنایا ہے۔ جس نے آگ کو حدت عطا فرمائی' اسی نے آگ کو حکم دیا کہ وہ ٹھنڈی ہو جائے' سلامتی کے ساتھ ابراہیمؑ پر...... منشا کا اصول الگ ہے...... وہ چاہے تو کیا سے کیا ہو جائے...... وہ اپنے اصولوں کا کیوں پابند ہوگا...... قانون تو یہ ہے کہ محنت کرنے سے رزق ملے گا لیکن جب دینے والا چاہے تو بے حساب دے دیتا ہے۔ بے پناہ دیتا ہے۔ وہ زمین اور آسمان کے خزانوں کا مالک ہے اور کسی کے آگے جوابدہ نہیں' نہ اس کا کوئی نوٹ کر سکتا ہے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کائنات کا کوئی اصول ایسا نہیں' جس میں استثناء نہ ہو۔ علم ہی کو لیجئے۔ علم مکتب سے ملتا ہے۔ اساتذہ سے ملتا ہے۔ لیکن یونیورسٹی شیکسپیئر کا علم تو دے سکتی ہے' شیکسپیئر بننے کا علم نہیں دے سکتی۔ اقبالؒ نے شرق و غرب کے علوم حاصل کر لئے۔ اس کی روح میں تشنگی بڑھ گئی...... اب شرق و غرب کے علوم کے بعد کیا ہے؟ ''بعد'' تو صرف اصول سے باہر کی کائنات کا علم ہے۔ وہ علم جو کتاب میں نہیں۔ وہ صرف ''جنون'' سے ملتا ہے' نظر سے ملتا ہے' نصیب سے ملتا ہے۔ قانون سے باہر' اصول سے پرے' الگ' نرالا' انوکھا علم' انوکھی کائنات کی دریافت کا علم' ایسی کائنات جہاں عمل معطل ہے اور علم ہی علم ہے۔ جہاں صرف مشاہدہ ہے' حیرت ہے' نیرنگی ہے' کوئی اصول نہیں۔ یہ ظاہری کائنات اس کائنات کے مقابلے میں بہت ہی مختصر ہے۔ وہ کائنات منشا کی کائنات ہے۔ عنایات کی کائنات ہے' عطا کی کائنات ہے۔ ایسی کائنات' جہاں وقت ساکن ہو جاتا ہے اور جلوے متحرک رہتے ہیں۔ جہاں دن رات' ماہ و سال نہیں ہوتے۔ وہاں صرف محویت اور جلوے ہوتے ہیں۔ علم ہی علم ہوتا ہے اور تعلیم نہیں ہوتی۔ اس کائنات میں دنیا کو علم عطا کرنے والے ہوا کرتے ہیں۔ یہ علم ''لدنی'' والوں کی کائنات ہے۔ اس کائنات میں محنت نہیں' محبت کام آتی ہے' ادب کام آتا ہے' نصیب کام آتا ہے۔

نصیب کے حق میں بات کرنے سے کوشش کے حق میں بات کرنے والے خفا ہو جاتے ہیں۔ جب تک کوشش کی محرومیاں سمجھ میں نہ آئیں' نصیب کو نہیں سمجھا جا سکتا۔ کوشش کامیاب ہو جائے تب بھی بے نصیب آدمی ناکام ہو جاتا ہے۔ کامیاب کوششوں نے بڑی ویرانیاں چھوڑی ہیں' اس دنیا میں۔ کوشش کو اگر ہاتھی کہہ لیا جائے تو نصیب ابابیل کی کنکری ہے۔ یہ سلسلہ بہت طویل ہے۔ یہ داستان بہت لمبی ہے۔

بہرحال مقصد یہ ہے کہ ظاہری کائنات جس میں کوشش اور اصول پر زور دیا جاتا ہے' اس باطنی کائنات سے قدرے مختلف ہے۔ جہاں نصیب اور نصیب والوں کی جلوہ گری ہے۔ اس کائنات کے بارے میں غور کرنا چاہئے۔ وہ باطنی کائنات دعاؤں کی کائنات ہے۔ دعا نصیب ساز ہوتی ہے۔ دعا ناممکنات کو ممکن بنا دیتی ہے۔ وقت بدل جاتا ہے۔ زمانے بدل جاتے ہیں۔ ناتواں توانا ہو جاتے ہیں۔ شکست فتح میں بدل جاتی ہے اور معزول سرفراز کر دیئے جاتے ہیں۔ وہ کائنات روح کی کائنات ہے' نشانیوں کی کائنات ہے' جلووں کی کائنات ہے' محبوب کے انکشاف کی کائنات ہے' رضا اور منشا کی کائنات ہے۔ وہ مخفی کائنات اسی ظاہری کائنات کے اندر ہے۔ وہاں خاموشی بولتی ہے۔ وہاں درخت باتیں کرتے ہیں۔ پہاڑ پیغام رسانیاں کرتے ہیں۔ دریا علامتیں بن جاتے ہیں اور سمندر حقیقت کا روپ اختیار کر جاتے ہیں۔ اس کائنات میں دل والے' روح والے' حق والے داخل کئے جاتے ہیں۔ اس کائنات کا سفر راتوں کو پچھلے پہر طے ہوتا ہے۔ اس کائنات میں اشکوں کے چراغ جلتے ہیں۔ روشنی ہی روشنی' نور ہی نور' جلوے ہی جلوے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں اصول اور قانون تبدیل ہو جاتے ہیں۔ وقت کے فاصلے سمٹ جاتے ہیں۔ غیب حاضر اور حاضر غیب ہو جاتا ہے۔ اسی کائنات میں موت کا عمل معطل ہو جاتا ہے۔ دور کی آواز قریب سے سنائی دیتی ہے۔ یہ مخفی کائنات اللہ کے خاص بندوں کی کائنات ہے۔ ان لوگوں کی جن پر اس کا فضل ہوتا ہے۔ یہ کائنات کوشش سے نہیں' نصیب سے میسر

www.iqbalkalmati.blogspot.com

آتی ہے۔ یہ عجب بات ہے کہ انسان آگ لینے جائے اور پیغمبری لے آئے...... یہ کیسی کائنات ہے!

یہ باطنی کائنات سب سے پہلے اپنے باطن میں دریافت ہوتی ہے ور پھر یہ کائنات پھیلتی ہوئی کل کائنات بن جاتی ہے۔ یہاں کے اصول عجیب' یہاں کے قوانین نرالے ہیں۔ یہاں منزلیں نہیں ہوتیں۔ صرف سفر ہوتا ہے' مسلسل سفر۔ ایک مقام کے بعد ایک اور مقام انتظار کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ یہاں دیکھنے کیلئے آنکھ بند کرنا پڑتی ہے اور سننے کیلئے کان درکار نہیں۔ یہاں سماعت دل کے کان سے ہوتی ہے۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہیں اس کائنات میں داخل کر دیا جاتا ہے۔ یہ کائنات نظاروں کی کائنات ہے۔ ایثار کی کائنات ہے۔ دوسروں کے دکھ بانٹنے کی کائنات ہے...... اس کائنات کے معتبر نام وہی ہیں جو دوسروں کے غمگسار ہیں...... دوسروں کی تکالیف کم کرنے والے...... خوشیاں دینے والے لوگ اس کائنات کے خوش نصیب ساکن ہیں۔ وہ خوش نصیب جن کے پیش نظر انسان کی زندگی کو آسان بنانا ہے' جو ہمہ حال منشائے محبوب اور آواز دوست پر لبیک کہتے ہیں۔

اس کائنات کا دستور عجیب ہے۔ یہ باطنی کائنات اتنی پراسرار ہے جتنا انسان کا اپنا باطنی وجود...... باطن میں ارادہ ہوتا ہے اور ظاہر اس ارادے کے مطابق عمل پیرا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ مثلاً ذہن یا دماغ ارادہ کرے تو اعضاو جوارح حرکت شروع کر دیتے ہیں۔ اگر دل میں محبت آئے تو زبان میں شائستگی آنا شروع ہو جاتی ہے۔ اگر باطن میں غصہ آئے تو ظاہری وجود کے چہرے پر تیوری اور نفرت کا اظہار ہونا لازمی ہے۔ باطن مصروف عبادت ہو تو ظاہر معصومیت کا پیکر بن جاتا ہے۔

اس طرح یہ پراسرار باطنی کائنات صاحبان ارادہ کی کائنات ہے۔ وہاں جو فیصلے ہوتے ہیں' وہ ظاہر کی دنیا میں ظاہر ہوتے ہیں۔ وہاں دعائیں ہوتی ہیں اور ظاہر میں تاثیریں میسر آتی ہیں۔ وہاں ارادے بدلتے ہیں اور یہاں زمانے بدل جاتے ہیں۔ وہاں مزاج بدلتے ہیں تو یہاں حکومتیں بدل جاتی ہیں۔ بس وہاں ''کن'' کی جلوہ گری ہے تو یہاں ''فیکون'' کی کارفرمائی ہے۔ یہ پراسرار لوگوں کی پراسرار کائنات سب کے سامنے ہے لیکن یہ سب پر آشکار نہیں ہوتی۔ اس میں داخل ہونے کا کوئی حتمی اصول نہیں۔ بس نصیب اور منشاء الٰہی ہے۔ جس کا نصیب بیدار ہو گیا' وہ صاحب اسرار ہو گیا...... جن کو منشاء الٰہی میسر ہو' انہیں آہ سحر گاہی میسر ہوتی ہے اور آہ سحر گاہی اس کائنات اور باطنی کائنات میں رابطے کا بڑا معتبر ذریعہ ہے......

☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

آدھا رستہ

انسان عجب مخلوق ہے ..... سوچتا ہے ..... عمل کرتا ہے اور عمل کے عین دوران پھر سوچتا ہے اور اپنے عمل پر نظر ثانی کرتے کرتے اپنی اس سوچ پر بھی نظر ثانی کرتا ہے جس کے تحت سفر کا آغاز کیا تھا..... یہ کھیل جاری رہتا ہے' آری کے دندوں کی طرح..... اور انجام کار یہ سوچ در سوچ کی آری افراد کو اور قوموں کو کاٹ کے رکھ دیتی ہے ..... جذبے سرد پڑ جاتے ہیں..... سفر کی لذت ختم ہو جاتی ہے ..... عمل سے حاصل ہونے والی عزت نفس ندامت میں بدل جاتی ہے اور سفر بند ہو جاتے ہیں..... قافلے پڑاؤ پر پڑے رہتے ہیں..... منزل سے محروم' بد دل مسافر ایک نئی سوچ میں پڑ جاتے ہیں اور نئی بستیاں بسانے کے درپے ہو جاتے ہیں..... گھر چھوڑ کر سفر پہ نکلے اور مسافرت میں منزلیں فراموش کر کے نئے گھر بنانے شروع کر دیتے ہیں کل کی سوچ کو غلط سمجھ کر انسان آج کی سوچ پر ناز کرتا ہے..... آنے والی کل میں یہ سوچ بھی غلط ہو سکتی ہے۔ بس تذبذب کے اس مقام کو ہی آدھا راستہ کہتے ہیں ..... واپس جانا ناممکن ہوتا ہے..... آگے جانے کی ہمت نہیں ہوتی..... یہی زوال ملت ہے کہ مقصد ہی بھول جائے ..... اور مقصد نہ رہے تو سفر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا انسانی عقل راستوں میں رہ جاتی ہے' منزل پر پہنچانے والی کوئی اور سوچ ہے ..... وہ دانش نورانی ہے..... وہ علم آسمانی ہے..... وہ فیصلہ کسی اور طرف سے آتا ہے ..... انسانی سوچ کو تذبذب سے بچانے کیلئے پیغمبرؐ تشریف لائے اور لوگوں کو بتایا کہ یہ عارضی اور فانی سوچیں ہیں ..... اصل بات خدا کی بات ہے..... اور اصل سفر اطاعت کا سفر ہے' جسے منزل نصیب ہوتی ہے..... ابلیس نے اطاعت نہ کی ..... اس نے غرور کیا' تکبر کیا' اس نے سوچا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مٹی سے بنے ہوئے آدم کو سجدہ کیا جائے جبکہ وہ نار سے پیدا ہوا..... یہی سوچ کا زوال ہے..... آدھے رستے کا مسافر ابلیس تھا..... مقرب تھا' معتوب ہو گیا' رجیم ہو گیا..... جب سوچنے کے بعد کوئی فیصلہ کر لیا جائے تو اللہ پر بھروسہ کر کے منزل پر ہی ڈیرے ڈالنا چاہئیں..... یہی کامیابی ہے..... بدنصیب ہیں وہ مسافر جو آدھے سفر کے بعد ذوق سفر سے محروم ہو جائیں ..... مقصد فراموش قومیں اور افراد آدھے رستے پر رک جاتے ہیں.....

بعض اوقات ہم اکثریت کے فیصلے پر سفر اختیار کرتے ہیں..... یہ سفر بھی مشکوک ہوتا ہے..... اکثریت متلون ہو سکتی ہے' بے خبر ہو سکتی ہے' بے علم ہو سکتی ہے' غافل ہو سکتی ہے' آرام پرست اور آرام طلب ہو سکتی ہے ..... جہاں اکثریت کاذب ہو' وہاں صداقت کا سفر کیسے ہو سکتا ہے..... اگر منافقین کی اکثریت کے حوالے کر دیا جائے' تو بھی فیصلہ غلط ہوگا..... اللہ نے بیان فرمایا کہ ''اگر منافقین رسول ﷺ کے پاس آکر یہ اعلان کریں کہ ''ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ﷺ ہیں'' تو اے حبیب! میں جانتا ہوں کہ تو رسول ﷺ ہے..... لیکن یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ منافق غلط کہتے ہیں۔'' یعنی جھوٹے لوگ سچ بولیں تو بھی جھوٹ ہے' وہ کوئی صحیح فیصلہ کریں تو بھی غلط ہے..... وہ کسی صحیح منزل کی نشاندہی کریں تو بھی نتیجہ غلط ہوگا.....

www.iqbalkalmati.blogspot.com

سچ وہ جو سچے گروہ کا فیصلہ ہو...... سچی اقلیت کاذب اکثریت سے بہت بہتر ہے...... محض اکثریت پر مبنی سب فیصلے قابل غور ہیں...... جب تک سچے لوگوں کی اکثریت نہیں ہوتی' جمہوری فیصلے غلط ہیں...... سربراہ' امیر المومنین ہونا چاہئے...... امیر الکاذبین اور امیر المنافقین ملت پر عذاب کے نزول کا باعث ہو سکتے ہیں...... جھوٹے کے مقدر میں آدھا رستہ ہے...... جھوٹے راہی کی منزل آدھا رستہ ہے...... صداقت کی منزلیں صادقوں کیلئے ہیں بعض اوقات ''امیر'' کی صداقت قوم میں صداقت فکر پیدا کر دیتی ہے......

قائداعظمؒ کی سب سے بڑی خوبی یہی تھی کہ وہ صادق تھے...... صداقت ہی ان کی خودی تھی...... ان کا اپنا کردار قوم میں وحدت کردار پیدا کر گیا...... لوگ ان کے حکم پر مر مٹے...... وطن سے بے وطن ہوئے...... مہاجرین بن گئے...... سب کچھ لٹا کے بھی خوش بختی کا احساس رہا...... ایک عظیم مقصد کیلئے جان اور آن کی پرواہ کئے بغیر لوگ آمادۂ سفر ہوئے...... بات بہت دور تک نکل جاتی اگر قائد کچھ دیر اور زندہ رہتے...... وحدت کا تصور دینے والا مر گیا اور قوم میں انتشار سا پیدا ہو گیا...... قائد کی بے وقت رحلت نے سفر کی رفتار کم کر دی...... سفر کا رخ وہ نہ رہا...... ان کی بنائی ہوئی صادق اکثریت' بے مقصد ہجوم میں تبدیل ہو کر رہ گئی...... اکثریت کو صداقت آشنا کیا جائے' اس میں حق گوئی اور بیباکی پیدا کی جائے...... یہ مرحلہ طے ہو جائے تو جمہوریت سے بہتر کیا ہو سکتا ہے...... ورنہ وہی بات کہ بس آدھا سفر...... آدھا راستہ...... خدانخواستہ......

انسان فطری طور پر انقلاب پسند ہے...... اسے یکسانیت پسند نہیں...... یہ ورائٹی چاہتا ہے...... یہ بدلتا رہتا ہے...... انسان لباس بدلتا ہے' لہجے بدلتا ہے' دوست بدلتا ہے' جماعتیں بدلتا ہے' پارٹیاں بدلتا ہے' ہارس ٹریڈنگ کرتا ہے' یہ محسن فراموشیاں کرتا ہے' رشتے بدلتا ہے اور مقصد بھی بدل دیتا ہے...... اس کے پاس ہر کام کا جواز ہے...... پرانے فیصلے کا اس کے پاس قوی جواز تھا' آج نئے فیصلوں کا جواز ہے' غالباً یہی انقلاب کا باعث ہے......

آدمؑ کو بہشت میں رہنا اس لئے بھی راس نہ آیا کہ وہاں کوئی ہنگامہ نہیں تھا' کوئی انقلاب نہیں تھا' بولنے کیلئے کوئی فورم نہیں تھا انہوں نے ایک ترکیب سوچی...... شجر ممنوعہ کا ذائقہ چکھ لیا...... بس انقلاب آ گیا...... ہنگامہ بپا ہو گیا...... اگر اخبار ہوتے تو شہ سرخیاں چھپ جاتیں...... بہشت ان کے ہاتھ سے نکل گیا...... انقلاب کامیاب ہو گیا اور زندگی ناکام...... اللہ نے آدمؑ کیلئے شیطان کو نکال دیا اور آدمؑ نے شیطان کیلئے اللہ کے امر کو چھوڑ دیا...... بہشت کا سفر آدھے رستے ہی میں ختم ہو گیا پھر زمین کا سفر...... زمین کے مقاصد' عزائم اور عمل سب نامکمل...... حضور اکرم ﷺ کی معراج کے علاوہ ابھی سب کچھ راستے میں ہی ہے...... ابھی آدھا رستہ ہی طے ہوا ہے...... ابھی تو ملت آدم تفریق ہوئی ہے...... یہ سفر مکمل ہو گا وحدت آدم پر...... ستاروں کی وحدت کہکشاں پیدا کرتی ہے' ننھے چراغوں کی وحدت سے چراغاں پیدا ہوتے ہیں' قطروں کی وحدت سے قلزم اور دریا کے جلوے پیدا ہوتے ہیں......

آدھے رستے کے مسافروں کو جگایا جائے' انہیں پھر سے آمادہ کیا جائے...... ان میں باہمی احترام کا جذبہ پیدا کیا جائے تاکہ کارواں پھر سے رواں ہو جائے...... منزلیں انتظار کر رہی ہیں اور مسافر ہیں کہ آدھے رستے میں سوئے پڑے ہیں......

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ذوق سفر کا پیدا کرنا قیادت کا فرض ہے..... قائد کو چاہئے کہ وہ قوم میں بیداری کی روح پھونک دے..... ذوق سفر عطائے رحمانی ہے..... رحمت حق کا دروازہ کھٹکھٹایا جائے کہ اے مہرباں اللہ' دے ہمیں کوئی حدی خواں جو زندگی پیدا کر دے اس قوم میں..... مطلب پرستی جمود پیدا کر رہی ہے' وطن پرستی تحریک پیدا کرے گی..... یہ قوم ''خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی ﷺ''

غریبوں کو نان ونفقہ کے مسائل اور مراحل سے آزاد کرایا جائے۔ ان کی زندگی میں امید کی شمع روشن ہونی چاہئے..... انہیں مایوسی کی تاریکی سے نکالنا چاہئے..... تاکہ وہ بھی وطن پرستی کے عظیم مقصد اور سفر میں شامل ہوں..... امیروں سے پیسے کی محبت نکال لی جائے..... انہیں مال کی نمائش کا موقع نہ دیا جائے..... ان کی شادیوں کو اسلامی رنگ میں ڈھالا جائے..... انہیں ایک سادہ زندگی کا شعور دیا جائے تاکہ وہ بیچارے بھی حصول منزل ملت کے عمل میں شریک ہو سکیں..... ورنہ آدھے راستے کی بدقسمتی سے بچنا مشکل ہوگا یہ سب کا سفر ہے سب کیلئے' یہ سب کا مقصد ہے سب کیلئے' یہ سب کا ملک ہے سب کیلئے' یہ سب کے وسائل ہیں سب کیلئے غور کیا جائے..... اللہ آسانیاں پیدا کرے گا..... جس مقصد کیلئے یہ ملک بنایا تھا..... یاد تو ہے؟ اگر یاد ہے تو حاصل کرنے میں کیا دیر ہے.....

کیا اب اکثریت سے پوچھا جائے گا کہ اسلام کیا ہوتا ہے..... اسے کیسے حقیقی معنوں میں نافذ کیا جا سکتا ہے..... یہ بات خدا سے پوچھی جائے' قرآن سے معلوم کیا جائے' اللہ کے رسول ﷺ کے فرامین سے روشنی حاصل کی جائے..... گردش لیل ونہار پر نگاہ رکھنے والے بیدار روح انسانوں سے رجوع کیا جائے' وحدت عمل اور وحدت کردار کا پھر سے پیدا ہونا مشکل نہیں ہے..... صاحبان اقتدار صادق ہو جائیں' ہر طرف صداقت ہی صداقت ہو جائے گی..... شکر ہے کہ بہت کچھ ہو رہا ہے لیکن ابھی اور بہت کچھ کرنا باقی ہے..... قافلہ آدھے رستے میں ہی تھک کر سستا رہا ہے..... جاگو اور جگاؤ..... وقت انتظار نہیں کرتا..... مواقع اپنے آپ کو دہراتے نہیں..... مرتبے اور آسائشیں ملتی ہیں کہ اپنے آپ کو خوش نصیب بنایا جائے..... خوش نصیب بننے والا سب کو خوش نصیبی عطا کرے..... قافلہ بددل ہو گیا ہے..... اس کی تکالیف کا ازالہ کیا جائے' اسے گلے اور تقاضوں سے نجات دی جائے..... یہ قوم جاگ گئی تو قوموں کی امامت کا فریضہ اسی کو سونپا جائے گا..... حال کی خوشحالی میں مست ہو کر مستقبل کے فرائض فراموش نہ ہوں..... وہ وقت قریب آ پہنچا ہے جب اقبالؒ کے خواب کی تعبیر میسر ہو..... قائداعظمؒ کی محنت کا صلہ حاصل ہو..... قوم کیلئے شہید ہونے والوں کی روحوں کو قرار نصیب ہو..... ہم منزل فراموش نہ ہوں تو آنے والی نسلیں ہمیں عزت سے یاد کریں گے.....

اپنی لاڈلی اولاد کیلئے پیسہ جمع کرنا ہی مقصد نہیں ہے..... اگر اولاد نے مفت حاصل ہونے والا مال گناہ میں لگایا تو اس گناہ کی سزا' پیسہ مہیا کرنے والوں کو بھی ملے گی..... اگر اولاد کو تصور پاکستان سے متعارف نہ کرایا گیا' شعور عظمت اسلام کی تعلیم نہ دی گئی تو خدا نہ کرے ہمارے لئے ''آدھے رستے کے مسافروں'' کا طعنہ ہوگا..... خدا ہمیں اس عذاب سے بچائے..... ہم عظیم قوم ہیں..... ہمیں عظیم تر ہونا چاہئے..... یہ ملک خدا کا ہے' خدا کے رسول ﷺ کا ہے' انہی کی منشا کے مطابق چلنا چاہئے.....

☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

سنگتیں

خیال ایک ایسا پرندہ ہے کہ جب چاہے جہاں چاہے جیسے چاہے' آ سکتا ہے۔ جب آنے پہ آتا ہے تو آتا ہی چلا جاتا ہے اور جب نہ آنا چاہے' اسے لاکھ بلاؤ نہیں آتا۔ قطعاً نہیں۔ اگر انسان اپنے ذہن میں آنے والے خیالات کو ساتھ ساتھ بیان کرنا شروع کرے' تو ایک عجیب سلسلہ چل نکلے گا۔ خیال میں خیال آتا چلا جائے گا اور بیان سے بیان ہوتا رہے گا نہ اس کی انتہا' نہ اس کی حد......

کبھی کبھی تو خیال میں خیال یوں ہوتا ہے جیسے خواب میں خواب دیکھنا۔ ہم سب خواب میں ہی خواب دیکھتے ہیں۔ یہ زندگی خود ایک خواب ہے اور اس میں ہمارے عزائم اور منصوبے اور ارادے سب خواب ہیں۔ پورے ہو جائیں تو بھی خواب...... ادھورے رہ جائیں' تو بھی خواب۔ خواب نہ چھوڑے جا سکتے ہیں' نہ پورے کئے جا سکتے ہیں...... بس دیکھے جا سکتے ہیں۔ کبھی کبھی بیان بھی کئے جا سکتے ہیں۔ بس ایسے ایک بار اتفاق ہوا...... ایک لمحے کیلئے خیال آیا اور خیال چلا گیا۔ لیکن اس ایک لمحے میں زمانے بدل گئے...... تصورات تبدیل ہو گئے......

دیکھتا ہوں...... یا ممکن ہے سوچتا ہی ہوں کہ قیامت شروع ہے۔ آہستہ آہستہ آتی چلی جاتی ہے۔ دھماکے...... کڑک...... گرج...... چمک...... چنگھاڑ...... اور زلزلے اور پھر ایک ایک کر کے رخصت ہوتے رہے' سب گرد و پیش کے انسان' اپنے بیگانے' قریبی اور دور کے لوگ چلتے گئے۔ نہ واپس آنے والی منزلوں کی طرف۔ مجھے خواب میں ہی یا ممکن ہے خیال میں ہی خوشی بھی ہوئی کہ میں زندہ ہوں...... میں محسوس کر سکتا تھا کہ میں زندہ ہوں...... میں چھو سکتا تھا...... میں چھوا جا سکتا تھا...... تیزی سے ہر طرف آنے والی موت کے درمیان میں زندہ تھا۔ میں خوش تھا کہ مجھے موت نہیں آئی...... عمل جاری رہا حتیٰ کہ ہنگامہ قیامت ختم ہو گیا اور پھر سکوت ہی سکوت' مکمل سناٹا' نہ کوئی راز رہا نہ محرم راز۔ میں اکیلا' مجبور اور فانی انسان' واحد...... حسرت...... اور کوئی میرے جیسا نہ تھا۔ اب خوشی نہیں تھی...... غم تھا' خوف تھا بلکہ ایک شدید کرب تھا...... کہ اے میرے خدا...... یہ زندگی زندگی نہیں...... میں اس حالت میں بھی سوچ رہا تھا۔ خیال تھا کہ آتا ہی چلا جا رہا تھا۔ غور کے بعد معلوم ہوا...... نکتہ کھلا کہ مرنے والے تو خدا جانے کہاں گئے۔

دراصل زندہ رہنے والا واحد انسان ہی مر گیا...... میں' میرے جیسوں کے بغیر کیا ہوں...... ایسی زندگی جو کسی اور ذی جان کے بغیر ہو' کیا زندگی ہے نہ کوئی آواز نہ کوئی صورت...... بس تنہائی اور سکوت مرگ...... میں نے محسوس کیا کہ میں' میں نہیں رہا...... میں کہیں سے ٹوٹ گیا ہوں...... کہیں سے کٹ گیا ہوں...... کہیں سے گر گیا ہوں...... میں اپنوں میں تھا خواہ بیگانوں میں تھا' میں' میں تھا...... اب میں' میں نہیں ہوں...... بس میں سوچتا چلا گیا...... میں بظاہر ایک اکائی ہوں۔ لیکن میں ہی دور تک پھیلا ہوا سلسلہ ہوں۔ میرے لئے یہ خوشی کی بات

www.iqbalkalmati.blogspot.com

نہیں کہ سب ختم ہو جائیں...... اور میں ہی زندہ رہوں...... یہ اپنی موت کی ایک شکل ہے...... یہ اپنی تباہی کی ایک داستان ہے کہ سب تباہ ہو جائیں یہی تو اپنے نہ ہونے کا اصل جواز ہے کہ کوئی بھی نہ ہو...... تلاش مر جائے تو متلاشی مر جاتا ہے۔ دشمن بھی مر گیا...... دوست بھی مر گئے...... تو ہم ہی مر گئے...... بزرگ مر گئے...... ایک ایک کر کے رخصت ہو گئے...... اولاد رخصت ہو گئی...... ہم فریاد بن گئے! واحد فریاد...... نہ کوئی ہمدرد' نہ داد خواہ...... ہم غم بن گئے...... غم خوار بغیر...... نہ ختم ہونے والا غم...... یہ زمانہ میری ضیافت ہے۔ دور تک پھیلا ہوا سلسلہ میرا ہی سلسلہ ہے۔ میں جہاں ہوں' وہاں بھی ہوں اور میں جہاں نہیں ہوں' وہاں بھی میں ہوں۔ یہ دنیا میری ہی تکمیل کا سلسلہ ہے...... یہی ہے میرے ماضی کی خانقاہ اور یہی ہے میرے مستقبل کا مقبرہ......

اس دنیا میں سب لوگوں کی موجودگی میں مجھ پر کئی زمانے بیت چکے ہیں۔ ایک ایک لمحے میں مجھ پر صدیاں گزر گئیں' کتنے جگ بیت گئے۔ مجھے جو کچھ ملا سب کے دم سے ملا۔ سب ہیں تو ہم ہیں۔ میری آج کی دعاؤں کے الفاظ کسی اور کی زبان سے ادا ہوتے ہوتے میرے پاس آئے ہیں۔ میری آج کی سوچ بھی کتنے ذہان کا سفر کرتی کرتی مجھ تک آئی ہے۔ سب سلامت رہیں تو میں سلامت ہوں' وہ جنت جس میں اپنے علاوہ کوئی نہ ہو' وہ دوزخ سے بدتر ہے۔ جنت سب کی خوشی کا نام ہے۔ سب کی عافیت کا نام ہے۔ میں جس چیز کو کہتا ہوں وہ شاید میں نہیں' میں اپنے علاوہ بہت سی چیزوں کا نام ہے۔ سچ پوچھو تو جنت میری عافیت کا نام ہے۔ سباب میری تکمیل کا اور دشمن بھی میرے ہی عزائم کا' یہ سب نام ہیں میرے ہی...... مختلف روپ ہیں اور کعبہ بھی اپنے ہی دل کا نام ہے۔ عبادت اپنی پیشانی کا نام ہے۔ یہی پیشانی جھکتی ہے تو انسان ساجد ہو جاتا ہے۔ اپنی جبین نیاز ہی سجدوں سے سرفراز ہوتی رہتی ہے...... قرات کلام الٰہی کیلئے بھی انسان ہی کی زبان درکار ہے...... سننے کیلئے انسان کے کان کی ضرورت ہے اور خشیت اللہ کیلئے انسانی دل کا ہونا لازمی ہے۔ کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں میرا ہونا نہ ہو...... سفر میرے دم سے' قیام میرے دم سے' حج میرے ہی دم سے...... دعا کیلئے انسانی ہاتھ کا ہونا ضروری ہے...... اللہ انسان سے مانوس ہے اور انسان اللہ کا محتاج ہے......

زندگی کے سب ہنگامے' سب رعنائیاں' سب سلسلے' سب ہجوم' سب تنہائیاں' سارے غم اور ساری خوشیاں میرے ہی لئے ہیں...... اندازہ کیجئے' علی الصبح...... میری میز پر ایک رنگ برنگے سجے سجائے اخبار کی خاطر دنیا کتنے حادثات سے گزر جاتی ہے...... سچ جھوٹ مل کر میرے پاس آ جاتا ہے اور یوں میری مصروفیت کا اہتمام ہوتا ہے...... فون آتے ہیں' فون جاتے ہیں اور پھر بل...... میرے ہی نام...... میرے ہی لئے...... میری کمائیاں ختم ہوتی ہیں اور شروع ہوتی ہیں...... اور آہستہ آہستہ میں اور میرا حاصل ختم ہو جاتے ہیں۔ لیکن نہیں...... میں اپنے وجود سے نکل کر اپنے احباب کے دل میں جا بستا ہوں۔ وہ جو میرے دل میں ہوتے ہیں' میں ان کے دل میں رہتا ہوں اور یوں میں ہمیشہ رہتا ہوں...... میرے دوست رہتے ہیں...... میں رہتا ہوں...... میری کتابیں رہتی ہیں...... میں رہتا ہوں...... جب تک میرے تذکرے ہیں' میں ہوں...... اور میرے تذکرے کبھی ختم نہیں ہوتے...... یہ عجیب بات ہے کہ ہمیشہ رہنے والی کتاب میں ان کے تذکرے بھی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہیں' جو ہمیشہ نہیں رہے..... یہ کیسے ہے؟ جب تک زندہ کتاب ہے' وہ زندہ ہیں..... اور زندہ کتاب ہمیشہ ہی زندہ ہے..... مارنے والے نے مرنے والوں کو ذکر میں زندہ رکھا..... اور مارنے والے نے مرجانے والوں کو..... قربانی دینے والوں کو مردہ کہلانے سے بچائے رکھا..... حکم ہوا کہ میری راہ میں مرنے والوں کو کوئی مرا ہوا نہ کہے..... کیونکہ وہ تو زندہ ہیں..... بس انسانوں کو شعور ہی نہیں ہے..... ان شہدا کو اللہ کے پاس سے رزق ملتا ہے..... بس شان والے کی شان ہے..... جو چاہے کرے..... مالک ہے..... لیکن ایک چھوٹی سی بات یہ ہے کہ اسی کوکب کی تابانی سے اس کا جہاں روشن ہے.....

انسان کا ہونا بہت ضروری تھا اور انسانوں کے دیس میں اپنے قدم بہت ہی ضروری تھے..... شہر آباد کئے گئے..... صدیوں سے تزئین گلستان ہوتی رہی..... اور آخر اس گلشن ہستی میں اپنی آمد ضروری تھی..... ہماری آنکھوں کو ٹھنڈک دینے والے پھولوں کو ہمارے دم سے قرار ملا..... کہ ہم ان کو دیکھ دیکھ کر مست ہو گئے..... کیا بات ہے..... باغ میں پھول اور پھولوں میں باغ.....

آنکھوں میں جلوے اور جلوؤں میں آنکھیں..... خوشبو میں رنگ اور رنگ میں خوشبو..... ہر چیز ہر دوسری شے کے خیال میں محو..... محو کرنے والا اور محو ہونے والا..... سب ایک ہی محویت کا حصہ ہیں..... میں وصول بھی کرتا ہوں اور میں ہی ارسال بھی کرتا ہوں..... چہرے بھی میرے ہیں اور آنکھیں بھی میری ہیں..... میرے ہی خیال کی زد میں ہیں' سب فاصلے..... سب دوریاں پاس ہی رہتی ہیں..... بس ایک نگاہ کی بات ہے..... اتفاقاً ہی اٹھ گئی تو وقت بدل جائے گا..... انقلابات بپا ہو جائیں گے..... جو نہیں ہے' ہو جائے گا اور جو ہے' نہیں رہے گا..... حاضر غیب ہو جائے گا اور غیب حاضر..... ناممکنات کو ممکنات بنانے والی نگاہ کسی وقت بھی اٹھ سکتی ہے..... اور پھر حجابات اٹھ جائیں گے..... سکوت سے کلام کا پہلو نکل آئے گا..... صدیاں سمٹنا شروع ہو جائیں گے اور لمحے پھیلنے شروع ہو جائیں گے..... بطون سے ظہور کا سفر ایک نگاہ کا سفر ہے..... ظلمات سے نور کا سفر ایک نگاہ کا سفر ہے..... بیگانے کو اپنا بننے کیلئے صرف ایک نظر کافی ہے۔ جان لینے کے ارادے سے آنے والا' جان نثار کرنے لگا..... یہی اعجاز نگاہ ہے..... اپنا مقدر بس وہی نگاہ ہے..... ورنہ دامن عمل تو خالی ہے.....

میرے لئے چشم رحمت کشا ہوتی ہے..... میرے لئے عبادت بنتی ہے..... اور میرے لئے توبہ کے دروازے کھلے رکھے گئے..... میرے لئے وہ دل بنایا گیا..... جس میں اس کا سودا ہے..... وہ دل جو کرشمے تلاش کرتا ہے دلبری کے..... جو سر دلبری سے آشنائی کا دم بھرتا ہے..... یہ اپنا ہی تو دل ہے جو ناکام ہو' تب بھی برے وقت میں کام آتا ہے..... یہی ہے وہ مقام جہاں وقت کے فاصلے سمٹ جاتے ہیں..... جہاں دور کا جلوہ پاس نظر آتا ہے۔ اسی دل کو عرش اللہ کہا گیا..... اسی سے منزلیں طے ہوتی ہیں..... یہی دل بارگاہ صمدیت میں قبول کراتا ہے..... اسی دل کی بدولت زمین پر سجدہ ہو' تو آسمان سے منظوری آتی ہے..... سب جلوے اسی کے ہیں..... سب رعنائیاں اسی کی ہیں..... سب نغمے اسی کے..... سب الاپ اسی کے..... سب کرشمے اسی کے..... سب فریادیں اسی کی اور سب قبولیت اسی کی..... دل سلامت ہے تو سب سلامت' نہیں تو کچھ بھی نہیں..... میں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کب سے ہوں' اس جہان اجنبی میں.....؟ کس کیلئے ہوں.....؟ اور کب تک ہوں.....؟ میں کس کے انتظار میں ہوں ؟ کیا پیدا ہونے سے پہلے بھی میرا کوئی کردار تھا.....؟ کیا یہ سب فریادیں جدائی کے قصے ہیں.....؟

کیا یہ داستان' داستان فراق ہے.....؟ کیا یہ لباس بدلنے کے بعد ہم اپنے اصل سے ملنے والے ہیں ؟ کیا اسے بھی انتظار ہے؟ کیا یہ سب یک طرفہ ہے؟ نہیں ایسے نہیں ہوسکتا..... یہ بڑا گہرا راز ہے..... میری خوشی کسی اور کے خوش رہنے سے ہے..... اور کوئی شے ختم ہوتی ہے تو میرا غم بنتا ہے..... مرتا وہ ہے اور روتا میں ہوں..... بیمار وہ ہوتا ہے' پریشان میں ہوتا ہوں۔ مفلس وہ ہوتا ہے' سخی میں بنا دیا جاتا ہے..... وہ شادی کرے' میں بارات بن جاتا ہوں..... وہ سفر پر جانے لگے' میں الوداع کرتا ہوں..... وہ آخری سفر پر چلا جائے' میں ماتم کرنے میں سوگوار ہو جاتا ہوں..... میں بدلتا رہتا ہوں لیکن میں قائم رہتا ہوں..... کیا تبدیل ہوتے رہنا ہی میرا کردار ہے؟ کیا میں اپنا نصیب ہوں.....؟ کیا میں کسی اور کا نصیب ہوں.....؟ کیا میں خوش نصیب ہوں.....؟ کیا میں بدنصیب ہوں.....؟ میں بہرحال اپنے نصیب پر خوش ہوں..... میں اپنے حال پر راضی ہوں۔ میرا مستقبل مجھے راضی رکھے گا..... جو آج خوش نصیب ہے' وہ کل بھی خوش نصیب ہوگا..... دوستی سلامت رہے تو زمانہ سلامت رہتا ہے..... دنیا بہتر ہو تو آخرت بھی بہتر ہو جاتی ہے..... ہر شے کا ہونا ہی بہتر ہے..... ستم کے زمانے ہوں تو لذت ستم کو قائم رکھو..... کرم کے زمانے ہوں تو بھی آنکھ کو خشک نہ ہونے دو..... تر آنکھ ہی ضمانت ہے بخشش کی..... آنکھ میں موتی ہوں تو دامن میں گوہر مراد ہوتا ہے..... اور اگر آنکھ خشک ہو تو دامن مراد..... خالی ہوگا.....

بس یہی راز ہے کہ میں اور میرا گردوپیش اس لئے متعلق ہیں کہ میری آنکھ میں نمی رہے..... اور یہی آنسو مجھے وابستہ رکھتے ہیں..... اپنے آپ سے' اپنے ماحول سے' اپنے ماضی سے' اپنے مستقبل سے..... اپنے اصل سے..... اپنے محبوب سے..... اپنے مقام سے..... اپنے مالک ومعبود سے.....

خدایا میری یہ تمنا ضرور پوری فرمانا کہ میرے آنسو خشک نہ ہوں اور میرے آنسو رائیگاں نہ ہوں..... ان قطروں میں کئی قلزم پنہاں ہیں..... یہ آنسو عہد گزشتہ کی نجات ہو سکتے ہیں اور انہی کے دم سے عہد آئندہ سب کیلئے..... ہر ایک کیلئے..... بد اور نیک کیلئے..... باعث رحمت ہو سکتا ہے.....

خدایا یہ آرزو ہے کہ میں سلامت رہوں اور سب کی سلامتی کے ساتھ کیونکہ میرا ہونا دراصل میرے وابستگان کا ہونا ہے۔ جنت میں ہونا سب کے ساتھ ہونا چاہئے..... جنت ہے ہی بس وہی مقام' جہاں کوئی بری خبر نہ آئے..... کوئی یہ نہ بتائے کہ فلاں عزیز دوزخ میں چلا گیا.....

خدایا اپنے ماننے والوں کو..... اپنے محبوب ﷺ سے محبت کرنے والوں کو..... سب کو معاف فرما..... امت رسول عربی ﷺ پر رحم فرما میرے مولا..... سب سب کے ساتھ سلامت رہیں..... یہاں بھی مل کر..... وہاں بھی مل کر..... زندگی سب کی زندگی ہے اور جنت سب کی جنت ہے.....! یہی پیغام دے گیا وہ ایک لمحہ جو آیا اور اس کے آتے ہی زمانے بدل گئے..... سب سلامت تو ہم سلامت!!

☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

وسعتیں

یوں تو ہمارے گرد انسانوں کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہے لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو ہماری زندگی چند انسانوں میں بسر ہو جاتی ہے۔ چند اپنے اور چند ہی بیگانے۔ یہی ہے ہماری کل کائنات۔ کل اثاثہ یہی چند نفوس ہیں۔ اگر صرف دیکھیں تو ایک وسیع ہجوم ہے لیکن اگر غور کریں تو ہمارا دائرہ واقفیت بہت ہی مختصر ہے۔ لامحدود انسانوں میں ایک محدود دائرہ بہت غور طلب بات ہے۔

کیا ہم سب الگ الگ رہنے کیلئے پیدا ہوئے؟ کیا یہ مجبوری اور بیگانگی ہمارا مقدر ہے؟ کیا یہ ہماری ناکامی ہے؟ یہ سب کیا ہے؟ ہم ایک زندگی میں کتنے انسانوں کو نام سے پکار سکتے ہیں؟ کتنے انسان ہمیں نام لے کر بلا سکتے ہیں؟ اگر تعلق اتنا محدود ہے تو یہ وسیع لاتعلقی کیا ہے؟ یہ اجنبی منظر میرے کس کام کا..... یہ اخبار' یہ خبریں..... ہمارے کس کام کی..... کون ہے وہ جس کے بارے میں مجھے بتایا جا رہا ہے۔ کون ہیں وہ جو میرے لئے خبریں بن رہے ہیں..... میرے لئے تعلق نہیں بنتے' بس خبریں بنتے ہیں..... ہر خبر میرا احساس نہیں' ہر واقعہ میرے متعلق نہیں..... ہر اہم چیز میرے لئے اہم نہیں..... مجھے شناسائی کے ایک مختصر دائرے میں جکڑ کے رکھ دیا ہے اور میرے سامنے ہوتا ہے' شب و روز تماشا.....

مجھ پر اپنے متعلقین اور وابستگان کے فرائض پورا کرنے کی ذمہ داری ہے۔ باقی منظر صرف دیکھنا ہی تو ہے..... ہر انسان اپنے اپنے مدار میں چل رہا ہے۔ اپنے مخصوص مقناطیسی فیلڈ میں بے بس و پابند ہے..... یہ بے بسی شاید زندگی کی اساس ہے۔ ہم اپنے شب و روز کا تجزیہ کرنے میں اور شب و روز کے بارے میں ایک فیصلہ کن بیان دینے میں عجلت سے کام لیتے ہیں۔ ہمارا مشاہدہ اور ہمارا فیصلہ ہماری مجبوری سے متاثر ہوتا ہے اور یوں اسی شغل میں زندگی تمام ہو جاتی ہے.....

ہم پر اس وسیع ہجوم کی ذمہ داری نہیں..... ہم جواب دہ ہیں صرف اس دائرے میں' جو ہمارا ہے..... اس زندگی کے بارے میں' جو ہماری ہے۔ اس عمل کے بارے میں' جس کی ہمیں مہلت دی جاتی ہے۔ اس لامحدود وقت سے صرف چند گنتی کی ساعتیں ہمارے حصے میں آئیں۔ ہمیں وہیں تک ہی رہنا پڑتا ہے۔ وہ ساعتیں کٹ جائیں تو ہماری زندگی ختم ہو جاتی ہے۔ وقت کا قافلہ چلتا رہتا ہے۔ ہم ہی اس قافلے سے بچھڑ جاتے ہیں۔ وسعتیں ہماری تنہائی کو مزید تنہا کر دیتی ہے۔

ہماری زندگی' ہمارے سورج اور ہمارے چاند سے وابستہ ہے۔ ہم سورج سے پرے وسعتیں جاننے کا شوق رکھتے ہیں۔ ان وسعتوں کا اندازہ لگانا بھی مشکل ہے۔ اگر انسان تقریباً دو لاکھ میل فی سیکنڈ کی رفتار سے ایک سیارے سے دوسرے سیارے تک سفر طے کرے تو کبھی کبھی یہ فاصلے لاکھوں سال تک بھی ختم نہیں ہوتے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

وسعتیں بڑھتی جاتی ہیں...... خلائیں گہری ہوتی جاتی ہیں...... یہ کسی اور مخلوق کا فاصلہ ہے جو انسان طے کرنا چاہتا ہے۔ زندگی کے مختصر ایام خلاؤں میں بھٹکتے ہی گزر جاتے ہیں اور آخر ہماری خاک اس خاکدان میں واپس چلتی جاتی ہے۔ وسعتیں ختم نہیں ہوتیں' صرف زندگی ختم ہوتی ہے......

بنانے والے نے ہر طرف لامحدود مناظر بنائے ہیں...... ہر انسان کو ہر جلوہ نظر نہیں آتا اور جنہیں کچھ نظر آتا ہے' انہیں بھی بس ایک حد تک آشنائی ہوتی ہے۔ انسان اپنی حد نگاہ کے اندر ہی دیکھنے پر مجبور ہے اور یہ دیکھنا' ضروری نہیں کہ صحیح ہو...... اصل جلوہ نظر آنے والے جلوے کے برعکس بھی ہو سکتا ہے...... نظر آنے والے ستارے' یوں محسوس ہوتے ہیں کہ ننھے ننھے ٹمٹماتے ہوئے دیئے ہیں۔ روشن فانوس' ہوا میں معلق' ہماری چھت کو سجانے کیلئے کاریگری کا کمال ہے...... لیکن یہ کمال' اس کمال کے مقابلے میں کچھ نہیں جو ستاروں کی اصل کو جاننے میں ہے۔ جتنے ستارے ہیں اگر اتنی زمینیں اکٹھی کر دی جائیں تو شاید ایک ستارے کے اصل وجود کے برابر ہو...... وسعت کا اندازہ خوف پیدا کرتا ہے......

صرف یہی نہیں۔ کچھ ستارے شاید گرم اور کچھ یخ ٹھنڈے...... قدرت ہے قادر مطلق کی...... اس وسعت کا آخر ہمارے ساتھ کیا تعلق۔ نہ ہم اس کو طے کر سکتے ہیں نہ ہم اسے پور طرح محسوس کر کے خوش ہو سکتے ہیں۔ بے تعلق وسعتیں اور بے تعلق فاصلے انسان کیلئے کیا پیغام رکھتے ہیں۔ ہم ''زمینی مخلوق'' آخر آسمانی وسعتوں سے کیا حاصل کریں گے۔ ہمیں اپنے جامے میں رہنے سے ہی عافیت نصیب ہو سکتی ہے۔ آسمانوں پر جھنڈے لگانے سے کیا مسئلہ حل ہوا۔ زندگی تاریک تر ہوتی جا رہی ہے۔ ہمیں دور کی چمک لے ڈوبی...... پاس ہی کراہنے والے زندگی ہمارے لئے اہمیت کھو چکی ہے...... ہماری بینائی ہی ہماری راہ میں حائل ہو چکی ہے...... ہماری دوربینی دراصل فرائض سے فرار ہے۔ کائنات کی وسعتوں میں یہ فرار آسانی سے ممکن ہے...... انسان پر بم گرانے والے' انسانوں کو تباہ کرنے والے' کون سے سفر پر روانہ ہیں۔ کونسی وسعت کو جاننے کے در پے ہیں۔

وسعتیں اور فاصلے ختم نہیں ہو سکتے۔ نظارے لامحدود ہیں اور زندگی محدود...... ہماری صلاحیتیں تو ہماری زندگی سے پہلے ہی ختم ہو جاتی ہیں۔ ہم مناظر دیکھنے کیلئے تیاری کر رہے ہوتے ہیں کہ ہماری بینائی ناراض ہو جاتی ہے...... ہم بہت زیادہ علم بلکہ علوم اپنے ذہن میں محفوظ کرتے ہیں۔ ادیب' سکالر اور محقق کہلاتے ہیں لیکن چانک یادداشت جواب دے جاتی ہے...... خدا اس وقت سے بچائے۔

وسعتیں انسان کو مزید محدود بنا رہی ہیں...... لائبریریاں علم سے محبت کی بجائے علم کی ہیبت طاری کر رہی ہیں...... کتابوں کے سمندر سے کیا حاصل کیا جائے...... کہاں سے شروع کی جائے اور کہاں ختم ہو گی' یہ داستان...... زندگی کے بارے میں کچھ معلوم کرنے کیلئے کتابیں پڑھنا پڑتی ہیں اور یہ سب کتابیں' بے شمار کتابیں' اتنے متضاد فارمولے بتاتی ہیں کہ زندگی پھر تلاش میں ہی رہتی ہے...... یہ تضاد بھی بہت وسعت کا مالک ہے۔ ہم کتابوں میں گم ہو جاتے ہیں اور زندگی ہمارے پاس سے رخصت ہو جاتی ہے...... ہم دیکھتے رہ جاتے ہیں...... ہمارے اپنے ہمارے پاس نہیں ہوتے......

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اور پھر ہم زندگی کی اس عظیم وسعت سے نکل کر موت کی عظیم تر وسعت میں داخل کر دیئے جاتے ہیں۔ نہ آنے پر اختیار' نہ جانے پر اختیار۔ کہنے کو ہم بڑے بااختیار ہیں...... موت کے بعد کیا ہوگا...... لیکن کون ہوگا...... بلکہ کیوں ہوگا...... اس سوال کا جواب ہمیں مذہب آشنا کرتا ہے...... مذہب ایک اور وسعت ہے...... لامحدود کائنات...... واحد وقہار اللہ کی حکومت موت کے بعد...... جب رحم اور رعایت کا دور ختم ہو چکا ہوتا ہے۔ ایک عظیم نفسانفسی' ایک خوف کہ ہم نے وہ نہ کیا جو ہمیں کرنا تھا اور ہم تو بس وسعتوں کے چکر میں گم رہے...... اور ہم سے جواب مانگا جائے گا حقوق العباد کے بارے میں' حقوق اللہ کے بارے میں......

سوچنے والی بات تو یہ ہے کہ کائنات کے خالق نے یہ سب عظیم فاصلے اور عظیم وسعتیں تخلیق فرمائی ہیں...... ان کے علاوہ بھی بڑی وسعتیں ہیں۔ مخلوقات کی اتنی اقسام ہیں کہ اس وسعت کا کوئی اندازہ ہی نہیں ہوسکتا۔ دنیا میں نازل ہونے والی زبانیں...... ایک وسیع و عظیم علم ہے...... پہاڑ...... سمندر...... صحرا...... بے کراں وسعتیں ہیں...... ایٹم کے اندر کرشمہ سازی کے عجوبے...... حیرت پیدا کر دینے والی وسعت...... ایک بیج میں بے شمار درخت اور ہر درخت میں بے شمار بیج' حیرت ہے...... وسعت ہی وسعت ہے۔ زندگی سے موت اور موت سے زندگی پیدا کرنے کا عمل' سیپ کے باطن میں موتی کا بننا' مٹی کی تاریکی میں بیج کا پلنا' سب وسعتوں کی اطراف ہیں...... لیکن سب سے بڑا عجوبہ' سب سے بڑی وسعت' انسان کی تخلیق ہے...... یہ اشرف المخلوقات...... وسعتوں کا مالک ہے...... کائنات میں اور کوئی مخلوق نہیں جو یہ دعویٰ کرے کہ وہ وسعتوں کی مالک ہے......

انسان کیلئے وسعتیں ہیں...... انسان کے دن منور کرنے کیلئے سورج دہک رہا ہے' جل رہا ہے۔ انسان کی راتوں کو سکون بخشنے والا چاند روشنی رکھتا ہے...... ستارے اپنی ذاتی وسعتوں کے باوجود انسان کے آسمان کو ایک حسن و جمال کا منظر عطا کرتے ہیں۔ انسان کی خوراک کیلئے اہتمام کر دیا گیا ہے...... زمین سے اگنے والے پودے' سبزیاں' پھل انسان کے دسترخوان کی زینت بنتے ہیں اور پھر چراگاہوں میں چرنے والے ریوڑ' ہوا میں اڑنے والے پرندے اور پانی میں تیرنے والی مچھلیاں انسان کیلئے دودھ' گوشت' گھی' مکھن' پنیر' کیا کچھ نہیں دیتے...... وجود کیلئے خوراک اور لباس کیلئے اون......

انسان ایک بے پناہ اور بے انتہا وسعت ہے...... اس کے اندر وسعت ہے...... خیال کی وسعت' احساس کی وسعت' شعور و آگہی کی وسعتیں انسان ہی کیلئے تو ہیں...... خالق نے اپنے اظہار کیلئے انسان ہی کو منتخب کیا...... اپنی محبت کیلئے انسان ہی کا دل چنا گیا......

یہ چناؤ بھی بڑا عظیم اور وسیع ہے...... انسان کے علاوہ اور کوئی مخلوق یا وسعت اس امانت کی اہل نہ پائی گئی...... یہ جہالت ہی سہی' اپنی جان پر ظلم ہی سہی لیکن ہے یہی سب سے بڑی بات' عظیم وسعت کہ ایک عظیم ترین خالق' وسعتوں کا خالق' اگر آیا تو اسی انسان کے دل میں آیا...... اس نے اپنا اظہار کیا تو اسی انسان کی زبان سے...... یہی وارث ہے کائنات کا...... اور یہی وارث ہے اس کی محبت کا...... سوز و گداز صرف انسان کے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

پاس ہے..... فرشتوں اور جنات کے پاس عبادت تو ہے لیکن محبت اور عشق کی مستی انسان کا نصیب ہے......

ستاروں کی گزرگاہیں ماپنے کے بجائے ہم اس احسان کا جائزہ یں جو ہم پر کیا گیا..... اس وسعت کا احساس کریں جو ہمیں عطا ہوئی..... اس تعلق کا شکر ادا کریں جو ہمیں نصیب ہوا..... انوکھا' نرالا' وسیع تعلق..... اصل وسعت یہی وسعت ہے۔ اپنی ہستی اور اس کا مدعا سمجھنا..... اپنے خالق کو پہچاننا' اپنے رازق سے باخبر رہنا..... اپنے ہونے سے آشنا ہونا اور اپنے نہ ہونے سے قبل از وقت آگاہ ہونا..... باقی سب وسعتیں حجاب ہیں۔ قابل دریافت اور قابل عزت صرف وسعت انسان ہے۔ وسعت قلب ہے..... وسعت زمین و افلاک اپنی جگہ لیکن وسعت دل' کیا بات' جس میں وسعتیں پیدا کرنے والے وسیع عرش و کرسی رکھنے والے' خالق کل کا وسیع جلوہ سما سکتا ہے..... دل بینا پر باقی سب وسعتیں اور فاصلے نثار..... یہی ہے حاصل ہستی اور یہی ہے مدعائے حیات۔

☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

عظیم لوگ

تاریخ عالم اور تہذیب آدم کا بغور مطالعہ کرتے وقت ہمیں دو قسم کے لوگ نظر آتے ہیں' گمنام اور نامور۔ اپنی سادگی اور سادہ دلی میں مست رہنے والے گمنام لوگ معاشرے' نسلیں' قومیں اور ملتیں بنتے ہے ہیں۔ یہی لوگ ناموروں کو پیدا کرتے یں اور خود کسی ناموری کے ذوق سے یکسر بے نیاز اپنی دنیا میں مصروف و سرشار رہتے ہیں۔ یہ عظیم لوگوں کو دیکھ دیکھ کر خوش رہتے ہیں۔ ان کے تذکرے پڑھ کر خوش رہتے ہیں' ان کی اطاعت بھی کرتے ہیں۔ یہ لوگ بغیر کسی شور و غوغا کے زندگی بسر کرتے ہیں اور کسی کو بہت بڑا جنازہ بنانے کی تکلیف دیئے بغیر خاموشی سے رخصت ہو جاتے ہیں۔

یہ لوگ کب آئے' کب گئے' کسی کو خبر نہیں۔ یہ لوگ اپنے ماحول کے ظالم حصار میں رہے۔ اپنے گھروں میں' اپنے شب و روز میں مبتلا' اپنے آپ میں مست' اپنی غریبی اور غریب الوطنی میں مجبور' اپنے محدود دائرے میں مقید' کسی شہرت و عظمت کے تصور سے آزاد' کسی تاریخ میں داخل ہونے کے جذبے سے یکسر لاتعلق' ناموری کے حصول کے جذبوں سے عاری' زندگی کے تھپیڑے کھاتے ہوئے آئے اور تھپیڑے کھاتے ہوئے رخصت ہو گئے۔ انہیں اتنا بھی معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کیوں اور کب غلام ہوئے اور کیوں اور کیسے آزاد ہوئے۔ یہ لوگ ضرورتیں پوری کرتے کرتے پورے ہو گئے۔ اپنے بعد کوئی بہت بڑی یادگاریں نہیں چھوڑ گئے' کوئی بڑے کارنامے سرانجام نہیں دے گئے۔ عوام الناس کا یہ ہجوم ایک الگ راز ہے' اس کی ایک الگ اہمیت ہے۔ انہیں خالق نے الگ کام کیلئے تخلیق کیا۔

دوسرا گروہ ناموروں کا ہے۔ عظیم انسان' اپنی ذات کو نمایاں اور روشن کرنے والے یہ لوگ وقت کے چہرے پر اپنے نام کی مہریں ثبت کرتے رہے۔ یہ فتوحات کرتے تھے' علم و ادب' فلسفہ' تاریخ و تہذیب' عمرانیات و عرفانیات' ریاضیات و معاشیات میں مقامات حاصل کرنے والے یہ عظیم لوگ ایک الگ طرح کی زندگی رکھتے تھے۔ یہ درد کے صحراؤں میں بیٹھ کر دنیا کو نخلستان کی خبر دیتے تھے۔ یہ لوگ اپنے اشکوں سے چراغاں پیدا کرتے رہے۔ یہ بے بسی میں رہ کر بھی دنیا کیلئے نوید حیات کے نسخے بناتے رہے۔ ان کی تشنگی دوسروں کیلئے آب حیات سے کم نہ تھی۔ دنیا کو سیراب کرنے والے خود اپنی پیاس لے کر خاموشی سے رخصت ہو گئے۔

عظمت کا سفر کرب کا سفر ہوتا ہے۔ جب لوگ سوتے ہیں' یہ لوگ جاگتے ہیں۔ ان کے فارمولے جدا' ان کے جذبے الگ' ان کے آغاز' ان کے انجام سب نرالے تھے۔

فطرت نے یوں تو ہر ایک کو یکساں انداز سے پیدا کیا ہے' ہر ایک کو یکساں صفات عطا کی ہیں' ہر بچہ ایک ہی بچہ ہوتا ہے اور مرنے والا ایک ہی میت' لیکن غور والی بات یہ ہے کہ قدرت نے کچھ بچوں کو بچپن سے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

نی تجدید بنایا۔ کسی کا چہرہ خوبصورت اور بہت زیادہ خوبصورت بنا دیا گیا' اب اس چہرے کی وجہ سے وہ شخص زندگی میں باقیوں سے ممتاز رہے گا۔ اس کی صفات الگ ہوں گی اور وہ ایسے مقامات حاصل کرے گا جو عام انسانوں کو نصیب نہیں ہوتے۔ حسن کامیابیوں کے میدان میں اپنا سفر طے کرتا ہے اور یہ سفر انسان کو عظمتوں کے حاصل تک لے جاتا ہے۔

کچھ لوگ پروانہ صفت پیدا ہوتے ہیں۔ وہ محبت کے پرستار اپنے وجود میں ایک نئی امنگ موجود پاتے ہیں اور علم اور تعلیم کے بغیر عشق کے نئے باب سر کرتے ہیں۔ شوق والا دل عطا ہے' یہ فطرت کا عطیہ ہے اور یہیں سے انسان کی عظمت کا سفر شروع ہوتا ہے۔ اس میں کسی کے ناراض ہونے کی بات نہیں۔

یہ بات سمجھنے کیلئے مشاہدے کی ضرورت ہے کہ جو آدمی عظمت میں نمایاں ہو اس کو اگرچہ عام انسانوں کی طرح پیدا کیا گیا لیکن اس کی صلاحیتوں میں کوئی ایک صلاحیت ایسی رکھ دی گئی جس نے ہر صورت کچھ نہ کچھ کرنا ہوتا ہے۔ پروانہ چین سے نہیں بیٹھتا' آگ روشن ہو کر رہتی ہے' دریا آخر روانہ ہو کر رہے گا۔

ہم لوگ دیکھتے ہیں کہ ریاض کرنے سے بہت کچھ حاصل ہوتا ہے۔ یہ ہمارا اپنا کمال ہے لیکن جب لوگوں کو ریاض کے بغیر ریاض کا نتیجہ حاصل ہو' انہیں کیا کہا جائے۔ ہزار محنت کی جائے' ہزار استاد رکھے جائیں' شعر اس وقت تک موزوں نہیں ہوگا جب تک انسان کے باطن میں شعریت اور نغمگی نہ ہو۔ یہ صفات کیسے پیدا ہوتی ہیں' اس کا کوئی جواب نہیں۔ اسے اللہ کا فضل کہتے ہیں۔

عظمت گہوارے میں عظمت ہوتی ہیں۔ یہ کسی سکول کی تعلیم کا نتیجہ نہیں۔ یہ قدرت کے دیئے ہوئے علم کا نتیجہ ہے۔ ہم کوشش کرتے ہیں کہ بڑے مصنفوں سے فیض حاصل کریں' غزالی کو پڑھنا بہت ضروری ہے لیکن یہ سوچنا بھی فرض ہے کہ غزالی کو کس نے غزالی بنایا۔ عظمت کی شاہراہیں بننے سے پہلے بھی عظیم لوگوں کا وجود ہوتا ہے۔ یہ لوگ فطرت کے انعام یافتہ ہوتے ہیں۔ دنیا کا غور سے مطالعہ کیا جائے تو معلوم کرنا مشکل نہیں کہ انسانوں میں یکساں صفات کے باوجود' الگ الگ مزاج بنے ہیں۔ ایک مسجد میں مل کر باجماعت نمازیں ادا کرنے والے کئی سالوں کی رفاقت کے بعد بھی مختلف المزاج نظر آتے ہیں۔

قدرت نے کچھ ایسا انتظام کیا ہے کہ ایک انسان جو بظاہر قابل توجہ نہیں' اس کو بھی پسند کرنے والے بلکہ پرستش کرنے والے مل جاتے ہیں۔ ایک ملک سے دوسرے ملک میں سفر کرنے والا اپنی پسند کا انسان دیکھتا ہے اور دونوں نمایاں ہو جاتے ہیں۔ لیلیٰ ایک لڑکی' عام فہم' مجنوں بھی اپنی جگہ پر ایک انسان لیکن دونوں کے درمیان محبت کے ناطے اس طور پر طے ہوئے کہ دونوں نمایاں ہوتے گئے اور ان کی داستان کتنے شعراء کیلئے ایک نمایاں بلکہ عظیم کلام کا باعث بنی۔ لیلیٰ مجنوں تو چلو عورت اور مرد تھے' مجاز ہوگا۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ عشق حقیقی ہے لیکن ہم سے زیادہ جاننے والے یعنی حضرت مولانا جامیؒ اور امیر خسروؒ اس داستان کو داستان عشق حقیقی کہتے ہیں۔

یہ کیا راز ہے کہ کوئی صحرا میں عظیم بن رہا ہے' کوئی پہاڑوں پر عظیم ہو رہا ہے' کوئی فتوحات میں اور

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کچھ لوگ شکست میں عظیم ہو گئے۔ یونان نے روم کو فتح کر لیا اور رومیوں کی صلاحیتوں سے متاثر ہو کر فاتح یونانی ان کے شاگرد ہو گئے' ان سے سیکھنے لگ گئے۔ فاتح ہونے کے بعد ان کے غلام ہو گئے۔ یزید فاتح ہوا لیکن ہمیشہ ہمیشہ کیلئے باعث ندامت۔

بہرحال عظیم لوگ تین طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو پیدا ہوتے ہی عظیم ہوتے ہیں۔ ان کی پیدائش پر فطرت کی طرف سے نشانیاں نازل ہوتی ہیں' چرند پرند کو باخبر کیا جاتا ہے کہ آ گیا وہ جسے بھیجا گیا عظمت کا تاج پہننے کیلئے۔ چھوٹے دل والے لوگ اس میں حسد نہ کریں' یہ اس سماج کی بہت عزت ہے جس میں منتخب اور مقدس نفوس کو بھیجا جائے۔ چھوٹا آدمی جھگڑتا ہے' لڑتا ہے کہ اس نے عظیم ہونا تھا' وہ پروں کے بغیر پرواز کرنا چاہتا ہے۔ وہ صلاحیتوں کے بغیر مرتبہ چاہتا ہے' وہ حق کے بغیر حصہ لینا چاہتا ہے' اس کے نصیب میں محرومی لکھی جا چکی ہے۔ فطرت کے کام دیکھتے جاؤ' اس نے کوا بنایا اور مور بنایا۔ یہ بظاہر فرق ہے لیکن دونوں ایک ہی جلوے کے حصے ہیں۔ رات دن کا حصہ ہے' دن رات کا حصہ ہے۔ زندگی موت کا حصہ ہے' موت زندگی کا حصہ ہے۔ اس میں جھگڑے کی کوئی بات نہیں۔

دوسری قسم کے عظیم لوگ وہ ہیں جو محنت کو کرامت بناتے ہیں۔ وہ اپنے عمل میں تواتر قائم کرتے ہیں' اپنی لگن میں استقامت قائم کرتے ہیں' اپنے سفر میں یکسوئی حاصل کرتے ہیں اور چھوٹے چھوٹے قدموں کے ساتھ چل کر آخر ایک دن وقت کی بلند چوٹیاں سر کر لیتے ہیں۔ یہ کام بھی ہر ایک کے بس کا نہیں ہے۔ چھوٹے ظرف کے لوگ اگر یہ عزم کر لیں کہ کسی درخت کے پتے گن کر دم لیں گے تو آدھا کام کرنے کے بعد وہ بالعموم یہ کہیں گے "چھوڑو یہ کیا کام ہے ہم کوئی اور بڑا کام کریں گے" اور اس طرح مقاصد بدلتے بدلتے بے مقصدیت پیدا کر کے گمنامیوں کی وادیوں میں چلے جاتے ہیں۔

تیسری قسم کے عظیم لوگ وہ انسان ہیں جنہیں کوئی لمحہ' کوئی خوش نصیب لمحہ' کوئی انسان' کوئی نصیب ساز انسان' کوئی واقعہ' کوئی خوشگوار واقعہ اچانک ان کے پاس سے گزرتا ہوا انہیں عظیم بنا جاتا ہے۔ ایسے کتنے لوگ ہیں جو رات کو گمنامی کی نیند سوئے اور صبح ناموری کی روشنی میں بیدار ہوئے۔ یہ تو عام فہم بات ہے۔ کسی خاموش شاعر کا کلام چھپنے سے پہلے عظیم نہیں ہوتا اور کلام چھپ جائے تو ناموری عطا ہو جاتی ہے۔ ایک انسان اپنے شب و روز میں میانہ زندگی گزار رہا ہے۔ اس کے سامنے ایک چیلنج آتا ہے' وہ اس چیلنج کو قبول کرتا ہے اور ایک خوش بخت عمل کر گزرتا ہے۔ نتیجہ یہ کہ وہ عظیم غازی علم الدین شہید بن جاتا ہے۔ اس طرح بے شمار مثالیں ہیں ان لوگوں کی' جنہیں واقعات نے عظیم بنایا۔

یہاں تک تو بات واضح ہے کہ عظیم لوگ آتے رہتے ہیں' اپنی عظمتوں کو فیض بناتے ہیں اور کبھی کبھی اپنی عظمتوں کو ایک جھنڈا بنا کر کسی سرزمین پر گاڑ جاتے ہیں۔ آنے والی نسلیں انہیں دعائیں دیتی ہیں۔ قابل غور بات یہ ہے کہ مذہب کے حوالے سے عظیم لوگوں کے ساتھ وابستگی اس وقت تک خطرناک ہو سکتی ہے جب تک وہ عظیم لوگ ایک مذہبی زندگی نہ گزار رہے ہوں۔ ہم تھوڑی دیر کیلئے عظیم لوگوں کو باعث عزت سمجھتے ہوئے اپنے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

لئے اولی الامران لیں تو اولی الامر کا اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کا تابع ہنا ضروری ہے ورنہ اس کی اطاعت کی بجائے اس کے خلاف جہاد لازمی ہے۔ یہ بات ہمارا ذہن قبول نہیں کر سکے گا۔ ہم کسی ایک صفت میں حاصل ہونے والی عظمت کے نتیجے میں بننے والے عظیم آدمی کو باعث تقلید مان لیتے ہیں اور یہاں سے خطرہ پیدا ہو سکتا ہے۔

ایک عظیم وکیل ضروری نہیں کہ عظیم امام مسجد ہو۔ بس عظیم کو اسی شعبے تک عظیم سمجھنا چاہئے جس میں اس نے عظمت حاصل کی۔ اس شعبے میں اس کی تقلید بھی جائز ہے لیکن اس کو اس کے شعبے سے نکال کر دوسرے شعبے میں باعث عظمت ثابت کرنا دھوکا ہے۔ مثلاً لارڈ رسل کا فلسفہ صحیح ہے' خوبصورت ہے لیکن اس کی زندگی کی تقلید کرنا ہمارے لئے جائز نہیں ہے۔ اس کا فلسفہ سند لیکن اس کی زندگی مومن کیلئے غیر مستند ہے۔

اپنے ہاں بھی جو لوگ عظیم ہیں' ان کی زندگی کا بغور مطالعہ کیا جائے۔ جس شعبے میں اور جس مقام پر وہ عظیم ہیں ان کو سلام پیش کیا جائے اور جہاں ان کی زندگی معذرت سے گزر رہی ہے' وہاں سے گریز کیا جائے۔ ہمارے ہاں وقت یہ ہے کہ جو علماء صاحبان ہیں' وقت کے تقاضوں کی عظمتوں سے بے خبر ہیں اور جو لوگ عظیم ہیں وہ احکام شریعت سے غافل نظر آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قوم جب کسی ہیرو کی تقلید کرتی ہے تو دین سے بے راہ ہو جاتی ہے اور اگر دینی طور پر پابند زندگی گزارے تو وقت کے تقاضے نظر انداز سے ہو جاتے ہیں۔ ہم یہاں تک متعصب ہیں کہ کسی بڑے آدمی کا اس طرح نام بھی نہیں سننا چاہتے کہ وہ دینی معاملات میں کمزور تھا۔ ہم اس کی خوبی کے پرستار ہیں اور عظمت کی پرستش کے دوران اس کی زندگی کے غافل حصے کی بھی تقلید کر جاتے ہیں۔ مثلاً کوئی عظیم مفکر' قوم کو عظمتوں سے آشنا کرنے والا دین کے کسی فرض کی ادائیگی میں ذرا کمزور ہو تو اتنا کہنے کی بھی جرأت نہیں ہوتی کہ یہاں وہ صحیح ہے' یہاں وہ صحیح نہیں۔

ہماری قوم ایک مثالی عظمت اور عظیم آدمی کی تلاش میں ہے اور یہ بڑے افسوس کی بات ہے۔ ہم لوگ سمجھ نہیں سکتے کہ دنیا کے عظیم انسانوں میں صرف ایک یا چند صفات کی عظمت ہے۔ واحد عظیم ہستی حضور اکرم ﷺ کی ہے جن کی زندگی کا ہر شعبہ مثالی' ہر عمل بے مثال' جن کی ہر صفت' جن کی نشست و برخاست' جن کا جاگنا سونا اور جن کا بولنا سننا باعث تقلید ہے۔ جن کے نقش قدم پر چلنا ہی فلاح کی راہ ہے۔ باقی تمام عظیم ہستیوں کا ان کی اس صفت کے مطابق جائزہ لینا چاہئے' جس میں وہ عظیم ہیں۔ ہر آدمی' خواہ کتنا ہی عظیم ہو' تقلید کے قابل نہیں۔ اگر ہم ہر ایک کو قابل تقلید رہنما بناتے رہے تو قوم ایک بے جہت اور بے سمت سفر میں گم ہو سکتی ہے۔ اکابرین ملت کو آفتاب رسالت ﷺ کی کرنیں ہی مانا جائے۔ بس نور ظہور سب حضور ﷺ کا ہے۔ باقی سب عظمتیں صرف دیکھنے کیلئے ہیں' تقلید کیلئے نہیں۔ تقلید صرف اس ذات کی جسے اللہ کی تائید حاصل ہے۔

☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

امیر غریب

اس دنیا میں نہ کوئی امیر ہے نہ کوئی غریب۔ یہ سب اپنا اپنا خیال ہے۔ خیال غریب ہو جائے تو انسان غریب ہو جاتا ہے۔ خیال امیر ہے تو انسان امیر ہے۔ جس طرح قول ہے کہ ''یتیم وہ نہیں جس کا باپ فوت ہو جائے بلکہ یتیم وہ ہے جو علم و ادب سے محروم ہو جائے۔'' اسی طرح جس آدمی کی جیب میں مال نہ ہو' وہ غریب نہیں بلکہ جس کے پاس کوئی خیال نہ ہو' وہ غریب ہے۔ پھر بھی ان الفاظ کے کچھ تو معانی ہیں۔ ان کی کوئی نہ کوئی توجیح ہوگی۔ ہر چند کہ اس ریخ کا فیصلہ کرنا ذرا مشکل ہوتا ہے۔

انسان کی ضروریات پوری ہوتی جائیں اور محض پوری ہو سکیں تو اسے متمول کہا جا سکتا ہے۔ جس آدمی کے پاس ضروریات سے زیادہ مال ہو' اسے امیر کہا جا سکتا ہے اور جس کے پاس ضرورت سے کم ہو' اسے غریب ہی کہا جائے گا۔ بشرطیکہ لفظ ''ضرورت'' کی کوئی جامع تعریف ہو جائے۔ ایک انسان کیلئے آسائش اور سامان تعیش ضرورت بن کے رہ جاتے ہیں اور دوسرے کیلئے رشتۂ جاں اور تار حیات کی بقا سے زیادہ کوئی اہم ضرورت نہیں ہوتی۔ اس فرق کی وضاحت ناممکن ہے۔ انسان حریص ہے' انسان ناشکر گزار ہے' انسان ظالم ہے' انسان مسافر خانوں میں ہمیشہ آباد رہنا چاہتا ہے۔ قبرستان میں کھڑے ہو کر اپنے ہمیشہ رہنے کا بے بنیاد دعویٰ کرتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اس دنیا میں جو آیا' اسے واپس جانا پڑتا ہے۔ پھر دعویٰ کیا' قیام کیا اور ضرورت کیا۔ اگر ٹھہرنا مقدم ہو تو رخصت کی کیا ضرورت اور اگر جانا ضرورت ہو تو ٹھہرنے کے پروگرام بے معنی ہیں۔ اگر ظاہری مرتبے قائم بھی رہ جائیں تو انسان اندر سے قائم نہیں رہتا۔ باہر سے خطرہ نہ ہو تو بدن کی چار دیواری اندر سے گلنا شروع ہو جاتی ہے۔ انسان اپنے بوجھ تلے آپ ہی دب کے رہ جاتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو خواہشات کے پتھروں میں چنوا تا رہتا ہے اور جب آخری پتھر اس کی سانس روکنے لگتا ہے تو پھر وہ شور مچاتا ہے کہ اے دنیا والو! کثرت خواہشات سے بچو' سہولت طلبیوں سے گریز کرو' مال کی محبت سے پرہیز کرو' کثرت مال بقول ارشاد باری تعالیٰ تمہیں غافل کر دے گی۔ حتیٰ کہ تم قبروں میں جا گرو گے اور پھر زندگی کو از سر نو شروع کرنے کا کوئی موقع نہیں ہوگا نہ آپ کو اس کی اجازت دی جائے گی۔

دولت جمع کرنے کی خواہش اور اسے گننے کا مشغلہ ہی بربادی کا پیش خیمہ ہے۔ یہی دوزخ ہے' لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ انسان اپنی جائز اور فطری ضروریات بھی ترک کر دے۔ دولتمند یا غریب ہونا سمجھ میں تو آتا ہے اور یہ الفاظ ہم استعمال کرتے رہتے ہیں کہ فلاں شخص امیر ہے' فلاں شخص غریب ہے' لیکن اس بات کی آج تک سمجھ نہیں آ سکی کہ ایک شخص کیوں امیر ہے اور دوسرا شخص کیوں غریب ہے۔ بعض اوقات بلکہ اکثر اوقات ہم امیر ہونے کے نسخے بناتے رہتے ہیں' لیکن ان نسخوں اور اصولوں کے باوجود ان پر عمل کرنے والے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بے شمار انسانوں کیلئے نتیجہ برعکس نکلتا ہے۔ مثلاً ہم کہتے ہیں کہ محنت خوشحال ہو گی لیکن ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ محنتیں بدحال ہیں' پریشان ہیں۔ بے شمار لوگ محنت کی چکی میں پسے جا رہے ہیں اور کوئی چکی ان کیلئے آٹا نہیں پیستی۔ ہر اصول اپنی ضد میں مرتا جا رہا ہے' شاید یہ کہا جا سکتا ہے کہ امیر ہونے کیلئے تمام اصولوں کے باوجود کوئی اصول نہیں اور غریب ہونے کیلئے تمام احتیاطوں کے باوجود کوئی احتیاط کارگر نہیں۔ یہ ممکن ہے کہ ایک آدمی متمول ہو اور کچھ بھی دیر میں بغیر مال کے ضائع کئے اپنی حالت میں مکمل طور پر قائم رہ کر وہ غریب ہو جائے۔ سوال یہ ہے کہ اگر آپ کے گرد آپ سے کم درجے کے لوگ ہیں' تو آپ متمول ہیں اور اگر آپ کے سامنے زیادہ متمول لوگ آ جائیں تو آپ اپنے آپ میں غریب ہو جاتے ہیں بلکہ کمتر ہو جاتے ہیں اور احساس کمتری میں مبتلا کر دیئے جاتے ہیں۔ جب تک انسان کو یہ معلوم نہ ہو کہ کونسی طاقت ہے' جو غریب کو غریب بناتی ہے اور امیر کو امیر۔ کونسی ذات ہے جو ایک بے جان سیپ میں موتیوں کو پالتی ہے۔ کون ہے جو زمین کے اندر سے خزانے نکالتا ہے' کون ہے جو آسمان سے مال برساتا ہے' کونسی طاقت ہے جو خوشیاں عطا فرماتی ہے اور کونسی تقدیر ہے جو مبتلائے غم دوراں کر دیتی ہے۔ ہم جن لوگوں کیلئے' جن محبوبوں کیلئے مال اکٹھا کرتے ہیں اگر وہی نہ رہیں تو مال کس کام کا۔ مطلب یہ ہے کہ ہونا دراصل کسی کام کیلئے ہونا ہے۔ خالی ہونا نہ ہونے کے برابر ہے۔ جو شخص صرف جمع کرتا ہے اور وہ پیسہ اس کے کام آتا ہے نہ کسی اور کے کام آتا ہے' وہ آدمی پرایا مال جمع کرتا ہے۔ وہ صرف نگران ہے' کسی اور کے مال کا۔ جس طرح ایک اژدہا کسی کے مال کی حفاظت کرتے کرتے عمر بسر کر دیتا ہے اور اگر انسان کی دولت لوگوں کے مصرف میں آنے کیلئے اکٹھے کی جائے تو واضح بات ہے کہ یہ دولت جمع نہ رہے گی اور پھر انسان برابر ہو جائیں گے اور پھر یا سب امیر ہوں گے یا سب غریب اور اگر سب برابر ہو جائیں تو کوئی گلہ نہیں رہے گا۔ لیکن ایسا نہیں ہے' اگر جیب برابر ہو جائے تو ذہن برابر نہیں ہوگا۔ خیال برابر نہیں ہوگا اور حسن و جمال تو کبھی برابر نہیں ہوگا۔ ایک آدمی اپنی غریبی کے باوجود سراہا جا سکتا ہے' چاہا جا سکتا ہے' پسند کیا جا سکتا ہے اور دوسرا آدمی دولت اور کثرت کے باوجود ناپسندیدہ شخصیت ہو سکتا ہے' ناپسند کیا جا سکتا ہے' بلکہ نفرت کیا جا سکتا ہے۔ یہ بات بڑے غور کی ہے کہ انسان امیر تو ہونا چاہتا ہے لیکن وہ امیروں سے نفرت کرتا ہے۔ جس طرح لوگ' تمام لوگ' حکمران بننا چاہتے ہیں لیکن بنے ہوئے حکمرانوں کے خلاف نفرت رکھتے ہیں۔ یہ کیسی بات ہے کہ ہم جس کو قابل نفرت سمجھتے ہیں' وہی بننا چاہتے ہیں۔

پھر بھی امیر غریب ہوتے ہیں۔ اگر حاصل آرزو سے کم رہ جائے تو انسان غریب ہو گیا اور اگر آرزو حاصل سے کم ہو یا حاصل آرزو سے زیادہ ہو تو انسان امیر ہو گیا۔ ہم نے اکثر دیکھا ہے کہ عید کی خوشیاں منانے والے ہر طبقے کے لوگ ہوتے ہیں۔ غریب کے چہرے کی مسکراہٹ اس کی غریبی کے باوجود اتنی ہی دلپذیر ہوتی ہے' جتنی امیر کے چہرے پر' بلکہ امیر کی خوشی اور خوشی طبعی نقلی' بناوٹی اور غیر فطری پروپگنڈہ ہو سکتی ہے اور غریب کی خوشی اس کی روح سے پھوٹ سکتی ہے۔ دراصل عید کی خوشی کسی مال سے پیدا نہیں ہوتی۔ یہ تو روزہ رکھنے والوں کو نصیب ہوتی ہے۔ جس انسان نے روزہ نہ رکھا ہو' اس کیلئے عید کی خوشی بے معنی ہے۔ ایک سماجی اور

www.iqbalkalmati.blogspot.com

سیاسی ضرورت ہے۔ وہ جانتا ہے کہ وہ اس خوشی کے بارے میں کچھ نہیں جانتا جو صرف روزہ دار کو روحانی شگفتگی اور قربِ حق سے نصیب ہوتی ہے اور اگر قربِ حق کو ہی دولت سمجھ لیا جائے تو ظاہر ہے اس کا دنیاوی مال سے کوئی تعلق نہیں‘ قطعاً نہیں۔

مال و دولت کے سہارے حکومتیں کرنے والے آخر کار ندامتوں اور رسوائیوں کے حوالے کر دیئے گئے۔ دولت عزت پیدا نہیں کرتی‘ دولت خوف پیدا کرتی ہے اور خوف پیدا کرنے والا انسان معزز نہیں ہو سکتا۔ غریبی محتاج رہنے کی وجہ سے خالق کے در پر سرنگوں رہتی ہے اور یوں غریبی قربِ حق کا ایک قوی ذریعہ ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ انسان غریب ہو جائے یا اسے غریب ہی رہنے دیا جائے۔ ایک سماج میں امیر اور غریب کے درمیان جتنا فاصلہ بڑھتا جائے گا‘ اتنی ہی اس سماج میں کرپشن بڑھے گی۔ وہ معاشرہ تباہ ہو جائے گا‘ جہاں غریب کو نظر انداز کر دیا گیا۔ غریب ہی امیر کی سب بڑی آزمائش ہے۔ غریب سائل ہے اور امیر سخی نہ ہو تو اسے بخیل ہونے کی سزا دی جائے گی۔ غریب حقدار ہے اور اگر اس کو اس کا حق نہ ملا تو حق سے زیادہ لینے والوں کو عذاب میں گرفتار کر دیا جائے گا اور عذاب کی انتہائی شکل یہ ہے کہ ان لوگوں کے دل سے دولت تسکین نکال لی جائے گی اور یوں ایک امیر انسان پیسے کی فراوانی کے باوجود پیسے کی ضرورت کی شدت میں مبتلا ہو کر ایک اذیت ناک زندگی گزارنے پر مجبور ہو گا۔ امیر آدمی کا خوف غریب کے خوف سے زیادہ ہے۔ غریب کے پاس تو پھر بھی اچھے زمانے کے آنے کی امید ہو سکتی ہے لیکن امیر کیلئے برے زمانے کے آ جانے کا خوف ہمیشہ سر پر تلوار بن کر لٹکتا رہتا ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ ایک انسان کے پاس مال ہونے کے باوجود اس کی زبان پر تنگیٔ حالات کا شکوہ رہتا ہے۔ زیادہ کی تمنا انسان کو اپنے موجود حاصل سے غافل کر دیتی ہے اور وہ مال پر خوش ہونے کی بجائے اس حسرت کیلئے اداس ہو جاتا ہے‘ جو صرف ایک خیال سے پیدا ہوتی ہے۔ انسان چاہتا ہے کہ اس کے پاس کثرت ہو‘ زیادہ سے زیادہ بس بڑھتا ہی جائے اس کا مال اور پھیلتا ہی جائے اس کا اختیار‘ مال اور اختیار کی افادیت سے ناآشنا اور اس کے عبرتناک انجام سے بے خبر انسان تاریخ پر نظر نہیں دوڑاتا۔ فرعون مال اور حکومت کے باوجود دین اور دنیا میں برباد ہو جاتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام مال اور اختیار کی کمی کے باوجود اللہ کے قرب سے نوازے گئے۔ امیر کون ہے‘ فرعون یا موسیٰ۔ اس سوال کا جواب کئی مرتبہ دیا جا چکا ہے۔ زندگی فرعون کی اپنی جگہ لیکن انجام موسیٰ کا چاہئے تو اس زندگی سے گریز کرنا پڑے گا۔ فرعون کی زندگی فرعون کا انجام پائے گی‘ موسیٰ کی زندگی موسیٰ کا انجام پائے گی۔ اس میں کوئی مبالغہ نہیں‘ کوئی استثنا نہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ پیسہ نہیں بچا سکتا بدنامیوں سے‘ بے عزتیوں سے‘ دشمنوں سے‘ موت سے۔ پھر پیسہ کیا کرتا ہے؟ صرف نگاہ کو آسودہ کرتا ہے اور یہ آسودگی دل کو مردہ کر دیتی ہے‘ بے حس بنا دیتی ہے اور آدمی کثرتِ مال کے باوجود تنگیٔ خیال میں مبتلا ہو کر اذیت ناک انجام سے دوچار ہو جاتا ہے۔

پھر بھی آج کے زمانے میں غریبی اور امیری پر بحث ہو رہی ہے کہ یہ دو طبقے کیوں ہیں؟ زمانہ

www.iqbalkalmati.blogspot.com

استحصال ہے؟ کیا یہ ظلم ہے؟ کیا یہ مقدر ہے؟ کیا یہ حکمرانوں کیلئے ایک عذاب ہے؟ کیا غریبی غریب کیلئے باغی ہونے کا لائسنس ہے؟ کیا امیر کو وقت کے عبرت کدے میں من مانیاں کرنے کی عام انتخابات ہے؟ کیا غریب کیلئے سسکنے اور کراہنے کے علاوہ اور کوئی مقدر نہیں؟ یہ بحث بجا لیکن اس تمام بحث کا حل آج تک جو سوچا گیا' اس کا انجام بھی ہم نے دیکھ لیا۔ یہ گیا سوشلزم' وہ گیا کمیونزم اور وہ جا رہا ہے کیپٹل ازم۔ اس مسئلے کا واحد حل مذہب نے دیا ہے کہ وہ غریب جو مایوس ہو گیا اور باغی ہو گیا' وہ دوہرے عذاب میں مبتلا ہا۔ ایک تو دنیاوی عذاب اور دوسرا اچھی آخرت سے محروم ہونا۔ اسی طرح وہ امیر جو پیسے کو ظلم پھیلانے میں اور لوگوں کو اذیت دینے میں استعمال کرتا ہے' وہ اس پیسے کی وجہ سے ایک بہت دردناک عذاب میں مبتلا کر دیا جائے گا۔ پھر بھی بات کا سمجھنا مشکل ہی ہے کہ امیر کیا ہے اور غریب کیا ہے۔

جیسا پہلے کہا گیا کہ یہ دو مزاج ہیں' یہ دو انداز ہائے نظر ہیں۔ یہ عین ممکن ہے کہ آدمی کے پاس مال نہ ہو اور وہ خوشحال ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس کے پاس مال ہو اور وہ بدحال ہو۔ دراصل حکم ہے بنانے والے کا' انسان کو پیدا کرنے والے کا' زندگی اور موت پیدا کرنے والے کا کہ اس نے انسان کا مقدر مقرر کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ محنتوں کے باوجود فاقہ دیکھا گیا اور کچھ لوگوں کیلئے پیدا ہوتے ہی فراوانیاں موجود تھیں۔ اگر اس بات سے خالق کو نکال دیا جائے تو پھر یہ کہا جا سکتا ہے کہ امیر نے غریب کا استحصال کیا' اس کے حصے کا مال کھایا اور اگر انسان کے خیال کے مطابق مال کی مساوی تقسیم کر دی جائے تو کیا امیر غریب نہیں رہیں گے۔ ہم یہ کہہ رہے ہیں کہ اگر مال برابر بھی ہو جائے تو بھی امیر غریب کی تقسیم قائم رہے گی۔ گلہ موجود رہے گا۔ بغاوت کی کوششیں جاری رہیں گی۔ لوگ یہ نہیں کہیں گے کہ اس کے پاس مال زیادہ ہے کیونکہ مال تو برابر ہو گا۔ لوگ یہ کہیں گے کہ اس کو دانائی زیادہ ملی اور مجھے ایک احمق دماغ ملا۔ اب یہ بھی برابر ہونا چاہئے۔ چلو قصہ تمام ہو گیا۔ دنیا میں دانائی اور نادانی برابر مقدار میں تقسیم ہو جائے گی اور سماج کا نقشہ اور سماج کا حشر کم از کم آپ اندازہ تو کر سکتے ہیں کہ کیا ہو گا اور اگر مال اور ذہن برابر ہو جائے تو یہ گلہ کبھی دور نہیں ہو گا کہ فلاح شخص زیادہ خوبصورت ہے۔ اس کے پاس حسن کا مال زیادہ ہے اور ہم خوبصورتی میں کنگال ہیں۔ حسن و جمال بھی برابر تقسیم ہونا چاہئے۔ چلو بفرض محال یہ بھی برابر تقسیم ہو جائے تو کسی انسان کے پاس خوبصورت گلا ہو گا اور وہ گانا گائے گا۔ سننے والے بے سر سامعین اس کا بھی گلہ کر سکتے ہیں۔ چلو یہ بھی مان لیا جائے کہ سب کو ایک سریلی اور رسیلی آواز مل جائے گی یا سب سے رس بھری آواز چھین لی جائے گی۔ نتیجہ دس دفعہ واضح ہو سکتا ہے یعنی برابری کے نام پر بربادی کا دور شروع ہو جائے گا۔ دنیا کی رنگینی اور نیرنگی اسی بات میں ہے کہ کہیں روشنی ہو اور کہیں اندھیرا۔ کہیں سورج چمک رہا ہو اور کہیں ستارے جگمگا رہے ہوں۔ کہیں شیر دھاڑ رہا ہو کہیں بکری ڈر رہی ہو۔ باز کی زندگی کبوتر کے گوشت میں ہے۔ اس میں کوئی استحصال نہیں' کوئی ظلم نہیں۔ بس اس بات کی احتیاط رہے کہ غریب کو اس کا حق ضرور ملنا چاہئے۔ یہ حق ہے زندگی کا' یہ حق ہے دو مسافروں کے مل کر سفر کرنے کے پروگرام کا' فانی کو فانی پر فوقیت کا اختیار باقی نہیں رہتا۔ امیر غریب کی مدد کرے' اس کو زندگی کے راستوں سے آشنا کرے' اس کیلئے وسائل کی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

دسترس رہنے دے۔ یہ نہیں کہ اس کی زندگی کے ذرائع مفلوج کر دے۔ اگر غریب فاقے سے مر رہا ہو تو امیر یقیناً بدہضمی سے مرے گا اور جلد مرے گا۔

تو قصہ یہ ہوا کہ امیر غریب دو طرز ہائے حیات ہیں' دو مزاج ہیں' دو مختلف قسم کی عطائیں ہیں' دو مختلف رنگوں کے جلوے ہیں۔ انسانوں کو امیر غریب کی تقسیم میں پھنسایا نہیں جا سکتا۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ امیر اور غریب کی تقسیم کو یوں دیکھا جائے کہ امیر اچھے بھی ہوتے ہیں' برے بھی ہوتے ہیں۔ اسی طرح غریب اچھے بھی ہوتے ہیں' برے بھی ہوتے ہیں۔ اچھا امیر بہت اچھا ہوتا ہے۔ غریبوں کا مونس ہوتا ہے' جانثار ہوتا ہے' ان کا خدمتگار ہوتا ہے' سخی ہوتا ہے اور غریبوں کے حقوق کا محافظ ہوتا ہے۔ وہ غریبوں کے مال کا امین ہوتا ہے۔ غریبوں سے محبت کرتا ہے' ان کی خدمت کرتا ہے' ان میں خزانے تقسیم کرتا ہے' پیاسے غریبوں کو چشموں تک پہنچاتا ہے' سیراب کرتا ہے اور ان کی خدمت پر مامور ہوتا ہے۔

اس کے برعکس برا امیر بہت ہی برا ہوتا ہے۔ وہ دولتمند ہونے کے باوجود خوف پیدا کرتا ہے اور جس نے خوف پیدا کیا' وہ خود خوفزدہ ہی رہا۔ برا امیر اپنے پیسے کے زور سے گناہ خریدتا ہے' گناہ بیچتا ہے اور پیسے کو اس طرح استعمال کرتا ہے کہ اس کیلئے دردناک عذاب گارنٹی کر دیا جاتا ہے۔ اس کی آنکھیں تب کھلیں گی' جب وہ بند ہونے لگیں گی۔ پیسے نے اور پیسے کی محبت نے برباد کر دیا' لوگوں کو۔ برا امیر داستان عبرت ہے' اپنے لئے' اپنی قوم کیلئے' اپنی ملت کیلئے' اس کیلئے قارون کی عبرت ہے' فرعون کی عاقبت ہے' شداد کا انجام ہے۔ ایسے امیروں کیلئے کوئی دعا بھی کارگر نہیں ہوتی۔

اسی طرح غریب بھی دو طبقوں میں تقسیم کئے جا سکتے ہیں۔ اچھا غریب اور برا غریب۔ اچھا غریب وہ ہے جو اپنی غریبی کو اپنے ایمان کی قوت کے طور پر استعمال کرتا ہے۔ غریبی اس کو درِ عطا تک لاتی ہے۔ وہ غریب ہونے کی وجہ سے قریب ہو جاتا ہے' اس ذات کے جو غریبوں کو قریب کرتی ہے۔ عبادت اس مقام تک نہیں پہنچ سکتی' جس مقام پر صبر کرنے والا غریب' شکر کرنے والا غریب' راضی رہنے والا غریب پہنچ سکتا ہے۔ اچھا غریب وہی ہے' جو حبیب ﷺ کے قریب ہو' ظاہر ہے' برا غریب کردار کا برا ہے۔ وہ ایک بھوکے کتے کی طرح ہے' جو فاقے کے باوجود اپنی برادری کو کاٹتا ہے۔ غریب کتا غریب کتوں پر حملہ کرتا ہے۔ ایسا غریب بہت برا غریب ہے جو رحمت حق سے مایوس ہوا' جو مقدر کا منکر ہوا' جس نے زندگی کو گلے شکوے میں گزارا اور فنا کے دیس میں یہ بھول گیا کہ یہاں کس کام کیلئے آیا تھا۔

خدا برا امیر اور برا غریب ہونے سے بچائے۔ پھر بھی ہم یہ کہیں گے کہ حکومت وقت کا یہ فرض ہے کہ وہ دیکھے کہ کسی طبقے کے پاس بے مصرف دولت جمع نہ ہو اور کوئی طبقہ محروم اور مظلوم نہ رہے۔ اگر ایسا نہ ہوا تو اس کا فیصلہ شاید ایک ایسا مستقبل دے جس پر ہمارا اختیار نہ ہو۔ خدا اس وقت سے بچائے جب مظلوم اور بے زبان خطرہ گویائی کے طلسمات شروع کرے۔ یہ خطرہ ایوانوں میں زلزلہ پیدا کر سکتا ہے۔ اس سے پہلے کہ غریب آپے سے باہر ہو' اس کی غریبی کو ٹالنے کی کوشش کی جائے۔ اس کا خیال کیا جائے۔ بڑے بڑوں کی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بڑی بڑی خدمت کرنے کی بجائے چھوٹے لوگوں کی چھوٹی چھوٹی ضرورت پوری کر دی جائے۔ ان کے کچن سے بھی دھوئیں اور خوشبوئیں اٹھیں۔ ان کے دستر خوانوں پر بھی اللہ کا شکر ادا کرنے کا موقع موجود ہونا چاہئے۔ غریب کو خدا کیلئے صرف نصیحت نہ دو' اسے کلمے نہ پڑھاؤ' اس کا دکھ بانٹو' اس کا غم بانٹو۔ اگر غریب کو مفت دوائی نہ ملی تو تمہارے بڑے بڑے ہسپتال بیمار ہو جائیں گے۔ تمہارے خزانوں میں کیڑے پڑ جائیں گے' دیمک لگ جائے گی۔ ابھی وقت ہے کہ سوچا جائے' سمجھا جائے' ہوش کیا جائے۔ غریب قیمتی سرمایہ ہے۔ بشرطیکہ اسے غریب نہ رہنے دیا جائے۔

☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہمہ رنگ

جن لوگوں کو اس دنیا میں رہ کر گیان' نروان یا عرفان حاصل ہوا' ان لوگوں کے حالات یا ان پر گزرنے والے واقعات کا بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہر ایک پر الگ الگ کیفیات مرتب ہوئیں۔ لوگ الگ الگ تجربات سے گزرے اور نتیجہ تقریباً یکساں تھا کہ اس کی ذات کی پہچان انسان کے بس سے باہر ہے۔ جن لوگوں کو اس کی معرفت ہوئی' انہوں نے یہی اعلان فرمایا کہ حق معرفت ادا کرنا انسان کے بس کی بات نہیں۔ ایک کا طریقہ دوسرے کے طریقے سے مختلف ہونے کے باوجود ایک کی دریافت دوسرے کی دریافت کے برابر ہونا ایک بڑی عجب بات ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک بزرگ دریا کے اندر پانی میں رہ کر کئی سال تک تلاوت کلام پاک کرتے رہے۔ آخر ایک دن سرشار ہو کر باہر نکلے اور اپنے چاہنے والوں کے پاس جا کر اعلان کیا کہ "اگر مجھے معلوم ہوتا کہ اللہ کی پہچان اتنی آسان بات ہے تو ہم پانی میں اتنے سال کیوں کھڑے رہتے۔" ایک بیباک طالب نے بڑھ کر کہا "یا شیخ...... آپ کی ہر بات صحیح' آپ کی ہر بات برحق' اب آپ کم از کم ہمیں تو وہ راز بتا دیں تاکہ ہم پانی میں کھڑے رہنے کی صعوبت سے بچ سکیں۔" وہ شیخ مسکرائے اور کہا "میں اتنے سال کی عبادت کا حاصل تمہیں ایک سیکنڈ میں کیسے دے دوں۔" اب نتیجہ صاف ہے کہ جو کچھ حاصل ہوا وہ ریاضت کے نتیجے سے ہوا اور اگر ریاضت کے نتیجے سے ہوا تو یہ کیوں کہا گیا کہ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ اللہ یہ ہے تو اتنے سال ضائع کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ بس یہی راز ہے۔ جو ملتا ہے' وہ بہت آسان بات ہے' مگر یہ آسان بات بڑی مشکلات سے حاصل ہوتی ہے۔

عبادتیں اور ان کا تقدس' ان کی اہمیت اپنی جگہ لیکن کسی انسان کا دل راضی کرنا یہ سب اہمیتوں سے زیادہ اہم ہے۔ ایک انسان کے پاس کچھ نہیں' اس کا دامن عمل خالی ہے۔ بس صرف اس کے پاس ماں کی دعا ہے۔ نتیجہ حق شناسی ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ یہ مالک کے کام ہیں۔ کسی کو مال و دولت میں عرفان نصیب ہوا' کسی کو غریبی برداشت کرنے کی وجہ سے اپنے قریب کر دیا گیا۔ کچھ لوگ صرف سفر میں رہے اور جھوٹے لوگوں کی عاقبت دیکھتے رہے۔ ان کھنڈرات کو دیکھنے سے جو ہیبت طاری ہوئی' اس میں حق آگہی حاصل ہوگئی۔ کچھ لوگ کوئی نیکی نہ کر سکے لیکن جہاد اسلام میں ان کو شہادت نصیب ہوگئی۔ اب شہید کو جو مقام میسر ہوا' وہ موت سے آزادی ہے۔ اللہ کا قرب ہے' ہمیشہ ہمیشہ کیلئے اور اللہ کا حکم ہے کہ ان کو مردہ نہ کہو' وہ تو زندہ ہیں۔

کچھ لوگ مسلسل استغراق میں رہے اور استغراق میں انہیں حق شناسی عطا کر دی گئی۔ کسی کو تنہائیوں میں گوہر مراد ملا' کسی کو محفلوں میں راز ملا۔ کسی نے قوالی میں پایا' کسی نے محفل ذکر میں حاصل کیا' کسی کو دعا نصیب ہوئی' کوئی حسرتوں میں سرشار کر دیا گیا' کسی کو مشاہدے میں' کسی کو مجاہدے میں۔ غرضیکہ اس کے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جلوے ہمہ رنگ ہیں اور جلووں کے حصول کا سلسلہ بھی اسی طرح ہمہ رنگ ہے۔ انسان خلوص کے ساتھ دین کے فرائض کا خیال رکھتے ہوئے اگر اس کی راہ پر گامزن ہو جائے تو کسی نہ کسی شکل میں' کسی نہ کسی صورت میں اس بے صورت کا جلوہ مل جائے گا۔

حضرت علیؑ کا قول ہے کہ اگر چمگادڑ کی زندگی پر ہی غور کیا جائے تو عرفان حقیقت ممکن ہی نہیں' آسان بھی ہو سکتا ہے۔ ہمارے مرتبے اور ہمارا غرور اور لالچ اور کینہ اور بغض اور غصہ اور نفس پرستی اور نمائش اور آلائش ہی ہمارے راستے کی رکاوٹیں ہیں۔

یہ دنیا اس دنیا کیلئے بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ ہم صرف اس بات کے جواب دہ ہیں' جس سے ہم گزر رہے ہیں۔ ہم آسمان کے ستاروں کی چالوں کے بارے میں کبھی جواب دہ نہیں بنائے جائیں گے۔ ہم سے پوچھا جائے گا' ہمارے اعمال کے بارے میں۔ ہم سے پوچھا جائے گا' ہمارے معاملات کے بارے میں۔ ہم سے پوچھا جائے گا' ان امانتوں کے بارے میں جن کے ہم امین تھے۔ ہم سے پوچھا جائے گا ان حقوق کے بارے میں جو ہم نے ادا کرنا ہیں۔ ان فرائض کے بارے میں جو ہمیں ادا کرنا چاہئے تھے۔

ہم سے اسی حد میں سوال ہوں گے جو ہماری حد تھی۔ ایک اپاہج انسان سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ اس کے دوڑنے کی رفتار کیا تھی۔ صاحبان دل سے دل کی بات ہوگی' صاحبان فکر سے فکر کی بات ہوگی۔ جس آدمی کو قلم کی طاقت عطا کی گئی' اس سے یہ پوچھا جائے گا کہ اس نے اپنی تحریر کس سمت میں استعمال کی۔ الفاظ کی نشست و برخاست اتنی اہم نہیں جتنے الفاظ کے مدعا اور معانی۔ تحریر گویائی کی طرح ایک عظیم عطیہ ہے' قدرت کا اور اس کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ کتابوں میں لوگوں کو نفسانی آرزوؤں کے بارے میں برانگیخت کرنے والے مصنفین جواب دہ ہوں گے اور پھر انہیں افسوس ہوگا کہ انہوں نے تقدس الفاظ کو پامال کیا اور حرمت تحریر کو قائم نہ رکھا۔ الفاظ سے گمراہ کرنے والے عذاب کے مستحق قرار دیئے جائیں۔ وہ لوگ جو لذت خطابت میں آکر لوگوں کو غلط راہ پر ڈال دیتے ہیں' اپنے لئے مصیبت مرتب کر رہے ہیں۔ اسی طرح سرمایہ دار اپنے مال کو جمع کرنے میں اور اسے گننے میں وقت گزار کر اپنے لئے جو بربادی لکھ رہے ہیں' وہ آخرت میں ظاہر ہو کر رہے گی۔ دوسروں کا حق غصب کرنے والے' خواہ دنیا میں ان کا کوئی گواہ نہ ہو' آخرت میں ظاہر کر دیئے جائیں گے۔ آخرت ہوتا ہی وہ وقت ہے جب چھپا ہوا ظاہر ہو جائے اور وہ وقت بہت دور نہیں۔

ایک آشنا کو دوسرے آشنا سے آشنائی حاصل ہونا ضروری بھی نہیں۔ ایک صاحب تعلق کو دوسرے صاحب تعلق کے ساتھ تعلق حاصل ہونا لازمی نہیں۔ ایک صاحب اسرار کا دوسرے صاحب اسرار سے ہمراز ہونا قطعاً ضروری نہیں' کیونکہ اس کے جلوے ہمہ رنگ ہیں اور یہ سارا نیرنگ اسی کے رنگ سے ہے اور وہ جلوہ ہفت رنگ بے رنگ جلووں میں بھی نمایاں ہے۔ کسی کو کسی کی خبر نہ ہونے کے باوجود سارے ہی باخبر ہو سکتے ہیں اور یہ بات ذرا مشکل بات ہے۔

اگر ہم تاریخ عالم پر غور کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ ایک پیغمبر کی زندگی دوسرے پیغمبر کی زندگی سے مختلف بھی رہی ہے۔ کہیں کوئی صاحب تعلق لوہے کا کام کرتا ہے اور کسی کو گلہ بانی کا شوق ہوا۔ کسی کو طب اور

www.iqbalkalmati.blogspot.com

حکمت عطا ہوئی اور کسی کو بیماری کا تحفہ ملا۔ کسی نے ساری زندگی میں بہت مختصر بیان دیا اور کسی نے فصاحت کے جلوے دکھائے۔ حضرت یوسفؑ کو دعوت گناہ ملی تو آپ نے فرمایا کہ میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ یہ اسی کا ڈر ہے' حالانکہ ان سات پردوں میں بند کواڑوں کے پیچھے ترغیب گناہ کی موجودگی میں گناہ مشکل کام نہیں لیکن اس اللہ پر بھروسہ ہے جو پردوں میں دیکھتا ہے' جو خاموشی کی زبان سنتا ہے' جو دور رہ کر بھی قریب ہوتا ہے' جو ادراک سے پرے ہو کر شہ رگ سے قریب ہے۔ یہی نبی کی شان تھی اور یہی نبی کا عمل ہوا۔

اب غور طلب بات یہ ہے کہ ہر صاحب تعلق کو الگ الگ زندگی کیوں عطا ہوئی؟ اس لئے کہ رازق مطلق نے انسانوں کو حصول رزق کیلئے الگ الگ پیشوں میں رکھا۔ جہاں دولت سے نقصان پہنچنے کا امکان تھا' وہاں امیروں کو ضرورت سے زیادہ پیسہ رکھنے سے منع کیا گیا۔ جہاں قومیں تلاش معاش میں گمراہ ہونے لگیں' ان کو پیغمبر عطا کئے گئے۔ انہوں نے ان کی صف بندی کی۔ انہیں ہدایت کے قریب لانے کی کوشش کی۔ آخری نبی ﷺ کے آنے کے بعد مسلمانوں پر مراحل آسان کر دیئے گئے کہ وہ شریعت کی پابندی کریں' معاملات کی اصلاح کریں اور ایک جامع تنظیم کے ماتحت امور مملکت چلائیں۔ جذبہ جہاد زندہ رکھیں۔

حکمرانوں کو حکومت امانت کے طور پر عطا کی گئی۔ یہ کسی کی ذاتی طاقت کیلئے نہیں' یہ غریبوں کی سہولت کیلئے ہیں۔ غریبوں کے حقوق ادا کریں اور ان کی حقوق کی نگہداشت کریں۔ حاکم امین ہوتا ہے اور محکوم اطاعت شعار۔ دونوں خدا کے قریب ہیں بشرطیکہ دونوں خدا کے قریب ہوں۔ اگر غریبی سکون میں نہیں اور غریبی کے باوجود غریب پر یقین کی دولت نازل نہیں ہوتی' تو وہ غریبی عذاب ہے۔ دنیاوی مال بھی نہ ملا اور سکون قلب کی دولت بھی نہ ملی۔ خدا پر بھروسہ بھی کیا' اپنے مستقبل سے بھی مایوسی ہوئی۔ باغی غریب دوہرے عذاب میں ہوتا ہے۔

اسی طرح وہ امیر جو دولت کو باعث افتخار سمجھتا ہے' اس فرعون کی طرح ہے جس کو لعین کہا گیا۔ لوگوں کا رب بن بیٹھنا فرعونیت ہے اور وہ لوگ جو لوگوں کے خیر خواہ بن جاتے ہیں اور ان کو دین سے دور لے جا کر بغاوت پر اکساتے ہیں' ان کیلئے بھی اچھی خبر نہیں ہے۔

اہمیت دولت اور حکومت میں نہیں' اہمیت ذات پات میں نہیں' اہمیت انگلش اور اردو تعلیم میں نہیں اہمیت قبیلوں اور شاخوں میں نہیں' اہمیت رنگ و روپ میں نہیں' کالے گورے میں نہیں۔ اہمیت صرف اور صرف پرہیزگاری میں ہے۔ جو تقویٰ میں قریب' وہ بہرحال قریب۔ امیر ہے تب قریب' غریب ہے تب قریب' حاکم ہے تو قریب' محکوم ہے تو قریب۔ بشرطیکہ تقویٰ ہو۔ اس لئے ہم تاریخ میں دیکھتے ہیں کہ ایسے لوگ بھی آئے جو فقیر تھے اور سر پر تاج تھا۔ ایسے محرم راز بھی آئے جن کے پاس یاد الٰہی تھی اور فاقہ تھا۔ ایسے لوگ بھی آئے جو اللہ کی راہ میں اپنا سب کچھ نثار کرتے رہے۔ جو اپنا قرضہ ادا کر کے گئے۔ ان لوگوں کا مقام بلند و بالا ہے۔ انہوں نے اپنے خون سے کربلائیں سیراب کیں۔ انہوں نے کسمپرسیوں میں نبی ﷺ کی ذات پر سلام بھیجا۔ سلام تو وہ ہے کہ "اے بادِ صبا! آج خراماں خراماں چلو' آج ارض حرم میں جاؤ اور زین العابدینؓ کا اس روضے پر سلام کہو جس میں نبی محترم ﷺ ہیں۔" سلام کا یہ انداز بس انہی کا حصہ ہے۔ ان لوگوں کی قربانیاں حصول

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ولایت کیلئے نہیں تھیں، وہ تسلیم و رضا کے لوگ تسلیم و رضا ہی کیلئے رہے اور تسلیم و رضا ہی کیلئے رخصت ہوئے۔

اس دنیا میں حق کا سفر کتنا آسان ہے' اس کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ بس صرف حق کو باطل کا لباس نہیں پہنانا اور جہاں حق بات کرنے کا وقت آ جائے وہاں حق بات کو چھپانا نہیں' جو چیز اپنے لئے پسند کرتے ہو' وہی تمہارے بھائی کی ضرورت ہے۔ اسے دو اور بھائی کو تکلیف میں چھوڑ کر راحت کدے آباد کرنے والے اندازہ لگائیں' اس آدمی کی نادانیوں کا جو اپنے بھائیوں کو دوزخ میں پہنچا کر جنت میں جشن منانا چاہتا ہے۔

ایسی جنت سے تو بہتر تھا کہ وہ بھائیوں کے پاس ہی رہتے یا انہیں اپنے پاس بلاتے۔ اللہ اپنے حبیب ﷺ کی امت پر عذاب تو نہیں ڈالے گا لیکن درجات حاصل کرنے کیلئے ضروری ہے کہ ہر آدمی اس بات کا خیال رکھے کہ حضور اکرم ﷺ کی امت کا کوئی فرد پریشان نہ رہے۔ انسانوں کو خوش کرنے کی بجائے اپنے مولا کو خوش کیا جائے۔ صداقت فکر کا ہونا ضروری ہے۔ صداقت عمل کیلئے۔ ہر انسان اپنے اپنے ماحول میں صادق ہو جائے تو حق کا جلوہ صداقت کے روپ میں ہر طرف جلوہ گر ہو جائے گا۔ کچھ کمی ہم ہی میں ہے' ورنہ وہ جلوہ تو قدم قدم مظہر اور عیاں ہے۔

تکلیف دینا چھوڑ دو۔ بخش دو سب کو۔ اپنی بخشش طلب کرو۔ اس کو پانے کے ایک دین میں ہزاروں انداز ہو سکتے ہیں۔ ادب شرط ہے۔ توبہ کر لی جائے تو ایک اچھے وقت کا آغاز ہو سکتا ہے۔ عمر سو کے گزاری ہے' اب بقیہ کم از کم بیدار رہنے کی تمنا میں گزاری جائے کہ اگر صرف باوضو ہو کر انسان سو رہے تو نیند کا عرصہ بھی عبادت گنا جائے گا۔ اس کی تلاش میں پہلا قدم ہی آخری قدم ہے۔ کعبے کا ایک نام انسان کی پیشانی بھی ہے اور خدا کا ایک نام عاجز مسکین کا آنسو بھی ہے۔ بے بس کی آنکھ سے ٹپکنے والا آنسو کتنی عبادتوں سے فوقیت لے جاتا ہے۔ اپنا خدا اپنی ایمانداری سے آپ حاصل کرو۔ اپنے مالک کو اپنی صداقت سے اپنے دل میں پاؤ۔ اس نے کہہ دیا کہ میں تمہاری سانسوں میں ہوں۔ تم جہاں ہو میں وہاں ہوں۔ اپنے آئینے میں جھانکو یعنی اپنے دل میں جھانکو' میں وہاں ہوں گا اور جس طرح آئینے کے سامنے جانے سے یہ معلوم ہوگا کہ جب ہم سامنے ہوں تو وہ عکس بن کر سامنے آ جاتا ہے' ہم آگے ہوں وہ آگے آ جاتا ہے' ہم پیچھے ہٹ جائیں وہ پیچھے ہٹ جاتا ہے' ہم سامنے سے ہٹ جائیں تو وہ سامنے نہیں رہتا۔ اب یہاں یہ غور طلب بات ہے کہ جب ہم اس کے قریب ہوتے ہیں وہ اور قریب ہوتا ہے۔ ہم کیوں نہ اس کے قریب تر ہو جائیں۔ اس مقام پر ذاکر اور مذکور' ذکر میں اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ دونوں قریب اور دونوں جدا۔ وہ کہاں اور ہم کہاں۔ یہی مقام ہے اس کو پانے کا۔

اس کی یاد میں اپنے آپ کو بھول جاؤ۔ اس کی تلاش میں اردگرد سے بے نیاز ہو جاؤ۔ اس کے حصول کی راہ میں کسی دشواری کو دشوار نہ کہو۔ وہ دور ہے لیکن وہ بڑا قریب ہے۔ بس ایسے ہی جیسے سورج' جو بہت دور ہے۔ لیکن دھوپ ہمارے بہت قریب ہے۔ اس کا جلوہ ہی تو درکار ہے۔ ذات سے ذات کا وصال امکان سے باہر ہے۔ جلوے سے تلاش کا وصال ہو سکتا ہے۔ تم تلاش بنتے جاؤ۔ جلوہ خود ہی حاصل تلاش بن جائے گا۔

☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

عدل

حق والے کو اس کا صحیح حق مل جانا ہی عدل ہے۔ مجرم کو اس کے جرم کے مطابق سزا مل جائے تو عدل قائم ہو جاتا ہے۔ کسی ترازو تولنے والے کو غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ دونوں پلڑے کس طرح ہم وزن کئے جاتے ہیں۔ اسی ہم وزن کرنے کو عدل کرنا کہتے ہیں۔ ترازو کو ڈنڈی نہ مارنا چاہئے۔ کم تولنا' کم وزن کے اوزان استعمال کرنا' عدل نہیں ظلم ہے۔ ملاوٹ کرکے وزن برابر کر دینا بھی اسی ظلم کا حصہ ہے۔

عدل کا میدان بڑا وسیع ہے۔ یہ انسان کی تنہائی سے شروع ہو کر میدان حشر تک پھیلا ہوا ہے۔ جو شخص اپنی تنہائی سے عدل نہیں کرتا' وہ زندگی میں کیا عدل کرے گا۔ یعنی خیال عادل نہ ہو تو عمل عادل نہیں ہو سکتا' کبھی نہیں۔ ظاہر و باطن میں فرق رکھنے والا ہی ظالم ہے۔ ایک سے زیادہ زندگیاں گزارنے والا عادل نہیں ہو سکتا۔ عادل ہمہ حال عادل ہے۔ اس کی بات عدالت' اس کی خاموشی عدالت' اس کی گواہی عدالت' اس کے فیصلے عدالت' اس کی زندگی عدالت اور اس کی موت بھی ایک بہت بڑی عدالت۔

حکم ہے کہ میزان کو ڈنڈی نہ مارو۔ حق کو باطل کا لباس نہ پہناؤ۔ حق بات کا برملا اظہار کرنے سے قطعاً نہ ہچکچاؤ۔ حق حق ہے' اسے بیان ہونا چاہئے۔ حق پر پردہ ڈالنے والے کب تک کتمان کریں گے۔ آخر سورج نے نکل آنا ہے۔ زمین میں چھپے ہوئے راز تک ظاہر ہو جائیں گے۔ نگلا ہوا اگلنا پڑے گا۔ یہ امانت گاہ ہے' یہاں سے صرف عادل ہو کر گزرنا ہے۔ سچ کو سچ کہو اور جھوٹ کو جھوٹ۔ دودھ کو دودھ اور پانی کو پانی۔ دن کو دن' رات کو رات۔ سچ اور جھوٹ کو ملا کر بولنے والا' بڑے دروازوں اور خوبصورت مکانوں کے اندر عذاب کی زندگی بسر کرتا ہے۔ لوگ اسے خوش سمجھتے ہیں اور وہ جانتا ہے کہ خوشی نام کی کوئی چیز اس کے پاس نہیں آ سکتی۔ البتہ وہ شعور ضبط غم کو خوشی کہہ کر اپنے آپ کو دھوکہ دے سکتا ہے۔

عدل کرنا صرف خوف خدا اور فضل خدا سے ممکن ہے۔ ورنہ یہ ایک بہت ہی مشکل کام ہے۔ عادلانہ زندگی ہی پل صراط ہے۔ عادل بننے کیلئے یہ بنیادی شرط ہے کہ انسان پہلے یہ سوچے کہ کونسا دین عدل و مساوات کیلئے صحیح ماحول پیدا کرتا ہے۔

یہ سوال ہے جس کا جواب عدل کی دنیا میں داخل ہونے سے پہلے دریافت کرنا پڑتا ہے اور جس نے اس سوال کا جواب غلط دیا وہ عادل نہیں ہوتا۔ ایک کافر اگر صحیح لین دین کرتا ہوا پایا جائے تو اسے عادل سمجھنے سے پہلے سوچنا چاہئے اور سوچنے کے بعد اسی نتیجہ پر پہنچا جائے گا کہ وہ عادل نہیں ہو سکتا۔ عمل سے پہلے خیال کا عادل ہونا بھی ضروری ہے۔ اگر خیال عادل ہو اور عمل نہ ہو تو ایسا شخص سند نہیں ہو سکتا۔ اسے عادل نہیں کہا جا سکتا۔ سیرت پر کتابیں لکھنے والے غیر مسلم کبھی عادل نہیں کہلا سکتے۔ عادل علم و عمل کا عادل ہے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

عدل انسان کی زندگی کے ہر حصے میں کام آتا ہے' ضروری ہے۔ عدل انسانی وجود کے استعمال میں توازن کا نام ہے۔ ایک حصہ دوسرے حصوں کو کھاتا چلا جائے تو عدل نہ ہوا۔ وجود کو موجود رہنا چاہئے لیکن عدل کے ساتھ۔

انسان کیلئے یہ قابل غور بات ہے کہ اس کے خیال کا کیا عدل ہے۔ عمل نیت سے پہچانا جاتا ہے۔ لیکن نیت عمل کرنے والے کو معلوم ہے۔ اگر عمل سے نیت کو پہچانا جاتا تو آج کچھ بھی نہ پہچانا جا سکتا۔ کچھ لوگوں کو دعویٰ ہو سکتا ہے کہ وہ عمل سے نیت کو پہچان سکتے ہیں۔ اسی بے بنیاد دعویٰ کی قطعی نفی کیلئے تو ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ اعمال نیت سے ہیں۔

خیال کی اصل پہچان تو خیال دینے والے کو ہو سکتی ہے۔ خیال کی تخلیق وہی ذات فرماتی ہے جو انسان کو پیدا کرتی ہے۔ خیال انسانوں کی طرح پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ اچھے' برے' لیکن تربیت اور نصیب سے یہ ممکن ہے کہ ہم اچھے خیال حاصل کریں اور ان کو عمل کی تقویت دے کر ان کے ساتھ اور اپنے ساتھ عدل کریں۔ عادل کیلئے اپنے خیال کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ وہ اپنے دل کے دروازے پر دربان بن کر بیٹھ جائے تاکہ خیالات کے آنے اور جانے کا علم ہو اور یہی عدل کا تقاضا ہے۔

اپنی پاکیزہ لائبریری میں غیر پاکیزہ کتاب کا نہ رکھنا ہی عدل ہے اور دوستوں کی فہرست میں کوئی ایسا نام نہ آئے پائے جو کسی طرح بھی عدل کی راہ میں رکاوٹ بن سکنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ خیال کے عادل کیلئے ضروری ہے کہ وہ نگاہ کا عادل بھی ہو۔ اس شخص کی نظر عادل ہو سکتی ہے جو حقوق اور حدود سے آشنا ہو۔ اسے معلوم ہونا چاہئے کہ اپنا کیا ہے اور پرایا کیا ہے۔ اس کے پاس پہچان ہونی چاہئے کہ جو چیزیں گھر میں استعمال ہو رہی ہیں وہ کہیں دفتر کی تو نہیں۔ جو پیسہ وہ استعمال کر رہا ہے وہ کسی دوسرے انسان سے غلط بیانی کر کے تو حاصل نہیں کیا گیا۔ نگاہ کا عدل بڑا قوی ہے۔ نگاہ کا عادل وہ ہے جسے دوسرے کی بیٹی میں اپنی بیٹی نظر آئے اور جسے اپنے حق سے زیادہ لینے والے بیٹے سے پہلے دوسروں کے حق سے محروم بیٹوں کا خیال آئے۔ صاحبان اقتدار کیلئے نگاہ کا انصاف بہت مشکل ہے اور اگر کہیں نگاہ عادل ہو جائے تو بس پھر بیڑہ ہی پار ہو جائے۔

زبان کا عدل بھی بہت ضروری ہے۔ ہم کیا کہہ رہے ہیں' کیوں کہہ رہے ہیں' کس کے بارے میں کہہ رہے ہیں' کس سے کہہ رہے ہیں یہ جاننا ضروری ہے۔ کلام کے پیچھے کلیم کی شخصیت ہوتی ہے۔ اللہ کا کلام کسی اور کے کلام کے مقابلہ میں اتنا ہی بڑا ہے جتنا اللہ تعالیٰ خود۔ اسی طرح پیغمبر ﷺ کی بات کو باتوں کا پیغمبر سمجھو۔ عدل یہ ہے کہ کلام کو کلیم کی عظمتوں کے حوالے سے سمجھو' ورنہ یہ تو عام مشاہدہ ہے کہ میٹھی زبانوں میں تقریر کرنے والے سماجی زندگی کی شریانوں میں زہر گھول رہے ہیں۔ عجیب بات ہے کہ لوگ سیاست میں معمولی مقام حاصل کرنے کیلئے قرآن بولتے ہیں' حدیث بولتے ہیں' اقبالؒ اور رومؒ بولتے ہیں' فصاحت و بلاغت بولتے ہیں اور مقصد ووٹ۔ عدل کیا ہے' قابل غور ہے۔

فصیح البیان نظر آنے والا مرتبے کا لالچی انسان دراصل فصیح البیان نہیں۔ یہ آدمی عادل نہیں۔ یہ

www.iqbalkalmati.blogspot.com

دوسروں کے مضامین یاد کر کے اپنے بنا کر پیش کرتا ہے اور یہی بات عدل کے خلاف ہے۔ اس سے زیادہ عدل دشمنی کیا ہو سکتی ہے کہ ایک آدمی دوسروں کے لکھے ہوئے الفاظ اپنی کتاب' اپنے ڈرامے اور اپنی تقریر میں ایسے استعمال کرتا ہے جیسے یہ اس کا پیدائشی حق ہے یا جیسے وہ چوری نہیں کر رہا' عزت افزائی کر رہا ہے۔ تعلق کی اور بات ہے۔ اپنوں کی چیزیں اپنی ہی ہوتی ہیں۔

بہر حال ہمیشہ سچ بولنے والی زبان ہی مشکل کے لمحات میں سچ بولے گی۔ ہمیشہ عدل کرنے والے' گفتگو میں عدل قائم رکھنے والے' اپنے فیصلوں میں ضرور عدل کریں گے۔ کسی منصف کیلئے عدل فیصلے کا نام نہیں' عدل زندگی کا نام ہے۔ اس کی زبان ہمیشہ عدل بولتی ہے' گھر ہو یا عدالت' وہ ضرور عدل کرتا ہے۔

اگر سیاست میں عدل آ جائے تو یہ ملک کہاں سے کہاں ترقی کر جائے۔ سیاسی بزرگ' عدل کے بزرگ نہیں ہوتے۔ سیاست میں سب کچھ جائز ہے اور یہی بات عدل میں ناجائز ہے۔ ہم اپنے نظام عدل کو خدائی نظام عدل کے مطابق بنائیں نہ کہ خدائی نظام عدل کو اپنے تقاضوں کے مطابق۔

عدل اور میزان کا صحیح میدان تو میدان حشر ہی ہوگا۔ لیکن اس میدان میں اترنے سے پہلے ایک نکتہ قابل غور ہے۔ ادب کا حکم دینے والی ذات ادب کے علاوہ بھی مسائل کے حل کا ایک انداز عطا فرماتی ہے۔ عدل کرو' بڑی اچھی بات ہے لیکن اگر فضل کرو تو بہت ہی اچھا۔ اللہ ہی کا ارشاد ہے کہ ''میری رحمت میرے غضب سے زیادہ وسیع ہے۔'' غضب تو یہ ہے کہ انسان کو اس کے عمل کی عبرت کے حوالے کر دیا جائے۔ لیکن فضل کہتا ہے کہ اسے معاف کر دیا جائے۔ رحمت ہوتی ہی ہے اعمال کی عبرت سے بچانے کیلئے۔ اگر اعمال کے ساتھ صرف انصاف ہی ہونا ہے تو پھر رحمت کیا ہے۔ انصاف یہ ہے کہ جب معاشرہ باغی اور مجرم ہو جائے تو اسے تباہ کر دیا جاتا ہے۔ پرانی امتیں اسی طرح نیست و نابود ہو گئیں۔ کسی کو آواز نے آلیا' کوئی آندھی کی زد میں آ گیا' کسی کو رعد' کسی کو برق کا عذاب دیا گیا' کسی کو زمین نگل گئی اور کسی کو آسمان کھا گیا۔ لیکن عرب کا معاشرہ اسلام سے قبل تمام خامیوں کے باوجود تباہ نہیں کیا گیا۔ اللہ مالک ہے عدل کا' فضل کا۔ اس نے خیال کیا چلو اس معاشرے پر رحم بھیج دیا جائے بلکہ ان پر رحمت اللعالمین ﷺ کو بھیج دیا جائے۔ پس وہ معتوب معاشرہ مقبول معاشرہ بنا دیا گیا' بلکہ کائنات کا افضل ترین معاشرہ۔

ہمارے قانون میں مجرم کیلئے سزا رکھی گئی ہے۔ یہی عدل کا تقاضا ہے۔ لیکن مذہب نے گنہگار کیلئے استغفار کا موڑ رکھا ہوا ہے۔ کوئی خوش نصیب چاہے تو توبہ کر کے واپس لوٹ سکتا ہے۔ یہی ہے فضل کا اظہار' رحمت کی دلیل' اور انسان کی خوش نصیبی کے امکانات۔ ہر خطرہ خطرناک نہیں ہوتا۔ ہر سانپ ڈستا نہیں ہے۔ خطرات کے باوجود زندگی کو امن و امان سے چلانے والے نے فضل اور رحم کے لنگر جاری رکھے ہیں۔ اپنی نیک اعمالیوں پر ناز نہیں کرنا چاہیے اس سے عدل کی بجائے فضل مانگتے رہنا چاہئے کیونکہ وہ بقول میاں محمدؒ

عدل ''کرے'' تے تھر تھر کنبن اچیاں شاناں والے
فضل ''کرے'' تے بخشے جاون میں جئے منہ کالے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

یعنی اگر اللہ عدل کرے تو بڑے بڑے جہاندار اور جہانگیر لوگ اس کے آگے کانپتے رہیں گے اور وہ فضل کرے تو شاعر جیسا بداعمال بھی بخشش سے مالا مال کر دیا جائے گا۔

عدل کرنا چاہئے۔ فضل ہونا چاہئے۔ غصہ ختم ہونا چاہئے۔ جرم کی معافی ہونی چاہئے۔ ہمارا سارا سلوک لوگوں کے ساتھ ہی تو ہے۔ نیکی بدی سب لوگوں کے ساتھ' گناہ ثواب لوگوں کے ساتھ۔ لوگوں کے ساتھ ہمارا سلوک ہی اللہ سے سلوک ہے۔ یہاں عدل کرو' وہاں عدل مل جائے گا اور یہاں فضل کرو گے تو وہاں فضل ملے گا۔ بس رحم کرنا ہی رحم حاصل کرنا ہے۔ رحم کر کے رحم حاصل کر لینا چاہئے۔ عدل' فضل کے تابع ہونا چاہئے۔ اس میں تیغ پا ہونے کی کوئی بات نہیں۔

☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

حقوق

کسی انسان کا کسی انسان پر یا سماج پر یا ملک وقوم پر کتنا حق ہے' اس کیلئے کوئی قانون نہ بھی ہو تب بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ جس شے کی جتنی افادیت ہوگی اتنی ہی قیمت ہوگی۔ اتنا ہی حق ہوگا۔

حقوق کا تعین' حقوق کا احترام اور حقوق کی ادائیگی کو توازن کہتے ہیں۔ حقوق کی حفاظت میزان ہے۔ حقوق کا لحاظ کرنے والا معاشرہ ایک متوازن اور فلاحی معاشرہ کہلاتا ہے۔

زندگی حقوق سے باہر نکل جائے تو سرکش و باغی ہو جاتی ہے۔ اس کی تمام قدریں پامال ہو کر رہ جاتی ہیں۔ اس کا تمام جمال ختم ہو جاتا ہے۔ اگر زندگی حقوق سے محروم ہو جائے تو ایک بے بس' محکوم شے بن کے رہ جاتی ہے۔

کامیاب معاشرہ وہی ہے کہ چپکے سے فرائض ادا ہوتے رہیں اور چپکے سے ہی حقوق ادا ہوتے رہیں۔ جس دور میں انسان کو حقوق کے حصول کیلئے جہاد کرنا پڑے' اسے جبر کا دور کہتے ہیں اور اگر حقوق کے حصول کیلئے صرف دعا کا سہارا ہی باقی رہ جائے تو اسے ظلم کا زمانہ کہتے ہیں اور وہ زمانہ جس میں کچھ لوگ حق سے محروم ہوں اور کچھ لوگ حق سے زیادہ حاصل کریں' اسے افراتفری کا زمانہ کہتے ہیں۔ جہاں ہر شے' ہر جنس' ایک ہی دام فروخت ہونے لگے اسے اندھیر نگری کہا جائے گا۔

حقوق اور اہمیت کا لحاظ ہی معاشروں کو ترقی کی منازل عطا کرتا ہے۔ ایک دوسرے کے حقوق کے احترام سے ہی سماج میں قیام پیدا ہوتا ہے۔ دوسروں کے حقوق کا احترام کئے بغیر اگر ان پر اختیار جتایا جائے تو ممکن ہے کچھ عرصہ کے بعد جتانے کیلئے اختیار ہی نہ رہے۔ حقوق کی ادائیگی محبت پیدا کرتی ہے اور حقوق کی پامالی نفرت۔ محبت اطاعت پیدا کرتی ہے اور نفرت بغاوت۔ طاقتور حقوق ادا کرتا رہے تو طاقتور ہی رہے گا۔ حقوق نہ ادا کرنے والا ظالم کہلائے گا اور ظالم سے طاقت چھن جائے گی۔ یہ قدرت کا اصول ہے۔

انسان پر ایک زندگی میں کئی حقوق واجب الادا ہیں۔ تفصیل بیان کرنا ناممکن ہے۔ سب سے زیادہ اہم تین قسم کے حقوق ہیں یعنی سماج کے حقوق اپنی ذات کے حقوق اور اپنے خالق کے حقوق۔ سماج کے حقوق میں قوم کے حقوق' ملک کے حقوق' حکومت کے حقوق' پاس رہنے والوں کے حقوق اور ان لوگوں کے حقوق جہاں انسان مؤثر ہوتا ہے۔ قوم کے حقوق میں سب سے مقدم حق یہ ہے کہ ہم قوم کو قوموں کی برادری میں معزز مقام دلانے کیلئے سعی کریں۔ قومیں افراد کی محنت سے سربلند ہوتی ہیں۔ ہم اپنے مفاد کو قوم کے مفاد پر قربان کرنا سیکھ لیں تو قوم ترقی کرنا شروع کر دے گی۔ اگر افراد قومی منفعت کو ذاتی مفادات پر نثار کرتے ہیں تو نتیجہ مناسب نہیں ہوسکتا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہم لوگ قبیلے' ذاتیں' فرقے اور صوبائی اور مذہبی عصبیتیں ترک کر کے ایک قوم بنے ہیں۔ اگر پھر عصبیتیں لوٹ آئیں تو قوم ختم ہو جائے گی۔ ہم جب پاکستانی ہیں تو یہ ذات کیا اور وہ ذات کیا۔ سندھی' بلوچی' پٹھان' پنجابی۔ کیا معنی۔ ہماری قومی شناخت پاکستان کے دم سے ہے۔ ہم پاکستانی ہیں۔ ہمیں پاکستانی ہی رہنا چاہئے۔ یہ قوم کا حق ہے کہ ہم انفرادی تشخص کی بجائے اجتماعی تشخص کے حصول کیلئے کوشاں رہیں۔

ہم پر ملک کے حقوق ادا کرنا ضروری ہے۔ ہم وطن پرست رہیں۔ ہم مفاد وطن عزیز رکھیں۔ ہم وطن کی آبرو پر آنچ نہ آنے دیں۔ ہم ملکی وحدت اور سلامتی کا خیال رکھیں۔ ہم سب ملک کے محافظ ہیں۔ ہم ہی ملک کا سرمایہ ہیں۔ ملک نے ہمیں ایک قوم بنایا۔ ایک وحدت بنایا۔ اس ملک کے حصول کیلئے بڑا خون قربان کیا گیا۔ بڑے کٹھن مراحل سے قافلہ گزرا ہے۔ بڑے مشکل زمانے آئے ہیں' اس قوم پر۔ بڑے طوفانوں سے گزرا ہے' ہمارا ملک' ہمارے چھوٹے سے سفر میں ایک بڑا سا حادثہ بھی رونما ہو چکا ہے۔ ابھی ہم اپنے ملک کے حقوق کا مکمل خیال نہیں رکھتے۔ چھن جانے کے بعد بہشت کی قدر ہوتی ہے۔ کہیں خدانخواستہ یہ ملک' ہمیں نامنظور نہ کر دے۔ ابھی وقت ہے۔ ملک کے حقوق ادا کرنا ضروری ہے۔ ہمیں گھر کی بات گھر تک رکھنا چاہئے۔ ہم اس ملک کے امین ہیں۔ یہ ملک ہمارا محافظ ہے۔ ملک سلامت ہے تو ہم سلامت ہیں۔ یہ نہیں تو ہم کہاں......؟

ملکی زندگی میں ہر شخص کو شامل کیا جائے۔ ہر شخص کی زندگی میں ملک کو شامل کیا جائے۔ حقوق ادا ہو جائیں گے۔ ہمارے ذاتی اختلافات ملک کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔ ہماری ذاتی انا ملک کے مفاد میں نہیں۔

ملک حکومتوں کی ذمہ داری ہوتے ہیں۔ لیکن عوام کے بغیر ملک صرف جغرافیہ ہی تو ہے۔ صرف مٹی۔ حکومت اور عوام مل کر وطن کی تعمیر کریں تو ترقی ہو گی۔

عوام کا حق ہے کہ انہیں پرسکون زندگی ملے۔ ان کی نیندیں پرسکون ہوں۔ دن پرسکون' راتیں پرسکون' سرحدیں محفوظ' جان و مال محفوظ' مستقبل و حال محفوظ' غرضیکہ زندگی اپنی تمام رعنائیوں سمیت سلامت رہے اور اگر خدانخواستہ ملک پر کوئی افتاد پڑے تو ہر زندگی ملک پر نثار ہونے کیلئے بے قرار ہو۔

انسان پر اس کی اپنی ذات کے بڑے حقوق واجب الادا ہیں۔ اپنے ظاہر کے حقوق' اپنے باطن کے حقوق۔ ظاہر کے حقوق یہ ہیں کہ ہم اپنے آپ کو ایک باعزت شہری بننے کیلئے تیار رکھیں۔ اپنے دور کی رائج تعلیم کا حصول فرض ہے۔ ہمارا ہم پر حق ہے کہ ہم اپنے آپ کو گرد و پیش سے باخبر رکھیں۔ اپنے ماحول سے آگاہ رہیں۔ ہم اپنے مشاہدات و تجربات سے دوسروں کو آگاہ کریں۔ چراغ سے چراغ روشن ہو اور یوں اوہام پرستی سے نجات ملے۔ اپنی شناخت قائم کرنا ہمارا فرض ہے۔ اپنا تشخص قائم کرنا ضروری ہے۔ اپنا لباس' اپنی زبان' اپنا لہجہ' اپنی جلوت و خلوت کا خاص خیال رکھنا ہمارا ہم پر حق ہے۔

ہمارے باطن کے حقوق میں سب سے بڑا حق یہ ہے کہ ہم احساس کی دنیا زندہ رکھیں۔ ہم اپنے دل کو محسوس کرنے والا بنائیں۔ سوچنے والا ذہن اور محسوس کرنے والا دل نصیب والوں کو عطا ہوتے ہیں۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہم اپنے آپ کو اپنے مذہب سے علمی اور عملی طور پر آشنا رکھیں تو حقوق ادا ہوں گے۔ مذہب صرف تعلیم نہیں، مذہب صرف عمل نہیں، مشین کی طرح۔ ہمیں اپنے مذہب کے ساتھ ایک شعوری لگن ہونی چاہئے۔ دین اور دنیا کی فلاح کا حصول ہمارا مدعا ہونا چاہئے۔ ہماری مساجد ہمارے لئے فلاحی مراکز بن جائیں تو ایک خوبصورت انقلاب آ جائے۔

حقوق و فرائض کا خیال رکھنے والا معاشرہ ہمیشہ فلاحی ہوتا ہے۔ اسلام سے بہتر کون سا دین ہو سکتا ہے اور اس کے اصولوں سے زیادہ بہتر کوئی اصول نہیں ہو سکتا۔ اسلامی فلاحی معاشرہ دنیا کے تمام معاشروں سے بہتر ہے۔ اسے قائم کیا جائے۔ اسلامی فلاحی معاشرہ حکم اور جبر سے قائم نہیں ہو سکتا۔ یہ محبت اور شوق سے قائم ہوگا۔ ہم ایک دوسرے کا خیال رکھیں۔ معاشرہ بن جائے گا۔ جب تک انسان اپنی روح کو بیدار نہیں کرتا، وہ کوئی فلاحی کام نہیں کر سکتا۔

ایک روشن روحانی زندگی کا حصول بھی ہم پر فرض ہے۔ یہ ہمارا حق بھی ہے کہ ہم کسی روحانی تجربے سے گزریں اور اگر ممکن نہ ہو تو کم از کم کسی روحانی بزرگ سے آشنائی تو ہونا چاہئے۔ روح زندہ تو انسان زندہ، نہیں تو نہیں۔

انسان کا سوچنا بھی عمل ہے اور محسوس کرنا بھی ایک عمل ہے۔ ایک انسان کسی کھیت، کھلیان، فیکٹری، دفتر میں کام کر رہا ہو، اسے مصروف کہیں گے۔ وہ کام کر رہا ہے۔ ایک کرسی پر خاموشی سے آنکھیں بند کئے سوچنے والا انسان بظاہر بے کار بیٹھا ہے لیکن یہ بہت بڑا کام کر رہا ہے۔ فکر کے سمندروں میں غوطہ لگانے والے، گوہر مراد نکالنے والے لوگ محسنین کہلاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی فکر ہی ان کا عمل ہے۔ صاحب فکر ہونا بھی ہمارا فرض ہے۔ ہمارا یہ حق مقدم ہے کہ ہم خود کو صاحب خیال بنائیں۔ صاحب فکر بنائیں۔ قوم کو نئی منزلوں سے آشنا کرانے والوں کا احترام سب پر فرض ہے۔ ان کا حق یہ ہے کہ ان کی حفاظت کی جائے۔ ان کا خیال رکھا جائے۔

انسان پر سب سے اہم حق خدا کا ہے۔ زندگی دینے والا چاہتا ہے کہ زندگی اس کے بتائے ہوئے راستے پر چلائی جائے۔ وہ چاہتا ہے کہ اس کے محبوب ﷺ کا راستہ ہی محبوب راستہ ہو۔ اللہ کریم انسانی زندگی کو اپنی طرف گامزن دیکھنا چاہتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ انسان اس کی طرف رجوع رکھے۔ اس کی طرف سفر کرے۔ اس کی طرف گامزن رہے۔ خدا سے غافل رہنے والی زندگی حجابات میں کھو جاتی ہے۔ خالق کے خیال کو چھوڑ کر مخلوق کے خیال میں گم ہونے والا انسان دین و دنیا کے خسارے میں رہتا ہے۔ اللہ ہمیں ایک ہمیشہ رہنے والی سرشاری کی طرف دعوت دیتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ ہم اس عارضی زندگی کو ایسے اصولوں کے مطابق بسر کریں کہ ابدی حیات حاصل کر سکیں۔ وہ ہمیں حقیقی خوشی اور سرخوشی سے تعارف کراتا ہے۔ وہ اپنے محبوب ﷺ کی محبت سے نوازتا ہے۔ وہ ہمیں ایک کامیاب زندگی سے تعارف کراتا ہے۔ ہم پر فرض ہے کہ اس کی اطاعت کریں۔ یہ اس کا حق ہے۔ سب حقوق سے مقدم حق، یہ ہمیں ادا کرنا ہے۔ یہ ایک ایسی ادائیگی ہے جس میں کوئی معذوری

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کوئی مجبوری آڑے نہیں آ سکتی۔ یہ وہ فرض ہے جس کے ادا نہ کر سکنے کا کوئی جواز معقول نہیں ہو سکتا۔

اللہ تعالیٰ نے مخلوق میں سے بھی لوگوں کے حقوق کی ادائیگی فرض کر دی ہے۔ مثلاً اللہ نے فرمایا کہ ماں باپ کی اطاعت کرو۔ یہاں تک کہ ان کے آگے اف بھی نہ کہو اور اگر والدین بڑھاپے میں پہنچ جائیں تو ان کیلئے اپنے بازو رحمت وشفقت کے بازو بنا دو اور دعا کرو کہ اے اللہ میرے والدین پر ایسے رحم فرما جیسے انہوں نے بچپن میں مجھ پر رحم فرمایا۔ ماں باپ کی اطاعت حقوق العباد میں شامل ہے۔ لیکن حقوق العباد اللہ ہی کے مقرر کئے ہوئے ہیں۔ یعنی حقوق العباد بھی حقوق اللہ ہی ہیں۔

اللہ نے فرض کر رکھا ہے کہ لوگ اللہ کے محبوب ﷺ کی اطاعت کریں۔ حضور ﷺ کی آواز سے اونچی آواز تک نہ نکالیں۔ حضور ﷺ کے فرمان سے زیادہ معتبر کوئی بات نہیں ہو سکتی۔ حضور ﷺ کے بتائے ہوئے راستے کے علاوہ کوئی بھی راہ اس قابل نہیں کہ اس پر چلا جائے۔

انسان اللہ کے بتائے ہوئے حقوق ادا کرتا چلا جائے تو فلاح یقینی ہے۔ رہا انسان کا اپنا حق' اللہ پر۔ وہ تو انسان نے پیدا ہوتے ہی حاصل کر رکھا ہے۔ اس کے پیدا ہونے سے پہلے خوراک کا انتظام کر دیا گیا تھا۔ اس کی پرورش کرنے کیلئے والدین موجود تھے۔ اس کے استقبال کیلئے پوری دنیا موجود تھی۔ اسے آنکھیں عطا کر دی گئیں اور دیکھنے کیلئے ایک خوبصورت کائنات موجود تھی۔ یہاں تک کہ عبادت کیلئے مسجد تک موجود تھی۔ اس کے باوجود اللہ کا ارشاد کہ اے بندے مانگو تمہیں کیا چاہئے۔ اللہ دعائیں سنتا ہے۔ قبول کرتا ہے۔ اس نے موسموں کو حکم دے رکھا ہے کہ انسان کیلئے مناسب ہوا اور خوراک کا انتظام کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے اطاعت کرنے والے انسان کو اشرف بنا دیا۔ زمین و آسمان مسخر کرنے والا انسان صرف اپنے رب کے سامنے جھکنے کا فرض ادا کرے۔ اسے ہر چیز کو جھکانے کا حق ہے۔ سب کو نگوں کرنے والا اپنے مالک کے سامنے نگوں ہو جائے۔ یہ حق ہے۔ اللہ ہمیں حقوق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

مقصد

ہم کسی ایک زمانے میں کسی آنے والے زمانے کیلئے اپنے لئے ایک مقصد بناتے ہیں تاکہ وہ آنے والا زمانہ آسانی سے گزرے' لیکن جب وہ زمانہ آتا ہے تو محسوس ہوتا ہے بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ زمانہ جسے آنا تھا وہ نہیں آیا بلکہ کچھ اور ہی آ گیا یا وہ گزرا ہوا زمانہ جس میں ہم مقصد بنا رہے تھے وہ اس قابل ہی نہیں تھا کہ ہم نئے زمانے کو پرانے زمانے کی نگاہ سے سمجھ سکتے۔ اس طرح مقصد کا حصول ایک بے معنی کھیل ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس میں کوئی ابہام نہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ عین عالم شباب میں ایک آسان بڑھاپا گزارنے کیلئے ہم محفوظ ترین راستہ یعنی سرکاری ملازمت کا راستہ اختیار کرتے ہیں اور یہ بات دیکھنے میں آتی ہے کہ جب وہ بڑھاپا آتا ہے تو ہمارے ساتھ ہونے والا سلوک وہ نہیں ہوتا جس کی توقع اور انتظار میں ہم نے جوانیاں گزاریں۔ ریٹائرمنٹ کا دور بس ہر لحاظ سے معزولی کا دور ہوتا ہے۔ سرکاری مکان سے ایسے نکال کر پھینک دیا جاتا ہے جیسے ہمارا اس کے ساتھ کبھی کوئی تعلق نہیں تھا۔ سرکاری نظام ایک سنگین ڈسپلن کے طور پر ہمیں کچل کر رکھ دیتا ہے۔ ہمارے اعضاء شل ہو چکے ہوئے ہیں۔ ہماری توانائیاں' رعنائیاں ختم ہو چکی ہوتی ہیں۔ پنشن سے گزر نہیں ہوتی اور ہم ایک تنگ گلی سے گزر کر بند گلی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ نیا مکان بنا نہیں سکتے' پرانے میں رہ نہیں سکتے کیونکہ وہ سرکاری تھا۔ بچوں کے مسائل بدستور حل ہونے والے رہتے ہیں اور ہم سوچنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ ہم نے کیا مقصد بنایا تھا' ہم نے کیا سوچا تھا' ہم نے کیا پایا۔ وہ جو دور سے خوبصورت نظر آ رہا تھا' قریب سے اتنا بھیانک نکلا جیسے ہمارا چاند' دور سے چاندنی دیتا ہے اور قریب جاؤ تو تاریک ہو جاتا ہے۔ عجب بات ہے۔ ایسے جیسے سایہ دار درخت ہمیں دعوت سفر دیں اور جب دھوپ سر پر آ جائے تو وہی درخت آنکھیں چرا لیں اور اپنے پتے چھپا لیں۔ ہم نہ آگے جا سکتے ہیں' نہ پیچھے۔ اب مواقع نہیں ہوتے کہ ہم دوبارہ کوئی مقصد بنا لیں' دوبارہ کوئی نیا راستہ بنا لیں۔ بس امیدیں حسرتیں بن جاتی ہیں۔ سرکاری درجات ہمارے لئے ایک بے مقصد اور بے معنی لفظ ہو کر رہ جاتے ہیں۔ ہماری انا بدستور افسرانہ رہتی ہے اور ہمارے حالات غریبانہ۔ ہم خود کو بدستور عالی مرتبت سمجھتے ہیں' لیکن مرتبے خواب ہو چکے ہوئے ہیں۔

ہم مقصد پر بہت زور دیتے ہیں کہ زندگی کا ایک مقصد ہونا چاہئے' زندگی کا ایک مفہوم ہونا چاہئے اور زندگی کسی ٹارگٹ کی طرف رواں ہونی چاہئے لیکن ٹارگٹ تک پہنچنا اور ٹارگٹ سے وہ سکون حاصل کرنا جس کیلئے ٹارگٹ بنایا ہے' یہ ہمارے بس میں نہیں ہوتا۔ نتیجہ وہی پریشانی...... حیرانی۔

ہم تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ تعلیم حاصل کرنی بھی چاہئے۔ ہم انجینئر بننا چاہتے ہیں۔ ہم ڈاکٹر بننا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جاتے ہیں۔ ہم اور بہت کچھ بننا چاہتے ہیں لیکن جب ہم ایم بی بی ایس کر لیتے ہیں تو ہماری امیدیں بہت وسیع ہوتی ہیں اور ہمارے لئے راستے بہت محدود۔ یہ کیا غضب ہے کہ ایک ڈاکٹر سروس کی تلاش میں اسی طرح سرگرداں پھرتا ہے جیسے انجینئر۔ کہنے والے کہتے ہیں کہ ڈگری لینا تو آسان ہے لیکن نوکری لینا بہت مشکل ہے۔ کہنے والے تو یہاں تک بھی کہتے ہیں کہ نوکری کیلئے رشوت ضروری ہے۔ یعنی پیسہ کمانے کیلئے پیسہ لگانا بہت ضروری ہے اور جس آدمی کے پاس لگانے کیلئے پیسہ نہ ہو اسے مزید کمانے کا حق بھی نہیں اور اس طرح بے شمار ڈاکٹر نفسیاتی مریض ہو کر رہ جاتے ہیں۔ شہروں میں تعلیم حاصل کرنے والے ایسے گاؤں میں تعینات کر دیے جاتے ہیں (اور یہ تعیناتی ایک الگ داستان ہے) جس گاؤں میں سڑک تک نہیں جاتی اور بعض جگہ تو بجلی بھی نہیں ہوتی' وہاں ایئر کنڈیشنر میں رہنے والے ڈاکٹر ہاتھ میں پنکھا لئے اپنے دیہاتی بھائیوں کی خدمت کیلئے بھیج دیے جاتے ہیں اور کچھ عرصے بعد ان میں سے اکثر دماغی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

کہنے والے یہ بھی کہتے ہیں کہ نوکری کیلئے سفارش ضروری ہے۔ غریب ڈاکٹر جس کے ماں باپ نے قرض لے کر اپنی اولاد کو پڑھایا ہو اور ان سے ایم بی بی ایس کرایا ہو وہ ایسی مشکل اور بے بسی کا شکار ہو جاتے ہیں کہ بس خدا کی پناہ۔ ایم بی بی ایس کرنے کے بعد ایک نیا امتحان ضروری ہوتا ہے یعنی پبلک سروس کمیشن...... بس اس کے بعد حاصل کیے ہوئے مقصد کی بے مقصدیت واضح ہونی شروع ہو جاتی ہے۔ فارسیاں بھول جاتی ہیں اور ایم بی بی ایس کا حصول بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔ یہی نہیں' ہر پیشے میں کچھ ایسے ہی واقعات ہوتے ہیں۔ البتہ چند خوش قسمت یعنی خوش تعلق لوگ ایسے بھی ہیں جو کبھی ریٹائر ہی نہیں ہوتے۔ ہر باران بے چاروں کو کوئی نہ کوئی معقول وجہ اپنی سروس جاری رکھنے پر مجبور کر دیتی ہے اور ان کیلئے صرف حال ہی مستقبل کا زمانہ بن جاتا ہے۔ وہ کبھی ریٹائر نہیں ہوتے...... بس اللہ کی مرضی۔

دراصل مقصد بنانا اپنی آزادی کا ایک اعلان ہے کہ ہم جو چاہیں بن سکتے ہیں جو چاہیں کر سکتے ہیں' ہم آزاد ہیں جو چاہیں راستہ اختیار کر سکتے ہیں لیکن راستہ بنانے والوں نے راستے ہی کچھ اس طرح سے بنا رکھے ہوتے ہیں کہ وہ آزاد راستے' پابند منزل تک ہی پہنچتے ہیں۔ انسان کی آزادی صرف انسان کا اپنا احساس ہے...... خوش فہمی ہے یا غلط فہمی۔ ہم بہت کچھ کرتے ہیں' لیکن ہم ایک کام نہیں کر سکتے...... زندگی کو ناگہانی سے نہیں بچا سکتے۔ خوبصورت شہر بنا سکتے ہیں' شفاف سڑکیں بنا سکتے ہیں' کارخانے لگا سکتے ہیں' ملیں چلا سکتے ہیں لیکن ایک بات کہ بڑے بڑے شہروں میں بھی قبرستان کیلئے جگہ مقرر کر دیتے ہیں اور ہمیں وہاں پہنچنا ہوتا ہے نہ جانے کب کس کو بلا لیا جائے اور یوں آزاد مقصد ایک مجبور انجام میں ختم کر دیا جائے۔ قبروں پر کتبے پڑھنے سے عجیب بات دریافت ہوتی ہے کہ لکھا ہوتا ہے کہ جناب چودھری فلک شیر حکیم حاذق' دست شفا اور ساتھ ہی بے شمار ایسے مزار ہوتے ہیں جن پر کوئی کتبہ نہیں ہوتا اور وہ بڑے بڑے آسودہ حال ہوتے ہیں۔ یہ تو کوئی مقصد نہ ہوا کہ حاذق بھی مر جائیں اور مریض بھی مر جائیں۔ دست شفا بھی ختم ہو جائے۔ دست عطا بھی ختم ہو جائے...... اور دست سوال بھی ختم ہو جائے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

مقصد پر اور مقصد کے انتخاب پر اتنے ہنگامے کا کیا فائدہ؟ یہ نظام کسی اور کا۔ یہ پروگرام ہے کسی اور کا اور ہم سمجھتے ہیں کہ ہم پروگرام بنانے والے ہیں۔ ہم خوش رہنا چاہتے ہیں لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ہم ہنستے ہنستے رونے لگ جاتے ہیں۔ ہمارے ساتھ تو کچھ نہیں ہوا...... ہمارے کسی عزیز کے ساتھ کچھ ہو گیا۔ مرا تو وہ...... بس ہمیں غم مل گیا۔ بغیر قصور کے سزا مل گئی۔ مقصد کیا ہے...... ؟ خوشی کیا ہے...... ؟ حاصل کیا ہے...... ؟ محرومی کیا ہے...... ؟ یہ سب کیا ہے...... ؟ ہمیں سوچنا پڑے گا۔

مقصد کا تعین کرنے سے پہلے سوچنا چاہئے کہ ہماری زندگی کس حد تک ہماری اپنی ہے۔ اس میں ہمارا سماج شامل ہے اور ہمارا سماج ہم نہیں ہوتے۔ اس میں ہمارا دین شامل ہے اور ہمارا دین ہم نے نہیں مقرر کیا۔ یہ عطا ہے کسی اور ذات کی۔ ہماری زندگی میں ہماری صلاحیتیں شامل ہیں اور ہماری صلاحیتیں محدود ہیں...... کافی حد تک مسدود ہیں۔ ہم ایک خاص حد سے آگے نہیں جا سکتے۔ ہم نیند کے حصار میں ہیں۔ ہم بھوک کے غلبے میں ہیں۔ ہم مجبوریوں کو دور کرنے میں لگے رہتے ہیں اور مجبوریوں سے نئی مجبوریاں پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ زندگی ریاضی کا ایک سوال نہیں جس کا جواب معلوم ہو سکے۔ یہ معمہ ہے جسے کسی فارمولے میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔

ہم سماج میں مرتبہ چاہتے ہیں لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ صاحبان مرتبہ کا کردار کبھی کبھی وہ نہیں ہوتا جو ہونا چاہئے...... سیاست کا میدان ایک مختلف نوعیت کا ہوتا ہے...... تعلیم کی دنیا ایک الگ مزاج کی دنیا ہے...... کاروباری انداز کسی اور عمل کا متقاضی ہے۔ انسان کیا مقصد بنائے۔ جب ہم مقصد تک پہنچتے ہیں اور ہمیں وہ نتیجہ نہیں ملتا جو دور سے نظر آ رہا تھا تو ہم پریشان ہو جاتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ انجینئر لوگوں کے پاس مال کی فراوانی ہے لیکن قریب جانے پر معلوم ہوتا ہے کہ ان بے چاروں کی تنخواہ تو تھوڑی ہوتی ہے۔ پھر کیا چیز ہے جو ان کو ایک اچھے معیار کی زندگی گزارنے کے قابل بناتی ہے اور وہ کس خفیہ خزانے تک رسائی حاصل کر چکے ہوتے ہیں اور ان کی آمدن کس حد تک جائز اور حلال ہے؟ کچھ لوگ تو کہتے ہیں کہ یہ رشوت لیتے ہیں اور کچھ لوگ یہ بات ماننے کیلئے تیار نہیں کہ انجینئر قسم کے لوگ رشوت لیتے ہیں۔

رشوت تو اسلام میں منع ہے اور پاکستان میں سب لوگ مسلمان ہیں۔ یہاں کون رشوت لے سکتا ہے۔ ہم اس بات کو ماننے کو قطعاً تیار نہیں۔ یہ رشوت دینے والے ہی پاگل ہوتے ہیں' بس فٹافٹ ہی پیسے نکال کر میز پر رکھ دیتے ہیں...... آخر انسان مجبور تو ہو جاتا ہو گا۔ بس یہی وجہ ہو سکتی ہے رشوت کی۔ بہرحال اگر مقصد پیسہ ہے تو پھر کسی قسم کی بھی تعلیم ہو اس کا میں کیا ہنگامہ ہے اور یہ بھی سوچنا پڑے گا کہ کیا تعلیم حاصل کرنے کے بعد پیسہ ملتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک دکاندار مثلاً سبزی فروش کسی لمبے چوڑے علم کے بغیر لمبا چوڑا مال کماتا ہے۔ سیاستدان...... اللہ ان پر رحم کرے...... اگر مقصد دیانت داری ہے تو نتیجہ دشواری بھی ہو سکتا ہے۔ اگر مقصد دولت ہے تو رستہ کچھ بھی ہو سکتا ہے اور اس مقام پر لوگ گمراہ ہوتے ہیں...... ڈاکے ڈالتے ہیں اور پتہ نہیں کیا کچھ کرتے ہیں۔ جس آدمی نے حصول زر کو مقصد حیات بنایا اس کیلئے کسی اور قسم کی بندش اور پابندی بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے اور یہاں وہ تعلیم یافتہ لوگ بھی پریشان ہو جاتے ہیں جو محنتیں کر کے ڈگریاں لیتے ہیں۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اگر حصول مقصد دولت کو مان بھی لیا جائے تو ہم سے زیادہ مغرب اور مغربی تہذیب اس مقصد میں کامیاب ہیں۔ ان کے پاس خزانے ہیں اور خزانے حاصل کرنے کا علم بھی ہے اور طاقت بھی...... صرف دین نہیں ہے' ہمارے پاس کچھ بھی نہیں ہے...... دین کا ذکر ہے۔ پیسے کی تمنا ہے' دلوں میں خوف ہے اور تلاش معاش میں سرگرداں رہنا ہمارا مستقل عمل ہے۔ ہمیں غور کرنا پڑے گا' سوچنا پڑے گا کہ مقصد کیا ہوتا ہے؟ انفرادی مقصد کسے کہتے ہیں؟ اور ملی اور قومی مقصد کیا ہوتا ہے؟

انسان کا مقصد اللہ کے بنائے ہوئے مقصد سے ہم آہنگ ہونا چاہئے۔ اللہ فرماتے ہیں کہ ''میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف عبادت کیلئے پیدا کیا'' اور اگر ہم صرف عبادت میں مصروف ہو جائیں تو ہمارے پاس عبادت کیلئے بھی وسائل نہیں رہیں گے۔ وسائل حاصل کریں تب بھی مشکلات میں آ جائیں گے۔ صبح سے شام تک ہم دیکھتے ہیں کہ ہم کن راستوں سے گزرتے ہیں۔ صبح اکثر لوگ اخبار پڑھتے ہیں۔ اس میں دین کی کوئی بات نہیں' تلاوت کرنے والے زمانے اب پرانے زمانے ہو گئے' ہم مختلف ذرائع سے اپنے اپنے کاروبار تک جاتے ہیں۔ ان ذرائع میں کوئی دینی حوالہ نہیں ہوتا مثلاً کسی کی گاڑی خراب ہو تو وہ کسی مقامی خانقاہ میں نہیں جائے گا بلکہ مکینک کے پاس جائے گا۔ موٹر مکینک اسلام سے ناآشنا بھی ہو سکتا ہے اور یہی نہیں' کاریں بنانے والے کافر بھی ہو سکتے ہیں' یہودی بھی ہو سکتے ہیں۔ ہم یہودیوں کی گاڑی میں بسم اللہ پڑھ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ بس اتنا ہی ہمارا اسلامی فرض ہے۔ ہم نے اس سے آگے کبھی سوچا ہی نہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے پاس بھی یہودیوں کا بنا ہوا اسلحہ ہے۔ اب ایسا اسلحہ لے کر اسلامی جہاد اور عالمی جہاد کس حد تک کامیاب ہو سکتا ہے۔ کیا طاقت مقصد حیات ہے؟ طاقت تو پھر اور لوگوں کے پاس ہے۔ دین اور صرف دین سے انسان کی ضروریات پوری ہونا ذرا مشکل سا نظر آتا ہے۔

دارالعلوم سے فارغ التحصیل ہونے والے نوجوان مبلغ کسی مسجد کے امام بنا دیئے جاتے ہیں اور ایچی سن کالج کے فارغ التحصیل نوجوان عام طور پر انتظامیہ کے سربراہ بنا دیئے جاتے ہیں۔ ایسا فرق...... اس ملک میں...... کیسی بات۔ کیا ایسا ممکن نہیں کہ شاہی مسجد کا امام گورنر بھی ہو یا گورنر شاہی مسجد کی امانت کے فرائض ادا کریں۔ ہم جس کا حکم مانیں۔ اس کے پیچھے نماز بھی پڑھیں اور جو جتنا بڑا حاکم ہو اتنا بڑا مفتی بھی ہو پھر بات بنتی ہے۔ یعنی سربراہ کو دونوں لحاظ سے سربراہ ہونا چاہئے۔ دنیاوی اور دینی دونوں طرح سے اور اس طرح مقصد تخلیق پاکستانی آسانی سے واضح ہو سکتا ہے۔

ہمارا ذاتی مقصد ایک ذاتی زندگی کی آسودگی ہو سکتا ہے' لیکن اجتماعی مقصد ذاتی سفر کی کامیابی کے علاوہ ایک ملی سفر کے انجام دینے کا نام ہے۔ اگر ذاتی مقصد ملی مقصد سے متصادم ہو' تو بھی بے معنی اور دینی مقصد سے مختلف ہو' تو بھی بے مقصد۔ لہٰذا مقصد تجویز کرنے والے بڑے فکر اور تدبر سے کام لیں کہ طالب علموں کیلئے ایک کامیاب زندگی کا حصول بھی ممکن ہو اور کامیاب قوم کا حصول بھی۔ ورنہ ذاتی کامیابیاں ہی اجتماعی ناکامی کا باعث ہو سکتی ہیں۔ اگر ذاتی مقصد کا حصول یہی ہے کہ اس ملک کو اپنے لئے استعمال کیا جائے تو

www.iqbalkalmati.blogspot.com

وہ آدمی کہاں سے آئیں گے جو اس ملک کیلئے استعمال ہوں۔

پروفیشن ایک وبا ہے جو ملک کو نقصان پہنچا سکتی ہے۔ ہر آدمی الگ کامیاب ہے۔لوگ مال جمع کرتے ہیں' گنتے رہتے ہیں اور ان کیلئے ارشاد باری تعالیٰ واضح ہے کہ یہ لوگ کہاں پہنچا دیئے جائیں گے۔ ایک کھولتی ہوئی آگ..... اگر ملک کو ایک درخت سمجھ لیا جائے تو ایسا لگتا ہے کہ ہر بامقصد انسان اپنی سہولت کیلئے اس کی ایک آدھ شاخ کاٹ لیتا ہے اور اب کوئی انسان نظر نہیں آتا جو اپنے آپ کو قربان کرکے اس درخت کی خدمت کرے۔ جو شخص صرف مال اکٹھا کر رہا ہے اس کیلئے سکون کی دولت ناممکن کر دی جاتی ہے۔ ملک قربانیوں سے بنتے ہیں۔ ملک آسائش حاصل کرنے والوں کے ذریعے سے مضبوط نہیں ہو سکتا۔ ملک کی ترقی کیلئے مضبوط کردار' ایک بامقصد قوم اور ایک لگن درکار ہے جس میں اللہ کے فرمان بھی پورے ہوں اور ہمیں اس دنیا کے معیار کے مطابق ترقی بھی حاصل ہو۔ ابھی وقت ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ہم صرف بحث کرنے والی قوم بن کر رہ جائیں۔ سماج میں بے شمار برائیاں بیان کی جاتی ہیں لیکن کوئی شخص آگے بڑھ کر انہیں دور کرنے کا ارادہ تک بیان کرنے کو تیار نہیں ہے۔

کوئی شخص اپنی دولت سے اپنی خوشی کے ساتھ' اپنے غریب بھائی کی مدد نہیں کر سکتا۔ ابھی تک کسی شخص نے اعلان نہیں کیا کہ وہ نہ کبھی رشوت لے گا اور نہ کبھی رشوت دے گا۔ ملک کی خدمت جلسے جلوس میں نہیں ہے۔ یہ مسلسل بیداری سے حاصل ہوتی ہے۔ مسلسل سوچ کے ساتھ اور قوم کو ایک وحدت میں پرونے کے ساتھ۔ جب تک وحدت کردار حاصل نہ ہو' وحدت مقصد حاصل نہیں ہو سکتی۔

خالی ترقی ایک ایسے جہاز کی طرح ہے جو پانی پر تیرتا ہے' ڈوبتا نہیں ہے۔ چل رہا ہے لیکن اسے یہ معلوم نہیں کہ جانا کہاں ہے۔ بے سمت ترقی اور بے جہت مسافرت بے معنی سفر ہے۔ مقصد کا انتخاب کرتے وقت صرف یہی نہیں دیکھنا کہ ہم پیسہ کیسے بنائیں گے بلکہ یہ بھی سوچنا چاہئے کہ ہم اس ملک کی کیسے خدمت کر سکتے ہیں اور اس چند روزہ زندگی میں اپنے ملک کو کس طرح خوش رکھ سکتے ہیں۔ بس ایسی زندگی گزارنی چاہئے کہ ہم بھی خوش رہیں' ملک کو بھی عروج حاصل ہو اور ہمارا اللہ بھی راضی رہے۔ یہی مقصد سب سے بہتر مقصد ہے۔

☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

منزل

زندگی جہاں چاہے جب چاہے، شروع ہو سکتی ہے اور جہاں چاہے جب چاہے ختم ہو سکتی ہے۔ عجب بات تو یہ ہے کہ زندگی سے پہلے بھی زندگی تھی اور زندگی کے بعد بھی زندگی رہے گی۔ ہم اپنی پیدائش سے اپنی موت تک تقریباً ساٹھ سال کے عرصے میں منزلوں کا ذکر کرتے ہیں، منزلوں کا تعین کرتے ہیں اور منزلوں کی تلاش کرتے ہیں، یہ سمجھتے ہوئے کہ یہی تلاش اور یہی حاصل ہی کل کائنات ہے۔ حالانکہ ہمارے دنیا میں آنے سے پہلے بے شمار لوگ اپنی منزلوں کو پا بھی چکے۔ ان لوگوں نے اپنی اپنی محنتوں، کاوشوں اور تلاش کے جھنڈے گاڑ دیئے اور جو مقامات وہ لوگ حاصل کر گئے، اب کسی قیمت پر بھی وہ مقامات ہم حاصل نہیں کر پاتے۔ پھر بھی ہم منزلوں کی تلاش میں رہتے ہیں جبکہ ہمیں یہ بھی پتہ ہے کہ ہمارے بعد بھی یہی مقصد ہوگا اور یہی کارواں ہوں گے اور یہی منزلیں ہوں گی۔ پھر بھی ہم اسی خیال میں گم ماضی اور مستقبل سے بے نیاز بلکہ حال سے بھی بے خبر، اپنے مقصد کو اپنی منزل کہتے ہوئے مسلسل بڑھتے رہتے ہیں اور کبھی مقصد پا لیا تو صاحب منزل کہلائے اور اگر مقصد نہ پا سکے تو بھی صاحب نصیب ہی کہلائے۔

منزلوں کے راستوں میں دم توڑ جانے والے بھی صاحبان منزل ہی ہوتے ہیں۔ مقصد سے حاصل تک سارا سفر تمام کیفیات، تمام آسائشوں اور تکلیفوں سمیت منزل ہی کہلاتا ہے یعنی نیت بھی منزل، عزم سفر بھی منزل، سفر بھی منزل اور اگر کوئی ہم سفر مل جائے تو وہ بھی منزل اور اگر کوئی رہنمائے سفر مل جائے تو وہ بھی منزل اور اگر مقصد کا قرب مل جائے تو وہ بھی منزل اور اگر مقصد حاصل ہو جائے تو وہ بھی منزل اور کبھی کبھی انسان مقاصد سے آگے نکل جائے تو بھی منزل یعنی ورائے منزل بھی منزل ہی ہے۔ جیسے مشرق سے پرے بھی مشرق، مغرب کے پار بھی مغرب ہی ہے۔ منزلوں کے راستوں پر ایک ایک نقش قدم نشان منزل ہے اور نشان منزل بھی منزل ہے۔

منزل حاصل کرنے کا کوئی خاص فارمولا نہیں ہے۔ یہ منزل کا اپنا کمال ہے کہ وہ اپنے مسافروں کو اپنے حضور طلب کرتی رہتی ہے۔ خود ہی ان میں ذوق پیدا کرتی ہے، خود ہی سفر کا انتظام کرتی ہے اور خود ہی ہم سفری کے فرائض ادا کرتی ہے اور کسی وقت کسی نکتے پر خود ہی اپنے مسافروں کو خوش آمدید کہتی ہے، مسکراتی ہے اور نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہے۔

منزل کا تصور بہت بڑا کرشمہ ہے۔ انسان زمین پر رہتے ہوئے محسوس کرتا ہے کہ آسمانوں پر رہ رہا ہے۔ وہ آبادیوں سے مختلف ہو جاتا ہے۔ لوگ سو رہے ہوتے ہیں، وہ جاگ رہا ہوتا ہے۔ لوگ جشن مناتے ہیں، وہ زندگی کی اداس حقیقتوں پر عارفانہ نگاہ رکھتا ہے۔ لوگ آغاز کے نشہ آور لمحات میں مست ہوتے ہیں اور وہ

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اداس انجام کی تلخیوں کے نتائج سے نبرد آزما ہوتا ہے۔ صاحب منزل کسی خاص نقطے پر نہیں پہنچتا بلکہ وہ حقائق کا نکتہ دان ہوتا ہے۔ یہ سب دینے والے کا احسان ہے کہ وہ کسی انسان کو کیا عطا کر دے۔ بے خبر زندگی میں باخبر ہو جانا منزل کا احسان اولیں ہے۔

منزل دینے والے کا احسان ہے۔ اس کا کوئی فارمولا نہیں ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ کسی نے دار پر چڑھ کر منزلوں سے وصال کیا۔ منزلوں کا جلوہ دیکھا۔ وصال کی لذت سے آشنا ہوئے۔ منزل آئی اور زندگی گئی۔ کیا عجب مقام ہے۔ شاید منزل کا حصول جان کے جانے سے مشروط ہے۔ کہیں راہ فراق واصل منزل ہو رہا ہے۔ جدائی کے زمانے محبت کے پروان کے زمانے ہیں۔ یہ بڑے غور کا مقام ہے کہ کسی کو محبوب نہ ملا اور منزل مل گئی جبکہ اس کے خیال میں محبوب ہی منزل تھا۔

یہ بات انسانی سمجھ سے بالا ہے کہ انسان جان ہار جائے اور مقصد جیت لے۔ اکثر ہارنے والوں نے منزلوں کو جیتا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ میدان کربلا میں جنگ ہار گئی اور مقصد جیت لیا گیا۔ امامؑ قربان ہوئے اور اسلام زندہ ہوا۔ جان دینا بڑے راز کی بات ہے لیکن اس میں بہت غور اور فکر کی ضرورت ہے۔ قربانی اور خودکشی میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ خودکشی کرنے والے برباد ہو جاتے ہیں اور قربانی دینے والے شادابیٔ منزل میں پہنچا دیے جاتے ہیں۔ قربانی سے حاصل ہونے والی منزلیں ایک عجب لطف رکھتی ہیں۔ منزلوں پر پہنچنے والے بہت بڑے انتظامات کے قائل نہیں ہوتے۔ وہ ایک جذبے کے ماتحت سفر کرتے ہیں۔ وہ جذبہ بھی بے پناہ جذبہ۔ صاحبان منزل کے پاس جذبوں کی فراوانی ہوتی ہے۔ وہ صاحبان یقین ہوتے ہیں۔ راستے میں دم توڑ جائیں' تو بھی دامن محبوب نہیں چھوڑتے۔

ایک صاحب منزل نے کچے گھڑے پر تیر کر منزل محبوب کی طرف سفر کیا۔ کچا گھڑا تھا' ڈوب گیا لیکن اس ڈوبنے والے گھڑے نے وہ رنگ دکھایا کہ آج تک چناب کی لہریں اس منظر کو یاد کرتی ہیں اور دل والے ان لوگوں کو اپنا پیشرو کہتے ہیں۔ منزل کا سفر شاید قدم کا ہی نام ہے۔ یقین کے ساتھ اٹھایا ہوا پہلا قدم جو جانب منزل ہو' وہی منزل ہے۔

منزل کسی جغرافیائی مقام کا نام نہیں ہے۔ کسی فاصلے کی لمبائی کا نام نہیں ہے۔ کسی قابل دید منظر کا نام نہیں ہے۔ یہی وہ نکتہ ہے جسے روشن نکتہ بھی کہا جاتا رہا ہے' جو انسان کے اپنے اندر موجود ہوتا ہے اور اس کا حصول' اس کا قرب' اس کا عرفان ہی حصول منزل کہلاتا ہے۔ کسی دور کے نظارے کو حاصل نہیں کرنا بلکہ اپنا انداز نظر ہی حاصل کرنا ہے اور اگر قسمت ساتھ دے اور وہ انداز نظر مل جائے تو پھر ہر ذرے میں کئی آفتاب موجود نظر آئیں گے۔ ہر قطرہ قلزموں کو جنم دینے والا ہوگا اور انسان خود کو اپنی نگاہ میں کسی عظیم ماضی کا حرف آخر سمجھے گا اور اپنے آپ ہی کو آنے والے زمانوں کا آدم گردانے گا۔

فرد' فرد ہی ہے لیکن فرد ہی سے ملتوں کا ظہور ہے۔ دیکھنے کا انداز ہے۔ میں بہت سی وجوہ کا نتیجہ ہوں اور میں ہی بہت سے نتائج کی وجہ ہوں۔ میرا ہونا بہت کچھ ہونے کے برابر ہے اور میرا ہونا بھی کیا ہونا۔ میں نہ

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہوتا تو شاید یہ کچھ بھی نہ ہوتا اور اب میں ہوں تو بھی کچھ نہیں ہوں۔ یہی شعور منزلوں کی طرف گامزن کرتا ہے۔ میں ایک عظیم فنکار کا شاہکار ہوں اور میں اپنے فنکار کی تلاش میں سرگرداں ہوں۔ وہی میرا مقصد ہے۔ وہی میری منزل اور اس کی پہچان کا صرف ایک راستہ بنایا گیا کہ خود کو پہچانو۔ اپنی ذات کی منزل طے کرو۔ اس کی ذات کی رسائی ہو جائے گی اور وہ ذات لامحدود اور لافانی۔ ہر جگہ موجود' ہر مقام پر حاضر' ہر شے پر وارد' ہر ہونے کا باعث' ہر نہ ہونے کی وجہ' بنانے والی ذات' زندہ کرنے والی ذات' مارنے والی ذات' ذات مطلق کو تلاش کرنے کا اور کیا طریقہ ہو سکتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ کسی نے اسے آنکھ کے پردے کے اندر دیکھا' کسی نے اسے پردے سے باہر دیکھا' کسی نے صحراؤں کے اندر اپنی منزل پائی' کسی نے گلی کوچوں میں رسوائیاں حاصل کر کے اسے تلاش کیا۔ کوئی اس کی تلاش میں مارا گیا۔ کچھ لوگوں کو اس نے خود مار دیا۔ وہ ذات اپنے چاہنے والوں کو الگ الگ مقامات پر نوازتی رہی۔ وہ دار پر بھی ملا اور سنگ در یار پر بھی۔ ہر ایک نے اپنے آپ کو صاحب منزل ہی سمجھا۔ کچھ لوگ خاموش رہ کر مقامات پا گئے' کچھ لوگ گویائی کے چراغ جلا کر روشن چراغ ہو گئے۔ کچھ محبوب بنا دیئے گئے' کچھ محب بنا دیئے گئے اور دونوں ہی صاحبان منزل ہوئے۔ یہی تو کمال ہے عطا فرمانے والے کا کہ دل بھی اس نے بنایا' دلبر بھی اس نے بنایا' دلبری بھی اس نے پیدا فرمائی۔ جلوے بھی اس نے عطا فرمائے۔ سوز دل پروانہ بھی اس نے عطا کیا۔ درد کے نغمات اس نے عطا فرمائے اور پھر اس نے خود ہی نغمات سنے اور ان لوگوں کو منزلوں کے تحفے تقسیم کیے۔ اس ذات کی طرف سے ملنے والی ہر شے اعجاز منزل ہے۔

کبھی کبھی وہ اپنے مسافروں کو صاحب اسرار بناتا ہے اور کبھی کبھی ان کے ساتھ رہتے ہوئے بھی انہیں اپنی خبر تک نہیں ہونے دیتا۔ وہ لوگ منزل پر ہوتے ہیں اور منزلوں کی تلاش میں ہوتے ہیں' جس طرح سمندر میں رہنے والی مچھلی پانی کی تلاش میں ہو۔ وہ پانی کو دیکھنا چاہتی ہے' دور سے۔ اب پریشانی تو یہ ہے کہ جب تک وہ پانی میں ہے' پانی کو دیکھ نہیں سکتی اور جب پانی کو دیکھنے کیلئے پانی سے جدا کر دی جائے تو وہ زندہ نہیں رہتی۔ یہی عالم ان متلاشیوں کا ہے جو منزلوں پر ہیں اور منزلوں کی تلاش میں ہیں۔ منزلیں ان کی ہم سفر ہیں اور وہ پھر بھی سفر میں ہیں۔ دراصل سفر الی اللہ ہی سفر مع اللہ ہے۔ منزل کسی خاص نقطے یا مقام کا نام نہیں ہے۔ یہ تو ایک نکتہ ہے جو وا ہو جائے تو بات بن جاتی ہے۔

وہ لوگ جنہیں ہم محروم منزل سمجھتے ہیں' دراصل وہ بھی محروم نہیں ہیں۔ یہ ہمارا اپنا ادراک ہے۔ کبھی ہم سمجھ سکتے ہیں' کبھی ہم نہیں سمجھ سکتے۔ بنانے والے نے یہ کھیل بنایا ہے کہ سب کچھ موجود ہے' موجود رہے گا اور موجود کی گواہی دینے والا ہی غیر موجود ہو جائے گا۔ کیا تلاش' کیا سفر اور کیا منزل۔

ہماری منزل دینے والے کی منشا کا نام ہے۔ وہ جتنا کچھ دکھائے گا' وہی ہمارا حاصل ہے۔ اس کے علاوہ تو شاید ہمیں معلوم ہی نہیں کہ یہاں کیا کچھ رکھا ہے۔ کتنی منزلیں' کتنے انعامات' کتنی سرفرازیاں انسان کیلئے موجود ہیں لیکن مجبوری ہے کہ انسان کے پاس لامحدود وقت نہیں ہے۔ خزانے لامحدود ہیں۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

منزلیں لامحدود ہیں۔ محدود زندگی میں ایک فانی انسان کیا منزل تعین کرے؟ کس سفر پر گامزن ہو؟ کہاں سے چلے اور کہاں پہنچے؟

بس یہ دن ہیں جو ہمارا سرمایہ ہے۔ یہی زندگی ہے جو ہم پر اس کا احسان ہے۔ اس احسان کو محسن کے نام پر ہی گزار دیا جائے تو منزل حاصل ہو گئی۔ ورنہ وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اس کا فضل شامل حال ہو تو سونے والوں کو سرفراز کر دے۔ انہیں سب کچھ عطا کر دے اور اگر چاہے تو جاگنے والوں کو محروم دو عالم کر دے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ لوگوں نے منزلیں پا لیں۔ نہیں۔ یہ سارا کام کرنے والے کا اپنا ہی کام ہے۔ مسافر اس کے' مقصد اس کے' مسافرت اس کی' منزلیں اس کی' سرفرازیاں اس کی اور سب احسان اسی کے۔ ہمارے ذمہ ایک ہی کام ہے کہ دینے والے کا شکر ادا کرتے جاؤ' کیا منزل اور کیا نہ منزل۔ اس کا شکر اس کے آگے سرنگوں رہنا۔ وہ عطا فرما دے' اس کا شکر۔ وہ زندگی واپس طلب فرما دے تو کیا انکار۔ یہی منزل ہے کہ منزل تسلیم منزل رضا' منزل تشکر۔ جو ملا اس کا شکریہ' جو نہ ملا وہ ہمارا تھا ہی نہیں۔

ویسے بھی اپنے مقاصد بنانا' اپنے منصوبے بنانا' اپنی منزل کا تعین کرنا' اس کی تلاش کرنا اپنی جگہ پر درست ہو گا لیکن پہلے یہ تو سوچ لینا چاہئے کہ ہم خود کسی اور کا پروگرام ہیں۔ کسی اور کا مقصد ہیں۔ کیوں نہ اسے دریافت کیا جائے یعنی مقصد کی تلاش کا مقصد ہی ہماری تلاش ہے۔ ہم وہی جاننا چاہتے ہیں جو وہ چاہے۔ وہ ہے اور ضرور ہے۔ بس کہاں ہے؟ جس نے یہ راز دریافت کر لیا اس نے یہی کہا کہ اس کی معرفت یہی ہے کہ اس کی معرفت نہیں ہو سکتی۔ اس کا حاصل یہی ہے کہ اس کو حاصل کرنا ممکن نہیں۔ اس کو دیکھنا ناممکن ہے' سوائے اس کے کہ اس کو دیکھنے والے کو دیکھا جائے۔ یہی پہچان ہے' یہی منزل ہے اور اسی جانب سفر ہی ہمارا مقصود اور ہماری مراد ہے۔ توفیق وہ عطا فرمائے۔ عازم سفر ہم ہیں۔ اگر یہ منزل نہ ملے تو ہر سفر باطل' ہر منزل بولہبی ہے۔ یہی وہ منزل ہے جو ہم سے پہلے بھی موجود تھی اور ہمارے بعد بھی موجود رہے گی۔

☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جوازِ ہستی

اگر انسان کی کوئی آرزو پوری نہ ہو بلکہ ہر آرزو ٹوٹ چکی ہو یہاں تک کہ آرزو پیدا کرنے والا دل بھی ٹوٹ چکا ہو تو اس آدمی کیلئے جینے کا کیا جواز ہے؟

اگر انسان کی زندگی ایک ایسی تاریک رات کی طرح ہو جس میں دور دور تک کسی روشن ستارے کے دکھائی دینے کا امکان نہ ہو' جس میں چاند نام کی کوئی شے نمودار نہ ہو حتیٰ کہ کسی جگنو کی روشنی بھی نظر نہ آئے' ایسے آدمی کیلئے جوازِ ہستی کیا ہو سکتا ہے؟

جب انسان کا راستہ چلتے چلتے اچانک بدل جائے اور اسے اس وقت معلوم ہو جب وہ آدھے سے زیادہ راستہ طے کر چکا ہو اور اسے واپس لوٹنا بھی اتنا مشکل نظر آئے جتنا آگے جانا۔ اس سے نہ بھاگا جائے اور نہ ٹھہرا جائے تو ایسا آدمی زندہ رہنے کا کیا جواز حاصل کر سکتا ہے؟

جب انسان کے دوست اور اس کے دشمنوں میں فرق باقی نہ رہے تو اسے جینے اور مرنے کے درمیان کیا فرق معلوم ہوگا۔ اپنے اور بیگانے کے درمیان کوئی امتیاز باقی نہ رہے گا بلکہ رشتے ناطے باعث مسرت ہونے کی بجائے باعث اذیت بنتے جائیں تو وہ آدمی کس طرح اپنے زندہ رہنے کا جواز تلاش کرے...... جب انسان اس وسیع کائنات میں اس کی وسعتوں اور آزادیوں کے باوجود اپنے آپ کو پابند و تنگ دامن محسوس کرے' اسے بھری کائنات میں جائے پناہ نظر نہ آئے' اسے یوں محسوس ہو کہ آسمان سر پر گرا چاہتا ہے یا زمین پاؤں تلے سے نکلا چاہتی ہے تو وہ اپنے احساس کی کسمپرسی کے عالم میں اتنا ستم زدہ محسوس کرے گا کہ اسے نہ جینے کا جواز ملے گا نہ مرنے کا۔ آدمی جب سفر کرتے کرتے عمر گزار دے' صدیاں گزر جائیں' عرصے بیت جائیں اور اسے محسوس ہو کہ چلتے چلتے عمر کٹ جانے کے بعد بھی سفر نہیں کٹا۔ وقت کٹ جائے اور فاصلہ نہ کٹے تو زندہ رہنے کا کیا جواز ہو سکتا ہے؟

جب انسان کو معلوم ہو جائے کہ علم حاصل کرتے کرتے وہ جہالت تک پہنچ چکا ہے تو اسے اپنی محنتوں کو عزت سے دیکھنے کا کیا جواز رہ جاتا ہے اور وہ زندہ رہنے کے استحقاق کو مذاق سمجھنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ علم حاصل نہیں ہو سکتا اور زندگی سے محروم ہونا پڑتا ہے تو ایسی کوشش کا کیا انجام۔ انسان حاصل کی تمنا میں لاحاصل کے پیچھے دوڑتا ہے۔ اس بچے کی طرح جو تتلیاں پکڑنے کے مشغلے میں گھر سے بہت دور نکل جاتا ہے نہ تتلیاں ملتی ہیں' نہ واپسی کا راستہ۔ ایسی آرزو کا کیا انجام اور ایسی زندگی کا کیا جواز؟

جب انسان پر ایسا وقت آ جائے کہ اسے چشمہ آبِ حیات نظر آئے لیکن اس کی رسائی نہ ہو' وہ بدستور

www.iqbalkalmati.blogspot.com

پیاس میں مبتلا رہے تو اسے سانس لینے کا کیا حق باقی رہ جاتا ہے۔ وہ جانتا کہ سب کچھ موجود ہے لیکن اس کیلئے ہر امکان کے باوجود کچھ بھی نہیں تو وہ اپنے آپ کو زندہ رکھنے کی بے معنی کوشش سے کیوں تکلیف دے گا؟

جب انسان کی زندگی اس بڑھیا کی طرح ہو جائے جس نے محنتوں کے ساتھ سوت کاتا اور آخر میں اسے الجھا دیا تو وہ آدمی کیا زندہ رہے گا۔ عمر کی کمائی اس کے ہاتھ سے یوں نکل جائے جیسے ہاتھوں کے طوطے اڑ جاتے ہیں تو وہ کیا کرے؟ کمائیاں ساتھ نہ جائیں اور ساتھ لے جانے کیلئے کمائی کوئی نہ ہو تو ایسی صورت میں زندہ رہنا بھی کیا زندہ رہنا ہے۔

جب انسان کے اعضا و جوارح اس سے باغی ہو جائیں' اس کے اپنے' اپنے نہ رہیں' اس کے معاون' اس کے اپنے معاون اس کے خلاف گواہ بن جائیں اور وہ دیکھتا رہ جائے۔ اسے محسوس ہو کہ اس کا اپنا وجود بھی اس کے اپنے کام کا نہ تھا تو وہ کیا محسوس کرے گا؟ اسے اس چیز کا احساس ہو کہ جو کرنا چاہئے تھا' اس نے نہیں کیا اور جو کچھ نہیں کرنا چاہئے تھا' وہ کچھ اس نے کیا تو اب وہ کس امید پر جینے کی تمنا کرے۔ جو کچھ حاصل کیا گیا' یہی اس کے اپنے خلاف گواہی ہے۔ اب اپنے حاصل سے نجات پانا بھی ممکن نہیں' بھاگنا بھی ممکن نہیں' ٹھہرنا بھی ممکن نہیں۔ ایک ایسے انسان کی طرح کس کے وجود کے ساتھ ایک ٹائم بم بندھا ہوا ہے اور وہ خطرے سے ڈر کر بھاگتا جا رہا ہے۔ جس خطرے سے وہ نجات چاہتا ہے' وہ اس کے ساتھ ہی بندھا ہے۔ خطرہ اندر ہو تو باہر دوڑنا کس کام کا؟ اپنے اندر کے خطرے سے اندر کی دوڑ بچا سکتی ہے۔ اندر کی دوڑ کیا ہے؟ اس بات کی سمجھ نہ آئے' تو جینے کا کیا جواز؟

اگر انسان کے پاس نیکی کے نام پر اکٹھا کیا ہوا بلکہ لوٹا ہوا مال موجود ہے اور اس سے نیکی سرزد نہ ہو سکے' اس مال کو دیکھ کر اسے جینے سے وحشت پیدا ہو جائے گی۔ اس آدمی کیلئے آنے والا زمانہ گزرے ہوئے زمانے سے زیادہ خوفناک ہوگا۔ اس کی رات تاریک سے تاریک تر ہوتی جائے گی۔ وہ اپنے آپ کو زندہ رہنے کے قابل کیسے سمجھے گا۔

اگر انسان ایسی حالت میں پہنچ جائے' اگر اسے تنگی' حالات اور تنگی خیالات کا احساس ہو' اگر اسے ہر طرف تاریکیاں نظر آئیں' اگر اسے زندہ رہنے کا جواز نظر نہ آئے تو بھی اسے گھبرانا نہیں چاہئے۔ ہم زندہ رہنے کیلئے جو جواز تلاش کرتے ہیں' اس کے علاوہ بھی زندگی کے جواز موجود ہیں۔ زندگی عطا فرمانے والے نے یہ انعام بے جواز نہیں عطا فرمایا۔ اس کا کوئی عمل بے جواز نہیں۔ اس نے کوئی تخلیق عبث نہیں فرمائی۔ اس کی کوئی بات بے معنی نہیں ہو سکتی۔ انسان کی مایوسیوں کے گھپ اندھیروں میں بھی ایک روشنی کا چراغ' جو ہمیشہ روشن رہتا ہے' نظر آ سکتا ہے۔ یہ چراغ پیشانی کے اندر رہتا ہے اور یہ سجدے میں نظر آتا ہے۔ بے بس انسان کا سجدہ ہی بے بسی کا علاج ہے۔ یہی اندھیروں کا سورج ہے۔ یہی نشان منزل ہے اور یہی رفیق طریق ہے۔

ارشاد ہے۔ ''تمہارے دل سخت ہو گئے جیسے کہ وہ پتھر ہوں' آگے ارشاد ہے'' میرے پتھروں سے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بھی نہریں جاری ہیں۔'' گویا پتھر بھی پتھر نہیں رہتا۔ اگر اس میں سے نہر جاری ہو۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر طرف پتھر دل انسان' پتھرائی ہوئی آنکھوں والے' پتھر کے چہروں کے ساتھ نظر آتے ہیں لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو ان پتھروں کے اندر سے نہریں جاری ہیں۔ بے فکر انسان بھی بڑے فکروں میں مبتلا ہیں۔ اپنا دل زندہ کرو' ہر طرف زندگی نظر آئے گی۔

زندگی کے جواز تلاش نہیں کیے جاتے' صرف زندہ رہا جاتا ہے۔ زندگی گزارتے چلے جاؤ' جواز مل جائے گا۔ اگر آپ کو کسی طرف سے کوئی محبت نہیں ملی' تو مایوس نہ ہوں۔ آپ خود ہی کسی سے محبت کرو۔ کوئی باوفا نہ ملے' تو کسی بے وفا سے ہی سہی۔ محبت کرنے والا زندگی کو جواز عطا فرماتا ہے۔ زندگی نے آپ کو اپنا جواز نہیں دینا بلکہ آپ نے زندگی کو زندہ رہنے کیلئے جواز دینا ہے۔ آپ کو کوئی انسان نہ نظر آئے تو کسی پودے سے پیار کرو' اس کی پرورش کرو' اسے آندھیوں سے بچاؤ' طوفانوں سے بچاؤ' وحوش وطیور سے بچاؤ' تیز دھوپ سے بچاؤ' زیادہ بارشوں سے بچاؤ۔ اس کو پالو' پروان چڑھاؤ۔ پھل کھانے والے کوئی اور ہوں' تب بھی فکر کی کوئی بات نہیں۔ کچھ بھی نہیں ہو تو یہی درخت کسی مسافر کو دو گھڑی سایہ ہی عطا کرے گا۔ کچھ نہیں تو اس کی لکڑی کسی غریب کی سردی گزارنے کے کام آئے گا۔ آپ کی محنت کبھی رائیگاں نہیں جائے گی۔ آپ کو زندہ رہنے کا جواز اور ثواب مل جائے گا۔ کچھ نہ ہو سکے تو کسی پتھر کو صیقل کرو' پالش کرو' اس پر محنت کرو' پتھر کا آئینہ بن جائے گا۔ آئینے کے اندر زندگی کا جواز لکھا ہوا ہوگا۔

اگر آپ کی نگاہ بلند ہونے سے قاصر ہے' تو اپنے پاؤں کے پاس دیکھو۔ کوئی نہ کوئی چیز آپ کی توجہ کی محتاج ہوگی۔ کچھ نہیں تو محبت کا مارا ہوا کتا ہی آپ کیلئے زندہ رہنے کا جواز مہیا کرے گا۔

یہ کائنات آپ کی توجہ کی محتاج ہے۔ کائنات سے توجہ طلب کرنا اتنا اہم نہیں جتنا اس کو توجہ دینا اور یہی جینے جواز ہے۔ دنیا مایوس ہو کر زندگی کے جواز سے' زندگی کی رائیگاں تلاش میں ہے۔ آپ لوگوں کی اس تلاش کو اپنی توجہ سے سرفراز کرو۔ دنیا توجہ مانگ رہی ہے۔ اپنا گردو پیش آپ کی اپنی نگاہ توجہ کا طلب گار ہے۔

انسان پر کبھی راستہ بند نہیں ہوتا۔ یہ بات یاد رکھی جائے کہ ہر دیوار کے اندر دروازہ ہے جس میں سے مسافر گزرتے رہتے ہیں۔ مایوسیوں کی دیواروں میں اس کی رحمت امید کے دروازے کھولتی رہتی ہے۔ انتظار ترک نہ کیا جائے۔ رحمت ہوگی۔ امید کا چراغ جلے گا۔ وہ وقت جس کا انتظار ہے' آئے گا بلکہ وہ وقت آ ہی گیا۔ مایوسیوں کے بادل چھٹ جائیں گے۔ چراغاں ہوگا۔ انسان' انسان کے قریب آ جائے گا۔ پتھر موم ہو جائے گا۔ دل محبت سے معمور ہو جائیں گے۔ پیشانیاں سجدوں سے سرفراز ہو جائیں گی۔ زندگی کو زندہ رہنے کا استحقاق مل جائے گا۔ انسان مایوس نہ ہو۔ کشتیاں جلا دی جائیں تو کامیابی قریب آ جاتی ہے۔ کامیابی یہی ہے کہ زندگی کو وثوق مل جائے۔ آرزوئیں پوری نہ ہوں تو بے آرزو رہنے کی آرزو پیدا کر دی جائے۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کامیابی کسی نقطے کا نام نہیں۔ یہ مزاج کا نام ہے۔ بڑے بڑے فاتحین جنگیں ہارنے کے بعد بھی فاتحین ہی رہے۔ ہمارے پاس مثال موجود ہے جسے اللہ تعالیٰ نے فتح مبین قرار دیا۔ کربلا کی شکست فتح کی بشارت ہے۔ ہم جسے تاریکی سمجھ رہے ہیں' یہی صبح کاذب تو صبح صادق کا آغاز ہے۔ چلتے چلیں' منزلیں خود ہی سلام کریں گی۔ دنیا کے خلاف فریاد نہ کریں۔ کوشش کریں کہ کوئی آپ کے خلاف فریاد نہ کرے۔ دوسروں کو خوش کریں۔ خوشی خود ہی مل جائے گی اور یہی جینے کا جواز ہے۔

☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

سوچتے سوچتے

سوچتا ہوں اور سوچ ہی سوچ میں یہ بھی سوچتا ہوں کہ میں کیا سوچ رہا ہوں...... سوچتا ہوں کہ انسان کی سوچ کتنی لامحدود ہے کہ وہ ہر چیز کے بارے میں سوچ سکتا ہے لیکن یہ سوچ کر شرمندہ ہوتا ہوں کہ انسان خود ہی محدود ہے۔ اس کی سوچ بھی اتنی ہی محدود ہے اور محدود سوچ کا شاید یہی ثبوت ہے کہ انسان اپنی سوچ کو لامحدود سمجھے۔ ہمیں تو یہ بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ کہ ہم خود کیا ہیں۔ ہماری سوچ کیا ہے۔ یہ خیال کیا ہے۔ خیال کہاں سے آتا ہے۔ کیا خیال موجود اشیاء سے باہر بھی جا سکتا ہے اور یا موجود کے علاوہ کوئی لاموجود اور ناموجود دنیا بھی ہے؟ اگر ہے تو ابھی تک ناموجود کیوں ہے۔ کیا ہر دور کیلئے ہر بشر کیلئے الگ الگ عالم موجودات ہے۔ کیا منظر دیکھنے والوں کی بساط کا نام ہے۔ کیا علم اپنی صلاحیت کا نام ہے۔ کیا تصور اپنی حالت اور اپنے حالات سے آگے نہیں جا سکتا۔ کیا ہم' ہم کے علاوہ بھی ہیں۔ کیا اس پردے کے پیچھے بھی کچھ ہے۔ کیا پردہ ہے بھی یا یہ محض پردہ ہی پردہ ہے؟ کیا ہم پیدا ہوتے ہیں۔ کیا ہم واقعی مر جاتے ہیں۔ کیا ہم مرنے کے بعد بالکل ختم ہو جاتے ہیں۔ کیا ہم کچھ اور بھی ہیں۔ کیا ہم کسی اور شکل میں زندہ رہیں گے۔ مرنے کے بعد۔ موت کا منظر ہوتا ہے۔ کیا واقعی ہوتا ہے۔ کیا موت کے بعد ہمارے ساتھ وہی دکھ' وہی احساسات' وہی کیفیات رہتی ہیں۔ کیا مرنے کے بعد بھی غم اور خوشی ہمارے غم اور خوشیاں ہوتی ہیں۔ کیا تکلیف ہوتی ہے۔ کیا سب کچھ ہوتا ہی رہتا ہے ہمارے ساتھ۔ اگر سب کچھ ہوتا ہی رہتا ہے تو مرتا کون ہے۔ زندہ کون ہے۔ قبر میں کون جاتا ہے۔ قبر کے اندر جلوے ہوتے ہیں۔ کیا اندھیرا ہوتا ہے۔ کیا روشنی ہوتی ہے۔ کیا آنکھیں ہوتی ہیں۔ کیا ہم مرنے کے بعد بھی دیکھ سکتے ہیں۔ کیا مرنے سے ہمارا سفر ختم نہیں ہوتا۔ کیا ہم ایک سفر کے بعد اور سفر پر گامزن ہو جاتے ہیں۔ کیا ہر سفر کا انجام ایک تازہ سفر ہے۔ کیا منزل ایک نئے سفر کا نام ہے۔ کیا ''موت کا منظر'' نامی کتاب لکھنا بہت ضروری تھا۔ یہ مسلمان ہونے کی سزا ہے۔ کیا مردے جلانے والوں کی بھی قبریں ہوتی ہیں۔ کیا ان کیلئے قبر کا عذاب نہیں ہے۔ یہ عذاب قبر ماننے والوں کیلئے ہے۔ صرف ماننے والے مرنے کے بعد پھر مرتے رہتے ہیں۔ کیا ہم آخری بار نہیں مر سکتے۔ کیا ہم وہم ہیں۔ کیا ہم طلسمات میں کھو گئے ہیں۔ کیا ہم حاضر دنیا میں موجود رہ کر غائب از نگاہ دنیا کے بارے میں سوچنے پر مجبور کر دیئے گئے ہیں۔ کیا ہماری سوچ مفلوج کر دی گئی ہے۔ کیا ہمارے مبلغ ہمیں خوفناک انجام اور خطرناک مستقبل کے عذاب سے ڈرانے کے علاوہ کوئی کام نہیں جانتے۔ کیا یہ لوگ صرف خدا کی رحمت سے مایوس کرنے کیلئے پیدا ہوئے ہیں۔ کیا یہ لوگ کبھی مریں گے...... کب...... کیا یہ ابھی نہیں مر سکتے۔

کیا ان کے نصیب میں شفقت نہیں ہے۔ کیا ہر آدمی ہر علم جان سکتا ہے۔ کیا مجبوری بھی کوئی شے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہے۔ کیا سب لوگ رشوت کا مال اکٹھا کر سکتے ہیں۔ کیا سارے لوگ رشوت اور حرام کے مال سے حج کر سکتے ہیں۔ کیا یتیم کے مال سے کیا ہوا حج منظور ہو جاتا ہے۔ کیا اللہ ایک خاص مقام پر موجود ہے۔ اگر ایسا تو ''علاوہ'' کس کا ہے؟ کون ہے جو پردے کے اندر ہے اور کون ہے جو پردے کے باہر ہے۔ کیا ایک ذات سارے کام کرتی ہے۔ کیا پیدا کرنے والا ہی مارنے والا ہے۔ مارنا ہی ہے تو پیدا کیوں کیا اور اگر پیدا ہی کیا تو مارنے کی کیا ضرورت ہے۔

عجب صورت حال' عجب شان ہے' عجب رنگ ہیں۔ وہ خود فرماتا ہے ... اور اس کا ہر فرمان ہی بجا ... ہر بات ہی سچ ..... ہر ادا پر ہی نثار ..... بندہ سوچتا ہے ..... اور سوچ سے نکلنے کا طریقہ ہی معلوم نہ ہو تو مجبوری ہے ..... ارشاد ہے ..... میں سب بادشاہوں کا مالک ہوں ملک کا مالک ...... ''جسے چاہوں تخت عطا کروں' جسے چاہوں بخت رسا کروں اور جسے چاہوں معزول کر دوں اور جسے چاہوں گداگر کر دوں۔'' وہ مالک ہے ..... جب چاہے روشنی پیدا کر دے' جب چاہے تاریکی پیدا کر دے ..... رات سے دن اور دن سے رات پیدا کر سکتا ہے ..... اور کرتا ہے ..... جسے چاہے عزت دے' جسے چاہے ذلت' وہ زمین و آسمان کے خزانوں کا واحد مالک ہے ..... وہی تو انسان کو مالا مال کرتا ہے ..... اور جب چاہے خود ہی انسان سے قرضے کا سوال کرتا ہے ..... یہ کیسے ہے ..... وہ ایک طرف تو خود ہی کسی کے باپ کو مار کر اسے یتیم کر دیتا ہے اور خود ہی یتیم کی مدد کا سوال کرتا ہے ..... یتیم کا بہت ہی خیال کرتا ہے ..... اور حکم دیتا ہے کہ یتیم کا مال نہ کھاؤ ..... اپنے پیٹ کو آگ سے نہ بھرو ..... کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ کسی کو یتیم ہی نہ کرے ..... کیا وہ ہمارے کہنے پر عمل کر سکتا ہے ..... وہ تو خود ہی مالک ہے ..... مرضی کا ..... اسے اختیار ہے مکمل ..... اس کے قبضہ قدرت سے کسی شے کے باہر ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ صرف ہماری اپنی سوچ ہی کھو جاتی ہے ..... ہم ہجوم خیال میں گم ہو جاتے ہیں ..... ہم اپنے پیمانوں سے اسی کو ماپتے ہیں جو ہر پیمانے سے باہر ہر حد سے باہر ہے۔ ہر سوچ سے پرے۔ سرحد ادراک سے ماورا ہے اس کا مقام عالی ..... اس کا مقام مقامات کے تعین سے آزاد ہے ..... وہ خالق ہے۔ مخلوق کی سوچ میں کیسے آ سکتا ہے۔ ہم لوگ الجھے ہوئے' تفکرات میں مرے ہوئے' حصار وقت میں جکڑے ہوئے' تعینات میں پابند' کیا جانیں کہ وہ کیا ہے ..... اس کی ذات میں کسی قسم کا کوئی تضاد نہیں ..... وہ ایک ہی جلوہ ہے ..... وہ پیدا کرے یا مار دے اس کیلئے یہ ایک بات ہے ..... وہ بہتر جانتا ہے کہ یہ کائنات کیا ہے ..... انسان کیوں ہے ..... کب سے ہے ..... کب تک ہے ..... کن مراحل سے گزرنا ہے انسان کو ..... وہ کبھی سر پر تاج رکھ دیتا ہے' کبھی ہاتھ میں کاسہ گدائی تھما دیتا ہے۔ اس کی ادائیں ہیں ..... اس کی دلربائی ہے ..... اس کی کبریائی بھی دلربائی ہے ..... وہ بے نیاز ہے ..... ہر ایک سے بے نیاز لیکن وہ درود بھیجتا ہے اور بھیجتا ہی رہتا ہے اپنے محبوب ﷺ پر ..... وہ اپنے محبوب ﷺ کو عزتیں عطا فرماتا ہے۔ لیکن غریبی بھی ..... غریب الوطنی بھی ..... یہ شان ہے اس کی ..... یہ ادائیں ہیں اس کی ..... وہ چاہتا ہے کہ اس کے محبوب ﷺ کے تابع فرمان ہو جائیں ..... سب درود و سلام بھیجیں اس ذات ﷺ پر جو اسے محبوب ہے۔ اس میں صرف استقامت ہے۔ کوئی تضاد نہیں۔ وہ قہار ہے'

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جبار ہے' رحمان ہے' رحیم ہے...... اور سب ایک ہی نور کے جلوے ہیں۔ وحدت میں کثرت اور کثرت میں وحدت کے جلوے ہیں۔ اس کو سمجھنا آسان ہے۔ اسے دماغ سے نہ سمجھا جائے۔ اسے ماننا چاہئے...... وہ شفیق ہے وہ مہربان ہے وہ رحمان ہے...... وہ رحیم ہے...... وہ کہتا ہے کہ اس کی رحمت اس کے غضب سے زیادہ وسیع ہے۔

وہ ظلمات سے نور میں داخل کرتا ہے...... وہ گناہ معاف کرتا ہے...... سارے گناہ...... اور وہ یہاں تک مہربان ہے کہ وہ گناہوں کو معاف کر کے انہیں نیکیوں میں تبدیل کر دیتا ہے۔ حساب کرنے والوں کے ساتھ وہ حساب کرتا ہے۔ رائی رائی کا' پائی پائی کا...... زیادہ عقل والوں کو اور نہ ماننے والوں کو ان کے اعمال کے نتیجے کے حوالے کر دیتا ہے اور عذاب تو یہ ہے کہ انسان کو اس کے اعمال کی عبرت کے حوالے کر دیا جائے...... اس نے بتا دیا ہے کہ اپنے اعمال پر توبہ کرو...... اس کا قرب اس کے مقرب ﷺ کے قرب میں ہے اور اس نے فرما دیا ہے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ وہ عذاب ڈالے ان پر جن کے درمیان وہ ذات ﷺ ہو' جس کیلئے ہمیشہ درود وسلام ہے۔ انسان سوچ کو سوچنا بند ہی کر دے۔ وہ سوچ سے باہر ہے۔ ہم نے یہ نہیں پوچھنا کہ اس نے ایسے کیوں کیا بلکہ ہمیں تیاری کرنا ہے کہ ہم سے پوچھا جانے والا ہے کہ ہم نے ایسے کیوں کیا۔ ہمارے لئے یہی راہ فلاح کی راہ ہے کہ اپنے عمل اور اپنے انجام پر نظر رہے۔ وہ جو عطا کرے ہم راضی ہیں۔ غم بھی اس کا دیا ہوا' خوشی بھی اس کی عطا...... سوچ اس نے عطا کی...... اور سوچ کی اصلاح کرنے والے بھی اس نے پیدا فرمائے۔ صحیح سوچ دینے والے سلامت ہی رہیں۔ عمل کی کوتاہیاں' توبہ سے پوری کی جائیں۔ اس کی ذات سے دوری' اس کے سجدے سے کم کی جائے۔ اے خالق! تیرے ہر عمل پر تیرا بندہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے راضی ہے۔ اپنے قریب رکھ۔ اپنے محبوب ﷺ کا راستہ دکھا۔ یہی کافی ہے۔ باقی رہی تیری ذات اور تیری شان۔ تو بلندیوں سے زیادہ بلند ہے۔ تو رفعتوں سے زیادہ ارفع ہے۔ تو دماغ میں نہیں آ سکتا...... ہاں...... دل میں آ...... تیری آرزو کے علاوہ ہر آرزو سے آزاد ہے...... یہی تو عجب بات ہے کہ تیری محبت ہی تیرے محبوب ﷺ کے در تک لاتی ہے۔ ہم بیچارے تیری تحقیق کیا کر سکتے ہیں۔ ہم تجھے تسلیم کرتے ہیں۔ ہمیں اپنا بنا لے...... رحم فرما...... ہماری سوچوں کو وسعت مندرخ عطا فرما۔

☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جہاں میں ہوں

میں سوچتا ہوں کہ میں کہاں ہوں۔ یوں تو میں اپنے آپ میں' اپنے گھر میں ہوں' اپنے حالات اور مسائل میں ہوں' اپنے فکر و ذکر میں ہوں' اپنے غم اور اپنی خوشیوں میں ہوں' لیکن میں سوچتا ہوں کہ شاید میں کہیں بھی نہیں ہوں۔ میں اپنے نام کے پردے میں چھپا ہوا ایک راز ہوں۔ شاید بہت پرانا...... غالباً قدیم۔ میں مالک کے ارادے میں تھا' اس کے حکم کے تابع ہوں اور اس کے روبرو حاضر رہنے کے انتظار میں ہوں۔ میں اپنے پروگراموں میں بہت مصروف ہوں' یہاں تک کہ میں خود بھی بھول جاتا ہوں کہ میں ایک راز ہوں' لیکن یہ راز اتنا سربستہ بھی نہیں۔ میں اپنے اظہار میں بھی رہتا ہوں اور یہ راز کہ میں راز بھی ہوں اور اظہار میں بھی ہوں' میری سوچ کا باعث ہے۔ راز کس نے بنایا اور اظہار میں کون آیا؟ یہاں سے سوچ کا آغاز ہوتا ہے۔ میرے تخلیق ہونے میں میرا کوئی داخل نہیں' یہ سب اس کی منشا اور اس کے ارادے اور اس کے حکم سے ہوا۔ اس طرح میرا ہونا' میرا ہونا نہیں یا یوں کہہ لیں کہ میرا ہونا' میرا نہ ہونا ہے۔ میں خود کسی کا پروگرام ہوں۔ میرا اپنا کیا پروگرام ہوسکتا ہے؟ میں بس چل رہا ہوں' جو ساتھ ہے اس کی تلاش میں ہوں اور یہ تلاش ایک لامتناہی سفر ہے۔ اگر ہم پیدا ہوتے اور پھر مر جاتے تو کوئی بات نہیں تھی۔ یہاں تو اس سفر کے بعد ایک اور سفر' ایک اور انتظار موجود ہے۔ گویا کہ مرجانا' مرجانا نہیں۔ اگر مرجانا' مرجانا نہیں تو پھر جینا کیا جینا ہے؟

پھر بھی جب تک ہم ہیں' ہم ہیں اور میں یہ بھی سوچتا ہوں کہ میں' میں سے ہم کب ہو جاتا ہوں۔ کیا میں ایک فرد ہوں یا میں ایک بے انتہا سلسلہ افراد کا مجموعہ ہوں؟ یہ سوال میرے لئے اہم ہے کہ میں یہاں ہوتا ہوں اور مجھے میرے وہاں ہونے کی بھی اطلاعات ملتی ہیں۔ میں کبھی صرف ذکر ہوں۔ ذکر کا مطلب اظہار یعنی بیان اور کبھی میں ذاکر ہوں یعنی بیان کرنے والا اور کبھی میں مذکور ہوں' میں بیان ہوتا ہوں۔ گویا کہ ذاکر' ذاکر اور مذکور ایک ہی ذات ہے۔ میں اس ذکر کی بات کر رہا ہوں جو ذکر اکبر ہے' میں تو ایک سوچ کی بات کر رہا ہوں کہ جہاں تک میرے تذکرے ہیں' میں وہاں تک ہوں اور جہاں مجھے کوئی نہیں جانتا' وہاں میں کیسے ہوسکتا ہوں؟ اور میں جانتا ہوں کہ میں اپنے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ میرے غم عارضی ہیں' میری خوشیاں عارضی ہیں' میرا گرد و پیش عارضی ہے۔ میری محبت اور نفرت عارضی ہے۔ میری صحت اور بیماری عارضی ہے اور یہ سب کچھ جاننے کے باوجود میں اپنے آپ کو عارضی نہیں مان سکتا۔

اتنی بڑی خوبصورت کائنات جس کو دیکھ دیکھ کر قادر کی قدرت کے جلوے میسر آتے ہیں' مجھے عارضی نہیں ہونے دیتی۔ میں اپنی پسند کا منظر ہوں' بلکہ اپنی پسند کے مناظر ہوں' میں ان نظاروں میں رہتا ہوں اور یہ نظارے ہمیشہ سے ہمیشہ تک ہیں۔ ان نظاروں کو چاہنے والا' عارضی کیسے ہوسکتا ہے۔ میں نور ہو تو ایک ف...

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہوں لیکن میں وہ ذرہ ہوں جو صحرا میں ہے۔ وہ قطرہ ہوں جو قلزم میں ہے۔ وہ انسان ہوں جو انسانوں میں ہے۔ یعنی ہر انسان مر جاتا ہے لیکن انسان کبھی نہیں مرتا۔ انسان زندہ چلا آ رہا ہے۔ یہ خالق اور مخلوق کی بات ہے۔ انسانوں میں ہونا یا فرد ہونا الگ الگ مقامات ہیں۔

میں اس راز کو حل کرنا چاہتا ہوں کہ میرے خیال کیوں میرے خیال نہیں ہیں؟ میں حال میں ہوں لیکن میرا اسم' میری دینی تعلیم' میری محبتیں ماضی میں ہیں۔ میری عقیدت ماضی سے وابستہ ہے۔ اگر ماضی یک لخت ختم ہو جائے تو میرے پاس میرا دین بھی نہیں رہ جاتا۔ میری تاریخ ختم ہو جاتی ہے۔ میرے تمام قواء مفلوج ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ گویا ایک وسیع پس منظر کے آگے ایک دیوار سی بن جاتی ہے۔ میں ماضی میں رہتا ہوں۔ ان لوگوں کی یاد میں رہتا ہوں جن کو میں نے دیکھا نہیں۔ جو میرے ہم عصر نہیں۔ مجھے ان سے عقیدت ہے۔ میں مزار کو بھی ایک راز سمجھتا ہوں۔ ایک پردہ ہے جس کے پیچھے بہت سی تجلیات چھپی ہوئی ہیں۔ میں ان کے خیال میں رہتا ہوں' وہ میرے خیال میں رہتے ہیں۔ گویا میں وہاں ہوتا ہوں' جہاں میں نہیں ہوتا۔ میرے سامنے وہ نظارے ہیں جو میرے سامنے نہیں ہیں۔ میں سوچتا ہوں کہ یہ کیسے ہو گیا کہ میں چلتے چلتے کہیں اور چلا گیا۔ میری رہائش کہیں ہے اور میں رہتا کہیں اور ہوں۔ میں مزارات کے بارے میں سوچتا ہوں' خانقاہوں کے بارے میں سوچتا ہوں۔ یا اللہ یہ کون لوگ تھے کہ جن کے ہاں مر جانے کے بعد بھی میلہ لگا رہتا ہے۔ انہوں نے موت کو میلہ بنا دیا اور ہم ہیں کہ زندگی پر بھی سکوت مرگ مسلط ہے! میں سوچتا ہوں کہ میں کس حد تک اس بات کو سوچتا رہوں گا کہ یہ سب کیا ہے؟ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ میں بھی بھوک لگنے پر کھالوں اور نیند آنے پر سو جاؤں۔ اپنے آپ میں رہوں' اپنا بھلا سوچوں اور صرف اپنے لئے زندہ رہوں اور صرف اپنے لئے مر جاؤں۔ لیکن یہ بات تو ممکن نہیں' میں اپنے عزیزوں میں تقسیم شدہ ہوں۔ اپنی چاہتوں میں بکھرا ہوا ہوں اور اپنے خیال کی رفعتوں تک وسیع ہوں۔ میں ایک سلسلہ ہوں کہ پچھلے سلسلے کی آخری کڑی ہوں اور آنے والی نسلوں کا آغاز بھی ہوں۔ مجھ پر اختتام ہے اور مجھ سے ہی آغاز ہے۔ مجھے یاد ہے کہ میں ابھی کچھ عرصہ ہوا شے مذکور نہیں تھا اور اب میں کہیں نہ کہیں ہوں۔ یہ مختصری موجودگی نہایت ہی مختصر ہے۔ ایک چنگاری ہے کہ چمکتی ہے اور غائب ہو جاتی ہے۔ آج بھی بے شمار مقامات پر ہم کسی شمار میں نہیں ہیں۔ نتیجہ پھر وہی نکلتا ہے کہ میرا ہونا' میرا نہ ہونا ہے۔ میں ایک گھونٹ چشمہ بقا سے پیتا ہوں اور دوسرا گھونٹ بحر فنا سے اور اس طرح میں مرتا جیتا رہتا ہوں۔

کبھی میں محبت بن کر کسی کے دل میں دھڑکتا ہوں اور کبھی نفرت بن کر کسی کے اندر آگ لگا دیتا ہوں۔ میں چلتے چلتے ٹھہر جاتا ہوں اور ٹھہرتے ٹھہرتے چل پڑتا ہوں۔ کبھی راہ سے بے راہ ہو جاتا ہوں اور کبھی گمراہی کی منزلوں میں راستوں کا نشان بنا دیا جاتا ہوں۔ میں کبھی نظروں میں سماتا ہوں اور ان نظروں سے گر جانے کا عمل بھی جانتا ہوں۔

میں دیکھتا ہوں' میرے اندر کوئی رہنما جذبہ کارگر ہے' جس کے دم سے میں چل رہا ہوں۔ میں اس کی عطا کے سامنے اپنی خطا کا ذکر نہیں کرتا۔ میں تو ہوں ہی خطا اور وہ۔ سراپا عطا۔ بہرحال میں سوچتا ہوں کہ یہ

www.iqbalkalmati.blogspot.com

راز کیا ہے اور پھر یہ بھی سوچتا ہوں کہ یہ راز جو کھٹک رہا ہے اپنے سینے میں اور اپنے اظہار کیلئے بے تاب...... یہ راز اصل میں ہے کیا؟ کیا یہ صرف انفرادی راز ہے یا یہ وہ راز ہے؟ وہ۔ جس کا اظہار' انتظار کیا جا رہا ہے۔

یہ عجب بات ہے کہ ایک بے قرار دل غزل کہہ دے اور ہزاروں بے قرار دلوں کو قرار آ جائے۔ مصنفین اپنی کتابوں کی شکل میں اپنے مرنے کے بعد بھی اپنے چاہنے والوں کی لائبریری میں محفوظ رہتے ہیں۔ کیا انسان اپنا وجود ہے یا اپنا نام...... بس اس نام کے پردے میں ایک راز ہے اور اسی راز کے بارے میں' میں غور کر رہا ہوں۔

ہم اپنی چاہتوں میں زندہ رہتے ہیں۔ محبوب ہماری زندگی ہے۔ محبوب کے ہونے سے ہم زندہ ہیں' محبوب کے مر جانے سے ہم مر جاتے ہیں۔ لیکن نہیں...... محبوب نہیں مرتا' کیونکہ محبوب کی ذات یاد بن جاتی ہے اور اپنے طالب کے دل میں رہتی ہے' گویا کہ ہم محبوب کے دم سے زندہ ہیں اور محبوب ہمارے دم سے...... وہ ہمارا اندکور ہے۔ وہ ہمارے احساس میں ہے۔ ہماری یاد میں ہے۔ ہمارے پاس ہی ہے۔

پھر میں سوچتا ہوں' یہ جو سب بزرگ رخصت ہو چکے ہیں۔ یہ ہماری یاد میں ہیں' ہمارے احساس میں ہیں۔ پھر یہ زندہ ہیں کیونکہ یہ زندگی میں رہتے ہیں۔ زندگی ہم ہیں اور یہ ہم میں ہیں۔ ہم جس کی محبت میں ہیں وہ ہم میں موجود ہے۔ یہاں میں یہ سوچتا ہوں کہ جن لوگوں میں جتنی بڑی محبت ہے' وہ اتنے بڑے زندہ ہیں۔

سب سے بڑی محبت اللہ کے محبوب ﷺ سے ہو سکتی ہے۔ یہ محبت رکھنے والا فنا' بقا سے اگلی منزل کا مسافر ہے۔ یہ وادی تجلیات کا رہبر ہے۔

بہرحال ایک عجب راز ہے کہ یہ سب راز ہے اور میں اس راز کے پردے میں۔ اس پردے کو اٹھانا بس کی بات نہیں۔ میں سوچتا ہوں کہ میری نگاہ جس چیز کو دیکھتی ہے وہ چیز میرا علم بن جاتی ہے۔ میری یاد بن جاتی ہے۔ میری نفرت اور محبت بن جاتی ہے۔ گویا کہ میں دور تک پھیلا ہوا سلسلہ ہوں۔ میں حاصل اور محرومیوں سے آزاد ہو کر سوچتا ہوں کہ اس راز کی چابی کیا ہے؟ یہ کیا وجہ ہے کہ ایک آدمی پہلی دفعہ ملتا ہے اور ہم سوچنے لگ جاتے ہیں کہ ہم اسے پہلی بار سے پہلے بھی مل چکے ہیں اور یہ بھی عجب بات ہے کہ کچھ لوگ ہمارے قریب رہتے ہیں' ہمیں نظر آتے ہیں لیکن ہمیں محسوس نہیں ہوتے

میرے لئے بے شمار لوگوں کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ کبھی کبھی میں اخبار کے اخبار پڑھ جاتا ہوں اور ان میں کبھی کوئی خبر نظر نہیں آتی۔ میں جس کو سننا چاہتا ہوں وہ بولتا ہی نہیں' جسے دیکھنا چاہتا ہوں وہ نظر ہی نہیں آتا۔ جس کا ثبوت نہیں اس کو مانتا ہوں' جس کو دیکھا ہی نہیں اس کی محبت میں سرشار ہوں۔ میں کہاں کہاں سے آیا ہوں؟ میں کن اجزاء سے مرتب ہوا ہوں؟ کسی اور کا عمل میرا علم بن جاتا ہے اور کسی اور کا علم میرا عمل بن جاتا ہے۔ کسی اور کی صورت میری محبت بن جاتی ہے اور کسی اور کا چہرے میرے لئے نفرت۔ اکثر اوقات میری کسی خطا کے بغیر میری سزا بن جاتی ہے اور اکثر و بیشتر میری خطا مجھے درِ عطا پر جھکا دیتی ہے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

یہ عجب راز ہے کہ یہ راز ایسا ہے کہ اس کو جتنا بیان کرو' اتنا ہی بیان نہیں ہوتا۔ یہ وہ راز ہے جو تلاش کرنے والوں کو حاصل نہیں ہوتا کیونکہ یہ خود ہی تلاش ہے۔ جس کو ملتا ہے اس کو بتائے بغیر ملتا ہے کہ یہ راز ہے۔ یہ راز کئی شکلیں اختیار کر سکتا ہے۔ ایک سائل آتا ہے' دروازے پر دستک دیتا ہے' خیرات کا سوال کرتا ہے۔ انکار پر وہ کہتا ہے ''مجھے غور سے دیکھو' میں تمہارا راز ہوں۔ میں بخیل کو سخی بنانے والا نسخہ ہوں۔ عبادت اس منزل پر نہیں پہنچاتی جہاں میرے دل سے نکلی ہوئی دعا۔ بیٹا دعائیں لو۔ یہ نیکی ہے۔''

انسان خالق کا مظہر ہے۔ اس کی قدر کرو۔ یہ تم ہی ہو۔ تمہارا بھائی' تم ہی ہو' جس طرح تمہارا ہاتھ تم ہی ہو' تمہاری آنکھ تمہاری ہے لیکن نہیں...... یہ جلوؤں کی ہے' انہوں نے تیرے پاس آنے کا یہ راستہ بنا رکھا ہے۔ اصل میں جلوؤں کا آنا مقصد ہے۔ تم جلوؤں کیلئے ہو۔ گویا کہ تم جلوؤں میں ہو۔ جب تم ہی جلوؤں میں ہو تو پھر تم خود ایک جلوہ ہو۔ تمام نظاروں کی کنجی تیری آنکھ میں ہے۔ تیری آنکھ نظاروں کا ایک حصہ ہے۔ یہ نہ ہو تو نظاروں کا حسن ختم ہو جاتا ہے' گویا کہ نظاروں کی جان تیری آنکھ ہے۔ کبھی اپنی آنکھ کا نظارہ دیکھنے کی کوشش کرو۔ نہیں۔ یہ راز' راز ہی رہے گا کہ آنکھ کی نظر کیا ہوتی ہے اور منظر کی آنکھ کیا؟ یہ ساتھ رہتے ہیں اور پہچان نہیں ہوتی۔

انسان خود ہی کسی کا راز ہے۔ وہ خود کیا راز دریافت کرتا ہے؟ لیکن ابھی وہ راز' اظہار کے انتظار میں ہے۔ اسے معلوم کرنے کی کوششیں صدیوں سے ہو رہی ہیں۔ اقبالؒ کو قدسیوں نے بشارت دی ''وہ راز اب آشکار ہوگا!'' اس راز کا راز یہ ہے کہ جو شخص س راز کو دریافت کرنے نکلتا ہے' وہ خود ہی راز کا حصہ بن جاتا ہے۔ نگاہ یار انسان کو آشنائے راز کرتی ہے لیکن راز آشنا' راز بیان کرنے کی بجائے جلوہ نگاہ یار میں کھو جاتا ہے۔ اس کے زمین و آسمان بدل جاتے ہیں۔ وہ اس دنیا میں رہتے ہوئے کسی اور دنیا میں پہنچ جاتا ہے۔ وہ باتیں کرتا ہے۔ سننے والے کہتے ہیں یہ سب بہکی بہکی باتیں ہیں کیونکہ وہ جانتا ہے اور سننے والے جانتے نہیں اور جاننے والے سنتے نہیں اور اس طرح یہ راز گونگے کا خواب بن کر رہ گیا ہے جس کو دیکھنے والا گونگا تھا' سننے والے کیا سنتے؟ بہرنوع...... اس راز کے اندر بہت سارے سربستہ راز ہیں۔

ہوسکتا ہے' اس راز کے اندر وقت کے فاصلے سمیٹنے والا راز بھی ہو کہ آج کی دنیا میں رہنے والا ہوسکتا ہے' کل کی دنیا میں بھی موجود ہو۔ کل تو گزر گیا اور کل میں موجود ہونا کیا بات ہوئی؟ جس طرح آج کا طالب بیان کرے کہ وہ کسی اور محفل میں ہے۔ وہ محفل جس کو نظر سے اوجھل ہوئے صدیاں بیت گئی ہیں۔

ہوسکتا ہے آج کا طالب کل کے محبوب کے در پر زندہ ہو۔ اس راز میں سکتا ہے کہ ہر اسم اپنے جسم کے ساتھ نظر آسکے اور جو لوگ راز آشنا ہوں وہ روز اول اور روز ابد کو ایک لمحہ سمجھیں...... ایک ہی لمحہ...... جو پھیلے تو صدیوں پر محیط ہو جاتا ہے۔ اس لمحے کی دریافت ہی راز کی دریافت ہے۔ اس راز کا اظہار ابھی سربستہ راز ہے۔ یہ وہ واقعہ ہے جو ہے' لیکن ابھی رونما نہیں ہوا۔ یہ وہ روشن سورج ہے جو طلوع ہونے والا ہے اور یہ سورج ہمیشہ طلوع ہی ہونے والا ہوتا ہے اور...... کبھی طلوع نہیں ہوا۔ جن لوگوں نے راز دریافت کیا' انہوں نے ہی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

راز چھپایا۔

یہ راز ایک راز قدیم ہوتے ہوئے ایک جدید اظہار سے گریزاں ہے۔ یہ ایک پراسرار گہرائی ہے، جو اس میں اترتا ہے، وہ اترتا ہی چلا جاتا ہے۔ جو لوگ راز دریافت کرنے گئے وہ اپنے سفر سے واپس نہیں آئے۔ لیکن یہ بھی سوچنا پڑتا ہے کہ جب اس نے انسان کو بیان کا علم دے دیا، تو اب کسی بات کو مخفی رکھنے کا کیا جواز؟ راز کو کھول دیا جائے تو بہتر ہے، لیکن راز کو راز ہی رہنے دیا جائے تو شاید اس کا اظہار آسان ہو جائے۔ خاموشی بہت بڑا راز ہے۔ اس راز کو سنا جا سکتا ہے۔ زبان وہ بات کہہ ہی نہیں سکتی، جو سکوت سے بیان ہوتی ہے۔ جہاں میں ہوں، وہاں یہی کچھ ہے۔ یہ سب کچھ ہے اور کچھ بھی نہیں۔ جہاں ہونا، نہ ہونا ہوتا رہتا ہے۔ جہاں منظر بدلتے رہتے ہیں۔ یہی زندگی ہے اور یہ زندگی موت سے دامن بچا کر نکل جاتی ہے۔ پھر بھی اس راز کو مخفی ہی رہنا چاہئے۔ یہ راز کھل گیا تو کوئی نیا ہی گل کھل جائے گا۔ انتظار میں زندہ رہنا زندگی ہے۔ میں زندگی میں ہوں اس لئے جہاں میں ہوں، وہاں زندگی ہے، حیات ہے اور راز کے اظہار کا انتظار ہے۔

☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہم کیا کرتے ہیں؟

ہم عجب لوگ ہیں۔ مواقع ضائع کر دیتے ہیں۔ پھر ان کی تلاش شروع کر دیتے ہیں۔ جانے کے بعد کون واپس آتا ہے؟ موقع تو کبھی واپس نہیں آیا۔ جو گیا وہ واپس نہیں آیا اور جو واپس آیا وہ وہ نہیں تھا جو گیا تھا۔ وہ کچھ اور ہی تھا۔ دھاگہ ٹوٹ جائے تو اسے جوڑا جا سکتا ہے لیکن گرہ ضرور لگ جاتی ہے۔

ہم ہمیشہ حسرت میں رہتے ہیں کیونکہ وقت سے پیچھے رہتے ہیں اور کبھی کبھی ہم خوابوں میں رہتے ہیں کیونکہ وقت سے آگے نکل جاتے ہیں۔ ہم وقت کے ساتھ کیوں نہیں چلتے۔ ہم کیا کرتے ہیں؟

ہمیں یاد ہے کہ ہم سے کیا چھن گیا ہے۔ ہمارے پاس ایک نعمت تھی جو مانگے بغیر ملی تھی۔ بہشت۔ ہم نے قدر نہ کی اس نعمت کی اور نتیجہ یہ کہ آج سب سے بڑی آرزو یہی ہے۔ وہ جو کبھی حاصل تھا' دوبارہ حاصل ہو جائے۔ ہم مانگتے ہیں وہ' جو ہمیں دیا جا چکا تھا۔ ہم کیا کرتے ہیں؟

بہشت شاید ایسی نعمت ہی کا نام ہے جس کو کھو دینے کے بعد اس کی تلاش شروع ہو جائے۔ ہم اپنی اپنی بہشت سے محروم ہو کر اپنی اپنی بہشت کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔ کیا ہم کھوئی ہوئی نعمت کے متلاشی ہیں......؟ کیا ہم چھوڑی ہوئی منزل کے مسافر ہیں......؟ کیا ہم بھولے ہوئے زمانے کی یادوں میں گم ہیں......؟ کیا ہم اپنے ادھورے خوابوں کے پورا ہونے کے منتظر ہیں......؟ کیا ہم چھنی ہوئی متاع بے بہا کے غم میں مبتلا ہیں......؟ ہمیں کچھ بھی مل جائے ہم گلہ ضرور کرتے ہیں۔ ہم کیا کرتے ہیں......؟

شاید ہم اپنی انا کے بے جان گھوڑے پر سوار ہیں۔ ہم فاصلے طے کرتے رہتے ہیں لیکن سفر نہیں کٹتا۔ ہم زندگی کے طویل سفر کی صعوبتیں اٹھاتے رہے ہیں اور انجام کار ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے کل سفر' گھر سے قبرستان تک ہی کیا ہے۔ ہم مر مر کے مرتے ہیں۔ ہم آسانی سے کیوں نہیں مرتے۔ کیا حقیقت تسلیم کرنا ہمارے لئے ناممکن ہے۔ کیا یہ ہماری انا کی توہین ہے؟ غم کی آندھیاں درخت کو گرا دیتی ہیں لیکن درخت کا سایہ انا پر اڑا رہتا ہے۔ وہ گرنے کو تیار ہی نہیں ہوتا۔ اسے لاکھ سمجھاؤ کہ بھائی وہ درخت تو گر گیا جس کا تو سایہ ہے۔ وہ سنی ان سنی کر دیتا ہے۔ وہ شرمندہ ہونے پر بھی شرمندہ نہیں ہوتا۔ سلطنت چلی جائے' بوئے سلطانی نہیں جاتی۔

ہم اپنی بات' خواہ غلط ہی کیوں نہ ہو' نہیں چھوڑ سکتے۔ ہم دوست کو چھوڑ دیتے ہیں' بحث کو نہیں چھوڑتے۔ مباحثے جیتنے کی تمنا میں اپنے ساتھی ہار بیٹھتے ہیں۔ قافلہ ختم ہو جائے تو ہماری سرداری ختم نہیں ہوتی۔ ہم کچھ بھی تو تسلیم نہیں کرتے۔ ہم دوسروں کی حقیقت تو کسی قیمت پر تسلیم کرنے کو قطعاً تیار نہیں ہوتے۔

ہمارا باپ خواہ دس مرتبہ مر جائے ہم خود کو یتیم ماننے سے انکاری ہوتے ہیں۔ ہم مرغے کی طرح اکڑتے رہتے ہیں۔ ذبح ہونے سے پہلے بھی بانگ ضرور دیتے ہیں۔ ہم اپنے ہونے کا اعلان کرتے کرتے ان

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہونی کی لپیٹ میں آ جاتے ہیں۔ ہم ایک نامعلوم خوف میں مبتلا ہیں لیکن ہم دوسروں کو خوفزدہ کرنے کے عمل سے باز نہیں آتے۔ جب ہم ڈرا رہے ہوتے ہیں' ہم درحقیقت ڈر رہے ہوتے ہیں۔ ہم طاقت کے ذریعے سے لوگوں کو اپنا بناتے ہیں اور لوگ کبھی بھی ہمارے نہیں ہوتے۔ ہم صرف مفادات سے محبت کرتے ہیں۔ انسانوں سے محبت کرنا ہمیں نہیں آتا۔ ہم نے انسانوں سے محبت کرنا چھوڑ دیا ہے۔ ہم صرف ایک انسان سے محبت کر سکتے ہیں۔ اپنا آپ۔ ہم خود سے محبت کرتے ہیں۔ اپنی پرستش کرتے ہیں۔ ہم صرف اپنی شکل پر فریفتہ ہوتے ہیں۔ اپنے قصیدے سنتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ لوگ سچ کہہ رہے ہیں۔ ہم خوش فہمی کی غلط فہمیوں میں رہنا پسند کرتے ہیں۔ ہم خود کو بس مامور من اللہ ہی سمجھتے ہیں اور لوگوں کو اپنی رعایا ہونے کے علاوہ کوئی مقام دینے کو تیار نہیں۔ ہم خود کو تاحیات شہنشاہ بنے رہنے کا حق دے چکے ہیں۔ ہم خود کو سید' مغل' غزنوی' سوری' غوری' بلکہ مرہٹہ اور راجپوت نسل سے متعلق کرتے ہیں اور فخر کرتے ہیں کہ ''پدرم سلطان بود.....''

ہم صرف انسان ہونے کو قابل عزت نہیں سمجھ سکتے۔ اعلیٰ کردار اور اعلیٰ احساس کی عدم موجودگی میں بھی اعلیٰ نسل سے وابستگی ہمارے لئے قابل عزت ہے۔ ہمیں قبیلے اور برادریوں پر ناز ہے۔ صرف شرف انسانیت ہمارے لئے بے معنی ہے۔ ہم دولت کو ضرور وقعت دیتے ہیں بشرطیکہ ہمارے پاس ہو۔ اگر یہی دولت دوسروں کے پاس ہو تو ہم کہتے ہیں یہ سب غریبوں کا حصہ ہے۔ مزدوروں کا حق ہے۔ یہ سب ناجائز کمائی ہے۔ یہ سب حرام کا مال ہے۔ رشوت خود' ذلیل کمینے لوگ۔ عزت والے لوگ تو صرف ہم ہیں۔ کیا ہم صرف تجزیے کرتے رہتے ہیں۔ ہم کیا کرتے ہیں؟

ہم صبح ہوتے ہی گلہ کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ غیبت ہمارا پسندیدہ مشغلہ ہے۔ ہم کچھ نہ کچھ کسی نہ کسی کے خلاف ہی بولیں گے۔ غیبت کے بارے میں اللہ کریم کا ارشاد کہ ''غیبت کرنے والا ایسے ہے جیسے کوئی اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔'' ہم نے سن رکھا ہے۔ لیکن کیا کیا جائے' غیبت ہماری عادت ہے۔ گلے' شکوے' الزام تراشی' عیب جوئی وغیرہ کا فن اور علم ہم نے اخبارات سے حاصل کیا ہے۔ میدان سیاست کی عنایت ہے یہ علم۔

ہم موسم کا گلہ کرتے ہیں' ہم خدا کا گلہ کرتے ہیں' ہم وقت کی حکومت کا گلہ کرتے ہیں' ہم اپنے اکابرین کا گلہ کرتے ہیں' ہم افسروں کا گلہ کرتے ہیں' افسر ماتحتوں کا گلہ کرتے ہیں' بچے ماں باپ کا گلہ کرتے ہیں' والدین اپنی اولاد کا گلہ کرتے ہیں۔ کون کس کا گلہ نہیں کرتا۔ اگر غیبت اور گلہ چھوڑ دیں تو شاید ہم تعمیری دور میں داخل ہو جائیں۔ غیبت کے بارے میں ایک دفعہ کسی نے حضور اکرم ﷺ سے سوال کیا کہ ''یا رسول اللہ ﷺ غیبت کیا ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا ''کسی انسان کی عدم موجودگی میں اس کے بارے میں وہ بات کرنا جو اس کے منہ پر نہیں کی جا سکتی۔'' سائل نے عرض کیا کہ اگر اس کے منہ پر کہہ دیا جائے تو؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''تو یہ بے حیائی ہوگی.....''

بہرحال ہم لوگ شکوے اور شکایتیں سننے اور سنانے کے عذاب میں مبتلا ہیں۔ ہم صرف باتیں کرتے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہیں' کام نہیں کرتے۔ ہم کیا کرتے ہیں؟

ہم زندگی بھر زندہ رہنے کے فارمولے سیکھتے رہتے ہیں اور جب زندگی اندر سے ختم ہو جاتی ہے' ہم بے بس ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ ہم نے موت کا فارمولا تو سیکھا ہی نہیں ہوتا۔ پس بغیر فارمولے کے مر جاتے ہیں۔ اسلام نے بامقصد زندگی کے ساتھ ساتھ بامقصد موت کا فارمولا بتایا ہے کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے انہیں مردہ نہ کہو' بلکہ وہ زندہ ہیں۔ صرف دیکھنے والوں کو شعور نہیں۔ ایسی موت کہ زندگی اور موت پیدا کرنے والے کا حکم ہے کہ یہ زندہ ہے۔ موت کا یہ فارمولا ہم بھول گئے۔ ہم مرتے نہیں ہیں۔ ہم صرف مارے جاتے ہیں۔ سسکتی اور کراہتی ہوئی موت...... عذاب ہے۔ ہم نے تڑپنے' پھڑکنے کی توفیق مانگنا چھوڑ دیا ہے۔ ہم میں دل مرتضیٰ نہیں' سوز صدیقؓ نہیں۔ زندگی صرف زندہ رہنے کی تمنا میں گزرے گی تو موت ایک مصیبت بن کے آئے گی اور اگر زندگی مقصد کیلئے گزری تو موت قبولیت کی سند بن کے آئے گی۔ حیات جاوداں لائے گی۔ ہم غور ہی نہیں کرتے' ہم کیا کرتے ہیں؟

ہم ہر وقت بھاگے چلے جاتے ہیں۔ افراتفری کا عالم ہے۔ دفتر کو جانا' دفتر سے جانا۔ پچاس سال کی نوکری میں تیس سال تو مدت ملازمت ہے اور باقی کے سال ہم نے طاقت کے بل پر حاصل کر رکھے ہوتے ہیں۔ ہم توسیع مدت ملازمت حاصل کرتے رہتے ہیں۔ ہاں تو پچاس سال کی نوکری میں ہم اتنا سفر کر جاتے کہ لوگ ابن بطوطہ اور مارکو پولو کے نام بھی بھول جائیں۔ لیکن ایک کولہو کے بیل اور کنویں کے مینڈک کی طرح ہم وہیں رہتے ہیں۔ ہم چلتے رہتے ہیں لیکن فاصلے طے نہیں ہوتے۔ ہم راستے میں حائل ہونے والی ایک دیوار کو گراتے ہیں۔ اگلے دن ایک نئی دیوار راہ میں حائل ہو جاتی ہے۔ بس چل سو چل' کھیل جاری رہتا ہے۔ نہ ہم اپنے آشیانے چھوڑتے ہیں نہ ہم کو ذوق پرواز عطا ہوتا ہے۔ ہم غلامی سے' پروگرام کی غلامی سے' اتنے مانوس ہو گئے ہیں کہ ہمیں آزادی سے ڈر لگتا ہے۔ عمر تاریکیوں میں کاٹنے کے بعد ہمیں حقیقت کے اجالوں سے بھی ڈر لگتا ہے۔

ہم بہرحال بھاگتے رہتے ہیں۔ ہم بہت مصروف رہتے ہیں۔ غالباً ہم کسی چمکدار شے کے تعاقب میں رہتے ہیں۔ یہ روشن شے لوبھ کی پری ہے۔ ہم اس کے پیچھے دوڑتے ہیں اور پری کا محافظ خوف کا دیو ہمارے پیچھے ہوتا ہے۔ نہ ہم اس کو چھوڑتے ہیں اور نہ وہ ہمیں چھوڑتا ہے۔ ہمیں کون بتائے کہ لالچی ہمیشہ ڈرتا رہتا ہے۔ جس نے لالچ چھوڑ دیا وہ بس ''لاخوف'' اور ''لایحزنوں'' کی منزل میں داخل کر دیا گیا۔ ہم خود پر رحم نہیں کر سکتے...... ہم کیا کرتے ہیں؟

کثرت مقاصد نے ہمارے لئے قلت سکون پیدا کر دی ہے۔ ہم بہت سی زندگیاں گزارتے ہیں' اس لئے ہمیں بہت سی اموات سے گزرنا پڑتا ہے۔ اگر وحدت مقصد مل جائے تو کثرت اموات سے بچا جا سکتا ہے۔ جن لوگوں نے زندگی سے کچھ حاصل کیا یا زندگی کو کچھ عطا کیا' وہ لوگ وحدت مقصد والے لوگ تھے۔ نہ وہ خوفزدہ کئے جا سکتے تھے نہ خریدے جا سکتے تھے اور نتیجہ یہ کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے زندہ ہیں۔ بلکہ وہی تو زندہ ہیں۔ لوگ زندگی میں مر جاتے ہیں اور وہ لوگ موت میں بھی زندہ ہیں۔ کیا ہم غور نہیں کر سکتے...... ہم کیا کرتے ہیں؟

☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بے ترتیب

زندگی' ترتیب بلکہ حسن ترتیب کا نام ہے۔لیکن کبھی کبھی یہ ترتیب اپنے آپ سے باہر ہو جاتی ہے جس طرح کناروں کے اندر بہنے والا خاموش دریا کبھی نہ کبھی اپنے آپ سے باہر ہو جاتا ہے اور پھر تمام زندگی کو بے ترتیب کر دیتا ہے۔

بے ترتیب ہونا عناصر کے پریشان ہونے کا ایک مظاہرہ ہوتا ہے' ایک وارننگ ہوتی ہے کہ محفل حباب ہمیشہ ترتیب میں قائم نہیں رہتی ہے۔حلقہ دشمناں بھی ترتیب سے باہر ہو جاتا ہے۔انسان بیٹھے بیٹھے اپنی نگاہوں میں بدل سا جاتا ہے۔کبھی جن باتوں پر افسوس ہوتا تھا' اب ان پر افسوس نہیں ہوتا کہ انسان جان چکا ہوتا ہے کہ حسن ترتیب عارضی ہے۔بندشیں ٹوٹ جاتی ہیں۔تسبیح کے دانے بکھر جاتے ہیں اور انسان سوچتا رہتا جاتا ہے کہ ضبط بے ضبط ہو گیا ہے۔احتیاط بے احتیاط ہو گئی۔شیرازۂ حالات اور شیرازۂ خیالات منتشر ہو گئے۔

انسان چنتا ہے گرے ہوئے موتی اور خیال کی تسبیح مرتب کرنے کی کوشش کرتا ہے۔لیکن اب کہاں! بے ترتیبی انسان کو گرفت میں لے لیتی ہے اور وہ روتے روتے ہنس پڑتا ہے اور ہنستے ہنستے رو پڑتا ہے۔مانوس اور مرغوب مقامات اور افراد اور کیفیات سے گریزاں ہو جاتا ہے۔

جب خیال کی بندش ٹوٹ جائے تو عمل کی ترتیب بھی قائم نہیں رہ سکتی۔کبھی باقاعدگی کو کامیابی سمجھا جاتا ہے اور کبھی بے قاعدگی کو پسند کیا جانے لگتا ہے۔

جب خیال بے ترتیب اور منتشر ہو جائے تو اظہار' بیان اور تحریر میں ربط ختم ہو جاتا ہے۔کسی بات کا کوئی سرا کسی سرے سے نہیں ملتا۔بندشیں اور کڑیاں ٹوٹ جاتی ہیں اور جن اینٹوں سے خوبصورت مکان بنائے گئے وہ پھر ربط سے بے ربط ہو کر ملبے کا ڈھیر ہو جاتی ہیں۔واضح' غیر واضح ہو جاتا ہے۔اسی کیفیت میں' میں نے چاہا کہ مضمون لکھا جائے لیکن پھر میں نے ہی چاہا کہ مضمون نہ لکھا جائے۔بس بے ترتیب باتیں کی جائیں۔

غور کر رہا تھا کہ ہماری عبادتیں' ہماری ریاضتیں اور ہماری دعائیں اتنی بااثر نہیں ہوتی جتنی ہم سے پہلے لوگوں کی ہوتی تھیں۔گزشتہ زمانوں کے لوگوں کے حالات اتنے خوشگوار نہیں تھے جتنے آج کل ہیں۔آج کا ایک معمولی سا کارخانہ دار ایک چھوٹا سا سرمایہ دار بھی اپنے پاس اتنی دولت رکھتا ہے کہ شاید کسی مغل بادشاہ کے تصور میں بھی نہ ہو۔ان لوگوں کی زندگی خوشگوار تھی۔لیکن ان کے پاس ایئرکنڈیشنر نہیں تھے' ٹیلی فون نہیں تھے' ان کے پاس سفر کیلئے گاڑیاں' جہاز اور ہیلی کاپٹر نہیں تھے۔ان کی سڑکیں بس نام کی سڑکیں تھیں۔وہ سفر کیا کرتے تھے' گھوڑا گاڑی میں اور ہاتھی کی پشت پر۔وہ لوگ گھوڑے دوڑاتے تھے اور خوش رہتے تھے۔آج ایک عام آدمی اتنی آسائش میں رہتا ہے' اتنے آرام میں رہتا ہے' اس کو ہر طرح کی سہولتیں میسر ہیں' لیکن دل بجھا ہوا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہے۔ شاید زندگی کی بے ترتیبی میں گھر چکا ہے۔ کثرت مقاصد نے آج کے انسان کو جکڑ کے رکھ دیا ہے۔

ہر چیز نقلی اور سطحی ہوتی جا رہی ہے۔ کسی زمانے میں کہیں سے درد کی فریاد اٹھتی تو سارے زمانے میں احساس کی لہر دوڑتی۔ آج لوگ گھر سے بے گھر ہو گئے' پانی کی نذر ہو گئے لیکن عیاشیوں کی رفتار میں فرق نہ آیا۔ شاید ہم ترتیب کی سب حدیں روندنا چاہ رہے ہیں۔ کل تک بیٹیوں کی رخصتی ایک درد کا سماں تھا۔ ماں' بیٹی جب ملتیں تو کہتے ہیں کہ آسمان کے کنگرے ہل جاتے۔ لیکن آج کسی قسم کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ دلہن رخصتی کے وقت رو نہیں سکتی' اسے پتہ ہے کہ رونے سے اس کا سینکڑوں روپے کا میک اپ خراب ہو جائے گا۔ ایک نقلی چہرہ اصلی غم پر چڑھا دیا جاتا ہے اور کیفیت کی ترتیب بے ترتیب کر کے رکھ دی جاتی ہے...... موجودہ دور شاید کیفیات شکن ہے۔ خلوص' وفا اور استقامت' یارانے' دشمنیاں سب بے ترتیب ہو گئی ہیں۔ مسجدیں بڑھتی جا رہی ہیں اور نمازی گھٹتے جا رہے ہیں۔ مسجدوں کے گنبد اور مینار بھی اپنے قدیم اور پر خلوص انداز سے ہٹتے جا رہے ہیں۔

لاؤڈ سپیکر کا شور ہے۔ تبلیغ کا زور ہے۔ مسلمان' مسلمانوں کو مسلمان ہونے کی تبلیغ کر رہے ہیں۔ جس کی طبیعت چاہے' اٹھ کر کھڑا ہو جائے اور رٹی رٹائی ایک تقریر دے مارے' بے بسی ہے۔ وقت قیام بھی سجدے میں گزارا جاتا ہے۔ زندگی کسی رخ پر جا رہی ہے اور تبلیغ کسی اور رخ پر۔ ہم لوگ بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کی زندگی سادہ تھی۔ آپ ﷺ نے کھجور کی چٹائی کا بستر بنایا ہوا تھا۔ آپ ﷺ کے لباس مبارک میں پیوند تھے۔ آپ ﷺ سب سے زیادہ معزز انسان بنائے گئے اور آپ ﷺ کے ماننے والے آپ ﷺ کی راہ پر چلنے کا دعویٰ بھی رکھتے ہیں جبکہ ہماری زندگی اس زندگی سے یکسر مختلف ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے شادی کی تقریبات کو سادہ ترین رکھنے کا حکم فرمایا۔ حضور ﷺ کے ماننے والے بچوں کی شادیاں کرتے ہیں' لاکھوں روپے خرچ کیے جاتے ہیں۔ لڑکی والے برات کے استقبال اور طعام پر بے دریغ خرچ کرتے ہیں۔ یہی نہیں برات سے پہلے رسم حنا بندی ادا کی جاتی ہے۔ راتوں کو ایک گھر سے دوسرے گھر جانے والے مہندی کی رسم ادا کرنے کیلئے سرعام گانا بجانا کرتے ہیں۔ ویڈیو فلمیں بنائی جاتی ہیں اور اپنے مسلمان ہونے کا سرعام مذاق اڑایا جاتا ہے۔ بڑے بڑے ہوٹلوں میں شادیوں کی دعوت ہوتی ہے اور برات میں کسی بڑے سیاسی جلسے کا رنگ نظر آتا ہے۔ کیا بنے گا؟ امیر پیسے کی نمائش کر کے غریب کو مزید غریب کر دیتا ہے اور غریب کی بیٹیاں' ہمیشہ بیٹیاں ہی بنی رہتی ہیں۔ انہیں دلہن بننے کا موقع اس لئے نہیں ملتا کہ ان کے پاس وسائل نہیں۔

یہ عجیب باتیں ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ ہر شعبہ اپنے اصل سے باہر ہو گیا۔ ہر ترتیب ٹوٹ گئی۔ کسی زمانے میں استاد کردار ساز ہوتے تھے۔ بچوں میں عظمت کردار پیدا کرتے تھے۔ روحانیت کا درس دیتے تھے۔ زندگی کی حقیقتوں سے آشنا کرتے تھے اور آج کچھ اور ہی ماحول پیدا ہو گیا۔ درس گاہیں کچھ اور قسم کے انسان پیدا کر رہی ہیں۔

ہم چاہتے ہیں کہ ہر طرف اسلام پھیل جائے۔ لیکن ہم نے خود جو اسلامی معاشرہ بنایا ہے' اس کی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

حالت بے ترتیب سی ہے۔ ہم بچوں کو انگریزی سکولوں میں داخل کراتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اسلامی روحانی معاشرہ پیدا ہو۔ ہم کیا بو رہے ہیں اور کیا کاٹنا چاہتے ہیں۔

ہم عجب قوم ہیں۔ عبادت عربی میں کرتے ہیں' دفتروں میں انگریزی لکھتے ہیں' انگریزی بولتے ہیں۔ ہم عام طور پر گفتگو اردو میں کرتے ہیں' گھروں میں اور بے تکلف ماحول میں مادری زبان استعمال کرتے ہیں۔ ہم اقبالؒ کے کلام کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اس کی زندگی پر اعتراض کرنے سے بھی باز نہیں رہتے۔ قائداعظمؒ کو بابائے قوم مانا جاتا ہے اور ان کے دیئے ہوئے پاکستان کی وہ عزت نہیں کرتے' جو اس کا حق ہے۔

ہم رحمدلی کا سبق دیتے رہتے ہیں' اس کے فوائد اور محاسن بیان کرتے ہیں۔ لیکن کسی پر رحم نہیں کرتے۔ لوگ اتنے امیر ہیں کہ بس بے حساب۔ امیروں کا مال بڑھتا جا رہا ہے اور غریبوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے۔ یہ کیا ترتیب بنے گی؟ کیا رحمدلی ہو گی؟ کیا بھائی چارہ ہوگا؟ کنارے پر آ جائیں تو امدادی کیمپ آپ کے استقبال کیلئے موجود ہوں گے۔ لیکن ڈوبنے والے کے پاس تو کوئی امدادی نہ پہنچا۔ یہ وسائل کی بات نہیں' یہ احساس اور جذبات کی بات ہے۔

ٹیلی ویژن پر کشتیاں دیکھنے والے کیا سیکھیں گے۔ ظلم دیکھنا اور ظلم کرنا پسندیدہ مشغلہ ہوتا جا رہا ہے۔ اسی طرح شرم وحیا کے پردے چاک کئے جا رہے ہیں۔ ہماری روزمرہ کی گفتگو میں نئے نئے الفاظ شامل کئے جا رہے ہیں۔ گینگ ریپ ایک عام روزمرہ کے طور پر استعمال ہو رہا ہے۔

ہمارے اخبار ملک میں ہونے والے گناہ اور جرائم کو نمایاں سرخیاں دے کر عوام کو کیا تعلیم دے رہے ہیں۔ سنسنی خیزیت کا پیدا کرنا ایک کاروباری ضرورت ہو گیا ہے۔ فلمیں' ویڈیو فلمیں دن رات قوم کے کردار میں زہر گھول رہی ہیں۔ ہمارے بچے دیکھتے دیکھتے کچھ اور سے ہوتے جا رہے ہیں۔ کوئی پتہ نہیں کل کو ساری ترتیب کو مکمل طور پر بے ترتیب کر دیا جائے۔ اس وقت سے ڈرنا چاہئے جب ساری ترتیب ختم ہو جائے۔ شاید وہی وقت قیامت کا ہو۔ باپ بیٹا اور ماں بیٹی کے درمیان حجابات اٹھ چکے ہیں۔ کیسا ادب اور کیا لحاظ!!

اس سے پہلے کہ ہم سے سب کچھ چھن جائے ہمیں بہت کچھ چھوڑ دینا چاہئے اور پھر سے ترتیب نو پیدا کرنی چاہئے۔ انسان' انسان کا دکھ محسوس کرے۔ بلکہ انسان' انسان کو انسان تو سمجھے۔ یہ فنا کی بستی ہے۔ یہ وقت کا عبرت کدہ ہے۔ جہاں سے بڑے بڑے فراعنہ لغتی ہو کر نکلے۔ یہاں سے کوئی چیز اٹھائی نہیں جا سکتی۔ زمینیں انتقال کراتے کراتے بندے کا اپنا انتقال ہو جاتا ہے۔ ہم دوسروں کے مال کی حفاظت کرتے رہتے ہیں اور آنے والی نسل مال کے انتظار میں ہماری رخصت کی دعا کرتی رہتی ہے۔

کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ جو ہو رہا ہے' وہ نہ ہو اور جو نہیں ہو رہا ہے وہ ہونا شروع ہو جائے۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہم ایک وحدت میں پھر سے پرو دیئے جائیں۔ کیا تمام علماء اور تمام مشائخ اکٹھے نہیں ہو سکتے؟ کیا اس قوم کو وہ وقت نہیں مل سکتا جس کے آنے کی دعائیں کی جا رہی تھیں؟ کیا وہ قربانیاں جو شہید ہونے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

والوں نے پیش کیں' ان کو رائیگاں ہونے سے بچایا نہیں جا سکتا؟ یہاں اپنے دیس میں بہت سے لوگ خود کو پردیسی مانتے ہیں۔ کیوں ... ؟

کیا قوم حاکموں اور محکوموں میں تقسیم ہو جائے گی؟ کیا اسے امیر غریب میں بٹ جانا چاہئے؟ کیا سکھی لوگ' دکھیوں کا آسرا نہیں بن سکتے؟ کیا موجود بے ترتیبی پھر حسب ترتیب میں نہیں آ سکتی؟

یہ سوچنے کی بات نہیں ہے۔ یہ اس کے فضل کے انتظار کا وقت ہے۔ ہم ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے کے عمل سے دراصل ملک کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔ ملک ماں ہے۔ اس کا ایک بیٹا مرے یا دوسرا مر جائے برابر ہے۔ اپوزیشن بھی ایمان سے کام لے اور حکومت بھی خلوص کے ساتھ کام کرے۔ قوم اور ملک مزید کسی صدمے کے متحمل نہیں ہو سکتے اور ہم سارے ملک پر رحم کریں۔ اس کی خدمت کریں اور قوم کی تشکیل کریں اور پھر عناصر میں ظہور ترتیب پیدا ہو جائے گا۔

☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

رابطہ

رابطہ یہ نہیں کہ پوسٹ بکس نمبر بتا دیا جائے۔ رابطہ اس خیال کا نام ہے جو کسی قاری کے ‌ل میں مصنف کے بارے میں پیدا ہو۔ دل میں پیدا ہونے والا خیال ہی رابطہ ہے۔ اظہار میں آئے یا نہ آئے' رابطہ ہی کہلائے گا۔

اگر ایک آدمی آپ کے پاس سے گزرا' اس نے آپ کو دیکھا اور خاموشی سے آپ کی زندگی اور آپ کی حفاظت کے بارے میں دعا کر دی تو اس کے دل کا رابطہ قائم ہو گیا۔ ہزار ہا رابطے خاموشی سے پلتے رہتے ہیں' کوئی کوئی رابطہ ظاہر ہوتا ہے۔ ماں کا رابطہ اپنے بچے کے پیدا ہونے سے پہلے بھی ہوتا ہے۔ وہ بچے کے خیال میں سوتی ہے' اسی کے خیال میں جاگتی ہے۔ اس کے خواب' اس کی بیداری' اس کے پروگرام اسی آنے والے بچے کے حوالے بنتے رہتے ہیں۔ پردیس جانے والے اپنے دیس کے رابطے میں رہتے ہیں۔ عمر پردیس میں کٹتی ہے اور رابطہ وطن میں رہتا ہے۔ ماں کی دعائیں رابطے کی شکل ہیں۔

ہم لوگ بعض اوقات یہ دریافت کرنے سے قاصر رہتے ہیں کہ کس کا کب' کیسے اور کہاں رابطہ ہو گیا۔ استاد کی بات' اس کا دیا ہوا علم جب تک قائم رہے' استاد سے رابطہ ہے۔ استاد فوت ہو جائے تب بھی رابطہ ہے۔ اسی لئے معلم کی قدر کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور جو ذات معلم اخلاق ہے' اس کا رابطہ کبھی ٹوٹ ہی نہیں سکتا۔

رابطے دلوں میں پلتے ہیں۔ محبت صرف رابطے کا نام ہے۔ ایک آدمی نے دوسرے انسان کو پسند کیا۔ آنکھوں نے چہرہ دیکھا' دل نے قبول کیا۔ روح نے استقبال کیا' رابطہ مستقل ہو گیا ہمارے غم' ہماری خوشیاں اسی رابطے کی روشنی میں چلتے اور پلتے رہتے ہیں۔ وہ پرندے جو سرد علاقوں سے گرم علاقوں کی طرف ہجرت کرتے ہیں' وہ برفوں میں چھوڑے ہوئے اپنے انڈوں سے بھی رابطہ رکھتے ہیں اور یہاں تک بھی کہا جاتا ہے کہ اپنے دل اور اپنی نگاہ کی گرمی سے انڈوں کو گرم رکھتے ہیں' انہیں سیتے ہیں۔

دنیا میں نظر آنے والی حرکت رابطوں کی تقسیم ہے۔ بندے کا رابطہ خدا کے ساتھ' چاہے اس کا اظہار ہو یا نہ ہو' قائم رہتا ہے۔ مالک ہونے کی حیثیت سے وہ زندگی دینے والا زندگی واپس لے لے' تب بھی رابطہ قائم رہتا ہے۔ وہ ہر حال میں آپ کی سانس میں ہے۔ آپ کی شہ رگ سے زیادہ قریب ہے۔ اس کے رابطے اس کی ذات کی طرح پر اسرار اور پرتاثیر ہوتے ہیں۔

ایک رابطہ جو ہم خدا کے ساتھ رکھتے ہیں اور ایک رابطہ جو خدا ہمارے ساتھ رکھتا ہے۔ یہ زندگی رابطوں کی داستان ہے۔ رابطے ہی رابطے' لطف ہی لطف' رونق ہی رونق۔ رابطوں کو نہ ماننے والے شاید اس

www.iqbalkalmati.blogspot.com

حقیقت کو نہ سمجھ سکیں لیکن یہ ایک امر واقعہ ہے کہ ہم ماضی میں زندہ ہیں' ہم حال میں زندہ ہیں' ہم مستقبل میں زندہ ہیں۔ یہ ہزار ہا لائبریریاں ماضی کے مصنفوں کے ساتھ ہمارے رابطوں کی داستان دلنشیں ہے۔ اگر مصنف فانی تھا' مر گیا۔ اس کا ذکر ضروری نہیں تو پھر اس کی کتاب کیا ہے؟ کتاب مصنف کے پاس لے جاتی ہے' اس کے دل میں لے جاتی ہے' اس کے دماغ میں لے جاتی ہے اور ہم اس رابطے سے اکتساب فیض کرتے ہیں۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں کسی مصنف کو نہیں مانتا' کسی کی ''کیمیائے سعادت'' کو نہیں مانتا یا کسی ''نہج البلاغت'' کو نہیں مانتا یا کسی ''کشف المحجوب'' کو نہیں مانتا کہ ان کے مصنف مر گئے' ختم ہو گئے تو ادب سے یہ سوال پوچھا جا سکتا ہے کہ قرآن کو زندہ کلام کیسے مانتے ہو اور حدیث کو زندہ کلام کیسے مانتے ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ ہر چیز' ہر گزری ہوئی چیز' اتنی زندہ ہے کہ اندازہ کرنا مشکل ہے۔ کسی آدمی کا باپ فوت ہو جائے' قبر میں دفن ہو جائے۔ اگر وہ گزر گیا' ختم ہو گیا تو قبر کیا ہے اور کیوں؟ اگر قبر صاحب مزار کے نام سے موسوم ہے تو ہر مزار اپنے صاحب مزار کے رابطے کا ذریعہ بنتا ہے۔

ہم انہی رابطوں میں پلتے ہیں' انہی رابطوں پر چلتے ہیں' یہی رابطے ہماری سند ہیں' یہی رابطے ہماری گزرگاہ خیال کے راستے ہیں۔ انہی شاہراہوں پر وقت کے قافلے چلتے رہے۔ وہ قافلے کہیں غائب نہیں ہو سکتے' کہیں عنقا نہیں ہو گئے' کہیں معدوم نہیں ہو گئے۔ وہ سارے زمانے کے چہرے پر اپنے نقش مرتسم کر گئے۔

تاریخ ماضی سے رابطہ ہے اور مذہب' مذہب تو ہے ہی رابطے کا نام۔ ہم کلمہ پڑھتے ہیں اور شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے ہمیں کلمہ پڑھنے والا بنایا' ہم کو ایمان عطا فرمایا اور ہمیں ایک ایسے نبی معظم ﷺ پر ایمان لانے کی سعادت بخشی کہ جو آج سے بہت عرصہ پہلے تشریف لائے۔ اگر ہم یہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ اپنے زمانے تک موجود تھے اور اس کے بعد نعوذ باللہ موجود نہیں ہے تو سوچنا پڑے گا کہ صحابہ کرامؓ نے جو کلمہ پڑھا اور جو کلمہ ہم پڑھ رہے ہیں' اس میں بنیادی فرق ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی زندگی اور موجودگی میں حضور ﷺ پر ایمان لانا ایک دیکھی ہوئی بات تھی۔ آج جب وہ ذات ہمارے درمیان اس حالت میں موجود نہیں ہے تو ہم اس کا کلمہ اس یقین سے کیسے پڑھیں' اس کی شہادت اتنے وثوق سے کیسے دیں' جو ان لوگوں کے پاس تھی' جو آپ ﷺ کے زمانے میں تھے۔ حقیقت تو یہی ہے کہ ہم بھی جو کلمہ پڑھتے ہیں تو ہم اپنے آپ کو حضور ﷺ کے اتنا ہی قریب مانتے ہیں' جتنا وہ لوگ مانتے ہیں۔ کیونکہ رابطہ جغرافیائی نہیں' تاریخی نہیں' وجودی نہیں بلکہ یہ ایک روحانی رابطہ ہے۔ وہ رابطہ آج بھی اتنا ہی قوی ہے' اتنا ہی لافانی ہے جتنا پہلے تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آج کلمہ پڑھنے والے کل کے کلمہ پڑھنے والے کے برابر ہے۔

جن لوگوں کے زمانے میں نزول قرآن ہوا' انہوں نے دیکھا کہ کس طرح نزول کی کیفیات پیدا ہوئیں۔ ہمارے سامنے یہ واقعہ نہیں ہوا لیکن ہمارا ایمان اتنا ہی قوی ہے کہ یہ کلام اللہ کا کلام ہے' جبریل امینؑ کا لایا ہوا ہمیشہ رہنے والا حضور اکرم ﷺ کی زبان سے نکلا ہوا اور یہ کلام ہمیشہ ہی اپنی تمام تقدیس کے ساتھ محفوظ اور قائم رہے گا۔ لوگوں نے اس رابطے کے بارے میں بہت سے شبہات پھیلائے ہوئے ہیں۔ اس میں کوئی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ حضور پاک ﷺ اللہ کے رسول ﷺ ہیں' ہمیشہ کیلئے ہیں اور ہمیشہ کیلئے ہیں اور جو ہیں انہیں تھے نہیں کہہ سکتے۔ سچ تو یہ ہے کہ جس ذات پر نزول کلام مجید ہو' وہ ذات کم نہیں ہے' مقدس کتاب ہے۔ حضور ﷺ کے رابطے کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔ کلمہ ہی رابطہ ہے اور رابطہ ہی کلمہ ہے۔

ہر اسم اپنے مسمیٰ کے ساتھ رابطہ رکھتا ہے اور یہ رابطہ کبھی ضائع نہیں ہوتا۔ ہم جس اسم کو پکارتے ہیں' اس کے مسمیٰ تک ہماری پکار پہنچتی ہے اور ہمیں جواب ملتے ہیں۔ یہاں تک کہ انسان کی اصلاح بھی اور اس کا عرفان بھی ان رابطوں کا مرہون منت ہے۔ روح' روح کو گائیڈ کر سکتی ہے۔ اب تو مغرب اور سائنس زدہ مغرب نے بھی روحانی رابطوں کو تسلیم کر لیا ہے۔ انسان ایک ماحول میں رہتا ہے اور ممکن ہے اس کے رابطے کسی اور حاصل سے ہوں۔ دل کی باتیں دل والے ہی سمجھ سکتے ہیں۔ روح کی دنیا روح والے ہی پہچانتے ہیں۔ راز کا عالم راز جاننے والوں پر آشکار ہوتا ہے۔ اگر ماضی کے رابطے ختم کر دیئے گئے تو کسی مستقبل پر ایمان لانا ممکن ہی نہیں ہو سکتا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ قوم بزرگوں کے دن مناتی ہے۔ اس دن بزرگ لوگ اپنی عارضی رخصت کے باوجود اپنے دنوں کے منائے جانے کا لطف حاصل کرتے ہیں۔ قائداعظمؒ کے مزار پر حاضری دینا قائد کی روح کو سلام ہے اور اس کیلئے آسودگی کا پیغام۔ اسی طرح باقی لوگوں کے آستانوں پر ہماری حاضریوں کا عالم ہے۔ انسان سوچ سمجھ کر غور کے ساتھ اپنے رابطوں کو دریافت کرے' اپنے رابطوں کی حفاظت کرے اور اپنے رابطوں سے ہو سکے تو قوم کو آگاہ کرے۔ اقبالؒ نے پیر رومیؒ سے رابطہ کیا' حالانکہ پیر رومیؒ کوئی زندہ انسان نہیں تھے اور پیر رومیؒ کا فیض اقبالؒ کے اندر بولا' قوم نے دیکھا' قوم نے سوچا' قوم نے فیصلے کئے' فیصلے کامیابیوں سے سرفراز ہوئے اور آج ہی فیصلے ہمارے ہم ہونے کا جواز ہیں۔

غور سے دیکھنے والی بات ہے کہ اگر آپ کو اچھی بات کہیں' اچھا کلام تحریر کریں تو آپ کیلئے ہزار ہا اٹھے ہوئے ہاتھ آپ کی صحت اور زندگی کی دعا کیلئے تیار ہوں گے۔ کسی کا نام نہیں معلوم' کسی کا چہرہ نہیں دیکھا لیکن ان سے رابطہ ہے' ان کا آپ سے رابطہ ہے۔ رابطے آپ کو تقویت دے رہے ہیں اور آپ اسی تقویت سے اپنے اپنے سفر پر گامزن ہیں۔

خدا ہمارے روحانی رابطوں کی حفاظت فرمائے۔ انہیں ہمارے لئے دعا دینے کی توفیق عطا فرمائے۔ ہمیں ان کا شکر ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ہمارے استادوں کی خیر' ہمارے بزرگوں کی خیر' ہماری تاریخ کی خیر اور ہمیں ایمان کی دولت عطا فرمانے والوں کی خدمت میں سجدۂ نیاز۔

☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

رشتے

رشتے دو قسم کے ہوتے ہیں۔ وہ جو ہمیں پیدائش سے ہی وراثت میں ملے اور جو ہم نے خود بنائے۔ پیدائشی رشتے خون کے رشتے ہیں۔ ماں باپ' بہن بھائی اعزہ واقربا۔ یہ سب رشتے بنے بنائے ہوئے ہیں۔ یہ رشتے نہ جوڑنے سے جڑتے ہیں اور نہ توڑنے سے ٹوٹتے ہیں۔ یہ دائمی رشتے ہیں۔ یہ ازلی وابستگیاں ہیں۔ یہ ہماری ذمہ داریاں ہیں' جنہیں ہم نے پورا کرنا ہوتا ہے۔ بزرگوں کی عزت' چھوٹوں سے پیار' ان رشتوں کا تقاضا ہے۔

وہ رشتے جو ہم خود بناتے ہیں' ہمارے دوست ہیں' ہمارے ہم جماعت' ہم مذہب' ہم پیشہ' ہم دم رفیق' ہمارے محبوب' ہمارے محب' ہمارے سیاسی رفقاء' ہمارے مخالفین' ہمارے مداح' ہمارے افسر' ہمارے ماتحت ہمدم حریف و حلیف' ہمارے اساتذہ' ہمارے تلامذہ۔ غرضیکہ ہر طرح کے لوگ ہمارے رشتہ دار ہیں۔ ہماری زندگی ہمارے ان ہی رشتوں میں بٹ جاتی ہے' ختم ہو جاتی ہے اور کٹ جاتی ہے۔ ہم باراتوں اور جنازوں میں شامل ہوتے ہوتے رخصت ہو جاتے ہیں۔ ایک مختصر زندگی اتنے لامحدود رشتوں کی کہاں سے تاب لاسکتی ہے۔ بس ختم ہو جاتی ہے۔ ہم دوسروں کی داستان سنتے سنتے سو جاتے ہیں۔ داستان جاری رہتی ہے' لیکن سننے والے ختم ہو جاتے ہیں۔

ہم اپنے بزرگوں سے ان کی زندگی سے حالات سنتے ہیں' اپنے بچوں کو اپنے زمانے کا ذکر سناتے ہیں اور جب بچے اپنا حال سنانے کے قابل ہوتے ہیں' ہم سماعت سے محروم ہو چکے ہوتے ہیں۔ ہم قلیل عرصہ کیلئے یہاں ہیں اور یہاں کا کاروبار ایک طویل سلسلہ ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہم راستے میں ہی غائب ہو جاتے ہیں۔ کوئی شخص یہ داستان مکمل نہیں کر سکا۔ کبھی آغاز رہ گیا اور کبھی انجام۔ کچھ گلے' شکوے' شکایتیں' کچھ خشک و تر یادیں رہ جاتی ہیں' باقی کچھ بھی تو نہیں رہتا۔

رشتوں کی بہار انسان کیلئے ایک عجب احساس پیدا کرتی ہے۔ فرد ایک وسیع اجتماعیت کے احساس میں پلتا ہے۔ ہم خود کو ہر طرف متعلق محسوس کرتے ہیں۔ ایک عظیم وصال ہمیں اپنی آغوش میں پرورش کرتا ہے۔

ہم پر وقت کی عنایات کے دروازے کھلتے ہیں۔ امکانات روشن ہوتے ہیں۔ ہمارا وجود' ہمارا احساس' ہمارا شعور ہر طرف محسوس کیا جاتا ہے۔ ہم خوشی اور غم میں تنہا نہیں رہتے۔ لوگ ہمارے ساتھ شریک ہو کر ہماری خوشی میں اضافہ کرتے ہیں اور غم کو کم کرتے ہیں۔ محسوس ہوتا ہے کہ ہم دیکھے جا رہے ہیں۔ ہم سوچے جا رہے ہیں' ہم محسوس کئے جا رہے ہیں' ہم ایک وسیع اور عظیم زندگی کا لازمی حصہ بن گئے ہیں۔ ہمارے بغیر زندگی نامکمل تھی۔ ہمارے آنے سے سب کچھ ہوا۔ لوگ ہمارا انتظار کر رہے تھے۔ زندگی ہمارے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

استقبال میں کھڑی تھی۔ ہم خود کو ایک نہایت ہی اہم فرد سمجھتے ہیں۔ ہم نہ ہوتے تو شاید کچھ بھی نہ ہوتا۔ لیکن' اور یہ لیکن ایک اداس لیکن ہے۔ کچھ ہی عرصہ میں سب کچھ بدلنا شروع ہو جاتا ہے۔ ہم پر برسنے والے پیار کے بادل' بے اعتنائی کی آندھی سے اڑ جاتے ہیں۔ ہمارے سروں سے محبت کی چادر اتر جاتی ہے۔ ہمارا عظیم وصال ایک خوفناک فراق بن جاتا ہے۔ ہمارے' ہمارے نہیں رہتے۔ ہمارا وجود زندگی میں غیر موجود ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ ہمارے تذکرے زبانوں سے اتر جاتے ہیں۔ ہماری یاد دل سے دور ہو جاتی ہے۔ ہم تنہائی کے صحرا میں پہنچ جاتے ہیں۔ اپنوں کے پاس اپنوں کے بارے میں سوچنے کا وقت نہیں ہوتا۔ ہماری محبت ہماری آزمائش بن جاتی ہے اور رشتے دم توڑنا شروع ہو جاتے ہیں۔ کچھ رشتے ہمیں چھوڑ دیتے ہیں' کچھ کو ہم چھوڑ دیتے ہیں۔ کچھ ہمیں بھول جاتے ہیں اور کچھ کو ہم۔ جن کے بغیر گزارا نہیں ہوتا تھا' ان کے ساتھ گزارا مشکل ہو جاتا ہے۔ جب تک ہم والدین کے گھر میں رہتے ہیں' ہم خوش رہتے ہیں اور جب شومئی قسمت اسی مکان میں ماں باپ ہمارے گھر میں رہنے لگیں تو ہم اچھا محسوس نہیں کرتے۔ ہماری ضرورتیں پوری کرنے والے والدین جب ہم سے اپنی ضرورت کا ذکر کرتے ہیں تو ہم رشتوں کی اذیت کی باتیں کرتے ہیں۔ ہم اس عنایت کو بھول جاتے ہیں جو ہم پر بچپن میں ہوئی۔

اسی طرح باقی رشتے آہستہ آہستہ دم توڑ دیتے ہیں۔ اس طرح ہم آہستہ آہستہ اپنوں سے بیگانوں میں جا پہنچتے ہیں۔ ہمارے ساتھ ایک قافلہ چل رہا تھا۔ ایک ہجوم تھا اپنوں کا' اپنے لگنوں کا۔ چلتے چلتے ہجوم بدل جاتا ہے۔ چہرے تبدیل ہو جاتے ہیں۔ ہجوم قائم رہتا ہے لیکن افراد بدل جاتے ہیں اور اس ہجوم میں ہمارے ماضی کی کوئی گواہی نہیں ہوتی۔ سب اجنبی ہوتے ہیں۔ سب' سب سے بے خبر۔ ہمارے ہی قافلے میں ہمارا کوئی نہیں ہوتا۔ رشتے ٹوٹ چکے ہوتے ہیں۔ دل پتھر ہو چکا ہوتا ہے نہ کوئی یاد ستاتی ہے' نہ کوئی غم رلاتا ہے۔ ہونا اور نہ ہونا برابر سا لگتا ہے۔

رشتے ہمارا وقت' ہمارا پیسہ' ہمارا سکون اور کبھی کبھی ہمارا ایمان کھاتے ہیں۔ یہی ہمارا سماج ہے اور یہی ہمارا معیار ہے۔ ہمیں ترغیبات میں پھنسانے والے رشتے ہی تو ہیں۔ ہمیں غریبی سے غیرت دلانے والے رشتے ہی تو ہیں اور پھر اس غیرت سے مجبور ہو کر ہم ایمان فروشی کر جاتے ہیں۔ ہم غریبی کو حرام کہتے ہیں اور رشوت کو حلال۔ رشتوں کے تقاضے' دین کے تقاضوں سے متصادم ہو جاتے ہیں اور پھر...... ہم بے بس ہو کر گزرتے ہیں وہ کام' جو ہمیں نہ کرنا چاہئے۔

رشتوں میں اہم ترین رشتہ میاں بیوی کا ہے۔ یہ رشتہ ہم خود بناتے ہیں اور خود ہی اس کو نبھانے کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ یہ گاڑی کے دو پہیے ساری عمر مناظرہ کرتے رہتے ہیں۔ کبھی کبھی تو مجادلے تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ اس غزل کے مطلع اور مقطع میں کچھ فرق نہیں ہوتا۔ نہ جانے کب کیا ہو جائے۔ سکون بھی اس رشتے میں ہے اور اضطراب بھی۔ شادی کے اولین ایام طلسماتی ہوتے ہیں۔ محبت و سرشاری کی داستان' وفور شوق کے لمحات اور عزت و احترام کے جذبات' شعور ذات کی بیداری کا دور' ارتقا و بقائے حیات کے عظیم عمل میں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اشتراکِ احساس اس رشتے کی اساس ہے۔ لیکن یہ رشتہ بھی۔ کیا اعتبار رشتۂ ناپائیدار کا۔ پیار پیار ہی میں آپ سے تم اور تم سے تو تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ سکون بخش رشتے کے اذیت ناک پہلو نمایاں ہونے لگتے ہیں۔ انسان پسندیدہ کو بس برداشت کرنا شروع کر دیتا ہے۔ شروع شروع میں لوگ اس رشتہ کے دم سے زندہ ہوتے ہیں اور پھر اس کے باوجود..... ملہار میں شروع ہونے والا یہ رشتہ دیپک راگ پر ختم ہوتا ہے۔

رشتوں کی داستان شروع سے چلی آ رہی ہے۔ رشتے پیدا ہوتے ہیں' رشتے بنتے ہیں' بنائے جاتے ہیں' رشتے پلٹتے ہیں' رشتے ٹوٹتے ہیں اور رشتے جزا و سزا مرتب کرتے ہیں۔

ذہنی نشوونما اور ارتقاء کے ساتھ رشتوں کی افادیت بولتی رہتی ہے۔ آج کے متمدن و مہذب معاشرہ میں رشتوں کا احساس مشینوں نے ختم کر دیا ہے۔ ہر آدمی ایک جزیرہ سا بن گیا ہے۔ محبتوں کی ضرورت نہیں رہی۔ خدمتیں خرید لی جاتی ہیں اور بس..... ضرورت کے سودے ہیں' رشتے کیا ہیں۔ خاندان ختم ہو رہے ہیں' برادری کا وجود عدم ہو چکا ہے۔ حلقہ دوستاں اور ہالہ دشمناں میں چنداں فرق نہیں رہا۔ خون کے رشتے بھی خونی ہوتے جا رہے ہیں۔ خلوص' مہر' وفا اور محبت کے الفاظ معنویت سے عاری ہوتے جا رہے ہیں۔ انسان ترقی کر رہا ہے۔ انسیت اور مروت کے بارے میں سوچنے کا وقت نہیں رکھتا۔ وہ آسمان کے دروازے کھٹکھٹاتا ہے' وہ دل کے دروازے پر کیوں دستک دے گا۔ وہ خلاؤں کے راستے دریافت کرنے نکلا ہوا' اسے گھر کا راستہ بھول گیا ہے۔ وہ ستاروں کی گزرگاہیں ڈھونڈ رہا ہے' وہ گزرگاہ احساس سے بے خبر ہے۔ اس کے پاس بہت کچھ ہے' بس پیار کرنے والا دل ہی نہیں۔ اس کیلئے پیار' محبت بے معنی الفاظ ہیں۔ انسان کو بے جان چیزوں سے محبت ہے۔ مشینیں' کارخانے' گاڑیاں' بنک' تیز رفتار جہاز' بھاگم دوڑ اور دھکم پیل میں گم انسان اتنا وقت ہی نہیں رکھتا کہ مانوس چہروں کو محسوس کرے۔ اس کے پاس ایٹم کی طاقتیں ہیں۔ اس کے قبضے میں بارود کے ذخیرے ہیں۔ وہ قوت رکھتا ہے۔ انسان کو تباہ کرنے کی قوت' زمین کو ویران کرنے کی قوت۔ جذبوں سے عاری انسان رشتے توڑ چکا ہے۔ وہ عقیدت و احترام کی دنیا چھوڑ چکا ہے اور نتیجہ یہ کہ انسان رشتے توڑتے توڑتے خود بھی ٹوٹ چکا ہے۔

باہمی احترام ختم ہونے سے کھچاؤ پیدا ہو گیا ہے اور ڈیپریشن کی وبا پھیل چکی ہے۔ آج جگہ جگہ کلینک کھل رہے ہیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ انسان کا باطن مریض ہو چکا ہے۔ محبت دل کی صحت ہے اور بے مروتی بیماری۔ رشتوں سے آزاد ہو کر انسان ڈاکٹروں اور ہسپتالوں کا غلام ہو گیا ہے۔

آج کا انسان صرف مکان میں رہتا ہے۔ اس کا گھر ختم ہو گیا ہے۔ باہمی اشتراک کے زمانے ختم ہو گئے۔ آج کی ملاقاتیں ضرورت کی ملاقاتیں ہیں۔ آج کا تعلق افادیت کا تعلق ہے۔ انسان کو شاید محسوس نہیں ہو رہا کہ وہ روحانی تشنگی کا شکار ہے۔ وہ انسانوں کے اس عظیم میلے میں اکیلا ہے۔ وہ کسی کا نہیں اور اس کا کوئی نہیں۔ وہ چیزوں کو دیکھتا ہے' انہیں محسوس نہیں کر سکتا۔ اس بیگانگی کا نتیجہ خطرناک ہو سکتا ہے۔

ابھی وقت ہے کہ رشتوں کے تقدس کا احیا کیا جائے۔ انہیں پامال ہونے سے بچایا جائے۔ ایک بار

www.iqbalkalmati.blogspot.com

پھر پرانی نشستیں قائم کی جائیں' پرانے گیت گائے جائیں' پرانے چہرے ڈھونڈے جائیں' پرانی آنکھیں تلاش کی جائیں' پرانے آشیانے آباد کئے جائیں' پرانی عقیدتیں بحال کی جائیں' پرانے مناظر پھر سے دیکھے جائیں۔

انسانیت ماڈرن ہوتے ہوتے کہیں انسانیت ہی سے محروم نہ ہو جائے۔ دل پرانی یادوں سے آباد رہیں اور پیشانیاں سجدوں سے سرفراز رہیں۔ پرانا کلمہ پھر سے پڑھا جائے۔ پرانی مساجد کی عزت کی جائے۔ پرانے خطبوں میں نئے نام نہ ملائے جائیں۔ پرانی عقیدتیں ہی دینی عقیدتیں ہیں۔ ہمارا رشتوں سے آزاد نیا پن کہیں ہمیں دین سے محروم نہ کر دے۔ محبت و احترام سے آزاد ہو کر ہم گستاخ نہ بن جائیں۔ ہماری خودغرضی اور گستاخی ہمارے لئے عذاب نہ لکھ دے۔ ایسا عذاب کہ ہمارے لئے کوئی دل بے قرار نہ ہو' کوئی آنکھ انتظار نہ کرے اور سب سے زیادہ خطرناک عذاب کہ ہمارے لئے کوئی دعا گو ہی نہ رہ جائے۔ ہم نے جن لوگوں کو اپنی موت کا غم دے کر جانا ہے' کیوں نہ ان کو زندگی ہی میں کوئی خوشی دی جائے۔ موت یہ نہیں کہ سانس ختم ہو جائے' اصل موت تو یہ ہے کہ ہمیں یاد کرنے والا کوئی نہ ہو۔ ہمارے لئے نیک خواہشات رکھنے والے ہماری توجہ کے محتاج ہیں۔ ان کی قدر کرنا چاہئے۔ اگر ہمارا کوئی نہ ہو تو پھر ہم ہیں ہی کیا؟ ہمارا ہونا بھی کیا ہونا ہے!

☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

نصیحت

دنیا میں سب سے آسان کام نصیحت کرنا ہے اور سب سے مشکل کام نصیحت پر عمل کرنا ہے۔ میں نے اپنے لئے آسان کام چن لیا ہے اور آپ...... آپ کی مرضی' مشکل میں پڑیں یا مشکل سے باہر رہیں۔

نصیحت کرنے کا عمل زندگی کی طرح بہت پرانا ہے۔ غالباً پہلے انسان کے پیدا ہونے سے پہلے بھی نصیحت کا عمل موجود تھا۔ نصیحت ایک حکم کی طرح نافذ ہوتی تھی...... ایسے کرو' ایسے نہ کرو۔ وہاں جاؤ...... وہاں نہ جاؤ سجدہ کرو...... اس کا سجدہ کرو اور اس کے علاوہ کا سجدہ نہ کرو...... ماں باپ کی اطاعت کرو...... شیطان کی اطاعت نہ کرو...... غرضیکہ نصیحت سنو اور مانتے چلے جاؤ...... زمین کے سفر میں آسمان کی نصیحتیں سنو اور انہیں ماننے کا حوصلہ پیدا کرو۔

ماضی کے اوراق میں ہم دیکھتے ہیں کہ کبھی کبھی ایک آدمی' ہم میں سے ہی' ہمارے سامنے ایک بلندی پر کھڑا ہو گیا اور ایک رعب دار آواز میں نصیحت کرنے لگ گیا کہ شرک نہ کرو...... زمین پر اکڑ کر نہ چلو...... اور دغیرہ دغیرہ۔

ان لوگوں کو کس نے اجازت دی کہ لوگوں کو خطاب کریں کہ اے انسانو! غور سے سنو...... ایک وقت آنے والا ہے جب تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں پوچھا جائے گا...... جب چھپے ہوئے راز ظاہر ہوں گے اور جب انسان کو اس کے اعمال کے مطابق ایک عاقبت ملے گی۔

بہر حال نصیحتیں چلتی رہتی ہیں...... خطاب جاری رہتے ہیں اور سماعتیں بے حس ہو جاتی ہیں...... نصیحت کرنے والے شور مچاتے رہتے ہیں کہ اے محترم اندھو! آگے قدم نہ بڑھانا...... آگے اندھا کنواں ہے...... لیکن عقل کے اندھے سنی ان سنی کر کے دھڑام سے گرتے رہتے ہیں...... اور پھر گلہ ہوتا ہے کہ کاش مجھے کوئی لاٹھی مار کے سمجھاتا کہ واقعی آگے اندھا کنواں ہے...... یہ لوگ سنتے ہیں لیکن ان کے دل پر اثر نہیں ہوتا' یہ لوگ دیکھتے ہیں لیکن انہیں نظر کچھ نہیں آتا...... یہ لوگ فلسفی ہیں لیکن یہ بیچارے سمجھ نہیں سکتے...... ان کے پاس دل ہے لیکن احساس نہیں...... یہ لوگ مغرور ہیں لیکن ان کی متاع حیات قلیل ہے...... یہ طاقت سے حکومت کرنا چاہتے ہیں' ان کے پاس خدمت کرنے کا شعور نہیں' بس اس طرح یہ کھیل جاری رہتا ہے۔ آوازیں آ رہی ہیں کہ غافلو! سنو غور سے' گجر کی آواز سنائی دیتی ہے' کان دھرو' وقت کا ناقوس بج رہا ہے۔ رحیل کارواں کے معنی تلاش کرو۔ بانگ درا کی تفسیر ڈھونڈو' بال جبریل کا مفہوم سمجھو' لیکن نہیں...... سننے والوں کے کانوں میں گویا پگھلا ہوا سیسہ انڈیلا جا چکا ہے...... خواہشات کا اودھم مچا ہوا ہے۔ نصیحت کی آواز کیسے سنائی دے!

لوگ مطمئن ہیں کہ اب کوئی سقراط موجود نہیں...... اچھا ہوا کہ سعدیؒ رخصت ہو گئے...... بھلا ہوا اقبالؒ

www.iqbalkalmati.blogspot.com

نا کہ اب وہ بھی نہیں...... کچھ لوگوں کیلئے یہ امر باعث اطمینان کے کہ اب نئی نسل پرانے مذہب سے آزاد ہو رہی ہے...... خوش ہیں لوگ اس بات پر کہ اللہ نے نبی بھیجنے کا سلسلہ ہی بند فرما دیا۔

وہ سمجھتے ہیں کہ شاید ان کو نجات مل گئی' عقیدتوں اور عقیدوں سے...... اور وہ آزاد ہو گئے نصیحتوں سے ڈرانے والوں سے' آگاہ راز کرنے والوں سے۔ ان کیلئے صرف حال ہے...... نہ کوئی فردا نہ ماضی...... بس صرف یہی دور ہے' یہی زمانہ ہے۔ آئندہ کوئی حساب کتاب نہیں ہوگا...... اللہ اپنے گھر خوش' ہم اپنے گھر......

لیکن' لیکن ایسے نہیں ہو سکتا...... پیدا کرنے والے نے زندگی اور موت پیدا کی...... یہ دیکھنے کیلئے کہ کون نصیحت کرتا ہے اور کون نصیحت پر عمل کرتا ہے...... کون سعادت مند ہے جو دوسروں کے تجربات سے فائدہ حاصل کرتا ہے...... کون ہے خوش نصیب جو نصیحت کے چراغ کی روشنی میں زندگی کی تاریکیوں سے آزاد ہو جاتا ہے اور کون ہے وہ جو اس زندگی اور اس زندگی کے انعامات سے سرفراز ہوتا ہے۔

نصیحت کا لفظ طلسماتی لفظ ہے' جو زندگی کے سفر میں کسی وقت بھی اپنا جادو جگا سکتا ہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ نصیحت کرنے والا نصیحت کے عمل سے خود کوئی فائدہ حاصل نہ کرے' ورنہ سب کچھ بیکار ہو جائے گا۔ مخلص کی تعریف ہی یہ ہے کہ آپ کے ساتھ' آپ سے زیادہ مہربان ہو...... وہ جو اپنے آپ کو بھول کر آپ کو یاد رکھے...... وہ جو تم سے تمہاری بہبود کے علاوہ کسی اور معاوضے کا متمنی نہ ہو...... نصیحت کرنے والا مخلص نہ ہو تو نصیحت بھی ایک پیشہ ہے...... پیشہ ور کی نصیحت' نصیحت نہیں کہلائی جا سکتی ہے......!!

بہر حال کہنے کا مدعا یہ تھا کہ نصیحت کا عمل قدیم ہے' آسان ہے' ہم نے اسے اپنے لئے چن لیا...... اور اب یہ بھی کوئی ضروری نہیں کہ ہم ہر وقت آدمی کو ہر طرح کی نصیحت ہی کرتے رہیں...... نہیں...... ایسے نہیں...... نصیحت کا پہلا اصول یہ ہے کہ نصیحت کرنے والا' نصیحت سننے والے سے کچھ نہ کچھ تعلق ضرور پیدا کرے...... بے تعلق نصیحت یا بے تعلق تبلیغ ایسے ہے' جیسے زبان غیر میں تقریر کرنا......

سب سے موزوں نصیحت تو یہی ہے کہ نصیحت سننے والے میں نصیحت سننے کا شوق ہو...... ورنہ...... ورنہ وہی کہانی کہ ایک دفعہ ایک بندر تھا...... بندر اور بیا پاس پاس رہتے تھے...... پڑوسی تھے بیا سارا سال خوبصورت گھونسلہ بناتا اور سردی میں اس میں آرام کرتا...... بندر تو بس بندر ہی تھا...... ایک دفعہ کیا ہوا کہ بندر سردی میں ٹھٹھر رہا تھا...... اور بیا اپنے آشیانے میں لطف اندوز ہو رہا تھا...... بیا کو کیا سوجھی کہ وہ بندر کو دیکھ کر نصیحت کرنے لگا...... بولا...... ''بھائی بندر! میں نے تمہیں ہزار بار کہا تھا کہ موسم سرما آنے والا ہے۔ اپنے لئے آشیانہ بنا لو...... مگر تم نے ایک نہ مانی...... '' بندر یہ سن کر ناراض ہو گیا...... اس نے کہا '' اتنے سے پرندے اور اتنے بڑے بندر کے سامنے زبان کھولتے ہوئے شرم نہیں آتی...... تجھے نصیحت کا حق کس نے دیا...... لا میں تجھے گھونسہ بنا کے دکھاؤں...... '' بندر نے بندروں والا کام کر دیا...... اور بیا کا گھونسلہ ٹوٹ گیا...... توڑ دیا گیا...... بندر نے اپنا آشیانہ نہ بنایا...... ناصح کا آشیانہ توڑ دیا......!!

بس یہی انجام کرتے ہیں نصیحت پر ناراض ہونے والے' ناصح کا...... کبھی صلیب پر چڑھا دیتے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہیں کبھی دار پر...... کبھی اس پر کربلائیں نافذ کر دیتے ہیں...... کبھی اسے وادی طائف سے گزار دیتے ہیں کبھی کوئی صعوبت، کبھی کوئی...... لیکن سلام و درود ہو نصیحت کرنے والوں پر جن کے حوصلے بلند اور عزائم پختہ ہوتے ہیں...... جو گالیاں سن کر دعائیں دیتے ہیں اور جو غافلوں سے غفلت کی چادریں اتار دیتے ہیں اور انہیں بے حسی کی نیند سے جگاتے رہتے ہیں...... ہم بھی ان لوگوں کے ساتھ عقیدت کے طور پر نصیحت کرنے کا عمل اختیار کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

اس سے پہلے کوئی نصیحت کی جائے...... یہ کہہ دینا بھی ضروری ہے کہ دنیا میں کوئی نصیحت نہیں جو پہلے کی نہ گئی ہو...... کتابیں، لائبریریاں...... نصیحتوں سے بھری ہوئی ہیں...... تو کیا کتابیں پڑھ لینا ہی کافی ہے...... نہیں...... اس کے علاوہ بھی کچھ ہے...... بہت کچھ ہے...... یہ وقت کا عبرت کدہ ہے...... یہاں آنکھ کھول کر چلنا چاہئے۔ اپنی من مانی نہیں کرنی چاہئے...... پہلے من مانیاں کرنے والے کہاں گئے...... عشرت کدے عبرت کدے کیوں بن گئے...... محلات، کھنڈرات ہو گئے، دنیا میں جھوٹ بولنے والے کیا کیا نشانیاں چھوڑ گئے...... ویرانیاں ہی نشانیاں ہیں......!

سب سے بڑی نصیحت تو یہی ہے کہ نصیحت سننے کیلئے تیار رہنا چاہئے...... کان کھول کر رکھے جائیں...... آنکھیں انتظار سے عاری نہ ہوں...... دل احساس سے خالی نہ ہو...... عقل کو عقل سلیم بننے میں کسی رکاوٹ سے دوچار نہیں ہونے دینا چاہئے...... جب انسان نصیحت سننے پر آمادہ ہو جائے تو اسے بہتی ہوئی ندیوں میں کتابیں ہی کتابیں نظر آئیں گی...... نصیحت ہی نصیحت......

ندی راز ہے...... گہرا راز...... پہاڑ کا پیغام...... سمندر کے نام رواں دواں، اپنی منزل مراد کی طرف نصیحت ہے ان لوگوں کیلئے جو اولی الالباب ہیں۔ ندی ہی پر موقوف نہیں...... پہاڑ بھی ایک انسان کیلئے ایک نصیحت آموز داستان رکھتے ہیں...... ایک عزم...... ایک قوت...... ایک داستان دلبری...... پہاڑوں میں نصیحتیں ہیں، بادلوں میں نصیحتیں ہیں...... زمین کے اندر نصیحت، زمین سے باہر نصیحت...... درختوں میں زبانیں ہیں...... گویائی ہے...... نصیحت ہے...... جلوہ ہے، جلوہ گر بھی ہے......

زمین کے اندر نصیحت کی ایک داستان دلپذیر میر تقی میر نے ایک رباعی میں پیش فرمائی ہے کہ پرانے قبرستان میں ایک کاسہ سر پر پاؤں جا پڑا...... بس ٹوٹ گیا...... اور ساتھ ہی یہ آواز آئی......

آئی صدا کہ دیکھ کے چل راہ بے خبر
میں بھی کبھو کسی کا سر پر غرور تھا

لیکن اس سے بھی زیادہ اثر انگیز بیان بابا فریدؒ کے ایک اشلوک میں ہے۔ جس کے پیچھے ایک کہانی ہے جو کچھ یوں سی ہے......

ایک دفعہ بابا فریدؒ اپنے سیلانی دور میں ایک بستی میں سے گزرے۔ دیکھا کہ ایک خوبصورت عورت ایک غریب عورت کو مار رہی ہے...... بابا جی نے وجہ دریافت فرمائی...... اطلاع ملی کہ یہ امیر عورت ایک عشرت

www.iqbalkalmati.blogspot.com

گاہ کی مالک ہے اور غریب اس کی ملازمہ...... بلکہ مشاطہ...... اس دن نوکرانی نے مالکن کو کاجل ڈالا اور اس کے ساتھ کوئی ریت کا ذرہ بھی تھا جو اس کی خوبصورت آنکھوں میں بوا تکلیف دہ لگا...... اس لئے اس نے خادمہ کو مارا......

بابا جی اپنے سفر پر گامزن ہو گئے...... ایک مدت کے بعد واپسی کا سفر شروع ہوا اور اسی بستی کے قبرستان میں قیام کے دوران بابا جی نے ایک عجیب منظر دیکھا...... ایک چڑیا نے ایک انسانی کھوپڑی میں اپنے بچے دیئے ہوئے تھے...... وہ چڑیا آتی اور چونچ میں خوراک لاکر بچوں کو کھلاتی...... لیکن...... بچے کھوپڑی کی آنکھوں سے باہر منہ نکالتے اور خوراک لے کر اندر چلے جاتے...... انسانی کھوپڑی کا یہ مصرف بابا جی کو عجیب سا لگا...... انہوں نے یہ دیکھنے کیلئے مراقبہ کیا کہ یہ کھوپڑی کس آدمی کی ہے...... انہیں معلوم ہوا کہ یہ تو اسی خوبصورت عورت کی ہے جو آنکھ میں ریت کا ذرہ برداشت نہ کرتی تھی...... آج اس کی آنکھوں میں چڑیا کے بچے بیٹھے ہوئے ہیں...... بابا جی نے اشلوک کہا:

جن لوئیں جگ موہیا سو لوئیں میں ڈٹھ
کجرا ریکھ نہ سہندیاں تے پنچھی سوئے بٹھ

(جو آنکھیں جگ کو موہنے والی تھیں آج میں نے وہ آنکھیں دیکھ لیں...... کاجل میں ریت کا ذرہ برداشت نہ ہوا آج پنچھی کے بچے اسی آنکھ میں بیٹھے ہیں)

بہر حال نصیحت ہر طرف لکھی گئی ہے ہر سانس نصیحت...... ہر جلوہ نصیحت...... تنہائی نصیحت...... محفل نصیحت...... ذرہ ذرہ اور قطرہ قطرہ نصیحت...... قبول کرنے والا ہو تو عطا کرنے والا دور نہیں...... ذوق سجدہ مل جائے تو آستانہ مسجود پاس ہی ہے...... آنکھ منتظر ہو تو جلوہ بے تاب ہو کر سامنے آئے گا...... خبر دینے والا ایک بڑی خبر لے کر پھر رہا ہے...... آپ کیلئے' آپ کے فائدہ کیلئے...... آپ کی بچت کیلئے...... مخبر کا انتظار کرو...... آپ میں سے ہی آپ کے آس پاس آپ جیسا انسان' کوئی انسان' نہ جانے کب کہاں بولنا شروع کر دے...... سماعت متوجہ رکھو...... آپ کے اپنے ہی اندر سے آواز آ سکتی ہے...... دوسروں کی خامیوں پر خوش ہونے والو...... کوئی اپنی خوبی ہی بیان کرو...... اسلام سے محبت کرنے کا دعویٰ کرنے والو...... مسلمانوں سے نفرت نہ کرو...... آپ کی آنکھ میں کھٹکنے والے حارکسی اور نگاہ کے منظور نظر بھی ہو سکتے ہیں...... نصیحتوں پر ناراض نہ ہونا چاہئے...... بندر اور انسان کا فرق قائم رکھنا چاہئے......

☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ضمیر کی آواز

ضمیر کی آواز نہ تو ظاہری زبان سے دی جاتی ہے اور نہ ہی ان کانوں سے سنائی دے سکتی ہے۔ یہ آواز بہت دور سے آتی ہے اور بہت قریب سے سنائی دیتی ہے۔ ایسے جیسے ہمارے اندر سے کوئی بولتا ہے۔ کسی نے ضمیر کی صورت نہیں دیکھی۔ اس کی آواز ہی سنی گئی ہے۔ شاید یہ آسمانوں سے آنے والی ہاتف کی صدا ہے' جو ہمیں الائشوں اور غفلتوں سے نجات دینے کیلئے آتی ہے۔ ہمیں اخلاقی آلودگی سے بچانے کیلئے یہ آواز پراسرار راستوں سے ہوتی ہوئی دل کے کانوں میں گونجتی ہے۔ کبھی کبھی ہمدرد اور شفیق دوست کی طرح اور کبھی کبھی ایک جرنیل کے حکم کی طرح یہ آواز اپنا کام کرتی ہے۔ یہ آواز ہمارے لئے ان راستوں کو روشن کرتی ہے' جو نفس کی اندھیر نگری میں گم ہو جاتے ہیں۔

ہم بھول جاتے ہیں کہ ہمارا قیام عارضی ہے۔ ہمارا وجود ہمیشہ موجود نہیں رہ سکتا۔ یہ آواز بلکہ صرف یہی آواز صدائے جرس ہے' ناقوسِ وقت ہے' بانگ درا ہے۔ ایک وارننگ ہے کہ اگر منزل پر نگاہ نہ رکھی گئی تو گرد راہ میں کھو جانے کا خطرہ موجود رہے گا۔ ہم خوش فہمیوں اور خوش گپیوں میں اتنے مصروف ہو جاتے ہیں کہ انجام نظر سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ ضمیر کی آواز اس خواب گراں سے بیدار کرتی ہے۔ ہمیں نشان منزل سے تعارف کراتی ہے۔

یہ آواز ہمارے لئے ہدایت کا چراغ ہے۔ ایک مخلص دوست' ایک نڈر ساتھی...... جو ہمیں ہمارے مرتبوں' ہمارے خوشامدیوں اور خوشہ چینوں کی اصل حقیقت سے آگاہ کرتا ہے۔ ضمیر کی آواز ہمیں بتاتی ہے کہ ہمارے مرتبے اور دبدبے سب عارضی ہیں۔ ہم فرعون وقت بننا چاہتے ہیں۔ ضمیر کی آواز فرعون کی عاقبت سے تعارف کراتی ہے۔

ضمیر کی آواز پر کان نہ دھرنے والے بڑے بڑے محلات میں رہنے کے باوجود اپنے پیچھے ویرانیاں چھوڑ گئے...... بڑے بڑے ظل سبحانی رخصت ہو گئے۔ فانی ہو گئے۔ آنجہانی ہو گئے...... جو لوگ زندگی میں انسان کو انسان نہ سمجھتے تھے' انسان کے بچوں کو کیڑے مکوڑے سمجھتے تھے' آخری وقت میں پکار اٹھتے ہیں کہ کاش ہم مٹی ہوتے...... کاش ہم اپنے سے مخلف ہوتے...... کاش ہم مرتبوں پر مغرور نہ ہوتے...... لیکن کاش تو بس کاش ہی رہتا ہے...... کاش کہنے سے علاج تو نہیں ہوتا۔ زندگی دوبارہ تو نہیں ملتی......

زندگی کے مختلف ادوار میں ضمیر کی آواز مختلف ذرائع سے ہم تک پہنچتی ہے۔ لیکن ہم ہیں کہ ''زمیں جنبد نہ جنبد گل محمد......'' ہم پر اثر ہی نہیں ہوتا۔

ایک بچے کیلئے ضمیر کی آواز بس ماں باپ کی آواز کہی جا سکتی ہے۔ وہ شفیق آواز جو محبت کی حلاوت

www.iqbalkalmati.blogspot.com

لئے ہوئے بچے کو آمادہ سفر کرتی ہے۔ اسے راہ کی دشواریوں سے آگاہ کرتی ہے...... علم کی منزل' کردار و اخلاق کی منزل کی طرف گامزن کرتی ہے۔ والدین اولاد کو نیک اور کامیاب راستوں کا مسافر بنانا چاہتے ہیں۔ وہ وقتاً فوقتاً اولاد کو جھنجھوڑ کر جگاتے ہیں کہ وقت' بلکہ زندگی' کیونکہ وقت ہی زندگی ہے' رائیگاں نہ گزر جائے۔

رفتہ رفتہ ماں باپ کی آواز میں اساتذہ کی آواز شامل ہو کر ایک نیا رنگ پیدا ہو جاتا ہے۔ ضمیر کی آواز میں نکھار آ جاتا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے زندگی کے تپتے ہوئے صحرا میں سر پر ایک ابر سایہ دار و گہربار ہو...... یہ آواز بڑی غمگسار ہوتی ہے...... خدا کی آواز انسانوں ہی کے ذریعے سے تو آتی ہے۔

پیغمبروں کے بعد سب سے بڑا رتبہ ماں باپ اور اساتذہ کا ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت اویس قرنیؒ نے حضور ﷺ کی زیارت کا قصد کیا۔ ماں سے نیک سفر پر جانے کی اجازت چاہی۔ ماں نے کہا ''بیٹا! اگر حضور ﷺ مسجد میں تشریف فرما ہوں تو زیارت سے فیض یاب ہونا......''

اویس قرنیؒ نے ایک طویل سفر کیا...... پیدل...... حضور ﷺ مسجد میں نہ تھے اویس قرنیؒ ماں کے حکم کے مطابق واپس چلے گئے...... کچھ عرصہ بعد پھر قصد زیارت نبی ﷺ کیا۔ ماں نے کہا ''بیٹا! حضور ﷺ گھر پر تشریف رکھتے ہوں تو زیارت سے نصیب کو سرفراز کر لینا......'' اتفاق یوں ہوا کہ حضور ﷺ مسجد میں جلوہ افروز تھے۔ اویس قرنیؒ واپس آ گئے اور یوں زندگی میں ظاہری ملاقات نہ ہو سکی۔ لیکن ماں کے حکم کی بجا آوری کا انعام یہ ملا کہ آپ کو باطنی زیارت' بلکہ ہمہ حال زیارت سے فیض یاب کیا گیا اور حضور اکرم ﷺ کا خرقہ مبارک اویس قرنیؒ ہی کو عطا ہوا...... ماں باپ کے حکم کی اطاعت حضور ﷺ کے فرمان اور اللہ کے فرمان کے عین مطابق ہے۔

والدین کی آواز میں ضمیر کی آواز کا ہونا لازمی ہے۔ ماں باپ کی آواز کے بعد ہمیں ضمیر کی آواز کسی مخلص دوست کی گفتگو میں سنائی دیتی ہے۔ مخلص دوست ہمیں ہماری خامیوں سے آشنا کراتا ہے۔ ہمیں ہماری غلط روی سے روکتا ہے...... ہمیں غرور کے گھوڑے پر سوار ہونے سے باز رکھتا ہے۔ وہ ہمیں بتاتا ہے کہ آسمانوں پر نگاہ کرتے وقت یہ نہ بھولنا چاہئے کہ پاؤں زمین پر ہیں...... خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہیں مخلص دوست کا ساتھ میسر ہو...... خوشامدیوں کے سنہرے جال سے بچانے والا' نخوت و نفرت کی بدبختیوں سے دور رکھنے والا...... اللہ کی رحمت کا سفیر...... مخلص دوست...... ضمیر کی آواز کا مظہر۔

اگر شومئی قسمت' مخلص دوست بھی میسر نہ ہو تو ضمیر کی آواز حاصل کرنے کا ذریعہ آئینہ ہے...... آئینے کے روبرو ہو ہم اپنے ہی تو روبرو ہوتے ہیں...... آئینہ جھوٹ نہیں بولتا...... یہ ہمیں ہمارا ہی چہرہ دکھاتا ہے...... اصل چہرہ...... لبادے اور نصاب سے آزاد...... کبھی کبھی تو یوں بھی ہوتا ہے کہ انسان جب آئینہ دیکھنے میں محو ہو...... عکس آئینہ بولتا ہے۔ ہمکلام ہوتا ہے۔ خطاب کرتا ہے۔ نصیحت کرتا ہے کہ آج تیرے سر کو غرورِ تاجوری ہے' کل تیرے سر پر شور نوحہ گری ہوگا...... زمین پر اترا کر نہ چل...... تیرا اصل ٹھکانہ تیرے پاؤں کے نیچے دو گز زمین کے اندر ہے...... کیا تیرا فخر اور کیا تیرا افتخار...... عکس آئینہ بڑے راز اور بڑے کام کی چیز ہے...... یہ ضمیر کی آواز کا پیکر ہے......

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ضمیر کی آواز کو سننا' اسے پہچاننا' اس پر عمل کرنا بڑے نصیب کی بات ہے...... ضمیر کی آواز سے آشنا لوگ ہمیں بتاتے ہیں کہ ضمیر ہی ہمارے اعمال کی اصلاح کرتا ہے۔ ہمیں حق سچ کا راستہ بتاتا ہے۔ ضمیر کی آواز زندگی کے کامیاب راستوں کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ یہی وہ آواز ہے جو تاریکیوں میں ہدایت اور نور کے چراغ روشن کرتی ہے۔ انسان کو نفس امارہ کے شکنجے سے آزاد کرانے والی آواز ضمیر ہی کی آواز ہے۔ یہی آواز حلال وحرام میں تمیز سکھاتی ہے۔ ہم مجبوری کا بہانہ بنا کر جرم وگناہ کا ارتکاب کرتے ہیں۔ ضمیر کی آواز ہمیں تاریک راہوں سے نکالتی ہے۔ ہمارے دل میں خوف خدا ڈالتی ہے۔ یہ آواز ایک صحیفے کی طرح نازل ہوتی ہے...... ہمیں بے راہ اور گمراہ ہونے سے بچاتی ہے۔ یہ آواز ہنگام آلام اور ہنگامے ہائے سود وزیاں میں مایوس نہ ہونے کا پیغام دینے والی آواز' رحمت حق کی نوید ہے...... خبردار میری رحمت سے مایوس نہ ہونا...... یعنی اپنے مستقبل سے مایوس نہ ہونا......

ضمیر کی آواز ہمارے ہی باطن کی جلوہ گری ہے...... ہمارے نصیب کی محافظ آواز۔

ضمیر کی بھی کئی قسمیں ہیں...... انفرادی ضمیر' گروہی ضمیر' قومی ضمیر' ضمیر ملت' ضمیر امت بلکہ ''ضمیر امتاں''۔

مثنوی مولانا رومؒ انفرادی ضمیر کو زندہ رکھنے کیلئے اکسیر ہے۔ کیمیا ہے...... عشق کو زندگی دینے والی کتاب' مثنوی...... اور اگر عشق زندہ ہو تو نفس کا اثر ختم ہو جاتا ہے۔ یہی ضمیر کی آواز کا کرشمہ ہے۔ اقبالؒ نے ضمیر قوم کو بیدار کیا...... قوم میں وحدت افکار اور وحدت کردار پیدا کر کے ایک نئی منزل کا شعور اور حصول بخشا...... ایسے انسان خود ہی قوم کا ضمیر ہوتے ہیں۔ ان کی آواز پر چل کر نئی منزلوں سے ہمکنار ہونا ممکن ہوتا ہے۔ اقبالؒ نے دعا کی ہے کہ ''یا الٰہی...... میرے بعد کوئی دانائے راز اگر آئے تو اسے نسیم حجاز سے سرفراز کرنا...... اسے نوائے دلگداز عطا فرمانا' اسے ''ضمیر امتاں'' کو پاک کرنے کی توفیق عطا فرمانا...... اسے کلیمی عطا کرنا' اسے حکمت سے بہرہ ور کرنا...... یا الٰہی آنے والے کو نے نواز دوراں بنانا......''

ایسے انسان قوموں کیلئے خوش نصیبی کا پیغام لاتے ہیں۔ وہ ضمیر کو زندہ کرتے ہیں...... عارضی منفعت سے نظر ہٹا کر ایک دیر پا باقی رہنے والی حیات کی طرف توجہ دلاتے ہیں......

آج کا انسان مصروف ہے۔ کسی پر کان نہیں دھرتا۔ وہ مال گننے اور جمع کرنے کے شغل میں مبتلا ہو گیا ہے۔ اگر اس سے خدا پوچھے کہ تمہیں دوزخ میں بھیجوں یا جنت میں...... تو اس کا جواب ہوگا ''جہاں دو پیسے کا فائدہ ہو وہاں بھیج دو......'' ایسے آدمی کیلئے ضمیر کی آواز کیا کرے......؟

ضمیر کی آواز پھر بھی بدستور پکار پکار کر کہہ رہی ہے...... لوگو! حق سے زیادہ نہ لو تاکہ محروم کو بھی اس کا حق مل سکے...... تم بچوں کو مال حرام کھلاتے ہو یا انہیں آگ کا لقمہ دیتے ہو...... معصوموں کے ساتھ ظلم نہ کرو...... اپنے بچوں کو رشوت کا مال کھلا کر ہلاک نہ کرو...... تم جس کام کیلئے ملازم رکھے گئے ہو اسے ایمانداری سے کرو...... استحقاق کی بات کرتے ہو' فرائض کا ذکر کیوں نہیں کرتے؟

www.iqbalkalmati.blogspot.com

وہ ملک لاکھوں جانوں کی قربانی سے بنا ہے۔قوم کو ایک اعلیٰ زندگی عطا کرنے کیلئے یہ ملک حاصل کیا گیا......لیکن افسوس چند ہوس پرست جونکوں کی طرح اس کا خون چوس رہے ہیں...... کسی غریب کو کیا فرق پڑتا ہے اگر اس پر ہندو ظلم کرے یا اس پر مسلمان ظلم کرے۔غور کرنے کا وقت ہے......سنجیدگی اختیار کرنے کا لمحہ ہے......

اگر ضمیر کی آواز پر کان نہ دھرا تو خاکم بدہن...... مسجد قرطبہ...... خدا نہ کرے۔ضمیر زندہ رہا تو فرد زندہ رہا۔فرد زندہ ہے تو قوم زندہ ہے اور قوم زندہ ہے تو ملک سلامت ہے......

خدا ہمیں بیدار بخت اور بیدار ضمیر بنائے...... مردہ ضمیر نے ہمیں پہلے ہی بہت نقصان پہنچایا ہے۔ مردہ ضمیر وہ ہے جو ملک وقوم کے نقصان کی پرواہ کئے بغیر اپنی منفعت کی فکر کرے۔اگر معاشرے میں باضمیر پیدا ہو گئے تو مردہ ضمیر ویسے ہی روپوش ہو جائیں گے۔حق آئے گا تو باطل جائے گا......ضمیر کی آواز خلاؤں میں موجود رہتی ہے۔ہم کثیر المقصدیت کا شکار ہیں۔ہم ایک سے زیادہ زندگیاں رکھتے ہیں۔ہم ایک سے زیادہ اموات کا ذائقہ چکھیں گے......ہمیں غور کرنا چاہئے۔ضمیر کو زندہ رکھنے کی کوشش کرنی چاہئے......ہمیں کم از کم محسنوں کے ساتھ وفا کرنا چاہئے......ضمیر کی آواز کا یہی پیغام ہے کہ یہ ظاہری شان وشوکت واہمہ ہے...... لباس کے اندر ہر آدمی ایک ہی آدمی ہے......

اور وہ وقت دور نہیں ہے جب یہ وقت ختم ہو جائے گا......ضمیر کے باغی خاک ہو جائیں گے اور ضمیر کی آواز پر چلنے والے کامران وسرفراز رہیں گے۔

☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

محنت

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ اے انسان! تو محنت کیلئے پیدا کیا گیا ہے۔ پس اپنے رب کے راستے کی طرف محنت کر۔ یہ بات طے شدہ ہے کہ انسان' جس کے پاس اشرف ہونے کا لقب ہے' اسے محنتی بنایا گیا ہے۔ وہ کچھ نہ کچھ کرے گا اور کچھ نہ ہوا تو غلطی کرے گا۔ کام کیلئے محنت کرے گا اور کبھی کبھی تو بیکار رہ کر بھی محنت کرے گا۔

بیکاری پر بیماری سے زیادہ خرچ کرنا پڑتا ہے' بلکہ یوں کہا جا سکتا ہے کہ بیکار آدمی سب سے زیادہ محنت کرتا ہے۔ کام کو ذریعہ معاش بنانے کا طریقہ تقریباً ہر ایک کو معلوم ہے' لیکن بیکار رہ کر زندہ رہنے کا طریقہ بہت کم لوگوں کو معلوم ہے۔ ان میں کچھ مانگ کر گزارہ کرتے ہیں' لیکن یہ کام بھی آسان نہیں ہے۔ بہر حال انسان محنت کیلئے ہے۔

ابتدائے آفرینش سے لے کر اب تک ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں ہر طرف انسان کی محنت کے جلوے ہیں۔ انسان نے زمین کو سنوارا ہے۔ اس نے بڑی محنت سے' مسلسل محنت کے ساتھ' محنت شاقہ کے ساتھ شہر بسائے ہیں۔ انسانی زندگی انسانوں ہی کی محنت کے بنائے ہوئے راستوں پر گامزن ہے۔

انسان نے پہاڑوں پر بستیاں بنائیں۔ صحراؤں میں اس نے اپنے مسکن تلاش کئے۔ اس نے سمندر کے اندر راستے بنائے۔ انسان کی محنتیں ہر طرف آشکار ہیں۔ سائنس ہو یا آرٹ کی دنیائیں' سب انسان کی محنت کی رہین منت ہیں۔ انسان کے اندر یوں لگتا ہے جیسے پارہ ہے' اسے قرار نہیں۔ وہ سوچتا ہے' محنت کرتا ہے' فاصلے طے کرتا ہے۔ وقت کے فاصلے ہوں یا زمین و آسمان کے فاصلے۔ اس نے اپنی محنتوں سے یہ فاصلے طے کئے ہیں۔

شاید انسان کی خواہش اس کی محنت کا باعث ہے۔ خواہش انسان کو دوڑاتی ہے اور آرزو کے تجویز کردہ راستوں پر انسان محنت کرتا رہتا ہے۔ کبھی وہ ماہیت اشیاء جاننے کیلئے محنت کرتا ہے۔ غاروں میں چھپے ہوئے راز دریافت کرتا ہے۔ سمندروں کے چھپے ہوئے خزانے نکالنے کیلئے محنت کرتا ہے۔ اس کے سامنے ایک بہت بڑی دنیا ہے' پھیلی ہوئی دنیا' جو اسے دعوت دیتی ہے کہ دنیا کو دریافت کیا جائے۔ اسے حاصل کیا جائے اور انسان اس کام کیلئے محنت کرتا چلا آ رہا ہے۔

انسان اپنی محنت سے اپنے مقاصد حاصل کرتا ہے اور کبھی کبھی اپنی محنت سے دوسروں کی محنت کے انعام چھینتا ہے۔ محنت کرنا انسان کی جبلت ہے۔ اس کے اندر کشمکش ہے اور وہ باہر کشمکش پیدا کرتا ہے۔ سراغ ہستی کی دریافت ایک کٹھن کام ہے۔ یہ ایک چیلنج ہے اور انسان اس چیلنج کو قبول کرنا جانتا ہے۔ راز دریافت

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کرنے کیلئے انسان نے کئی کئی سال محنت کی۔ کئی کئی نسلیں محنت کرتی رہیں۔ محنت کرتے ہوئے کئی زمانے اور کئی جگ بیت گئے اور تب کہیں جا کر وہ گوہر مقصود ملا۔ وہ گوہر مقصود اگر کوئی فانی شے ہے' تو محنت رائیگاں ہے۔ اس دنیا میں جہاں محنت نے بڑے بڑے کرشمے سرانجام دیئے ہیں' وہاں ہم دیکھتے ہیں کہ کچھ محنتیں رائیگاں ہو گئیں۔ ان کیلئے افسوس!

انسان کی پیدائش سے پہلے ابلیس نے اپنے تکبر کی وجہ سے اپنی صدیوں کی محنت کو خود ہی رائیگاں کر لیا۔ اس کو افسوس تک نہ ہوا۔ اسے معافی کا راستہ نہ سوجھا اور وہ راندہ درگاہ ہوا۔ انسان کو اللہ نے معافی کا راستہ بتایا ہوا ہے۔ انسان اپنی رائیگاں ہونے والی محنتوں پر افسوس کرے تو اس کو محنت کیلئے نئے راستوں سے تعارف ہو سکتا ہے۔ اپنی محنت کی قدر و حفاظت نہ کی جائے تو سب محنت رائیگاں ہے۔ ارشاد ہے کہ افسوس ہے اس بڑھیا پر' جس نے تمام عمر سوت کاتا اور آخر میں اسے الجھا دیا۔

وہ لوگ جنہوں نے باطل کے راستوں پر محنت کی' ان کی محنت ان کیلئے ندامت کیلئے علاوہ کیا لائی؟

محنت کرنا تو انسان کی سرشت میں ہے۔ دیکھنے والی بات یہ ہے کہ وہ کس کام کیلئے محنت کرتا ہے۔ ویسے تو ایک جواری جواخانے میں محنت کرتا ہے۔ وہ اپنے ہارے ہوئے مال کی برآمدگی کیلئے محنت کرتا ہے اور اپنا پیسہ' وقت اور عاقبت برباد کر بیٹھتا ہے۔

اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ وہ طالب علم جو سیاستدانوں کیلئے محنت کرتے ہیں' اپنی عمر اور ماں باپ کا پیسہ ضائع کرتے ہیں۔ امتحان میں ناکامی لے کر گھروں کو واپس لوٹتے ہیں۔ ان کی محنت نے رائیگاں ہو کر ان کیلئے ندامت لکھ دی۔

کارآمد کیا ہے اور رائیگاں کیا ہے؟ اس کا فیصلہ صرف وہی طاقت کر سکتی ہے جس نے انسان کو پیدا کیا اور اس طاقت کا ارشاد ہے کہ اے انسان! اپنے رب کی طرف محنت کر! رب کی طرف محنت کیا ہوتی ہے؟ رب کی طرف محنت رب کی طرف سے بھیجے ہوئے پیغمبر ﷺ کے راستے پر چلتے رہنے کا نام ہے۔ جو لوگ بے جہت اور بے سمت محنتیں کرتے ہیں' ان کیلئے کیا انجام ہو سکتا ہے۔ گناہ کار کی محنت کا انجام تکمیل گناہ ہے اور تکمیل گناہ ہی انسان کی عاقبت خراب کرنے کیلئے کافی ہے۔ ان محنتوں کو غور سے دیکھا جائے تو پھر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انسان نے باغی راستوں پر جو محنت کی ہے' اس کا ریکارڈ اسی دنیا کے عبرت کدوں میں محفوظ ہے۔ ویرانیاں چھوڑ جانے والی محنت پر افسوس ہوتا ہے اور اس کے برعکس وہ لوگ جنہوں نے رب کے راستے کی طرف محنت کی' وہ مرنے کے بعد بھی سرفراز ہیں۔ ان کے آستانے' ان کے مزار' ان کی تصانیف اور ان کے ملفوظات آنے والی نسلوں کیلئے مینارہ نور کا کام دیتے ہیں۔ وہ آنے والوں نسلوں کو بتا گئے کہ محنت وہی ہے جو رب کی طرف ہو۔ یوں تو کائنات کا ذرہ ذرہ مصروف محنت ہے اور محنت کرتے کرتے انسان بدنامی کما لیتا ہے' ناکامی کماتا ہے' عبرتناک انجام کماتا ہے اور ایسی موت حاصل کرتا ہے جو دیکھنے والوں کیلئے عبرت ہوتی ہے۔ جتنے لوگ دنیا میں سرفراز ہوئے' وہ سب وہی تھے جو حکم اور امر کے اندر رہ کر محنت کرتے رہے۔ وہ آہستہ آہستہ لیکن

www.iqbalkalmati.blogspot.com

یقین کے ساتھ اپنی محنتوں کو دین اور دنیا کی کامیابی کیلئے استعمال کرتے رہے۔

محنت ایک بہت بڑی طاقت ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ انسان کے پاس اڑنے کیلئے پر نہیں ہیں' لیکن محنت کے ذریعے اس نے بلند پرواز پرندوں کے صرف نشیمن ہی سر نہیں کیے بلکہ ان کی پرواز کو بہت پیچھے چھوڑ دیا۔

محنتی انسان ایک ایک قدم چل کر پہاڑ کی چوٹیوں پر پہنچا۔ دن رات کی محنت سے اس نے مخفی کو آشکار کیا۔ یہ انسان اگرچہ خود ایک بہت بڑا راز ہے لیکن اس کو راز دریافت کرنے کا شوق ہے۔ انسان صرف یہی نہیں کہ بے جان دنیا سے آشنا ہے' بلکہ جمادات' نباتات اور حیوانات کے دل کا راز بھی جانتا ہے۔ ذرے کا جگر چیر دیتا ہے اور ایٹم کے اندر چھپی ہوئی طاقت کو دریافت کر لینا انسان کی محنت کے سر سہرا ہے۔

انسان کی محنت کے جتنے بھی قصیدے لکھے جائیں' کم ہیں لیکن وہ محنت جو کسی کے کام نہ آئے' اس پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے۔

وہی محنتیں کامیاب ہوئیں' جو انسان کی فلاح کیلئے کی گئیں' انسان کی خدمت کیلئے کی گئیں' انسان کو سکون پہنچانے کیلئے کی گئیں' انسانی زندگی کو ایک خوبصورت زندگی بنانے کیلئے کی گئیں اور وہ محنتیں جو انسان کا سکون برباد کرنے کیلئے کی گئیں' جن کے ذریعے بحر و بر میں فساد مچا' جن کے پیچھے طاغوت کارفرما تھا اور جن کے پیچھے انسانی نفس تھا' اس کی انا تھی' وہ غلط روی کی محنتیں انسان کے چہرے پر سیاہی لکھ گئیں۔

مبارک ہیں وہ محنتیں' جن کو قبولیت کی منزل ملی۔ ایسی محنتیں انسان کو شرف عطا کرتی ہیں۔ اپنی شہرت کیلئے کی جانے والی محنت انجام کار انسان کیلئے افسوس پیدا کرتی ہے۔ زندگی دوبارہ نہیں ملتی اور انسان کے پاس غلطیوں کی اصلاح کا وقت بھی نہیں ہوتا۔ ایک ہی دفعہ سوچ سمجھ کر محنت کا آغاز کرنا چاہئے۔ اس کیلئے ضروری ہے کہ کسی ایسے جاننے والے سے پوچھ کر محنت کی جائے جو محنت اور محنت کے انجام کے رشتوں سے باخبر ہو۔ اس سے اپنی محنت کی سمت دریافت کرنا چاہئے۔ اگر سمت صحیح ہو جائے تو کامیابی اور ناکامی دونوں میں انسان کا بھلا ہے۔ مقصد اس سمت کا ہے۔ اگر اللہ کی جانب جانے والی راہ ہماری محنت کا مدعا ہے تو اس راہ میں مر جانا بھی شہادت ہے۔ اس راہ میں ہر مقام ایک منزل اور ہر منزل ایک مقام ہے۔ بے حد کی راہ اتنی ہی بے حد ہے۔ دیکھنے والی بات یہ ہے کہ وہ لوگ جو دنیا میں نمایاں ہوئے' جنہوں نے نیکی کے راستے پر چراغ جلائے' جنہوں آنے والے زمانوں کیلئے نشانیاں چھوڑیں' وہ لوگ کتنے محنتی تھے۔ جب دنیا سو رہی ہوتی تھی' یہ لوگ جاگتے تھے' اپنی راتوں کو آہ سحر گاہی سے منور کرتے اور اللہ کے فضل کے سہارے مانگتے اور دعائیں کرتے کہ اے اللہ! ہمیں رائیگاں ہونے والی محنتوں سے بچا اور اللہ ان کو عطا فرماتا' اپنے راستوں کا شعور اور ان پر نازل فرماتا اپنے کرم کی بارش اور ان کو عنایت فرماتا ان کے رہنما جو ان کا ہاتھ پکڑ کر منزل تک پہنچاتے۔ یہ ہمیشہ ہوتا رہا ہے اور ہمیشہ ہوتا رہے گا۔ عطارؒ' رومیؒ' رازیؒ' غزالیؒ' جامیؒ' خسروؒ اور اقبالؒ سب سے آہ سحر گاہی کے کرشمے ہیں اور آہ سحر گاہی محنتوں کی انتہا ہے۔ گناہ کی تلاش میں محنت کے بجائے گناہ سے بچنے کیلئے محنت کی جائے تو اس کا انجام کچھ اور ہی ہے۔ یہی فضل ہے کہ ہمیں منظور ہونے والی اور مقبول ہونے والی محنت کا شعور ہو جائے'

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ورنہ محنت کرنا سرشت تو ہے ہی' بے شعور محنت کس کام کی۔

کتنے لوگ محنت کرتے ہیں اور جنہیں خبر نہیں کہ وہ کیوں محنت کر رہے ہیں۔ وہ مشینیں ہیں' روبوٹ ہیں اور جنہیں معلوم نہیں کہ کس نے انہیں کام اور نامراد منزل کی طرف گامزن کر دیا۔ وہ ہنستے گاتے اور محنت کرتے کرتے جہنم واصل ہو جاتے ہیں۔

جہنم میں جانے والے کم محنت نہیں کرتے۔ بس فرق یہ ہے کہ انہیں ان کی محنتوں نے برباد کر دیا اور اس کے برعکس سرشاری جنت حاصل کرنے والے لوگ ایک ضابطے کے اندر رہ کر محنت کرتے رہے اور ان پر انعامات کی بارش ہوئی۔

اللہ کے ذکر کیلئے محنت کرنے والے مذکورِ ذاتِ حق ہو گئے۔ خدا کے راستوں کی طرف بلانے والے خود خدا کا راستہ ہو گئے۔

توحید بیان کرنے والے' رسالت بیان کرنے والے' صداقت بیان کرنے والے' اس بیان کا حصہ بن گئے۔ ان کے نقشِ قدم وقت نے محفوظ کر لئے۔ ان کے آستانے آباد رہ گئے۔ ہر زمانے میں انہی کے جلوے رہے۔ حکومتیں آتی ہیں' چلی جاتی ہیں۔ بادشاہ آتے ہیں' بدل جاتے ہیں۔ چراغاں کرانے والے تاریکیاں چھوڑ کر رخصت ہو جاتے ہیں۔ کتنے ظلِ سبحانی آئے۔ اپنا حکم نافذ کرنے کیلئے محنت کرتے رہے اور آخر کار فنا کی پستیوں میں غرق ہوئے۔

درویش لوگوں نے اللہ کی طرف محنت کی۔ اس کے راستوں پر چراغ جلائے۔ اس کے راستوں پر چلنے والی سنگتیں تیار کیں۔ اس کے راستوں کو آسان بنایا۔ وہ لوگ رہتی دنیا تک نیک نامی کی آغوش میں رہیں گے۔

زمانے بدل جائیں۔ صدیاں بیت جائیں۔ درویش کا آستانہ' اس کی رونقیں اور برکتیں ختم نہ ہوں گی۔ یہ اللہ کریم کا احسان ہے کہ اپنی راہ پر محنت کرنے والوں کو اپنی راہ کی آسانیاں اور اپنی راہ کے جلوے عطا فرماتے ہیں۔ وہ ان لوگوں کی سرپرستی فرماتا ہے۔ وہ ان لوگوں کو آمادہ سفر کرتا ہے اور ان لوگوں کے سفر میں اپنی عنایات کو شریک سفر رکھتا ہے اور ان کو اپنے قرب کی منزل عطا فرماتا ہے۔ یہ محنت سرفراز کرتی ہے۔

کیا یہ مناسب نہیں کہ انسان اپنی محنت کے مقاصد سے باخبر ہو اور اس میں اصلاح کرے اور اپنی محنت کا قبلہ درست کرے۔ اس دنیا میں سب سے زیادہ مقبول محنت اس ہستی کی ہے جو سب سے زیادہ مقبول ہے۔ جن کی شان میں اپنے تو اپنے' بیگانے بھی نعت کہتے رہے ہیں۔ ہر وہ محنت جو آپ ﷺ کے دامن سے وابستہ کرے مبارک ہے اور ہر وہ محنت جو آپ ﷺ کے قرب سے محروم کرے' بوجھ ہے۔

نیکی کا راستہ محنت کا راستہ ہے۔ نیکی کو روکنے کا راستہ بھی محنت کا راستہ ہے۔ لیکن انجام کا فرق جنت اور دوزخ کا ہے۔ محنت کے نتیجے میں اتنا بڑا فرق؟ کیا قابلِ توجہ نہیں! انسان آنکھوں پر پٹی باندھ کے مشین کی طرح محنت کرتا جائے تو اس کا نتیجہ وہی ہوگا جو ایک مشین کا ہوتا ہے۔ پیسہ کمانا' پیسہ گننا' پیسہ جمع کرنا' بڑا محنت

www.iqbalkalmati.blogspot.com

طلب کام ہے اور یہ بڑے ہی عذاب کا باعث ہے۔ محنت وہ جو مالک کی مرضی کے مطابق ہو۔ کوشش وہ جو زندگی دینے والے کی منشا کے مطابق ہو۔

خدا کرے کہ ہم لوگ اپنی محنتوں کا چہرہ بھی دیکھیں اور محنتوں کے انجام کا چہرہ بھی دیکھ لیں۔ اس مختصر زندگی میں یہ چھوٹا سا کام کرنا بہت ضروری ہے۔ محنت اگر آسمانوں کو مسخر کر لے تو بھی اتنی بڑی بات نہیں۔ بڑی بات تو یہ ہے کہ محنت کے ذریعے انسان دل کی دنیا کا رستہ دریافت کرے اور یہ کام اللہ کے فضل سے ہوگا۔ کیونکہ دل ہی اللہ کا راز ہے۔ اللہ کا راستہ مومن کے دل کے دروازے سے شروع ہوتا ہے۔

☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

فطرت

اگر کوئی کہے کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہل گیا تو اسے مانا جا سکتا ہے لیکن اگر کوئی یہ کہے کہ کسی انسان نے اپنی فطرت بدل لی ہے تو اسے نہیں مانا جا سکتا۔ انسان اپنا بہت کچھ بدل سکتا ہے حتیٰ کہ شکل بھی تبدیل کر سکتا ہے لیکن وہ فطرت نہیں بدل سکتا۔ انسان کی فطرت اس کے پیدا ہونے سے پہلے ہی تشکیل پا چکی ہوتی ہے اور پھر وہ اپنی اس تشکیل کے مطابق عمل کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ ایسے جیسے وہ اس فطرت میں ہی رہن رکھ دیا گیا ہو۔

انسان تبدیلی پسند ہے۔ وہ بدلتا رہتا ہے۔ لباس بدلتا ہے۔ اپنے سماجی' اخلاقی اور سیاسی کردار بدلتا ہے' مکان اور شہر بدلتا ہے' دوست اور دشمن بدلتا ہے لیکن وہ جو کچھ بھی کرے' اپنی فطرت نہیں بدل سکتا۔ کہتے ہیں کہ اگر ہزاروں من چینی بھی ڈال دی جائے تو کڑوا کنواں میٹھا نہیں ہو سکتا۔ پانی کا اصل ذائقہ اس کی فطرت ہے۔ ہم اسے ہزار رنگ دیں' یہ اپنی فطرت پر رہتا ہے۔

ایک دفعہ ایک گدھ اور ایک شاہین بلند پرواز ہو گئے۔ بلندی پر ہوا میں تیرنے لگے۔ وہ دونوں ایک جیسے ہی نظر آ رہے تھے۔ اپنی بلندیوں پر مست' زمین سے بے نیاز' آسمان سے بے خبر' بس مصروف پرواز۔ دیکھنے والے بڑے حیران ہوئے کہ یہ دونوں ہم فطرت نہیں' ہم پرواز کیسے ہو گئے؟ شاہین نے گدھ سے کہا ''دیکھو اس دنیا میں ذوق پرواز کے علاوہ اور کوئی بات قابل غور نہیں۔'' گدھ نے بھی تکلفاً کہہ دیا ''ہاں مجھے بھی پرواز عزیز ہے۔ میرے پر بھی بلند پروازی کیلئے مجھے ملے'' لیکن کچھ ہی لمحوں بعد گدھ نے نیچے دیکھا۔ اسے دور ایک مرا ہوا گھوڑا نظر آیا۔ اس نے شاہین سے کہا ''جہنم میں گئی تمہاری بلند پروازی اور بلند نگاہی۔ مجھے میری منزل پکار رہی ہے۔'' اتنا کہہ کہ گدھ نے ایک لمبا غوطہ لگایا اور اپنی منزل مراد پر آ گرا۔ فطرت الگ الگ تھی' منزل الگ الگ رہی۔ ہم سفر آدمی اگر ہم فطرت نہ ہو تو ساتھ کبھی منزل تک نہیں پہنچتا۔

انسان کو اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ معلوم کرنا مشکل نہیں ہو گا کہ فطرت اپنا اظہار کرتی رہتی ہے۔ جو کمینہ ہے وہ کمینہ ہی ہے خواہ وہ کسی مقام پر مرتبہ میں ہو۔ میاں محمد صاحبؒ کا ایک مشہور شعر ہے کہ

نیچاں دی اشنائی کولوں کسے نئیں پھل پایا
ککر تے انگور چڑھایا ہر گچھا زخمایا

کمینے انسان کی دوستی کبھی کوئی پھل نہیں دیتی جس طرح کیکر پر انگور کی بیل چڑھانے کا نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ ہر گچھا زخمی ہو جاتا ہے)

فطرت کا تعلق حالات اور تعلیم سے نہیں۔ اس کا تعلق انسان کے باطن سے ہے۔ اس کے باطنی انداز نظر سے ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ کچھ لوگ فطری طور پر مذہب پرست ہیں' کچھ لوگ مذہب سے بیزار۔ مذہب

www.iqbalkalmati.blogspot.com

پرست لوگ عبادت گاہیں بناتے ہیں۔ مثلاً مسجد' مندر' چرچ' گردوارہ' اسٹوپا وغیرہ۔ یہ لوگ اپنے اپنے انداز میں اپنے اپنے پیشواؤں کے بتائے ہوئے راستے پر چلتے ہیں۔ اپنی باطنی ترقی کیلئے کوشاں رہتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ اصل ارتقا کس کے پاس ہے۔

دنیاوی سفر کو کسی آسمانی رابطے کے مطابق طے کرنے والے مذہبی لوگ کہلاتے ہیں۔ ان کی فطرت ہی ان کو مجبور کرتی ہے کہ وہ خود کو بلند خیالی سے آگاہ کریں۔ وہ اس کائنات کو کسی خالق کے حوالے سے دیکھنا چاہتے ہیں اور یہی بات انہیں مذہبی شعور کی طرف لاتی ہے۔ یہ ان کی فطرت ہے اور دوسرے لوگ تو ہمیشہ ہی دوسرے ہوتے ہیں۔ وہ کسی خالق کو ماننے کیلئے تیار نہیں۔ جب خالق ہی کو نہیں مانتے تو وہ کسی رسول پر کیا اعتقاد رکھیں گے۔ ایسا کیوں ہے کہ کچھ لوگ دنیا سمیٹتے ہیں اور کچھ لوگ دنیا سے نجات چاہتے ہیں۔ یہی تو فطرت ہے۔ بنانے والے خالق اکبر کا حکم ہے کہ تم میں سے ہی لوگ ہیں جو دنیا کے طلب گار ہوں گے اور تم میں سے ہی لوگ ہیں جو آخرت کے طلب گار ہوں گے۔ یہ خالق کا حکم ہے کہ ہر شے اپنے اصل کی طرف رجوع کرتی ہے۔ یہ اصل ہی فطرت ہے۔ یہی دیکھنے والی شے ہے۔ اس کا عرفان ہی عرفان ہے۔ چیزوں کو ان کی حقیقت کے روپ میں دیکھنا۔ حضور ﷺ اکثر دعا فرمایا کرتے تھے کہ اے اللہ مجھے چیزوں کو ان کی اصلی فطرت میں دیکھنے کا شعور عطا فرما۔

اگر فطرت سے آشنائی ہو جائے تو دنیا میں کوئی کسی کا گلہ نہ کرے۔ آج کا انسان چہرے بدلتا رہتا ہے۔ وہ اپنے اصل جوہر کے برعکس زندگی بسر کرنے کی سعی کرتا ہے لیکن اس کی فطرت اس پر غالب آ کے رہتی ہے۔ ہمارے پیشے' ہمارے مرتبے' ہمارے مال' ہمارے اثاثے ہماری فطرت نہیں بدل سکتے۔ کمینہ کمینہ ہی ہو گا۔ خواہ وہ کہیں بھی فائز ہو۔ سخی سخی ہو گا خواہ وہ غریب ہو۔

ابتدائی زمانوں میں پیشے' مزاج کے مطابق بنائے گئے تھے۔ معلم فطرتاً معلم ہوتے تھے۔ ان کی تصانیف معلم تھیں۔ ان کی مجلس معلم تھی۔ ان کا ہر ہر انداز معلمانہ تھا۔ لوگ دور دور سے ان کے پاس آتے اور علم کی پیاس بجھاتے۔ امتحانوں اور ڈگریوں کے کاروبار نہیں تھے۔ صحیح لوگ تھے' صحیح کام کیا کرتے تھے۔ اب لوگ پیشے کے اساتذہ ہیں' ان کا وہ انداز ہو ہی نہیں سکتا۔ انہیں اپنے گریڈوں کی فکر ہے۔ وہ طالب علموں کو اپنے سامنے بدعادات میں غرق ہوتے دیکھ کر بے تاب نہیں ہوتے۔ جب مہینوں کے مہینے گزر جائیں اور طالب علموں کا سفر رکا رہے' ان معلموں پر قیامت نہیں گزرتی۔ وہ تنخواہیں وصول کرتے ہیں اور چھٹیاں مناتے ہیں۔ یہ فطرت ہی کچھ اور ہے' وہ فطرت ہی کچھ اور تھی۔

ہر شعبہ اپنی بنیاد سے ہٹ سا گیا ہے۔ سیاست کو لیں۔ ہم دیکھتے ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ کس قسم کے لوگ آگے آ رہے ہیں۔ ان سے کیا توقعات ہو سکتی ہیں۔ یہی وجہ ہے ہم ملکی سطح پر ایک دائرے کا سفر کر رہے ہیں۔ زمانہ کہاں ترقی کر رہا ہے' ہم صرف دوبدو ہیں ایک دوسرے کے۔ جھگڑالو فطرت والے لوگ کہیں قوم میں انتشار پیدا نہ کر دیں! سلیم فطرت لوگ سیاست سے گریز کرتے ہیں اور نتیجہ یہ کہ وہ لوگ ہی زیادہ مظلوم بنا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

دیے جاتے ہیں۔ سلیم اور حلیم فطرت لوگوں کو آگے آنا چاہئے کہ سفر کا رخ صحیح ہو۔

اگر انسان فطرت آشنا ہو جائے تو بہت سے جھگڑے اور بہت سے ہنگامے ختم ہو سکتے ہیں۔ ہم فطرت کو دو بنیادی حصوں میں تقسیم کریں۔ بد اور نیک' تو ہم دیکھیں گے کہ یہی دو گروہ اپنے اپنے عمل سے دنیا کو وہ کچھ بنا رہے ہیں جو یہ بن رہی ہے۔

ایک طرف تو انسان کی تکلیف کو دور کرنے کیلئے ہسپتال بن رہے ہیں۔ نیک فطرت لوگ دن رات انسان کی خدمت میں مصروف رہتے ہیں۔ دکھی انسان کی خدمت ہوتی ہے' ان ہسپتالوں میں۔ انسان کا خیال تک زخمی ہو جائے تو اس کیلئے بھی خدمت کیلئے تیار ادارے موجود ہیں۔ دنیا کو امن کا گہوارہ بنانے والے لوگ مصروف خدمت ہیں اور ان کے مقابلے میں بدفطرت لوگ کیا کر رہے ہیں۔ تباہی' بربادی' جنگ' پریشانی اور بے چینی پھیلانے والے انسان ہی تو ہیں۔

اسی طرح حیا والے برائی دیکھنے سے بھی گریز کرتے ہیں اور بے حیا تو بس ہے ہی بے حیا...... اس کا کیا۔ اخبارات بھرے پڑے ہیں۔ بداعمال لوگوں کے ظلم سے۔ لوٹنے والے' بم پھینکنے والے' نظام عالم درہم برہم کرنے والے' افراتفریاں مچانے والے' سماجی سکون برباد کرنے والے' محفوظ کو غیر محفوظ بنانے والے' محسن فراموش' دوستوں سے بھی غداری کرنے والے' میزبان کا گھر لوٹ کر لے جانے والے' مسافروں کو موت کے گھاٹ اتارنے والے' پاکیزہ روایات کو پارہ پارہ کرنے والے اپنی فطرت کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔

نیک فطرت لوگ سماج ساز ہوتے ہیں۔ وہ انسانوں کو پریشان نہیں کرتے۔ فرق صرف اصل کا اور فطرت کا ہے۔ بدفطرت بدی کر کے ہی دم لیتا ہے۔ کہتے ہیں کسی زمانے میں ایک بادشاہ نے کچھ ڈاکو گرفتار کئے۔ ان کو سزائے موت کا حکم دیا۔ ڈاکوؤں میں ایک چھوٹا لڑکا بھی تھا۔ بادشاہ نے سوچا کہ ابھی بچہ ہی تو ہے اسے نہ مارنا چاہئے۔ وزیر خاص نے کہا ''جہاں پناہ بچہ تو ہے لیکن میں اس کو بدفطرت دیکھ رہا ہوں۔'' بادشاہ نے کہا ''اسے ہم اپنے پاس رکھ کر پرورش کریں گے۔'' وزیر کا کہنا نہ مانا گیا۔ دن گزرتے گئے۔ بچہ بڑا ہو گیا اور آخر ایک دن شہزادی کو لے اڑا۔ وزیر نے کہا اب رونا کس بات کا۔ بد بد ہی نکلا۔

یہ پہچان بھی خاص فطرت کی عطا ہے۔ بیج میں درخت کو دیکھنا ہر آدمی کا کام نہیں ہے۔ یہ سعادت بھی عطائے رحمانی ہے۔ حکمت' ہر کسی کو عطا نہیں ہوتی۔ نیکی کے نام پر جماعتیں بنانے والے بد بھی ہو سکتے ہیں۔ ظاہر ضروری نہیں کہ باطن کا عکس ہو۔ اسی بات سے خبردار رہنے کی ضرورت ہے۔ آزمائش کے لمحے میں ہی اصل ظاہر ہو جاتا ہے۔ کہتے ہیں ایک دفعہ بلیوں نے مل کر چناؤ کے ذریعے ایک بلی کو سردار بنا دیا۔ اس کے سر پر تاج رکھ دیا۔ سردار بلی تاج پہن کر پہلی تقریر کرنے لگی۔ وہ تقریر کی تیاری کر کے آئی تھی۔ بس اس نے تقریر کیلئے ابھی لب کھولے ہی تھے کہ اس کو ایک چوہا نظر آ گیا۔ اس نے تاج پھینک دیا اور کہا ''جہنم میں گئے تمہارے تاج اور تمہارے انتخابات' چوہا ہی اصل بات ہے۔'' اس کی فطرت غالب آ گئی اور جلسہ منتشر ہو گیا۔

ہمیں فطرت شناس ہونا چاہئے۔ کبھی کبھی بلند فطرت' پست حالات سے گزریں تو بھی ان کا مزاج

www.iqbalkalmati.blogspot.com

پست نہیں ہوتا۔ عالی ظرفی یہی ہے کہ ایسے لوگوں کو عزت کی جائے۔ ایک دفعہ حضور اکرم ﷺ کے روبرو غلام پیش کیئے گئے۔ ان میں حاتم طائی کی بیٹی بھی تھی۔ آپ ﷺ نے پہچانا کہ سخی باپ کی سخی بیٹی ہے۔ آپ ﷺ نے اس کے بیٹھنے کیلئے اپنی چادر مبارک بچھا دی۔ سخی کی عزت کی حالانکہ وہ غلام تھی۔ پیغمبر ﷺ کی بات باتوں کی پیغمبر ہوتی ہے۔ بس یہی سند ہے کہ حالات کے پیچھے اصل فطرت کو پہچاننا چاہیئے۔

وہ ملک ترقی کرتے ہیں جہاں اداروں کے سربراہ نیک فطرت لوگ ہوں۔ حساس فطرت انسانوں کا خیال رکھنا چاہیئے۔ کہیں وہ ہمارے عمل سے آزردہ نہ ہوں۔ ایک دفعہ ایک بادشاہ نے ایک آدمی کو یوں سزائے موت دی کہ اسے پہاڑ سے گرا دیا جائے۔ وہ آدمی بچ گیا۔ بادشاہ نے کہا ''اسے دریا میں گرا دیا جائے۔'' وہ بچ گیا۔ بادشاہ نے اس سے پوچھا ''اے انسان تو مرتا کیوں نہیں۔'' اس نے کہا ''اگر مجھے آسمان سے بھی گرا دو تو میں بچ جاؤں گا۔ میں خاص فطرت رکھتا ہوں میں کسی بلندی سے گر کر نہیں مر سکتا۔ ہاں البتہ...... مجھے مارنا ہی ہے تو مجھے نظروں سے گرا دو۔ میں مر جاؤں گا۔''

کسی شخص سے اس کی فطرت کے خلاف کام لینا ظلم کہلاتا ہے۔ اس ظلم سے بچنے کیلئے اور اس سے سماج کو بچانے کیلئے فطرت آشنا' جوہر شناس لوگوں کی ضرورت ہے۔ اداروں کے سربراہوں کی فطرت کے بارے میں غفلت نہ برتنا چاہیئے۔ یہی ایک ضروری احتیاط ہے۔ تحفے وصول کرنے والے کو بااختیار نہیں بنانا چاہیئے۔ نیچ نوازی بند کر دی جائے تو سفر کی سمت کا تعین آسان اور یقینی ہو جائے۔ اگر عالی ظرفوں کو عالی مرتبہ بنا دیا جائے تو منزل مل جاتی ہے۔

برسوں اکٹھا رہنے کے باوجود رشتوں کے اشتراک کا سفر ختم ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ جب فطرت غالب آتی ہے تو یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ

ہم جسے ایسا سمجھتے تھے وہ ویسا نکلا

مختلف فطرتیں مشترک سفر نہیں کر سکتیں۔ اگر ایسا ہو رہا ہو تو زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکتا۔ پیر رومیؒ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ دجلہ کے کنارے پر انہوں نے ایک عجیب منظر دیکھا۔ ایک کوا اور ایک ہنس ساتھ ساتھ چگ رہے تھے۔ مولانا حیران ہوئے کہ یہ کیسا منظر ہے کہ دو الگ فطرتیں ایک ساتھ دانہ چگ رہی ہیں۔ مولانا ان کے قریب گئے۔ معلوم ہوا کہ دونوں ہی زخمی تھے۔ بیماری میں مختلف فطرتوں کا عارضی اشتراک ہو سکتا ہے لیکن صحت مند وجود اپنی فطرت کے علاوہ کسی اور اشتراک میں موجود نہیں رہ سکتا۔

کبھی کبھی صحبت غیر انسان کی فطرت کو عارضی طور پر روپوش کر دیتی ہے لیکن یہ وقت ہمیشہ نہیں رہتا۔ آخر روپوش رونما ہو کر رہتا ہے۔ ایک دفعہ ایک شیر نے دیکھا کہ ایک شیرزادہ' بھیڑوں کے گلے میں نہایت شریفانہ زندگی بسر کر رہا ہے۔ وہ بہت حیران ہوا کہ یہ کیا قیامت ہے کہ شیر نے فطرت بدل لی۔ وہ اس جوان کے پاس گیا اور کہا میرے ساتھ آؤ میں آپ کو ایک نظارہ دکھاتا ہوں۔ وہ اسے تالاب پر لے گیا اور کہا غور سے دیکھو ہم دونوں کی شکلیں برابر ہیں۔ ہم ایک ہی جنس ہیں۔ ہماری ایک ہی فطرت ہے۔ اب دیکھو میرا عمل۔ اس

www.iqbalkalmati.blogspot.com

نے ایک بھیڑ کو گردن سے پکڑا اور آناً فاناً اسے چیر پھاڑ کر رکھ دیا۔ بس اتنی ہی دیر درکار تھی۔ شیر زادے کا جوہر بیدار ہو گیا۔ فطرت غالب آئی۔ وہ بھی واقعی شیر بن گیا۔

اصل فطرت کو بیدار ہونے کیلئے صحبت صالح درکار ہے۔ صالح فطرت لوگوں کو اہم مقامات پر فائز کرنے سے اہم نتائج حاصل کئے جاسکتے ہیں۔ یہ تقسیم فاطر حقیقی نے قائم کر رکھی ہے۔ فطرت اس لئے نہیں بدلتی کہ اسے فاطر حقیقی نے نہ بدلنے کیلئے پیدا فرمایا ہے۔ پہاڑ اپنی جگہ سے ہل سکتا ہے لیکن انسان کی فطرت نہیں بدل سکتی۔ یہ اٹل ہے۔

☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

حقیقت

حقیقت در حقیقت ہر اُس شے کا نام ہے' جو ہے۔ بنانے والے نے جو بھی تخلیق فرمایا' حق ہے۔ یہاں کچھ بھی باطل نہیں۔حکم ہے کہ جو بھی ہے' باطل نہیں ہے۔یعنی سچ بھی حقیقت' جھوٹ بھی حقیقت......خیر کی اپنی حقیقت ہے' شر کی اپنی حقیقت۔ خالق ایک ہی ہے......''خیر'' اس نے پیدا فرمایا......''شر'' اس نے تخلیق فرمایا۔ انسان صرف آنکھ کھول کر چلتا چلے اور دیکھتا جائے' غور کرتا جائے اور ممکن ہو تو جاننے والوں سے پوچھتا چلے کہ اشیا اور اسما کی حقیقت کیا ہے اور یہ کہ حقیقت کی حقیقت کیا ہے؟

انسان نے تصور کر رکھا ہے کہ حقیقت فلاں قسم کی شے ہے اور جب انسان زندگی کا سفر کرتا ہے' اس کو وہ شے نہیں ملتی تو وہ کہتا ہے کہ حقیقت نہیں ملی۔ یہی بیان تو غلط ہے کیونکہ جو کچھ ملا تھا' وہ بھی تو حقیقت ہی تھا۔ اگر شیر نہیں ملا' تو ہاتھی تو ملا۔ بس ہاتھی ہی حقیقت ہے اس جنگل کی۔ آگے چلیں گے تو شیر بھی ملیں گے۔ پھر وہ حقیقت ہوں گے۔ پس جو کچھ بھی حقیقتاً موجود ہے' حقیقت ہے۔

اس سارے مشاہدے میں مشکل صرف ایک ہے کہ ہمارا انداز نظر اکثر غلط ہوتا ہے۔ ہم ایک محدود رسائی کی آنکھ سے لامحدود منظر کو دیکھتے ہیں اور پھر فوراً فیصلہ کر کے اعلان کر دیتے ہیں کہ ہم زمین کی وسعتوں میں پھرے' سمندروں کی تہہ تک پہنچے' خلاؤں کا چپہ چپہ چھان مارا۔ ہمیں کوئی خدا نہیں ملا......بس خدا کا وجود نہیں ہے۔ یہی نتیجہ غلط ہو گیا۔ ڈھونڈنے والا بڑے بڑے فاصلے طے کرتا رہا' اس نے اپنے دل کا سفر نہیں کیا۔ اس لئے اسے خدا کی حقیقت یا اس کی موجودگی کا احساس نہیں ہو گا۔

ایسے ہی دوڑ لگانے سے حقیقتیں دریافت نہیں ہوتیں۔ فاصلے طے کرنے سے مسئلے حل نہیں ہوتے۔ بحث کرنے سے حقیقت نہیں ملتی۔ غور کریں اور پھر مزید غور کریں۔ حتیٰ کہ آپ اصل تک رسائی حاصل کر لیں۔

اصل کیا ہے......؟ آم کا بیج ہے؟ آم کا درخت ہے؟ آم کا پھل ہے؟ آم کا گودا ہے؟ آم کی گٹھلی ہے؟ آم کی گٹھلی کے اندر کا مغز ہے؟ کیا اس سارے کارخانہ تخلیق ثمریات کے پیچھے کسی کا امر تو نہیں؟ اس کو ہی حقیقت کیوں نہ مان لیا جائے اور پھر امر لگانے والی ذات خود ہی حقیقتوں کی حقیقت' ہر آخر کا اوّل اور ہر اوّل کا آخر' وہی جو ہر ظاہر کا باطن ہے اور ہر باطن کا ظاہر ہے۔ وہی جو نیستی کو ہستی اور ہستی کو نیستی بنا دیتا ہے۔ وہی جس کے قبضہ قدرت سے کسی شے کے باہر ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوا۔ ہر پردے کے پیچھے موجود ہے۔ سب حقائق کا خالق مطلق ہے۔ وہ ہر منظر میں جلوہ گر ہے۔ ہر دل میں موجود ہے اور شاید ہر آنکھ سے اوجھل ہے۔ اسی حقیقت کے ذکر کو ''حقیقت'' کہتے ہیں۔

حقیقت دریافت کرتے رہتے ہیں۔ ہمیشہ سے ہمیشہ کیلئے دریافت نہ ہونے والے کی دریافت جاری

www.iqbalkalmati.blogspot.com

رہتی ہے۔ اس کا ذکر رہتا ہے۔ وہ ہر کلام میں ہے' ہر جگہ ہے لیکن کہاں ہے؟ ہم نہیں بتا سکتے۔ وہ کوئی جغرافیائی مقام نہیں کہ اسے طول بلد اور عرض بلد میں بتایا جا سکے۔ وہ کوئی تاریخی واقعہ نہیں کہ اسے کتابوں میں تلاش کیا جائے۔ وہ تو عیاں ہے۔ صرف ہم ہی اسے دیکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ ہم تو یہ بھی نہیں بتا سکتے کہ آنکھ میں بینائی کہاں رہتی ہے۔ جسم میں جان کدھر رہتی ہے۔ خوشی کس کونے میں رہتی ہے۔ غم کہاں ہوتا ہے۔ آنسو کہاں سے آتے ہیں۔ کیا یہ دور سے آتے ہیں۔ کیا ان اشکوں کی تاثیر سے عرش ہل جاتے ہیں۔ ہم باخبر نہیں۔ ہم خود تو خود سے نا آشنا ہیں' خدا سے کیا آشنا ہو سکتے ہیں۔ ویسے بھی خدا سے آشنائی ممکن ہی نہیں' جب تک وہ خود آشنائے راز نہ کر دے۔ آج تک تو ایسے ہی ہوتا رہا ہے کہ وہ خود ہی کسی نامعلوم لمحے میں پردے کے پیچھے سے پکارتا ہے۔ ٹھہرو! میں تمہارا رب ہوں۔ یہ تمہارے پاس میں کیا ہے۔ عصا...... اسے پھینک دو...... اور دیکھو...... بس اس نے خود ہی نامزد فرما دیا۔ پیغمبر...... اس کا پیغام لانے والا۔ وہ آشنائی عطا کرتا ہے۔ انسان خود کیا کر سکتا ہے۔ وہ خود کلام کرتا ہے۔ خود جلوے عطا فرماتے ہیں۔ خود ہی مرتبے دیتا ہے۔ بیان کی طاقتیں دیتا ہے اور کبھی کبھی تو حقیقت آشنا کر کے گویائی کی طاقت سلب کر لیتا ہے۔ کتنے حقیقت شناس خاموش چلتے پھرتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں' بتا نہیں سکتے اور جو لوگ بتا سکتے ہیں' شاید جان نہیں پاتے۔

حقیقت کا متلاشی عزم کا پیکر کرتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ بلند پہاڑوں اور گہرے سمندروں کا سفر کوئی آسان کام نہیں۔ بس ہمت' یقین اور زبردست امید کی ضرورت ہے۔ مایوسی اس راستے کا سب سے بڑا راہزن ہے۔ کتنے کتنے قافلے لٹ گئے اس راہ میں۔ بس مایوس ہو گئے' واپس آ گئے کہ حقیقت کچھ نہیں......؟

یہ بڑے فضل کی بات ہے کہ حقیقتوں والا خود ہی حقیقت سے پردہ ہٹائے۔ ورنہ انسانی عقل اور انسانی دل پر غفلت کا پردہ رہتا ہے۔ نفس کا پردہ' غرور کا پردہ' لالچ وخود پسندی کا پردہ' انا کا پردہ' دولت کا پردہ' شہرت کے حصول کی ہوس کا پردہ' پردہ ہی پردہ۔ جہالت وظلم کا پردہ' علم والا' مشہور ہونے کی غلط فہمیوں کا پردہ! حقیقت کہاں سے نظر آئے گی۔ نگاہ میں ناپاک' ناروا اور نامحرم مناظر ہوں تو ایسی بدبخت آنکھ حقیقتوں کو کیا دریافت کرے گی......؟ جنس پرستی کے بھوکے شکاری حقیقت کے پجاری نہیں بن سکتے۔ حقیقت کی تلاش کرنے والا خود حقیقت نہ بنے تو بات نہیں بنتی۔ انسان ایک خاموش روشن آئینہ بن جائے تو حقیقت نقاب اور حجاب سے باہر نکل کر آئینے کے روبرو ہو جاتی ہے۔ بس آئینہ صیقل ہونا چاہئے۔ یہ دل کا آئینہ ہے جو اس کے ذکر سے صیقل ہوتا ہے اور پھر ایک دن' کسی دن' کسی ساعت' کس لمحے کیلئے چکا چوند' حقیقت کا جلوہ...... بلکہ جلوے کا عکس اور پھر عکس کا جلوہ...... جلوہ گری کر جاتا ہے۔ سدھ بدھ...... ہوش وحواس' غائب...... بس جلوہ حاضر اور بندہ غائب...... اور جب بندہ حاضر ہوتا ہے' جلوہ غائب ہو چکا ہوتا ہے اور پھر وہی عام روشنی' وہ عام منظر۔ منظر سے منظر غائب ہو گیا۔ جان میں سے جان نکل گئی...... اور پھر جلوہ آشنائی کے بعد' جلوے کی تلاش شروع ہو گئی۔

پہلے مائل بہ کرم وہ ہوا...... پیار کا آغاز اس نے کیا۔ اس نے اپنا بنایا۔ اس نے اپنا جلوہ دکھایا۔ اب وہی روپوش ہو گیا۔ اب ہم اس کی تلاش میں ہیں۔ اب تلاش کرنے والا پوچھتا ہے ہر جاننے والے سے کہ کہاں رہتا ہے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جلووں والا۔ کیا مقام ہے اس کے قیام کا۔ خانہ کعبہ میں تو غلاف کعبہ ہے' مکان ہے' مکین کہاں ہے' وہ کہیں آس پاس ہے۔ سامنے نہیں ہے۔ ہم اس کی آہٹیں سن رہے ہیں لیکن وہ ابھی تک آیا نہیں۔ شاید وہ کبھی نہیں آئے گا! نہیں ایسے نہیں ہے۔ میں نے پہلے کہا کہ عزم کا راہی مایوس نہیں ہوتا۔ شاید یقین بھی اس کا ہی جلوہ ہے۔ امید اس کی ہی جھلک ہے۔

اور...... اور...... خاموشی ہی اچھی ہے۔ لیکن بات کو روکنا بھی نہیں چاہئے اور اس کا محبوب ﷺ ہی اس کا دیدار ہے۔ جس نے آپ ﷺ کو دیکھا' اس نے اسے دیکھ لیا۔ یہ عجب بات ہے۔ حقیقت کی تلاش انسان کے در تک جا پہنچی...... پہلے درود پھر سلام...... پھر حقیقت ہی حقیقت...... جلوہ ہی جلوہ۔ نا آشنا کیلئے شرک ہی شرک اور آشنا کیلئے ایمان ہی ایمان۔ مقام غور ہے کہ اللہ کے ہاں انسانوں کا تذکرہ ہے۔ انسان کا' صرف انسانوں کا...... اور اگر انسان' انسانوں کا تذکرے کرے یا ان سے محبت کرے اور ہمیشہ ہمیشہ ہمہ حال محبت کرے تو شرک...... یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کیا اللہ آج کل بھی درود بھیجتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کے ظاہری پردہ کرنے کے بعد' اللہ کس پر درود بھیجتا ہے۔ محمد ﷺ ذات ہے یا صفت...... ذات ہے تو قائم ہے۔ اللہ کے درود کے آئینے میں...... اللہ کسی گزشتہ پر درود نہیں بھیجتا۔ وہ حال کا اللہ ہے' قرآن حال کا قرآن ہے' کلمہ حال کا کلمہ ہے...... اور رسول ﷺ حال ہی کے رسول ﷺ ہیں...... ہمیشہ سے' ہمیشہ کیلئے۔ اس کے ماسوا شرک ہے۔ یہی تو راہ توحید ہے۔ یہی حقیقت ہے۔ اللہ کی راہ...... حقیقت کی راہ...... ان لوگوں کی راہ جن پر اس کا انعام ہوا۔ وہ لوگ آج بھی ہیں۔ ان کی راہ تلاش کرو...... ان کی راہ اختیار کرو...... وہ لوگ ہی حقیقت کے جلوے ہیں۔ مظاہر انوار ہیں...... مشاہدہ تجلی ہیں...... وہ جو جلوہ گزر گیا تھا' نظر سے' وہ پھر نظر میں آباد ہو جائے گا۔ شرک سے بچو...... کسی واہمے کی پوجا نہ کرو...... عین اللہ کی عبادت کرو۔ اللہ...... سچا اللہ...... مالک اللہ...... ہمیشہ ہمیشہ کیلئے محبت کرنے والا اللہ...... اپنے ہمیشہ رہنے والے محبوب ﷺ سے ہمیشہ کی محبت...... صرف اسی اللہ کی اطاعت کرو۔ وہ جو کہتا ہے میرے محبوب ﷺ کی آواز سے کسی کی آواز کا قد بھی بڑا نہ ہو...... ورنہ تمہارے اعمال یعنی عبادتیں بھی ضائع ہو جائیں گی۔ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو اطاعت کرو ہمیشہ رہنے والے نبی ﷺ کی...... اللہ تم سے محبت کرے گا...... اور پھر حقیقت آشنائی آسان ہو جائے گی۔ وہ جو تھوڑی دیر کیلئے آیا تھا' جب ہوش اڑ گئے تھے' اب ہمیشہ رہے گا۔ وہ بھی رہے گا اور ہوش بھی!!

☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

دیدنی

یہ ایک گہرا راز ہے کہ ہر شے دراصل ایک ہی شے ہے۔ یہ سب کائنات ایک ہی کائنات ہے۔ سب صنعت ایک ہی صانع کا اظہار ہے۔ ہر شے ہر دوسری شے کا آئینہ ہے۔ رات سورج ہی کے ایک انداز کا نام ہے۔ دوری کسی قرب کے حوالے سے ہے۔ فراق اور وصال ایک ہی محبوب کی عطا ہے۔ اگر چیزوں کو ان کے اصل کے حوالے سے پہچانا جائے تو ہر شے ایک ہی شے ہے۔ ہر انسان ہر دوسرے انسان کا عکس ہے۔ طاقتور انسان کمزور انسانوں کی عنایت کا نام ہے۔ ڈاکٹر مریض کے اور مریض ڈاکٹروں کے روپ ہی ہیں۔ ہر فراوانی ہر احتیاج کے دم سے ہے اور ہر محرومی ہر حاصل کے دم سے ہے۔ نیکی بدی کے حوالے سے اور بدی نیکی کے دم سے۔ جو ایک نہ ہو سکا' اسے دوسرا بننا پڑا۔ جو یہ نہ بن سکا' اسے وہ بننا پڑا..... ہر فراز ہر پستی کا دوسرا نام ہے اور شکست کی تاریخ فتح کی تاریخ ہے۔ اگر میں نہ ہوتا تو تو کیسے تو ہو جاتا۔ ازل نہ ہو تو ابد کیا۔ آغاز ہے تو انجام ہے' نہیں تو نہیں۔ جس کا آغاز نہ ہوا' اس کا انجام بھی نہ ہوا۔ جو ہر آغاز سے قبل ہوا' وہ ہر انجام کے بعد بھی رہے گا۔

چیزوں کے آپس میں رشتے بڑے مضبوط اور مربوط ہیں۔ محبت اور نفرت ایک ہی جذبہ ہے۔ پسند کے باطن میں ناپسند کا ہونا ناگزیر ہے۔ ہم دوستوں کے دشمنوں کو دوست سمجھتے ہیں اور ان کے دشمن کو دشمن' حالانکہ ہمارا ان سے براہ راست تعلق نہیں ہوتا۔

یہ عجب بات ہے کہ قہقہے اور آنسو ایک ہی کہانی ہے۔ ایک ہی مسافر ہنستا جا رہا ہے اور وہی مسافر روتا جا رہا ہے۔ ایک ہی گھر میں شادیانے بھی بجتے ہیں اور انہی انسانوں کے حوالے سے ماتم بھی ہوتا ہے۔ قہقہے' آنسو ایک ہی کہانی ہے۔ جو ایک نے کھویا' اسے دوسرے نے پایا اور عجب بات ہے کہ جسے ایک تلاش کرتا ہے' دوسرا اسی سے نجات چاہتا ہے۔

سارا منظر اور پس منظر ایک ہی نظارہ ہے۔ سارا کھیل ایک ہی کھیل ہے۔ انسان پر اس میں مختلف مراحل آتے ہیں۔ انسان ختم ہو جاتے ہیں' ڈرامہ جاری رہتا ہے۔ افراتفری ہے۔ ہر انسان پریشانی میں ہے لیکن پریشانی کے باوجود ہر انسان اپنے سامان کو مضبوطی سے تھامے ہوئے ہے۔ لوگوں نے سامان کو پکڑ رکھا ہے اور سامان نے لوگوں کو۔ انسان کی ملکیت اس کی مالک ہو گئی ہے۔ ہم جس کو قابو کرتے ہیں' وہ ہمیشہ پکڑ لیتا ہے۔ کسی چیز کو روکنے کیلئے خود رکنا پڑتا ہے۔ اگر ہم کسی چیز کے ساتھ الجھیں تو ہم اپنے آپ سے الجھتے ہیں۔ ہم آزاد نہ کریں تو ہم آزاد نہیں ہو سکتے۔ اس سارے ڈرامے میں سارے کھیل کا مصنف جب چاہے ڈرامے کو

www.iqbalkalmati.blogspot.com

تکمیل تک پہنچا دے۔ ہر انسان اپنے آپ کو ساتویں ایکٹ میں محسوس کرتا ہے کہ ابھی کھیل ختم ہوگا۔ یہ کھیل شروع ہوتے ہی ختم ہونے والا تھا۔ آغاز ہی سے بدن ٹوٹ رہا تھا۔ انجام نوشتہ دیوار ٹھہرا۔ ہم استقامت چاہتے ہیں۔ ہمیں عارضی زندگی ملی۔ ہم کسی مقام پر دو متصل لمحات تک بھی نہیں ٹھہر سکتے۔ کچھ ہوتے ہوتے کچھ اور ہو جاتا ہے۔ کچھ کہتے کہتے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ فریاد لب تک آتے آتے اپنا مفہوم بدل لیتی ہے۔ دن رات کے خوف سے گزرتا ہے اور رات صبح کے انتظار میں کٹ جاتی ہے۔ ایسی بھی راتیں آتی ہیں کہ رات کٹ جاتی ہے اور سورج نہیں نکلتا۔ ایسے بھی دن آئے کہ سورج ڈوب گیا' روشنی باقی رہی۔ ایسے ساتھ بھی ملے جو پاس پاس رہے' ساتھ ساتھ رہے' قریب رہے اور کبھی قریب نہ محسوس ہوئے۔ نگاہوں میں رہ جانے والا ذرا فاصلہ برسوں کی مسافت میں طے نہ ہو سکا۔ ساتھ چلنے والے ہزار بار اجنبی نکلے اور اپنے قافلے سے بچھڑ گئے۔ چلتے چلتے ساتھ بدل جاتا ہے اور طے کرتے کرتے راستے تبدیل ہو جاتے ہیں۔ کبھی سر پر آسمان گرتا ہے' کبھی پاؤں تک سے زمین نکل جاتی ہے۔ کبھی انسان' انسان پر مر رہا ہوتا ہے اور کبھی انسان' انسان کو مار رہا ہوتا ہے۔ آنکھ کھول کر چلیں تو آنکھ بند ہونے کی تمنا پیدا ہوتی ہے۔ آنکھ بند کر دیں تو آنکھیں کھول کر چلنے کا ارادہ پیدا ہوتا ہے۔ یہ ایسا جلوہ ہے کہ جسے پوری طرح دیکھا بھی نہیں جا سکتا اور پوری طرح چھوڑا بھی نہیں جا سکتا۔

شاہین کی خوراک معصوم فاختہ کا گوشت ہے۔ وہ اپنی خوراک کھا رہا ہوتا ہے اور ہم اپنے آپ میں لرز جاتے ہیں۔ ایک دفعہ کسی بکری سے پوچھا گیا کہ "مائی بکری! تو لاغر کیوں ہو گئی؟" بکری نے اداس ہو کر جواب دیا "تمہیں کیا بتاؤں میں نے خواب میں شیر کا جلوہ دیکھ لیا۔" بس اتنی سی بات ہے۔ جس نے شیرہ کا جلوہ دیکھ لیا' اس کی صحت خراب ہو گئی۔ دیکھنے والا ضرور متاثر ہوتا ہے۔ یہ سارا دبستان ایک ہی مالک کی ملکیت ہے۔ وہ ایک طرف ایسے ایسے ستارے بناتا ہے کہ انسان کے تصور سے بھی بڑے اور کہیں اتنی باریکیوں میں تخلیق ہوتی ہے کہ انسانی نظر کی مجال نہیں کہ الیکٹرون کے اندر ہونے والے جلووں کو دیکھ سکے۔

یہ ساری صنعت ایک ہی ذات کی صناعی ہے۔ ایک ہی جلوہ ہے جو ہر طرف پھیلا ہوا ہے۔ کوئی انسان اس کے بغیر نہیں اور وہ ہر انسان کے علاوہ ہے۔ اسی سے سب کچھ ہے اور وہ کسی سے نہیں۔ وہ سب کا باعث ہے' اس کا کوئی باعث نہیں۔ وہ قاسم ہے' مقسوم نہیں۔ وہ کاتب ہے' مکتوب نہیں۔ وہ خالق ہے' مخلوق نہیں' وہ مارتا ہے' مرتا نہیں۔ وہ پیدا کرتا ہے' وہ پیدا نہیں ہوتا۔ وہ وقت کا خالق ہے اور خود وقت سے باہر ہے۔ وہ کیا ہے؟ وہ خود ہی جانتا ہے۔ ہم قلیل علم رکھتے ہیں۔ اتنا علم جتنا اس نے عطا فرمایا۔ اس نے ہمیں جو بنایا' سو بنایا۔ اس نے ہمیں جو کہا' سو کہا۔ احسن تقویم سے اسفل السافلین تک ہمارے تمام مقامات ادھر سے ہیں۔ ہم تو صرف ظلوماً جھولا ہیں۔ ہم خود تو "ہم" نہیں ہیں...... ہم تو اس کا شاہکار ہیں...... ہمیں ناز بھی ہے...... ندامت بھی...... شرمندگی بھی ہے اور فخر بھی...... ہمارا حاصل ہماری محرومیاں ہیں...... ہم پھیلتے پھیلتے سمٹ جاتے ہیں...... ہم چلتے چلتے رک جاتے ہیں...... ہم ہنستے ہنستے رونے لگ جاتے ہیں...... ہم الوداع کرتے کرتے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

رخصت ہو جاتے ہیں...... ہم عجب لوگ ہیں۔

ہم پیمانے بناتے رہتے ہیں لیکن خود کو ماپنے کا وقت نہیں رکھتے...... شاید حوصلہ ہی نہیں رکھتے۔ ہم آئینے بناتے ہیں...... آئینوں میں خود نہیں جھانکتے۔ ہم توقعات رکھتے ہیں کہ لوگ ہمارے معیار پر پورا اتریں' ہمارے تقاضوں کو پورا کریں لیکن ہم خود کسی کی خواہش پر پورا نہیں اترتے......

ہم اپنی خامیوں کو تقدیر بھی کہہ لیتے ہیں اور اپنی قسمت کو تو اپنا حق سمجھتے ہیں۔ ہم بھی عجب ہیں۔ ہمارے متعلق حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ہم ایک رات شبینے میں گزارتے ہیں۔ درود و سلام کی مجالس بپا کرتے ہیں۔ مراقبے اور سرور میں محویت تلاش کرتے ہیں۔ اللہ ہمارے قریب ہوتا ہے۔ ہم اللہ کے قریب ہوتے ہیں اور دوسری رات دوسری قسم کی رات ہوتی ہے۔ ہم لوگ لوک رس میں مبتلا ہوتے ہیں۔ ہم پر وجد بھی طاری ہوتا ہے۔ ہمارے پاؤں میں طبلے کی تال پر حرکت بھی ہوتی ہے۔ دھمال ہماری فقیری کا نشان ہے۔ ہم تضادات کا مرکب ہیں۔ ہمارے ظاہر اور باطن میں فرق رہتا ہے۔ ہم جن لوگوں کا نام ادب سے لیتے ہیں' ان کی زندگی کو نہیں اپناتے۔ ہم صداقت کی تبلیغ کرتے ہیں اور عمل اپنی تبلیغ سے باہر ہوتا ہے۔ غالباً نیکی اور اسلام کو صرف تبلیغ کیلئے وقف کر رکھا ہے۔ کام کے وقت یعنی عمل کے وقت ہم رشوت لیتے اور دیتے ہیں۔ یہ بجا ہے کہ ہم میں سے کچھ کالی بھیڑیں بھی ہیں۔ رشوت وصول کر کے کام نہ کرنے والا بس کالی بھیڑ ہے۔ سچ پوچھو تو ہم نے ایک اعلیٰ قوم بننے کا خواب دیکھنا چھوڑ دیا ہے۔ آخر کب تک خوابوں کے سہارے جیا جا سکتا ہے۔ اب ہم حقیقت پسند ہوتے جا رہے ہیں۔ اب ہم سمجھ چکے ہیں کہ یہ ملک ہمارے لئے بنا ہے۔ ہم اس کیلئے نہیں ہیں...... ہم سب ایک دوسرے کو خدمت کے نام پر دھوکا دیتے ہیں۔ ہم کاریگر ہیں۔ ہم خود کو بھی دھوکا دیتے ہیں۔ آنے والے خطرات کو ہم آناً فاناً آنکھیں بند کر کے ٹال دیتے ہیں۔ ہم شاید الٹی گنتی کرنے والے ہیں...... ہم کیا کرنے والے ہیں......؟

لیکن ایسے نہیں۔ ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں۔ ابھی ٹمٹماتے ہوئے چراغوں میں کچھ تو باقی ہے۔ ابھی امید ختم نہیں ہوئی۔ آواز آ رہی ہے کہ مایوس نہ ہونا۔ انتشار ختم ہو جائے گا۔ آرزوؤں کا ہنگامہ دور ہو جائے گا۔ ہماری موجودہ حالت یہ ہے کہ جیسے اندھیرے میں دو فوجیں ٹکرا رہی ہوں۔ کسی کو کچھ نہیں معلوم کیا ہو رہا ہے۔ کون ہے جو سیاہی گھول رہا ہے۔ کون ہے جو انسان کو انسان سے دور کر رہا ہے۔ کون ہے جو استعداد سے زیادہ بوجھ ڈال رہا ہے۔ کون ہے جس نے اس قوم کو خدا کے خوف سے زیادہ غریبی کے خوف میں مبتلا کر رکھا ہے۔ صرف غور کرنے کی بات ہے۔ موت سے پہلے انسان مر نہیں سکتا اور وقت مقررہ کے بعد زندہ نہیں رہ سکتا۔ جب یہ مان لیا کہ موت کا وقت مقرر ہو چکا ہے تو پھر یہ ہنگامہ کیا ہے۔ انسان کے ایمان کو کیا ہو گیا۔ بے مقصد قیام کی تمنا آخر کہاں پہنچائے گی اس قوم کو۔ مقصد نہ ہو تو زندگی کیا ہے؟ جب یہ معلوم ہے کہ عزت اور ذلت اللہ کی طرف سے ہے تو یہ ساری سیاست' سارے اخبار' سب پراپیگنڈہ' یہ سب کیا ہے؟ یہ

www.iqbalkalmati.blogspot.com

مناظرے‘ یہ مقابلے‘ یہ مباہلے اور یہ مجادلے کیا ہیں؟ ہر چیز کو عزت کے ساتھ رہنے دیا جائے تو اپنی عزت بھی قائم رہتی ہے۔ ساتھ والے مکان میں ہونے والے واقعات ہم کو متاثر نہیں کرتے۔ ہمارے ساتھ ہونے والے واقعات سے کون متاثر ہوگا۔

جب یہ معلوم ہو چکا کہ رزق مقرر ہو چکا۔ ہر ذی جان مخلوق کا رزق اللہ نے اپنے ذمہ لگا رکھا ہے اب یہ بے چینی کیا ہے؟ یہ قرضہ جات کیا ہیں؟ یہ سود اور منافع کیا ہیں؟ اللہ کا واضح ارشاد ہے کہ زمین پر جو بھی مخلوق ہے‘ اس کا رزق اس کے پاس ہے اور اللہ خزانوں کا خالق ہے‘ خزانوں کا مالک ہے۔ زمین و آسمان کے خزانے اس کے اپنے ہیں۔ زمین و آسمان کے لشکر اس کے اختیار میں ہیں۔ وہ جو چاہے جیسے چاہے‘ کرے ہم اور ہماری سوچ بس اپنے بے دست و پا ہونے کے ثبوت ہیں۔

کیا انسان نے غور کرنا چھوڑ دیا کہ سارا ماضی سمٹ کے اشارہ گیا‘ جتنا ہمارے علم میں ہے اور ہمارے علم میں آنے والا ماضی مختصر ہے اور ہمارے حال کی تمام مصروفیتیں اسی ماضی کے حوالے سے ہیں۔ ہماری عقیدتیں‘ ہمارا دین‘ ہماری عبادتیں ماضی میں دیئے گئے منشور سے عبارت ہیں۔ ہماری تاریخ پرانی تاریخ سے ماخوذ ہے۔ ہمارا علم پرانے علم سے برآمد ہوا۔ ہمارا حال اور ہمارا ماضی صرف ایک ہی زمانہ ہے۔ ہمارا مستقبل‘ جب تک وہ مستقبل ہے‘ ایک واہمہ ہے ایک خواب ہے۔ جب وہ ہمارے پاس آئے گا‘ وہ مستقبل نہیں ہوگا۔ وہ حال ہوگا اور ''مستقبل حال ہوگا'' یہ عجب بات ہے۔ ماضی حال ہے‘ مستقبل حال ہے اور حال بھی حال ہے۔ پھر ماضی کی عقیدت کیا ہے اور مستقبل کا منصوبہ کیا ہے؟ یہی راز ہے کہ آپ کہہ سکتے ہیں کہ حال یادوں کا نام ہے‘ منصوبوں کا نام ہے لیکن بات بہت قابل غور ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جو واقعہ ہو چکا‘ جب مجھے اس کا علم ہوتا ہے تو میرے لئے وہ واقعہ ہو رہا ہوتا ہے۔ میرا ماضی سب دنیا کا ماضی‘ میرے لئے حال ہے۔ گزرا ہوا واقعہ گزرتا ہی نہیں ہے۔ آج بھی ہم دن مناتے ہیں اور اس دن کو آج کا دن کہتے ہیں۔ حالانکہ وہ کل کا دن تھا۔ کچھ راتوں کو ہم آج کی رات کہتے ہیں حالانکہ وہ کل کی رات تھی۔ کوئی دن جب دوبارہ ہی نہیں آتا تو دن منانے کی بات بہت ہی قابل غور ہے۔ کوئی تاریخی واقعہ کسی قیمت پر دوبارہ ویسے نہیں رونما ہوتا اس کی اہمیت کیا ہے؟

کچھ لوگوں نے گزشتہ کل میں کچھ فیصلہ کیا۔ متفقہ فیصلہ‘ اس لئے وہ اہم تھا۔ اب اس اہمیت کو یاد رکھنے کی بجائے کیوں نہ متفقہ فیصلے ہی کر لئے جائیں۔ نئی اہمیت پیدا ہو جائے گی۔ تاریخ کو یاد رکھنے کے بجائے تاریخ بنانے کی فکر کرنا چاہئے۔ اسلام صرف روایت کا نام نہیں‘ صرف احکام اور ارشادات کا نام نہیں‘ مسلمانوں کے متفقہ عمل کا نام بھی اسلام ہے۔ پرانے مسلمان اور ہم مسلمان ایک ہی مسلمان ہیں۔ ان کا کعبہ ہی ہمارا کعبہ ہے۔ ان کے زمانے کا قرآن ہمارے ہی قرآن ہے۔ وہ اللہ یہ اللہ ہے۔ ہر وہ چیز جو موجود تھی‘ موجود ہے۔ اگر روح قائم ہو جائے تو وجود ضرور قائم ہو جائے گا۔ وجود کا ٹوٹنا روح کے انتشار کا نام ہے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اگر حال محفوظ ہو جائے تو سارا مستقبل محفوظ۔ کیونکہ یہی عمل ہمیشہ رہے گا۔ اسی طریقے سے آئندہ طریقہ بھی بنتا ہے۔ اسی اسلام نے آئندہ کا اسلام بننا ہے۔ یہی کعبہ ہمیشہ کا کعبہ ہے۔ ہم غور کیوں نہیں کرتے۔ ہم بڑے فخر کے ساتھ اسلام کا پرچار کرتے ہیں لیکن ہمیں اس بات کا بھی خوف رہتا ہے کہ ہم پر بنیاد پرستی کا الزام نہ آئے۔ اگر اسلام پرستی کو بنیاد پرستی کہا جائے اور حق پرست کو بنیاد پرست کہہ لیا جائے تو کیا یہ ضروری ہے کہ اس کی تردید کردی جائے۔

ہم نے اس بات پر غور کرنا چھوڑ دیا ہے کہ ہم کہاں سے آئے ہیں اور ہمیں کہاں سے جانا ہے اور ہمارے ذمہ کیا کام ہے۔ ہم صرف ہنگامے کرنے والی قوم بن گئے ہیں۔ ذرا غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ یہ مشرق اور مغرب دو مختلف سمتیں نہیں ہیں۔ یہ ایک ہی سمت ہے۔ ہر مقام بیک وقت مشرق بھی ہے اور مغرب بھی۔ ہر مقام اعلیٰ بھی ہے اور ادنیٰ بھی۔ سورج نہ کہیں سے نکلتا ہے اور نہ کہیں ڈوبتا ہے۔ رات دن ہمارے اپنے نام ہیں۔ غم خوشی ہمارے اپنے نام ہیں۔ نہ ہمیں کوئی دیتا ہے نہ چھینتا ہے۔ نہ ہم ماضی میں ہیں نہ مستقبل میں۔ ہم حال ہیں۔ سدا بہار حال۔ موت میں زندگی اور زندگی میں موت۔ غم میں خوشی اور خوشی میں غم۔ قرب میں بعد اور بعد میں قرب۔ وصال میں فراق اور فراق میں وصال کی لذتیں ہی ہمارا منصب ہے۔ ہم جتنا فاصلہ طے کرتے ہیں' مرکز ہمارے ساتھ ہی طے کرتا ہے۔ کسی شے کا حاصل کرنا اس کے خیال کرنے سے ہے۔ منزلیں دوڑنے سے حاصل نہیں ہوتیں' پروگراموں سے حاصل نہیں ہوتیں۔ بس ٹھہر جاؤ اور نوازش کا انتظار کرو۔ نوازش ضرور ہوگی۔ حق والے کا حق ادا کردو اور یہی تمہارا حق ہے۔ رونے والے کے آنسو پونچھو کیونکہ یہی تمہارا غم ہوگا۔ تیز چلنے والے کو روکو کیونکہ یہی تمہارے قافلے کا فرد ہے۔ سست رہنے والے کو محبت کے ساتھ تیز کرو۔ وہی معزز ساتھی ہے۔ محروم کی مدد کرو۔ مظلوم سے تعاون کرو۔ سب کی سب کے ساتھ نسبت ہے۔ سب لوگ ایک ہی لوگ ہیں۔ جو ایک نے کھویا' وہی دوسرے نے پایا۔ یہ نہ پوچھو کہ وہ حق سے کیوں محروم ہوا۔ تم یہ دیکھو کہ تم نے حق سے زیادہ کیوں حاصل کرلیا۔ تیرا حاصل ہی اس کی محرومی بن گیا۔ اپنے حاصل کی ترتیب نو اور تقسیم نو کرو۔ اپنی وضاحتوں کو واضح کرو۔ اپنے ہونے کو نہ ہونے سے پہلے اس وقت سے بچاؤ کہ تم کسی اور طاقت کے سامنے جوابدہ کردیئے جاؤ گے۔ ہماری غلطیوں اور کوتاہیوں کا گواہ کوئی بھی نہ ہو تو ہم اپنے گواہ خود ہیں۔ ہم اپنے آپ کو خود ہی تباہ کرتے ہیں اور عروج کی تمنا میں ہم زوال میں جا گرتے ہیں۔

اس زمین پر ہونے والا یہ سفر ہمارا پہلا سفر ہی درحقیقت ہمارا آخری سفر ہے۔ جو ہو رہا ہے۔ پہلی بار لیکن آخری بار۔ احتیاط سے' غور کے ساتھ' منشا کو پہچان کر' بنانے والے کی مرضی کے مطابق سفر کو جاری رکھنا چاہیے۔ ہم سے پہلے آنے والوں نے راستے پر نشانات چھوڑے ہیں۔ وہ ہمارے لئے ہیں کیونکہ ہم سے پہلے ہونے والا سفر بھی ہمارا ہی سفر ہے۔ ہماری غلطی سے سب پر الزام آئے گا۔ ہم تابدار ہوں گے تو سارا اسلامی سفر سب مسافر روشن ہوں گے۔ ہمارے دامن پر لگنے والا داغ سب کی ندامت کا باعث بن سکتا ہے۔ ہم سب سے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہیں اور سب کیلئے ہیں۔ اپنے آپ کو اپنے لئے اور اپنوں کیلئے محفوظ رکھنا چاہئے اور اپنوں کو اپنے لئے اور سب کیلئے زندہ رکھنا چاہئے اور سب اپنے ہیں۔ ان کے ساتھ اپنوں جیسا سلوک ہونا چاہئے۔ ماں باپ کے گھر میں پیدا ہونے والے اپنے بھائی ہیں اور کلمے کی وحدت میں پائے جانے والے لوگ بھی ہمارے بھائی ہیں۔ بھائیوں کے ساتھ برابر کا سلوک ہونا چاہئے۔ یہ کلام' اللہ کا کلام' کلام مجید' جو ایک ذات ﷺ پر نازل ہوا' سب کیلئے ہے۔ ماضی' حال' مستقبل کے مسلمانوں کیلئے۔ اس کا خطاب ہر زمانے سے آزاد۔ اس کے مطابق کیا ہوا عمل ہر زمانے کیلئے مفید ہے۔ ہمارا خدا اور ہمارے خدا کی محبت ہر زمانے میں حی و قیوم ہے۔ دریافت کرنے کی بات ہے۔ آج بھی ذوق یقیں میسر آ جائے تو۔

آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

یہی تو ایک بہت بڑا راز ہے اور جس نے اس راز کو سمجھ لیا وہ مر گیا اور جو نہ سمجھ سکا وہ مار دیا گیا۔

☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بیزاری

انسان نے انسان کو انسان سمجھنا چھوڑ دیا ہے۔ لوگ اس کی نگاہ سے گر گئے اور وہ خود انسانیت سے گر گیا..... آج کا انسان اپنے علاوہ کسی کو کچھ ماننے کیلئے تیار نہیں۔ وہ صرف ایک حقیقت ماننے کو تیار ہے...... اپنا وجود..... اس کی نظر میں باقی مخلوق غیر اللہ ہے۔ وہ خود اپنے آپ کو معتبر مانتا ہے..... ایسے عقیدے کا بھی کیا اعتبار.....

آج ہر آدمی ہر دوسرے آدمی سے بیزار ہے۔ دراصل خود پسندی اور خود پرستی کا منطقی نتیجہ بیزاری ہے..... جس آدمی سے جو بات کرو' الٹا ہی جواب ملے گا۔ فرد افراد سے بیزار ہے' طبقہ طبقوں سے' حکومت رعایا سے تنگ آ گئی ہے..... رعایا حکومت سے اکتا چکی ہے۔ رشتے اذیت بنتے جا رہے ہیں..... خون کے رشتے خونی رشتے بنتے جا رہے ہیں..... بڑوں نے چھوٹوں پر مصیبت ڈالی ہوئی ہے' چھوٹے بڑوں کیلئے عذاب بن رہے ہیں۔ عقیدہ معتقدوں اور معتقد اپنے عقیدے سے علیحدہ ہوتے جا رہے ہیں۔ سورج اپنی کرنوں سے بیزار ہے اور کرنیں اپنا سورج چاٹ رہی ہیں۔

عجب بات ہے۔ زندگی ختم ہو جاتی ہے اور پروگرام ختم نہیں ہوتے..... ہونی ہوتی نہیں اور انہونی ہوتی جا رہی ہے۔ وقت کے حساب سے رات رخصت ہو چکی ہے' لیکن سورج ابھی تک نہیں نکلا۔ سفر ختم ہو گئے' لیکن منزلیں نظر نہیں آتیں۔ مسافر ختم ہو گئے' لیکن مسافرت باقی ہے۔ عجب حادثہ ہے' انسان چلتے چلتے مٹ گیا۔ مگر فاصلہ نہیں مٹتا۔ دوست دوستوں کو چھوڑ رہے ہیں۔ دشمن دشمنوں سے مل رہے ہیں۔ وفا کو حماقت سمجھا جا رہا ہے۔ اس لئے کہ اس میں دوسروں کی حقیقت کو تسلیم کرنا پڑتا ہے۔

آج کے دور کیلئے ''تسلیم'' کا لفظ ناقابل قبول ہوتا جا رہا ہے..... کوئی شعبہ اپنی کسی غلطی کو نہیں مانتا..... دوسروں کی کسی خوبی کو ماننا تو جیسے عذاب ہو..... اور نتیجہ یہ ہے کہ سماج ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو کر رہ گیا ہے۔ تبلیغ زوروں پر ہے' تسلیم کمزور تر ہوتی جا رہی ہے۔ نئی عبادت گاہیں بن رہی ہیں۔ بڑے بڑے فانوس معلق ہیں۔ بڑے بڑے طاقتور لاؤڈ سپیکر نصب ہیں۔ روح عبادت ہی کمزور ہوتی جا رہی ہے۔ وقت ہی کچھ ایسا ہے۔ اللہ کی عبادت کرنے والے اللہ کی مخلوق سے بیزار ہیں۔ یعنی اللہ سے پیار ہے اور اللہ کے کام سے' اس کے آرٹ سے' اس کے فن سے' اس کی مخلوق سے یہ لوگ بیزار ہیں۔ اللہ انسان پیدا کرتا ہے' انسانوں سے پیار کرتا ہے اور یہ لوگ عبادت کے بہانے انسانوں سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔ ان لوگوں کو اللہ سے زیادہ اپنی عبادت سے پیار ہے۔ خدا جانے کیا ہونے والا ہے۔

ابلیس خدا سے پیار کا دعویٰ کرتا تھا۔ اس کی عبادت کرتا تھا' لیکن اس کا حکم ماننے سے انکار کر گیا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اس نے تکبر کیا، کفر کیا۔ اس لئے کہ اسے انسان کی اہمیت کا شعور حاصل نہیں ہوا۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اسے مصور سے پیار ہے، لیکن اس کی بنائی ہوئی تصویروں سے پیار نہیں تو اس شخص کو کیا کہا جائے۔

یہ کائنات اور اس کی تمام رعنائیاں، اس کے چاند، ستارے، سورج، پہاڑ، میدان، دریا، سمندر، بادل، انسان، حیوان، چرند پرند، ظاہر مخفی مخلوق، اس کے جمادات، نباتات سب خلق کا عمل ہے اور خالق کا ہر عمل خالق کی طرح محترم اور معزز ہے۔

عقیدے اور اعتقادات انسانوں کو مزید انسان بنانے میں کام آتے ہیں لیکن انسان ہونا شرط ہے۔

ہم شاید انسان ہونے سے، انسان بنے رہنے سے بیزار ہیں۔ ہم ہر چیز سے بیزار ہیں۔ ہم ایک دوسرے سے بیزار ہیں۔ ہمارے پاس نہ تلاش ہے نہ حاصل...... یہ بیزاری انسان کی روح تک آ پہنچی ہے اور یہی معاشروں کی تباہی کا باعث ہے۔ اس بیزاری کی وجہ سے ہر آدمی ایک خوفناک تنہائی کا شکار ہے۔ ایک دور تک پھیلے ہوئے صحرا میں تنہا مسافر کی تنہارات کی طرح۔ ہم جب تک دوسروں کو قبول نہیں کرتے، ان کا احترام نہیں کرتے، ان کو خالق کی مخلوق کے طور پر عزت سے نہیں دیکھتے، تب تک ہمیں بات سمجھ میں نہیں آ سکتی۔

آج کی بیزاری کا یہ عالم ہے کہ ایک آدمی نے دوسرے سے پوچھا "بھئی تم نے وہ کہانی سنی ہے۔" دوسرے نے بیزار ہو کر جواب دیا "نہیں میں نے دوسری کہانی سنی ہے۔" اور یوں بات کو وہیں دفن کر دیا۔ کسی زمانے میں لوگ موسم کا حال بیان کر کے ایک دوسرے کے حالات جان لیتے تھے۔ ایک دوسرے سے تعارف کرتے تھے۔ ایک دوسرے کے قریب ہو جاتے تھے۔ لیکن آج کوئی انسان کسی انسان کے قریب آنا چاہے تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے خطرہ خطرے کے قریب آ رہا ہے۔

استاد شاگردوں سے بیزار ہیں اور شاگرد اساتذہ سے...... علم کی تمنا ختم ہو گئی ہے۔ لوگ تعلیم حاصل کرتے ہیں لیکن علم کے قریب نہیں جاتے۔ پیشہ ور تعلیم کی تمنا نے انسانوں کے درمیان بڑے فاصلے پیدا کر دیئے ہیں۔ انسان مشین بن کر رہ گئے ہیں۔ ڈاکٹر مریض کے مال سے محبت کرتے ہیں اور مریض کی ذات سے بیزار ہیں۔ مریض ڈاکٹروں سے تنگ ہیں لیکن بڑے بڑے ہسپتالوں میں بڑی رونقیں ہیں۔

انسان کو انسان سے کوئی پیار نہیں۔ مال کی محبت نے انسان سے انسانوں کی محبت چھین لی ہے۔ ترقی کی انتہا یہ ہے کہ ترقی یافتہ قومیں تباہ کن ایجادات کر چکی ہیں۔ زمین اور آسمان خطرے سے بھرے ہوئے ہیں۔ خطرہ صرف انسان کیلئے ہے۔ انسان کا وجود خطرے میں ہے۔ قومیں قوموں سے بیزار ہیں۔ ملک ملک سے۔ اس بیزاری نے روس کو کیا دن دکھائے ہیں۔ کتنا بڑا عروج اور کتنا بڑا زوال...... امریکہ اب تمام قوت اور خود فریبی کے باوجود اس قسم کے خطرے اور حالات سے دوچار ہے۔ غرور اور انسانوں سے بیزاری انسان کو آخر برباد کر دیتے ہیں۔ مغربی تہذیب اپنے سفر کے شاید آخری حصے میں پہنچ گئی ہے۔ یہ آشیانہ اپنے ناپائیدار ہونے کا ثبوت فراہم کر رہا ہے۔

اب بھی دنیا کی امید اور انسان کے مستقبل کا امکان تہذیب مشرق میں ہے۔ مادہ پرستی نے انسانوں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

میں بیزاری پیدا کی۔ ایک روحانی زندگی ہی اس بیزاری کا علاج ہے۔ ابھی مشرق میں کچھ چراغ جل رہے ہیں۔ روشنی باقی ہے۔ لوگ روح کی باتیں کرتے ہیں۔ لیکن یہاں بھی مادہ پرستی کی وبا تیزی سے پھیل رہی ہے۔ اس مقام پر ہر ذی ہوش آدمی کا فرض ہے کہ وہ غور کرے۔ دولت سے محبت کی بیماری سے شفا پائے۔ انسان سے محبت کا آغاز کرے۔ دلوں میں پیدا ہونے والے فاصلوں کو کم کرے۔ خدا سے محبت اور اس کی عبادت کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے بنائے ہوئے انسانوں سے پیار کرے۔ جب تک انسان انسان کی حقیقت کو تسلیم نہیں کرے گا' وہ سکون اور چین میں داخل نہیں ہوگا۔

یہ کائنات بہت مربوط ہے۔ اللہ نے ایک انسان کو آنکھ عطا کی ہے تو دوسرے کو خوبصورت چہرہ عطا فرمایا ہے۔ جب تک یہ دونوں حقیقتیں ایک دوسرے کے قریب نہ ہوں' جلوہ پیدا نہیں ہوتا' بس آئینہ' آئینے کے سامنے ہو تو نظارہ ملتا ہے۔ حسن تخلیق یہ ہے کہ قوت سماعت اپنی قوت سماعت محتاج ہے' قوت گویائی کی۔ دوسروں کی قوت گویائی۔ یہ دوسرے لوگ بہت اہم ہیں' اپنے لئے۔ اپنے ہونے کیلئے۔ یہ نہ ہوں تو ہم کیا ہیں۔ جاننے والے بزرگ کہتے ہیں کہ آج کل عالم یہ ہے کہ کفر بھی ''اپنی صداقت'' چھوڑ چکا ہے اس لئے اسلام میں بھی وہ جذبہ نہیں پیدا ہو رہا۔

اپنے اپنے مقام پر ہر چیز بدلتی جا رہی ہے۔ تعمیر اپنی بنیادوں سے باہر ہوتی جا رہی ہے۔ نتیجہ صاف ہے۔ اس بیزاری کو دور کرنے کا طریقہ سوائے احترام آدمیت کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ جو لوگ خدا سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں اور مخلوق خدا سے بیزار ہیں' ان لوگوں نے اس بیماری کا آغاز کیا ہے۔ ہم سب ایک دوسرے کو نصیحت کرتے ہیں۔ ایک دوسرے کو تبلیغ کرتے ہیں۔ ایک دوسرے پر غالب آنا چاہتے ہیں لیکن ایک دوسرے سے محبت کرنے کیلئے تیار نہیں ہیں کیونکہ ہم ایک دوسرے سے بیزار ہیں۔ حالانکہ ہم سب ایک ہی ہیں۔ ایک خالق کا عمل...... ایک طرح سے زندگی میں داخل ہونے والے...... ایک جیسا سفر کرنے کے بعد ایک جیسی موت چکھنے والے...... ایک دوسرے سے بیزار کیوں ہیں؟ مسافروں کے درمیان مسافرت کے دوران کیا جھگڑا اور کیا بیزاری؟ اپنے دین اور اپنے عقیدے پر چلتے جائیں اور اس سعادت سے محروم ہونے والوں کی خدمت کرتے جائیں تو شاید ایک اچھا وقت قریب آ جائے۔

ایک دفعہ جب حضور اکرم ﷺ لوگوں کو وضاحت فرما رہے تھے کہ بھوکوں کو کھانا کھلانے کی کیا اہمیت ہے تو ایک صحابی نے عرض کیا ''یا رسول اللہ ﷺ! کیا غیر مسلم کو بھی کھانا کھلانا ثواب کا باعث ہے۔'' آپ ﷺ نے سختی سے فرمایا ''بھوکے انسان کو کھانا کھلانا ہے' بھوکا تو بس بھوکا ہی ہے۔ مسلمان ہو خواہ یہودی۔ جہاں کوئی انسان بھوکا ہو اس کو کھانا کھلایا جائے۔''

آج ہم دیکھتے ہیں اگر کوئی غریب دوائی کیلئے پیسے کا سوال کرے تو ہم اس سے کہتے ہیں کہ پہلے تیسرا کلمہ سناؤ۔ ضرورت دوائی کی ہے۔ وقت تبلیغ کا نہیں ہے۔ تبلیغ کیلئے لاؤڈ سپیکر دن رات بول رہے ہیں اور عجیب بات یہ ہے کہ لاؤڈ سپیکروں پر ٹیپ ریکارڈ بول رہے ہیں۔ شور پر شور مچا رہے ہیں۔ وقت بے وقت سب کچھ کہا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جا رہا ہے۔ انسان کو اتنا کچھ سننے کو مل رہا ہے بس خدا کی پناہ۔ مسجدوں میں تبلیغ' جلسوں میں تبلیغ' شادی میں تبلیغ' نماز جنازہ پر تبلیغ' ہر آدمی ہر دوسرے آدمی کو تبلیغ کر رہا ہے۔ اتنی آوازیں سن کر انسان کے پاس سوچنے کا وقت نہیں اور عمل کا وقت اور بھی مشکل ہے۔ کیا ایسا ممکن نہیں کہ انسان انسان کے قریب آ جائے اور ایک متفقہ لائحہ عمل کے ذریعے قوم کو سکون کی منزل کی طرف گامزن کر دیا جائے۔ کیا یہ ضروری ہے کہ قوم حزب اقتدار اور حزب مخالف میں تقسیم رہے؟ کیا یہ ضروری ہے کہ زندہ باد اور مردہ باد کے علاوہ اور کچھ نہ کیا جائے؟ کیا بیزاری سے بچت کی کوئی راہ نہیں؟

یہی وقت دعا ہے کہ اے اللہ ہم سب پر رحم فرما۔ ہمیں خود پسندی کے عذاب سے بچا۔ اے اللہ تو ہر لحاظ سے اپنی قدرتوں سمیت اکمل و اعلیٰ ہے۔ تیری بنائی ہوئی ہر چیز ایک مصلحت رکھتی ہے اور سب سے خوبصورت مخلوق انسان ہے۔ اے اللہ ہمیں انسانوں کی عزت کی توفیق عطا فرما۔ ہمیں دوسروں کی حقیقت ماننے کا جذبہ دے۔ جو لوگ میرے اعتقاد پر نہیں چلتے' وہ ایک اپنی حقیقت رکھتے ہیں۔ اس حقیقت کو سمجھنے کی توفیق دے۔ جو لوگ ہمارے خلاف بولتے ہیں' ان کی بات تحمل سے سننے کا حوصلہ عطا فرما اور وہ جو ایک اچھے وقت کے انتظار میں بیٹھے ہیں' ان کے حسن انتظار کو ایک کامیاب منزل عطا فرما۔ وہ دور نصیب کر دے ہم تیری عبادت کریں اور تیرے بندوں سے محبت...... سورج اپنی کرنوں سے بیزار نہ ہو اور کرنیں اپنے سورج کو چاٹ نہ لیں۔ لوگ جس درخت کے سائے میں بیٹھے ہیں اس کا سایہ چرا کر غائب نہ ہو جائیں۔ مروت اور محبت کے زمانے نازل فرما۔ ہمیں مال' شہرت اور اقتدار کے نشے کی بجائے سکون' مروت' محبت اور خدمت کے جذبات سے نواز دے۔

☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

معلوم اور نا معلوم

یہ تو سب کو معلوم ہے کہ سورج مشرق سے طلوع ہوتا ہے...... اور مغرب میں غروب ہوتا ہے...... سورج ڈوب جائے تو رات آجاتی ہے...... تاریکی اپنے حسن کے ساتھ جلوہ گر ہوتی ہے...... اور پھر صبح ہوتے ہی وہی عمل دوبارہ شروع ہو جاتا ہے......

سب جانتے ہیں کہ سورج اور زمین کے مدار کی نسبت سے موسم بدلتے ہیں' بہار میں پھول کھلتے ہیں' خزاں میں پت جھڑ ہوتی ہے' ایک خاص موسم میں پرندے ایک خاص انداز سے آشیانے بناتے ہیں' بڑے بڑے خوبصورت آشیانے اور پھر آشیانے خالی رہ جاتے ہیں اور پنچھی اڑ جاتے ہیں...... کسی نامعلوم منزل کی طرف......

کون نہیں جانتا کہ آسمان سے نور نازل ہوتا ہے' حسن اترتا ہے' روشنی آتی ہے اور بارشیں ہوتی ہیں۔ بارش اور روشنی نہ ہو تو زمین' زمین نہ رہے۔ سب جانتے ہیں کہ زمین کا حسن آسمان کی عطا ہے۔ لیکن یہ معلوم نہیں ہوتا کہ روشنی کے اس عظیم پھیلاؤ کے باوجود کچھ مقامات ازل ہی سے تاریک چلے آرہے ہیں...... یوں؟ ابر رحمت برستا ہی چلا جاتا ہے اور کچھ لوگ بوند بوند اور قطرے قطرے کو ترستے ہی رہتے ہیں۔ ایک کھیت میں جل تھل ہوتا ہے اور ساتھ والا بے آب عذاب سے جل جل جاتا ہے۔ ایسا کیوں ہے؟

ایک خاص مقرر شدہ لمحے میں زندگی پیدا ہوتی ہے اور ایک اتنے ہی خاص اور مقرر شدہ لمحے میں مر جاتی ہے۔ آدمی مر جاتے ہیں اور زندگی پھر بھی زندہ رہتی ہے۔ یہ کیا راز ہے؟

ایک بچہ پیدا ہوتے ہی حسرتوں اور مایوسیوں کی گود میں ڈال دیا جاتا ہے اور دوسرا بچہ...... فراوانیوں سے کھیلتا ہوا' زندگی کے درد اور کرب سے نا آشنا پروان چڑھا دیا جاتا ہے۔

انسان برابر ہیں لیکن معلوم نہیں کہ کیسے برابر ہیں۔ ہم نے تو موت کے یکساں عمل کے باوجود قبروں کو یکساں حالت میں نہیں دیکھا۔ ایک مزار پر تو ہجوم عاشقاں نے میلے لگا رکھے ہیں اور دوسرا مزار تو "مزار غریباں" ہی رہتا ہے۔ یہ کیا راز ہے کہ آباد اور مہذب اور متمول شہروں کے اندر خانہ بدوشوں کے پھٹے ہوئے خیمے موجود ہوتے ہیں...... یہ کیا بات ہے کہ میڈیکل سائنس ترقی کرتی جارہی ہے اور ہسپتالوں میں مریض بھی بڑھتے جارہے ہیں۔ انسان قہقہے لگاتے لگاتے کراہنے لگ جاتا ہے معلوم عمل میں نامعلوم عمل شروع ہو جاتا ہے۔

یہ تو معلوم ہے کہ بچے ایک جیسے ہوتے ہیں' ساخت کے اعتبار سے۔ لیکن ایک گھر میں پلنے والے جڑواں بھائی بھی ایک جیسے نہیں ہوتے۔ احساس مختلف ہو جاتے ہیں۔ ایک انسان شعر کہنے لگ جاتا ہے اور

www.iqbalkalmati.blogspot.com

دوسرا‘ ہمیشہ دوسرا ہی رہتا ہے۔ یہ کیا کرشمہ ہے کہ ایک لقمے سے خون بھی بن جاتا ہے‘ ہڈیاں بھی‘ بینائی بھی‘ رعنائی خیال بھی ...... اور حسن و جمال بھی ...... لقمے سے کیسے کیسے کرشمے پیدا ہوتے ہیں ...... کیوں؟

بے رنگ زمین میں ہم بے رنگ بیج بوتے ہیں‘ اسے بے رنگ پانی دیتے ہیں اور پھر کچھ عرصہ بعد اس سے رنگ رنگ کے پھول کھلتے ہیں۔ وہی پانی پتوں میں سبز ہو جاتا ہے اور گلاب میں سرخ ...... کیا پانی‘ بیج اور مٹی اپنا خاص شعور رکھتے ہیں؟

آج بھی اسی بے جان زمین میں جب کوئی مردہ بطور امانت دفن کیا جائے تو وہ محفوظ رکھا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ میت کے پھول تک نہیں مرجھاتے ...... کیا زمین سماعت بھی رکھتی ہے؟

سب جانتے ہیں کہ گائے ایک خوبصورت جانور ہے ...... مسلمان اس کا گوشت بھی کھاتے ہیں۔ ہندو اس کی پرستش کرتے ہیں۔ گائے دودھ دیتی ہے‘ سب کو معلوم ہے۔ دودھ کی افادیت ...... دودھ کو لوگ نور بھی کہہ لیتے ہیں۔ گائے کے بارے میں سب کچھ معلوم ہے‘ لیکن اتنا کچھ معلوم ہونے کے بعد بھی یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ خون اور گوبر کے درمیان سے پاکیزہ دودھ کی نہر کیسے جاری ہوتی ہے۔ پاکیزگی ہی پاکیزگی ...... نور ہی نور ...... صحت ہی صحت ...... یہ سب کیسے ہے؟

اور تو اور ایک معمولی سی مکڑی کو لیں‘ جو مٹی نگلتی ہے اور مٹی اگلتی ہے‘ لیکن اس اگلنے والی مٹی سے ریشم کی ایک تار کا نکلنا اور پھر اس تار کے ذریعے ایک ایسا خوبصورت جالا بننا جو جیومیٹری کے اصولوں کے عین مطابق ہوتا ہے۔ خوبصورت اور دیدہ زیب۔ یہ اس کی فطرت ہے‘ لیکن اتنی خوبصورت کہ بیان سے باہر اور اسی مکڑی کے جالے کے حوالے سے تاریخ اسلام کا ایک عظیم واقعہ کہ مکڑی کے جالے نے ایک عظیم ترین زندگی کے محفوظ رہنے کا جواز بنایا اور اسی کمزور جالے سے ایک قوی دلیل برآمد ہوئی۔ یہ سب کیسے ہے؟

ہم نے دیکھا کہ ایک مکھی پھولوں سے رس اکٹھا کرتی ہے اور پھر ایک نامعلوم عمل کے ذریعے اس سے شہد بناتی ہے۔ ایک قیمتی اور عظیم خوراک‘ جس میں لوگوں کیلئے شفا لکھ دی گئی ہے۔ یہ سب کیسے ہے؟ مکھی کو‘ ایک ان پڑھ مکھی کو‘ اتنی بڑی تعلیم کہاں سے ملی کہ بڑے بڑے معلم اس کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ اسے کس نے سکھایا؟

ہم سب کو معلوم ہے کہ ایک معمولی سا پانی کا قطرہ ایک بے جان سیپ کے باطن میں اتر جاتا ہے اور پھر وہی سیپ اس میں جان ڈالتی ہے اور اس قطرے کو ایک ایسے انوکھے اور نرالے عمل سے گزارتی ہے کہ وہی معمولی قطرہ ایک گوہر تابدار بن جاتا ہے۔ سیپ میں شعور مخفی رکھا گیا ہے؟ یہ بجا ہے کہ سائنس نے موتی کلچر کئے ہیں‘ لیکن صراف کے پاس جاتے ہی قلعی کھل جاتی ہے۔ نقل دو کوڑی کا اور اصل در بے بہا۔ میاں محمدؒ نے کیا خوب فرمایا ہے

کچ وی منکا تے لعل وی منکا اکو رنگ دوہاں دا
جد جاون صرافاں کول اے فرق ہزار کوہاں دا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

(اصل اور نقل کا رنگ ایک ہی ہوتا ہے' لیکن جاننے والے کی نگاہ میں ان میں ہزار ہا میلوں کے فاصلے ہوتے ہیں)

ہم علم رکھتے ہیں کہ محنت سے انسان کو مقصد حاصل ہو جاتا ہے' لیکن یہ نہیں معلوم کہ تمام محنتیں کیوں بار آور نہیں ہوتیں۔ کامیاب لوگ بھی محنت کرتے ہیں اور ناکام بھی۔ امیر محنت کرتے ہیں اور غریب اس سے زیادہ محنت کرتے ہیں۔ پھر بھی وہ غریب رہتے ہیں۔ کیا کوشش کے علاوہ کوئی اور عمل بھی انسان پر کارفرما ہے؟ کیا اسے نصیب کہتے ہیں؟ نصیب کیوں ہوتا ہے؟ انسان اپنے نصیب سے کیوں باخبر نہیں ہوتا؟ کیا نصیب ظالم بھی ہو سکتا ہے؟ یہ معلوم نہیں۔

ساکن فضاؤں میں خاموش زندگی کے دوران اچانک زلزلے کا ہنگامہ کیا ہے؟ بستیاں زیر و زبر ہو جاتی ہیں۔ خشکیاں تہہ و بالا کر دی جاتی ہیں۔ ہنستے والی زندگیاں بے سبب ہی ملبے تلے دب کر مر جاتی ہیں۔ یہ زلزلے کیوں آتے ہیں؟

ہم دیکھتے ہیں کہ پہاڑ' خاموش پہاڑ' پتھروں کے ڈھیر کب سے پڑے ہوئے ہیں۔ ان کی حقیقت کیا ہے۔ پتھر ہیں لیکن ان پتھروں کے درمیان عجب کھیل ہوتا ہے۔ پانی ہے' آگ ہے اور مٹی ہے۔ مٹی میں ملی ہوئی دھاتیں ہیں۔ سونا' چاندی' تانبا' غرضیکہ ہر طرح کی قیمتی دھاتیں۔ یہ بے نام سے پہاڑ پتھروں کا ڈھیر اپنے اندر' اپنے پہلو میں' بیش بہا قیمتی خزانے لئے بیٹھے ہیں۔ لکڑی کے نہ ختم ہونے والے خزانے معدنیات کے نہ ختم ہونے والے ذخیرے' سنگ سرخ' سنگ سیاہ اور سنگ مرمر ..... خزانے ہی خزانے۔ نہ ختم ہونے والے سنور کہیں نمک کی نہ ختم ہونے والی کان اور کہیں کوئلے کے ذخیرے..... اور حیران کن بات کہ انہی کوئلوں کے ذخیروں کے آس پاس بیش بہا قیمتی ہیرے پائے جاتے ہیں۔ عجب بات یہ ہے کہ چمکتے دمکتے ہیرے دراصل کاربن ہی کی ایک شکل ہے۔ کاربن کو یہ خوبصورت شکل اختیار کرنے کا شعور کیسے مل گیا؟ انسان عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا۔

ہمیں معلوم ہے کہ سمندر گہرے اور وسیع پانی کا پھیلاؤ ہے' لیکن اس وسیع پھیلاؤ کے اندر جانے والے نے عجیب و غریب کرشمے دریافت کئے ہیں۔ جن کو دیکھ کر انسان عقل دنگ رہ جاتی ہے اور ان سب کرشمہ کاریوں کی وجہ سائنس معلوم نہیں کر سکی۔

انسان کو یہ تو معلوم ہے کہ ایک چھوٹی سی آنکھ پل بھر میں بے شمار مناظر دیکھ سکتی ہے۔ زمین سے آسمان تک پھیلا ہوا سلسلہ آنکھ کی دسترس میں ہوتا ہے۔ انسان کی بینائی کیا کچھ نہیں دیکھتی لیکن انسان اگر اپنی بینائی کو دیکھنا چاہے تو وہی بے بسی' لاعلمی۔

ہمیں معلوم ہے کہ جو ادوار اور جو زمانے ختم ہو چکے ہیں' وہ ختم ہو گئے۔ جو گزر گئے وہ گزر گئے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ختم ہونے والا ختم ہی نہیں ہوتا۔ ختم ہونے والے واقعات ہماری تعلیم کا حصہ بن جاتے ہیں اور یہ تعلیم موجودہ زمانے کا علم کہلاتی ہے۔ گویا ناموجود زمانہ موجود زمانے کا علم ہے۔ ایک طرف ہمارا مشاہدہ ہمارا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

علم ہے اور دوسری طرف ہمارا مطالعہ ہمارا علم ہے اور کبھی کبھی ہمارا غور اور ہمارا مراقبہ بھی ہمارا علم ہوتا ہے۔ اگر گزری ہوئی شے کو اور گزرے ہوئے زمانے کو یکسر نکال دیا جائے تو ہمارے علم کے پلے کیا رہ جاتا ہے۔ تمام ادب، تمام فلسفہ، تمام تاریخ، تمام عمرانیات اور تمام مذہبیات اور سیاسیات بھی اپنے مفاہیم اور معانی کھو بیٹھتے ہیں۔ ہمارا دین عہد گزشتہ کی تعلیم سے ماخوذ ہے۔ ہمارے عقیدے عہد گزشتہ سے متعلق ہیں۔ ایک جلیل القدر پیغمبر نے خواب دیکھا۔ انہوں نے اپنے ہاتھ سے اپنے بیٹے کو ذبح کرتے دیکھا۔ آپؑ نے اپنے فرزند سے خواب بیان کیا۔ آداب فرزندی سے آشنا بیٹا بولا ''آپؑ وہ کریں، جو آپؑ کو حکم ہوا۔'' بیٹے کو لٹایا گیا۔ چھری چلائی گئی۔ لیکن نہ جانے کیوں اور کیسے بیٹے کی جگہ ایک دنبہ پایا گیا۔ چلو یہ واقعہ تو ہوا سو ہوا۔ بہت قدیم زمانے کا واقعہ ہے، لیکن یہ واقعہ آج تک ہوتا جا رہا ہے۔ اسی واقعہ کی یاد میں آج تک قربانی ہو رہی ہے۔ یہ ماضی کیوں نہیں ماضی ہوتا؟ بھولا ہوا دور کیوں نہیں بھولتا؟ گزرا ہوا زمانہ کیوں نہیں گزرتا؟ رلانے والے صدمات گزر گئے لیکن وہ ابھی تک کیوں رلاتے ہیں؟ کربلا کا واقعہ بہت پرانا ہے، لیکن کربلا ہر دم تازہ ہے۔ کون ہے جو ماضی کو حال بنا رہا ہے؟ وہ نظر کے سامنے ہے، وہ بھی ہمارا اپنا اور جو نظر کے سامنے نہیں ہے، وہ بھی ہماری نگاہ میں ہے۔ یہاں تک کہ آنے والے زمانے بھی کچھ لوگوں کی نگاہوں میں ہوتے ہیں۔ کوئی انسان قدسیوں کے پاس پہنچ جاتے ہے اور ان سے سنتا ہے کہ وہ خاص راز آشکار ہونے والا ہے۔

وہ راز کیا ہے جو بیان ہوتا جا رہا ہے اور آشکار نہیں ہوتا۔ سب کو معلوم ہے کہ یہ ایک راز ہے لیکن راز کیا ہے؟ اس سے سب بے خبر ہیں کیونکہ وہ تو ابھی آشکار نہیں ہوا۔ سب کہتے ہیں کہ بہت جلد کچھ ہونے والا ہے، لیکن کیا؟ اس بارے میں سب خاموش ہیں۔ ہماری زندگی ماضی اور مستقبل کے بارے میں غور کرتے گزر جاتی ہے یعنی حال، ماضی اور مستقبل کے بے ہنگم سنگم میں رہتا ہے۔ ہم آزاد ہونے کے باوجود اتنے بے بس کیوں ہیں کہ ہم نہ ماضی سے نجات پا سکتے ہیں اور نہ مستقبل کے خیال سے باہر نکل سکتے ہیں؟ کیا ہم جکڑ کر رکھ دیئے گئے ہیں؟ کیا ہماری آزادی اور نجات کی کوئی صورت نہیں؟ جو نہیں ہے، ہمارے لئے تو وہی ہے۔ ماضی گیا، ختم ہو گیا لیکن نہ جاتا ہے، نہ ختم ہوتا ہے۔ مستقبل ابھی پیدا ہی نہیں ہوا، لیکن ہمارے ساتھ کون باتیں کرتا ہے؟

ہمارے خواب کون بناتا ہے؟ ہماری امیدیں، ہمارے خدشات کون مرتب کرتا ہے؟

ہمیں اتنا کچھ معلوم ہونے کے باوجود کتنا کچھ معلوم نہیں...... کیوں؟

☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

آخری خواہش

آخری خواہش کے اظہار کا موقع بھی بڑے نصیب کی بات ہے اور اس موقع کے فراہم کرنے کا شکریہ ادا کرتا ہوں' میرے مالک! کہ تو نے مجھے ہوش عطا کئے رکھا' اپنی عطا کی ہوئی نعمتوں سے لطف اندوز ہونے کا موقع فراہم ہوتا رہا' لیکن افسوس تو صرف یہ ہے کہ میں تیری نعمتوں کا بھرپور استعمال کرنے کے باوجود تیرے سامنے سجدہ' شکر تو کجا' تیرے لئے کلمہ شکر تک ادا نہ کر سکا۔

میں بھی کتنا ناشکر گزار ہوں کہ تو مجھے مانگنے پر اور بن مانگے نعمتوں سے نوازتا رہا۔ میری زندگی کا تمام سرمایہ تیرے ہی کرم کا اظہار ہے۔ مجھے شعور بخشنے والے مولا! تو نے مجھے ظاہری باطنی بینائیوں سے نوازا۔ تو نے مجھے کیا کیا نہ عطا کیا۔ تو نے مجھے نیک بزرگوں سے وابستہ رکھا اور پھر وہی بات کہ میں اپنے آپ کو اتنا زیادہ اہل ثابت نہ کر سکا جتنا کہ شاید مجھے کرنا چاہئے تھا۔ لیکن یہ کیا کہ میں تجھ سے ایسے ہی ہم کلام ہو گیا۔ لو میرے مالک! میں آنسوؤں سے وضو کرتا ہوں اور پہلے تیرے سامنے سجدہ بجا لاتا ہوں۔ یہ سجدہ تیری تسلیم کا سجدہ ہے' تیری محبت کا سجدہ ہے' تیری نوازشوں کا شکر کا سجدہ ہے اور اس بات کے اعتراف کا سجدہ ہے کہ میں تیری عبادت میں اپنی شرمسار پیشانی کو سجدوں سے سرفراز نہ کر سکا۔

میرے مالک! یہ وقت جو اس وقت مجھ پر آیا' اس نے مجھے جہاں ایک طرف روشنی عطا کی ہے' وہاں اس لمحے نے مجھے خوف زدہ کرنے کی بھی کوشش بھی کی ہے' لیکن میں تیرے سامنے گزارش کرتا ہوں کہ اگر اسے غرور اور گستاخی نہ کہا جائے تو مجھے کچھ خوف نہیں۔ ''حرف بے نیازی سرزد'' ہو رہا ہے اور وہ بھی اس لئے کہ تیری رحمتوں پر بے انتہا بھروسہ ہے۔ اپنی ہستی میں یہ وجود اگرچہ خاکی ہے لیکن یہ مٹی تیرے کرم کے آسرے میں اپنے آپ سے بلند ہوتی جا رہی ہے۔

میرے اللہ! مجھے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے معاف فرما دے۔ میں تیرے دربار میں سوائے ندامت کے چند آنسوؤں کے اور کچھ نہیں لا سکا۔ میرے پاس خجالت اور ندامت کے سوا کچھ نہیں ہے۔ انہی چند موتیوں کا حقیر نذرانہ پیش کرتا ہوں اور وہ بھی ایک ٹوٹے ہوئے پیمانے میں اور یہ ہمیشہ بار بار ٹوٹا ہے۔ تیرے آسمان کے تارے ایک ایک مرتبہ ٹوٹتے ہوں گے اور یہ سینکڑوں بار ٹوٹنے والا پھر تیری رحمتوں کے سہارے قائم ہے۔ بہرحال آج میں اعتراف کرتا ہوں' کیونکہ اس وقت جبکہ دنیا کی نگاہ میں آخری وقت ہے' میرے اور تیرے سوا اور کوئی نہیں۔ ایسی تنہائی مجھے زندگی میں پہلی بار نصیب ہوئی۔ ماضی کی تمام خواہشیں آج ندامتیں بن رہی ہیں اور مجھے یہ جان کر بہت ہی افسوس ہو رہا ہے کہ میں نے کبھی کبھی تیرے دربار میں جو رو رو کے دعائیں کی ہیں' وہ بھی حصول گناہ کیلئے ثابت ہوئیں۔ میرے اللہ! میں کیا کرتا رہا ہوں۔ میں نے تجھ سے دولت مانگی اور تو نے عطا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

فرمائی' لیکن اسی دولت کے سہارے میں نے تیرے بندوں کو اذیتیں دیں۔ ان کی انا مجروح کی۔ ان پر زندگی کی آسانیاں کم کر دیں۔ میرے مالک! تیرا احسان میں نے تیرے ہی دربار میں تیرے ہی روبرو تیری بغاوت کیلئے استعمال کیا۔ کاش! میں اس وقت مر گیا ہوتا جب میں گناہ سے حاصل کی ہوئی دولت اور غریبوں یتیموں کے حقوق غصب کرنے سے حاصل ہونے والی دولت کے سہارے تیرے دربار میں آیا۔

میں نے بظاہر حج کیا' لیکن تجھے معلوم ہے اور مجھے بھی یاد آ رہا ہے کہ اس حج میں تیری محبت شامل نہیں تھی' یہ میری ایک سیاسی اور سماجی ضرورت تھی۔ مجھے بہت افسوس ہے کہ دین کے نام پر میں دنیا کے کاموں میں مبتلا رہا۔ کہیں میں نے دینی جماعت بنائی اور یہاں تک کہ ظلم کیا کہ میں نے اس میں ایسی ایسی باتیں کر دیں جو درحقیقت نہیں تھیں۔ میں نے فرضی مکاشفات بیان کر کے سادہ لوح انسانوں کو اپنی انا کی تسکین کیلئے متاثر کیا۔ میں نے بڑا ظلم کیا۔ میں نے جھوٹے خواب بیان کئے۔ میں نے فرضی مراقبے بیان کئے۔ میں نے جعلی مقامات پر اپنے آپ کو فائز بتایا۔ میں نے بڑا ظلم ہے اور ان باتوں پر مجھے کل تک خوشی تھی کہ میں نے لوگوں کو بے وقوف بنایا' لیکن آج میرے مولا! تیرے دربار میں جھوٹ بولنے کی تو گنجائش ہی نہیں اور سچ بولتے ہوئے ڈر بھی لگتا ہے لیکن یہ آخری وقت کم از کم مجھے بیبا کی ضرور عطا کر رہا ہے کہ میں اعلان کر دوں کہ ان تمام لوگوں کیلئے جو میرے طلسماتی بیانات کے جال میں پھنس گئے تھے۔ ان تمام لوگوں سے آج معافی چاہتا ہوں۔

لوگ کتنے سادہ لوح ہیں کہ کسی کے روحانی مقام کے بارے میں افواہیں سن کر ان کے پیچھے ہو لیتے ہیں۔ کہیں کسی ڈبہ پیر کے دام میں آ جاتے ہیں' کہیں کسی سیاہی پیر کے' کہیں کسی کے فریب میں' کہیں کسی کے فریب میں۔ حالانکہ تو نے یہ کھول کے بتایا ہے کہ عاقبت اپنے اعمال پر ہے۔ دوسرے کے مقامات پر نہیں۔ یا اللہ! یہ وقت اس لئے بھی میرے لئے قیمتی سا ہے کہ لوگوں کی نگاہ کے مطابق یہ بستر مرگ ہے۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ یہی وقت میری بیداری کی صبح صادق کا وقت ہے۔ آج تیرے میرے درمیان کسی تکلف کا کوئی پردہ نہیں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تو میرے اتنا قریب ہے جتنا کہ باقی رہنے والی ذات ذوالجلال ایک فانی انسان کے قریب ہو سکتی ہے۔ میرے اللہ! مجھے وہ زمانے بھی یاد آ رہا ہے' جب میں نے بظاہر تیری عبادت بھی کی۔ بڑے زور و شور سے تیزی نمازیں پڑھیں۔ بڑے دم خم سے میں نے محافل ذکر میں شمولیت کی۔ اللہ ہو کی ضرب لگانے کیلئے میرے پاس بڑے جواز تھے۔ میں لوگوں کو متاثر کرنا چاہتا تھا کہ انہیں پتہ چل جائے کہ میں بڑا عابد اور زاہد اور ذاکر ہوں۔ اے اللہ! اس ریاکاری کیلئے مجھے معاف کر دیا جائے۔ وہ نمازیں ہی تھیں' لیکن ریاکاری کی۔ وہ عبادت ہی تھی' لیکن نمائش کیلئے۔ میں نے تیری عبادت کی' لوگوں کیلئے' سماج کیلئے اور کبھی کبھی تو سیاسی جلسوں میں باجماعت ریاکاری کا مرتکب ہوا۔ میرے اللہ! میں بہت بڑا ظالم انسان تھا لیکن آج تیرے دربار میں پہنچ کر توبہ کی توفیق حاصل کر کے یہ معلوم ہوا کہ تیری عطا ہماری خطا سے بہت زیادہ ہے۔ بلکہ تیری عطا کے سامنے کسی خطا کا ذکر ہی کیا' لیکن خطا کا ذکر اور اس پر استغفار کے مواقع ملنا بھی بڑے نصیب کی بات ہے اور تو نے مجھے یہ خوش نصیب لمحہ عطا کیا ہے۔ اس شکر کیلئے بھی میرے پاس وہی آنسو ہیں جو پہلے ندامت کی تسبیح بیان

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کر رہے تھے۔

میرے اللہ! میں اس بات کا بھی شکر ادا کرتا ہوں کہ تو نے مجھے رونے والا بنایا اور اس بات کا شکر ہے کہ آج میں کسی تمنا یا حسرت کیلئے نہیں رو رہا۔ آج میں ان تمام غلطیوں اور کوتاہیوں پر جن میں ریاکاری کی عبادتیں بھی شامل ہیں' ان کیلئے افسوس کر رہا ہوں اور تو نے افسوس کا جو موقع عطا کیا' اس کیلئے اپنی مسرت کا اظہار ان اشکوں سے کر رہا ہوں جو اب میری آئندہ زندگی کیلئے چراغاں کا کام کریں گے۔ یہ بستر مرگ کی توبہ نہیں کیونکہ میرے حواس قائم' میری ہوش قائم' میرا سانس قائم' میرے دل کا احساس زندہ' میرے خون کی گردش سلامت' میری یادداشت زندہ' میرا اپنے پروردگار پر ایمان تابندہ۔ میں ابھی نہیں جانتا کہ میرے لئے آئندہ کتنا عرصہ زندہ رہنے کا موقع عطا ہو جائے۔ میں اسی بات کیلئے شکر ادا کر رہا ہوں کہ اے میرے مولا! تو نے مجھے توبہ کی توفیق موت سے پہلے عطا کر دی۔ تو توفیقیں عطا کرنے والا ہے۔ میرے مولا! آج میں تیرے ساتھ چند باتیں اس لئے کر رہا ہوں کہ میرے دل کا بوجھ ہلکا ہو اور یہ دل پھر تیرے عالی دربار میں سرنگوں ہو جائے۔

مجھے وہ دن یاد ہے' جب میں نے کاروبار شروع کیا۔ کاروبار میں خوب ترقی ہوئی اور میرے بیانات میں خوب جھوٹ کی ملاوٹیں ہوئیں۔ میں نے اپنے گاہکوں کو اپنی ظاہری عابدانہ شخصیت کے رعب سے لوٹا اور اس وقت میری سمجھ میں یہ بات نہ آئی کہ میں کیا کر رہا ہوں۔ دراصل میں اپنے آپ کو لوٹ رہا تھا۔ لوگوں کا سرمایہ تو حاصل کر رہا تھا لیکن میں اپنی آبرو لوٹ رہا تھا۔ اپنی عاقبت خراب کر رہا تھا' اپنے مستقبل میں زہر گھول رہا تھا۔ میرے مولا! میں نے بہت سے پیشے بدلے اور ہر پیشے کا مقصد تھا کہ لوگوں کو زیادہ سے زیادہ بیوقوف بنایا جائے اور انہیں رنگین دھوکے دیئے جائیں۔ میں نے زمینیں خریدیں' زمینیں بیچیں' مٹی سے سونا بنایا لیکن آج جبکہ اور کوئی انسان پاس نہیں' میں جان رہا ہوں کہ اگر تو نے توبہ قبول نہ کی تو میرا چھپا ہوا سونا گرم کر کے اسی سے مجھے داغا جائے گا۔ میرے مولا! مجھے بچا! میرے اپنے چھپائے ہوئے جرائم کی زد سے۔ یوں تو میں نے کسی کو براہ راست قتل نہیں کیا لیکن میں لوگوں پر زندگی کے ذرائع تنگ کرتا رہا' ان سے آسانیاں چھینتا رہا اور اپنے پاس وہ مال جمع رکھا' جس کی مجھے کبھی ضرورت نہیں پڑی۔ میں کتنا بے وقوف تھا کہ میں دوسروں کے مال کی حفاظت کرتا رہا اور آج اپنا حال دیکھ کر تیرے سامنے بے بسی کا اعتراف کرتا ہوں اور اپنی سرمایہ دارانہ ذہنیت کی حماقت پر تہہ دل سے معافی مانگتا ہوں۔

میرے اللہ! مجھ پر رحم فرما۔ مجھے وہ دن بھی یاد ہے جب میں نے سیاسی زندگی اختیار کی۔ لوگوں سے ان کی خدمت کے بہانے تقویت لے کر انہیں کے خلاف استعمال کی۔ غریبوں نے مجھے طاقتور بنایا اور میں نے ان لوگوں کی زندگی میں کوئی روشنی نہیں کی۔ میرے اللہ! میں آج تسلیم کرتا ہوں۔ کاش میں حکومت کرنے کی بجائے خدمت کرنے کی خواہش کرتا کیونکہ خدمت مجھے تیرے قریب رکھتی اور حکومت اپنی انا پروری کی وجہ سے تجھ سے دور کر گئی۔ میرے اللہ! اس بات کی معافی چاہتا ہوں۔ آج میرے پاس کوئی دعا نہیں کہ میں اپنے کسی منصوبے کی کامیابی کیلئے کچھ عرض کروں' صرف اور صرف اپنی کوتاہیوں کی معافی۔ میرے اللہ! میری یہ دعا ہے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ڈوبتے سورج کی آخری دعا کہ مجھے عطا فرما وہ نعمت جو آج تک میں مانگ نہیں سکا۔ تو جانتا ہے کہ مجھے کس چیز کی ضرورت تھی۔ تو جانتا ہے کہ وہ کیا نعمت اور کیا دولت تھی جس کا سوال مجھے بڑی دیر پہلے کر دینا چاہئے تھا۔ لیکن میرے پاس یہ شعور نہیں تھا۔ میری مراد ہے کہ میرے اللہ! مجھے ڈوبنے سے پہلے اپنے محبوب ﷺ کا جلوہ دکھا' یہی جلوہ...... مجھے آخری نعمت کی تمنا کے طور پر درکار ہے۔ تو نے مجھے بہت کچھ دیا' مجھے یقین ہے کہ تو نے مجھے معاف فرما دیا ہوگا۔ مجھے یقین ہے کہ جس پر تیرا رحم ہوتا ہے' اسی کو توبہ کی توفیق ملتی ہے۔ مجھے اس بات کا قوی یقین ہے کہ تیری رحمت کے دروازے سے کبھی کوئی سائل خالی نہیں گیا۔ بخشش کے طلب گار بس ندامت کے اظہار پر ہی سرشار کر دیئے جاتے ہیں۔ جس نے منجدھار میں تجھے پکارا' اس کا بیڑہ ہمیشہ پار ہوتا ہے۔ میرے مالک! مجھے سمجھ آ رہی ہے کہ پکار تیرے قرب کا اظہار ہے۔ میرے مالک! میں نے پکار کی ہے' تیرے دربار میں سوال کیا ہے کہ وہ جلوہ مجھے عطا فرما۔ ہاں یہی جلوہ۔ تیری مہربانی کیلئے میرے سجدے حاضر' میرے دل کے سجدے حاضر' میری روح کے سجدے حاضر۔ میرے پاس انتہا کی چیز انکساری ہے اور تیرے پاس بندوں کیلئے انعام اپنے محبوب ﷺ کے جلوے ہیں۔ جلوہ سب تیرا ہی ہے۔ مظہر انوار ذات محبوب ﷺ ہے۔

میرے مالک! آج اتنا مبارک لمحہ تو نے عطا فرمایا کہ پھر میرے اندر ایک تمنا اور پیدا ہو گئی۔ جی چاہتا ہے کہ اب تمنا کا اظہار نہ کروں لیکن مجبور ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ جن جن لوگوں سے جو جو کچھ کیا' ان کے پاس جا کر دست بستہ معافی طلب کی جائے۔ پس میرے مولا! اس ڈوبتے سورج کو ڈوبنے سے بچا۔ مجھے پھر اپنے سفر پر روانہ کر۔ مجھے کھوئے ہوئے مواقع کے باوجود ان لمحات کو پھر سے گزارنے کی توفیق دے' جو گزر چکے ہیں۔ بہت کچھ چھن گیا لیکن ابھی اور بہت کچھ باقی ہے۔ اے دعائیں قبول کرنے والے' تیرا شکریہ کہ میں اب آوازیں سن رہا ہوں۔ ڈاکٹروں نے میرے لواحقین سے کہا کہ مبارک ہو' مریض بچ گیا ہے۔ کسی کو کیا پتہ کہ کیا ہوا تھا اور کیا ہو گیا اور اب اور کیا کچھ ہونا باقی ہے۔

تیرا شکر ہے میرے مولا...... اس عظیم احسان کا شکر۔

☆☆☆

ختم شد

www.iqbalkalmati.blogspot.com

قطرہ قطرہ قُلزم

واصف علی واصف

ناشر

کاشف پبلی کیشنز

A-301 محمد علی جوہر ٹاؤن، لاہور

فون: 0300-4003726

واحد تقسیم کار

علم و عرفان پبلشرز

الحمد مارکیٹ، 40۔ اُردو بازار، لاہور

فون: 37352332-37232336

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جملہ حقوق محفوظ

نام کتاب .... قطرہ قطرہ قلزم

مصنف .... واصف علی واصف

ناشر .... کاشف پبلی کیشنز، لاہور

A - 301 جوہر ٹاؤن لاہور

مطبع .... زاہدہ نوید پرنٹرز، لاہور

کمپوزنگ .... طاہر

سرِ ورق .... محمد حنیف رامے

سن اشاعت .... نومبر 2014ء

قیمت .... -/350 روپے

بہترین کتاب چھپوانے کے لیے رابطہ کریں: 0300-9450911

علم و عرفان پبلشرز

40۔ الحمد مارکیٹ، لاہور

فون: 0423-7232336---0423-7352332

ملنے کے پتے ....

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
دربار مارکیٹ، لاہور

مشتاق بک کارنر
الکریم مارکیٹ اُردو بازار، لاہور

اشرف بک ایجنسی
اقبال روڈ کمیٹی چوک، راولپنڈی

کتاب گھر
اقبال روڈ کمیٹی چوک، راولپنڈی

کتاب نگر
حسن آرکیڈ، ملتان کینٹ

رشید نیوز ایجنسی
اخبار مارکیٹ، اُردو بازار، کراچی

فرید پبلشرز
اُردو بازار، کراچی

مختار برادرز
بھوانہ بازارو، فیصل آباد

ویلکم بک پورٹ
اردو بازار، کراچی

چلڈرن پبلی کیشنز
اردو بازار، کراچی

ادارہ کا مقصد ایسی کتب کی اشاعت کرنا ہے جو تحقیق کے لحاظ سے اعلیٰ معیار کی ہوں۔ اس ادارے کے تحت جو کتب شائع ہوں گی اس کا مقصد کسی کی دل آزاری یا کسی کو نقصان پہنچانا نہیں بلکہ اشاعتی دنیا میں ایک نئی جدت پیدا کرنا ہے۔ جب کوئی مصنف کتاب لکھتا ہے تو اس میں اس کی اپنی تحقیق اور اپنے خیالات شامل ہوتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ آپ اور ہمارا ادارہ مصنف کے خیالات اور تحقیق سے متفق ہوں۔ اللہ کے فضل و کرم، انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کمپوزنگ طباعت، تصحیح اور جلد سازی میں پوری احتیاط کی گئی ہے۔ بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی یا صفحات درست نہ ہوں تو از راہ کرم مطلع فرمادیں۔ انشاء اللہ اگلے ایڈیشن میں ازالہ کیا جائیگا۔ (ناشر)

www.iqbalkalmati.blogspot.com

انتساب!

اُس کے نام......

جس کے سب نام ہیں......

جسے کسی نام کے بغیر بھی......

پکارا جا سکتا ہے......

یاد کیا جا سکتا ہے!!

www.iqbalkalmati.blogspot.com

فہرستِ مندرجات

-1	زِندگی	11
-2	توبہ	14
-3	موتی	18
-4	تقربِ اِلٰہی (۱)	22
-5	تقربِ اِلٰہی (۲)	26
-6	محبوب	30
-7	فراق و وِصال	33
-8	دُکھیا سب سنسار	36
-9	خوف اور شوق	39
-10	بات سے بات	42
-11	ظُلم	47
-12	کرب ہی کرب	50
-13	رفعتِ خیال	53
-14	بارِتسلیم	57
-15	معمولی بات	60
-16	گمانوں کا لشکر، یقین کا ثبات	63
-17	مذہب	67
-18	مفروضے، اندازے اور مجبوریاں	70
-19	ماضی، حال اور مُستقبل	73

-20	بلا سبب	77
-21	پرواز ہے دونوں کی اِسی ایک فضا میں	80
-22	گردش تیز ہے ساقی	83
-23	سوال یہ ہے کہ......	87
-24	ہم کیا ہیں؟	91
-25	عذاب	96
-26	مصروفیت	99
-27	منفعت	102
-28	تعریف	106
-29	خاموشی	108
-30	پریشانی	111
-31	مجبوری	114
-32	جمہوریّت	118
-33	خطرہ	121
-34	قیادت	124
-35	ذرّے میں صحرا	127
-36	موت کا خوف	130
-37	عاجزی	133
-38	لب پہ آ سکتا نہیں	137
-39	یہی کچھ ہے ساقی متاعِ فقیر	142

www.iqbalkalmati.blogspot.com

’’گر قبول اُفتد‘‘

کسی شے کو چھوٹا سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ اُسے دُور سے دیکھا جائے یا غرور سے دیکھا جائے‘ ورنہ اگر اُسے عزت سے دیکھا جائے تو وہی شے اپنے اندر اِک جہان رکھتی ہے۔ اِک ذرّۂ بے مایہ اپنے اندر سرمایۂ گراں مایہ رکھتا ہے..... ذرّے کا دِل چیرا گیا تو کتنے آفتاب لرز گئے... اسی طرح قطرے کے اندر وُسعت بے کراں ہے..... وہ اپنے دِل ہی دل میں خود کو قُلزم ساز سمجھتا ہے بلکہ قُلزم نواز سمجھتا ہے... وہ سمجھتا ہے کہ اُس کے دَم سے کائنات کی زندگی ہے... ہر شے کی زندگی پانی سے ہے اور پانی کی اساس قطرہ ہے... یہ قطرے کا تصور ہے اپنے بارے میں!

اسی طرح قُلزم خود کو قطروں کا خالق و مالک سمجھتا ہے... وہ چاہے تو قطروں کو جدائی کے سفر پر روانہ کر دے اور چاہے تو اُنہیں وصال کی عطا کے لیے روبرو حاضر کر لے... بہرحال یہ قطرے اور قلزم کا کھیل ہے.....اصل اور اول کون ہے.....؟ وہ جسے موت نہیں آتی... وہ جسے تبدیلیاں تبدیل نہیں کر سکتیں... وہ جسے ہمیشہ ہمیشہ سے قیام ہے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے..... وہ جسے قابو کرنا، بس میں کرنا، اختیار میں لانا، مسخر کرنا‘ ناممکنات میں سے ہے... قُلزم اپنی تنہائیوں اور مستیوں میں حی و قیوم ہے لیکن قطرہ اپنی تنہا ذات میں بقا حاصل نہیں کر سکتا ہے۔ وہ قُلزم کی پناہ میں ہے تو ہے ورنہ اُس کا ہونا ہی نہیں ہو سکتا۔ قُلزم آشنا نہ ہو تو قطرہ مرگ آشنا کر دیا جاتا ہے۔ قطرے کی تنہائی‘ اُس کی موت ہے‘ قُلزم سے دُوری‘ اُس کی فنا ہے... قُلزم اُس کی زندگی کا ماخذ ہے اور ماخذ سے کٹ کر زندگی زندہ نہیں رہ سکتی..... قطرہ‘ ہزار شبنم بنے، ہزار آنسو بنے، اشکِ ندامت ہو کہ نوکِ خار پر رقص کرنے والا قطرہ اپنے مُنفرد وجود میں موجود نہیں رہ سکتا... سورج کی چشم عنایت سے پہلے ہی شبنم فنا ہو چکی ہوتی ہے... بہرحال قطرہ اگر وصالِ بحر سے محروم ہو تو قطرہ ہی نہیں رہ سکتا..... اُس کا وجود جس ذات کا مرہونِ مِنّت ہے‘ اُسی کے دَم سے ہی قائم رہ سکتا ہے‘ نہیں تو نہیں.....!

تعجب کی بات تو یہ ہے کہ اگر قطرہ وصالِ بحر حاصل کر لے‘ تو بھی وہ نہیں رہ سکتا..... سمندر میں شامل ہو کر قطرہ‘ قطرہ تو نہیں رہے گا..... سمندر بن جائے..... ہزار بار بن جائے..... وہ قطرہ نہیں رہے گا..... وہ جو

www.iqbalkalmati.blogspot.com

تھا ..... نہ رہا ..... اب اور کیا بن گیا..... ؟ سمندر نے قطرے کو ہمکنار کیا، آغوشِ رحمت میں لے لیا، اُسے وُسعتِ بیکراں عطا کردی..... اُس کا اصل' اُس پر آشکار کر دیا، اُس پر ایسا حال طاری کیا کہ اُس کا ماضی' اب اُس کا حال ہی نہیں' مستقبل بھی ہے..... اصل سے جدا ہو کر اصل میں ملنا' بڑی بات ہے..... لیکن فراق میں قائم رہنے والا قطرہ' وصال میں بکھر گیا..... منتشر ہو گیا..... پھیل گیا..... سمندر بن گیا..... اور یوں اپنی ذات سے فنا ہو کر کسی اور ذات میں بقا پا گیا.....!

ہر دو حالت میں قطرہ' قطرہ نہیں رہ سکتا۔ یہ وجود ہمیشہ نہیں رہ سکتا..... یہ قلزم کا فیض ہے..... وہ فراق عطا کرے تو قطرہ فراق کی آگ میں سُلگتا ہُوا رُخصت ہو جاتا ہے اور اگر وہ وصال عنایت فرمائے تو بھی قطرہ اپنی ذات سے نکل کر ذاتِ محبوب میں گُم ہو جاتا ہے۔ گُم ہو جانا تو قطرے کا مقدر رہے ہی سہی..... کیوں نہ وہ منزل اور راستے میں گُم ہو..... ''بے راہ'' راستوں میں گُم ہونے والے ''دونوں جہاں'' میں خسارہ پا گئے۔ خسارہ کیا ہے؟ نفع کیا ہے؟..... یہ بہت لمبی بات ہے..... چند روزہ زندگی میں یہ بات سمجھ نہیں آ سکتی کہ اصل کیا ہے؟ سُود کیا ہے؟ نفع کیا ہے؟ ضرر کیا ہے' یعنی نقصان کیا ہے؟ ہونا کیا ہے؟ نہ ہونا کیا ہے؟..... اور کیا ہونا' نہ ہونا بھی ہو سکتا ہے..... کیا ہم' واقعی ہم ہیں..... ہم کب سے ہیں..... کب تک ہیں..... اور کیوں ہیں..... ؟ کیا ''قطرہ'' فنا سے ڈر کے بھاگ رہا ہے' یا یہ فنا کے تعاقب میں بھاگ رہا ہے..... وہ جو فانی ہُوئے' اُن کو نکال کر ''باقی'' کی ہستی کیا ہے..... اور وہ جو ''باقی'' سے واصل ہُوئے' اُن کے بغیر کیا ''باقی'' کا وجود نہیں رہتا..... ! سب کچھ' سب کے بغیر رہ سکتا ہے تو یہ سب کچھ کیا ہے.....؟

یہی وہ سوال ہے جس کی تلاش میں سفر کے دوران انسان کو نئے سوالات سے آشنائی ہوتی ہے اور پھر نئے جوابات کے حصول کا سفر ایک اور حقیقت سے آشنا کراتا ہے..... محدود زندگی میں لامحدود گوشوں کی دریافت' اک عجب حال ہے..... اتنی وسیع و عریض، جمیل و عظیم، ظاہری اور باطنی کائنات کے حسین اوراق کا مشاہدہ اور مطالعہ کرنے کے لیے اتنے مختصر ایام..... کیا کیا جائے..... نظر محدود ہے اور نظارے لامحدود.....!

صاحبانِ فکر و نظر آتے ہیں اور بیان کرتے ہُوئے چلے جاتے ہیں..... کائنات جوں کی توں رہتی ہے۔ اس کے ایک گوشے کے کسی ایک حصے کا بھی بیان مکمل نہیں ہو سکتا..... اور ابھی نہ جانے کیا کیا ہے..... لکھنے والا.....!

اگر سمندر سیاہی بن جائیں اور درخت قلم ہو جائیں' تو بھی بیان نہیں کر سکتے' اُس کی شان اور تسبیح جو اصلِ کائنات ہے، مالکِ کائنات ہے، خالقِ کائنات ہے..... یہ بیان ممکن ہی نہیں..... حُسنِ بیان عطا ہو جائے تو بھی حق بیان ممکن نہیں.....!

قطرہ اپنے اندر قلزم کا جلوہ دیکھے یا قلزم کے اندر جا کر اپنا جلوہ دیکھے..... حقیقتِ حال کو بیان نہیں کر سکتا..... قطرہ قطرہ' قلزم ہو بھی جائے تو بھی قلزم بیان میں نہ آئے گا..... ہزار مضامین لکھو' بات بیان ہی نہیں ہو پا رہی..... ہزار ہا لائبریریاں..... علم کے چراغ..... اخباروں کے کالم..... مبلغین کی خیال آرائیاں.....

www.iqbalkalmati.blogspot.com

مشائخ کرام کی طریقتیں اور طور طریقے...... سیاستدانوں کی تقریریں اور تحریریں اور کوششیں...... اور نہ جانے کیا کیا...... اور پھر حکمرانوں کے احکامات' بس...... حُکم ہی حُکم...... یہ سب کوششیں ہیں' حقیقت آشنائی کے انداز...... اور پھر حقیقت بیان سے باہر...... ہمیشہ ہی بیان سے باہر...... وُسعتِ بیان مل بھی جائے تو بھی بیانِ وُسعت مُمکن نہیں...... بس صرف رونق ہے...... صرف جلوہ ہے...... دیکھنے والا منظر...... غور والی بات' حاصل فنا ہے' صرف اور صرف فنا......!

میرے بعد کیا ہوگا...... تجھ سے پہلے کیا تھا؟

مَیں اِس علم کو نہیں مانتا...... تجھے کون مانتا ہے؟

مَیں علم تک پہنچ گیا...... جہالت سے کب جدا ہوئے ہو؟

مَیں سب کو فتح کرلوں گا...... فتح کرنے کی خواہش ہی کو فتح کرلو؟

مَیں ہمیشہ رہوں گا...... کس کے لیے......؟ تم جس کے لیے بھی رہو گے' وہ ہمیشہ نہیں رہ سکے گا۔

مَیں کامیابی کا راز جانتا ہُوں...... تم سے پہلے جو لوگ یہ راز پا گئے تھے' وہ کہاں گئے؟

بہرحال یہ کہانی ختم نہیں ہوسکتی...... نہ کوئی آخری معیار ہے، نہ کوئی اسلوب' انتہائی...... لائبریری سے باہر بھی علم ہے...... اور علم سے باہر بھی علم ہے...... ایک جاننے والا' دُوسرے جاننے والے سے بے خبر بھی ہوسکتا ہے۔ ہم خود کو معیار سمجھتے ہیں اور دُوسروں کو ماپتے رہتے ہیں۔ اُن کی خوبیاں اور خامیاں دریافت کرتے ہیں...... ہم خود دُوسروں کی زد میں ہیں...... دُوسرے اپنا اپنا معیار رکھتے ہیں...... کوئی معیار آخری نہیں...... کوئی راز انتہائی نہیں...... یہ سارا منظر موجود ''نظر'' کا مرہون ہے...... آج کی کائنات ہی آج کے انسان کی ہے...... کائنات' انسان کی دسترس میں ابھی آیا چاہتی ہے اور انسان' کائنات کی گرفت میں آ بھی چکا ہے...... قطرہ' قُلزم کے رُوبرو ہی نہیں' دُوبدو بھی ہے...... اور نتیجہ کیا ہوگا' سوائے اِس بات کے کہ قطرہ' قطرہ نہ رہے گا...... قطرے پر لازم ہے کہ وہ اپنی ہستی کے محسن و ماخذ پر نظر رکھے...... وہ اپنے محبوب مونس اور غمگسار مالک سے رابطہ کرے...... وہ کائنات اور کائنات کے خالق کو سمجھے۔ وہ اپنے اصل اور اپنے محبوب قُلزم کی لگن میں رہے...... یہی اُس کی ہستی کی اساس ہے......!

اگر مُجز ہی خود شناس ہوجائے تو اُسے ''کُل شناس'' بننے میں دیر نہیں لگتی...... دِقّت تو صرف اس بات کی ہے کہ انسان خود شناسی سے گریزاں رہتا ہے۔ وہ کائنات آشنائی کے سفر پر روانہ رہتا ہے اور خود سے ناآشنا، خود سے جدا، خود سے بیگانہ' اپنے آپ میں اجنبی ہی رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علوم کی بہتات میں بھی جہالت کی کارفرمائی قائم رہتی ہے...... ہم سب کچھ جانتے ہیں' سب کچھ پہچانتے ہیں' لیکن یہ نہیں جانتے کہ ہم کون ہیں...... ہم کو کس نے اس جہانِ اجنبی میں نامعلوم مسافتوں پر روانہ کر رکھا ہے...... اور پھر ہمیں عین سفر کے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

دوران اور سفر کے درمیان واپس بُلا لیا جاتا ہے.... اگر جانا ہی تھا تو آنا کیا تھا؟

یہی عجب بات ہے .... کہ فانی ہی باقی کا آئینہ ہے۔ کرنیں نہ ہوں، تو سورج کا جلوہ کیا ہے؟ قدیم کا ذکر صرف حادث ہی کی زبان سے سُنا گیا۔ اِنسان فانی ہے لیکن وہ باقی کی دُھن میں ہے۔ اللہ باقی ہے لیکن وہ فانی ہی کو تخلیق فرماتا ہے، اسی فانی سے محبت کرتا ہے، اسی کے خیال میں رہتا ہے.... خالق اور مخلوق دونوں ایک دُوسرے کے خیال میں رہتے ہیں.... عقل کا حجاب اُٹھ جائے تو جلوہ کچھ اور ہی ہے۔ باقی کی محبت فانی کیسے ہو سکتی ہے، باقی کا محبوب باقی ہی ہو گا!

بہر حال قُلزم کے جلوے، قطروں کے جلوے ہیں.... نقش و نگار کی کثرت، دراصل وحدت ہی کے جلوے ہیں.... !

خیال ایک وسیع قُلزم ہے، صاحب خیال کی تخلیقات قطروں کی طرح ہیں.... قطرہ قطرہ تقسیم ہونے کے بعد بھی قُلزم، تو قُلزم ہی رہتا ہے.... اُس کی وسعتوں کو کچھ فرق نہیں پڑتا.... خیال بیان ہو کر بھی بیان نہیں ہوتا۔ سمندر سے دس دریا نکال لیے جائیں تو بھی وہ جوں کا توں ہے.... اور اگر اُس میں دس دریا شامل کر دیے جائیں تو بھی وہ جوں کا توں ہی رہتا ہے۔ یہ صرف احساس کی بات ہے.... تسلیم کی بات ہے.... ورنہ کہاں قطرہ اور کہاں قُلزم۔ قطرے کا وجود عطائے قُلزم ہے اور قُلزم کا وجود ماورائے قطرہ ہے.... !

مصنف اپنے مضامین کو اپنی تخلیق سمجھتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ وہ خود ہی اپنی تصنیف کا خالق ہے.... دراصل خیال کا خالق وہی ہے، جو انسان کا خالق ہے۔ خیال جب چاہے، جہاں سے چاہے نمودار ہو جائے، جس زبان سے چاہے بیان ہو جائے، جس قلم سے چاہے، رقم ہو جائے.... اس لیے اِن مضامین کو خالق خیال کا احسان مانتے ہوئے آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں.... وہ چاہے تو صحرا سے چشمے پھوٹیں، وہ چاہے تو بنجر سیراب ہو جائے، وہ چاہے تو تاریکی جگمگانے لگے، وہ چاہے تو اِنسان کو بیان کی دولت عطا ہو جائے۔ وہ چاہے تو معصیت، مغفرت میں بدل جائے.... وہ چاہے تو سرنگوں، سرفراز ہو جائیں.... وہ چاہے تو یہ کتاب اُسی کے نام کر دی جائے.... قطرہ، اپنی ہستی اور اپنی ہستی کی بے مائیگی کے علاوہ قُلزم کو کیا پیش کر سکتا ہے۔ پس اپنی تخلیق .... اپنے خالق کے نام!

زِندگی

زندگی کسی میدانِ کارزار کا نام نہیں..... یہ جلوہ گاہ ہے حُسن کی جلوہ گاہ..... یہ ایک بارونق بازار ہے..... جس میں سے خریدار گزرتا ہے..... وہ خریداری کرتا ہے اور اُس کا سرمایہ ختم ہو جاتا ہے اور پھر تعجب ہے کہ اُس کی خریداری بھی دھری کی دھری رہ جاتی ہے..... وہ خالی ہاتھ واپس لوٹتا ہے..... رونقِ بازار قائم رہتی ہے..... اور خریدار ختم ہوتے رہتے ہیں..... زندگی کسی اُلجھے ہوئے سوال کا نام نہیں..... یہ ایک پُر لطف منظر ہے۔ ایسا لطیف منظر کہ تبصرے اور تنقید کے بوجھ کو بھی برداشت نہیں کرتا..... یہ ایک دیکھنے والا منظر ہے..... ایک سُننے والا نغمہ ہے..... ایک سوچنے والا منصوبہ نہیں..... ایک مشکل معمہ نہیں..... زندگی تو بس زندگی ہی ہے..... کسی کا احسان ہے..... کسی کی دین ہے..... کسی اور کا عمل ہے۔

یہ سمندر کی طرح ہے۔ وسیع و بے پایاں..... جس کا صرف ایک ہی کنارہ ہے..... ایک ساحل..... جہاں رونقیں ہیں..... میلے ہیں..... چراغاں ہیں..... ہجوم ہے..... تنہائیاں اور اُداسیاں بھی ہیں..... دوسرے کنارے کی کسی کو خبر نہیں..... جو لوگ دوسرے کنارے کی خبر لینے گئے ہیں ابھی تک لوٹے نہیں..... اس طرف رنگ ہی رنگ ہیں..... نیرنگ ہے اور دوسری طرف بے رنگ..... صرف ایک ہی رنگ..... کون جانے کہ اس سمندر میں کیا ہے اور اس کے پار کیا ہے..... یہاں میلہ ہے اور پھر ہر انسان اکیلا ہے۔

زندگی کب سے ہے اور کب تک ہے..... کون جانے..... ازل سے ابد تک یا ازل سے پہلے اور ابد کے بعد بھی زندگی ہی ہے..... تخلیق ہونے سے پہلے یہ خالق کے ارادے میں زندہ تھی اور تکمیل کے بعد یہ خالق کے رُوبرو حاضر کر دی جائے گی..... زندگی بہر حال زندگی ہی رہے گی!

زندگی وقت کھاتی ہے..... زمانے نگل جاتی ہے..... کبھی کبھی صدیاں ہڑپ کر جاتی ہے اور ٹس سے مس نہیں ہوتی اور کبھی کبھی ایک لمحے میں کئی انقلابات برپا کر دیتی ہے۔ بہر حال زندگی، زندگی کے درمیان ہی رہتی ہے ایسے جیسے یہ اپنے ہی سمندر کا خود ہی ایک جزیرہ ہو۔ زندگی سے پہلے بھی زندگی تھی اور زندگی کے بعد بھی زندگی ہی ہوگی..... زندگی مرتی نہیں..... مر سکتی نہیں..... نہ ہی یہ ہمیشہ زندہ رہ سکتی ہے..... زندگی ہمیشہ قائم بھی ہے اور ہمیشہ تبدیل بھی ہوتی رہتی ہے.....

زندگی جہاں پھلنے پھولنے کا نام ہے وہاں اپنی آگ میں بھی جلنے کا نام ہے..... زندگی تخلیق کرتی ہے اور اپنی تخلیق کے مراحل میں تحلیل بھی ہوتی رہتی ہے۔ اس طرح زندگی ہونے اور نہ ہونے کے درمیان ہی رہتی

جلتی بجھتی زندگی بس اُمید و یاس میں رہتی ہے...... یہ سفید و سیاہ دھاگے سے بُنا ہوا خوبصورت ملبوس ہے

اس میں بہت کچھ ہے...... اس میں قہقہے بھی ہیں اور ہچکیاں اور سسکیاں بھی......

زندگی غریبوں کے کچے گھروندوں میں بھی سرشار رہ سکتی ہے اور امیروں کے پکے محلات میں بیمار بھی رہ سکتی ہے۔ زندگی اگر چاہے تو گردشِ حالات سے منسوب ہو جاتی ہے اور اگر پسند فرمائے تو گردشِ زمان و مکاں سے بے نیاز ہو کر اپنے لیے نئے جہاں پیدا کرتی رہتی ہے۔

زندگی کسی فارمولے میں مقید نہیں ہو سکتی...... اسے کچھ کہہ لیجیے، یہ سُنتی ہے، مسکراتی ہے اور کچھ اور ہی روپ اختیار کر کے فارمولے سے باہر نکل آتی ہے۔

اگر زندگی کو مسلسل سفر کہا جائے تو مکمل قیام کیا ہے؟

اگر زندگی کو بیداری کہا جائے تو نیند اور غفلت کو کیا کہا جائے؟

اگر زندگی کو محبت کہہ لیا جائے تو نفرت بھی تو زندگی ہے' بلکہ نفرت زیادہ زندہ ہے...... نفرت، غصہ، حسد، انتقام' زندگی کو زیادہ متحرک رکھ سکتے ہیں۔ بہر حال محبت اور نفرت زندگی ہی کے نام ہیں۔

اگر مذہب کو زندگی مانا جائے تو لا مذہبیت کیا ہے؟

اگر زندگی زمین ہے تو آسمان کیا ہے؟

اگر مخلوق کو زندگی کہا جائے تو مخلوق پیدا کرنے والی ذات کو کیا کہا جائے؟

زندگی کی تعریف کرنا بہت مشکل ہے...... اسے جاننا اور پہچاننا بھی مشکل ہے...... یہ ایک راز ہے ایسا راز کہ جس نے راز جان لیا' وہ مر گیا اور جو نہ جان سکا' وہ مارا گیا۔

زندگی تلاش میں ہے...... کس کی تلاش...... زندگی اُسے تلاش کرتی ہے جو زندگی کو تلاش کرتا ہے زندگی موت کے تعاقب میں ہے اور موت' زندگی کے پیچھے آ رہی ہے...... دونوں' دونوں کی تلاش میں ہیں۔ جب تک دونوں میں سے ایک ختم نہیں ہوتا یہ کھیل جاری رہتا ہے۔ یعنی نُور اور ظلمات کا کھیل...... ہونے اور نہ ہونے کا کھیل...... ماننے اور نہ ماننے کا کھیل...... دن اور رات کا کھیل......!

زندگی کے دامن میں بے پناہ اور بے شمار نعمتیں ہیں۔ اس میں خواہشیں ہیں، حسرتیں ہیں...... اُمیدیں ہیں مایوسیاں ہیں...... صداقتیں ہیں، دھوکے ہیں...... میلے ہیں اور تنہائیاں ہیں۔

زندگی سمندر ہے' اپنے بادلوں کو نامعلوم سفر پر روانہ کرنے والا...... اُنہیں الوداع کہنے والا...... اور پھر یہی سمندر اپنے مسافروں کو، اپنے دریاؤں کو خوش آمدید کہنے والا بھی ہے۔

زندگی سے زندگی نکل رہی ہے...... زندگی میں زندگی شامل ہو رہی ہے...... زندگی سے زندگی جدا ہو رہی ہے، زندگی سے زندگی واصل ہو رہی ہے......!

دراصل زندگی تو زندگی ہے...... فراق و وصال سے بہت بلند۔ حاصل و محرومی سے بہت بے نیاز...... اپنے اندر ہونے والی تبدیلیوں سے باخبر لیکن غیر متاثر......!

زندگی بہت پرانی ہے، بہت قدیم ہے، بہت بوڑھی ہے...... لیکن یہی زندگی بہت نئی ہے، بہت جدید

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہے اور بہت جوان......

ہر قدیم کبھی جدید تھا اور ہر جدید کبھی قدیم ہوگا۔

یوں یہ زندگی بیک وقت قدیم اور جدید ہے...... پُرانے شہر اور نئے انسان ...... پُرانے انسان اور نئے شہر...... آج کا انسان پرانے کھنڈرات میں خوش رہتا ہے۔ یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ وہ لوگ کون تھے‘ جو اِس کھنڈر میں کبھی آباد تھے ...... یہ کھنڈر کسی زمانے میں محلات تھے...... نیا انسان پرانی کائنات کو دریافت کرنے نکلا ہے...... وہ اِسے ترقی کہتا ہے...... یہ عجیب بات ہے کہ آج کا اِنسان‘ آج بھی پُرانی طرز پر پیدا ہوتا ہے ...... پُرانے مصنفین کو پڑھتا ہے اور نئے علم کا اظہار کرتا ہے۔ نئی بات کیا ہے...... پُرانے چہرے ہیں ...... پُرانی آنکھیں ہیں ...... پُرانے آنسو ہیں...... وہی کچھ ہے ‘جو تھا...... اور پھر نئے انسان کے لیے پُرانی منزل ...... پُرانے قبرستان ...... یہ سب باتیں سمجھ میں نہیں آ سکتیں۔ یہ سب زندگی ہے ...... بارات بھی زندگی اور جنازہ بھی زندگی...... سمجھنا مشکل ہے ...... یہ دُنیا بابل کا گھر...... اور وہ دُنیا سُسرال ...... تعجب ہے ...... چار کہار ڈولی لے چلے...... اور چار بھائی جنازہ لے چلے...... ایک ہی ہے...... سب ایک ہے...... سب جلوے زندگی کے ہیں...... یہ سب ابواب‘ کتابِ ہستی کے ہیں۔ ابتدا اور انتہا سے بے نیاز۔ زندگی آغاز سے پہلے بھی تھی اور انجام کے بعد بھی ہوگی...... زندگی تو بس زندگی ہے...... اِس کا یومِ پیدائش اور اس کا یومِ وصال کسے معلوم؟

کون جانے کہ یہ لامحدود سفر کہاں سے شروع ہُوا اور انجام کار کہاں ختم ہوگا ...... بہر حال زندگی ہمہ حال رواں دواں ہے...... دریا کی طرح جو چلتا رہتا ہے...... مُسلسل ...... مستقل ...... نہ کٹتا ہے‘ نہ رُکتا ہے‘ نہ بے دم ہوتا ہے...... پہاڑوں کا پیغام ہے جو آبِ رواں کے ذریعے سمندر کے نام کیا گیا ہے...... یہ پیغام‘ زندگی ہے...... اور اسے لے جانے والا زندہ رہے گا......!

زندگی اپنی عزّت خود ہے...... خود ہی یہ اپنی آبرو خاک میں ملاتی ہے ...... یہ خود ہی محترم و معزّز ہے...... کبھی سرفراز ہے کبھی سرنگوں ہے...... زندگی سرد خانوں میں دہکتی ہوئی آگ ہے...... نار ہے ...... اور یہی زندگی‘ اِسی نار میں چھپا ہُوا گلزار ہے...... یہ معمولی سی بات ہے ...... زندگی دینے والے کے حوالے سے سمجھ آ سکتی ہے...... اگر تخلیق خالق سے متعلق ہو تو سلامت ورنہ یہی ایک قیامت ہے!

زندگی اپنے ہی پردے میں چھپی ہوتی ہے اور اپنے ہی دروازے پر خود ہی دستک دیتی ہے۔ اور خود ہی اندر سے جواب دیتی ہے...... یہاں کوئی نہیں ...... اور اگر کسی نظر کا فیض ہو جائے تو خود ہی خود کو آواز دیتی ہے ...... اندر آ جاؤ...... ہم تمہارا انتظار کر رہے ہیں ...... بس زندگی اپنے روبرو ہونے کا نام ہے ...... اپنے قریب ہونے کا نام ...... اپنے سے قریب ہونے کا نام ...... اپنے سے آشنا ہونے کا نام ہے ...... اپنا ہی نام ہے ...... میں ہی زندگی ہوں ...... لیکن اس شرط کے ساتھ کہ میں تسلیم کروں کہ ’’تو‘‘ بھی زندگی ہے اور ’’وہ‘‘ بھی زندگی ہی ہے ...... سب کا احترام ہی اپنا احترام ہے...... سب کی زندگی ہی اپنی زندگی ہے!!

✿✿✿✿✿

www.iqbalkalmati.blogspot.com

توبہ

اگر انسان کی اپنی عقل اُس کی اپنی زندگی خوشگوار نہ بنا سکے تو اُسے زُعمِ آگہی سے توبہ کرنی چاہیے۔

اگر اپنا گھر اپنے سکون کا باعث نہ ہو تو توبہ کا وقت ہے۔

اگر انسان کو اپنا حال اور حالات درست کرنے کا شعور نہ ہو تو دانشور کہلانے سے توبہ کرنی چاہیے۔

اگر مستقبل کا خیال ماضی کی یاد سے پریشان ہو تو توبہ کر لینا ہی مناسب ہے۔

اگر انسان کو تلاش کے باوجود ہمیشہ غلط رہبر یا رہنما ملیں تو اُسے اپنی اطاعت شعاری کے دعویٰ سے توبہ کرنی چاہیے۔

اگر انسان اپنے آپ کو غم، پریشانی، غریبی، غریب الوطنی یا موت سے نہ بچا سکے تو اُسے اپنے خود مختار ہونے کے بیان سے توبہ کرنی چاہیے۔

اگر انسان ایک ہی پتھر سے دو دفعہ ٹھوکر کھائے تو اُسے اپنی صحیح روی کی ضد سے توبہ کرنی چاہیے۔

اگر انسان اپنی جوانی اور رُوپ سے پریشان ہو تو اُسے اپنے بناؤ سنگھار سے توبہ کرنی چاہیے۔

اگر انسان میں اپنی کامیابی کا سرور ختم ہو جائے اور انسان کو یاد آ جائے کہ کامیاب ہونے کے لیے اس نے کتنے جھوٹ بولے تو اُسے ضرور توبہ کر لینی چاہیے۔

اگر انسان کو اپنے خطا کار یا گنہگار ہونے کا احساس ہو جائے تو اُسے جان لینا چاہیے کہ توبہ کا وقت آ گیا ہے۔ اپنے گناہوں کا احساس ہی توبہ کی ابتدا ہے۔ اگر گناہ کا کوئی گواہ نہ ہو تو توبہ تنہائی میں ہونی چاہیے، اور اگر گناہ پوری قوم کے سامنے سرزد ہوا ہو تو توبہ بھی پوری قوم کے سامنے ہونی چاہیے۔

دراصل توبہ کا خیال خوش بختی کی علامت ہے۔ جو اپنے گناہ کو گناہ نہ سمجھے وہ بدقسمت ہے۔ شیطان کو اپنی غلطی پر توبہ کا خیال نہ آیا' ہمیشہ کے لیے لعین و رجیم ہو گیا۔ انسان حکم عدولیوں پر توبہ کرتا رہتا ہے' اس لیے اشرف المخلوقات ہے۔ کافر اپنے کفر کو دِین سمجھتا ہے' اپنی عبرت کو پہنچے گا۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اپنے ضمیر اور اپنے مزاج کے خلاف عمل کرنا گناہ ہے۔ ایسا ہرگز نہیں۔ گناہ اپنے مزاج کے خلاف عمل کرنے کا نام نہیں' اللہ کے حکم کے خلاف عمل کا نام ہے۔

گناہ اخلاقیات کے حوالے سے نہیں، دِین کے حوالے سے ہے۔ اخلاقیات کا دِین اور ہے، دِین کی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اخلاقیات اور!

سچ بولنا اخلاقی فریضہ بھی ہے اور دینی بھی، لیکن دین نے ایسی صداقتیں بھی بیان کی ہیں' جو اخلاقی صداقتوں سے بہت مختلف اور ماورا ہیں۔ اللہ، فرشتے، رسول، مابعد اور رُوح ایسی صداقتیں ہیں' جنہیں اخلاقیات سمجھنے سے قاصر ہے۔ اخلاقیات' اِنسانوں کے بنائے ہوئے ضابطۂ حیات کا نام ہے اور دِین' اللہ کے عطا کیے ہوئے ضابطۂ حیات کا نام ہے۔ گناہ' اللہ کے فرمان سے اِنکار کا نام ہے۔

ایک پیغمبر اور اخلاقی مفکر میں فرق صرف یہی ہے کہ پیغمبر کسی اور دُنیا کی صداقت بھی بیان کرتا ہے۔ جبکہ مفکر اِسی دُنیا اور اِسی معاشرے کی اِصلاح کی بات کرتا ہے۔ اخلاقیات دِین کا حصہ ہے، لیکن دینیات 'اخلاقیات سے بہت بلند ہے۔ یوں کہہ سکتے ہیں کہ دِینیات' اخلاقیات اور الٰہیات کے مجموعے کا نام ہے۔

بہر حال توبہ اپنی پسند اور ناپسند کے حوالے سے نہیں۔ یہ اللہ کی پسند اور ناپسند کے حوالے سے ہے۔ ہم اُس شے سے توبہ کرتے ہیں' جو ہمارے عمل میں اللہ کی ناپسند کا باعث ہو۔ اِس میں بُرائی بھی شامل ہو سکتی ہے اور وہ عبادت بھی' جسے ریاکاری کہا جاتا ہے' اور وہ منافقت بھی جسے فیشن کے طور پر اختیار کیا جاتا ہے۔ ہمارا ہر وہ عمل جو اللہ کو ناپسند ہو' گناہ ہے اور ایسے عمل سے توبہ کرنا ہی عذاب سے بچنے کا ذریعہ ہے۔

اللہ اور انسان کے مزاج میں بڑا فرق ہے۔ خالق اور مخلوق کے درجات کے علاوہ بھی فرق ہے۔ اگر تھوڑی دیر کے لیے کسی مُلّا کو دنیا کی خدائی دے دی جائے' تو وہ اِس دُنیا میں کیا کیا تبدیلیاں کر دے گا۔ کافروں کو نیست و نابود کر دے گا۔ یہودیوں کو فی النّار کر دے گا۔ غیر اِسلامی معاشروں کو تباہ کر دے گا۔ غرضیکہ اِس دنیا کو اپنے جیسا مسلمان کر دے گا۔

یہ انسان کی خدائی ہو گی۔ اللہ کی خدائی وہ ہے' جو ہے۔ اللہ کے ہاں پسندیدہ دِین اِسلام ہی ہے لیکن کافروں کو پیدا کرنا، اُنہیں طاقت اور قوت دیتے رہنا، مسلمانوں کی جو حالت ہے اُسے خاموشی سے دیکھتے رہنا 'اللہ ہی کا کام ہے۔ انسان اور خدا کے عمل میں جو فرق ہے' اُس پر غور کرنا چاہیے۔ ہماری جو مرضی اللہ کے علاوہ ہے' غلطی ہو سکتی ہے اور اس غلطی سے توبہ کرنا لازم ہے۔ ہم اپنے لیے ایک زندگی چاہتے ہیں' ایک انداز کی زندگی۔ اللہ ہمارے لیے ایک زندگی چاہتا ہے' ایک اور انداز کی زندگی۔ اگر ان دونوں میں فرق ہے تو غلطی موجود ہے۔ اللہ کی پسند کے علاوہ کسی انداز کی زِندگی کو پسند کرنا گناہ ہے۔ اِس سے توبہ کرنا ضروری ہے۔

پیغمبر خطا سے معصوم ہوتا ہے۔ کسی پیغمبر کا استغفار پڑھنا عجب ہے۔ نئے مقامات حاصل ہونے پر پُرانے مقامات سے استغفار ہے۔ عروج کی منزل' استغفار اور الحمد کی منزل ہے۔ نئی بلندی کا شکر...... اور پہلے درجے پر استغفار۔ مطلب یہ ہوا کہ ایک مکمل نیک اور وحیٔ الٰہی کے مطابق چلنے والی زِندگی کے لیے بھی استغفار کا عمل منشائے الٰہی کے عین مطابق ہے۔ توبہ' اللہ کی رضا کا حصول ہے۔

بار بار غلطی کرنے اور بار بار توبہ کرنے کے بارے میں اکثر پوچھا جاتا ہے۔ اگر انسان کو گناہ سے شرمندگی نہیں' تو توبہ سے کیا شرمندگی۔ توبہ کا عمل ترک نہ ہونا چاہیے۔ اگر انسان کو موت آ جائے، تو اُسے حالت

www.iqbalkalmati.blogspot.com

گناہ میں نہ آئے، بلکہ حالتِ توبہ میں آئے۔ اور کچھ خبر نہیں موت کس وقت آ جائے۔

گناہ کا احساس پیدا ہو جائے تو گناہ سے نفرت ضرور پیدا ہو گی۔ نفرت ہو جائے' تو دوبارہ گناہ نہ کرنے کا عزم پیدا ہو گا۔ دوبارہ گناہ نہ کرنے کا ارادہ ہی توبہ ہے۔ اللہ کو گواہ بنا کر اپنی غلطی پر معذرت اور آئندہ ایسی غلطی نہ کرنے کا وعدہ' توبہ کہلاتا ہے۔

توبہ منظور ہو جائے تو وہ گناہ دوبارہ سرزد نہیں ہوتا۔ جب گناہ معاف ہو جائے' تو گناہ کی یاد بھی نہیں رہتی۔ اگر اللہ احسان فرما دے' تو انسان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں داخل کر دیا جاتا ہے، اُس کی سابقہ برائیوں کو اچھائیوں میں تبدیل کر دیا جاتا ہے۔ اللہ' توبہ کرنے والوں پر بڑا مہربان ہوتا ہے۔ آدمؑ نے توبہ کی' انہیں خلافتِ ارضی کا تاج پہنا دیا گیا۔ یونسؑ نے توبہ کی' اُنہیں نجات ملی۔ ہر توبہ کرنے والے کو اللہ نے اپنا قرب عطا فرمایا۔ شرط صرف یہ ہے کہ توبہ صدقِ دل سے کی جائے۔ اور اپنے آپ کو اُس راستے سے الگ کر دیا جائے' جس راستے پر غلطی کے دوبارہ ہونے کا امکان ہو۔

توبہ کرنے والے کی زندگی تبدیل ہو جاتی ہے۔ اللہ سے توفیق مانگنی چاہیے کہ توبہ سلامت رہے۔ توبہ شکن انسان کہیں کا نہیں رہتا۔ وہ اپنی نظروں سے گر جاتا ہے۔ وہ احترام کے تصور سے محروم ہو جاتا ہے۔ وہ دعا سے محروم ہو جاتا ہے۔ وہ عبادت کی افادیت سے محروم ہو جاتا ہے۔

گناہوں میں سب سے بڑا گناہ توبہ شکنی ہے۔ توبہ شکنی انسان کی شخصیت کو اندر سے توڑ پھوڑ دیتی ہے۔ اُس کا ظاہری وجود بے خراش ہو تب بھی اندر کا وجود قاش قاش ہو جاتا ہے۔

دراصل گناہ بالعموم انسان کو نقصان پہنچانے والا عمل ہوتا ہے۔ انسان نہیں سمجھتا۔ خالق نے جس عمل سے روکا ہے' اُس سے رُک جانا ہی سعادت کا ذریعہ ہے۔

ادب کی دُنیا میں اگر مصنف ایسی کتاب تحریر کرے جس کے قاری میں گناہ کی رغبت یا میلان پیدا ہو جائے' تو ایسی تخلیق گناہ ہی کہلائے گی۔ ایسے گناہ سے توبہ کرنا لازم ہے۔ مصنف کا عمل تصنیف ہے اور یہ عمل' خیر یا شر کے باب میں اپنا انجام ضرور دیکھے گا۔ گناہوں پر اُکسانے والے کا انجام' گنہگار کے انجام سے بھی زیادہ خطرناک ہو گا۔ نیکی پر گامزن کرنے کا عمل' نیک اعمال میں سب سے زیادہ مستحسن عمل ہے۔ ادیب مر جاتا ہے' ادب زندہ رہتا ہے اور ادیب اپنی تاثیر پیدا کرتا رہتا ہے۔

تاثیر پیدا کرنے والا مرنے کے بعد بھی اپنے نامۂ اعمال میں اپنے قاری کی نیکی بدی کے حوالے سے اضافہ کرتا ہے۔ جس نے جتنے زیادہ لوگوں کو نیک بنایا' اُسے اُتنا ہی زیادہ انعام ملے گا۔

مصنف کو اپنی گناہ ساز اور گناہ پرور تصانیف سے توبہ کرنی چاہیے۔ اگر توبہ قبول ہو گئی تو اُسے نیک تصانیف کا شعور عطا ہو گا' جس سے وہ ہر آنے والے دور سے دُعائیں حاصل کرے گا۔ آنے والے زمانوں کی دُعائیں یا بددُعائیں' جانے والے انسان کے لیے بڑی تاثیر رکھتی ہیں۔

نیت کا گناہ' نیت کی توبہ سے معاف ہو جاتا ہے۔ عمل کا گناہ' عمل کی توبہ سے دُور ہوتا ہے۔ تحریر کا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

گناہ، تحریر کی توبہ سے ختم ہو جاتا ہے۔

جس ڈگری کا گناہ ہوگا' اُسی ڈگری کی توبہ چاہیے۔ صاحب تاثیر کی تحریر' اُس کے نامۂ اعمال میں بھی رکھی جائے گی۔ جس اِنسان کو جو دولت عطا ہوئی ہو' اُس کی باز پُرس ہو گی۔ الفاظ کی دولت حاصل کرنے والوں سے ضرور اِس دولت کے اِستعمال کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ اگر نصیب یاوری کرے' تو اپنی تحریر کو اپنی نیکیوں میں اضافے کے لیے استعمال کر لیا جائے۔ گزشتہ پر توبہ کا مُدعا ہی یہی ہے کہ آئندہ اپنے الفاظ کے اِستعمال کو اپنے اعمال کے آئینے میں دیکھا جائے۔

اِنسان کا پیشہ سیاست ہو یا وکالت، تعلیم ہو یا کاروبار' الفاظ کا استعمال' عمل کے میزان میں ضرور دیکھا جائے گا۔

جو انسان جتنا مؤثر ہوگا' اُس کا گناہ اُتنا ہی بڑا ہو گا۔ ہم اپنے گناہوں کو اپنے حلقۂ تاثیر میں سند بنا دیتے ہیں اور یوں ہم زیادہ سزا کے مستحق ہو جاتے ہیں۔ اگر توبہ برملا نہ ہو' تو برملا گناہ معاف نہیں ہوتا۔ جتنے بڑے ہجوم میں جھوٹ بولا گیا ہو' اُتنا بڑا جھوٹ ہوتا ہے اور اُس کے لیے اُتنی ہی بڑی سزا ہے۔ اس سے نجات کا واحد راستہ یہ ہے کہ اُتنے بڑے ہجوم میں توبہ کی جائے یا آئندہ ہجوم کے سامنے آنے سے توبہ کی جائے۔

موتی

سمندر کی اتھاہ گہرائیوں میں ، بسیط قلزم کی تاریک پہنائیوں میں ، سیپ کے باطن میں ، پردوں میں لپٹے ہوئے مخفی خزانے ، آب و تاب کے کرشمے ، فطرت کے شہکار ، اپنی چمک دمک میں مست ، دُرِ نایاب 'موتیوں کی موجودگی ایک عجب سربستہ راز ہے۔

موتی کیا ہیں ؟ بس ایک جلوۂ مستور کی داستان ہیں ۔ انسانی آنکھ سے اوجھل ، جھلمل کرنے والے ، پردے ہی پردے میں پلنے والے' کسی فنکار کی تخلیق کا افتخار ہیں ۔ سمندر کا باطن اور پھر سیپ کا باطن اور اُس میں چھپا ہوا خزانہ' گنج ہائے گراں مایہ کا یہ سرمایہ' انسانی عقل و خرد کے لیے تحیّر کا مقام ہے۔ یہ کنزِ مخفی جب آشکار ہوتا ہے تو آنکھوں کو خیرہ کرتا ہے۔ یہ راز جب ظاہر ہوتا ہے' اس کی قدر دانیاں ہوتی ہیں ، اس کی قیمتیں لگتی ہیں ، اس کی ندرتیں محسوس ہوتی ہیں اور یہ چھوٹی سی مخلوق' اشرف المخلوقات کی دُنیا میں اپنے جلووں کی تابانی سے جگمگاہٹیں پیدا کرتی ہے۔ انسان موتیوں کی مالا سے اپنی ہستی دوبالا کرتا ہے۔

فطرت کو موتی پسند ہیں ۔ یہ بڑے مقام کی تخلیق ہے۔ اللہ کریم نے بہشت میں رہنے والی حُور کے حُسن کو ایسے بیان فرمایا کہ جیسے خیمے میں مقصور موتی ہوں ۔ دُرِ مکنون ، چھپے ہوئے موتی 'سیپ کے باطن میں 'پردے کے اندر موتی ، آبدار اور تابدار موتی ، انسانی آنکھ اور انسانی لمس سے دُور ، اپنی پاکیزگی کی چادر میں لپٹی ہوئی حُور ، اتنی پاکیزہ اور منزّہ' جیسے یاقوت اور مرجان ۔ بیانِ حُسن اور یہ حُسنِ بیان' اللہ اللہ' یہ اللہ کا ہی کلام ہوسکتا ہے۔ اللہ کو موتی پسند ہیں ۔ موتی سے تشبیہہ' الہامی تشبیہہ ہے ۔ جس شے کو انسانی ہاتھ کے لمس کا تجربہ بھی نہ ہو' انسانی آنکھ ، انسان کی نظر سے بھی جس کا جمال آزاد ہو' وہ موتی کیا موتی ہو گا ۔ جس طرح سمندر موتیوں کے سرمائے سے مالا مال ہے' اُسی طرح بہشت دمکتے ہوئے لولوؤں سے جگمگاتا ہے۔ خیموں میں چھپے ہوئے خزانے ، انمول موتی ، دُرِ ثمین ، ایک رازِ سربستہ ، تخلیق کا شہکار ، فنکار کا نقش ، فنکار کا نقشِ افتخار ...... موتی ہی موتی ، بہشت دَر بہشت ، ننھے موتی کی لڑیاں ، خیام میں قیام کرنے والے انعام و اکرام کے گنجینے ...... انسان کون کون سی نعمت کا شکر ادا کرے ، کس کس خزانے کا انکار کرے ، کس کس رحمت کو جھٹلائے ۔ رحمتیں ہی رحمتیں ہیں ، نعمتیں ہی نعمتیں ہیں ، برکتیں ہی برکتیں ہیں ۔ موتی فطرت کا پسندیدہ استعارہ ہے ۔ یہ اشارہ ہے' مومنوں کے لیے منتظر رحمت کا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

یہ کائنات موتیوں سے بھری ہوئی ہے۔سمندر کے اندر موتی، سمندر کے باہر موتی...... بادلوں کی جھڑیاں' تُجے موتیوں کی لڑیاں برستی ہیں۔موتی برستے ہیں۔آسمانوں سے موتیوں کی بارش ہوتی ہے۔خزانے ہیں' زمین کے لیے۔زمین کی پیاس بجھانے والے موتی، زمین کو دولت بخشنے والے، زمین سے خزانے بنانے والے، زمین کو ربوبیت بخشنے والے، رَب کے بنائے ہوئے، بادلوں کے برسائے ہوئے موتی۔جھلمل کرنے والے قطرے، مقطّر' منزّہ' پاکیزہ موتی۔جَل تھَل کر دینے والے! کیا کیا نعمتیں ہیں، کیا کیا برکتیں ہیں! موتی ہی موتی، خزانے ہی خزانے!!

سمندر میں موتی، زمین پر بارش کے موتی اور پھر شبنم کے پاکیزہ گوہر ...... غنچے کو پھُول کر دینے والے معصوم قطرے' کتنے خوبصورت ہیں! پُر اسرار خزانے ہیں' کتنے سربستہ راز ہیں! کیا کیا کرشمے دکھاتی ہے اوس...... شبنم...... اِنسان کے لیے، اِنسان کی صحت کے لیے آسمانی انعام' موتیوں کا چھڑکاؤ۔شبنم بڑا راز ہے' رات کا اعجاز، رات کے آنسو۔گُل کھِل اُٹھتے ہیں، دِل کھِل جاتے ہیں...... گلوں کو رنگ اور رنگوں کو خوشبو عطا کرنے والی شبنم' ایک دولت ہے' موتیوں جیسی خوبصورت اور موتیوں جیسی قیمتی...... فطرت کا عطیہ' مفت حاصل ہونے والا خزانہ مخفی خزانہ ...... کس کس نعمت کو جھٹلایا جائے...... اللہ کی دین ہے۔

سمندر میں موتی، زمین پر موتی، ہوا اور فضا میں موتی اور آسمان...... آسمان تو موتیوں سے جھلملاتا ہے۔چمکنے والے ننھے ستارے، دمکنے والے موتی، دُور سے نظر آنے والے، راز ہائے سربستہ' کائنات کی لامحدود وُسعتوں میں جگمگاہٹیں ستاروں کے دَم سے ہیں...... اللہ کریم نے ستاروں کو روشن شمعیں کہا ہے۔استعارہ دَر استعارہ'' ہم نے آسمانوں کو مصابیح سے سجایا''...... سبحان اللہ' آسمان کی چادر کو موتیوں نے زِینت بخشی۔پاکیزہ موتی، سربستہ موتی، فطرت کے شہکار موتی، تخلیق کا افتخار موتی...... کیا کیا نقشے ہیں، کیا کیا جلوے ہیں، کیا کیا رعنائیاں ہیں۔ستارے ہیں کہ بس جھلملاتے نظارے ہیں۔موتی ہی موتی...... موتیوں کی لڑیاں...... حُسن و خوبی سے فطرت نے جڑاؤ کیا ہے۔اِنسان غور کرے...... سائنس اپنا کام کرے، محبت والے اپنا کام کریں...... نگاہ کو جلوہ درکار ہے اور جلوے تُجے موتی ہیں' ہر طرف بکھرے ہُوئے' خزانہ دَر خزانہ، حسن دَر حسن، لطف دَر لطف......!

موتیوں کے ذِکر میں اُن موتیوں کا ذکر کیسے نہ آئے' جو رات کے خاموش آنگن میں دَرد والے دِل کی سیپ کے باطن سے ظہور کرتے ہیں اور اِنسان کی آنکھ سے ٹپکتے ہیں۔یہ آسمانِ فکر کے ستارے ہیں کہ اندر کی آگ کے انگارے ہیں۔آنسو کیا ہیں؟ بس موتی ہیں۔چمکنے والے، بہنے والے' گرم آنسو' فریاد کی زبان ہیں۔پُرانی یادوں کے ترجمان ہیں...... یہ آنسو' انمول خزانہ ہیں' معصوم اور پاکیزہ...... مستور دوشیزہ کے حسن سے زیادہ حسین' حُور سے زیادہ مکنون' اور یہ خزانہ کمزور کی طاقت ہے...... دِل کی اتھاہ گہرائیوں سے نکلنے والا آبِ حیات کا چشمہ، سعادتوں کا سرچشمہ، آرزوؤں کے صحرا میں نخلستانوں کا مژدہ۔آنسو' تنہائیوں کا ساتھی، دعاؤں کی قبولیت کی نوید' اِنسان کے پاس ایسی متاعِ بے بہا ہے' جو اُسے دیدہ وری کی منزل عطا کرتی ہے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

یہ موتی بڑے انمول ہیں ۔ یہ خزانہ بڑا گراں مایہ ہے۔ یہ تحفۂ فطرت کا نادر عطیہ ہے...... تقربِ الٰہی کے راستوں پر چراغاں کرنے والے موتی' اِنسان کے آنسو ہیں ۔ اِن ستاروں ، چراغوں ، موتیوں کی قیمت یہ ہے کہ اِن کی خریدار' خود رحمتِ پروردگار ہے ۔ جس کی رات اَشکوں سے منّور ہے' اُس کا نصیب درخشندہ ہے۔ اُس کا مستقبل خود شناسی اور خود آگاہی کا حقدار ہے ۔ یہ موتی کبھی رائیگاں نہیں جاتے ۔ یہ وہ دولت ہے جس سے وہ بھی نا آشنا ہے' جس نے یہ دَرد عطا کیا ہو۔ یہ حسّاس روحوں کا مقدّر ہے ...... چشمِ تر بذاتِ خود شعرِ تر ہے۔ اِس دُنیا میں کسی اور دُنیا کے سفیر اِنسان کے آنسو ہیں ۔ سوزِ نفس کا آہنگِ دلخراش آنسوؤں سے فاش ہوتا ہے۔ انسان کے آنسو اُس کے لیے اِدراک کی وُسعتیں لکھتے ہیں ۔ رُوح کی زبان آنسو ہیں ۔ رُوح کی نوا' اشکِ سحر ہے ۔ رُوح کی پرواز کو آنسو ہی توانائی عطا کرتے ہیں ۔ خرد کی بے مائیگی کو سرمایۂ جنوں عطا کرنے والا فرشتہ ' آنسوؤں کے ساتھ نازل ہوتا ہے۔ آہِ سحر گاہی' آہِ رسا کا دُوسرا نام ہے ۔ آنسو' خالق اور مخلوق کے درمیان کوئی پردہ نہیں رہنے دیتے ۔ یہ وہ موتی ہیں' جو اِنسان کو اُس کے اپنے باطن سے آشنا کرتے ہیں ۔ چشمِ گہربار' عنایتِ پروردگار ہے۔

دُنیا کے عظیم انسان' نالۂ نیم شب کی داستان ہیں ۔ رازہائے سربستہ آشکار ہو ہی نہیں سکتے' جب تک آنکھ اشکبار نہ ہو ۔ کہتے ہیں کہ ایک بہت پُرانے زمانے میں ایک گُرو نے اپنے چیلے کو جڑی بوٹیوں کا رس اکٹھا کرنے کا حکم دیا ... چیلے نے عمر بھر جواہر العقاقیر اکٹھا کیا ۔ وہ خوشی خوشی اپنے گرو کے پاس خزانے سے بھری ہوئی شیشی لے کے چلا ۔ اُسے ٹھوکر سی لگی اور اُس کے ہاتھ سے شیشی گر کے چکنا چور ہو گئی ...... وہ تڑپا پھڑکا اور لگا رونے اور پکارنے کہ '' اے میرے گُرو ! میں برباد ہو گیا ۔ میری کمائی لُٹ گئی ۔ میرا حاصل لاحاصل ہو گیا ..... اب تو میں بوڑھا ہو گیا ہوں ۔ اب میں دوبارہ کیسے جتن کروں ۔ میرے گرو ! میں مر گیا' میں تباہ ہو گیا' میری دولت مٹی میں مل گئی '' ..... اُس کا گُرو سنتا رہا اور پھر اُس نے خوشی سے قہقہہ لگایا ..... چیلے نے کہا '' گرو ! میں مر رہا ہوں اور آپ ہنس رہے ہیں ۔'' گُرو نے کہا '' تم سمجھ رہے ہو تم لُٹ گئے' میں جانتا ہوں کہ آج تجھے وہ دولت مل گئی جس سے بوٹیوں میں رَس پیدا ہوتا ہے ۔ خزانہ گم نہیں ہوا' خزانہ مل گیا ہے ۔'' چیلے نے پوچھا '' کونسا خزانہ ؟ '' گُرو نے کہا '' تیرے آنسو ..... یہ آنسو نہ ہوں تو دُنیا میں ویرانی آ جائے ۔ میرے چیلے ! تجھے مبارک ہو ۔ اب مَن کی چِنتا سے آزاد ہو جا ...... اس دُنیا میں دِل کی بوٹی کا امرت رَس حاصل کرنا ہوتا ہے یعنی آنسو ..... آج تُو سرفراز ہے ..... یہ تیرے مَن کے مندر کی مُورتی کا دَرشن ہے ۔''

بہر حال انسان کے آنسو' حصولِ رحمت کا قوی ذریعہ ہیں ۔ آنسوؤں کی فریاد مقبول ہے ۔ نالۂ نیم شب ہمیشہ کے لیے مقبول ہے ۔ بارگاہِ صمدیت میں آنسوؤں کی درخواست رَد نہیں ہوتی ۔ آنسوؤں سے زمانے بدلتے ہیں ، مقدر بدلتے ہیں ، نوشتے بدلتے ہیں ۔ حوادث کے طوفانوں کے رُخ پھر جاتے ہیں ۔ گردشِ ایام کے طور بدل جاتے ہیں ۔ معصیت کو مغفرت مل جاتی ہے ۔ بدحال ماضی کو خوشحال مستقبل مل جاتا ہے ۔ گمشدہ' برآمد ہو جاتا ہے ۔ بھٹکے ہوئے راہی' صاحبانِ منزل بن جاتے ہیں ۔ گرداب میں گھرے ہوئے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

سفینے' ساحلِ مُراد تک آتے ہیں ..... فراقِ مجاز' وصالِ حق بن جاتا ہے۔ اَشکوں کے موتیوں کی مالا' عالمِ بالا تک کی خبر لاتی ہے ..... یہ سُچے موتی' گوہر ہائے تابندہ' اِنسان کو ..... مایوس اور مرے ہُوئے اِنسان کو ..... زندہ کر جاتے ہیں۔

جو فریاد لبِ اظہار تک نہ آسکے' وہ اَشکوں میں بیان ہوتی ہے۔ مذہب، رنگ اور نسل سے آزاد' ہر اِنسان کی آنکھ میں ایک جیسے آنسو ہوتے ہیں۔ یہی اِنسان کا اِنسان سے واحد رشتہ ہے ..... ہمدردی کا، غمگساری کا .....!

عشق کے مسافروں کا زادِ راہ آنسو ہیں۔ عشق' حقیقی ہو یا مجازی' آنسوؤں سے عبارت ہے۔ روضۂ رسول ﷺ پر حاضری دینے والے' آنسوؤں کی زبان سمجھتے ہیں۔ یہ سرمایہ کسی کا احسان ہے، کسی کی دین ہے، کسی کا اعجاز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دریاؤں کو پہاڑوں کے آنسو فرمایا ..... بے اَشک آنکھ کو پتھر کہا۔ پتھر دل، پتھر نصیب ..... ہم اپنے اللہ کے سامنے کیا پیش کریں۔ نامۂ اعمال تو پیش کرنے کے قابل نہ رہا، دفترِ عمل میں کیا دھرا ہے۔ رہی عبادت' منظور ہو کہ نہ ہو' کیا کہہ سکتے ہیں ..... اِبلیس کی کروڑوں سال کی عبادت ایک انکار سے رائیگاں ہوگئی۔ ہم تو کتنے احکامات سے رُوگردانیاں کرتے ہیں، من مانیاں کرتے ہیں۔ ہم نادان اِنسان' کیا پیش کریں ..... ٹُوٹے ہوئے دِل اور بہتے ہوئے اَشکوں کے ساتھ ہم اُس کے سامنے سربسجود ہیں کہ اے اللہ! یہ حقیر سرمایہ ہی ہم اس زِندگی سے حاصل کر سکے ہیں۔ یہ ندامت اور شرمساری کے نذرانے' تیرے سامنے حاضر ہیں ..... قبول فرما ..... اپنی بارگاہِ بے نیازی میں۔ اپنی شانِ غفاری دِکھا اور ہمارے اَشکوں کو پذیرائی عطا فرما، اور ہماری مِلّی اور انفرادی لغزشوں کو درگزر فرما اور عطا کر ہمیں اسلاف کا سوزِ دروں اور جذبۂ صداقت۔ ہماری اِلتجا اور فریاد اور مُدعا صرف یہی ہے کہ ہمارے ان موتیوں کو اپنی شانِ کریمی کی تابداری عطا فرما ..... تُو جانتا ہے کہ ہم بے کس و بے بس ہیں ..... تیرے حبیب ﷺ کے نام لیوا ہیں اور ہماری بساط کیا ہے ..... قبول فرما لے مولا! ہماری فریاد جو صرف آنسوؤں کی زبان میں ہم بیان کرتے ہیں۔ تُو اور تُو ہی ہمارے آنسوؤں کا آخری سہارا ہے ..... تُو قبول کر لے تو یہ موتی انمول ہیں۔ تجھے موتی پسند ہیں ..... ہم تیری بارگاہ میں یہ موتی پیش کرتے ہیں۔ تجھے دُرِّ یتیم اور دُرِّ نجف ﷺ کا واسطہ' ہمارے موتی قبول فرما!

www.iqbalkalmati.blogspot.com

تقرّبِ الٰہی (۱)

ہر مُقرب جانتا ہے کہ تقرب ِالٰہی کی منزل ایک لامحدود سفر ہی کا نام ہے۔ اگر تقرب ِالٰہی کسی مقام کا نام ہے' تو یہ مقام بذاتِ خود سفر میں ہے۔ خالق کے ساتھ مخلوق کا قُرب کسی فارمولے کا محتاج نہیں۔ ویسے تو ہر مخلوق اپنے خالق سے متعلق رہتی ہے' لیکن مُقرب کا درجہ اُس کے اپنے فضل ہی کا نام ہے۔ آج تک کوئی اِنسان یہ نہیں بتا سکا کہ وہ کون سی صفات یا کون سی صفت ہے جو انسان کو پیغمبر بنا دیتی ہے۔ ہر پیغمبر صاحب صفات ہے، معصوم عنِ الخطا ہے' لیکن اُس کا پیغمبر ہونا کسی صفت یا صفات کا نتیجہ نہیں بلکہ صفت یا صفات کا ہونا اُس کے پیغمبر ہونے کا نتیجہ ضرور ہو سکتا ہے۔ مطلب یہ کہ مُقرب ہونے کے لیے صفات کا ہونا لازمی تو ہے' لیکن کافی نہیں۔

کسی پیغمبر کے ماننے والے میں اُس پیغمبر کی صفات ہو سکتی ہیں' لیکن اُن صفات کے باوجود صاحب مرتبہ کبھی پیغمبر نہیں ہو سکتا۔ مُقرب کا تقرر' ذاتِ حق کے اپنے فیصلے کا نام ہے۔ اِس سے قطعاً یہ مراد نہیں کہ اللہ کریم کسی کافر یا باغی کو مُقرب بناتا ہے...... بالکل نہیں۔ اللہ کسی کافر کو اگر مُقرب بنانا چاہے' تو اُسے پہلے ایمان کی دولت عطا فرماتا ہے۔ یہی راز ہے کہ کسی کافر کے لیے تو دوزخ کا عذاب ہے، اللہ سے دُوری ہے اور کسی کافر کے لیے ایمان کا سرمایہ ہے، تقرب کی منازل ہیں، سابقون کے درجے ہیں۔ اِسی طرح جو معاشرہ اِخلاقی طور پر انحطاط پذیر ہو، باغی ہو، اُسے بالعموم تباہ کر دیا جاتا ہے' لیکن اِسلام سے قبل عرب کا معاشرہ ہر برائی رکھتا تھا، تباہ ہونے کے قابل تھا' لیکن اللہ نے اپنے فضلِ بے پایاں سے اُسے اپنی رحمت عطا کر دی' بلکہ رحمۃ اللعالمین ﷺ عطا فرما دیے۔ باغی معاشرے پر اللہ کی رحمتوں کی بارش' دُور رہنے والوں کو تقرب کے مژدے، بدنصیبوں کو خوش نصیبی کی خِلعت' اُس کے کام وہی جانتا ہے۔ تقرب حاصل کرنے کا عمل کوئی عمل نہیں' یہ فضل کا مقام ہے، اُس کی رضا کی بات ہے اور اُس کی رضا کی بس کیا بات ہے...... جو چاہے کرے، جیسے کرے' خالقِ مُطلق۔ وہ کسی کے آگے جواب دہ تو نہیں......!

وہ چاہے تو کسی کو ظلمات سے نکال کر نور میں داخل کر دے، چاہے تو اُس کے گناہوں کو نیکیوں میں بدل دے اور کبھی کبھی شانِ بے نیازی' کسی کے اعمال یکسر ضائع کر دے۔ اِبلیس حکم عدولی کرے تو اُسے ہمیشہ کے لیے لعین و رجیم قرار دیا جائے۔ آدمؑ کسی حکم کے پابند نہ رہ سکیں تو اُنہیں خلافتِ اَرضی کے سفر پر روانہ فرما

www.iqbalkalmati.blogspot.com

دیا جائے۔ تقرب کی منزل عجب منزل ہے۔ تقربِ الٰہی کے جلوے نارِ نمرود میں بھی حاصل ہو سکتے ہیں۔ مصر کے بازار میں بکنے والے غلام کو ایسا مقرب بنا دیا جاتا ہے کہ اُس کا قصہ اَحسنُ القَصص بن کر رہ جاتا ہے۔ تقرب کی داستان' کربلاؤں کا سفر طے کر سکتی ہے۔ تقرب کا فارمولا شہید کے خون سے لکھا جاتا ہے۔ یتیم کے فاقوں سے تقرب کے نسخے مرتب ہو سکتے ہیں۔

ہر ماننے والے مومن کے دِل میں تقربِ الٰہی کی خواہش موجود رہتی ہے۔ انسان عبادت کرتا ہے، اُس کے حکم کی اطاعت کرتا ہے، اُس کے قُرب کی آرزو کرتا ہے' لیکن ہر مومن یکساں طور پر مُقرب نہیں ہوتا، نہ ہوسکتا ہے۔ کچھ لوگوں کو اللہ خود ہی اولیاء اللہؒ کے نام سے منسوب کرتا ہے۔ اُن کے لیے خوف اور حُزن کی سختیاں ختم کر دی جاتی ہیں۔ کچھ مومنوں پر گردشِ زمان و مکاں کی منزل مسلط ہو جاتی ہے۔ وہ مومن ہیں لیکن مصائب وآلام میں گھرے ہوئے۔ اُن کے دل میں ایمان کا چراغ روشن رہتا ہے' لیکن حالات کے تیز طوفان اُن پر حملہ آور رہتے ہیں۔ غریب کا یقین قائم رہے تو وہ مُقرب ہوسکتا ہے' لیکن کبھی کبھی غریب اپنی غریبی سے اتنا مغلوب الحال ہو جاتا ہے کہ وہ اللہ کی رحمت سے بھی مایوس ہو جاتا ہے۔ غریبی انسان کو جہاں قریب کرتی ہے' وہاں اللہ سے دُور بھی کر دیتی ہے۔

ایک مُقرب کا حال کسی دوسرے پر کم ہی عیاں ہوتا ہے۔ تقرب ایک رمز کی طرح ہے جو محب اور محبوب میں ہوتی ہے۔ ایک مُقرب کا مرتبہ دوسرے مُقرب سے بھی پوشیدہ ہوسکتا ہے۔ کبھی کبھی مُقرب اپنے تقرب سے خود بھی نا آشنا ہوسکتا ہے۔

اِنسان جب تقربِ الٰہی کی منزل پر روانہ ہوتا ہے تو اُس کے لیے یہ بھی تقرب کی دلیل ہے کہ وہ تقرب کی تلاش میں نکلا ہے۔ تقرب کا متلاشی اپنے آپ کا جائزہ لے تو اُسے معلوم ہوگا کہ اُس کے وجود کے کسی نہ کسی حصے میں تقرب کی تڑپ موجود ہے۔ وہ تڑپ ہی اُس کے لیے تقرب کے راز فاش کرتی ہے۔ اگر انسان کی پیشانی میں تڑپ ہو' تو اُسے اللہ کا قُرب سجدۂ شوق میں میّسر آئے گا۔ جبینِ شوق جب سجدوں سے سرفراز ہوتی ہے' اِنسان تقرب کی منزل طے کرتا ہے۔ ہر طالب کی جبینِ نیاز میں سجدوں کی تڑپ نہیں ہوتی۔ کچھ لوگ اپنے مالک کا قُرب اپنی مشتاق نگاہی سے تلاش کرتے ہیں۔ وہ کاسۂ چشمِ تمنا لے کر نکلتے ہیں اور نظاروں میں اپنے مالک کی جلوہ گری سے لُطف اندوز ہوکر تقرب کے مدارج طے کرتے ہیں۔ حُسنِ حقیقی کی جلوہ گاہ میں محویت کے مقام سے اُن کا سفر اِلی اللہ شروع ہوتا ہے۔ دراصل سفر اِلی اللہ ہی سفر مع اللہ ہے۔ ایسے مُقربوں کے لیے محبوب کا چہرہ خانۂ کعبہ سے کم نہیں۔ دیدارِ حُسنِ یار ہی اُن کے لیے تقرب پروردگار کا سا درجہ رکھتا ہے۔ عشق محبوب اگر اُن کی نماز کا امام نہ ہو تو وہ اپنی عبادت کو حجاب سمجھتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ جو یہاں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا۔ محرومِ دیدارِ حقیقت کو اندھا کہا گیا ہے۔

جس متلاشی کی سماعت بے تاب ہو' اُسے جلوۂ حق کسی نغمے میں محسوس ہوگا۔ گوشِ مشتاق اُس نغمے سے بھی آشنا ہوتا ہے جو ابھی ساز میں ہو...... یہی وہ مُقرب ہیں' جو ہر نغمے کو آوازِ دوست سمجھتے ہیں اور برحق

www.iqbalkalmati.blogspot.com

سمجھتے ہیں۔

تقربِ الٰہی کو اپنی عقل سے تلاش کرنے والا ایک لمبے سفر کا مسافر ہوتا ہے۔ وہ سوال و جواب کی کٹھن راہوں سے مالک کا قُرب حاصل کرتا ہے۔ وہ وجوہات اور نتائج کی کڑیاں ملاتا ہوا سبب اُولیٰ تک پہنچ جاتا ہے۔ وہ دریافت کر لیتا ہے کہ یہ کائنات' وسیع و عریض کائنات' عبث نہیں بنائی گئی۔ اِس کا بنانے والا ضرور ہے اور وہی فاطرِ حقیقی' اُن کی تلاش کا مدعا ہوتا ہے۔ صاحب عقل پر جب اَسرار فاش ہوتے ہیں' تو وہ عالم تحیّر میں پہنچ کر مُقرّب کا درجہ پا لیتا ہے۔ اُس کی عقل' عقلِ سلیم بن جاتی ہے۔ وہ آخری سوال کا آخری جواب دریافت کر لیتا ہے۔ یہی تقرّب کی منزل ہے۔ کٹھن ہے' لیکن ہے! تقربِ الٰہی کے مختلف ذرائع اپنی اپنی جگہ پر مستند و معتبر ہیں' لیکن تقربِ الٰہی کا آسان ترین راستہ کسی کے فیضِ نظر سے ملتا ہے۔ جلال الدینؒ رومی کو مولانا رومؒ بنانے والی نگاہ' تبریزؒ کی نگاہ ہے۔ رہبرِ کامل اپنے مرید باصفا پر رازِ حقیقت آشکار کرتا ہے اور اُسے تقربِ الٰہی کی منزلیں عطا کر دیتا ہے۔ اِسی لیے پیرِ کامل کو کبھی کبھی صورتِ ظلِّ اِلٰہ کہا جاتا ہے۔ اُس کی طرف چلنے والوں کو جب وسیلہ ملتا ہے' وہ آسودۂ منزل ہو جاتے ہیں۔ رہبر' طالب کے دِل میں محبت کے چراغ روشن کر کے اُسے اطاعت اور عبادت کی اصلیت سے متعارف کراتا ہے اور یوں طالب' تقربِ الٰہی کی خلعت سے سرفراز ہوتا ہے۔

مُقرّبینِ حق کی شناخت کے لیے بھی کوئی فارمولا نہیں۔ وہ لوگ عام طالبین سے مختلف ضرور ہوتے ہیں۔ وہ عبادت تو خیر کرتے ہی ہیں' عبادت کے ساتھ محبت بھی کرتے ہیں۔ وہ اپنے محبوب آقا کے کسی فعل پر کوئی تنقید نہیں کرتے۔ اُنہیں مخلوق سے بھی کوئی گِلہ نہیں ہوتا۔ وہ حاصل کی بجائے ایثار کو اپنا شعار بناتے ہیں۔ وہ محبوب کے ہر ستم کو کرم ہی سمجھتے ہیں۔ وہ جلوؤں کے متلاشی اور پیاسے ہوتے ہیں۔ وہ حیرت کی وادیوں میں سرگرداں رہتے ہیں۔ اُنہیں ہر طرف حُسن و جمال ہی نظر آتا ہے۔ مُقرّبین' غصہ، حسد، کینہ، لالچ اور نفرت سے آزاد ہو چکے ہوتے ہیں۔ وہ ہمیشہ کے لیے بے ضرر ہو چکے ہوتے ہیں۔ وہ سب کے لیے منفعت بخش ہوتے ہیں۔ وہ کسی کا دِل نہیں دُکھاتے۔ کسی کا حق نہیں رکھتے۔ کسی کو اپنے سے کم تر نہیں سمجھتے۔ وہ گناہ سے نفرت ضرور کرتے ہیں۔ لیکن گُناہ گار سے نہیں۔ کسی کی تباہی کی دعا نہیں مانگتے۔ وہ دُنیا کی محبت سے آزاد ہو چکے ہوتے ہیں۔ وہ شُہرت، مرتبے اور دولت کے حجابات سے نکل چکے ہوتے ہیں۔ وہ نیند پر بیداری کو ترجیح دیتے ہیں۔ اُن کا سرمایہ' عشرتِ پرویز کی بجائے غمِ فرہاد ہے۔ وہ قطرے میں سمندر کی جلوہ گری دیکھتے ہیں۔ وہ ہر ابتلا میں بھی ثنا کرتے ہیں۔ وہ صابر ہیں، شاکر ہیں۔ وہ احسان و عدل کے مقامات سے آشنا کر دیے جاتے ہیں۔ وہ ہجوم میں بھی ہوں تو اکیلے ہیں۔ تنہا بھی ہوں تو اُن کے پاس ہجومِ خیال کے میلے ہیں۔ مُقرّبین' بس مُقرّبین ہیں۔ اُن کی شناخت کا کوئی فارمولا نہیں۔

اللہ کی رحمت سب کے لیے ہے، سب کے انتظار میں ہے، کوئی طالب دستک تو دے' دروازہ ضرور کھلے گا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بہر حال خالق کے تقرب کی راہیں خالق کی ذات کی طرح لامحدود ہیں۔ تقربِ الٰہی کے حصول کا ایک بڑا ذریعہ خدمتِ خلق ہے۔ جب تک انسان مُقرب نہ ہو' مخلوقِ خدا کے قریب نہیں جا سکتا۔ ہر مُقربِ الٰہی مخلوق کا خادم و محسن ہو گا۔

جو اِنسان سب سے زیادہ مُقربِ الٰہی ہے' وہی اِنسان تمام مخلوق کے لیے رحمتِ مجسّم ہے۔ رَبّ العالمین کے عظیم مُقرب' رحمتہ اللعالمین ﷺ ہیں۔ آپ ﷺ ایک طرف تو اللہ کے انتہائی قریب ہیں اور دوسری طرف مخلوق کے لیے انتہائی شفیق ہیں۔ اللہ کریم نے خود حضورِ اکرم ﷺ کے لیے رؤف اور رحیم کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ آپ ﷺ کا تقرب سب سے زیادہ...... اِس حد تک کہ دُنیا کے تمام مُقربوں کو اِسی دَر سے تقربِ الٰہی کا شعور عطا ہوتا ہے۔ جس پر حضور ﷺ مہربان ہوں' اُسے تقربِ الٰہی کی منزلیں میسر آتی ہیں اور جس پر اللہ مہربان ہو' اُسے عشقِ نبی ﷺ کی دولت و سعادت عطا ہوتی ہے۔ تقربِ الٰہی' دراصل تقربِ محبوب خدا ﷺ ہے۔ جو شخص حضور ﷺ کے قریب ہو' وہ اللہ کے قریب اور جو حضور ﷺ سے دُور' وہ تقربِ الٰہی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محروم۔ جس پر عشقِ مصطفےٰ ﷺ بند' اُس پر تقربِ خدا بند!!

✿✿✿✿✿

www.iqbalkalmati.blogspot.com

تقرّبِ الٰہی (۲)

عجب بات تو یہ ہے کہ اللہ کے مُقرب' اِنسانوں کے قریب رہتے ہیں۔ کہیں انسان کا قُرب ہی اللہ کا قُرب نہ ہو! وہ جو صرف اللہ کے قریب تھا اور انسان کے قریب ہونے سے منکر ہُوا' اُس کا حشر تو سب کو معلوم ہی ہے۔

اللہ سے پیار کرنے والے' اللہ کے کام سے پیار کرتے ہیں۔ خالق کی عزّت کرنے والے، خالق کا ادب کرنے والے' خالق کے عمل کا احترام کرتے ہیں اور خالق کا عمل مخلوق کو پیدا فرمانا ہے۔ اللہ کریم نے بڑے وثوق سے انسان کو تخلیق فرمایا۔ اِنسان کو ''احسنِ تقویم'' کہا گیا۔ اللہ جب کسی کو اپنی بارگاہ میں مقبول فرماتا ہے تو اُسے مخلوق کی خدمت اور مخلوق سے محبت کا راستہ عنایت فرماتا ہے۔

اللہ نے اپنے سب سے پیارے اِنسان ﷺ' اپنے محبوب انسان ﷺ کو سب جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔ اللہ اور اُس کے فرشتے نبی ﷺ پر دُرُود بھیجتے ہیں اور حضور ﷺ اللہ سے محبت فرماتے ہیں اور آپ ﷺ مخلوق کے لیے باعثِ رحمت ہیں۔ اللہ کے تقرب کی راہ' مخلوق کی خدمت اور محبت کی راہ ہے۔ مخلوق کو ناپسند کرنے والا کبھی خالق کا مُقرب نہیں ہو سکتا۔ مخلوق کو ڈرانے والے، مخلوق پر حکومت کرنے کی تمنا کرنے والے' خالق کے باغی ہیں۔ مخلوق کے لیے رحمتِ مجسّم' خالق کے لیے، خالق کی نگاہ میں خیر البشر ﷺ ہیں۔

اللہ کے تقرّب کا ثبوت مخلوق سے محبت میں پنہاں ہے۔ حضور ﷺ کی تمام زندگی مخلوق سے محبت کی زندگی ہے۔ آپ ﷺ نے جانوروں سے، پرندوں سے، انسانوں سے' غرض کہ اللہ کریم کی پیدا کی ہوئی ہر ذی جان و بے جان شے سے محبت فرمائی۔ آپ ﷺ کا دِل یادِ الٰہی سے معمور ہے اور آپ ﷺ کا عمل خدمتِ خلق کا دستور ہے۔ فنکار سے محبت دراصل اُس کے فن سے محبت ہے۔ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ اللہ سے محبت کرنے والا' اللہ کی مخلوق سے محبت نہ کرے۔ دراصل محبت کرنے والا ہی خدمت کرنے والا ہے۔

خالق نے اپنی ذات کو مخفی رکھا ہے اور صفات کو آشکار فرمایا ہے۔ ذات سے محبت ہو تو صفات کا احترام لازم ہے۔ مُقربینِ حق ہمیشہ اِنسانوں کی خدمت کرتے رہے، اُنہیں صداقت کی راہ دکھاتے رہے، اُن کی مشکلات کو آسان فرماتے رہے اور اُن کے ظاہر و باطن کی خدمت کرتے رہے۔ خدمت ..... مخلوق کی اور تقرب ..... خالق کا۔ یہ راز ہر مُقرب پر عیاں ہوا۔ عبادت بھی تقربِ الٰہی کا ذریعہ ہے۔ اگر عبادت ہی تقرب کا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ذریعہ ہوتی تو انسان پر زندگی کے دیگر فرائض نہ عائد کیے جاتے۔

قرآن کریم میں اللہ نے اپنے تقرب کی جتنی راہیں دکھائی ہیں' اُن میں سجدے کے علاوہ سب راہیں مخلوق سے محبت کی راہیں ہیں۔

اولاد کے لیے ماں باپ کا ادب' اللہ کے قُرب کا ذریعہ ہے۔ یعنی ماں باپ کی خدمت کرنے والا اللہ کا مُقرّب ہوتا ہے۔ ہمیشہ سچ بولنے والا یعنی لوگوں سے صداقت کی بات کہنے والا مُقرّب ہے۔ اِنسانوں پر ظلم نہ کرنے والا اللہ کا دوست ہے۔ غصہ نہ کرنے والا، لوگوں کو معاف کر دینے والا، لوگوں پر احسان کرنے والا' اللہ کو محبوب ہے۔

زمین پر اِترا کر نہ چلنے والا اِنسان اللہ کو پسند ہے۔ وہ اِنسان جس کا دِل محبت سے سرشار ہے' اللہ کے قریب ہے۔ اللہ سے محبت ہی اِنسانوں سے محبت ہے۔ اللہ کے مُقرّب کسی کے لیے بددُعا نہیں کرتے، کسی پر ظلم نہیں کرتے، ظالم ہونے پر مظلوم ہونے کو ترجیح دیتے ہیں۔ اللہ کے مُقرّب دُنیا کے عبرت کدے میں پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ اِنسانوں کی دُنیا میں' اِنسانوں سے حُسنِ سلوک ہی راہِ حق ہے۔

اللہ کے نام پر خیرات اِنسانوں کو دی جاتی ہے۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا اِنسانوں کی خدمت کے لیے خرچ کرنا ہے۔ یتیم کی خدمت کسی اِنسان کی خدمت ہے، غریب کی مدد کسی اِنسان کی مدد ہے۔ بیمار پُرسی کسی اِنسان کے لیے ہے۔ ماں باپ اِنسان ہیں۔ اللہ کی اطاعت' پیغمبر کی اطاعت سے مشروط ہے اور پیغمبر ﷺ اِنسانوں کی طرح اِنسان ہیں۔ اُن پر وحی کا نزول ہوتا ہے اور وحی کی تعلیمات اِنسان کو رحمتِ عالم ﷺ بنانے کا علم ہے...... گویا کہ اِنسان' اِنسانوں کے قریب ہو جائے تو اللہ کے قریب ہو جاتا ہے۔ ایک اندھا آدمی اگر توجہ سے محروم ہو جائے تو آسمانوں سے فرشتہ وحی لے کر آتا ہے کہ اے حبیب ﷺ! اُس اندھے کی طرف توجہ نہ کر کے اللہ کو بہت خوش تو نہیں کیا!

اللہ نے ہمیں دنیا میں بھیجا ہے' اِنسانوں کی دنیا میں۔ اگر اپنے پاس ہی رکھنا ہوتا تو اللہ اپنے پاس ہی رہنے دیتا۔ اِس دُنیا میں آنے کا مطلب ہی یہ ہے کہ اِس دُنیا کی رونقوں میں رہ کر اللہ کو یاد رکھا جائے، اللہ کا تقرب تلاش کیا جائے۔

اللہ کی تلاش اِنسان کو کسی اِنسان ہی کے پاس تو لے جاتی ہے۔ اللہ کا راستہ تنہائی میں دریافت ہوتا ہے اور یہ راستہ اِنسانوں میں رہ کر طے کیا جاتا ہے۔

اگر اِنسان کے لیے صرف یادِ حق ہی سب کچھ ہوتی' تو مُقرّب ﷺ کی ذات غارِ حرا سے باہر نہ آتی۔

جو اِنسان اللہ کے جتنا قریب ہوگا' اُتنا ہی مخلوق کے قریب ہوگا۔ اللہ کے قریب رہنے والے پیغمبروں کو مخلوق کے قریب ہی دیکھا گیا۔ اللہ کا قُرب یقیناً مخلوق کا قُرب ہے لیکن مخلوق کا قُرب ضروری نہیں کہ اللہ کا قُرب ہو۔ یہ راز جاننا ضروری ہے۔

اِنسان اگر مخلوق کی خدمت، مخلوق سے محبت' اپنے کسی مقصد کے حصول کے لیے کرتا ہے تو یہ عمل اللہ

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کے تقرب کا باعث نہیں۔ اگر مخلوق کی خدمت اللہ کی رضا کے لیے ہو تو یہ عمل باعثِ قُربِ حق ہے۔ نہیں تو نہیں۔

آج ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ مذہب کے نام پر ایک دوسرے سے جدا ہو رہے ہیں۔

ایک دُوسرے سے نفرت پیدا ہو رہی ہے۔ وجہ یہ بیان ہوتی ہے کہ ہم یہ برداشت نہیں کرتے کہ لوگ ہمارے عقیدے کے علاوہ عقیدہ رکھیں وغیرہ وغیرہ!

اگر ہم ٹھنڈے دِل سے غور کریں تو بات سمجھ میں آسکتی ہے۔ ہم جسے برداشت نہیں کرتے' اُسی کو تو اللہ نے پیدا فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کائنات میں اپنے نہ ماننے والوں کو خود پیدا فرما کر بڑے راز عیاں فرمائے ہیں۔ اللہ اپنے نہ ماننے والوں کو صرف پیدا ہی نہیں فرماتا' اُنہیں رِزق عطا فرماتا ہے۔ اُن کی دنیاوی ضرورتوں کا خیال رکھتا ہے۔ اُنہیں پالتا ہے۔ اُن کی حفاظت کرتا ہے۔ اللہ چاہے تو اُنہیں پیدا ہی نہ فرمائے۔ اُنہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نیست و نابود کر دے۔ وہ خالق ہے۔ اُس نے ہر طرح کی مخلوق پیدا فرمائی ہے۔ اللہ نے اعمال کے نتیجے کے لیے ایک دِن مقرر فرما رکھا ہے۔ اللہ کے باغی ایک آنے والے دِن کو اپنے اعمال کا نتیجہ دیکھیں گے۔ دیکھیں گے اور افسوس کریں گے۔ افسوس کریں گے اور کہیں گے ''کاش! ہم مٹی ہی ہوتے۔'' وہ دِن' اُس دِن سے پہلے کیسے آئے!

اللہ کے مُقرب اِس بات سے آگاہ ہوتے ہیں کہ کافر کو دینِ حق کی دعوت اِس لیے دی جائے کہ اللہ کی رضا ہے' بس اِسی حد تک۔ تبلیغ کو اپنی ذاتی اَنا کا مسئلہ نہ بننے دیا جائے۔ اللہ کے نام کی دعوت بھی دو اور اللہ کی منشا کے مطابق اُسے زندہ رہنے کا حق بھی دو۔

تقربِ حق کی منزل بڑی کٹھن ہے۔ اللہ کی رضا پر اپنی رضا کو نثار کر دینا قُربِ حق ہے۔ اللہ کی مخلوق کو اللہ کی مخلوق سمجھنا قُربِ حق ہے۔ یہ جان لینا کہ یہ سب مخلوق، یہ سب تخلیق' عین حق ہے۔ یہ سب باطل نہیں۔ اللہ کی کائنات میں کچھ بھی تو باطل نہیں۔ خیر ہو یا شر' اُس کی تخلیق کے رنگ ہیں۔ اللہ کی دُنیا پر' یعنی خیر کی دُنیا پر ''شر'' کسی اور جہان سے حملہ آور نہیں ہوتا۔ یہ اِسی دُنیا کا حصّہ ہے، اُسی خالق کی تخلیق۔ ابلیس' اللہ کے مقابلے میں ایک اور مساوی اور مخالف طاقت نہیں۔ ابلیس' اللہ کی مخلوق میں ایک باغی اور منکر طاقت ہے، اللہ ہی کی مخلوق، اللہ کے قبضۂ قدرت میں، اپنی بغاوت اور سرکشی کی میعاد میں مہلت مانگنے والا، اپنی آخری سزا کا منتظر، اللہ کی رحمت سے مایوس، اپنی نامرادی اور عبرت سے آشنا' اللہ کا باغی تو ہے' اُس کا مقابل نہیں۔ ابلیس مخلوق ہے، اللہ خالق ہے۔ برابری کیسے؟

اللہ کے مُقرب جانتے ہیں کہ اللہ کا ہر عمل درست، اُس کا ہر فعل مبارک۔ مُقرب' گِلہ اور شکوہ نہیں کرتا۔ تقربِ حق کی منزل جھگڑے اور فساد کی منزل نہیں۔ یہ تسلیم و رضا کی منزل ہے، محبت و ایثار کی منزل ہے، یقین و ایمان کی منزل ہے، عقل و آگہی کی منزل ہے، سوز و عشق کی منزل ہے، یقینِ بے گماں اور سرُورِ جاوداں کی منزل ہے، کائنات کو جلوۂ حق سمجھنے کی منزل ہے، اِنسانوں سے پیار کی منزل ہے، خالق سے مخلوق اور مخلوق سے خالق شناسی کی منزل ہے، وحدت سے کثرت اور کثرت سے وحدت کے جلوے تلاش کرنے کی منزل ہے،

www.iqbalkalmati.blogspot.com

یہ بے تاب دِل اور مُتحیر دماغ کی منزل ہے۔ تقربِ الٰہی کی منزل' عرفانِ مخلوق سے عرفانِ خالق تک کا سفر ہے۔ مخلوق کی خدمت' خالق کی خدمت ہے...... مخلوق سے محبت' خالق سے محبت ہے اور مخلوق کو ناپسند کرنا' خالق کی محبت سے محروم ہونے کی دلیل ہے۔ جس نے خالق کا تقرب حاصل کر لیا' اُس پر مخلوق کا راز منکشف ہو گیا۔ مخلوق کا راز تقربِ حق کے اَسرار میں سب سے بڑا راز ہے۔ جس پر یہ راز آشکار ہو گیا' اُس کے دل سے محبتِ الٰہی کے چشمے پھوٹ نکلے۔ اُس کا مخلوق کے لیے سراپا رحمت بن جانا ہی اُس کے تقربِ حق کی سب سے بڑی اور سب سے قوی دلیل ہے۔ سلام ہو اُس مُقربِ حق کی خدمت میں' جس کا لقب ہی رحمتہ اللعالمین ﷺ ہے!

www.iqbalkalmati.blogspot.com

محبوب

عجب بات ہے کہ محبوب بیٹا جدا ہُوا' تو باپ کی بینائی چھن گئی اور مُدّت بعد بیٹے کی قمیض کی خوشبو سے بینائی لَوٹ آئی۔ کہیں محبوب' بینائی ہی نہ ہو! اپنی چاہت کا چہرہ نہ رہے' تو بینائی کیا بینائی ہے۔ شاید دیکھنے کی تمنا ہی بینائی ہے۔ شاید محبوب کا چہرہ ہی بینائی کا سبب ہے اور یہی چہرہ بینائی کا انجام۔

محبوب' محبّ کی زندگی میں عجب رنگ دِکھاتا ہے۔ محبت اِنسان کو ماسِوائے محبوب سے اندھا کر دیتی ہے۔ وہ کسی اور شے کو دیکھ کر بھی نہیں دیکھتا۔ اُس کے دِل و نگاہ میں صرف ایک ہی جلوہ رہتا ہے' محبوب کا جلوہ!

محبوب زندگی کے صحرا میں نخلستانوں کی نوید ہے۔ محبوب' محبّ کو زِندگی کے میلے میں اکیلا کر دیتا ہے۔

محبوب ہی باعثِ سفر ہے، وہی ہم سفر ہے، وہی رہنمائے سفر ہے اور پھر وہی محبوب ہی تو حاصلِ سفر ہے۔

محبوب کبھی جلوہ بن کے رُوبرو ہوتا ہے اور کبھی یاد بن کر چار سُو رہتا ہے۔ محبوب جدا ہو کر بھی جدا نہیں ہوتا۔ وہ مر کے بھی نہیں مرتا۔ وہ محبّ کی آنکھ میں رہتا ہے۔ آنکھ سے اوجھل ہو تو دِل میں آ بستا ہے۔ محبوب ختم نہیں ہوتا، غائب نہیں ہوتا۔ وہ کبھی عدم نہیں ہوتا۔

دنیا کی رونقیں محبوب کے دَم سے ہیں۔ اِنسان اپنی زندگی کو محبوب کی خوشنودی کے لیے وَقف کرتا ہے۔ انسان تو انسان' کائنات کی سب مخلوق اپنے محبوب کے لیے سرگرداں ہے۔ مور کا رقص، رمِ آہو، نغمۂ عنادل، چکور کی فریاد، لہروں کا تلاطم' محبوب کی کرشمہ کاریاں ہیں۔ محبوب' محبّ کو شعورِ زیست عطا کر کے شعورِ ذات عطا کرتا ہے۔ سجدے سے انکار کرنے والا، حُسنِ آدم سے بے خبر اِبلیس' محبت سے محروم تھا۔ وہ رَحمت سے مایوس ہُوا۔ مردود قرار دے دِیا گیا۔ ابلیس کا معبود تو تھا، محبوب کوئی نہ تھا۔ لعین ہونے کے لیے اِتنا ہی کافی ہے۔ انسان کی محبت کے بغیر خدا کا سجدہ' اَنا کا سجدہ ہے۔ خدا اِنسان سے محبت کرتا ہے اور اِبلیس اور اُس کے چیلے انسان سے محبت نہیں کرتے۔ کیسے کر سکتے ہیں!

انسان سے محبت وہی کر سکتا ہے' جس پر خدا مہربان ہو۔ خدا جب کسی پر بہت مہربان ہو' تو اُسے اپنے بہت پیارے محبوب ﷺ کی محبت عطا کر دیتا ہے۔ اللہ کے اِحسانات میں سب سے بڑا اِحسان محبت ہے۔ محبت کم ظرف اور کم نظر کا کام نہیں۔ یہ عالی ظرف اور بُلند نگاہ اِنسانوں کا کھیل ہے۔ یہ بُلند نصیب اِنسانوں کی بات ہے۔ اس زندگی میں جسے محبوب مِل گیا' اُسے سب کچھ ہی تو مِل گیا۔

محبوب کے ملنے کی دیر ہے کہ زندگی نثر سے نکل کر نظم میں داخل ہو جاتی ہے۔ محبوب خود شعرِ نازک

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہوتا ہے۔ اُس کا قُرب، محبّ کو شعر آشنا کر دیتا ہے۔ جسے محبوب نہ ملا ہو، جسے محبت نے قبول نہ کیا ہو اُسے غزل بے معنی نظر آتی ہے۔ اُسے نظم سے بَیر سا ہو جاتا ہے۔ محبوب میسر نہ ہو تو رعنائی خیال کا ملنا محال ہے۔

محبوب اُس ذات کو کہتے ہیں، جس کے تقرّب کی تمنا کبھی ختم نہ ہو۔ اپنی ذات سے فنا ہو کر جس کی ذات میں بقا ہونا منظور ہو، اُسے محبوب کہا جاتا ہے۔ محبوب، محبّ کے حُسنِ اِنتخاب اور حُسنِ خیال ہی کا نام ہے۔

ہر زندہ اِنسان کے لیے کوئی نہ کوئی محبوب ضرور ہوگا۔ جن کا کوئی محبوب نہیں، وہ اپنے آپ سے محبت کرتے ہیں، اپنی اداؤں پر مرتے ہیں۔ اپنے خون کی سرخی پر فدا ہونے کی خواہش، اُن کے خون کے سفید ہونے کی دلیل ہے۔ ایسے لوگ آئینہ خانوں میں اکثر دیکھے جاتے ہیں۔ نہ وہ کسی کو پسند کرتے ہیں اور نہ ہی کوئی اور اُن کو پسند کرتا ہے۔ ظاہر ہے، اُن کی زندگی ایک جزیرے کی طرح ہے۔ وہ خود ہی آواز ہیں اور خود ہی گوش بر آواز۔ ایسے لوگ سخت دِل اور تُند خُو ہوتے ہیں۔ اُن کے نصیب میں تنہائیاں ہیں۔ ایسے لوگ کبھی کبھی خودی سے آشنا بھی ہو جاتے ہیں۔ اُن کو اپنے ہی سرِّ نہاں تک رسائی ہو جاتی ہے۔ اُن کا محبوب ..... اُن کی ذات، اُن کے لیے کرشمہ کاریاں کر جاتی ہے۔

آج کے دَور کا اِنسان محبوب سے آزاد سا ہو گیا ہے۔ وہ اِنسانوں سے مایوس ہو چکا ہے۔ وہ اپنے آپ سے مایوس ہو چکا ہے۔ اُسے کسی پر، کسی حالت میں اعتماد نہیں۔ وہ اپنے ماضی پر تو نادم ہے ہی سہی، اپنے مستقبل پر بھی نادم ہے۔

آج کے اِنسان کا محبوب، سرمایہ ہے۔ وہ اپنے مال کو اپنا محبوب مانتا ہے۔ اُسے چاہتا ہے۔ اُس کی پوجا کرتا ہے۔ اُس کے وِصال سے خوش ہوتا ہے اور اُس کے فراق سے ڈرتا ہے۔ آج کے اِنسان کو موت سے زیادہ غریبی کا ڈر ہے۔ مال کی محبت نے اندھا کر دیا ہے۔ انسان کو غافل کر دیا ہے۔ اُس کی آنکھ تب کھلتی ہے، جب بند ہونے لگے۔ بڑی محرومیاں ہیں، آج کے محبّ کے لیے، آج کے محبوب کے حوالے سے۔

مال میں عجب حال ہے۔ پڑا رہے تو بے کار ہے۔ اس کی افادیت اس کے خرچ میں ہے، اس کے استعمال میں ہے، اس کی جدائی میں ہے۔ یہ محبوب ہمیشہ سے ہر ایک کے ساتھ بے وفا ہے، بے وفا رہا ہے اور بے وفا رہے گا۔ بے جان مال کی محبت، جان دار انسان کو اخلاقی قدروں سے محروم کر دیتی ہے۔ مال کی محبت حریص بناتی ہے اور حریص کی جیب بھر جائے تو بھی دِل خالی رہتا ہے۔

کچھ لوگ خدا سے محبت کرتے ہیں، صرف خدا سے اور بس! خدا کے بندوں سے نہیں۔ خدا کے بندوں سے محبت نہ کرنے والوں کو خدا کیسے پسند کر سکتا ہے! خدا کے حبیب ﷺ تو وہ ہیں، جو مخلوق کے محب اور خالق کے محبوب ہیں۔ اللہ کی محبت کا راز اِنسان کی محبت میں ہے۔ اللہ معبود ہے، انسان محبوب۔ اللہ کی راہ انسانوں کی راہ ہے..... انعام یافتہ انسانوں کی۔

آج کے محبوب 'مال' نے آج کے انسان کو بڑی محرومیاں عطا کی ہیں۔ آدمی آدمی سے دُور ہو رہا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہے۔ جغرافیائی فاصلے ختم ہو رہے ہیں' لیکن دِلوں اور نگاہوں کے فاصلے بڑھتے جا رہے ہیں۔ خاندان تو ختم ہو ہی چکا ہے۔ میاں بیوی، اولاد اور والدین کے درمیان پیسے کی دیوار حائل ہو چکی ہے۔ بیوی' خاوند سے جدائی برداشت کر سکتی ہے' پیسے سے جدائی برداشت نہیں کر سکتی۔ مال کے مقدر میں پردیس لکھا جا چکا ہے۔ خاوند پردیس میں ہے، بیوی خطوط اور مال پر گزارہ کر رہی ہے۔ گھر سجائے جا رہے ہیں اور جس کی خاطر مقصود تھی' وہ نظر نہیں آتا' کمائیاں کرنے گیا ہوا ہے۔

کچھ لوگوں کا محبوب' نظریہ ہے۔ نظریات کی محبت نے مُلکوں میں فساد مچا رکھا ہے۔ دائیں اور بائیں کی تقسیم' قوم کو تقسیم کر چکی ہے۔ بھائی' بھائی کے رُوبرو ہے' بلکہ دُوبدُو ہے۔ گلستانِ وطن میں بڑے گل کھلنے والے ہیں۔ نظریہ پرست اِنسان' مردم بیزار ہے۔ نظریات کی جنگ کا خطرہ منڈلا رہا ہے۔ صُورتِ حال خوفناک ہے۔ اِنسان تقسیم ہو چکا ہے۔ ایران، عراق' نظریات ہیں۔ ہر دو فریق' مصروفِ جہاد۔ سچّے خدا کے نام پر دونوں گروہ جنگ کر رہے ہیں۔ کون سچّا ہے کون جھوٹا۔ دونوں سچّے تو نہیں ہو سکتے۔ محبوب پرستی' جنگ پرستی تو نہیں ہو سکتی۔ اپنے ہاں حکومت اور حزبِ مخالف' دو نظریے برسرِ پیکار ہیں۔ اِنسان کی محبت سے محروم لوگ نظریات کی گرفت میں ہیں۔

اِنسان سے محبت نہ ہو' تو وطن کی محبت بھی واہمہ ہے۔ جس دیس میں ہمارا کوئی محبوب نہ ہو' اُس دیس سے محبت ہو ہی نہیں سکتی۔ آج کے اِنسان کی وطن پرستی اِس لیے مشکوک ہے کہ وہ اِنسانوں کی محبت سے عاری ہے۔ زمین، مکان اور پیسے سے محبت کرنے والا اِنسان' محبت کی اصل رُوح سے محروم ہے۔ وطن اِس لیے پیارا ہوتا ہے کہ ہمارے پیارے اِس میں رہتے ہیں' ورنہ وطن کیا اور وطن کی محبت کیا! اگر محبوب وطن سے باہر ہو' تو محبت وطن سے باہر ہو جائے گی۔

محبوبوں میں سب سے زیادہ خطرناک محبوب' شہرت ہے۔ شہرت سے محبت کرنے والا دراصل اپنی اَنا کا پرستار ہے۔ اِنسانوں میں خدمت کے بغیر سَربُلندی کی تمنا ظلم ہے۔ جھوٹے معاشرے میں شہرت حاصل کرنے والا سچّے معاشرے میں بدنام گنا جائے گا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

فراق و وِصال

جب تک اِنسان چاندنی میں تھا' اُسے چاند تک پہنچنے کی تمنا تھی ..... چاندنی میں لُطف تھا' لیکن چاند پاس نہیں تھا..... چاندنی پاس تھی اور چاند کے لیے طبیعت اُداس تھی ..... اِنسان چاند پر جا پہنچا..... وہاں چاند تھا' لیکن افسوس کہ وہاں چاندنی نہ تھی ..... ! چاندنی ہو تو چاند نہیں ملتا، چاند ملے تو چاندنی نہیں ملتی ..... عجب بات ہے۔ دونوں ایک دوسرے کے دَم سے ہیں ..... ایک دوسرے کی پہچان ہیں ..... لیکن ایک دوسرے سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے الگ ..... !

چاند محبوب ہو تو چاندنی اُس کی یاد ہے ..... محبوب پاس ہو' تو یاد پاس نہیں ہوتی ..... یاد پاس ہو' تو محبوب پاس نہیں ہوتا ..... ایک کا تقرب دوسرے سے بُعد ہے ..... ایک سے وصال' دوسرے سے فراق کا ذریعہ ہے۔ محبوب سے وِصال ہو' تو یاد سے فراق ہو جاتا ہے۔ یاد سے وِصال ہو' تو محبوب سے فراق ہو جاتا ہے، گویا کہ ہر فراق میں وِصال پوشیدہ ہے اور ہر وِصال میں فراق شامل ہے ..... اگر عشق کو تمنائے حبیب ﷺ کا نام دیں' تو اِس میں فراق کا ہونا لازمی ہے۔ تمنا کی ہستی مشاہدے تک ہے۔ دِیدار سے تمنا کا آغاز ہوتا ہے اور تمنا دِیدار کی یاد میں پلتی ہے ..... جو ایک بار دیکھا' اُسے دوبارہ دیکھنے کی آرزو عشق ہے ..... عشق ہمیشہ فراق سے گزرے گا ..... عشق، ہجر کے آتش کدوں میں جوان رہتا ہے ..... اور وِصال کے برف خانوں میں منجمد ہو جاتا ہے۔

بات کہنے کی نہیں ..... بس صرف غور کرنے کی بات ہے۔ فرشتے ہمہ وقت تقرب میں ہیں ..... وِصال میں ہیں ..... وہ عشق سے محروم ہیں ..... وہ صرف فرشتے ہیں۔ اِنسان ..... فراق میں ہے ..... عشق میں ہے ..... اِنسان کے پاس یاد ہے ..... اور یہی فرق ہے دُنیا اور آخرت کا ..... یہاں اللہ کی یاد ہے ..... اور وہاں دِیدار ہوگا ..... اِنسان کو اَشرف بنایا گیا ..... اِس کا شرف یہی ہے کہ اِس کے پاس فراق ہے ..... اِس کے پاس عشق ہے ..... اِس کے پاس یاد ہے ..... تمنائے وِصال ہے ..... !

اور فرشتے ..... اطاعت میں ہیں ..... عشق میں نہیں ..... عشق سوز ہے، عشق ساز ہے، عشق خاموشی ہے، عشق آواز ہے ..... عشق میں حُسن کا سب سے بڑا راز ہے یعنی فراق ہی تو وِصال کا حاصل ہے۔

دُنیا کے عظیم شاہکار فراق کے کرشمے ہیں ..... رومیو جیولیٹ، ہیر رانجھا، سسّی پنّوں، سوہنی مہینوال ..... اور اِس طرح کے اور کئی دلنواز، دل سوز اور دلگداز واقعات دریائے فراق کی جواں موجیں ہیں ..... !

محبوب کا سب سے قیمتی تحفہ اپنے محب کے لیے فراق کا تحفہ ہے...... فراق کے زمانے شخصیت ساز زمانے ہوتے ہیں۔ اُنہی دِنوں میں اِنسان کے اندر کا اِنسان بیدار ہوتا ہے...... خوابیدہ اور خُفتہ صلاحیتیں دریافت ہوتی ہیں۔ اِنسان کا اپنا باطن اُس پر آشکار ہوتا ہے۔ محبوب کی یاد اُسے جگاتی ہے اور جاگنے والا اِنسان فراق کی راتوں سے اور بھی بہت کچھ حاصل کرتا ہے...... ہجر کی رات، غم کی رات' عرفانِ ذات کی رات ہوتی ہے...... اِنسان کے آنسو اُس کے لیے ایک عظیم مقدر لکھتے ہیں...... کسی کی یاد میں جاگنے والا کبھی بدقسمت نہیں ہو سکتا۔ کسی کے دَرد میں رونے والا...... دُنیا کے ہزار ہا غم سے آزاد ہو جاتا ہے۔ محبت کا سجدہ' اِنسان کو ہزار سجدوں سے نجات دیتا ہے۔ فراق والے نالۂ نیم شب سے آشنا کرائے جاتے ہیں...... وہ زمانے کا مقدر بھی سنوار سکتے ہیں...... ایسے لوگوں میں مقدر ساز اِنسان بھی پیدا ہوئے۔

فراق' آگہی کا چراغ ہے...... یہ جنون کا روشن ستارا ہے۔ ذرّے میں آفتاب کے جلووں کی دریافت ہے...... جُزو میں کُل کا اِدراک ہے...... قطرے میں قُلزم کی پہنائی کا عرفان ہے۔

وصال صرف ذات تک ہے...... جبکہ فراق ساری کائنات تک...... عالمِ شش جہات تک...... افہامِ ممکنات و ناممکنات تک...... رمُوزِ حیات و ممات تک......!

فراق کو ہی ہُد ہُد فرخندہ فال کہا گیا ہے...... اُسے ہی طوطیِ شکر مقال کہتے ہیں...... فراق ہی ظاہری اور باطنی بیماریوں کا افلاطون ہے اور جالینوس ہے...... اُس کے سامنے فاصلے...... فاصلے نہیں...... زمانے' زمانے نہیں۔ زمین و آسمان کی وُسعتیں صاحبانِ عشق ہی طے کرتے ہیں۔

محبوب کا فراق مجاز کو حقیقت بنا دیتا ہے...... ماسوا کو ماوَرا سے کیا نسبت ہے...... کوئی صاحبِ عشق بتائے تو بتائے۔ عشق' صفات کو ذات کا حوالہ دیتا ہے...... عشق جانتا ہے کہ جلوۂ ذات کہاں ہے اور ذات کہاں...... قطرہ' دریا سے واصل ہو کر اپنی ہستی کھو دیتا ہے اور دریا کا درد' قطرے کو سوزِ جاوداں دے کر اُسے کبھی شبنم، کبھی موتی، کبھی آنسو بناتا رہتا ہے۔

اِس کائنات کی تمام روشنی' صرف روشن ذات کی یاد ہے...... اُس کا عشق ہے۔ اِنسان کی ہستی کے تمام بلند تقاضے فراق کی دریافت ہیں۔ موسیقی، شعر، فنِ تعمیر و تصویر، تخلیقِ ادب' فراق کی لہروں میں پلتے ہیں۔ تمام تخلیقی اَدب اور اَدبی تخلیقات' عشق کی دین ہیں۔ حُسن خود اپنے طالب میں درد کے چراغ جلاتا ہے اور پھر اُنہی چراغوں میں خونِ دل جلتا ہے اور کوئی فراق زدہ اِنسان اُنہی چراغوں سے اپنے زمانے میں چراغاں کر جاتا ہے۔

سوچنے والی بات ہے کہ چاند سے کیا چیز نکلی کہ دُنیا میں چاندنی بن کر بکھر گئی۔ وہ کیا راز ہے کہ دیارِ یار سے نکلنے والا بے قرار عاشق زمانے بھر کا قرار بن گیا......!

وصال جمود ہے اور فراق متحرک ہے...... وصال موت ہے، فراق زندگی ہے...... زندگی کی نیرنگی اور رنگینی ہے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

فراق محرومی نہیں...... یہ تو محبوب سے حاصل ہونے والا انتہائی قیمتی خزانہ ہے...... یہ امانت ہے' جو صرف اُسی کو دی جاتی ہے جو اہل ہو...... پہاڑ، زمین اور آسمان جس امانت سے لرز جائیں...... انکار کر جائیں...... وہ امانت' اِنسان کے دِل کے لیے اللہ کی عطا کی ہوئی نعمت ہے...... عشق...... یہ دولت' علم اور دانائی سے نہیں ملتی...... شمع کو پروانے کا دِل نہیں مل سکتا' یہ خدا کی دین ہے...... کہ وہی حُسن ہے اور عشق کی سب کار فرمائی اُسی کے فراق کی عطا ہے۔

قصہ کوتاہ...... سب محبوب کے اپنے جلوے ہیں...... محبوب نظروں میں رہے' تو وِصال کے موسم ہیں، بہاروں کے دِن ہیں...... اگر محبوب دِل میں آبسے' تو فراق کے موسم ہیں...... انوکھی بہاروں کے دِن ہیں...... فراق کی بہار میں موتی بنتے ہیں...... پھول کھلتے ہیں، یعنی کئی قسم کے گُل کھلتے ہیں...... آسمانِ فکر سے تارے گرتے ہیں...... آنکھوں سے اَنگارے ٹپکتے ہیں۔ یہ دُنیا فراق کی وادی ہے...... یہ دیس تو بس پردیس ہے...... تمناؤں کا جہان ہے...... یادوں کے کعبے میں عقیدت کے سجدے ہیں اور پھر اُس کے بعد...... جلوۂ ذات کے بعد صرف ذات ہی ذات ہے...... نہ چُوں نہ چراں...... نہ آنکھ جھپکنے کا موقع، نہ دِل دھڑکنے کی اجازت...... محویتِ جمال، بارگاہِ حُسن میں سناٹا...... نہ دشوارئ راہ کا گِلہ...... نہ دیرینہ جدائیوں کا شکوہ...... نہ ہونے کی خبر، نہ ہونے کا علم...... وِصال صرف محویت ہے...... فراق مستی ہے...... سَرمستی ہے۔ یاد کے عظیم صحرا میں صرف اَشکوں کا دریا ہے' جس سے متلاشی سَرمدی مے کے جام پیتے ہیں اور روز مرتے ہیں، روز جیتے ہیں...... بات تعلق کی ہے...... قریب اور دُور کی نہیں!

دُکھیا سب سنسار

بیوی نے خاوند کو الوداع کہا۔ جہاز اُڑا۔ خیال نے رفعتوں کو چھوا۔ حوصلے بلند ہوئے۔ یہ سفر آسودگی کی نوید تھا۔ خاوند کو نوکری مل گئی تھی۔ وطن سے دُور دیارِ غیر میں۔ تنخواہ ڈالروں میں تھی۔ دِن گزرتے ہی گئے۔ بیوی انتظار کرتی رہی۔ خاوند کا نہیں اُس کے بھیجے ہوئے پیسوں کا۔ پیسے ملے۔ بہت سے پیسے ملے۔ مکان سجا۔ فانوس لگے۔ روشنی ہوئی۔ مہمان آئے۔ کھانے پکے۔ رونقیں ہوئیں۔ بس صرف گھر کا مالک ہی گھر میں نہ تھا۔ وہ بیچارہ پردیسی دیس میں ہونے والی رونقوں کو کیا جانے! کچھ دِنوں کے بعد دونوں ہی دُکھی تھے۔ تنہائی کا زہر اُن کے وجود میں اثر کر رہا تھا۔ چراغ جلتے ہی رہے اور دِل بجھتے ہی رہے۔ اِس دُکھ کا کیا علاج۔ وطن میں رہو تو مال نہیں، مال ملے تو وطن نہیں۔ عجب صورتِ حال ہے۔ دُکھوں سے بچنے کے لیے کوشش کرنے والے ایک نئے دُکھ کے حوالے ہو جاتے ہیں۔

کیا زندگی میں دُکھ کا ہونا لازمی ہے؟ کیا زندگی دُکھ ہی کا نام ہے؟ اِس کائنات میں انسانوں کی کائنات میں کوئی بھی تو نہیں، جس کی آنکھوں میں آنسو نہ ہوں۔ آج کا اِنسان بہت دُکھی ہے۔ وہ اندر سے ٹوٹ رہا ہے۔ اُس کا ظاہر بے خراش بھی ہو تو بھی اُس کا باطن قاش قاش ہوتا ہے۔

آرزوؤں کی کثرت نے انسان کو دُکھی کر رکھا ہے۔ کثرت ہمیشہ دُکھی کرتی ہے۔ ایک خواہش پوری ہو تو دوسری پوری نہیں ہوتی۔ خوشی کا ایک لمحہ غم اور اندیشوں کے لمحات کو جنم دیتا ہے۔ ایک حاصل میں کتنی ہی محرومیاں چھپی ہوتی ہیں۔ اِنسان جو کچھ بھی ہوتا ہے اُس کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہو سکتا اور انسان فطرتاً اپنے علاوہ کچھ اور ہونا چاہتا ہے۔ دُنیا اُسے ایک نام، ایک صفت سے پکارنے لگ جائے تو وہ خواہش کرتا ہے کہ لوگ اُسے دوسرے نام، دوسری صفت کے حوالے سے پکاریں۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ پس وہ دُکھی ہو جاتا ہے۔

ہر انسان چاہتا ہے کہ اُسے چاہا جائے، اُسے پسند کیا جائے۔ لیکن کیوں؟ اِسی ''کیوں'' سے ہی بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ لوگ اپنے علاوہ کسی کو پسند نہیں کر سکتے اور خود پسندی کی عادت بھی خود گریزی کی علامت ہے۔ انسان خود کو بھی ہمیشہ کے لیے پسند نہیں کر سکتا۔ پس اِنسان دُکھی رہتا ہے۔

انسان کثرتِ مال اور کثرتِ اولاد کو خوشی کا ذریعہ سمجھتا ہے۔ لیکن کثرتِ مال محض وبال ہے اور کثرتِ اولاد اکثر اِنسان کے لیے دُکھ کا ذریعہ بھی ہو سکتی ہے۔ اولاد کی آرزو اور اولاد کی پرورش کی تمنا اور پھر

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اولاد کی اپنی آرزوئیں اِنسان کے لیے ایک عجب مصیبت ہیں۔ اولاد مودّب نہ ہو تو ایک عذاب ہے۔ آج کل اولاد کا مودّب ہونا ایک مشکل مسئلہ ہے۔ آج کے بچّے' آج کے اِنسان کے دُکھ کی علامت بھی ہو سکتے ہیں۔

ایک آدمی کو دیکھا گیا کہ وہ کسی خانقاہ پر جا کر زور زور سے دُعا مانگ رہا تھا کہ ''اے اللہ! تُو نے میری وہ دُعا جو سولہ سال پہلے منظور کی تھی' اُسے اب نامنظور فرما دے۔ اے صاحبِ آستانہ بزرگ! تُو بھی آمین کہہ۔'' لوگوں نے کہا ''تُو کیا کہہ رہا ہے؟'' تو اُس نے کہا ''مَیں منظور شُدہ دُعا کی نامنظوری چاہتا ہوں۔'' لوگوں نے تفصیل پوچھی تو اُس نے کہا ''آج سے سولہ سال پہلے میں اِسی آستانے پر حاضر ہُوا تھا۔ مَیں نے اللہ کے آگے دُعا کی کہ اِلٰہی! مجھے بیٹا عطا فرما۔ اللہ کی مہربانی اور اِس بزرگ کے وسیلے سے مجھے بیٹا ملا۔ آج وہ جوان ہے اور مَیں کیا بتاؤں کہ اُس بیٹے نے مجھے کِتنا تنگ کر رکھا ہے۔ مختصر یہ کہ مَیں دُعا کرتا ہوں کہ میری قدیم منظور شُدہ دُعا کو نامنظور فرما لے میرے اللہ!''

اِنسان کبھی راضی نہیں ہوسکتا۔ وہ ہمیشہ خوشی کی تلاش کرتا ہے اور اُسے کسی نہ کسی طرح غم سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ وہ ہمیشہ زندہ رہنا چاہتا ہے اور مجبوری یہ ہے کہ وہ ہمیشہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ زندگی کے مقدر میں موت لکھی جا چکی ہے اور اِسی حقیقت کا انکشاف ہی اِنسان کے کرب کی اِبتدا ہے۔ اُس کا حاصل' لا حاصل ہو کے رہ جاتا ہے۔ اُس کی قوت' کمزوری بن جاتی ہے۔ اُس کا توانا وجود' لاغر و ناتواں ہو جاتا ہے۔ اُس کی بینائی کے چراغ مدہم ہو جاتے ہیں۔ اُس کی فِکر مسدود ہو جاتی ہے۔ اُسے محسوس ہونے لگتا ہے کہ اُس کے آگے دِیوار ہے' اُس کے پیچھے دِیوار ہے۔ وہ جکڑ کے رکھ دیا گیا ہے۔ وہ بھاگنا چاہتا ہے لیکن...... ''رستہ اُسے رستہ نہیں دیتا۔'' وہ اپنے گھر میں کچھ عرصہ کے بعد خود کو مہمان سا محسوس کرتا ہے۔ وہ اپنوں کے ہمراہ چلتا ہے اور چلتے چلتے اُسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بیگانوں کے ساتھ چل رہا ہے۔ ساتھی بچھڑ جاتے ہیں اور اجنبی ہمراہ ہو جاتے ہیں۔ یوں وہ بھیڑ میں تنہا ہو جاتا ہے۔ اُسے کرب اور دُکھ سے بچنا مشکل نظر آتا ہے۔ وہ اپنے آپ سے نکل جانا چاہتا ہے۔ اپنے وجود میں رہنا اُسے ناممکن نظر آتا ہے اور وجود سے نکلنا بھی اُتنا ہی ناممکن ہوتا ہے۔ نتیجہ دُکھ کے سِوا کیا ہے۔ وہ بے نام دُکھ پر روتا ہے اور رونے سے دُکھ ختم نہیں ہوتا۔

ایک آدمی اپنے کسی عزیز کی موت پر رو رہا تھا۔ لوگوں نے کہا ''صبر کرو۔ اب رونے سے کیا ہوسکتا ہے۔'' اُس نے روتے روتے جواب دیا ''بھائیو! رونا تو اِسی بات کا ہے کہ اب رونے کا بھی کچھ فائدہ نہیں۔ مَیں اپنے رائیگاں آنسوؤں پر ہی تو رو رہا ہوں۔ کرب ہی کرب ہے۔ دُکھ ہی دُکھ ہے اور میں......''

ہم اِس دُنیا سے کچھ لیکر بھاگ جانا چاہتے ہیں' لیکن اِس دُنیا سے کچھ لے کر جا نہیں سکتے۔ بس یہاں سے اُٹھا کر وہاں رکھ سکتے ہیں۔ ہم سب قلی ہیں۔ سامان اٹھائے پھرتے ہیں...... خیال کا سامان، احساس کا سامان، مال، دولت، وجود۔ اشیا اُٹھائے اُٹھائے پھرتے ہیں۔ کب تک؟ قلی کا سامان کسی اور کا سامان ہوتا ہے۔ قلی کے نصیب میں صرف وزن ہے...... وزن اور صرف وزن...... اور یہ وزن کرب ہے۔ اِس دُنیا میں کچھ بھی کسی کی مِلکیت نہیں۔ ہمارے دفتر' ہمارے دفتر ہی نہیں ہیں' ہمارے ماتحتوں کے بھی ہیں۔ ہماری بادشاہت

www.iqbalkalmati.blogspot.com

'ہماری بادشاہت نہیں۔ یہ ملک ہماری رعایا کا بھی ہے۔ کوئی کسی کا مالک نہیں۔

یہاں جو کچھ ہے' یہیں رہے گا اور اسے اپنا کہنے والا یہاں نہ ہوگا۔ بڑے کربناک مرحلے ہیں' اس حیاتِ چند روزہ میں! ہم صرف اپنی ملکیت کی ملکیت ہیں۔ ہمارے بچے ہمارے مالک ہیں۔ ہمارا مرتبہ ہمارا بوجھ ہے۔ ہماری رعایا ہماری عاقبت ہے' بلکہ عبرت ہے۔ ہمارے ماتحت ہماری آزمائش ہیں۔ ہمارے سامنے ہمارے خلاف گواہیاں چل رہی ہیں۔ ہم بڑے روگ میں ہیں۔ ہمارا ہونا' نہ ہونے تک ہے۔ ہماری ہستی' نیستی ہے۔ ہمارا وجود' عدم ہے۔ ہمارا دِل' دِلبروں کے توڑنے کے لیے بنا ہے۔ ہماری محبت ہماری قید ہے۔ ہماری نفرت ہمارا عذاب ہے۔ ہمارے اپنے ہمارے سپنے ہیں۔ ہماری آرزو ہماری فریاد ہے۔ ہمارا غرور ہمارا اپنا مذاق ہے۔ ہم حِصار میں ہیں' آرزوؤں کا حِصار، تمناؤں کی زنجیر۔ ہمارا علم ہمارا حجاب ہے۔ ہمارا گھر' خوبصورت لیکن زندان۔ ہم اِسی میں رہنے پر مجبور ہیں۔ ہمارے بس میں بے بسی کے علاوہ کچھ نہیں۔ ہم آزاد پیدا ہوئے' لیکن پیدا ہونے کی مجبوری کے ساتھ۔ ہماری جوانی' آزاد جوانی' بڑھاپے کی مجبوری ہے۔ ہم ریت کی دیوار ہیں۔ گرتے رہنا ہمارا مقدر ہے۔ ہمارے مقدر میں کرب ہے، دُکھ ہے۔ اس کربِ مسلسل سے نجات' صرف اور صرف اپنی فنا کو تسلیم کرنا ہے۔ میری زندگی جس نے عطا کی' وہی اِسے واپس لے لیتا ہے۔ اس میں میرا کیا دخل ہے۔ کیا میں اپنے آپ میں اپنا دخل دینا چھوڑ سکتا ہوں؟ کرب سے نجات کی راہ یہی ہے۔ حکم دینے والے کا حکم زِندگی ہے' تو ہم زِندہ ہیں۔ حکم دینے والا موت کا حکم دے' تو ہم حاضر ہیں۔ افسوس کی بات نہیں' اطاعت کی بات ہے۔ اطاعت اور صرف اطاعت' دُکھ سے نجات ہے۔ یہاں نہ کچھ کھونا ہے نہ پانا ہے' یہاں تو صرف آنا ہے اور جانا ہے، دُکھ کس بات کا!

✿✿✿✿✿

www.iqbalkalmati.blogspot.com

خوف اور شوق

ڈر اِنسان کے اِحساس کا ایک قوی حِصّہ ہے۔ ہر حسّاس آدمی خوفزدہ رہتا ہے۔ خوف کی وجہ معلوم ہو یا نامعلوم' خوف قائم رہتا ہے۔ خوف اِنسان کی سَرِشت میں شامل ہے۔ اِس سے مفر مشکل ہے۔

جب تک زندہ رہنے کی خواہش زندہ ہے' زندگی کے ختم ہو جانے کا ڈر ختم نہیں ہو سکتا۔ ڈر ایک سائے کی طرح اِنسان کے ساتھ کسی نہ کسی شکل میں موجود رہتا ہے۔

نئی خواہشیں' نئے اندیشے پیدا کرتی ہیں اور نئے اندیشے' نئی خواہشیں تخلیق کرتے ہیں۔ خواہش کے نہ پُورا ہونے کا ڈر' ہر خواہش کے باطن میں موجود رہتا ہے اور ڈر کے باوجود اِنسان خواہش کو نہیں چھوڑتا۔

بے یقینی کی فضا اور غیر یقینی حالات نے اِنسان کو اندیشے عطا کیے ہیں۔ زندگی کا چراغ موت کی آندھیوں کی زد میں رہا ہے۔ موت سے زیادہ خوفناک شے موت کا ڈر ہے۔ یہ ڈر زِندگی کو گھُن کی طرح کھائے چلا جا رہا ہے۔ اِنسان جب یہ سوچتا ہے کہ اُس کی ہر چیز اُس سے چھِن جائے گی اور وہ اعزّہ و اَقرِبا کو چھوڑ کر خالی ہاتھ کسی نامعلوم منزل کی طرف اکیلا روانہ کر دیا جائے گا' تو وہ خوفزدہ ہو جاتا ہے۔

موت کا عمل تو زندگی کے عمل کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے۔ بچپن' بچپن ہی میں مر جاتا ہے۔ جوانی ختم ہو جاتی ہے۔ بینائی کے چراغ مدھم ہو جاتے ہیں۔ اِنسان کی آنکھوں کے سامنے محبوب اور مانوس چہرے رُخصت ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ نقشے' جغرافیے اور تاریخیں بدل جاتی ہیں۔ آرزوئیں' حسرتیں بن جاتی ہیں۔

موت صرف سانس یا آنکھ کے بند ہو جانے کا نام نہیں۔ ہر آرزُو کی موت' موت ہے۔ بلکہ عزیزوں کی موت' اپنی موت ہے۔ وابستگی اور تعلق کی موت' اپنی موت ہے۔ مقصد مر جائے' تو اِنسان مر جاتا ہے۔ بے مقصد زندگی چاہے کتنی ہی طویل کیوں نہ ہو' موت سے بدتر ہے۔ بے مقصد انسان بے خوف نہیں ہو سکتا۔ با مقصد اور بامعنی زندگی موت کے ڈر سے بے نیاز ہوتی ہے۔

موت کے ڈر کے علاوہ آج کی زندگی کو اور بھی کئی خطرات کا ڈر رہتا ہے۔ ہم اپنے اعمال کی عبرت سے ڈرتے ہیں۔ ہمیں اُس دِن سے خوف آتا ہے' جب راز فاش ہوں گے اور بداعمالیاں چہروں پر لکھی جائیں گی، جب مجرم کی زبان خاموش کر دی جائے گی اور مستند گواہیاں' اُس کے خلاف رَطبُ اللّسان ہوں گی۔ وہ دِن' کسی دِن بھی آ سکتا ہے۔ اِس خوف سے نجات کا راستہ صرف اور صرف توبہ ہے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

دولت کی محبت غریبی کا ڈر پیدا کرتی ہے۔ اِنسان اِسی لیے تو دولت جمع کرتا ہے کہ غریبی سے نجات ملے۔ وہ جتنا مال جمع کرتا ہے' اُس سے زیادہ کی خواہش رہتی ہے۔ اِس طرح دولت لوبھ پیدا کرتی ہے۔ اور یہ لوبھ خوف پیدا کرتا ہے۔ لالچ نہ نکلے' تو خوف نہیں نکل سکتا۔

"لاخوف"، "لاتخف" اور "لایحزنون" کی منزلیں طے کرنے والے' مال کی محبت سے آزاد ہوتے ہیں۔ دولت کی تمنا کے لیے خوف کا عذاب لکھ دیا گیا ہے۔

ہم اپنے آپ کو جتنا محفوظ کرتے ہیں' اُتنا ہی غیر محفوظ ہونے کا ڈر ہمیں دبوچ لیتا ہے۔ سیکیورٹی کی تمنا' خوف کا دوسرا نام ہے۔

جو اِنسان دوسروں کو خوفزدہ کرتا ہے' وہ خود خوف میں مبتلا رہتا ہے۔ جو طاقت خوف پیدا کرتی ہے' وہ خود خوفزدہ رہتی ہے۔ طاقتور کو کمزور ہونے کا خوف کھا جاتا ہے۔ طاقت کا اِستعمال خوف کے ساتھ نفرت بھی پیدا کرتا ہے۔ کمزور اِنسان کی نفرت ہی طاقتور کے لیے خوف ہے۔ یہ خوف طاقت کی موت ہے۔

کوئی دنیاوی طاقت ہمیشہ کے لیے طاقتور نہیں رہ سکتی۔ فرعون کو موسیٰؑ کی پیدائش سے پہلے ہی خوف لاحق ہو گیا تھا۔ فرعون کی دولت، اُس کا دبدبہ، اُس کی حکومت اور اُس کے لشکر' اُسے ایک بچے کے خوف سے نہ بچا سکے۔ ایک اِنسان کے خوف نے ایک بادشاہ کو چین سے بیٹھنے نہ دیا اور آخر کار طاقت غرقِ دریا ہو گئی۔ اقتدار اور اختیار کا بے قرار رہنا فطری بات ہے۔

کچھ لوگوں کے لیے ماضی کی یاد خوف پیدا کرتی ہے۔ کچھ لوگ مستقبل کے اندیشوں سے دوچار ہیں۔ خوف موجود لمحے کا تو ہوتا ہی نہیں۔ خوف صرف جانے والے یا آنے والے وقت کا ہوتا ہے۔ گزرے ہُوئے زمانے کا خوف' دَراصل آنے والے زمانے کا خوف ہے۔ ماضی صرف اُسی وقت خوفزدہ کرتا ہے' جب اُس کا ناخوشگوار نتیجہ ابھی باقی ہو۔

اُس کی رحمت پر نگاہ رکھی جائے' تو خوف ختم ہو جاتا ہے۔ خوف آخر مفروضہ ہی تو ہے۔ وہ اَلمیہ' جو ابھی رُونما نہیں ہُوا اور رُونما ہو سکتا ہے' اندیشہ کہلاتا ہے۔ اِنسان اگر مستقبل کو آئینۂ تخیل میں اُتارنے کی بجائے حال کے فرض کا قرض ادا کرے' تو خوف سے بچ جاتا ہے۔ مستقبل صرف خواب ہی تو ہے...... خوفناک ہو یا حسین' محتاجِ تعبیر ہے اور ماضی کتنا ہی بھیانک ہو' ایک تصویر ہی تو ہے...... بے جان تصویر...... حال اور صرف حال' حقیقت ہے۔ حال زندگی ہے...... عمل ہے...... خوف سے آزاد۔ جو ہُوا' سو ہو چکا۔ جو ہونا ہے' سو ہو جائے گا۔

صرف خوف کسی خطرے کو ٹال نہیں سکتا۔ صرف خوفزدہ رہنے سے تو دُشمن نہیں مرتے۔ عمل کی ضرورت ہے اور عمل کے لیے خوف سے نجات ضروری ہے۔

اِسی فانی اور مختصر زندگی میں لوگوں نے خوف سے آزاد رہ کر کارنامے سر انجام دیے، عظیم تخلیقات ہُوئیں، تہذیبیں پیدا ہوئیں، عجائبات بنائے گئے، تمدّن پیدا ہوئے اور پُرانے کھنڈرات کے دامن میں نئی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

عمارتیں بنائی گئیں۔

زندگی صرف خوفزدہ رہنے کے لیے نہیں ملی۔ خوف ترقی ے محروم کر دیتا ہے اور خوفزدہ انسان اپنے اندر ہی ریت کی دیوار کی طرح گر جاتا ہے اور یوں زندگی ہی میں مر جاتا ہے۔ عظیم انسان موت کی وادی سے باوقار ہو کر گزرتے ہیں۔

دراصل کچھ مزاج ہی ایسے ہوتے ہیں جو ہر حال میں ڈرتے ہیں۔ عبادت کریں تو اُس کے نامنظور ہونے کا اُنہیں ڈر رہتا ہے۔ وہ سفر کریں تو حادثات کا خطرہ اُن کے دِل کی دھڑکنیں تیز رکھتا ہے۔ دُھوپ ہو تو اُنہیں دُھوپ سے ڈر لگتا ہے۔ بارش ہو تو بارش سے۔ وہ بجلی کی چمک اور بادلوں کی گرج سے ڈرتے ہیں۔ وہ کسی ناگہانی آفت کی گرفت کے اِمکان سے آزاد نہیں ہو سکتے۔ اُن کے قلوب کی سرزمین میں ہمہ وقت زلزلے آتے رہتے ہیں۔ وہ ہر وابستگی سے ڈرتے ہیں۔ وہ قُربتوں سے بھی ڈرتے ہیں اور فاصلوں سے بھی خوفزدہ رہتے ہیں۔ اُن کے لیے ہر مشاہدہ خوف پیدا کرتا ہے۔ اندیشوں کی آکاس بیل اُن کی زندگی کے شجر کو لپیٹ میں لے لیتی ہے اور اُن کی ہستی اُس ٹوٹے ہوئے جہاز کی طرح ہوتی ہے' جسے کوئی ہوا بھی راس نہیں آتی۔

بُودِل اِنسان کو کوئی حالت' خوف سے آزاد نہیں ہونے دیتی۔ کوئی نہ کوئی خطرہ اُس کے وجود میں موجود رہتا ہے۔ اُسے دَریا میں ڈُوب جانے کا ڈر رہتا ہے۔ صحرا میں پیاس سے مر جانے کا ڈر رہتا ہے۔ اُسے دُنیا کا ڈر رہتا ہے۔ عُقبیٰ کا ڈر رہتا ہے۔ وہ شاید یہ نہیں جانتا کہ اللہ کی رحمت اُس کے غضب سے وسیع تر ہے۔ یہ زندگی اندیشوں کے لیے نہیں پیدا کی گئی۔ یہ زندگی اُس کی رحمت اور اُس کے فضل کے حصول کے لیے دی گئی ہے۔ راتیں ہمیشہ تاریک نہیں ہوتیں اور کوئی تاریک رات ایسی نہیں جو دِن کے اُجالے میں ختم نہ ہو۔ سورج ضرور طلوع ہوتا ہے..... کامرانیوں کا، سرفرازیوں کا۔ اعتماد اور یقین حاصل ہو جائے' تو اندیشے ختم ہو جاتے ہیں۔ اعتماد محبت سے حاصل ہوتا ہے، خدمت سے حاصل ہوتا ہے، عبادت سے حاصل ہوتا ہے۔

جس زندگی میں شوق ہوگا' اُس میں خوف نہیں ہوگا۔ خوف دوزخ ہے' شوق جنت۔

مفادات کو مُقدم سمجھنے والے مقامِ شوق نہیں سمجھ سکتے۔ شوق کا تعلق دِل سے ہے، مفادات کا واسطہ دماغ سے ہے۔ دِل قربانیاں پیش کرتا ہے، عقل حاصل کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ قربانیاں پیش کرنے والے کو کوئی ڈر نہیں ہوتا اور حاصل کی تمنا کرنے والا محرومی کے اندیشوں سے نہیں نکل سکتا۔

جب تک یہ زندگی اُس مقصد کے لیے نہ صَرف کی جائے جس مقصد کے لیے اسے تخلیق کیا گیا' یہ خوف کے عذاب سے نہیں بچ سکتی اور وہ مقصد خالق ہستی نے واضح اور واشگاف الفاظ میں فرما دیا ہے۔

پیدا کرنے والے کی منشا کے خلاف جو زندگی ہوگی' خوف زدہ ہوگی۔ خالق سے دُوری جس شکل میں بھی ہو' ڈر پیدا کرے گی اور خالق کا قُرب جس حالت میں بھی ہو' خوف سے نجات دے گا۔ فیصلہ اِنسان نے خود کرنا ہے۔

✿✿✿✿✿

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بات سے بات

بہر حال یہ موسم خود ہی بدلتے ہیں۔ سفر کی تمنا جب آرام کی خواہش میں بدل جائے' تو سمجھ لیجیے کہ ایک نیا موسم آ گیا...... سکون کا موسم، آرام کا زمانہ، یادوں کے دِن، گھر کے اندر عبادت کے زمانے، نصیحتوں کا وقت، احتیاط کے ایام، صحت کا خیال، زندگی کی کارگزاری کا حساب، کردہ اور ناکردہ خطاؤں کی بازگشت......!

اِنسان حیران ہو جاتا ہے کہ وہ اِتنا کیوں بدل گیا۔ دَراصل عمر بدل جاتی ہے، خیال خود ہی بدل جاتا ہے۔ نہ جوانی ہمارا قصور ہے، نہ بُڑھاپا ہماری غلطی۔ یہ سب موسم زندگی کے اپنے موسم ہیں۔ اِن موسموں سے گزرنا ہی پڑتا ہے۔

پھر ایک موسم آتا ہے۔ آخری پت جھڑ کا موسم۔ لاکھ کوشش کرو' ٹھہر نہیں سکتے۔ دیواریں قائم رہتی ہیں اور مکان اندر سے زمیں بوس ہو جاتا ہے، وجود کے اندر کچھ بھی تو موجود نہیں رہتا۔ کہاں گئے سب کرشمے، سب قواء، سب رنگ، کیا ہُوا۔ اِس میں اِنسان کا کیا قصور۔ عظیم پہاڑ، سنگلاخ چٹانیں' ریت کا ڈھیر!

اِنسان احتیاط کرے' تو بھی کچھ نہیں کر سکتا۔ کیا اِنسان فصل کی طرح پیدا ہوتا ہے؟ مولی گاجر کی طرح۔ موسم سے آیا اور موسم کے دَم سے زِندہ رہا اور موسم کے ساتھ رُخصت ہو گیا؟ کیا اِنسان کچھ بھی نہیں؟ کیا اِنسان اپنے ہونے میں بھی کچھ نہیں ہے؟ کیا اِنسان ریکارڈ شدہ کیسٹ کی طرح ہے؟ بس چلتا رہا اور پھر ختم ہو گیا؟ کیا سب کچھ کاتبِ تقدیر کا ہے؟ اگر یہ سب کچھ اُس کا ہے تو پھر اِنسان کا کیا ہے؟

اِنسان کو یہی بات تو مشکل معلوم ہوتی ہے۔ آزادی کیا ہے؟ آزادی کتنی ہے؟ مجبوری کیا ہے؟ مجبوری کس حد تک ہے؟

اِنسان کو عقل دی گئی۔ عقل کا اِستعمال بھی ضروری ہے' لیکن یہ بھی یاد رہے کہ کم عقل یا بے عقل اِنسان بھی عقل کا استعمال کرتا ہے۔ اِس دنیا کی رَونقیں عقل کے دَم سے ہیں۔ عقل نے اِنسان کو ستاروں کی بلندیوں تک پہنچایا ہے' لیکن ستاروں کی گزرگاہوں کو ڈھونڈنے والا اِنسان' یہ نہ معلوم کر سکا کہ زِندگی کا راز کیا ہے!

زِندگی رَونقوں میں گزرتی ہے اور راز تنہائیوں میں ملتے ہیں۔ راز بتائے نہیں جاتے' راز آگہی یا راز آشنائی کا راستہ دِکھایا جاتا ہے۔ اجتماع کا راز اور ہے' اور انسان کا راز اور! اِجتماع ضرورت کے راز میں مبتلا رہتا ہے۔ ضرورتیں پوری کرنا، اِجتماعی مسائل کا حل سوچنا، شہر بنانا، شہری زِندگی کی آسائشوں کا خیال رکھنا، صحت کے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

لیے شفا خانوں کا انتظام، تعلیم کے لیے سکول کالج بنانا، پانی کا حصول اور پانی کا نکاس، سڑکوں، روشنیوں اور دفتروں کا اہتمام، نیز اخبار، ریڈیو، ٹی وی وغیرہ' یہ سب اجتماعی ضرورت کی باتیں ہیں۔ سفر وغیرہ کی سہولتیں ہر بامعنی معاشرے کی ذمہ داری ہے۔

اجتماع اِس بات سے بے خبر اور بے نیاز ہوتا ہے کہ کسی شہر کی ساٹھ لاکھ کی آبادی ساٹھ سال میں مکمل طور پر ختم ہو چکی ہوتی ہے اور اُس کی جگہ نئے لوگ اُتنی بلکہ اُس سے بھی زیادہ تعداد میں موجود ہوتے ہیں۔ شہر وہی رہتے ہیں' شہری بدل جاتے ہیں۔ ہمارے زمانے کے کلاس رُوم آج بھی طلبہ سے بھرے ہوتے ہیں' لیکن ہمارے ساتھ پڑھنے والے لوگ ایک ایک کر کے رُخصت ہوتے جاتے ہیں یعنی دُنیا آباد رہتی ہے اور لوگ ختم ہوتے رہتے ہیں۔ ہم زندہ رہیں تو بھی کچھ عرصہ کے بعد ہم محسوس کرتے ہیں کہ نا آشنا لوگوں میں ہیں۔ آشنا بکھر جاتے ہیں اور نا آشنا موجود پائے جاتے ہیں۔ مِل کر رہنے والے الگ الگ رُخصت ہوتے ہیں۔ ہسپتال اپنی اہمیت اور افادیت کے سہارے قائم رہتے ہیں اور ڈاکٹر مریضوں کی جان بچاتے بچاتے خود ہی کسی دِن جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ اِس سے مفر نہیں۔

جب جانا لازم ٹھہرا تو ٹھہرنے کے لیے کیا لازم ہے؟ جب سامان لد ہی جانا ہے تو کتنا سامان درکار ہے؟

اِنسان علم حاصل کرتا ہے' دانائی کا علم۔ دانا لوگوں کی باتیں پڑھتا ہے۔ رُوحانی اور دُنیاوی زندگی کے سپہ سالاروں اور شہسواروں کی زندگی اور اُن کے علوم کی داستانیں، اُن کے ہم عصر اور ہم نواؤں کی گواہی کے قصے پڑھتا ہے تو اِنسان یہ بھول جاتا ہے کہ دانائی کتاب سے حاصل نہیں ہوتی۔ دانا کی زندگی کا علم دانائی نہیں' دانا کی زندگی کا عمل دانائی ہے۔ مثلاً ریت کے تپتے ہوئے صحرا میں عظیم انسان ﷺ کا دِیا ہُوا خطبہ' دانائی کا شہکار خطبہ' اگر ہم کسی ایئر کنڈیشنڈ کمرے میں بیٹھ کر پڑھیں تو ہمیں کتنا فیض ملے گا۔ عمل' عمل کے تابع نہ ہو تو علم' علم کے مطابق نہیں رہتا۔ راز کی بات تو یہ ہے کہ راز جاننے والے کا عمل ہی راز آشنائی کا ذریعہ ہے۔

اگر موسم بدل جائے تو خیال بدل جاتا ہے۔ شاعروں نے گھنگھور گھٹاؤں کو توبہ شکن کہا ہے۔ سورج سر پر ہو تو سجدہ بھی رَوا نہیں۔ یہ عجب بات ہے کہ اِنسان کی عبادت' اوقات کے ساتھ ہے۔ نماز قائم کرنے کا حکم ہے اور اِس کے وقت مقرر ہیں۔ اِن اوقات کے باہر یا بعد' نماز کی اجازت ہی نہیں۔ فجر کی نماز فجر ہی کو ادا کی جاتی ہے۔ ہمہ حال ایک حال میں رہنے کا عمل اِس لیے مشکل ہے کہ کائنات کی کوئی چیز ہمیشہ ایک حالت میں نہیں رہ سکتی۔

اِنسان ہمیشہ بدلتا رہتا ہے اور وہ ہمیشہ ایک سا ہی رہتا ہے۔ صحت خراب ہو تو کوئی موسم بھی خوشگوار نہیں اور صحت خوشگوار ہو تو کوئی موسم خراب نہیں ہوتا۔

بُرے اِنسان کو ہر وقت بُرائی کا موقع مل جاتا ہے۔ اچھے کو اچھائی میسر آ ہی جاتی ہے۔ ایمان والے ہر حال میں ایمان پر قائم رہتے ہیں۔ کافر ہر لحظہ اپنے کُفر پر کاربند رہتا ہے۔ وعدہ شکن' کوئی بھی تو وعدہ پورا نہیں کرتا۔ بے وفا' وفا کے بدلے میں بھی تو بے وفائیاں کرتا ہے۔ محبت والے' محبت کرتے رہتے ہیں۔ اہلِ دِل

www.iqbalkalmati.blogspot.com

حضرات ذرّے ذرّے میں دھڑکنیں محسوس کرتے ہیں اور پتھر دِل اِنسانوں کو اِحساس کی دولت سے محروم ہونے کا بھی احساس نہیں ہوتا۔کل کے دعوے آج کی معذرت بن جاتے ہیں۔سیاست ہمیشہ میدان میں رہتی ہے اور حکومت ایوان میں۔غریبوں کی حالت بدلنے کا دعویٰ کرنے والے خودغریبی کے ذائقے سے ناآشنا ہوتے ہیں۔

اِنسان عجب مخلوق ہے۔خود تماشا ہے اور خود ہی تماشائی۔اِنسان خود ہی میلہ لگاتا ہے اور خود ہی میلہ دیکھنے نکلتا ہے۔ہجوم میں ہر اِنسان ہجوم کا حِصّہ ہے اور ہر اِنسان اپنے علاوہ اِنسانوں کو ہجوم کہتا ہے۔تنہائیاں اِکٹھی ہو جائیں تو میلے بن جاتے ہیں۔ننھے چراغ مل کر چراغاں بن جاتے ہیں۔

ایک زندگی کتنے اَدوار سے گزرتی ہے۔اِس کا اندازہ لگانا بڑا مشکل ہے۔بچپن کے کھیل، بچپن کے کھلونے، بچپن کے ساتھ' چند دِنوں کی بات ہے۔دِن گزر گئے۔کھیل ختم ہو گئے۔بچہ بھول گیا کہ اُس نے کون کون سے کھیل کھیلے۔کون کون سی آرزوئیں اور تمنائیں تھیں' بچپن میں۔بس وہ دِن گئے اور وہ باتیں بھی گئیں۔

جوانی آئی۔اپنے ساتھ نئے تقاضے، نئے ساتھی، نئی تمنائیں، نئے قہقہے، نئے آنسو، نئے عزائم اور نئے حوصلے لائی۔پہاڑوں کی سیر، دریاؤں کے کنارے، باغوں کی بہار، سفر کے پروگرام...... ہر وقت نئی بات، نئے خیال، نئی کتابیں، محبتیں، تعلیم، حصولِ مراد' غرضیکہ ایک نیا سلسلہ ہے جو جوانی کے نام پر اِنسان پر نازل ہوتا ہے۔اِنسان چلتا ہے اور چلتا ہی رہتا ہے۔بُلند مقامات، مشکل مراحل، مہم جوئی، محنت طلبی، شعروشاعری' جوانی کے مشاغل ہیں۔جوانی کھیلتی ہے۔جوان آدمی' جواں ہمّت ہوتا ہے۔جواں دِل ملیں تو موسم بلکہ ہر موسم خوشگوار ہوتا ہے۔جوانی دلچسپیوں اور وابستگیوں کے چند طلسماتی ایّام کا نام ہے۔طلسماتی اِس لیے کہ اِن دنوں میں بڑے رُموز آشکار ہوتے ہیں۔اِنسان کو اپنے آپ میں کئی جلوے نظر آتے ہیں۔جوانی بدصورتی کو بھی دیدہ زیب بنا دیتی ہے۔جوانی افکار کی بہار کا موسم ہے۔جوانی فاصلے طے کرتی ہے...... دِلوں کے فاصلے، وقت کے فاصلے، زمانوں کے فاصلے۔جوانی جامے سے باہر نکلتی ہے۔حدود سے آزاد ہونا چاہتی ہے۔جوانی کچھ نہ کچھ کرنا چاہتی ہے۔کچھ نہ کچھ...... خواہ وہ غلطی ہی کیوں نہ ہو۔جوانی موجِ دریا ہے۔کناروں سے ٹکراتی ہے اور کناروں سے نکل جاتی ہے۔جوانی اپنے کرشمے دکھاتی رہتی ہے۔دِن کو چہرے دِکھاتی ہے اور رات کو تارے دِکھاتی ہے۔جوانی کے پاس ایک انوکھا کرشمہ ہوتا ہے۔جوانی اِنسان کے خون کی گرمیاں لے کر چپکے سے رُخصت ہو جاتی ہے۔یہ جوانی کا آخری کرشمہ ہوتا ہے۔

اِنسان سوچتا رہ جاتا ہے کہ تاروں کی محفل ماند کیوں پڑ گئی۔وابستگیاں' بے اعتنائیوں میں کیوں بدل گئیں۔اپنے' اجنبی کیسے ہو گئے۔اِس میں اِنسان کا اپنا جُرم یا اپنی خوبی کا دخل نہیں۔یہ صرف موسم بدلنے کے نتیجے ہیں۔عمر کا موسم بدل گیا، ذائقے بدل گئے، پروگرام بدل گئے، سرگرمیاں بدل گئیں، سب کچھ بدل گیا...... موسم بدلنے کا وقت آ جائے تو وقت کا موسم بدل جاتا ہے۔ہر وِصال' فراق سے گزرتا ہے۔اِنسان اپنی مسرتوں کے زمانوں کی یادیں آنسوؤں سے تحریر کرتا ہے۔تاج محل جوانی کے غم کی تحریر ہے اور یہ تحریر اتنی دِل پذیر ہے کہ اس کی جاذبیت سے اِنسان غم بھول جاتا ہے۔جوانی کا غم' شاعر کے دِل سے گزرے تو یہ غم' نوائے سروش بن

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جاتا ہے۔

آج ہم دیکھتے ہیں کہ سُقراط کا علم جاننے والا سقراط نہیں بن سکتا۔ اِس لیے کہ سُقراط کسی کتاب کو پڑھنے کے بعد سُقراط نہیں بنا۔ سیرت پر کتابیں لکھنے والا ضروری نہیں کہ مسلمان ہی ہو۔ غیر مسلموں نے بھی نعت کہی ہے اور بہت اعلیٰ بھی!

آج کا اِنسان رازآشناؤں کو پڑھتا ہے' راز نہیں جانتا۔ یہی وجہ ہے کہ آج کا اِنسان محنت کے باوجود سکون سے محروم ہے۔ اِس کا علم تقریباً لامحدود ہے اور عمل تقریباً مفقود۔ لامحدود آرزوئیں محدود زندگی کو عذاب بنا دیتی ہیں۔ آج کا عصری کرب یہی ہے کہ اِنسان کثیر المقاصد ہو کر رہ گیا ہے۔ آج کا اِنسان مذہب سے آزادی چاہتا ہے' اِس لیے کہ مذہب عمل کی دعوت دیتا ہے اور عمل پر کاربند اِنسان' انفارمیشن کے بیشتر علوم کو غیر ضروری سمجھنے لگتا ہے۔ آج کا اِنسان مقدر سے جھگڑا کرتا ہے۔ وہ کسی تقدیر کو ماننا اپنی توہین سمجھتا ہے۔ وہ خود بناتا ہے اپنی زندگی اور زندگی' محبت کی طرح بنتے بنتے بگڑ جاتی ہے۔ اِنسان مقدر کو کوستا ہے۔ مانتا بھی نہیں اور چھوڑتا بھی نہیں۔ مقدر اور اِنسان ہمیشہ اکٹھے رہتے ہیں اور ہمیشہ جھگڑا کرتے ہیں۔ آزادی کی تمنا' مجبوریوں میں پرورش پا رہی ہے۔ یہی راز ہے کہ راز بیان نہیں ہو سکتا۔

دانائی اور حِکمت کا میسر آنا کسی کوشش یا علم یا عمل کا نتیجہ نہیں۔ مکھی شہد بناتی ہے۔ جگنو روشنی رکھتا ہے۔ اسی طرح دانا اِنسان دانائی رکھتا ہے۔ پُرانے زمانے میں لائبریریاں تو نہیں تھیں' لیکن دانائی تھی۔ کتابیں نہیں تھیں' لیکن پیغمبر تھے۔ آسائشیں نہیں تھیں' لیکن زندگی پُرسکون تھی۔

دانا کیسے بنتا ہے، کامیابی کیسے آتی ہے، سکون کہاں سے ملتا ہے، خوشی کہاں سے نازل ہوتی ہے، راز کدھر سے دریافت ہوتا ہے؟ بس ایسے ہی' جیسے اِنسان بنتا ہے۔ اِنسان کا پیدا ہونا ہی اُس کے نصیب کے پیدا ہونے کے ساتھ ہے۔

کبھی کبھی نیکی بھی ایسے آتی ہے جیسے بارش۔ کبھی کبھی بُرائی ایک راستے کی طرح پاؤں کے نیچے آجاتی ہے۔ رات سے دِن اور دِن سے رات، عزت ذِلت، تعیناتی اور معزولی ہوتی ہی رہتی ہے۔

ہم جس پیشہ میں آج معزز ہیں' یہ بھی کسی اور رُخ میں ناکامی کا نتیجہ ہے۔ ہم ایک شعبے میں سَر دھڑ کی بازی لگا دیتے ہیں اور جب ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اور بھی شعبے ہیں' دریافت کرنے والے' تو ہم اُلجھ جاتے ہیں اور یہ اُلجھاؤ خِرد کی گُتھیاں کہلاتا ہے۔ وجدان اور جنون نہ ہوں' تو گُتھیاں نہیں سلجھتیں۔ مقصدِ حیات' عملِ حیات سے مختلف بھی ہو سکتا ہے۔ رازِ ہستی' رونقِ ہستی کے علاوہ بھی ہو سکتا ہے۔ نصیب اور کوشش یکجا بھی ہو سکتے ہیں اور الگ الگ بھی۔ اِنسان اور مقدر کی صلح بھی ہو سکتی ہے۔ کارزارِ حیات' گلزارِ حیات میں بھی بدل سکتا ہے۔ اگر پیدا ہونے اور مرنے کا اختیار اِنسان کو مل جائے' تو زندگی بنانے کا اختیار اُس کا اپنا ہے۔ اگر دُنیا کی رونقوں میں میرے ہونے اور نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تو مجھے رونقوں سے کیا حاصل!

میری اولاد' نہ میرے منصب پر فائز ہو سکتی ہے، نہ میرے علم کی وارث۔ نہ اس کا خیال مجھ جیسا، نہ

اِس کا عمل میرے عمل کے برابر۔ میری اولاد مجھ سے اجنبی ہی رہتی ہے۔ پھر بھی اِس اولاد کے لیے میں کیا کیا جتن کرتا ہوں۔ کہاں کہاں سے کیسے کیسے گزرتا ہوں' کس کے لیے؟ بے حِس کے لیے؟ میں نے جس کے لیے جو کیا' اُسے اِس کا احساس نہیں۔ پھر میری زندگی کا مقصد وہ تو نہ ہُوا' جو میں نے سمجھا، جو میں نے بنایا۔ میری محنت میرے کام نہ آئی۔ دوسروں کے کیا کام آئی ہو گی۔ پھر بھی میرا دعویٰ ہے کہ میں ہی صحیح ہوں، میرا پیشہ ہی صحیح ہے۔ میری کاروائیاں اور میرے کارنامے ہی عجائباتِ زمانہ میں سے ہیں۔ لیکن مجھے کون بتائے کہ ایسا نہیں ہے۔ میں کسی کی سنتا نہیں، کسی کی مانتا نہیں...... پھر وہ دِن آ پہنچتا ہے جب میرے اعمال اپنے نتیجے سے گزر کر میرے سامنے آتے ہیں۔ اپنا اصل چہرہ جب اپنے رُوبرُو آتا ہے' تو سب دعوے دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔ ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ ہم وہ نہیں تھے' جو ہم بنے ہوئے تھے' ہم بہرُوپ کے سرُوپ میں گم تھے۔ ہم تعریف سُننے کے لیے جھوٹے مداحوں کو اکٹھا کرتے ہیں اور جب راز آشنا مل جاتا ہے تو ہم حیرت میں گم ہو جاتے ہیں۔ حیرت میں گم ہونا ہی راز کے سُراغ کا نقشِ اوّل ہے۔ حیرت میں گم ہونا' اپنے آپ میں گم ہونا ہے۔ جو اپنے آپ میں گم ہو گیا' اُس نے اپنا آپ دریافت کر لیا، جس نے اپنا آپ دریافت کر لیا' اُس نے راز دریافت کر لیا۔ راز کو دریافت کیا جاتا ہے' بتایا اور پوچھا نہیں جاتا۔ جس کو راز مل گیا' اُس نے زندگی میں موت اور موت میں زندگی کو دیکھ لیا۔ قطرہ قلزم آشنا نہ ہو' تو قرار کیسے پائے۔ اپنے ہونے کا مقصد اپنے نہ ہونے سے پہلے ہی دریافت کر لیا جائے۔ کم از کم اِتنا تو جان لیا جائے کہ مجھ میں میرا اپنا عمل کس حد تک ہے اور کسی اور طاقت کا عمل کس حد تک! وہ طاقت اگر مقدر یا نصیب ہی ہو تو کیا حرج ہے! حُسنِ تدبیر ہی اگر حُسنِ تقدیر ہو جائے' تو کیا بات ہے!

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ظلم

ظلم کا تعلق مظلوم کے احساس سے ہے۔ کسی ظالم کا کوئی عمل اُس وقت تک ظلم نہیں کہلائے گا' جب تک مظلوم اُس عمل سے پریشان نہ ہو۔ دنیا میں ہونے والے بیشتر مظالم' مظلوم کی پسند کا حصّہ بنا دیئے جاتے ہیں۔ بعض اوقات تو مظلوم اُس ظلم کو برداشت کرنا اپنے ایمان کا حصّہ سمجھ لیتا ہے۔

ظالم کا سب سے بڑا ظلم یہی ہے کہ وہ مظلوم کو ظلم سہنے، ظلم میں رہنے کی تعلیم دے چکا ہوتا ہے۔ امیر بادشاہ غریب رعایا کو تسلیم، صبر اور رضا کی تعلیم دے کر اپنے مال کو محفوظ کرتا ہے۔ غریب کو صبر کی تلقین کرنے والا خود امیر رہنا پسند کرتا ہے۔ ظلم ہوتا رہتا ہے اور کسی کو خبر تو کیا' احساس تک نہیں ہوتا۔ امیر حکمران اپنے بچوں کو انگریزوں کے سکولوں میں تعلیم دلواتے ہیں اور غریب عوام کو دین کا حوالہ دے کر سمجھایا جاتا ہے کہ اُن کے بچے کسی دارُالعلوم میں تعلیم حاصل کریں۔ درسِ نظامی سے فارغ التحصیل ہو کر غریبوں کے بچے کسی مسجد کے امام بن کر اُس حُجرے میں زندگی بسر کرتے ہیں اور امیروں کے بچے افسر بن کر حکومت کرتے ہیں۔ ظلم ہوتا رہتا ہے اور کسی کو محسوس نہیں ہوتا۔ اگر کوئی دانشور اِس ظلم کی نشاندہی کرتا ہے' تو اُسے مُلحد و زندیق کہہ کر بدنام کر دیا جاتا ہے۔ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ ظلم سہنے والا، ظلم میں رہنے والا' خود بھی ظالم کے ساتھ مل کر' اُس انسان کے خلاف ہو جاتا ہے' جو اُسے اُس پر ہونے والے ظلم کی نشاندہی کراتا ہے۔ ظالم اپنے ظلم کو برقرار رکھنے کے لیے بڑے بڑے رُوپ دھارتا ہے۔ کبھی مسیحائی کا رُوپ، کبھی رہنمائی کا بہروپ، کبھی آشنائی کا انداز، کبھی محبت کا طلسم، کبھی تعریف کرنے والے کی شکل میں...... ظلم بہر حال جاری رہتا ہے۔ آج مسیحائی کی وبا پھیل چکی ہے۔ ہر نا اہل کو زُعمِ آگہی ہے۔ قوم پر اِنتشار نازل کرنے والے مسیحاؤں کی کمی نہیں' ڈاکٹروں کی کمی نہیں۔ ڈاکٹروں کی شکل میں ایسے مسیحا موجود ہیں' جن کی توجہ مریض کے مرض کی بجائے اُس کی جیب پر ہوتی ہے۔ مسکرا کر اتنی بات بتانے کے لیے کہ آپ کو کوئی بیماری نہیں' آپ سے فیس کا مطالبہ ہوتا ہے۔ آپ خوشی سے ظلم سہتے ہوئے رُخصت ہوتے ہیں۔ غریب کی بیماری' امیر ڈاکٹر کے لیے نوید بہار ہے۔ ظلم جاری رہتا ہے اور کسی کو خبر تک نہیں ہوتی۔ سیاست کے میدان میں راہنما اپنی انا کے سفر میں بڑے بڑے ظلم کرتے ہیں۔ عوام کو گمراہ کر کے اُن کی زندگی عذاب بنا دی جاتی ہے۔ ایک اَن پڑھ چھابڑی والے کو سیاست کے میدان کا شہسوار ہونے کی غلط فہمی عطا کر دی جاتی ہے۔ وہ بے چارہ ظلم برداشت کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اسے ہی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

الاقوامی سیاست کا مکمل شعور مل چکا ہے۔ وہ "امریکہ مردہ باد" کے نعرے لگاتا ہے اور چھابڑی کو بساطِ سیاست سمجھتا ہے۔ اِس بیچارے پر ظلم ہو چکا ہوتا ہے اور وہ اِس سے آگاہ تک نہیں ہوتا۔ ایک نئے دور کی تمنا' مجبور زندگی کو نئی اذیتوں سے دوچار کرتی ہے۔ راہنما کرسیوں کے کھیل میں غریب کی عافیت سے کھیلتے رہے ہیں۔ ظلم جاری رہتا ہے اور مظلوم کو احساس تک نہیں ہوتا۔

کچھ علمائے دین زندگی کی بے معنویت کو اِس حد تک بیان کرتے ہیں کہ محنت، کوشش، مجاہدہ اور سعی کی لگن چھن جاتی ہے۔ علم کا ظلم سب سے زیادہ ہے۔ عذاب ہے وہ علم' جو اِنسان کے کام نہ آئے...... ظالم یہ عذاب مسلّط کرتا ہے اور مظلوم اِسے تعلیم کی ضرورت سمجھ کر قبول کرتا ہے۔ تعلیم حاصل ہوتی ہے اور ضرورت پوری نہیں ہوتی۔ تعلیم کا زیور گلے میں یوں لٹکتا ہے' جیسے بَیل کے گلے میں گھنٹی۔ وہ گھنٹی کی آواز سنتا ہے، خوش ہوتا ہے اور ظالم کی زمین میں ہَل چلاتا ہے۔ وہ خود نہیں جانتا کہ اُس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ تعلیم ہے' تو روزگار کیوں نہیں؟ روزگار تعلیم سے نہیں' تعلقات سے نصیب ہوتا ہے۔ بے معنی تعلیم بدنصیب کا مقدر بن جاتی ہے۔ اِس ظلم کی کسی کو خبر نہیں ہوتی۔ بہت خطرناک ظالم زندگی میں دوست بن کر آتا ہے۔ ایسے ظالم سے بچنا بہت مشکل ہے' جس کے پاس محبت کی تلوار ہو۔ وہ معصوم دِلوں کو محبت کے دام میں گرفتار کرتا ہے، اُن سے کام لیتا ہے، کام نکالتا ہے اور پھر ایک نامعلوم موڑ پر اُنہیں حوادثِ زمانہ کے حوالے کر کے شیطان کی طرح مسکراتا ہوا رُخصت ہو جاتا ہے۔ ایسے ظالم کے لیے بددعا بھی نہیں کی جا سکتی۔ وہ اپنا تھا۔ اپنا بنا ہوا تھا۔ اُس کے پرانے خطوط ابھی محفوظ ہوتے ہیں اور وہ ہر اِخلاق کے قوانین کو بالائے طاق رکھتا ہوا' جھٹک کر چلا جاتا ہے۔ ہم جس کی تعریف کر چکے ہوں' اُس کے ظلم کا بیان کس مُنہ سے کریں۔ بس ظلم ہو گیا' لیکن مظلوم ہمیشہ کے لیے خاموش رہ گیا۔

دراصل کسی شے سے اُس کی فطرت کے خلاف کام لینا ظلم ہے۔ جو شے جس کام کے لیے تخلیق کی گئی ہے' اُس سے وہی کام لینا چاہیے۔ اس کے برعکس' ظلم ہے۔ کسی انسان سے اُس کے مزاج کے خلاف کام لینا ظلم ہے، جبر ہے۔ اِس سے اِنسان کے اندر ایک حبس کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ اُس پر جمود طاری ہو جاتا ہے' اور پھر یہ جمود اندر ہی اندر لاوے کی طرح کھولتا ہے اور پھر کسی نامعلوم لمحے میں اُبل کر لاوا باہر آ جاتا ہے اور ہر شے کو اپنی لپیٹ میں لیتا ہوا تباہ کر دیتا ہے۔ مظلوم کی خاموشی' ظالم کی عبرت کی اِبتدا ہے۔ خاموش مظلوم' خاموش طوفان کی طرح بڑا خطرناک ہوتا ہے۔ کسی انسان سے اُس کے معاوضے سے زیادہ کام لینے کا نام بھی ظلم ہے۔ معاوضہ دینے والے کی ہستی کے مطابق ہونا ضروری ہے۔ سب سے بڑا ظلم کسی کی محنت کو رائیگاں کرنا ہے۔

کسی انسان میں وسوسہ پیدا کرنا بھی ظلم ہے۔ قوم کو تذبذب میں گرفتار کرنا ظلمِ عظیم ہے۔ کسی راہی کو سفر کے دوران' اُس کی مسافرت سے بیزار کرنا ظلم ہے۔ آدھا راستہ طے کرنے کے بعد یہ سوچنا کہ ہمیں کس سفر پر روانہ ہونا ہے، ظلم ہے۔

کسی غریب کی عزتِ نفس کو غریب سمجھنا اُس پر ظلم ہے۔ ظلم کی صورتیں بے شمار ہیں۔ مظلوم کی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

صورت ایک ہی ہے...... غریب، سادہ، معصوم، شریف النفس، سادہ لوح، جلد مان لینے والا، اپنا حق ترک کر دینے والا، سب کے لیے دعا کرنے والا' اور اُس کی دُعا کی وجہ سے ہی تو ظالم قائم رہتا ہے!! نہ مظلوم کا مزاج بدلتا ہے، نہ ظالم کا۔ یوں ظلم جاری رہتا ہے۔ مظلوم ظلم کو مقدر سمجھتا ہے اور ظالم اسے اپنی دانائی! دونوں اپنے اپنے مدار میں قائم رہتے ہیں' لیکن کبھی کبھی تقدیر اپنے نام سے ہونے والے ظلم کو دُور کرنے کے لیے مظلوم کی آنکھوں سے پردہ ہٹاتی ہے اور پھر مظلوم اپنے غصب شدہ حقوق کے حصول کے لیے میدانِ عمل میں اُترتا ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے مظلوم' ظالم کی کرسی پر بیٹھتا ہے اور ظالم کے لباس میں نظر آتا ہے اور ایک بار پھر ظلم جاری ہو جاتا ہے۔ ظلم بہرحال ہوتا رہتا ہے اور کسی کو خبر تک نہیں ہوتی۔

ظلم کا پہیہ اُس وقت تک جام نہیں ہوتا' جب تک معاف کرنے اور معافی مانگنے کا حوصلہ اور شعور نہ پیدا ہو۔ بدلہ لینے کی تمنا' ظلم کی اَساس ہے۔ معاف کر دینے کی آرزو' ظلم کا خاتمہ کرنے کیلئے ضروری ہے۔ ظلم توڑنے والے پرانی باتوں کو چھوڑنے والے ہوتے ہیں۔ ظلم کے ساتھ، ظالم کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیئے پیغمبروں کی زندگی سے معلوم ہوتا ہے۔ بھائیوں نے یوسفؑ کے ساتھ جو سلوک کیا' اُس کا بدلہ یہی تھا کہ ''جاؤ! آج کے دن تمہارے لیے کوئی سزا نہیں''۔ فتح مکّہ کے بعد آپ ﷺ کا پرانے مخالفین کے لیے یہی ارشاد تھا کہ ''جاؤ! تم سب کے لیے آج کوئی سزا نہیں''۔

اگر معاشرے میں معافی مانگنے اور معاف کرنے کا عمل شروع ہو جائے' تو ظلم کا عمل رُک جاتا ہے۔ خود پسندی ترک ہو جائے' تو ظلم رُک جاتا ہے۔ اَنا کا سفر ختم ہو جائے' تو ظلم کا سفر ختم ہو جاتا ہے۔ ہر وہ شخص جو اللہ سے معافی کا خواستگار ہے' اُسے سب کو معاف کر دینا چاہیے۔ جس نے معاف کیا' وہ معاف کر دیا جائے گا۔ دوسروں پر احسان کرنے سے ظلم کی یاد ختم ہو جاتی ہے۔ حق والے کا حق ادا کر دو' بلکہ اُسے حق سے بھی ماسوا دو' بس اتنے سے عمل سے ظلم ختم ہو جائے گا۔ جس معاشرے میں مظلوم اور محروم نہ ہوں' وہی معاشرہ فلاحی ہے۔

کرب ہی کرب

مکان بنایا گیا..... خوبصورت، بہت ہی خوبصورت..... دیکھنے والے خوش ہو گئے۔ سوچنا پڑے گا کہ اگر دیکھنے والے خوش ہوں تو کیا اس مکان میں رہنے والے لازمی طور پر خوش ہوں گے.....!

خوش کرنے والا ضروری تو نہیں کہ خوش رہنے والا بھی ہو۔ پھر یہ سب کیا ہے؟ ہم کیا کر رہے ہیں؟ اگر ہم خوش ہوں تو لوگ خوش نہیں رہنے دیتے اور اگر لوگوں کو خوش رکھا جائے تو ہم..... رہتے ہی نہیں' خوش کہاں سے رہیں گے!

کیا لوگ ہمارے مقدر کا غیر معاون حصہ تو نہیں۔ ہر آدمی اپنے علاوہ گروہ کو لوگ کہتا ہے، خود بھی اُسی گروہ میں شامل ہے لیکن وہ خود کو شامل نہیں سمجھتا۔ خود کو کردار سمجھتا ہے اور دوسروں کو کردار کش..... ہم سب ایک سمت کو چل رہے ہیں اور سب کا رُخ الگ الگ ہے۔ سب 'سب سے نالاں ہیں۔ سب 'سب سے اجنبی ہیں۔ سب 'سب سے بیزار ہیں..... سب 'سب کے ہمراہ ہیں اور سب 'سب سے جدا ہیں..... سب کے سب مشکل میں ہیں اور سب کے سب بھاگ رہے ہیں اور کوئی کسی کو راستہ نہیں دیتا۔ سب بظاہر متحرک اِنسان ایک ظالم جمود اور تعطل کا شکار ہیں۔ سب بھیڑ میں شامل ہیں اور سارے اکیلے ہیں۔ ہم سب اکیلے ہیں..... اور اِس دنیا میں اکیلے لوگوں کے ہی میلے ہیں..... سب سوچ رہے ہیں کہ آخر سوچ مفلوج کیوں ہے؟ کیا لوگوں کو نفرت سے محبت ہے یا محبت سے نفرت ہے؟ لوگوں کو کیا ہو گیا؟ سب کو سب کی نظر لگ گئی ہے اور سارے منظورِ نظر بننے کے آرزومند ہیں' لیکن کس کے..... ایسا کوئی نظر نہیں آتا!! عجب حال ہے۔

ہمیں لاشعوری طور پر کسی شدید خطرے کا احساس ہے۔ ہم اِسی لیے بھاگ رہے ہیں' لیکن خطرہ کیا ہے' یہ معلوم نہیں۔ خطرہ ہمارے پیچھے بھاگتا ہے..... نہیں..... خطرہ تو ہمارے ساتھ بھاگ رہا ہے..... ہمارے ہمراہ ہے..... ہمارے سامنے ہے۔ ہم اپنے لیے خود ہی خطرہ ہیں۔ ہم خود ہی اپنے محبوب ہیں اور خود ہی حاسد ہیں۔ ہم اپنے ہی سب سے بڑے دوست ہیں اور خود ہی سب سے بڑے دشمن!

ہم بڑے کرب میں ہیں۔ کرب ہمارے دَور کی سب سے قوی علامت ہے۔ ہم نے خود ہی ایک ملک بنایا اور خود ہی سوچ رہے ہیں کہ ہم نے اِسے کیوں بنایا!

ہم کہتے ہیں کہ ہم نے اِسے اِسلام کے لیے بنایا..... عجب بات ہے..... صحیح بات ہے۔ بنانے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

والے مسلمان تھے۔ کتنے بڑے مسلمان تھے جنھوں نے ملک بنایا اور کتنا بڑا تھا اِس قافلے کا سالار..... بڑا اور سچا مسلمان ..... لیکن کچھ اسلامی گروہ مخالف تھے۔ کون صحیح مسلمان تھا؟ بنانے والا یا مخالف.....؟ کتنا اِسلام چاہیے' پاکستان کو قائم رکھنے کے لیے ..... جتنا قائداعظمؒ کے پاس اِسلام تھا۔ اِس سے زیادہ یا اِس کے علاوہ اِسلام کی کیا ضرورت ہے؟ اگر ضرورت ہے تو قائداعظمؒ کی اِسلام کے حوالے سے کیا افادیت ہے؟ اُس کا اِسلامی تشخص کیا ہے؟ ہمارے خیال میں وہ تشخص مکمل ہے۔ اسلامی ہے۔ پاکستان بنانے کی حد تک تو اسلام آج سے نصف صدی پہلے ہی موجود تھا' اب مزید موجودگی کیا ہے۔ غور طلب بات ہے' پاکستان کی خاطر جان دینے والوں کا ایمان مکمل نہ ہو تو اُن کی موت شہادت نہیں ہے۔ اگر شہادت ہے تو وہ ایمان کامل ہو سکتا ہے۔ جس اسلام نے وحدتِ عمل پیدا کی' وہی اِسلام برحق تھا۔ وحدتِ فکر' اقبالؒ نے پیدا کی۔ اُس کا اِسلام برحق تھا۔ اب اور کیا چاہیے؟

جس بات سے قوم میں وحدتِ عمل پیدا نہ ہو' وہ اِسلام تو نہیں ہو سکتا..... علما صاحبان فیصلہ کریں..... ورنہ کربِ مسلسل رہے گا، لوگ اذیت میں مبتلا رہیں گے۔ جس اِسلام نے مُلک بنایا' اب اُسی اِسلام سے ہی اِس کی بقا قائم ہو سکتی ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں اور سچ ہی تو کہتے ہیں کہ قیامِ پاکستان جمہوریت کے لیے تھا۔ مسلمانوں کی اکثریت نے مُلک بنایا..... بجا..... دُرست۔ یہ اکثریت' ہندو اکثریت میں اقلیت تھی یعنی اقلیت کے اکثریتی فیصلے سے مُلک بنا..... عجب بات ہے' اقلیت کا اکثریتی فیصلہ..... بڑا طاقتور ہوتا ہے ..... خدا نہ کرے آئندہ بھی ایسا ہو..... ممکن ہے ایسا ہی ہو! بہرحال کرب کا عالم ہے۔ صاحبانِ فکر بڑے کرب میں ہیں کہ جمہوریت کے داعی حکومت میں بھی ہیں اور جمہوریت کے پرستار سڑکوں پر بھی ہیں.....! اصل جمہوریت کے طالب کون ہیں؟ جمہوریت ہی جمہوریت ہے۔ کرب ہی کرب ہے۔ اللہ خیر کرے۔ اندیشے پیدا ہوتے رہتے ہیں۔

ہمیں ہر طرف سے خطرہ ہے۔ آخر کیوں ہے؟ ہمارا کیا قصور ہے؟ ہم ڈر رہے ہیں' ہم کیوں ڈر رہے ہیں؟ ہمیں ڈر سے نجات دلانے کے داعی خود تو نہیں ڈر رہے؟ نہیں نہیں' ایسے نہیں ہو سکتا..... ممکن ہے ایسے ہی ہو' خدا کرے ایسے نہ ہو!! لیکن..... لیکن کچھ نہیں.....!!

ہم نے کامیابی کا معیار ہی غلط بنا رکھا ہے۔ ہم طاقت، شہرت، دولت، مرتبے کو کامیابی کہتے ہیں۔ کامیابی یہ تو نہیں۔ کیا ہم نے آخرت پر ایمان چھوڑ دیا..... ممکن ہے ایسے ہی ہو..... کامیابی مغرب کی تقلید میں نہیں..... کامیابی تو اللہ کے حبیب ﷺ کے تقرب میں ہے۔ ہم بھول گئے۔ شاید ہم خدا پر بھروسہ کرنے کے بجائے ووٹ پر بھروسہ کرتے ہیں۔ ووٹ گنتی کا نام ہے' وزن کرنے اور تولنے کا نام نہیں۔ جھوٹے لوگوں کے ووٹ سے سچا انسان کیسے آگے آ سکتا ہے، اور یہ بھی سچ ہے کہ ووٹ کے بغیر سچا آدمی کیسے سامنے آ سکتا ہے۔ صداقتیں شہید ہوتی رہتی ہیں..... اب یہ سلسلہ ختم ہو جانا چاہیے۔ صداقت کے سرفراز ہونے کا وقت کب آئے گا.....؟ آئے گا..... ضرور آئے گا..... لیکن کب..... لیکن ..... کچھ نہیں، خاموشی سے کرب برداشت کرتے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

چلو بولنے سے بات اُلجھ جاتی ہے۔ بات کو اُلجھانہیں چاہیے لہٰذا کرب بہتر ہے۔ اِسے اپنا نصیب سمجھ کر قبول کر لیا جائے.... کیسے کریں؟ کرب ناک بات ہے۔ اللہ زمین اور آسمانوں کا مالک ہے۔ اُس کی مسجد کے لیے چندہ چاہیے؟ کلمۂ کفر ہے......لیکن ہے.... خدا ہمیں ہمارے شر سے محفوظ کرے۔ خدا ہمارے دل میں پیدا ہونے والے شبہات کو غرق کرے۔ کوئی ایسا سیلاب جو ہمارے اندیشوں کو بہا لے جائے.... لیکن سیلاب خدا کرے سیلاب نہ آئے۔ سیلاب بُری شے ہے' اندیشوں کے ساتھ ہی گزر کریں گے.... آخر ہم عادی ہو چکے ہیں۔ ہم اندیشوں کی چادر بنائیں گے اور پھر اس چادر کو تان کر سو جائیں گے۔ ہم خواب اور خیال کے پرستار ہیں۔ اے اللہ! ہمیں اچھے اچھے خواب دکھا.... ہم حقیقت اور حقائق دیکھنے اور سوچنے کے کرب سے نجات چاہتے ہیں۔ یا اللہ! ہمیں نجات دے!!

www.iqbalkalmati.blogspot.com

رِفعتِ خیال

رِفعتِ خیال' پستیٔ حیات میں پیدا نہیں ہوسکتی۔ پاکیزگیٔ افکار کے لیے پاکیزگیٔ کردار کا ہونا لازمی ہے۔ حسنِ خیال کسی کوشش کا نام نہیں، کسی جستجو کا مقام نہیں، محض تمنائے تخیل یا حصولِ تخیل کا ذریعہ نہیں۔ اَرفع خیال عنایت ہے، عطا ہے، فضل ہے اور یہ عطا گنہگار اور خطا کار کے لیے قطعاً نہیں ...... لطافتِ خیال کو اگر جبریلؑ کہہ دیا جائے تو نزولِ افکارِ عالیہ یا نزولِ جبریلؑ کسی کافر یا گمراہ کے لیے نہیں۔ جبریلؑ ماننے والوں اور مقدس نفوس کو دولتِ اَفکار کے خزانے مہیا کرتا ہے۔ ناپاک زندگی' پاکیزہ خیال سے محروم رہتی ہے۔ رِفعت ِخیال کو جاننے سے پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ پستیٔ حیات کیا ہے؟ وہ کونسا اندازِ حیات ہے' جس کے نصیب میں تخیل کی بلندی یا رِفعتِ خیال نہیں ہے۔

لالچ یا لوبھ اِنسان کی زندگی کو پست کر دیتا ہے۔ اشیا کا حصول، مال کی تمنا، مرتبوں کی حسرت' انسان کو اور اِنسان کے باطن کو صحرا کی ویرانیاں عطا کرتے ہیں۔ لالچ زدہ دِل' ہمیشہ خوف زدہ رہے گا۔ خوف کبھی بلند پرواز نہیں ہوسکتا۔ لالچ' ظاہر کی زندگی پر زور دیتا ہے اور خیال' باطن کا عروج ہے۔ لالچی انسان کے نصیب میں باطن آشنائی نہیں ہوتی۔ اشیا کا حصول، اشیا کی محبت، اشیا کی نمائش، اشیا کا غرور' فنا کے دیس کی باتیں ہیں' اور بلند افکار یا بلندیٔ نگاہ' بقا کی بستی کے نشانات ہیں۔ فنا' فنا ہے، بقا' بقا ...... یعنی خیال کی بلندی' بقا کی دنیا ہے اور بقا کا سفر اُس وقت تک ناممکن ہے' جب تک فنا اور فنا کی نسبت سے نجات نہ حاصل کر لی جائے۔

جب اِنسانوں کا گھر سامان سے بھرا ہوا ہو، دِل تمناؤں سے بھرا ہوا ہو، پیٹ خوراک سے بھرا ہوا ہو' تو ایسی حالت میں ذہن کا خالی ہونا لازمی ہے۔ پیسہ گننے والا خیال کی بلندیوں کو کیا جانے۔ بلند خیال انسان' اشیاء کے حصول اور اپنے حصول پر غرور سے آزاد ہوتا ہے۔ وہ جانتا ہے اگر مکان اپنے مکینوں کی پہچان ہے' تو مکین مر چکے ہیں۔ اُن کا ہونا' نہ ہونے کے برابر ہے۔ اُن کا اپنا مکان اُن کے اپنے آپ سے زیادہ اہم ہے۔ اُن کا حاصل اُن کی اپنی زندگی سے زیادہ ضروری ہے۔ بس یہی رکاوٹ ہے بلند خیالی میں ...... بلند خیال انسان 'اپنے مکان کی خود پہچان ہے۔ وہ جہاں بھی رہے' وہ جگہ اُس کے دم سے پہچانی جائے گی۔ بلند خیال مکین' اپنے مکان کی خود ہی زینت ہے۔ اُسے کسی اور شے کی ضرورت نہیں' جس سے مکان کو سجایا جائے۔ اُس نے اپنے مکان کو اپنی ذات سے عزت بخشی اور اپنے آپ کو بلند خیالی سے معزز کیا۔ وہ اِس دنیا میں رہتے ہوئے کسی اور

www.iqbalkalmati.blogspot.com

دُنیا میں رہتا ہے۔ پست خیال اِنسان اپنے وجود کو پالتا ہے اور بلند خیال اِنسان اپنے وجود کو اُجالتا ہے۔ وہ خود سوزِ دوام کے سفر پر رہتا ہے۔

پست خیال اِنسان' آکاس بیل کی طرح خود پھیلتا ہے اور دُوسروں کو پھیلنے سے روکتا ہے۔ وہ دُوسروں کو اُن کے حقوق سے محروم کر کے اپنے نفس کی تسکین چاہتا ہے۔ بلند خیال اِنسان شمع کی طرح جلتا ہے اور روشنی دیتا ہے۔ جلتا ہے، روشن رہتا ہے۔ بلند خیالی روشنی ہے۔ وہ روشن رہتا ہے، روشن کرتا ہے اور پھر اپنے اصل کی طرف یعنی نور کی طرف رجوع کر جاتا ہے۔ اُس کی زندگی دُوسروں کے لیے اور دُوسروں کے دُکھ اپنے لیے۔ وہ بلند خیال ہے۔ پست خیال کو ہم خیال بنانا اُس کا دِین ہے، اُس کا مذہب ہے، اُس کا منصب ہے۔

ہر پست خیال' خود غرض ہوتا ہے اور ہر بلند خیال' بے غرض۔ بہر حال حصول اور وصول کی تمنا اِنسان کو پستی میں جکڑ دیتی ہے۔ پست اِنسان سے اگر اللہ پوچھے کہ تم کو بہشت میں بھیجوں یا دوزخ میں تو فوراً کہہ اُٹھے گا ...... ''جناب! جہاں دو پیسے کا فائدہ ہو' وہیں بھیج دو''...... ''فائدہ'' پست اِنسان کا پسندیدہ شغل ہے۔ وہ ہر بات میں فائدہ تلاش کرتا ہے۔ ہر کام میں فائدہ۔ وہ فائدے حاصل کرتا رہتا ہے اور زندگی ضائع۔ فوری فائدہ اُس کو اصل فائدے سے متعارف ہی نہیں ہونے دیتا۔ اصل فائدہ ...... زندگی آسان ہو، سادہ ہو، پُرسکون ہو، اندیشوں سے آزاد ہو، دشمنوں سے نجات ہو، زندگی بھی آسان ہو اور موت بھی آسان' یہ زندگی بھی آسان اور وہ زندگی بھی آسان۔ پستی' افکار' مابعد کو فراموش کر دیتی ہے۔ انسان اپنا مستقبل محفوظ کرنا چاہتا ہے لیکن مستقبل قریب یعنی اپنے ہونے تک کا مستقبل...... حالانکہ اُس کا مستقبل، اُس کا قریب کا مستقبل، اُس کا مابعد، قریب کا مابعد' اُس کی اولاد بھی ہے۔

اولاد بھی اِنسان کا مابعد ہے' قریب کا مابعد۔ بلند خیال اِنسان اپنے اِس مابعد کو بھی توجہ دیتے ہیں۔ یہ درست ہے کہ بلند خیال یا بلندیٔ خیال یا رفعتِ خیال وراثت نہیں چھوڑتا' لیکن بلند فکری کا اصل نقطہ اصلاحِ فکر ہے۔ صاحبِ خیال اپنی اولاد سے مقابلہ نہیں کرتا' حصولِ اشیاء کا مقابلہ۔ وہ اپنی اولاد کو دعوتِ نگاہ دیتا ہے۔ دعوتِ خیال دیتا ہے۔ اولاد کو اُس کی فطری صلاحیتوں کو بیدار کرنے میں مدد دیتا ہے۔ اگر بیٹا' باپ کی فکر، باپ کے تخیل اور باپ کے حُسنِ خیال کا شاہد نہ ہو' تو دونوں کا مابعد خطرے میں ہے' لیکن ایک استثناء کے ساتھ، اگر باپ نوحؑ ہو تو بیٹا...... باپ کے حسنِ خیال سے محروم بیٹا...... طوفان کی نذر ہو گا۔ باپ کی دُعا اُسے بچا نہیں سکتی۔ اگر بیٹا ابراہیمؑ ہو تو اپنے حسنِ خیال کے وثوق سے باپ کو دعوت دے اور اِنکار کی صورت میں صنم خانہ آذری تباہ و برباد ہو جائے۔

بہر حال حسنِ خیال' دعوتِ خیال ہے اور یہ دعوت' محبت اور ہمدردی سے دی جاتی ہے۔ لوگوں کو آنے والے زمانوں کی طرف اِشارے کیے جاتے ہیں۔ گزرے ہوئے زمانے دُہرا کر سنائے جاتے ہیں۔ لوگوں کو ہوس پرستی اور ذات پرستی یعنی خود پرستی کے خوف ناک نتائج سے آگاہ کرنا' بلند نظری کا مطمحِ نظر ہوتا ہے۔ غیروں کو محبت سے دعوت دی جاتی ہے۔ اپنوں کو صرف اطلاع ہی کافی ہے...... اور اگر اپنے قبول نہ کریں تو اپنے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

..... کیسے اپنے! جدا کر دیئے جاتے ہیں!! بہر حال بلند خیالی کی بات ہو رہی ہے۔ بلند خیالی کی وضاحت کیا ہے؟ وہ کیا شے ہے' جسے بلند خیالی کہا جا سکتا ہے؟

کیا بلند خیالی یہ ہے کہ زمین پر بیٹھ کر آسمان کی باتیں سوچی جائیں؟ نہیں قطعاً نہیں۔ بلکہ اِس کے برعکس' بلند خیالی یہ ہے کہ زمین پر بیٹھ کر یہ نہ بھولنا کہ ہم زمین پر بیٹھے ہیں اور زمین پر بیٹھنے والے' خواہ کتنا ہی اکڑ اکڑ کر چلیں' آخر زمین کے اندر سما جاتے ہیں۔ مطلب یہ نہیں کہ ہم زمین پر چلنا چھوڑ دیں' اِس لیے کہ اس کے اندر سما جانا ہے' نہیں قطعاً نہیں۔ صاحبانِ خیال اپنے اعمال کا خیال رکھتے ہیں۔ وہ اُتنا بوجھ اٹھاتے ہیں' جس سے سفر آسان رہے۔ ہر شے ہر وقت حاصل کرنے کی تمنا' لا حاصل ہے۔ رفعتِ خیال' ایثار میں پلتی ہے۔ ایثار' دراصل فروغِ خیال کا واحد ذریعہ ہے..... مجبوری ہے۔

مجبوری یہ ہے کہ رفعتِ خیال' خوش خیالی یا خوش فہمی نہیں۔ رفعتِ خیال اظہار میں ضرور آتی ہے اور اِس اظہار سے لوگوں کے لیے منفعت ہے۔ صاحبِ خیال کے لیے خیال صرف سوز ہے، وجدان ہے۔ خیال' خیال نہیں ہے' جذبہ ہے۔ سورج کے پاس دُنیا کے لیے روشنی ہے، اپنے لیے آگ..... آگ ..... الاؤ..... تپش ..... سوز ..... جلنا اور مسلسل جلنا!..... تو مجبوری یہ ہے کہ اگر اِنسان بخیل ہو تو اُسے رفعتِ خیال کیسے مل سکتی ہے۔ اُسے سورج کون بنائے گا' جو روشنی دینے سے اِنکار کرے۔ مزاج میں سخاوت اور ایثار نہ ہو' تو کبھی رفعتِ خیال نہیں مل سکتی..... رفعتِ خیال اپنے پاس رہے' تو خیال نہیں رہتا۔ اپنا خیال' دینے سے اپنا کہلاتا ہے۔

مجبوری یہ ہے کہ زندگی کے تمام اثاثوں میں، تمام خوبیوں میں، تمام حاصل میں سب سے قیمتی، سب سے اعلیٰ شے، حسنِ خیال ہے۔ جو شخص کسی کو اپنا مال' جو خیال کے مقابلے میں کم تر اَثاثہ ہے' نہیں دے سکتا' وہ کسی کو بلند خیالی کیسے دے گا؟..... اور بلندیٔ خیال نہ دینے والا' بلندیٔ خیال رکھ نہیں سکتا' یعنی جس کے مزاج میں دینا نہیں ہے' اُس کے نصیب میں بلند خیالی نہیں۔ تم مال تقسیم نہیں کرتے' خیال کیسے بانٹو گے؟..... یہی مجبوری ہے اور اس کا علاج یہ ہے کہ اپنے حاصل کو تقسیم کرو، اپنے حال میں شریک کرو، اپنے آپ کو دُوسروں کے لیے سمجھو..... یعنی جو تم نے دیا' وہ تمہاری بلندی ہے۔ جو تم لیتے ہو، جمع کرتے ہو، جس کا اپنی ذات تک استعمال رکھتے ہو، جس پر مغرور ہو، جس حاصل سے لوگوں کو افسردہ کرتے ہو، جس مرتبے سے اُنہیں ڈراتے ہو، جس علم کے ذریعے لوگوں کو پریشان کرتے ہو' سب خود غرضی ہے' سب پست خیالی ہے..... کیونکہ بلند خیالی ایثار ہے۔ روشنی دینا' اور آگ میں جلنا ..... بلند خیال لوگ' فطرت کے انوکھے شاہکار ہیں۔ اُن کو الگ رازِ ہستی ملا۔ اُن کو نئے معنی ملے زندگی کے۔ اُن کو حاصل اور محرومی کے نئے رُخ سے آشنائی ہوئی۔ بلند خیال' کامیابی اور ناکامی کے مفہوم' حقیقی مفہوم سے آشنا ہوتے ہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ کسی مقصد میں کامیاب ہونا' زندگی کی کامیابی تو نہیں۔ گناہ میں کامیابی' زندگی میں ناکامی ہے۔ ایک سخی غریب' صاحبِ خیال ہو سکتا ہے اور ایک بخیل امیر' ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محرومِ خیال..... بہر حال رفعتِ خیال کی تمنا ہو تو مال اور مرتبے کی آرزو سے نجات ضروری ہے۔ لذتِ وجود سے گریز کرنے والے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

رفعتِ خیال سے آشنا کرائے جاتے ہیں ۔ دُوسروں کے دَرد کو اپنا دَرد سمجھنے والوں کو بلند خیال عطا کیا جاتا ہے۔ خدمت انسانیت کے مخلص جذبے کو فطرت خود خیال کے زیور سے آراستہ کرتی ہے۔ بلند خیالی انسان کا وہ حاصل ہے' جو کوشش سے نہیں' نصیب سے ملتا ہے۔ بلند خیال انسان' خاک نشیں ہو' تب بھی عرش نشیں ہے۔ رفعتِ خیال چونکہ عطا ہے' اس لیے صاحبِ خیال ہمیشہ عطا ہی کرتا ہے۔ اگر کمائی ہوتی 'تو ہمیشہ سنبھال کر رکھی جاتی۔ اور سامان ہوتا 'تو سجایا جاتا...... اگر مرتبہ ہوتا 'تو لوگوں کو ڈرایا جاتا...... لیکن یہ تو عطا ہے...... دینے والے کا عمل، دینے والے نے دینے کے لیے دیا۔ پس دینے والوں کو اور ایثار کرنے والوں کو بلند خیالی اس لیے ملی کہ وہ خود چراغ کی طرح جلیں اور روشنی بانٹیں۔ بخیل، مطلب پرست، طالبِ زر سوچتے جائیں کہ یہ سب کیا ہے؟ بس خیال ہی تو ہے، رفعتِ خیال ہو'تو کیا ہے؟ رفعتِ خیال'نعمتِ پروردگار ہے۔ زندگی میں حاصل ہونے والا اور زندگی کے بعد بھی رہنے والا سرمایہ' یہی رفعتِ خیال ہی تو ہے۔

✿✿✿✿✿

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بارِ تسلیم

ایک محدود اور مختصر زندگی میں اِنسان کس کس کی لاج نبھائے۔ سب واجبُ الاحترام ہیں۔ سب لائقِ تعظیم ہیں۔ سب صاحبِ ارشاد ہیں۔ سب قابلِ تقلید ہیں' لیکن مجبوری تو یہ ہے کہ عرصۂ حیات ہی قلیل ہے۔ اِس میں اِتنی تسلیمات اور اِتنی اطاعتوں کا پورا ہونا ممکن ہی نہیں۔ ہم پر کثرتِ قائدین کا خوفناک تسلّط ہے۔ کثیر المقصدیت کا شدید دباؤ ہے۔ ہم پر اعصاب شکنی کی وبا نازل ہو چکی ہے۔ مجبوریوں کے حِصار میں جکڑے ہوئے اِنسان پر اطاعتوں کی یلغار ہے۔ اِنسان جائے تو کہاں جائے!

اللہ کے احکامات ہی لیجیے۔ اللہ کے احکام تو بس اللہ کے احکام ہیں۔ اِرشاداتِ باری تعالیٰ ایک زندگی کے لیے بس کافی ہیں۔ اوامر و نواہی کا سلسلہ سلسلہ ہائے روز و شب سے زیادہ ہے اور زندگی ہے کہ گردشِ روزگار کی چکّی میں ہے۔

آج کے دَور میں ایک انسان بے شمار طاقتوں کے سامنے جوابدہ ہے۔ وہ کرے تو کیا کرے۔ اپنی اِصلاح کی طرف توجہ کرے، اپنے باطن کی سیاہیوں کو دُور کرے، اپنے پیٹ کی آگ کو بجھائے، اپنی پیشانی کو سجدوں سے سَرفراز کرے، اپنی راتوں کو قیام و رکوع و سجود کی دولت سے مالا مال کرے...... اگر کسی طریقے سے ایسا کر ہی لے تو اُسے رَموزِ مملکت سے آشنائی کیسے ہو۔ ''درویش'' سربراہ' بالعموم مخلوق کو خالق کے حوالے کر کے اپنی عاقبت کو روشن کرتے رہتے ہیں۔ ''اللہ والے'' اکثر مخلوق سے ایسے بے نیاز سے ہو جاتے ہیں جیسے خدا نہ کرے وہ مخلوق کے خالق ہوں۔ بے نیازی خالق ہی کو زیب دیتی ہے' کیونکہ وہ کسی کے آگے جوابدہ نہیں۔ سربراہ بے نیاز ہو جائیں تو اُنہیں غافل سربراہ کہا جاتا ہے، اور غافل سُلطان' رعایا پر ایک آزمائش کی گھڑی ہوتا ہے۔

مشکل تو یہ ہے کہ خدا کو راضی کرنا الگ بات ہے اور مخلوق کو راضی کرنا اور شے ہے۔ دونوں کو بیک وقت راضی رکھنا بہت مشکل ہے۔ جب تک حالات یکساں نہ ہوں' تسلیم یکساں نہیں ہو سکتی۔ تسلیم یکساں نہ ہو' تو سلوک یکساں نہ ہوگا اور سلوک یکساں نہ ہو' تو سب کا راضی ہونا ناممکن ہے۔ نیک سربراہوں کا پریشان ہونا فطری بات ہے۔ اللہ کے احکام کی اطاعت میں پورا اُترنے کے لیے پوری زندگی بھی کافی نہیں۔

اللہ کی اطاعت کے ساتھ ساتھ اللہ کے حبیب ﷺ کی اطاعت بھی لازمی ہے۔ آپ ﷺ کا ہر عمل

www.iqbalkalmati.blogspot.com

سنت ہے اور اُس کی پیروی لازم ہے۔ ہم آپ ﷺ کے اقوال واحادیث یاد کر کے اطاعت کا فرض ادا کرتے ہیں۔ اور آپ ﷺ کا عمل ... اگر ہم آپ ﷺ کے اعمال کی اطاعت کریں تو کوئی انسان پیوند والے لباس سے زیادہ بہتر لباس زیب تن نہ کرے۔ آپ ﷺ سلطانُ السلاطین ہیں اور آپ ﷺ کی زندگی معمولی انسان سے بھی زیادہ معمولی۔ اللہ اور اللہ کے فرشتے آپ ﷺ پر دُرود بھیجتے ہیں اور آپ ﷺ فاقے سے گزر رہے ہوتے ہیں۔ آپ ﷺ نے تمام زندگی کسی انسان سے ذاتی انتقام نہیں لیا۔

ہم آپ ﷺ کی اطاعت کو جزوِ ایمان سمجھتے ہیں اور ہم آپ ﷺ کی اطاعت کا حق ادا نہیں کر سکتے۔ ہماری مختصر زندگی میں آپ ﷺ کی سیرتِ طیبہ کا علم حاصل کرنا بھی آسان نہیں۔ آپ ﷺ کی احادیثِ مُبارکہ کا علم حاصل کرنا ہمارا ایمان ہے، لیکن ہمارے لیے آسان نہیں۔ ہمیں اور بھی غم ہیں۔ ہم تسلیم کا بار کیسے اٹھائیں گے۔

اگر اللہ اور اللہ کے حبیب ﷺ کی اطاعت تک بات ہوتی تو خیریت تھی...... ہمارے لیے اور بھی فرائضِ تسلیم ہیں۔ قرآن کا علم، قرآن فہمی، قرآن دانی، جبکہ ہم عربی زبان سے اِتنے آشنا بھی نہیں۔ مختصر زندگی میں قرآنِ کریم کا علم حاصل کرنا سب کے بس کی بات نہیں۔ اپنی زندگی کو منشائے قرآن کے مطابق بسر کرنا فرض ہے، سعادت ہے، لیکن ''ایں سعادت بزور بازو نیست''۔ ہماری زندگی...... اگر اِسے ساٹھ سال ہی مان لیا جائے، تو اس زندگی میں بیس سال سے زیادہ نیند کا عالم ہے۔ اِس زندگی میں سے کچھ سال بِک جاتے ہیں۔ ہم زندگی بیچ کر زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ زندگی کا پریشر، بس پریشر کُکر ہی ہے۔ اِنسان پستا جا رہا ہے۔ ہم لوگ پُوری محنت کرنے کے بعد بھی زندگی کی ضروریات پُوری کر سکنے کے قابل نہیں ہوتے۔ ضرورت کے پاؤں، حاصل کی چادر سے باہر ہی رہتے ہیں۔

ہم لوگ ملازمتوں سے ریٹائر ہو کر اُنہی مصیبتوں میں مبتلا ہوتے ہیں، جن کے علاج کے لیے ملازمت کی تھی اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ریٹائرمنٹ کے بعد پھر کسی ملازمت کی تلاش ہوتی ہے۔ پھر کسی کرائے کے مکان کی ضرورت ہوتی ہے۔ پھر ذمہ داریوں کا بوجھ ہوتا ہے۔ حالات کا حکم نافذ رہتا ہے اور ہم اطاعت میں مصروف ہوتے ہیں۔ کس کس کا حُکم مانا جائے۔ ضرورت کا حُکم، بیماریوں کا حُکم، سماج کا حُکم اور پھر مذہب کا حُکم، اس پر مستزاد حکومت کے احکام!

بات یہاں تک ختم ہو جاتی، تو گزر ممکن ہونے کی صورت رہ جاتی...... ہم پر اور بھی اطاعتیں واجبُ الادا ہیں۔ صحابہ کرامؓ کے ارشادات ہمارے لیے مینارۂ نور ہیں۔ ہم جان پر کھیل کر بھی اُن کی اطاعت کریں گے۔ آئمہ کرام کی اطاعت، فقہ کی اطاعت، اور پھر اولیائے کرام، علمائے حق کے ارشادات ہمارے لیے جادۂ حق کے روشن سنگِ میل ہیں۔ ہم اطاعت پر مجبور ہیں اور اِس مجبوری پر مسرور ہیں۔ اِتنی مجبوریوں میں اور بھی آوازیں شامل ہو جاتی ہیں۔ اِقبالؒ کے اِرشادات، کبھی اپنے من میں ڈوب جانے کا حُکم، کبھی زمان ومکاں توڑ کر نکل جانے کا حُکم! اقبالؒ کی اطاعت ہم فرزندِ اقبالؒ سے زیادہ تو نہیں کر سکتے۔ الحمدُ للہ بچت کی راہ ابھی باقی ہے۔ ورنہ اقبالؒ آشنائی کے فرض سے کوتاہی کے اِحساس سے شرمندگی میں ڈوب کر مر جانے کا مقام پیدا ہونے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کا اندیشہ تھا۔ ہمیں اقبالؒ سے محبت ہے، ضرور ہے، لیکن اِتنی محبت تو ممکن ہی نہیں جتنی اولاد کو باپ سے ہو سکتی ہے۔ ہم عظیم اِنسان کے نام لیوا ہیں۔ اُس کے وارث تو نہیں۔ تسلیم کا بوجھ اُتنا اُٹھائیں گے، جتنا ہمارے حِصّہ میں آیا!

ہم پر قائداعظمؒ کے اِرشادات کی تسلیم کا حق ادا کرنے کا فریضہ عائد ہوتا ہے۔ قائداعظمؒ کا ہر قول ہمارے لیے قولِ سدید ہے۔ قائداعظمؒ کی زندگی بھی ہمارے لیے ایک عملی نمونہ ہے۔ اُس کا اِسلامی تشخص بھی ہمارے لیے نمونہ ہے۔ جتنا اِسلامی عمل قائداعظمؒ اور اقبالؒ کے پاس تھا، بس اُتنا ہی اِسلامی عمل ہمیں منظور ہے، لیکن ہمارے علما اُتنے عمل سے راضی نہیں ہوتے۔

سوال یہاں سے شروع ہوتا ہے کہ ایک زندگی میں، ہم کِس کِس کی زندگی کو نمونہ مانیں اور ایک دماغ سے کِس کِس کی بات کو قولِ فیصل مانیں اور ایک دِل سے کِس کِس سے محبت کریں۔ ہمارے لیے تسلیم کا بار، بارِ گراں ہے۔

اگر ہم اللہ کے محبوب ﷺ کی اطاعت ہی اپنے لیے فرض سمجھ لیں تو بھی کسی اور کا کچھ بھی فرمایا ہوا ہمارے لیے قابلِ تقلید کیوں ہو...... ہُوا کرے کوئی، جو بھی ہو...... اِبنِ مریمؑ ہی سہی۔ ہم ٹھہرے غلامانِ رسول ﷺ ہم پر کوئی اور اطاعت مسلط ہو، تو کیوں ہو۔ ہمارا یہ سوال ہے منکرینِ اِسلام کی خدمت میں......!!

✿✿✿✿✿

www.iqbalkalmati.blogspot.com

معمولی بات

معمولی باتیں بڑے غیر معمولی نتائج برآمد کرتی ہیں۔ کبھی کبھی ایک چھوٹی سی بات اتنی بڑی بات ہوتی ہے کہ اُسے دانائی اور رعنائی خیال کی اِنتہا سمجھ لیا جاتا ہے۔ اگر چھوٹی بات کو چھوٹا نہ سمجھا جائے' تو کوئی بڑی بات بڑی نہ رہ جائے۔

چھوٹے کاموں کو بڑی احتیاط سے کرنے والا اِنسان کسی بڑے کام سے کبھی مرعوب نہیں ہوتا۔ چھوٹے انسانوں سے محبت کرنے والا، اُن کا ادب کرنے والا، اُن سے برابر کا سلوک کرنے والا' کسی بڑے سے بڑے شہنشاہ سے نہیں ڈرتا۔ ''معمولی انسان'' سے محبت 'غیر معمولی اِنسان کا ڈر نکال دیتی ہے۔ ایک سجدہ حاصل ہو جائے' تو ہزار سجدوں سے نجات حاصل ہو جاتی ہے۔

دُنیا کے عظیم اور غیر معمولی واقعات کی بنیاد میں اکثر اوقات معمولی اتفاقات نظر آئیں گے۔

ایک انسان نے دُوسرے کو دیکھا۔ معمولی سی بات تھی۔ ایسے اکثر ہوتا رہتا تھا' مگر اِس دفعہ ایک انسان کو دُوسرے کے چہرے میں کچھ اور ہی نظر آیا۔ معمولی سی بات ہے نظر کا ملنا' اور پھر دل کا دھڑکنا' اور پھر کائنات کا رنگ و نور میں ڈھل جانا۔ غرضیکہ بے شمار غیر معمولی واقعات پیدا ہو جاتے ہیں۔ فوجیں لڑ جاتی ہیں، تخت چھن جاتے ہیں، ملک آباد یا برباد ہو جاتے ہیں۔ آنکھیں کتنی ہی آنکھوں کو خون کے آنسو دے جاتی ہیں۔ قلوپطرہ کی ناک' قدیم مصری اور یونانی تہذیب میں بڑے غیر معمولی نتیجے برآمد کرتی رہی ہے۔

معمولی سے پرندے ہُدہُد کی اطلاع سے ایک غیر معمولی، عظیم پیغمبر حضرت سلیمانؑ کے دربار میں کتنے ہی غیر معمولی واقعات پیدا ہو جاتے ہیں۔ ارادہ ہی عمل بن جاتا ہے۔ خواہش اور حاصل میں فاصلے مٹ جاتے ہیں۔ علم والے ایسے علم کا اظہار کرتے ہیں کہ دُور کا نظارہ اُڑتا ہوا پاس آجاتا ہے۔ ہُدہُد نے ہلچل مچادی۔ معمولی نے غیر معمولی کی راہ دکھادی۔

ایک معمولی اِنسان جس کا نام ''دِھیدو'' تھا' ایک بستی میں ایک لڑکی سے ملا...... گاؤں اور شہروں کی زندگی میں ایسے ہوتا ہی رہتا ہے۔ معمولی سی بات ہے' لیکن اِس معمولی واقعے کو ایک غیر معمولی شاعر مل گیا...... وارث شاہؒ نے معمولی کو کہاں سے کہاں پہنچادیا۔

وارث شاہؒ کے اپنے عرفان نے ہیر رانجھے کے قصے کو راہِ سلوک بنا دیا۔ ہیر کو پر لگ گئے، رانجھے کو

www.iqbalkalmati.blogspot.com

رفعت خیال کے گھوڑے پر سوار کرا دیا گیا۔ شاعر نے حُسنِ بیان کی وہ گُل کاریاں کی ہیں کہ بس یہ اُسی کا حصہ ہے۔ جس طرح لوگ مثنوی کو ''قرآں در زبانِ پہلوی'' کہتے ہیں' اُسی طرح عشاقِ وارث شاہؒ اِس کتاب کو قرآن کی طرح حفظ کرتے ہیں۔ اِس کی بڑے اہتمام سے ''تلاوت'' کرتے ہیں۔ صحیح یا غلط' اِس سے بحث نہیں۔ بات یہ ہے کہ معمولی سے کتنا غیر معمولی نتیجہ نکلا۔ آج ہمارے سکالر ہیر رانجھا پر مقالے لکھتے ہیں' ڈاکٹریٹ کرتے ہیں۔ نہ ہیر ڈاکٹر' نہ رانجھا پروفیسر' نہ وارث شاہؒ صدر شعبہ۔ بس اِن پر مقالہ نگار ڈاکٹر۔ کتنے بڑے امکانات پیدا کیے ایک چھوٹے سے واقعہ نے کہ ''دِھید و رانجھا'' گھر سے بھاگ گیا۔ بس وہ گھر سے نکل کے ادب کے گھر میں جا پہنچا۔ عرفان کے گھر میں داخل ہو گیا۔ نصیب کی منزلوں کا سفیر ہوا۔ آج وہ ایک بہت بڑی روحانی علامت ہے۔

کیا فطرت اپنے غیر معمولی واقعات کو معمولی تعارف سے شروع کرتی ہے؟ غالباً ایسے ہی ہے۔ ایک بچّے نے خواب دیکھا۔ باپ نے کہا ''بیٹا! اپنا خواب بھائیوں کو نہ سُنانا'' بھائی سُن گئے۔ بس پھر واقعات شروع ہو گئے۔ قرآن کریم میں اِس واقعے کو بہت ہی اَحسن کہا گیا۔ معمولی سی بات تھی... خواب' غیر معمولی نتیجہ مصر کی بادشاہی' پیغمبری اور قرآن میں تذکرہ' اور دُنیا میں ایک عظیم مثال... حُسنِ یوسفؑ' اور پھر علامت برادرانِ یوسفؑ... اِتنے اپنے اور اِتنے بیگانے۔

بہر حال یہ دنیا اکثر عظیم واقعات کے پسِ پردہ ایک معمولی سا راز رکھتی ہے۔ وہ راز امرِالٰہی ہو سکتا ہے۔ کچھ بھی ہو' دیکھنے میں معمولی اور سمجھنے میں بڑا غیر معمولی۔

تاریخِ ہند میں ایک کبوتر کے بعد دوسرے کبوتر کا اُڑنا' حُسنِ معصوم کی ادائے دلفریب کے طور پر آج بھی تاریخ کے طالب علموں کے لیے لُطف کا باعث ہے۔ کچھ لوگ کبوتر کے اُڑنے کو علامت کے طور پر ہی لیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں' چلو ایک کبوتر تو اُڑا' سو اُڑا۔ خدا کے لیے دوسرا کبوتر ہاتھ سے نہ چھوڑ دینا' ورنہ تاریخ ختم ہو جائے گی۔

دُنیا میں ہونے والے ایسے معمولی واقعات' جن کا نتیجہ بہت ہی غیر معمولی تھا' بے شمار ہیں۔ سب سے اہم معمولی واقعہ بس مکڑی کا کمزور جالا تھا' کتنا معمولی سا واقعہ! کھوجی کہتا ہی رہ گیا کہ اسی غار میں ہیں وہ جن کی تلاش ہے..... مگر کیسے! مکڑی کا کمزور جالا ایک قوی دلیل بن کر آڑے آیا اور پھر معمولی سے واقعہ نے غیر معمولی انسان کی غیر معمولی حفاظت کا سامان پیدا کر دیا۔

یہی نہیں' ایک بار پھر ... آپ ﷺ کے خلاف سازش موجود ہے اور آپ ﷺ سے درخواست بھی کی گئی کہ آپ ﷺ سازشی کے گھر تشریف لائیں لیکن آپ ﷺ نے اتنا اہم فیصلہ' اُونٹنی کی مرضی پر چھوڑ دیا۔ آپ ﷺ تو معمولی باتوں کے راز جاننے والے تھے۔ اُونٹنی کا فیصلہ تو وہی ہونا تھا جو اللہ کا امر تھا۔

غیر معمولی لوگ معمولی باتوں سے ہی راز آشنا ہوتے ہیں۔ ایک آدمی نے جنازہ دیکھا' پوچھا ''یہ کیا ہے؟'' اُس کے درباریوں نے کہا ''جہاں پناہ! یہ جنازہ ہے' مرنے والے کا آخری سفر اور یہ ہر آدمی کے ساتھ

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہوتا ہے۔'' گوتم بدھ نے کہا'' ارے یہ ہر آدمی کے ساتھ ہوتا ہے تو تم لوگ اتنے بے حس کیوں ہو۔ آخری بات سے پہلے کوئی اور بات ضرور ہو گی۔ اُسے دریافت کرنا چاہیے۔'' وہ تخت چھوڑ جنگل کو نکل گیا۔ راز آشنا ہو گیا۔ اُس نے معمولی واقعہ سے غیر معمولی بات حاصل کر لی۔

ہمارے ہاں بھی بڑی معمولی باتیں ہو رہی ہیں۔ بس اِن کا غیر معمولی نتیجہ سمجھنے والا ہی کوئی نہیں۔ اسلام کے نفاذ میں معمولی سی تاخیر، جمہوریت کے معمولی سے قافلے، معمولی سی بداعتادیاں اور معمولی سی غفلتیں، افغانستان کے معمولی سے جہازوں کا معمول، قوم کے اندر معمولی سا انتشار...... اور ایک معمولی سا تغافل...... کہیں کسی غیر معمولی واقعے کی نشاندہی نہ ہو۔ دوسرا کبوتر اڑانے کی تاریخ نہ دہرائی جائے۔ معمولی باتوں کو معمولی نہ سمجھا جائے!!

www.iqbalkalmati.blogspot.com

گمانوں کا لشکر، یقین کا ثبات

اللہ نے یتیم کو کھانا کھلانے کا حکم دیا ہے۔ ہم یہ نہیں پوچھ سکتے کہ اللہ نے اُسے یتیم ہی کیوں کیا ہے۔ اللہ اُسے خود ہی کیوں نہیں کھانا عطا کرتا۔ شکوک وشبہات کی دنیا میں سوال ابھرتے ہیں۔ یہ کیوں‘ ایسا کیوں نہیں‘ ایسے ہونا چاہیے تھا۔

یقین سے محروم انسان صرف سوال ہی کرتا رہتا ہے کہ اللہ نے یہ کیوں کیا‘ ایسے کیوں نہیں۔ صاحبِ یقین یتیم کو کھانا کھلاتا ہے اور اسے اپنے لیے سعادت سمجھتا ہے۔ عقیدے کو ثابت نہیں کیا جا سکتا‘ اسے تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ اللہ کا ثبوت اپنی ہی پیشانی میں ذوقِ سجدہ کی شکل میں ملتا ہے۔ اگر ذوقِ جبیں سائی نہ ہو‘ تو عقیدوں کے محل مسمار ہو جاتے ہیں۔ مابعد پر صرف اعتماد ہی کیا جا سکتا ہے، اس کی حقیقت کو ثابت کرنا مشکل ہے۔

آج کے انسان اور مسلمان کے لیے یہ مرحلہ مشکل ہے کہ وہ اپنے عقیدے کو محفوظ رکھے۔ عقیدہ قدم قدم پر ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔ ہم مانتے ہیں کہ اللہ ہی رزق دینے والا ہے۔ ہم سوچتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ رزق کی تقسیم نامنصفانہ ہے۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اللہ نے کچھ انسانوں کو صرف غریب رہنے کے لیے پیدا کیا ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ وہ اللہ جس نے سب کے لیے یکساں زندگی پیدا کی، سورج کی روشنی سب کے لیے ہے‘ سب انسانوں کو ایک ہی صورت عطا ہوئی ہو‘ پیدائش ایک جیسی اور موت بھی سب کے لیے یکساں۔ اُس کے خزانے سب کے لیے ہیں‘ لیکن معاشی ناہمواری کا سبب کیا ہے؟ کون ہے جو حق سے زیادہ حاصل کرتا ہے اور کون ہے جو حق سے محروم رہتا ہے۔

ستم کی بات تو یہ ہے کہ امیر آدمی اپنی دولت کو اللہ کا فضل بیان کرتا ہے۔ امیر انسان ناجائز ذرائع سے دولت کماتا رہتا ہے اور ساتھ ہی اعلان کرتا رہتا ہے کہ اُس کی عبادت منظور ہو گئی، اللہ نے رحم فرما دیا، وہ بڑا مہربان ہے۔ یتیم کا مال کھانے والا حج کرتا ہے اور خدا کے گھر میں داخل ہوتا ہے‘ بڑے یقین کے ساتھ۔ اللہ کا حکم نہ ماننا اور اُس کے رُوبرو ہونا‘ اُس کے ذو بدو ہونے کے برابر ہے۔ امیر آدمی کا غلط یقین‘ غریب انسان میں وسوسہ پیدا کرتا ہے۔ غریب سے عبادت کی دولت بھی چھن جاتی ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ اللہ تو بس امیر کا اللہ ہے، امیر کی نافرمانیوں کو سزا دینے کی بجائے اُنہیں انعام دیتا ہے۔ غریب کو صرف غریبی برداشت کرنے کا درس دیا جاتا ہے۔ یہاں سے عقیدے میں دراڑ پڑتی ہے۔ امیر کی دولت اور دولت کی نمائش غریب کو اللہ کی رحمت

www.iqbalkalmati.blogspot.com

سے مایوس کر دیتی ہے۔ یقین عقیدہ پختہ ہو تو انسان ہر حال سے گزر جاتا ہے، وہ مایوس نہیں ہوتا۔

گمانوں کی تاریک راتوں میں یقین کے چراغ جلتے ہی رہتے ہیں۔ دولت مند انسان میں اگر خوفِ خدا نہ ہو تو اس کی عاقبت فرعون جیسی ہوتی ہے۔ غریب کا یقین محفوظ رہے تو اس کے لیے رحمتیں ہیں۔ رزق صرف پیسہ ہی نہیں ہے ایمان بھی رزق ہے۔ مال فنا ہو جاتا ہے لیکن ایمان قائم رہتا ہے ہمیشہ کے لیے۔

اللہ کو ماننے والے ہر حال میں راضی رہتے ہیں۔ وہ صحت اور بیماری دونوں میں اللہ کو یاد کرتے ہیں۔ صاحبِ یقین ہر حال میں صاحبِ یقین ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اِس دُنیا میں اللہ کریم نے ہر رنگ کے جلوے پیدا فرمائے ہیں۔ امیر کے لیے الگ بیماریاں ہیں۔ اُس کے الگ اندیشے ہیں۔ اُس کی عاقبت الگ مخدوش ہے۔ غریب انسان کے لیے غریبی باعثِ ندامت نہیں۔

امیر غریب کی بحث نہیں' ہر انسان بیک وقت امیر بھی ہے اور غریب بھی۔ جو اپنے نصیب پر خوش ہو' وہی خوش نصیب ہے۔ جس انسان کی آرزو حاصل سے زیادہ ہو' وہ غریب ہی ہے۔ دیکھنے والی بات صرف اتنی ہے کہ کون اپنے حال پر مطمئن ہے۔ کون ہے' جو اپنی حالت پر راضی ہے۔ کون ہے' جو اپنے ماحول میں صاحبِ یقین ہے۔ کون ہے' جو گمانوں کے لشکر میں گھرا ہے۔ کس کا دِل اُس کی یاد سے آباد ہے۔ کون ہے' جو عارضی زندگی پر مغرور ہے۔ کیا صرف دولت ہی نے انسان کو اپنے رب کے سامنے مغرور کر رکھا ہے۔ امیر' غریب ختم نہیں ہو سکتے۔ عقیدے کے قیام کے ساتھ بھی یہ طبقے قائم رہتے ہیں۔ زکوٰۃ دینے والا تب ہی ہے' جب لینے والا ہو۔ قابلِ غور بات یہ ہے کہ کون ہے' جو امیر ہو کر خوفِ خدا رکھتا ہے اور کون ہے جو غریبی میں یقین کی دولت سے مالا مال ہے۔ تخلیق میں رنگینی اور حُسن اِسی وجہ سے ہے کہ کوئی کسی کے برابر نہیں۔ کوئی کسی کے برابر نہیں ہو سکتا۔ کوا کوا رہے گا اور مور مور۔ اچھا امیر بھی بہت اچھا ہے، بُرا غریب بھی بہت بُرا۔ اللہ کے ہاں تقویٰ کی عزت ہے۔

یہ کتنے غور کی بات ہے کہ جس انسان پر اللہ درود بھیجتا ہے' اُس کو یتیمی اور غریبی سے گزرنا پڑا۔ عجب بات ہے کہ نبیوں کے نبی ﷺ ہیں' پیغمبروں کے پیغمبر ﷺ دُنیا کے ہر انسان سے زیادہ معزز ہیں اور وادیٔ طائف سے زخمی ہو کر نکلے ہیں اور اللہ آپ ﷺ کے ساتھ ہے۔ بات تقرب کی ہے' تعلق کی ہے' ثروت و دولت کی نہیں۔ اگر گھر میں چراغاں ہو اور دل میں تاریکی' تو کیا حاصل۔ اگر غریبی میں سرمایۂ یقین مل جائے' تو ایسی غریبی پر ہزار خزانے قربان۔

آج کا دَور سائنس اور فلسفے کی وجہ سے بے یقینی کا شکار ہے اور نتیجہ یہ ہے کہ کثرتِ مال کے اندر تنگیٔ حال موجود ہے۔ اِنسان کو غافل کر دیا ہے' کثرتِ مال نے' حتیٰ کہ وہ قبر میں جا گرتا ہے اور پھر اُن مسرتوں پر افسوس ہوتا ہے' جو غریب کو اُس کے حق سے محروم کر کے حاصل کی گئیں۔

آج کا ذہن شبہات کی آماجگاہ ہے۔ شکوک پرورش پا رہے ہیں' گمان پل رہے ہیں۔ دِل سوز سے خالی ہو گیا ہے۔ اِنسان خدا سے دُور ہوتا جا رہا ہے' کیونکہ وہ دولت کے دیوتا کا پجاری ہے۔ کوئی انسان دو

www.iqbalkalmati.blogspot.com

آقاؤں کا غلام نہیں ہو سکتا۔ آج کا انسان کئی آقاؤں کا غلام ہے۔ دولت کا غلام' اسلحے کا غلام' جمہوریت کا غلام' ہر خواہش کا غلام۔ انسان اپنی آرزو کے آگے سجدہ کرتا ہے' خدا کے آگے نہیں جھکتا۔ وہ ایک سجدہ جو ہزار سجدوں سے نجات دلاتا ہے' آج کے انسان کو حاصل نہیں ہوا۔

لاکھوں مساجد میں صبح شام' دن رات' لاؤڈ سپیکر پر اسلام پھیلایا جا رہا ہے اور تاثیر کا یہ عالم ہے کہ معاشرہ پراگندہ ہے۔ کیا نہیں ہو رہا۔ کیا نہیں ہو چکا۔ مبلغ یقین سے محروم ہو' تو تبلیغ تاثیر سے محروم ہو جاتی ہے۔ آج بے یقینی ایک وبا کی صورت اختیار کر گئی ہے۔ جس انسان کو اپنے آپ پر یقین نہ ہو' وہ خدا پر کیا یقین رکھے گا۔

ہم محروم ہو گئے ہیں' اُن حقیقی مسرتوں سے جو یقین اور صرف یقین سے حاصل ہو سکتی ہیں۔ جو شخص روزہ نہ رکھے' وہ عید کی مسرت کیسے حاصل کرے۔ عید کی خوشی دولت سے حاصل نہیں ہوتی' یقین سے ہوتی ہے۔ روزے کے انکاری جب عید مناتے ہیں' تو اُن کے چہرے بے نور ہوتے ہیں' اُن کے دل بے حضور ہوتے ہیں۔ روزے دار کا چہرہ تابدار ہوتا ہے' اُس کا دل حقیقی مسرتوں سے ہمکنار ہوتا ہے' اُس کا سینہ یقین سے پُرنور ہوتا ہے' اُس کی آنکھ میں سُرور ہوتا ہے' اُس کے لیے عید کی نماز سجدۂ نیاز ہے' بے نیاز کے حضور۔

دنیا کی تاریخ کا غور سے مطالعہ کیا جائے تو اس میں یقین اور شکوک کے معرکے نظر آتے ہیں۔ صاحبِ یقین آگ میں چھلانگ لگا دیتا ہے اور صاحبِ گمان دیکھ دیکھ کر حیران ہوتا ہے کہ آگ گلزار کیسے ہو گئی۔ یقین کے جلوے ایمان والوں کا اثاثہ ہیں۔

صاحبِ یقین خوف وحُزن سے آزاد ہے۔ اسے نہ آنے والے کا ڈر ہے' نہ جانے والے کا ملال۔ وہ صرف اپنے مالک کے عمل کو دیکھتا ہے۔ دیکھتا ہے اور خوش ہوتا ہے۔ وہ شکر کرتا ہے کہ اسے شکر کرنے والا بنایا گیا۔

صاحبِ یقین خرد کی گتھیاں بھی سلجھاتا ہے اور گیسوئے ہستی بھی سنوارتا ہے۔ صاحبِ گمان اپنے وسوسوں کی نذر ہو جاتا ہے۔ اسے نہ یہ زندگی راس آتی ہے' نہ وہ زندگی' جس کے بارے میں اسے شک ہے۔ وہ اندر سے ٹوٹتا رہتا ہے اور پھر شکستہ جہاز کو کوئی ہوا بھی راس نہیں آتی۔

یقین کی طاقت پتھروں سے نہر نکالتی ہے۔ موت سے زندگی نکالتی ہے۔ یقین کچے گھڑے کو پکا رنگ دیتا ہے اور گمان محلات میں رہ کر لرزتا ہے' خوفزدہ ہوتا ہے' سراسیمہ رہتا ہے۔

یقین کے ساتھ اللہ ہے اور گمان کے ہمراہ شیطان۔ آج کی دنیا میں صاحبِ کرامت ہے وہ انسان' جو صاحبِ یقین ہو۔ آج کے دور کی آگ سرمایہ پرستی کی آگ ہے' ہوس پرستی کی آگ ہے' خود پرستی کی آگ ہے۔ آج کا ابراہیم وہ انسان ہے' جو اس آگ میں گلزار پیدا کرتا ہے، جس کی نگاہ خیرہ نہیں ہوتی، جس کی آنکھ میں یقین کے جلوے ہیں، جس کے دل میں اعتماد ہے اُس ذات پر' جو اس کی مسجود ہے' اس کی محبوب ہے' جو ہمہ حال موجود ہے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہم من حیث القوم بھی یقین سے محروم ہوتے جا رہے ہیں۔ ہم میں بلند فکری کا فقدان ہے اور نتیجہ یہ ہے کہ ہم آپس میں بحث مباحثہ کرتے ہیں' الجھتے ہیں۔ صوبوں کی بحث ہے' زبان کی بحث ہے۔ اقتدار کی ہوس نے ہمیں یقین سے محروم کر دیا۔ ہم کوشش کو ہی سب کچھ سمجھ بیٹھتے ہیں۔ نصیب پر اعتماد نہیں۔ گدھا ہزار کوشش کرے' گھوڑے کا نصیب نہیں حاصل کر سکتا۔ ہم دوائی کو صحت سمجھتے ہیں اور صحت کو زندگی کا دوام۔ ہم بھول جاتے ہیں کہ اس فنا کے دیس میں کسی چیز کو قیام نہیں۔ نہ صحت ہمیشہ رہ سکتی ہے' نہ زندگی۔ ہمیں یقین کیوں نہیں آتا۔ ایک عارضی' مقرر شدہ قیام کے بعد نہ فرعون رہ سکتا ہے' نہ موسیٰ"۔ نہ کمزور ٹھہر سکتا ہے' نہ توانا۔ ہم اُس زندگی کے لیے جوابدہ ہیں جو ہمیں ملی۔ ہم دوسروں کے جوابدہ نہیں ہیں۔ کوئی کسی کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔ کسی سے وہ سوال نہیں ہوگا' جو اُس سے متعلق نہ ہو۔ ہمیں اپنی پیشانی اور اپنے مسجود سے غرض ہے۔ اپنے ایمان اور اپنے یقین سے کام ہے۔

ہمیں اپنے وسوسوں سے نجات چاہیے۔ ہمیں اپنے دل سے اپنے عقیدے پر اعتقاد کرنا ہے۔ خدا سے دولتِ یقین کا سوال کرنا ہے۔ الٰہی! ہمیں پھر سے وہی یقین دے۔ ہمیں پھر سے اپنا بنا۔ ہمیں پھر وہی جلوے دکھا۔ ہمارے دلوں کو پھر سے نورِ ایمان عطا کر۔ ہمیں ہمارے گمانوں سے بچا۔ ہم شبہات کی دلدل میں پھنس گئے ہیں۔ ہم شکوک کے تاریک راستوں پر آ نکلے ہیں۔ الٰہی! ہمیں عطا کر' پھر سے کوئی صاحبِ یقین راہنما۔ ہم اپنی آرزوؤں کی کثرت کا شکار ہو گئے ہیں۔ یقین کی وحدت عطا فرما۔ یقین کبھی متزلزل نہیں ہوتا۔ اس کے پاؤں ڈگمگاتے نہیں۔ اُس کے اعتقاد میں لغزش نہیں آتی۔ اسے کوئی دبدبہ ڈرا نہیں سکتا۔ اُسے کوئی پیشکش بہکا نہیں سکتی۔

گمانوں کے لشکر میں یقین کا ثبات ایسے ہے' جیسے یزیدی فوج کے سامنے امام حسینؓ کا ایمان' تاریکی کے حصار میں روشنی کا گلاب' یقین بے گماں کا کرشمہ' دولتِ لازوال کا معراجِ کمال۔

✿✿✿✿✿

www.iqbalkalmati.blogspot.com

مذہب

سورج سے کسی نے اُس کا مذہب پوچھا۔ وہ خاموش رہا، مسکراتا رہا۔ سوال دہرایا گیا تو سورج نے کہا ''آنکھ ملا کے سوال کرو۔'' اُس نے کہا ''تم سے آنکھ تو نہیں ملا سکتے، تم اتنے تابناک ہو۔'' سورج نے کہا ''تم خود سوچو میرا مذہب کیا ہے۔'' سائل سمجھ گیا کہ سورج کا مذہب اِسلام ہے۔ اِس کا تذکرہ قرآن میں ہے۔ پھر اُسے معاً خیال آیا کہ قرآن میں تو کفار کا بھی ذکر ہے، شیطان کا بھی ذکر ہے۔ وہ بڑا پریشان ہوا۔ اِس سوچ میں گُم ہو گیا کہ آخر سورج کا مذہب کیا ہے۔ وہ سوچ کے سمندر میں غوطہ زن تھا کہ اُسے آواز آئی' نادان! سورج کا مذہب صرف روشنی ہے، نور ہے۔ یہ مذہب اُسے فطرت نے' بلکہ فاطر نے عطا کیا ہے۔ سورج، چاند، ستارے اپنے اپنے مذہب پر کاربند ہیں۔ یہ اُن کا مدار ہے۔ اُن کے لیے مدام گردشوں کا مذہب مقرر ہو گیا ہے اور وہ کفر و اسلام کے تفرقوں سے آزاد ہیں۔ سب کے لیے یکساں ہیں، رنگ و نسل سے آزاد، عذاب و ثواب سے بے نیاز!

اُس نے سوچا کہ یہ عجیب بات ہے کہ مذہب سب کا الگ ہے اور خالق سب کا ایک ہے' تعجب ہے! ایسے نہیں ہو سکتا۔ اُس نے سوچا اور وہ سوچتا ہی چلا گیا۔ اللہ تو قادرِ مُطلق ہے، خلاّقِ عظیم ہے۔ اللہ نے ابلیس کو پہلے دن ہی ''ٹھاہ'' کیوں نہ کر دیا۔ نہ ابلیس ہوتا' نہ یہ بکھیڑے ہوتے۔ یہ رنگ رنگ کے نیرنگ، یہ فرق فرق کے فرقے، یہ عہد عہد کے معبد، یہ الگ الگ سجدے، یہ روپ روپ کے بہروپ، یہ ایک آدم اور کئی انسان، یہ ایک خدا اور اُس کی جدا جدا عطا' یہ عجیب صورت حال ہے..... مذہب اور پھر مذاہب۔ اگر سب مذاہب سچ ہیں تو مذہب کیا ہے اور اگر سب مذاہب سچ نہیں تو مذہب کیا ہے؟

مذہب کے نام پر دنیا میں کیا کیا نہیں ہو چکا۔ مذہب کی آڑ میں کیا کیا نہیں کیا جا چکا۔ مذہب کی حفاظت میں کیا کیا نہیں قربان ہوا اور پھر مذہب انسان کے ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔

لامذہب بھی اپنے لیے ایک مذہب رکھتا ہے۔ وہ اپنی ''لامذہبیت'' پر ایسے کاربند ہے' جیسے مذہب والا اپنی ''مذہبیت'' پر!

کافر خود کو اپنے کفر کا مومن سمجھتا ہے اور مومن کبھی کبھی اپنی کئی کافرانہ حرکات و عادات کو ایمان ہی کا حصہ سمجھتا ہے۔ وہ صرف لباس مذہبی اختیار کرتا ہے اور اعمال..... چلو اعمال کا ذکر چھوڑو کوئی اور بات کرو! اعمال کا ذکر کیسے چھوڑیں؟ کوئی اور بات کیسے کریں؟ مذہب گناہ کی سزا دیتا ہے، گنہگار کو اپنے دامن سے دُور نہیں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کرتا۔ یہی تو عجب بات ہے کہ مذہب بھی جاری رہے اور بُرائی بھی قائم رہے۔ بُرا انسان اچھا مذہب اختیار کر لینے کے باوجود بُرا' اور تعجب ہے کہ اچھا انسان مذہب اختیار نہ کرنے کی وجہ سے پھر بُرا۔ یہی مذہب کی آمریت ہے کہ وہ ایک غیر مُتبدل نظامِ تعزیر رکھتا ہے۔ جو مذہب کو نہ مانے' اُس کے لیے ایک جہنم، نارِ جہنم، عذاب، عبرت' مقرر ہے اور جو مذہب کو مانے اُس کے لیے ایک ایسا راستہ ہے' جس پر چلنا اُس وقت تک ممکن نہیں جب تک اللہ مدد نہ فرمائے اور اللہ کی مدد مقدر والوں کے حصے میں آتی ہے۔ آج کا انسان مذہب سے آزاد ہونا چاہتا ہے۔ کیوں؟ مذہب نے اُس کا کیا بگاڑا ہے؟ مذہب کی موجودگی میں وہ اپنے گناہوں پر ندامت کرنے پر مجبور ہے۔

وہ حرام مال کماتا ہے اور اس کی وجہ یہ بتاتا ہے کہ حلال کی کمائی ممکن نہیں ہے اور اگر ہے تو بہت کم' بلکہ کم کم اور جب وہ حرام مال گھر میں لاتا ہے تو اُسے یاد آتا ہے کہ ایک وقت آنے والا ہے کہ اِنسان سے اُس کے مال اور اعمال کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ وہ مذہبی خیال سے دُور بھاگتا ہے اور مذہب اُس کے اپنے اندر سے آواز دیتا ہے ''خبردار! تم بھاگ کے کہاں جاؤ گے۔ مَیں تمہارے ضمیر میں ہوں، تمہارے خون میں ہوں. تمہارے خمیر میں ہوں۔ غافل! بھاگنے سے کچھ نہیں ہوگا۔ ٹھہر جا اور غور کر۔ یتیم کا مال واپس کر دے۔ دیکھ! اپنے بچوں کو آگ نہ کھلا۔ یہ ناجائز کمائی تیری اولاد کے لیے آگ ہے۔ تیرے معصوم بچوں نے تیرا کیا بگاڑا ہے۔ ان معصوموں پر رحم کھا۔ انہیں عذاب کا لقمہ نہ کھلا۔ رشوت کی دولت تیرے لیے، تیری اولاد کے لیے ایک عذاب ہے۔ باز آ۔ نادان! عقل کر۔'' لیکن نادان کیسے عقل کرے۔ مذہب کیا بتائے؟

مذہب نے زندگی میں بڑے اِنقلاب بپا کیے ہیں۔ امیر آدمی کو مذہب بڑا راس آیا ہے۔ وہ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کی مہربانیاں حاصل کرتا ہے۔ مال جمع کرتا ہے اور بہت زیادہ جمع کرتا ہے۔ اللہ کا شکر ادا کرتا ہے اور صرف شُکر ہی ادا کرتا ہے' مال تقسیم نہیں کرتا۔ وہ غریبوں کو توکل کی دولت سے مالا مال دیکھنا چاہتا ہے۔ غریب کو صبر اور استقامت کا درس دیتا ہے' اُسے مال نہیں دیتا۔ وہ بیمار کے لیے دُعا کرتا ہے' اُسے دوائی نہیں دیتا اور خود بڑے بڑے ہسپتالوں میں داخل خارج ہوتا رہتا ہے۔ اُس کے جسم سے خوشبو آتی ہے۔ اُس کا لباس عطر میں ڈوبا ہے اور دِل فکر میں! اُسے معلوم ہے کہ جسے وہ مذہب سمجھ رہا ہے' وہ مذہب نہیں ہے۔ وہ مذہب کا لبادہ ہے۔ وہ جانتا ہے کہ سچا مذہب لبادے اور نقابوں سے آزاد ہے۔

آج مذہب پر گفتگو ہوتی ہے بلکہ ''گفتگوئیں'' ہوتی ہیں۔ ٹی وی پر افہام و تفہیم کے ذریعے مفہومِ دین بتایا جاتا ہے اور کسی مُبلّغ کی بات' کسی اور مُبلّغ کی بات سے ملتی نہیں۔ شاید سب سچے ہیں۔ سب سچے ہیں؟ سب کیسے سچے ہوسکتے ہیں۔ کچھ لوگ سچے ہیں اور کچھ لوگ جھوٹے۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ ایک مذہب میں کچھ لوگ سچے اور کچھ لوگ جھوٹے پھر! کیا سارے جھوٹے ہیں؟ نعوذ باللہ۔ اللہ ہمیں ہمارے نفس کے شر سے بچائے۔ ہم کیوں جھوٹ بولیں۔ آخر ایک دن ہمیں مرنا ہے اور پھر موت کا منظر مرنے کے بعد کیا ہوگا؟ اللہ کی رحمتوں اور رحمتوں والے نبی ﷺ کی رحمتوں کو ماننے والے کے لیے مرنے کا منظر اور موت کا منظر رحمت ہی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

رحمت ہے' لیکن کون مانے۔ مذہب والوں کو یہ بات کیسے سمجھ آئے!

کیا اللہ کی رحمت اُس کے غضب سے وسیع نہیں ہے؟ کیا حضور ﷺ' رحمۃ للعالمین ﷺ نہیں ہیں؟ مرنے کے بعد کا عالم' آپ ﷺ کی رحمت!

اگر رحمت اعمال کے نتیجے سے انسان کو نہ بچائے تو رحمت کا تصور کیا ہے؟ کیا اللہ معاف کرنے پہ قادر نہیں ہے؟ کیا مذہب والے اور مذہب سے انکار کرنے والے دوزخ میں کبھی اکٹھے ہوں گے؟ اگر ہوئے تو کافر مذہب والوں کا مذاق اُڑائیں گے کہ تم ہمیں کس نجات کی دعوت دیتے تھے؟ خیر چلو' اس بات پر کیا بحث۔ جو ہوگا' ہو جائے گا۔ جو کچھ کر رہے ہو' کرتے جاؤ...... بس مذہب کے نام پر ہونا چاہیے۔

ہم ایک یا کسی ایک مذہب کی بات نہیں کر رہے' ہم تو عام طور پر مذہب کی بات کر رہے ہیں۔ اگر انسان کا باطن صادق نہ ہو' تو صداقت کا مذہب اُسے کوئی فلاح نہیں دیتا۔

اگر کسی کو زندگی کی آسانیوں میں شریک نہیں کرتے' تو صرف علم میں شریک کرنے کا فائدہ؟ وہ علم تو بتاؤ جس کے ذریعے تم اِتنے امیر ہو اور تمہارا پڑوسی غریب ہے' جبکہ تم دونوں ایک ہی دفتر میں ملازم ہو، ایک ہی تنخواہ پر۔

مذہب پر بحث نہیں ہونی چاہیے۔ چلو اِسی بات پر اتفاق کر لو کہ آئندہ مذہب پر بحث اور مذاکرے نہ ہوں۔ مذہب بتانے والی بات نہیں' کرنے والا کام ہے۔ بات سچی ہے' اور کام؟ کون جواب دے گا!

جب شروع میں کوئی کافر حضور اکرم ﷺ کے پاس قبولِ اسلام کے لیے حاضر ہوتا' تو آپ ﷺ اُسے کلمہ شریف پڑھاتے اور وہ مسلمان ہو جاتا۔

اگر وہ سوال کرتا کہ اب مجھے کیا کرنا ہے' تو اُسے جواب ملتا کہ جو مسلمان کر رہے ہیں' وہی کرو۔ جہاد کا وقت ہے تو تیاری کرو اور اگر امن کا زمانہ ہے تو رزقِ حلال کماؤ، محنت کرو، عبادت کرو۔ کسی سے یہ نہیں کہا گیا کہ اب تم کتابیں پڑھو، تقریریں کرو۔

آج مذہب پر لائبریریاں بھری ہوئی ہیں اور انسان کا دل خالی ہے۔ مذہب علم نہیں' عمل ہے اور عمل کی انتہا یہ ہے کہ وہ انسانِ کامل ﷺ' جو سب میں افضل ہیں' اُن کی زندگی سب سے زیادہ سادہ، سب سے زیادہ غریب اور یہی ہے سب سے زیادہ بلندی۔ مذہب یہ ہے کہ خود پیاسا ہونے کے باوجود اپنے پیاسے بھائی کو پانی کا واحد پیالہ پیش کر دے اور خود جامِ شہادت نوش کر لے۔

مذہب کے عمل کی بات کیا تھی اور علم کی بات کیا ہے۔ کون سا انسان ہے جس کا عمل' اُس کے علم کا شاہد ہو؟ اگر علم اور عمل میں فرق ہو تو مذہب...... لامذہب۔ اِس لیے بہتر ہے کہ عمل دکھاؤ' علم نہ سناؤ اور یہی ہے مذہب کی اساس۔ سورج کی روشنی' اُس کا مذہب!

✿✿✿✿✿

www.iqbalkalmati.blogspot.com

مفروضے، اندازے اور مجبوریاں

کہتے ہیں اور کہنے والے بڑے بزرگ لوگ ہیں اور بزرگوں کے کہے ہوئے میں دوسرے بزرگوں نے اضافے بھی کیے ہیں۔ تو میں کہہ رہا تھا کہ کہتے ہیں اضافے کے ساتھ...... کہ ایک بستی میں چار افراد تھے۔ اُس بستی کی کُل کائنات یہی چار افراد ہی تھے۔ یہی تھا سرمایۂ دین و ایمان۔ اُس بستی کی ساری بساط یہی چار افراد تھے یا یوں کہیے کہ یہی چار تنکے تھے اُس آشیانے کے۔ بہرحال وہ چاروں افراد اپنے اپنے احساس میں اور اپنے اپنے مفروضے میں ماہر تھے۔ اُن کو اپنے فن پر ناز تھا اور اُن کا فن ایک اندازہ تھا، ایک مفروضہ تھا، اُن کی غالباً مجبوری تھی۔

اُن میں ایک آدمی اندھا تھا۔ بڑا باتونی، بڑا فنکار، بڑا ہوشیار، بڑا نابغۂ روزگار۔ اُس کے پاس سب کچھ تھا۔ گفتگو تھی، جواز تھے، بیانات تھے، کیا نہیں تھا اُس کے پاس، لیکن مجبوری صرف یہ تھی کہ وہ اندھا تھا۔ اندھا ہونے کے باوجود اُسے اپنی کورچشمی کا احساس تک نہیں تھا بلکہ اِس کے برعکس اُسے اپنی دُور بینی پر ناز تھا۔ وہ ستاروں کی بات کرتا، ستارہ شناسی کا ذکر کرتا، دُنیا میں ہونے والا ہر واقعہ گویا اُس کے رُوبرُو تھا کیونکہ اُس نے تو صرف جھوٹ ہی بولنا تھا اور جھوٹ کے لیے کچھ بھی ناممکن نہیں۔ وہ اپنے تینوں ساتھیوں کو واقعات سُناتا اور اُنہیں بتاتا کہ اُس پر ہر چیز آشکار ہے۔

دُوسرا آدمی ..... دُوسرا آدمی ہمیشہ دُوسرا ہی ہوتا ہے۔ اندھے کے مقابلے میں دُوسرا آدمی بہرا تھا۔ اُسے بہرا ہی ہونا چاہیے تھا۔ وہ شخص بڑے کمالات کا مالک سمجھتا تھا خود کو۔ وہ اِس کائنات کے نغمات کو سننے کا دعویٰ رکھتا تھا اور بیچارہ سماعت سے محروم تھا۔ وہ کسی کی کچھ نہیں سنتا تھا۔ مجبور تھا، بے بس تھا۔ دُور کی آوازیں اور قریب کے نغمے سننا اُس کا دعویٰ تھا۔ وہ افواہوں کا سرچشمہ تھا۔ وہ بات شروع کرتا تو کہتا ''بھائیو! میں نے سُنا ہے کہ ایک بڑا واقعہ بلکہ معرکہ ہونے والا ہے۔'' اُس سے کوئی نہ پوچھتا کہ تُو نے کہاں سے سُنا ہے۔ اپنے پاس سے باتیں بنانے والے سے کون پوچھ سکتا ہے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اور کیوں کہہ رہا ہے۔ بہرحال بہرا انسان اخبارِ جہاں سُناتا تھا اور اپنے ساتھیوں کو اپنی سماعت کی کرشمہ کاریاں سُنا سُنا کر مرعوب کرتا تھا۔ اُس کے تینوں ساتھیوں نے اُسے برداشت کرنا سیکھ لیا تھا۔ وقت گُزر رہا تھا۔

تیسرا آدمی چیتھڑوں میں ملبوس تھا! لیکن اُس کا خیال بلکہ حُسنِ خیال بلکہ حُسنِ ظن یہ تھا کہ دُنیا اُس

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کے لباسِ فاخرہ کی دُشمن ہے۔ اُس سے برہنگی کا لباس بھی چھین لے گی' یہ لالچی اور مطلب پرست دُنیا۔ وہ ہمیشہ اپنی دولت کا ذِکر کرتا۔ اپنے سرمائے کا تذکرہ کرتا۔ اُس کو اندیشہ تھا کہ دُنیا اُسے لُوٹنا چاہتی ہے۔ اُسے لباس سے محروم کرنا چاہتی ہے۔ وہ بیچارہ مجبور تھا کہ اپنے آپ کو لباسِ فاخرہ میں مَلبُوس سمجھے۔ وہ رات کو جاگتا رہتا کہ کہیں چور نہ آجائے۔ کسی دُوسری بستی کے لوگ آکر اُس کا سرمایہ نہ لے جائیں۔ بیچارہ بڑی اَذیت میں تھا۔ اثاثہ نہ رکھنے کے باوجود' اثاثے والے لوگوں کے اندیشے لاحق تھے' اُس غریب کو۔ سرمایہ داروں کی بیماری تھی' اُس بیچارے بے سروساماں کو۔ مجبوری ہی مجبوری تھی، عذاب ہی عذاب تھا۔

چوتھا آدمی......بس چوتھا آدمی' اُس بستی کی ہستی کا چوتھا پایہ تھا۔ وہ بیچارہ اپاہج تھا...... پاؤں سے محروم لیکن کمال اعتماد تھا اُس کے پاس کہ وہ اپنے آپ کو تیز رفتار سمجھتا تھا۔ وہ چل نہیں سکتا تھا' بغیر سہارے کے' لیکن اُسے اِحساس تھا کہ وہ بہت ہی تیز رفتار ہے، کسی ریس کے گھوڑے کی طرح۔ بیچارہ مجبور' مفروضہ ہی مفروضہ، اندازہ ہی اندازہ۔

کہانی ختم ہوگئی' لیکن کہانی کیسے ختم ہوسکتی ہے۔ کہانیاں کبھی ختم نہیں ہوتیں۔ حقائق ختم ہو جائیں تو بھی کہانیاں جاری رہتی ہیں۔

ایک دِن وہ چاروں افراد آپس میں مل بیٹھ کر اپنی بستی کے بارے میں غور کر رہے تھے' اُس کی ترقی کے منصوبے بنا رہے تھے کہ اچانک ڈرامہ شروع ہو گیا' بلکہ ڈراپ سین شروع ہو گیا۔

اندھا بولا ''صاحبان! میرے عزیز ہم وطنو! بلکہ غم وطنو! مَیں دیکھ رہا ہوں کہ دُشمن ہماری طرف قدم بڑھا رہا ہے۔ ہم خطرے میں ہیں۔ غنیم آ رہا ہے۔''

بہرا تائید کرتے ہوئے بولا ''ہاں یہ دُرست ہے۔ مَیں دُشمن کے ٹینکوں کی آواز سُن رہا ہوں۔ اُس کے گھوڑوں کی ٹاپیں سنائی دے رہی ہیں۔''

ننگے نے فوراً اعلان کر دیا ''ہاں ہاں' دُشمن کیوں نہیں آئے گا۔ اُسے میرے قیمتی لباس کی آرزو تھی۔ بڑی دیر سے دُشمن موقع کی تلاش میں تھا۔''

لنگڑے نے سوچا اور فیصلے کے انداز میں بولا ''تو بھائیو! سوچ کیا رہے ہو۔ آؤ بھاگ چلیں۔''

کہانی یہاں ختم ہو جاتی تو اچھا تھا' لیکن جب سے علامتوں نے کہانیوں کو بامعنی بنایا ہے' کہانیاں ختم نہیں ہوتیں۔

بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اندھا وہ اِنسان ہے جو اپنے عیب نہیں دیکھ سکتا۔ وہ اپنے آپ کو ''پرفیکٹ'' مانتا اور دُوسروں کو گمراہ سمجھتا ہے۔

بہرا وہ اِنسان ہے جو واہ سنتا ہے، خوشامد سنتا ہے لیکن حق کی بات کے لیے اُس کے کان بند ہیں۔ اُس کے کان' اب کان نہیں ہیں۔

ننگا...... ہر دُنیادار، غریب بیچارہ، خواہشات اور حاصل کے فرق میں پریشان رہنے والا' جس کا ہمیشہ

www.iqbalkalmati.blogspot.com

یہی خیال ہے کہ لوگ اُس کے حصے کا مال لُوٹ کر لے جائیں گے۔

اور آخری آدمی ... بس مجبوری در مجبوری، حصارِ وقت کو توڑ کر نکلنے کی آرزو لیکن حصارِ وقت میں پابند رہنے کی مجبوری۔ نکل سکتے ہو تو نکل کر دِکھاؤ۔ تم نہیں نکل سکتے۔ ہر آدمی اپنے اپنے حصار میں رہن رکھ دیا گیا ہے۔ لوگ غور کیوں نہیں کرتے!

✿✿✿✿✿

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ماضی، حال اور مستقبل

اِنسان عجب مخلوق ہے۔ خیال کو حقیقت بناتا چلا جاتا ہے اور حقیقت کو خیال۔ بات آسان ہے۔ مستقبل خیال ہے، ماضی خیال ہے اور حال حقیقت ہے۔ اِنسان، مستقبل کو حال اور حال کو ماضی بنا دیتا ہے۔ خود بخود ہی سب کچھ ہو جاتا ہے۔ بڑے غور و فکر، بڑی سوچ بچار کے بعد ایک مقصدِ حیات بنایا جاتا ہے اور پھر غور و فکر کے بعد اُس مقصد کی بے مقصدیت دریافت کر لی جاتی ہے اور یوں زندگی، علم و عمل، خیال و حقیقت کے مابین کھیلتی ہوئی گزر جاتی ہے۔

یہاں تک تو بات صحیح ہے کہ اِنسان پردے سے باہر ہے اور مستقبل، ماضی، دونوں پردے میں ہیں۔ ایک تخیل کے حجاب میں ہے اور دُوسرا یادوں کے پردے میں۔ یہی پردہ اِنسان کو گوارا نہیں۔ وہ دیکھنا چاہتا ہے کہ اب اور کیا کیا دیکھنا باقی ہے۔ وہ اُس کو بھی دیکھنا چاہتا ہے جسے ایک دفعہ دیکھا جا چکا ہے۔ یہ اِنسان کے بس میں نہیں۔ جو دیکھا گیا، سو دیکھا گیا اور جو دیکھا جائے گا، سو دیکھا جائے گا۔ جو ہے، سو ہے۔

یہ کہہ دینا آسان ہے لیکن اسے سمجھنا مشکل ہے۔ جس کا حال بد حال ہے، وہ کسی مستقبل کے خوشحال ہونے کا تصور کیسے کر سکتا ہے؟

مستقبل کی خوبی ہی یہ ہے کہ وہ کسی حال کے حوالے سے نہیں آتا۔ وہ اپنا حوالہ خود ہے۔ وہ جیسے چاہے، آئے۔ عاصیوں کے لیے مغفرت لائے، غریبوں کے لیے دولت لائے، عزت کو ذِلت میں بدل دے، یقین کو وسوسہ، وسوسوں کو یقین بنا دے۔ یہ اُس کی مرضی ہے۔ مستقبل کی مرضی، بس خدا کی مرضی ہے۔ خدا کی رحمتوں سے مایوس نہ ہونے کا حُکم ہے، بار بار حُکم ہے، یعنی اپنے مستقبل سے مایوس ہونے کی اجازت نہیں۔ مُستقبل پر بھروسہ رکھو، مستقبل پر اُمید رکھو، مستقبل، رحمت کا نام ہے۔ اِنسان کو بات سمجھ نہیں آتی۔ رحمت ہمیشہ ہونے والی ہوتی ہے۔ جب ہو جائے، تو اِنسان اُسے اپنا حق کہہ کر اپنی محنت اور اپنی عقل کا پھل سمجھتا ہے۔ کشتی ہچکولے کھا رہی ہو تو اللہ کو پکارا جاتا ہے۔ جب کشتی کنارے لگ جائے تو اپنی قوتِ بازو کے قصیدے کہے جاتے ہیں۔ بہت کم اِنسان ایسے ہیں، جو اپنے حاصل کو رحمتِ پروردگار کی عطا سمجھتے ہوں۔ بہر حال، حال کے بدحال ہونے کے باوجود مستقبل کے خوشحال ہونے کی اُمید ترک نہ کرنی چاہیے۔

ماضی کے اعمال کے حوالے سے بھی اُمید اور مایوسی کا پیدا ہونا لازم ہے۔ جب ماضی کے گناہ یاد

www.iqbalkalmati.blogspot.com

آتے ہیں تو ندامت کے بوجھ سے سر جُھک جاتا ہے۔ گناہ کے لیے ہی تو مغفرت کا لفظ ہے۔ توبہ گناہ کو ختم کر دیتی ہے۔ توبہ کا مطلب ہی یہ ہے کہ انسان اُس راہ سے ہٹ جائے۔ گناہ ترک کرنے کا ارادہ توبہ کا حصہ ہے۔ گناہ نہ کرنے کا فیصلہ توبہ کی عطا ہے۔ توبہ قبول ہو جائے تو گناہ دوبارہ سرزد نہیں ہوتا' بلکہ یادِ گناہ بھی نہیں رہتی۔ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ حال کے عمل سے ماضی کا عمل بدل سکتا ہے۔ ماضی کُفر ہو تو حال کلمہ پڑھ کے مومن ہو سکتا ہے۔ حال مومن ہو جائے تو ماضی بھی مومن ....!

ایک انسان اگر راستہ بھُول جائے، بھٹک جائے، پگڈنڈیوں میں کھو جائے، راہوں کے پیچ و خم میں اُلجھ جائے اور اگر اُسے اچانک منزل کا سراغ مل جائے' وہ منزل تک پہنچ جائے، آسودۂ منزل ہو جائے تو اُس کامیاب انسان کا تمام سفر، سفر کی تمام کلفتیں کامیابی کا حصہ ہیں۔ کامیاب آدمی کا سارا سفر ہی کامیاب ہے۔ جس کو اللہ معاف کر دے' اُس کے گناہوں کا کیا ذکر؟ جسے اسلام کی دولت مل جائے' اُس کے پرانے کُفر کا کیا تذکرہ؟

مستقبل میں جلنے والے چراغ ماضی کے اندھیروں کو بھی دُور کر دیتے ہیں۔ خیال' اُمید اور یقین سے واصل ہو جائے تو ہر ماضی خوشگوار ہے، ہر مستقبل روشن ہے۔ روشنی خیال کی ہے' واقعات کی نہیں۔

حال کی اصلاح کے لیے' خیال کی اصلاح ضروری ہے۔ ہم ماضی اور آئندہ کو صرف حال ہی میں سوچ اور دیکھ سکتے ہیں۔ حال کا آئینہ کبھی عکسِ ماضی دِکھاتا ہے' کبھی پرتوِ مستقبل۔ آئینہ کجلا جائے تو ماضی بھی تاریک اور مستقبل بھی بھیانک۔ حال کے آئینے کی آب' خیال سے ہے۔ خیال کی اِصلاح ہو جائے' تو ساری زندگی کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ حال، ماضی اور مستقبل صرف پہچان کے حوالے ہیں۔ زندگی ایک اکائی ہے، وحدت ہے، جامعیت ہے۔ اس کا فیصلہ آخری لمحے میں ہوتا ہے کہ زندگی کیا تھی۔ نوازش یا آزمائش، انعام یا سزا، کامیاب یا ناکام، بامُراد یا نامُراد، معصیت یا مغفرت۔

ہمارا فردا، ہمارا ماضی صرف ہمارے حال کی کرشمہ سازی ہے۔ جس کا آج خوبصورت ہے' اُس کا ماضی بھی خوب مستقبل بھی خوب۔ جس کا آج پراگندہ ہوا' اُس کا گزشتہ بھی پراگندہ، آئندہ بھی پراگندہ۔ حال کی اصلاح ہونا ضروری ہے۔

حال کی اصلاح کیا ہے؟ ماضی پر صدقِ دِل سے استغفار اور مستقبل کا خوشگوار اِنتظار ..... اُمید و یقین کے ساتھ' اُس کی رحمت کی وُسعتوں کے سامنے' اُس کی لامحدود عطا کے سامنے اپنی خطا، اپنی کم مائیگی اور اپنی بے مائیگی کو سرنگوں کر دینا، اُس کے اِنصاف سے ڈرنا، اُس کے فضل کا آسرا مانگنا یعنی اپنے اعمال پر بھروسہ کرنے کی بجائے اُس کے فیصلوں پر بھروسہ کرنا۔ تاریک راتوں کو سورج کی تابنا کی عطا کرنے والا' اِنسان کی زندگی کی تیرگی اور مایوسی کو اُمید کی روشنی عطا کرتا ہے۔ زمین و آسمان کے لشکروں کا مالک ہمارے لیے بہت کچھ رکھتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ ہم اُسے تسلیم کریں۔

حال بظاہر ایک لمحہ ہے، ایک نقطہ ہے، لامحدود ماضی اور لامحدود مستقبل کا سنگم ..... لیکن یہ نقطہ دراصل

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ایک نکتہ ہے۔ حال پھیل جائے تو صدیوں پر محیط ہو جائے۔ یہ لمحۂ حال اپنا راز عیاں کرے' تو یہی اَزل ہے، یہی اَبد ہے۔ یہی لمحہ ہمارے فکر وعمل کی آخری حد ہے۔ مُستقبل کو ماضی میں بدلنے والا لمحہ اگر چاہے تو ماضی کو مُستقبل بنا دے۔ یہ کارساز لمحہ ہے۔ یہ سراپا راز لمحہ ہے۔ اسی لمحے میں ایک لمحہ ایسا بھی آتا ہے' جب اِنسان ایسی محفل میں پہنچ جاتا ہے جو آج کی محفل نہیں۔ لمحہ پھیل جاتا ہے اور بعید' قریب ہو جاتا ہے۔ لمحے کا پھیلاؤ عجب ہے۔ اِنسان کو زمان و مکاں سے نکال کر لامکاں تک لے جاتا ہے...... یہی حال کا مختصر لمحہ...... اور پھر اِنسان دیکھتا ہے۔ اگر اِنسان خسروؒ ہو' تو اُسے نظر آتا ہے کہ خدا خود ہی میرِ مجلس ہے اور شمعِ محفل حضور پُرنور ﷺ۔ یہ نظارہ کسی ماضی یا مُستقبل کی بات نہیں' یہ حال ہے۔ حال کا لمحہ' تابناک لمحہ، مختصر لمحہ، خوش نصیب لمحہ!

حال کے لمحے کو پہچاننے والے دُنیا میں آنے والے زمانوں کو جاننے والے ہوتے ہیں۔ حال آگاہ' مُستقبل آگاہ ہو جاتا ہے۔ حال آشنا' ماضی آشنا ہے۔ حال کا اِدراک' اِدراکِ حقیقت ہے اور اگر حقیقت کا اِدراک میسر آجائے، تو خیال کا اِدراک مِل جاتا ہے یعنی مُستقبل کا اِدراک آسان ہو جاتا ہے۔ حال سے باخبر ہونے والا یادوں کو پہچانتا ہے یعنی ماضی سے باخبر ہو جاتا ہے۔ حال آشنا کے سامنے ماضی اور مُستقبل کے جلوے موجود رہتے ہیں۔

یہ تو صرف حال آشنا کی بات ہے اور جو اِنسان حال پر قُدرت حاصل کر لے' اُس نے ماضی اور مُستقبل کو مسخر کر لیا۔ اُس کا مُستقبل' اُس کی اِطاعت میں آئے گا۔ حال پر قدرت حاصل کرنا اِتنا مشکل ہے' جتنا زمین و آسمان کے حصار سے نکلنا۔ انسان ہرگز نہیں نکل سکتا' مگر جسے اللہ توفیق دے۔ دَراصل اِنسان کی سب قُدرتیں توفیقِ اِلٰہی کی کرشمہ کاریاں ہیں۔ وہ جسے چاہے، جو چاہے، جب چاہے، بنا دے۔ وہ جب چاہے تیموں کو پیغمبر بنا دے۔ چاہے تو شاہوں کو دَربدر کر دے۔ وہ چاہے تو مکڑی کے کمزور جالے سے قوی دلیل پیدا کر دے۔ چاہے تو مُقرب کو معتوب کر دے۔ چاہے تو عاصی کو بخش دے۔ وہ جسے چاہے' اُسے کیا سے کیا بنا دے۔ غافل کو راز آشنا کر دے' جاگنے والے کو محروم کر دے اور سونے والے کو سرفراز کر دے۔ یہ سب اُس کے اپنے کام ہیں۔

حال اُس کا، مُستقبل اُس کا، ماضی اُس کا، اِنسان اُس کا، اِنسان کا دِل اُس کا اپنا بنایا ہوا۔ جس دل کو چاہے' محرمِ راز کر دے۔ وہ سب کچھ کر سکتا ہے اور کرتا ہے......!

ہم ماضی، حال اور مُستقبل کے زمانوں میں مُقید ہیں۔ اُس کے ہاں ایک ہی زمانہ ہے۔ وہ ہمیشہ ایک حال ہے۔ اُس کے جلوے بدلتے ہیں۔ اُس کی ذات نہیں بدلتی۔ اُس نے جس پر فضل کیا' وہ بھی قائم کر دیا گیا۔ اُس کا حال بھی ماضی اور مُستقبل سے واصل ہو کر ایک زمانہ ہو گیا۔ ہر زمانہ، ہر دور' ایک دور، ایک زندگی، ایک اکائی، ایک وحدت، ایک جامعیت۔ اِس بات کا کوئی فارمولا نہیں۔ لمحے میں صدیاں دیکھنے والے ذرّے میں صحرا دیکھتے ہیں، قطرے میں قُلزم دیکھتے ہیں۔

اِس میں صرف کسی کے ہو جانے کی بات ہے۔ بس اتنی سی دیر لگتی ہے جتنی غالبؔ کو اِس شعر کے کہنے میں:

www.iqbalkalmati.blogspot.com

؎ دِل ہر قطرہ ہے سازِ انا البحر
ہم اُن کے ہیں' ہمارا پوچھنا کیا

ایک بار دِل سے تسلیم کرلیا جائے تو حجاب اُٹھ جاتا ہے۔ پردہ اُٹھ جائے تو ماضی، حال اور مُستقبل ایک شے کے نام ہو کے رہ جاتے ہیں' اور وہ شے اَمرِ الٰہی ہے۔ اَمرِ الٰہی کو توفیقِ الٰہی سے ہی سمجھا جاسکتا ہے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بلا سبب

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اِس دُنیا میں نہ کوئی انعام ہے نہ سزا، یہاں صرف وجوہات ہیں اور نتائج۔ انسان کا ہر عمل یا تو کسی سبب کا نتیجہ ہے یا کسی نتیجے کے لیے نیا سبب ہے۔ اَسباب و نتائج کا یہ سلسلہ زندگی کا مقدر بن کے رہ گیا ہے۔ اِنسان جتنا عمل کرے گا، اُتنا ہی حاصل کرے گا۔ محنت کرنے والا کامیاب ہو گا۔ تلاش کرنے والا حاصل کرے گا۔ مانگنے والے کو دیا جائے گا۔ کھٹکھٹانے والے کے لیے دروازہ کھولا جائے گا۔ بس عمل کرتے جاؤ، نتیجہ حاصل کرتے جاؤ۔ بُرے اعمال کو بُرا نتیجہ ملے گا، اچھے اعمال کو اچھا۔

زندگی کا یہ تصور اپنی جگہ درست، لیکن زندگی اپنے دامن میں اسباب و نتائج کے رشتوں کے علاوہ بھی بہت کچھ رکھتی ہے۔ زندگی میں بے سبب نتائج اور بے نتیجہ اسباب کی اتنی کثرت ہے کہ اسباب و نتائج کا سلسلہ قائم رہنا مشکل ہے۔ یہ تو روز مرّہ کا مشاہدہ ہے کہ یکساں محنتیں یکساں نتیجہ پیدا نہیں کرتیں۔ ایک مارکیٹ میں دو دکاندار صبح سے شام تک یکساں محنت کرتے ہیں اور شام کو نتیجہ یکساں نہیں ہوتا۔ ایک کو نقصان اور دوسرے کو نفع۔ اپنے گھر کو پُرسکون بنانے کے لیے سب کوشش کرتے ہیں، لیکن سارے گھر پُرسکون نہیں ہوتے۔ محنت ہوتی ہے لیکن سکون نہیں ملتا۔

سکون یا اطمینان محنت کا نتیجہ نہیں' یہ نصیب کی عطا ہے۔ اگر انسان کی زندگی میں نصیب، مقدر یا منشائے الٰہی کا دخل نہ ہوتا' تو اسباب و نتائج کا رشتہ سائنس کے اصول کی طرح ہمیشہ قائم رہتا، لیکن ایسا نہیں۔ اس لیے کہ اِنسان کے عمل میں فطرت کا دخل ہے، گردشِ روزگار کا دخل ہے، حالات و زمانہ کا دخل ہے۔ کوششیں اپنی ذات تک تو نتیجہ دے سکتی ہیں' لیکن جب اِنسان دُوسرے انسانوں سے متعلق ہوتا ہے تو کوشش کے باوجود متوقع نتائج برآمد نہیں ہوتے۔ اِنسان اپنے راستے پر صحیح سفر کر رہا ہو' تو بھی اُسے کسی اور کی غلط رَوی سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ حادثہ' سبب کو نتیجے سے محروم کرنے والے واقعہ کا نام ہے' اور زندگی حادثات کی زَد میں رہتی ہے۔ یہ چراغ ہمیشہ نامعلوم آندھیوں کی زد میں رہتا ہے۔ اسی طرح اگر نصیب ساتھ دے اور کوئی شعیبؑ میسر آئے تو شبانی کو کلیمی بنا دیتا ہے۔ اِس میں محنت کا استحقاق نہیں۔ یہ اَزلی نصیب ہے۔ یہ قدرت کے اپنے جلوے ہیں۔ فطرت کی اپنی عطا ہے۔ مالک کی اپنی منشا ہے۔ ہر محنت کرنے والا بامراد نہیں ہو سکتا۔

دنیا میں بے شمار محنتیں رائیگاں ہو کر رہ گئیں۔ بے شمار مسافر منزلوں سے محروم رہے۔ بے حساب

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اسباب اپنے نتائج نہ دیکھ سکے۔ کم و بیش ہر انسان زندہ رہنے کے لیے کوشش کرتا ہے اور زندہ رہنے کی کوشش نے ہی انسان کو موت تک لانا ہے۔ یہ ایسا نتیجہ ہے' جو اپنے سبب کے بالکل برعکس ہے۔ زندگی پیدا کرنے والے کا یہ ارشاد ہے کہ وہ جسے چاہے عزت دے، جسے چاہے ذِلّت دے۔ وہ جسے چاہے ملک عطا کرے اور جسے چاہے معزول کر دے۔ وہ جسے چاہے بے حساب رزق دے، جسے چاہے اُس کے گناہ معاف فرما دے اور اُس کی سابقہ برائیوں کو اچھائیوں میں بدل دے۔ جسے چاہے' جب چاہے پیدا فرما دے اور جب چاہے' اُسے واپس بلا لے۔

خالق کا عمل' انسانی زندگی میں شامل رہتا ہے اور خالق کا عمل کسی سبب کا محتاج نہیں۔ وہ خود مسبّب ہے اور قادرِ مطلق ہے۔ اِسی لیے اِنسانی زندگی اسباب و نتائج کے فارمولے میں قائم نہیں رہتی۔ دو کسان اپنے اپنے کھیت میں ہل چلاتے ہیں، بیج بوتے ہیں، بارش کا انتظار کرتے ہیں، بادل برستے ہیں' ایک کھیت سیراب ہو جاتا ہے اور دُوسرا خشک رہتا ہے۔ یہ عمل ہر سطح پر ہے۔ زندگی میں ایسے واقعات بھی دیکھے گئے ہیں کہ ایک سبب کبھی ایک نتیجہ پیدا کرتا ہے اور کبھی دوسرا نتیجہ ..... پہلے سے بالکل مختلف اور برعکس!

زِندگی کو سائنس بنانے والے، زِندگی کو فارمولا بنانے والے، زِندگی کو ریاضی کے اصول بنانے والے لوگ' زِندگی کی نغمگی، زِندگی کے حسن' زندگی کے لطف اور زِندگی کے باطن کی جلوہ گری سے اکثر محروم رہتے ہیں۔

زندگی صرف اصول ہی نہیں' حسن بھی ہے، محبت بھی ہے، جلوہ بھی ہے۔ ہمارے اعمال کیا اور ہمارے نتیجے کیا! اُس کا فضل نہ ہو تو انسان اپنے عمل کے زُعم میں ہی تباہ ہو جائے۔ کیا گمراہ ہونے والا راستہ طے نہیں کرتا؟ کیا گنہگار محنت نہیں کرتا؟ کیا غلطی عمل نہیں ہے؟ کیا ملاوٹ کرنے والا محنت نہیں کرتا؟ کیا ساری سیاسی جماعتیں محنت نہیں کرتیں؟ کیا کچھ محنتیں رائیگاں نہیں جاتیں؟ کیا ہر سبب نتیجہ دے سکتا ہے؟ کیا ہر بیج اُگتا ہے؟ کیا ہر عالم دانا ہوتا ہے؟ کیا ہر سفر آسودۂ منزل ہوتا ہے؟ کیا مخلص دوستوں کا میسر آنا کسی سبب کا نتیجہ ہے؟ کیا حالاتِ زمانہ کا سازگار ہونا ہمارے عمل کا نتیجہ ہے؟ کیا خوبصورت چہرہ اِنسان کا اپنا عمل ہے؟ کیا مکھی نے محنت کر کے شہد بنانے کا فارمولا حاصل کیا ہے؟ کیا سیارے اور ستارے سفر کرتے کرتے تھک تو نہیں گئے؟ کیا چاند اور سورج کسی اور سبب کے نتائج ہیں یا کسی اور نتیجے کے اسباب؟ کیا بنانے والے نے زندگی میں دخل دینا چھوڑ دیا ہے؟ کیا علاج نے بیماری کو مسخر کر لیا ہے؟ کیا دوا سائنس بن گئی ہے؟ کیا دُعا کی ضرورت ختم ہو گئی ہے؟ کیا انسان بھول گیا ہے کہ آج سے کچھ عرصہ پہلے اُس کا ذکر تک نہیں تھا اور آج سے کچھ عرصہ بعد پھر اُس کا ذکر تک نہ ہوگا؟ کیا انسان سبب اور نتیجے کے حوالے سے فطرت اور فاطر سے باغی تو نہیں ہو رہا؟ کیا غرورِ نفس 'انسان کو اُس مقام تک لے آیا ہے جہاں وہ اپنے بازوؤں کو قادر سمجھ رہا ہو؟ اپنی قوت کو اپنا مقدر سمجھ رہا ہو؟ کیا وہ جانتا نہیں کہ پسند کی جانے والی ہر چیز اُس کے لیے مفید نہیں اور ناپسند ہونے والی ہر چیز اُس کے لیے مضر نہیں؟ کیا انسان کو یاد نہیں کہ فرعون کے تمام ''اسباب''، اُس کی تمام تر کوشش اُس کے لیے وہ نتیجہ مرتب نہ کر سکی'

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جس کی اُسے ضرورت تھی؟

یہی عجیب بات ہے کہ سبب فرعون ہو' تو نتیجہ موسیٰ" نکلتا ہے اور یہی بات اہلِ ظاہر کی سمجھ میں نہیں آتی۔ جہاں سبب اور نتیجہ کی سائنس ختم ہوتی ہے، وہاں سے رضا اور نصیب کی حد شروع ہوتی ہے اور رضا' رضا ہے، چاہے تو محنت کو مراد دے اور چاہے تو محنت کے بغیر بامراد کر دے۔

بے عقیدہ اِنسان صرف سبب کو مانتا ہے اور صاحبِ عقیدہ اِنسان مسبّب پر ایمان رکھتا ہے۔ بے عقیدہ اِنسان عوام سے قوت مانگتا ہے۔ صاحبِ ایمان جانتا ہے کہ طاقت کا سرچشمہ اور قوت کا مرکز اللہ کے علاوہ کوئی نہیں۔ اَسباب و نتائج کا کھیل رضا اور قضا کی زد میں رہتا ہے۔ اپنے اعمال کو دُعا کے سہارے سے محروم نہ ہونے دیا جائے۔ دریا عبور کرنے کے لیے کشتی ضرور سبب ہے' لیکن گرداب سے نکلنے کے لیے دُعا کا سفینہ چاہیے۔

✿✿✿✿✿

www.iqbalkalmati.blogspot.com

پرواز ہے دونوں کی اِسی ایک فضا میں

کرگس و شاہین اپنی بُلند پروازی کے کسی دائرے میں ایک ساتھ ہو گئے۔ وہ پاس پاس، ساتھ ساتھ فضا میں تیرتے چلے جا رہے تھے۔ اُن میں گفتگو کا ہونا فطری اَمر تھا۔ شاہین نے کہا "بھئی! کیسی ہے یہ فضائے نیلگوں، ردائے صبح و شام، یہ وُسعتِ نگاہ، یہ بُلند پروازی اور اِس کے ساتھ یہ بُلند فکری و بُلند نظری!!"

کرگس، جو اپنے خیال میں ڈوبا ہوا نظریہ ضرورت کے متعلق سوچ رہا تھا، بولا "ہاں بھئی! بلندی ہی بُلندی ہے، لیکن بلندی اور صرف بلندی ہی تو زندگی نہیں۔ زندگی زندہ رہنے کا عمل بھی تو ہے۔ اِس میں اور بھی ضروریات ہیں۔ وُسعتِ نگاہ اپنی جگہ پر بجا، لیکن ضرورتِ وجود سے کیا انکار۔ یہ بُلند پروازی مجھے میری ضرورت سے محروم کر رہی ہے۔ دیکھو بھئی! خالی بُلندی اور خالی پیٹ ہمیں کیا دے سکتے ہیں؟"

شاہین نے کہا "دیکھو! وہ دُور اُفق پر جھلمل جھلمل کرنے والی شے کیا ہے۔ کتنا خوبصورت ہے یہ منظر، کتنی لطیف ہے یہ فضا۔ آؤ بھئی! ستاروں کی دُنیا میں چکر لگائیں۔ آؤ دیکھیں سورج کہاں سے نکلتا ہے، کہاں ڈوبتا ہے۔ آؤ! رازہائے سَر بستہ دریافت کریں۔ آؤ معلوم کریں کہ یہ سب کیا ہے، یہ آبادیاں کیا ہیں، کیوں ہیں، کون ہے جو ہر شے کو حرکت عطا کرتا ہے، کس نے سب کو اپنے اپنے محور و مدار میں جکڑ رکھا ہے؟ آؤ تو ذرا دیکھیں! اُس کا اپنا مدار کیا ہے؟ طاقت صرف طاقت ہے، تو اُس کی اپنی ضرورت کیا ہے؟ اگر اُس کی بھی اپنی کوئی خواہش ہے تو وہ طاقت کیا ہے اور اگر اُس کی اپنی کوئی ضرورت نہیں، تو یہ سب ظہور غیر ضروری ہے۔ آؤ! اِس راز سے پردہ اٹھائیں۔"

کرگس نے شاہین کی بات سُنی تو بڑے غور سے، لیکن اُس بات کو سمجھنے اور اُس پر غور کرنے کے بجائے اُسے اپنی مُردار طلبی کے حوالے کر دیا اور کہا "اِتنی دُور کی باتیں نہ سوچا کرو۔ مجھے بھوک لگی ہے۔ میں کب سے بھوکا پیاسا تیرے ساتھ چکر لگا رہا ہوں اور بھوک سے مجھے خود چکر آ رہے ہیں۔ زندگی کا کوئی راز نہیں۔ یہ صرف زندگی ہے، اسے گزارنا ہے۔ بہر صورت زندگی صرف آگ ہے اور یہ آگ زندگی کے ہر حصے میں ہے، دل میں، دماغ میں، نفس میں اور سب سے بڑھ کر پیٹ میں۔ پیٹ کی آگ کو بجھانا آسمانوں کی پرواز سے بہتر ہے۔ یہ بُلند پروازیاں مہمل ہیں، اگر پیٹ خالی ہو۔ تم ستاروں اور سورجوں کا کھوج لگاؤ۔ وہ تمہاری

www.iqbalkalmati.blogspot.com

منزل ہوگی' لیکن میری منزل میری نظر کے سامنے ہے۔ وہ دیکھو ایک مرا ہوا گھوڑا پڑا ہے۔ میری برادری کے لوگ جمع ہو رہے ہیں' اِس لیے میں بھی نظریہ ضرورت کے ماتحت اپنی منزل کی طرف چلا ہوں۔ تجھے اور تیری پرواز کو خدا حافظ۔''

یہ کہتے ہُوئے کرگس نے ایک سیدھا غوطہ زمین کی طرف لگایا اور آناً فاناً اپنی منزلِ مُردار تک پہنچ گیا' اور شاہین بدستور رازہائے سربستہ کی تلاش میں، بُلند سے بُلند تر کی جستجو میں، وحدت ویکتائی خیال کے تصوّر میں، زِندگی اور ماورائے زِندگی کو جاننے کی آرزو میں سرگرداں ہے۔ وہ عالمِ تحیّر میں گُم ہے۔ اُس کے سامنے صرف فاصلے اور وُسعتیں ہیں' لیکن وہ پرواز میں ہے۔ اُس کی منزل...... وہ منزلوں سے آزاد ہے۔ منزل' قید ہے اور پرواز' آزادی ہے۔

کرگس اور شاہین اِکٹھے پرواز کریں' تب بھی الگ الگ راستوں کے مسافر ہیں۔ اُن کو ساتھ ساتھ بھی دیکھا جائے' تو بھی اُنہیں ساتھی نہ سمجھا جائے۔ یہ ہم پرواز تو ہو سکتے ہیں' لیکن ہم مشرب نہیں، ہمراز نہیں۔ ایک کا مقصد مکاں' دُوسرے کا مقصد لامکاں۔ ایک محدود' دُوسرا لامحدود۔ ایک کا رِزق مُردار' دُوسرا دِل کا شہنشاہ۔ ایک موت سے وابستہ ہے' دُوسرا آزادی ہی آزادی کے ساتھ۔

زندگی کے ہر شعبے میں کرگس اور شاہین ساتھ ساتھ دیکھے جاتے ہیں۔ ہر شعبے میں، ہر طبقے میں، ہر گروہ میں، ہر درجے اور زاویے میں۔

فوج میں بھی شاہین ہیں، کرگس ہیں۔ شہباز وہ جرنیل ہے' جس کا مُدعا مُلک کے علاوہ کچھ نہ ہو اور گِدھ جرنیل وہ ہے' جس کا مُدعا اپنا پیٹ بھرنا...... اپنا دوزخ۔ کبھی کبھی اپنا حاصل' مُلک کی محرومی بن سکتا ہے۔ صلاح الدین ایوبیؒ، محمد بن قاسمؒ، خالد بن ولیدؓ سب شاہین جرنیل تھے...... اور بھی کتنے اسمائے گرامی ہو سکتے ہیں۔ ایسے جرنیل بھی گزرے ہیں' جن کا سب سے اچھا کام یہ تھا کہ وہ گزر گئے۔ اُنہیں زِندگی میں صرف ایک ہی چیز زیب دیتی تھی کہ بس زِندگی کو چھوڑ دینا۔

مسلمانوں کے قافلے میں شاہینوں کے بسیروں پر کرگسوں کا قبضہ سا ہو چکا ہے۔ مشائخِ کرام ہی کو لیجیے۔ بس نازک بات کو نہ ہی بیان کیا جائے' لیکن یہ بات اِتنی نازک بھی نہیں کہ اقبالؒ بہت پہلے اِسے کئی بار کہہ چکا ہے کہ خانقاہ میں صُوفی خالی ہے۔ خرقۂ سالوس کے اندر مہاجن ہے۔ یہ طریقِ خانقاہی اِصلاح طلب ہے...... اور کتنے ایسے اقوال!

مشائخ' پیروکار ہیں اُن صادق مشائخ کے' جن کے نام سے نکلتے رہے ہیں لیکن آج اُن سچے بزرگوں کے آستانوں پر کہیں کہیں جھوٹے دیکھے جا سکتے ہیں۔ یہ کوئی اِتنا راز بھی نہیں۔ ہر شیخ اپنے علاوہ سب کو غیر مصدقہ سمجھتا ہے۔ اِسی طرح تمام مشائخ دوسرے تمام مشائخ کی رُو سے غیر مصدقہ ہیں۔ اگر سارے سچے ہوں، سارے شاہین ہوں' تو مُلک میں جو کچھ ہو رہا ہے' نہ ہو۔ شہبازِ طریقت وہ شیخ ہے' جو کم از کم قصرِ سلطانی کے گُنبد پر نشیمن نہ بنائے۔ حق گو اور قصیدہ گو میں جو فرق ہے' اُسے قائم رہنے دیا جائے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

علمائے کرام کا تذکرہ کیا کیجیے۔ اُن کا کام بس اُتنا ہی ہے' جتنا یہ کر رہے ہیں۔ بس اُن کا نام رکھنا باقی ہے ..... علمائے حق یا علمائے سُوء!

علمائے حق' کلمۂ حق کہنے کے لیے پیٹ کی ضروریات کو مُقدّم نہیں سمجھتے۔ وظیفہ خوار عالمِ دین' نہ عالم ہے نہ دین آشنا۔ وہ صرف ایجنٹ ہے اور ایجنٹ عالمِ حق نہیں ہو سکتا۔ بہر حال اِس طبقے میں شاہین بھی موجود ہیں اور کرگس بھی۔ وہ علما' جو واقعی علمائے حق ہیں' بُلند نگاہ اور بُلند پرواز ہیں۔ وہ ظاہر اور باطن کا فرق نہیں رکھتے۔ وہ مساجد کو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی تعریف کے لیے وَقف سمجھتے ہیں۔ اِنسانوں اور حُکمرانوں اور ہر دَور کے حُکمرانوں کی ہر حال میں قصیدہ سرائی' عالمِ حق کا کام نہیں ہے۔

اسی طرح اساتذہ، ادیب، دانشور، سیاست دان اور بڑے تجّار اور کارخانہ دار' سب میں کرگس اور شاہین ہیں۔ ہر سطح پر یہ کھیل ہو رہا ہے' بلکہ ہر شخص کے اندر بھی یہ کھیل ہو سکتا ہے۔

جب انسان پیٹ اور صرف پیٹ بن جائے' تو وہ کرگس صفت ہو جاتا ہے۔ جب اُسے ذوقِ پرواز ملے' وہ ایسے رزق کو بھی نگاہ میں نہیں لاتا جس سے اُس کی پرواز میں کوتاہی آئے۔ شاہین صفت اِنسان' مردار نہیں کھا سکتا۔ وہ صرف پرواز ہے' اور پرواز بھی اُس کے ساتھ، اُس کی طرف' جس نے قوتِ پرواز دی۔ جس کی کوئی منزل نہ ہو' اُس کی منزل اُس کے ہمراہ ہوتی ہے۔

کرگس اور شاہین' شاہین اور کرگس' معاشرے میں باہم موجود رہتے ہیں۔ دونوں کی پرواز اِسی ایک فضا میں ہی رہتی ہے۔ مقصد کا جہان الگ الگ ہے۔ ایک آسمانوں پر جھپٹتا ہے، دُوسرا مردار پر لپکتا ہے۔ اِن کے مزاج الگ، اِن کی داستان الگ۔ شاہین کی بات کرگسوں کی سمجھ میں نہیں آسکتی۔ شاہین کا خواب ہو' تو تعبیر کرگسوں کے بس میں نہیں۔ شاہین کا مُدعا' شاہین کو ہی معلوم ہو سکتا ہے۔ پاس رہنے والے' دُور کے فاصلوں کے مسافر ہوتے ہیں۔ شاہینوں کے مساکن پر اگر کرگسوں کا بسیرا ہو جائے' تو سمجھ لیجیے قیامت کی نشانی ہے۔ اگر بُلند مرتبت' بُلند نگاہ نہ ہو' تو وہ وقت اچھا نہیں ہوتا۔ شاہین کے خواب کی تعبیر اور تفسیر کے لیے کوئی شاہین ملے' تو بات بن جائے' ورنہ یہ بات ہجومِ کرگساں کے بس میں نہیں۔

ع کرگس کا جہاں اور ہے' شاہیں کا جہاں اور!

www.iqbalkalmati.blogspot.com

گردش تیز ہے ساقی

ترقی کا زمانہ ہے، تعمیر کا دور ہے، تیزی کا وقت ہے، تعجیل کی گھڑی ہے۔ ہر شے بھاگے چلی جا رہی ہے۔ گردشِ زمان و مکاں تیز تر ہے۔ اِنسان مشین ہے، مشین کا پرزہ ہے، جلد باز ہے، جلد رفتار ہے۔ اُس کے سامنے لامحدود فاصلے ہیں اور وقت محدود ہے' اِس لیے وہ دوڑتا ہے اور دوڑتا ہی چلا جاتا ہے۔ انسان کو یہ تو معلوم ہے کہ اُسے جلدی جانا ہے' لیکن کہاں جانا' ہے' یہ معلوم نہیں۔

اِنسان شاید تعمیرِ حیات کے' لیے جلدی کرتا ہے' اُسے فوری طور پر زندگی مُکمل کرنا ہے اور وہ جلدی جلدی اِسے بناتا ہے، بناتے بناتے بگاڑتا ہے اور اُس کے ہاتھ سے زندگی یوں نکل جاتی ہے' جیسے ہاتھ سے کبوتر اُڑ جائے، یا ہاتھوں کے طوطے اُڑ جائیں۔

اِنسان فطرتاً جلد باز ہے۔ وہ آہستہ رَوی یا میانہ رَوی کو برداشت نہیں کرسکتا۔ وہ ایک ہی دِن میں سارے کام ختم کرنا چاہتا ہے۔ پُورے تیس دِن کے طویل اِنتظار کے بعد اُسے تنخواہ ملتی ہے اور اِسے وہ ایک ہی دِن میں خرچ کر دیتا ہے، اور پھر وہی اِنتظار...... تنخواہ کے علاوہ آمدن کا اِنتظار...... جائز آمدنی اور ناجائز آمدنی کا اِنتظار...... اِنسان بھاگتا ہے' جیسے اُس کے اندر آگ سی لگی ہوئی ہو...... جب خطرہ اندر ہو' تو باہر کی رفتار اِسے کیسے ٹالے گی؟

تیز رفتاری ہی شاید ترقی کا دوسرا نام ہے! تیز رفتاری نے فاصلے سمیٹ لیے ہیں ...... اِنسان' اِنسان کے قریب آ رہا ہے...... یہ الگ بات کہ وہ اپنے آپ سے دُور ہو رہا ہے۔ ہر شے' ہر دوسری شے کے قریب ہے۔ یہ تیز مسافرت ، یہ جہاز، یہ اِنگلستان، یہ امریکہ یہ افریقہ، یہ پاکستان اور پھر یہ زندگی...... اور یہ رہا قبرستان! ہر سفر جلدی کا سفر ہے۔ کہیں قیام ہی نہیں...... تیز رفتاری کی منزلوں میں کوئی مقام بھی تو نہیں...... کہیں کوئی پڑاؤ نہیں۔ زمین سے آسمان تک کے فاصلے طے ہو رہے ہیں...... برسوں کی مسافتیں منٹوں میں طے ہوتی ہیں۔ یوں لگتا ہے جیسے چاند، سورج، ستارے، سیارے سب زمین پر اُتر آئے ہوں...... یا...... زمین آسمان پر جا پہنچی ہو۔

سائنس نے اِنسان کو رفتار دی ہے' لیکن یہ رفتار بے جہت و بے سمت ہے۔ آج کی راہیں کوئے جاناں کو نہیں جاتیں۔ آج کا اِنسان اپنے آپ سے فرار چاہتا ہے۔ اپنے جامے سے نکلنے والا اِنسان اپنی بے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ماندگی کا احساس نہیں کرتا۔

وسیع و بسیط خلا اُسے کسی بنانے والے کی طرف متوجہ نہیں کرتی! انسان جلدی جلدی محنت کرتا ہے۔ اُس آدمی کی طرح، جو گھاس کی رسّی بُن رہا تھا' اور اُس کے پاس اُس کا گدھا بُنی ہوئی رسّی کو کھاتا جارہا تھا...... برسوں کی محنت کے بعد اُس کی کُل پُونجی رسّی کا اُتنا حصّہ تھی' جو اُس کے ہاتھ میں تھی..... باقی گدھا کھا چکا تھا۔ انسان محنت کرتا جاتا ہے اور اُس کی محنتیں مٹتی جاتی ہیں..... اُس کا حاصل کیا ہے..... اُس کی موجود زندگی...... باقی سب لامحدود ماضی کی نذر ہو جاتی ہے۔ محسوسات سے محروم اِنسان' معلومات کے سفر پر روانہ ہے.....!! انجام نہ جانے کیا ہوگا!

انسان فطرتاً عجول بروزنِ جھول ہے۔ اِنسان نے ذرّے کا دِل چیر کر طاقت دریافت کی ہے لیکن ذرّے میں طاقت پیدا کرنے والے کو دریافت نہیں کر سکا۔ اِنسان نے آسمانوں کے راستے دریافت کیے ہیں لیکن اُسے دِل کا راستہ نہیں ملا..... باہر کی کائنات نے اِنسان کو اندر کی کائنات سے غافل کر رکھا ہے۔

خارجی کائنات میں رفتار ہے، گردشیں ہیں، عُجلت ہے۔ زمان و مکاں کی وُسعتوں میں ہر شے تیزی سے متحرک ہے۔ انسان اِس حرکت سے خود ہی متحرک ہو جاتا ہے۔ وہ لپکتا ہے ستاروں پر، وہ دوڑتا ہے سایوں کے پیچھے، بھاگتا ہے سرابوں کے تعاقب میں، وہ چاہتا ہے کہ وہ رازہائے سَر بستہ معلوم کر لے..... لیکن اُسے معلوم نہیں کہ وہ خود ہی کلیدِ اَسرار ہے، وہ خود شاہکارِ تخلیق ہے، حُسنِ لازوال کا مُرقّعِ جمال ہے..... جب تک وہ اپنا راز دریافت نہ کرے' وہ رازِ کائنات معلوم نہیں کر سکتا۔ اُس کا بیرونی سفر تیز رفتار ہے لیکن اندرون کا سفر کسی عُجلت کا تقاضا نہیں کرتا۔ اُس کی باطنی کائنات' داخلی دُنیا، ہر بیرونی، ظاہری اور خارجی کائنات سے زیادہ وسیع و عریض ہے، زیادہ خوبصورت ہے، زیادہ دِلچسپ و دِل پذیر ہے۔

رفتار کے سفر نے انسان کو اُس کے اصل سفر سے الگ کر دیا ہے۔ اِنسان خود ہی روبوٹ بن کے رہ گیا ہے۔ وہ مُلک مُلک پھرتا ہے' سکون کی تمنا میں..... شہر شہر، نگر نگر چھانتا ہے' دولت کی تلاش میں۔ وہ مُلکِ دِلبری کا راستہ نہیں جانتا' جہاں دولتِ تسکین کے خزانے مستور ہیں۔ تیز رفتار اِنسان' سایۂ دیوارِ یار سے محروم ہے!

آج کا اِنسان، تمام تر آسائشوں اور رفتاروں کے باوجود اکابرینِ سلف کے مقام تک نہیں پہنچ سکا۔ دستورِ حیات کی اساس' ماضی کے عظیم اِنسانوں نے رکھی۔ آج کی عمارت اُسی بنیاد پر قائم ہے۔ لیکن آج کا انسان اُس عمارت کو جلد مکمل کرنا چاہتا ہے اور تکمیلِ تہذیب' اختتامِ تہذیب ہے۔

جلد رفتاری نے پہلے بھی بڑے گُل کھلائے ہیں۔ جلد بازیوں نے ہیروشیما اور ناگاساکی میں جلوے دِکھائے ہیں۔ تیز رفتار جہازوں اور گاڑیوں اور بسوں نے اِنسانی زندگی کو جس طرح تباہ کیا' اِس کی مثال ہی نہیں ملتی۔

آج کا عُجلت باز اِنسان دُنیا کو تیزی سے ایک نئی راہ کی طرف لے جارہا ہے۔ آج کے اِنسان کو جلد بازی نے ایک عجب خوف میں مبتلا کر رکھا ہے۔ یہ خوف محض اندیشۂ خیال نہیں...... یہ خوف ایک حقیقت بن کر اُفقِ زندگی پر طلوع ہو رہا ہے۔ یہ خوف ہے ایک تیسری جنگِ عظیم کا' یہ جنگ بین السیاروی جنگ ہوگی......اور

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اِس جنگ کی تعریف صرف یہی ہوسکتی ہے کہ اِن کے بعد کوئی اور جنگ نہیں۔ دنیا میں کوئی اِنسان ہی نہ ہوگا تو جنگ کون لڑے گا'کس کے ساتھ، کس کے لیے!

تیز رفتار ارتقاء' بظاہر اِنسان کو اِنسان کے قریب لایا لیکن اصل میں خطرہ' خطرے کے قریب آیا ہے!

آج کی مہذب و متمدن دُنیا میں، ترقی پذیر اور ترقی یافتہ دُنیا میں' پس ماندگی کا قائم رہنا انسان کے لیے بڑا پیغام ہے۔

اِنسان کے اِنفرادی وجود کی طرح' کسی ایک حصّے کا حد سے بڑھ جانے کا مطلب وجود کی ہلاکت ہے..... اِسی طرح ایک قوم یا ایک سماج کا حد سے نکل جانا' وجودِ آدم کی تباہی کا پیش خیمہ ہے۔

جہاں رفتار بڑھی ہے وہاں فاصلے بھی کروڑوں نوری سالوں کے ہیں۔ نتیجہ پھر وہی ہوگا' انسان بے بس ہوکر بیدم ہوجائے گا..... ابھی تو یہ کہکشاں بھی اِنسان کی دَسترس سے باہر ہے اور ابھی لاکھوں کہکشائیں ہیں دریافت کرنے والی.....لاتعداد سیارے بھیجے جائیں تو بھی لامحدود فاصلے نہیں مٹتے.....اور اِنسان کی زندگی..... چند محدود ایام کے علاوہ کچھ نہیں۔ ترقی ایک ایسے جہاز کی طرح ہے جو سطحِ سمندر پر اپنے آپ کو موجوں سے محفوظ کرلیتا ہے۔ اِس کا سفر تیز رفتار تو ہے لیکن اِس جہاز کے نصیب میں منزل کا نام ہی نہیں۔ بے نام اور بے نشان منزلوں کی طرف گامزن ہونے والا اِنسان اپنی رفتار پر کیا ناز کرسکتا ہے!

گھر سے قبرستان تک کا فاصلہ ہے کتنی رفتار درکار ہے۔ تقریباً پچاس سال کی مسافت ہے..... تیز رَوی کیا کرے گی! آج بھی دن چوبیس گھنٹوں کا ہے، سال بارہ مہینوں کا..... موسم اپنی پُرانی رفتار سے بدلتے ہیں، بچپن اپنی رفتار سے کٹتا ہے، جوانی کے ایام اپنی رفتار سے گزرتے ہیں اور پھر بڑھاپا..... اِنسان کو کوئی رفتار بھی تو پناہ نہیں دے سکتی۔ وہ سمندروں میں یا سیاروں میں چھپ جائے تو بھی اُسے زِندگی کا قرض واپس کرنا ہے۔ سانس کی ڈوری راستے میں ہی کٹتی ہے..... اِنسان کے گرد مجبوریوں اور پابندیوں اور سُست رَوی کا حِصار ہے.....اُس کی تیزی اُسے ہلاک کررہی ہے۔ وہ جتنی تیزی سے علاج دریافت کرتا ہے' اُتنی ہی تیزی سے نئی بیماری پیدا ہوجاتی ہے۔ عجب حال ہے اُس جلد باز مسافر کا..... بُرا حال ہے اُس تیز رفتار شکار کا جس کے آگے فاصلے ہیں' نہ طے ہونے والے اور جس کے پیچھے اُس کی جان کا دُشمن شکاری اُس کے دِن گنتا ہُوا ہواؤں کے گھوڑے پر سوار آرہا ہے۔ انسان بھاگتا ہے لیکن کب تک؟ آخر اَنہونی ہو کے رہتی ہے اور نا معلوم اور بے سمت فاصلوں کا تیز رفتار مسافر خاموشی سے موت کی آغوش میں سو جاتا ہے۔

ترقی یا ترقی پسندی یا اِرتقاء نے اِنسان کو کیا دِیا ہے؟ آفرین ہے' اِنسان کی تیز رفتاریوں پر..... تحسین ہے تعجیل کے پُجاریوں کے لیے..... رفتار حد سے نکل گئی، انسان جامے سے باہر ہوگیا!

تیز زندگی..... تیز تر گردشِ خون' آخر رنگ لاتی ہے..... اِنسان تو اِرتقاء کے امتحان میں پاس ہوجاتا ہے.....بس صرف ہارٹ فیل ہوجاتا ہے۔

آج کا معاشرہ، تیز رفتار معاشرہ' اِنسانی قدروں کا قبرستان ہے۔ بشر کی کوئی صفت' آج کے بشر

www.iqbalkalmati.blogspot.com

میں نہیں۔ فطرت کے قوانین توڑنے والا اِنسان دراصل خود کو توڑ رہا ہے اور جلدی جلدی توڑ رہا ہے۔ ابھی وقت ہے کہ وَقت کی رفتار کے ساتھ چلا جائے ...... بے موسم پھل اور بے وَقت حاصل آخر اِنسان کو نقصان پہنچائیں گے۔ فصلوں کو جلد از جلد اُگانے کی کوشش زمینوں کی توانائی ختم کر رہی ہے......اور اِس طرح حاصل ہونے والے اَجناس اور پھل بے ذائقہ ہی نہیں' نقصان دہ بھی ثابت ہو سکتے ہیں۔ رفتار وہی بھلی' جس سے سانس نہ پھولے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

سوال یہ ہے کہ......

کیا زندگی دینے والا زندگی واپس لینے کے علاوہ بھی اِس پر کوئی اختیار رکھتا ہے؟ اگر ہے‘ تو وہ کیا ہے؟

کیا خالق‘ مخلوق کے تجربے یا مشاہدے میں آ سکتا ہے؟

کیا خالق‘ مخلوق کی آواز اور پکار پر اُن کی امداد کرتا ہے؟

کیا ہمیشہ ایسے ہوتا ہے؟

کیا خالق اپنے ماننے والوں اور نہ ماننے والوں میں تخلیق کے حوالے سے کوئی اِمتیازی سلوک کرتا ہے؟

کیا ہر انسان کو یکساں صلاحیت کے ساتھ پیدا کیا جاتا ہے یا الگ الگ صلاحیت کے ساتھ؟

کیا بدصورت اور خوبصورت انسان ہوتے ہیں؟

کیا بدصورت کسی غلطی کی سزا کے طور پر بدصورت پیدا ہوتا ہے اور خوبصورت کسی نیکی کے دم سے خوبصورت ہوتا ہے؟

کیا پیدائش سے پہلے بھی کوئی نیکی بدی ہوتی ہے؟

کیا انسانوں کے اژدہام میں ایک آدمی اپنے ایمان کے حوالے سے اپنا امتیاز ثابت کر سکتا ہے؟

کیا ہونا اور نہ ہونا‘ سب کے لیے نہیں ہوتا؟

کیا ماننے والے شکست سے دوچار نہیں ہوتے؟

کیا نہ ماننے والے سرفراز نہیں ہوتے؟

کیا تسلیم کا انعام‘ شہادت ہے؟

کیا کمزور وجود‘ فاتح ہو سکتا ہے؟

کیا خالق کو نہ ماننے والے‘ خالق کی کائنات کے مالک ہو سکتے ہیں؟

کیا اِس زمین پر باغیوں کی حکومت تو نہیں؟

کیا ایمان رکھنے والے پریشانی ٔ حالات کا شکار تو نہیں؟

کیا ماننے والوں کو پریشان رکھا جاتا ہے؟

فرعون باغی ہے لیکن بادشاہ ہے، موسیٰؑ دوست ہے لیکن بے دست و پا۔ کیوں؟

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کیا دعائیں ہمیشہ منظور ہوتی ہیں؟ کبھی کبھی منظور ہوتی ہیں' یا کبھی نہیں؟

کیا دُعا سے وجوہ اور نتائج کے رشتے ٹوٹ سکتے ہیں؟

کیا صرف دُعا کے ذریعے وہ نتیجہ مل سکتا ہے' جس پر دعا کے علاوہ کوئی اور استحقاق نہ ہو؟

کیا بانجھ پن بارآور ہوسکتا ہے؟

کیا دعائیں گدھے کو گھوڑا بنا سکتی ہیں؟

کیا کسی پیغمبر کی کوئی دُعا نا منظور ہوئی ہے؟

کیا کسی کافر کی کوئی آرزو کبھی پوری ہوئی ہے؟

کیا ہماری محنت نصیب کے تابع ہے؟

کیا نصیب محنت کے تابع ہے؟

کیا نصیب بدل سکتا ہے؟

کیا نصیب کو بدلنے والی شے بھی نصیب ہی کہلاتی ہے؟

کیا نصیب کو نصیب بدلتا ہے؟ کیا دو نصیب ہوتے ہیں' تبدیل کرنے والا اور تبدیل ہونے والا؟

کیا بیماری دُعا سے دُور ہوتی ہے یا دَوا سے؟

کیا وقت بدلنے کا کوئی موسم ہوتا ہے؟

کیا اُمید اور خوف کے زمانے ہوتے ہیں؟

کیا سکون آسمانوں سے نازل ہوتا ہے' یا یہ اپنے خیال سے حاصل ہوتا ہے؟

کیا سکون خود گریزی کا نام ہے' یا بے عملی کا عمل؟

کیا ایمان والے کافروں کی بنائی ہوئی آسائشیں خرید سکتے ہیں؟

کیا امپورٹ اور ایکسپورٹ کا سارا نظام قابل غور تو نہیں؟

کیا یہود سے اسلحہ لے کر ہنود کے خلاف جہاد کیا جا سکتا ہے؟

کیا ایک مسلمان ملک دوسرے مسلمان ملک کے خلاف جہاد کر سکتا ہے؟

کیا مومن ہونے کے لیے کسی ادارے سے سند یافتہ ہونا ضروری ہے؟

کیا ہم کسی ایسے شخص کو کافر کہہ سکتے ہیں' جو خود کو مومن کہے؟

کیا اعمال کو نیت سے پہچانا جاتا ہے' یا نتیجے سے؟

کیا نیت جاننے کا بھی کوئی علم ہے؟

کیا ظاہر اور مخفی الگ الگ علوم ہیں؟

کیا مجبور کا گناہ ہوتا ہے؟

کیا بے بس جوابدہ ہے؟

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کیا پابند، آزاد کہلا سکتا ہے؟

کیا عبادت، عابد کی مجبوری ہے کہ اختیار؟

کیا کائنات کی ہر شے خالق کی تسبیح بیان کر رہی ہے؟

کیا تسبیح بیان کرنے والی شے باغی ہو سکتی ہے؟

کیا سرکش کو سرکشی فطرتاً نہیں ملی؟ اگر فطری اَمر ہے تو گناہ کیسے؟

اگر ایک مسلمان ملک کسی غیر مسلم ملک کے خلاف جہاد میں مصروف ہو، تو کیا دوسرے مسلمان ممالک پر جہاد فرض نہیں ہو جاتا؟

کیا مسلمان قوموں کو ایک ملّت بننے کا کبھی موقع مل سکے گا؟ کیسے؟

کیا مسلمانوں کا حج غیر مسلموں کو فائدہ تو نہیں پہنچاتا؟ حج ہمارا، جہاز اُن کے، سامان اُن کا، تجارت اُن کی۔ کیا مسلمانوں کا تیل یہودی کے ٹینکوں میں تو استعمال نہیں ہو رہا؟

کیا ہمارا مستقبل سب مسلمانوں کا مستقبل ہے؟

کیا سچے دین کو ماننے والے ہمیشہ سچ بولتے ہیں؟

کیا مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں؟

کیا مسلمان معاشرہ قائم ہو چکا ہے؟

کیا مسلمانوں پر اِسلام نافذ ہو چکا ہے، ہو رہا ہے یا ہونے والا ہے یا نہیں ہو سکتا؟

کیا آج اسلام کی حالت وہی ہے، جو چودہ سو سال پہلے تھی؟

کیا ترقی کرنے کے لیے مذہب کا ہونا بہت ہی ضروری ہے؟ کیا لا مذہب لوگ ترقی نہیں کرتے؟

کیا مذہب حاصل ہونے کے بعد ترقی ضروری ہے؟

کیا ترقی کے بغیر گزارہ نہیں ہو سکتا؟

ترقی کا معیار کیا ہے؟ کافر معاشرے کی تقلید، یا مذہب پر ریسرچ؟

کیا آج کے ترقی یافتہ ممالک کوئی مذہب رکھتے ہیں؟

کیا آج کے پسماندہ ممالک میں مذہب کے چرچے زیادہ ہیں؟

گھر سے قبرستان تک کا فاصلہ طے کرنے کے لیے کتنی ترقی چاہیے؟

کیا قوم میں وحدتِ افکار اور وحدتِ کردار پیدا کرنے کے لیے عذاب کے علاوہ کوئی اور راستہ نہیں ہو سکتا؟

کیا خالق اور مخلوق کے درمیان کوئی بڑی مخلوق بھی ہے، جو خالق جیسا حکم رکھتی ہو؟

کیا خالق نے مخلوق کو مخلوق کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا ہے؟

کیا خالق، مخلوق سے ناراض ہے؟

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کیا خالق، مخلوق کو معاف نہیں کر سکتا؟

کیا اُس کی رحمت اُس کے غضب سے زیادہ وسیع نہیں ہے؟

اہلِ ظاہر کو ان سوالات کے جوابات سوچنے پڑتے ہیں۔ اہلِ باطن پر جواب پہلے آشکار ہوتا ہے، سوال بعد میں بنتا ہے۔

اگر جواب معلوم نہ ہو، تو سوال گستاخی ہے اور اگر جواب معلوم ہو تو سوال بیباکی ہے۔ بیباکی میں تعلق قائم رہتا ہے اور گستاخی میں تعلق ختم ہو جاتا ہے۔

اگر ہم ذہن سے سوچیں تو سوال ہی سوال ہیں اور اگر دِل سے محسوس کریں تو جواب ہی جواب۔

اگر ہم اُس کے ہیں، تو وہ ہمارا ہے..... جواب ہی جواب۔ اگر ہم صرف اپنے لیے ہیں، تو ہم پر عذاب ہے، علم کا عذاب، ذہن کا عذاب.....سوال ہی سوال۔

سوال دراصل ذہن کا نام ہے اور جواب دِل کا نام۔ ماننے والا جاننے کے لیے بیتاب نہیں ہوتا اور جاننے کا متمنی ماننے سے گریز کرتا ہے۔

شک سوال پیدا کرتا ہے اور یقین جواب مہیا کرتا ہے۔ شک، یقین کی کمی کا نام ہے اور یقین، شک کی نفی کا نام۔ یقین، ایمان ہی کا درجہ ہے۔

آسمانوں اور زمین کے تمام سفر سوالات کے سفر ہیں، لیکن دِل کا سفر جواب کا سفر ہے۔ ان سوالات کے جوابات دانشوروں سے نہ پوچھیں، اپنے دِل سے پوچھیں ..... اُس دل سے، جو گداز ہونے کا دعویٰ بھی رکھتا ہے!!

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہم کیا ہیں؟

میں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں' وہ شاید نہ کہہ سکوں، اور جو کچھ کہہ رہا ہوں' شاید وہ میرا مقصد ہی نہ ہو۔ یہی تو مجبوری ہے' اور یہی میرے عہد کی پہچان ہے۔ ہم ایک کرب ناک صورتِ حالات سے گزر رہے ہیں۔ انسان اپنے اصل سے کٹ چکے ہیں اور الفاظ اپنے معنی سے ہٹ چکے ہیں۔ ہم لوگ الگ الگ جماعت ہیں اور یوں وحدتِ قوم' جمعیت التفریق بن کر رہ گئی ہے۔

ہم مصروف ہیں لیکن ہماری مصروفیت بے معنی ہے۔ ہم دفتروں میں کچھ اور ہیں' اور گھروں میں کچھ اور۔ ہم وطن کی تعمیر کی بجائے اپنے مکانوں اور آستانوں کی تعمیر میں مصروف ہیں۔ ہمارا اصل وطن ہماری خواہشات کا نام ہے۔ ہم اپنی اپنی اناؤں میں رہ رہے ہیں۔ ہم بہت کچھ جانتے ہیں، ہمارے علم نے ہمیں دوسروں پر فوقیت جتانا ہی سکھایا ہے' دوسروں کے کام آنا نہیں۔ ہم اپنی نگاہ میں خود ہی سب کچھ ہیں۔ ہم کسی پر اعتبار نہیں کرتے۔ ہم خود بھی قابلِ اعتبار نہیں ہیں۔

خواب دیکھنا ہمارا مشغلہ ہے۔ ہم عظیم مستقبل کے خواب دیکھتے ہیں۔ پہلے بھی ہم ایک خواب کی پروڈکشن ہیں۔ ایسا خواب جو ابھی تک اپنی تعبیر کی تلاش میں ہے۔ مستقبل کا تصور ہمیں حال سے بیگانہ کر دیتا ہے۔ ہم اپنے پیچھے ملی اَلمیے چھوڑ آئے ہیں لیکن ہم ہر حالت سے سمجھوتہ کر لیتے ہیں۔ ہم صرف انسانوں سے سمجھوتہ نہیں کرتے۔ ہم اصول بیان کرنے والی قوم ہیں۔ دوسروں کو اصول کی تعلیم دیتے ہیں، معلم کے لیے عمل ضروری نہیں۔ ہم حقیقت بیان کرتے ہیں اور سننے والے اِسے آگے بیان کرتے ہیں اور اِس طرح بیان جاری رہتا ہے اور عمل کی فرصت ہی نہیں ملتی۔

ہمارا نظامِ فکر امپورٹ ہوتا ہے اور اس طرح ہماری وابستگی الگ الگ ہے۔ ہم میں سے کچھ لوگ رُوس نواز ہیں۔ کچھ لوگ امریکہ نواز ہیں۔ کچھ لوگ چین نواز، ہند نواز اور کچھ لوگ ''حق نواز''۔ ہم پر ثقافتوں اور سیاستوں کی یلغار ہے۔ ہماری پسندیدہ یا ترا' ہند یاترا ہے۔

ہمارے لیے وی سی آر کی بھر مار ہے۔ خدا کی مار ہے کہ ہر چوتھا آدمی ہیروئن کا شکار ہے۔ بس استغفار ہے۔ ہم خوابوں میں بلند پرواز ہیں۔ یہ الگ بات کہ ہمارے گرد دائرہ تنگ ہوتا جا رہا ہے۔

یہ قوم غریب ہے' لیکن لوگ امیر ہیں؟ کاریں ہی کاریں، راہ چلنا دشوار ہے۔ مہنگائی حد سے

زیادہ اور خریداری بھی حد سے زیادہ' عجب عالم ہے۔ خطرات بیان ہو رہے ہیں لیکن کسی پر کوئی اثر نہیں۔ بیان کرنے والے بھی اپنے عالی شان مکانوں کی تعمیر کرتے جا رہے ہیں۔ جہاں الفاظ اپنے مفاہیم بدل چکے ہوں' وہاں اپنے عہد کے بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے۔ ہمارا عہد' عجب عہد ہے۔ اس میں کیا نہیں ہو رہا...... دورِ تضادات کا دور ہے۔ انسان کے باہر تضاد، خود انسان ہی مجموعۂ اضداد ہے۔ آج کا انسان ہمہ وقت مصروف ہے۔ اُس کے پاس فرصت نہیں۔ وہ دوڑتا جا رہا ہے۔ اُس کو کسی نے ایک نامعلوم منزل کی طرف گمنام سفر پر مصروف کر رکھا ہے۔ وہ سب کچھ جاننے کا دعویٰ رکھتا ہے اور دعوے کا مفہوم بھی نہیں سمجھتا کہ یہی اس کی جہالت کا ثبوت ہے۔

ہمارا عہد تعمیر و تخریب کا مظہر ہے۔ نئے ادارے، نئے مکانات، نئے ماڈل، نئے آستانے اُبھر رہے ہیں اور پرانے اور مانوس ادارے ختم ہو رہے ہیں۔ پرانے ملبے ہٹائے جا رہے ہیں اور نئے شاہکار بنائے جا رہے ہیں۔ یہ دور قدیم تہذیبی اداروں کے خاتمے کا دور ہے۔ کل کا انسان عقیدتوں کا مظہر تھا لیکن آج انسان ہر عقیدت اور ہر عقیدے سے آزاد ہے۔ آج کا عقیدہ' بے عقیدہ ہے۔ آج صرف ایک انسان کی پرستش کی جاتی ہے، یعنی اپنا آپ...... ہم اپنی اَنا کے پجاری ہیں۔ ہم اپنی اپنی خواہشات کے آگے سجدہ ریز ہیں۔ ہم اپنے علاوہ کسی کو اہم نہیں سمجھتے۔ آج کے ماحول میں خود پسندی ہی پسندیدہ عمل ہے۔ انسان آئینہ دیکھتا رہتا ہے۔ وہ نہ آئینے میں اُترتا ہے' نہ اس سے باہر نکلتا ہے۔ ہر شے میں ملاوٹ ہے۔ کھانے میں، پینے میں، سوچنے میں، عبادت میں، مذہب میں، مدرسے میں، خانقاہوں میں، سیاست میں، صحافت میں، دوا میں، دعا میں، وفا میں' غرضیکہ ہر ادا میں ملاوٹ ہی ملاوٹ ہے۔ جو ہے' وہ نہیں ہے۔ ہم وہ نہیں' جو نظر آتے ہیں۔ ہمارا وجود اصل وجود سے مختلف ہے۔ ہمارے افکار خالص نہیں، ہماری سوچ صحت مند نہیں، ہمارے چارہ گر...... چارہ گر کا لفظ بے معنی ہے۔ ہمارے قائد آج بھی صرف قائدِ اعظمؒ ہی ہیں۔ اگر قائدِ اعظمؒ زندہ ہو جائیں تو قائدین کی کثیر تعداد مر جائے۔ ہمارے ہاں کوئی شے بھی تو ایسی نہیں' جو بھروسے کے قابل ہو...... ہم محسن فراموش قوم ہیں۔ اگر آج اقبالؒ زندہ ہو جائے تو قوم کے حالات دیکھ کر صدمے سے پھر مر جائے۔ یہ قوم عجب قوم ہے۔ اسے اپنے حال سے کوئی سروکار نہیں۔ یہ ماضی کے بزرگوں کی یادیں مناتی ہے اور مستقبل کے لیے کوئی کام نہیں کرتی۔ یہ بے حسی کا شکار ہے۔ پاؤں تلے سے زمین نکلا چاہتی ہے، سر پر آسمان گرا چاہتا ہے اور یہ بی بی رانی ٹس سے مس نہیں ہوتی۔ اسے جمہوریت کا انتظار ہے کہ ہر بلا کو جمہوریت سے ٹالا جائے گا۔ مدتیں گزر گئیں اور ابھی تک یہ فیصلہ کرنا باقی ہے کہ اس ملک کا نظامِ حکومت کیا ہو گا!! نظامِ تعلیم کیا ہو گا...... نظامِ معیشت کیا ہو گا۔ نظامِ عقیدہ کیا ہو گا۔ اسلام ہو گا تو کون سا ہو گا۔ فقہ کون سی ہو گی...... زبان کیا ہو گی۔ قومی لباس کون لوگ کب پہنا کریں گے۔ صحافت کس نہج پر استوار ہو گی اور سیاست کا دائرہ کیا ہو گا۔ اِس ملک میں مقبول ترین بیانات وہ ہیں جن میں ''گا''، ''گے''، ''گی''، ''ہو''۔ ہر چیز ہو گی، سب کچھ ہو گا...... سب انتظامات کر لیے جائیں گے۔ سب ٹھیک ہو

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جائے گا۔ سب کی بگڑی بن جائے گی..... سب بادل چھٹ جائیں گے۔ سب کچھ یہیں رہے گا..... افسوس! ہم نہ ہوں گے۔

چارہ گروں کے لیے نوید ہے کہ مریض زیادہ دیر اُن پر بوجھ نہیں ڈالے گا۔ چاروں صوبے' چاروں عناصر کی طرح ابھی ظہورِ ترتیب میں ہیں۔ منتشر ہونے کا اندیشہ' خاکم بدہن بعید از قیاس بھی نہیں۔ ابھی جمہوریت نے گل کھلانے ہیں، ابھی اور بھی شگوفے پھوٹیں گے۔ ہم سب کرنیں ہیں' جو اپنے سورج کو مسلسل چاٹ رہی ہیں۔ یہ سورج ابھی اللہ کے فضل سے قائم ہے' لیکن ہمارا عمل بداعمالی کے سوا کیا ہے۔ ہم نے غور کرنا چھوڑ دیا..... ہم مستقل اِنتظار میں ہیں۔ کوئی آئے گا، جگائے گا، ہم سے کام لے گا..... ہم عظیم قوم بن جائیں گے..... لیکن ابھی نہیں شاید.....!

ابھی اِسلام نے نافذ ہونا ہے۔ مسلمانوں پر اِسلام نافذ ہونے میں ابھی کچھ دیر ہے' یا تو مسلمان وہ نہیں رہے' یا اِسلام وہ نہیں جو دِلوں پر پہلے دن سے نافذ ہو جاتا تھا۔ یا اللہ! ہم کہاں سے چلے تھے، کہاں آ گئے۔ میرے مولا!..... ہمیں جگا..... لیکن نہیں..... خدا جگائے گا' تو جھٹکے سے آنکھ کھلے گی۔ جس کو اِحساس نہ جگائے اُسے کون جگا سکتا ہے۔ میرے مولا! ہماری بے حسی کو بے حیائی نہ بننے دے۔ میرے آقا! ہم نا اہل ضرور ہیں' لیکن تیرے حبیب ﷺ کے نام لیوا ہیں۔ ہم پر رحم فرما..... ہمیں ہمارے فرائض سے آشنا کر۔ ہمیں ایک قوم بنا، ہم پر نازل فرما..... اپنے کرم، اپنی رحمتیں!

ہم اِحسان فراموش قوم ہیں۔ اپنے اَسلاف کی محنتوں کو برباد کرنے والی قوم..... ہم بحث کرنے والی قوم ہیں۔ ہمارے پاس بڑے اخبار ہیں اور وہ خبر کسی اخبار میں نہیں ہوتی' جس خبر کی ضرورت ہے..... جو خبر اہم ترین ہے۔

ہم نے اپنے آپ کو دُشمن کی نگاہ سے کبھی نہیں دیکھا۔ اُس کے سامنے ہم سب ہم عقیدہ ہیں۔ دُشمن یہ نہیں دیکھتا کہ شیعہ کون ہے' سُنی کون۔ ہم بھول گئے اُس عہد کو جو ہم نے اپنے آپ سے کِیا تھا، قائداعظمؒ سے کیا تھا، اِقبالؒ سے کیا تھا۔ مسلمانانِ ہند سے کیا تھا، مسلمانانِ عالم سے کیا تھا، خدا سے کیا تھا۔ ہم سب کچھ بھول گئے۔ ہم یادداشت کھو بیٹھے ہیں۔ ہماری تاریخ بدل گئی، جغرافیہ بدل گیا، ہماری شناخت بدل گئی، تشخص مسخ ہو گیا۔ ہم' ہم نہ رہے اور پھر طُرفہ عذاب کہ ہم پر اَثر بھی نہ ہوا۔

ہمارے مشائخ' خدا بھلا کرے اِن بزرگوں کا' اَب ویسے نہیں' جیسے اِن کے آباء تھے۔ آستانے وہی ہیں مگر بات وہ نہیں۔ طریقت اپنے طریقے بدل گئی۔ میں یہ نہیں کہہ رہا کہ سب جھوٹے ہیں۔ میں صرف یہ کہہ رہا ہوں کہ سب سچے نہیں' کیوں نہیں؟ جھوٹے کی نشاندہی کون کرے گا؟ جب قُربِ سلطان مسلک بن جائے تو راہِ سلوک مسدود ہو جاتی ہے۔ جب اہلِ باطن' اہلِ ثروت کا تزکیہ نہ کریں تو اُن کا تقرب حرام ہے۔ جب فقراء اِسلامی ملک میں بھی اِخفا سے کام لیں تو مصلحت اندیشی ہے اور مصلحت اندیش' درویش نہیں ہو سکتا۔ خانقاہ کا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ادارہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو رہا ہے۔ کسی کو غم نہیں، کسی کو فکر نہیں۔ میں صرف اُس انسان سے مخاطب ہوں جو اِس وقت باطنی نظام میں فائز ہے۔ وہ قوم میں موجود بے راہ روی کی ذمہ داری قبول کرتا ہے' یا صرف اَپنے مرتبے ہی میں مگن ہے؟ ہم اُس سے سوال کرتے ہیں کہ عالی مرتبت! ہم آپ کا انتظار کریں کہ اپنا بیڑہ خود ہی پار کریں۔ خوابیدہ قوت سے بیدار کمزوری بہتر ہے۔

''لاخوف'' کی منزلیں طے کرنے والو! ساری ملت کو خوف زدہ ہی رکھنا ہے کہ "لا تقنطو" کی شرح بھی ہوگی۔ وقت کے غوث، قطب، ابدال، قلندر کیا کر رہے ہیں۔ ہمارے اکابرین ذرا دھیان کریں۔ اے صاحبانِ بصیرت! ہم لوگ راستہ بھول گئے۔ کہاں ہیں رجال الغیب' پکار ہے پکار ہے، فریاد ہے فریاد ہے کوئی بے بصر مرید' میری اِس بے باکی کو گستاخی نہ سمجھے یہ ہماری اُن کی بات ہے..... راز و نیاز کی رمزیں ہیں۔

..... اور ہمارے علما ..... ''فی سبیل اللہ فساد'' ..... لیکن نہیں۔ سب علما نہیں۔ قابلِ قدر تو قابلِ قدر ہیں۔ علم والے تو علم دے رہے ہیں۔ لاکھوں مساجد کے لاکھوں آئمہ..... پانچ وقت تبلیغ کر رہے ہیں اور اِس نا اہل قوم کا ذمہ دار کون ہے؟ اب اُس نا اہل ڈاکٹر کی طرح یہ نہ کہنا کہ ہم نے تو اپنا فرض پورا کیا' آگے مریض کا مقدر قوموں کے لیے ایسے نہیں ہوتا۔ ذمہ داری لی جاتی ہے۔ صرف فرض پورا نہیں کیا جاتا۔ اگر خدانخواستہ قوم کو کوئی حادثہ پیش آیا' تو تم بھی نہ رہو گے..... نہ اہل' نہ نا اہل..... سب ہی ایک کشتی میں سوار ہیں۔ زندگی میں آخرت کا عمل سکھانے والو! زندگی کا عمل کب سکھاؤ گے؟

ہمارے اور بھی محسن ہیں' ہمارے سیاست دان، لیڈر صاحبان۔ قائدین کی بہتات نے قیادت کا فقدان پیدا کر دیا ہے۔ اِتنے لیڈر کہ قوم اکیلی رہ گئی ہے۔ ہر نا عاقبت اندیش کو زعمِ آگہی ہے، ہر چرب زبان' سیاست دان ہے۔ ہر آدمی ہر دوسرے آدمی کو ہر وقت کچھ نہ کچھ سمجھا رہا ہے۔ سیاست کے فلسفے بیان ہو رہے ہیں۔ جمہوریت کے فوائد پر لیکچر ہو رہے ہیں۔

کالعدم کو سُوئے عدم ہی کیوں نہ رخصت کر دیا جائے؟ آج کی سیاست راستے مانگ رہی ہے۔ بھیک مانگ رہی ہے۔ رحم طلب کیا جا رہا ہے۔ اِلتجا ہمارا پسندیدہ عمل ہے۔

علم والے آدھے ملک کو آدھے ملک کے خلاف اُکسا رہے ہیں۔ اِسلام دنیا کو نظام دینے کے لیے آیا اور آج ہمیں لا دین اور بے دین نظام کی اَفادیت بتائی جا رہی ہے۔ نئی معیشت' نئی سیاست کی اَساس ہے۔ شکر ہے کہ ابھی سیاسی ڈھانچے بننے باقی ہیں۔ ابھی اتنی جلدی ہی کیا ہے! مارک ٹائم..... ہمارا نعرہ ہے۔ اِک عجب عالم ہے، قیامت ہے کہ رات کب کی ختم ہو چکی ہے لیکن سورج ابھی نہیں نکلا..... ابھی شاید طویل منصوبہ بندی کا دَور ہے۔ سوال یہ ہے کہ صف بندی کا زمانہ کب آئے گا۔

عزیزانِ محترم! میری مانو' تو آپ کسی کو نہ مانو..... کسی کی نہ سنو، اپنی مرضی کرتے جاؤ۔ حتیٰ کہ وہ

www.iqbalkalmati.blogspot.com

وقت آن پہنچے جب ساری قوم اللہ کی رحمت کو پکارنے پر مجبور ہو جائے اور پھر افلاک سے نالوں کا جواب آئے گا۔ دُعا کو تاثیر کا منہ دیکھنا نصیب ہو گا۔ ایمان سینوں میں بیدار ہو گا......اور پھر نکلیں گے غاروں سے طاقتور شیر، اللہ والے، باطن کے شہباز، سلطان الفقراء، شہنشاہِ قلندراں......اور پھر آناً فاناً طوفان کے رُخ موڑ دیئے جائیں گے، ٹوٹے ہوئے شیشے...... معاف کرنا ٹوٹے ہوئے دِل جوڑ دیئے جائیں گے۔ حق والوں کو حق مل جائے گا، قوم کے روشن مستقبل کا ستارہ طلوع ہو گا، اندیشے دَم توڑ دیں گے اور اُمید کے مسکن جگمگائیں گے...... لیکن......کیا کبھی ایسے ہوا؟ کیا ایسے کبھی ہو گا؟ کیا ایسے ہو سکتا ہے؟ اہلِ باطن کی خدمت میں سوال ہے......!

www.iqbalkalmati.blogspot.com

عذاب

عذاب اور عبرت کے الفاظ سننے میں بھی سخت ہیں اور سمجھنے میں بھی۔ عذاب کسے کہتے ہیں..... عذاب اُس وقت کا نام ہے، جب اِنسان اَپنے اَعمال کا نتیجہ اَپنے سامنے دیکھے۔ اِنسان کی بداعمالیاں جب ایک خوفناک نتیجہ بن کر اُس کی راہ میں آموجود ہوں، عذاب کا لمحہ ہے۔

فطرت، اِنسان کی لغزشوں اور بداعمالیوں کو اکثر معاف کرتی ہے۔ اِنسان اپنے اعتقادات کا مذاق اُڑاتا ہے۔ وہ سرکشی کرتا ہے، وہ لاف زنی کرتا ہے۔ وہ خود کو خود ساختہ مالک و مختار سمجھتا ہے، وہ اطاعت سے رُوگردانی کرتا ہے اور اگر اطاعت کرے بھی تو اُس کا معاوضہ اِس شکل میں وصول کرتا ہے کہ لوگ اُس کی اطاعت کریں..... فطرت خاموش رہتی ہے..... سرکشی جاری رہتی ہے، اور پھر ایک ایسا لمحہ آتا ہے کہ ظالم کا ہاتھ معصوم کی طرف اُٹھتا ہے..... مجبور پر اُٹھتا ہے..... مظلوم کی فریاد، فطرت کو اِنصاف کے لیے پکارتی ہے۔ بس فطرت جب اِنصاف کرنے پر آجائے تو سمجھ لیجیے کہ عذاب کا وقت آگیا..... کسی اِنسان کے کون سے اَعمال کسی اِنصاف کے کیسے منتظر ہو سکتے ہیں..... انصاف، بس قیامت ہے، عدالت رحم نہیں کرتی۔ جب رحم نہ رہے تو اَعمال کا نتیجہ سوائے عذاب کے اور کیا ہو سکتا ہے!

عذاب کے لمحات، محاسبے کے لمحات ہیں، عبرت کی گھڑیاں ہیں..... قیامت کا منظر ہے۔

عذاب کا وقت وہ وقت ہے، جب اِنسان سے دُعائیں چھن جائیں..... جب اِنسان گتھیوں کو اپنی عقل سے سلجھانا چاہے اور عقل سے وہ گتھیاں مزید اُلجھ جائیں، تو سمجھ لیجیے کہ عذاب قریب ہے۔ عقل اور صرف عقل، طاقت اور صرف طاقت، مسائل کا حل نہیں دے سکتے۔ جب تک اُس کا فضل حاصل نہ ہو، ہمارے تمام کام اور ہمارا تمام حاصل، ہمارے لیے عذاب لکھ رہے ہیں..... ہم خود اپنے لیے اپنے ہاتھوں سے عذاب لکھتے ہیں۔

یتیم کا مال کھانے والا کتنی خوش فہمی میں مبتلا ہوتا ہے کہ اُسے کوئی روک نہیں سکتا..... مال کا مالک یتیم ہے، محروم ہے اور غاصب اپنی قوت میں ہے۔ وہ یتیم کا مال ہڑپ کر جاتا ہے، بس یہاں سے ہی عذاب کی ابتداء ہوتی ہے۔ یتیم کا مال، یتیم کا حق، یتیم کا حصہ پیٹ میں جائے، تو ایسے ہے جیسے پیٹ میں آگ..... اور عذاب کسے کہتے ہیں..... جب اِنسان کا لالچ، اُس کی عقل، اُسے آگ نگلنے پر مجبور کر دے۔ عذاب کو ہم خود ہی دعوت دیتے ہیں۔ ہوسِ زر پرستی، اِبتدائے عذاب ہے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جب اِنسان کے دِل سے اِنسانوں کا اِحترام اُٹھ جائے تو سمجھ لیجیے کہ عذاب کا دَور آ گیا۔ عذاب کے زمانے 'بد اعتقادی اور بد نظمی کے زمانے ہیں۔ جب اِنسان دوستی' اِنسان دشمنی میں تبدیل ہو جائے تو آغازِ عذاب ہے۔ اِنسان جب اِنسانوں کو خوفزدہ کرے یا اُن سے خوفزدہ رہے' تو اور عذاب کیا ہے! تعجب تو یہ ہے کہ ہر اِنسان ہر دوسرے اِنسان کو بُری نگاہ سے دیکھے اور افسوس تو یہ ہے کہ کوئی کسی کا پُرسانِ حال نہ ہو...... ہر طرف قتل و قتال ہو اور حال یہ ہو کہ بس بُرا حال ہو...... ہر طرف مسیحاؤں کا ہجوم ہو اور مریض دَم توڑ رہا ہو...... خدا خوفی نہ رہے' تو مخلوق خوفی کی وَبا پھیل جاتی ہے...... اور عذاب کی اِنتہائی صورت یہ ہے کہ عذاب نازل ہو رہا ہو اور لوگ بدمستیوں اور رنگ رَلیوں میں محو ہوں...... پانی سر تک آنے والا ہو اور اِنسان ٹس سے مَس نہ ہو۔

عذاب کے زمانے ہر دَور میں مختلف انداز سے آتے ہیں۔ جب اُولاد' ماں باپ سے باغی ہو اور ماں باپ' اولاد سے بے خبر ہوں تو کسی مزید عذاب کا کیا تذکرہ؟

آج کے اِنسان کے لیے آج کا عذاب ہے...... آج کی بداعمالیاں آج کی سزا کی منتظر ہیں...... جب اِنسان کے پاس آسائشیں ہوں اور سکون نہ ہو' تو عذاب ہے...... جب محافظ موجود ہوں اور حفاظت عنقا ہو' تو عذاب ہے...... جب نیکی' بدی نظر آئے اور بدی' محترم مانی جائے' تو عذاب ہے۔ عذاب کا وقت خدا کسی پر نہ لائے...... وہ وقت کہ جب مسلسل سفر ہو رہا ہو اور فاصلے نہ کٹتے ہوں' تو عذاب قریب ہوتا ہے۔ ایسا وقت کہ اِنسان پر بغیر قصور اور بغیر کسی جرم کے مصیبتیں نازل ہوں اور وہ فریاد تک نہ کر سکے' عذاب کا وقت ہے۔ عذاب اُس وقت کو بھی کہتے ہیں کہ مبلغ' تبلیغ کرے اور سامعین مذاق اُڑائیں۔ جب محسن کُشی وبا کی شکل اختیار کر لے' عذاب ہے۔

عذاب کا لمحہ' وہ لمحہ ہے جب کرنیں اپنے سورج کو چاٹنے لگ جائیں، جب شاخیں اپنے درخت کو کھا جائیں، جب اعضا اپنے وجود سے کٹ جانا چاہیں، جب اجزا اپنے کُل سے منحرف ہوں، جب اپنی صورت اپنی صورت نہ رہے، جب نہ ہونا' ہونے سے بہتر ہو، جب آدھا راستہ طے کرنے کے بعد مسافر سوچنے لگ جائیں کہ یہ سفر بے کار ہے...... عذاب ہی عذاب ہے...... اُس مسافر کے لیے جس کے لیے اپنے سفر میں کوئی دلچسپی باقی نہ رہے، آگے جانے کی خواہش نہ رہے اور لوٹ جانا ناممکن ہو۔ جب اِنسان اپنے ماضی سے کٹ جائے اور مستقبل واضح نہ ہو' قافلے منتشر ہو جاتے ہیں اور رہنماؤں کی کثرت ہوتی ہے۔ عذاب ہے ایسی مسافرت' جس میں سفر کا انجام بھی سفر ہو...... جس میں ہم سفر صرف اندیشہ ہو...... ایسا سفر جیسے صحرا میں رات کی تنہائی میں ایک مسافر' جسے اپنی آواز سے ڈر لگتا ہے...... ہولناک سنّاٹے میں چیخ کی آواز' عذاب کا اعلان ہے۔

جب اِنسان اپنے دیس میں خود کو پردیسی محسوس کرے' تو عذاب ہے۔ جب اپنے گھر میں اِنسان خود کو مہمان محسوس کرے' تو عذاب سے کم نہیں۔ جب آوازوں کا اِتنا شور ہو کہ اِنسان کی گویائی آواز کے سمندر میں ڈوب جائے' تو دُکھ کا زمانہ ہے۔ جب سورج روشنی دینا بند کر دے' تو عذاب ہے۔ جب زمانہ اَمن کا ہو اور حالات جنگ سے ہوں' تو عذاب ہے۔

طرفہ عذاب تو یہ ہے کہ دِلوں سے مروّت نکل جائے، احساس ختم ہو جائے، ہمدردی کے جذبات سرد

www.iqbalkalmati.blogspot.com

پڑ جائیں اور انسان کھلی آنکھوں سے جلتے ہوئے گھر اور ڈوبتے ہوئے سہارے دیکھ رہا ہو...... جب فریاد زبان پر آنے سے پہلے زبان کٹ جائے...... جب انسان کے پاس راز ہو اور اُس کا کوئی محرم راز نہ ہو...... جب آنکھوں میں آنسو ہوں اور اُس کے گرد جشن منانے والے درندے ہوں...... جب وحشت رقص کرے اور معصومیت کے جنازے اُٹھ رہے ہوں...... عذاب ہے۔ میرا رُوئے سخن خدانخواستہ کراچی کی طرف نہیں...... قطعاً نہیں' کیونکہ کراچی جس عذاب سے گزرا ہے' اُس کے لیے کوئی بیان ممکن نہیں۔ وہاں جو ہُوا' نا قابلِ بیان ہے۔ وہ عذاب تھا، عتاب تھا، قیامت تھی کہ کیا تھا۔ اِتنے مہذب زمانے میں، اِتنے بڑے شہر میں' اِتنے غیر مہذب واقعات۔ جس نے سنا' اُسے اپنی سماعت عذاب لگی، جس نے دیکھا' اُسے اپنی بصارت عذاب نظر آئی۔ ایسے واقعات سننے سے بہتر تھا کہ ہم بہرے ہو جاتے، ایسے واقعات دیکھنے سے بہتر تھا کہ ہم اندھے ہو جاتے۔ اشرف المخلوقات میں درندگی' عذاب کی نوید ہے۔ کس کس نے کیسے کیسے یہ سانحہ لکھا' اِس سے بحث ہمارا کام نہیں۔ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہماری تاریخ کا تازہ زخم کراچی کا سانحہ ہے۔ اِس سانحہ سے ہزاروں سانحے یاد آسکتے ہیں۔ یہ زخم پُرانے زخموں کو ہرا کر سکتا ہے۔ معصوم بچیوں کے ساتھ درندگی' اُن تمام درندگیوں کی اِنتہا ہے جنہیں خاک و خون کے واقعات کہا گیا۔ عذاب یہ نہیں کہ کیا ہوا' عذاب تو یہ ہے کہ اس واقعے کے پیچھے کیا ہے اور اس سے آگے کیا ہوگا۔ طوفان گزر جائے تو بھلا' اگر طوفان رُک جائے تو خطرہ موجود ہے۔ آگ بجھ جائے تو اچھا' ورنہ دبی ہوئی آگ زیادہ خطرناک ہو سکتی ہے۔ کہیں نہ کہیں' کچھ نہ کچھ ہے۔ ہم پہلے بھی حادثے سے گزر رہے ہیں۔ بازو کٹ چکا۔ اب حادثے کیا چاہتے ہیں ہم سے...... کیا ہمیں مایوسی کے حوالے کیا جا چکا ہے کہ ہم پر وبائیں نازل ہیں۔ کیا ہم پر توبہ کے دروازے بند ہو چکے ہیں کہ ہم سے دعائیں چھن چکی ہیں۔ کیا ہم بھول گئے ہیں کہ ہمارے دروازوں پر بیرونی خطرات بھی دستک دے رہے ہیں۔ کیا اندرونی اِنتشار بھی بیرونی خطرے کا شاخسانہ ہے۔ کیا کشتی اور کنارے میں ہمیشہ کے لیے جدائی ہو چکی ہے۔ کیا ہم ایک ظالم قوم ہیں۔ کیا ہم بے حس ہیں۔ کیا ہم بے بس ہیں۔ کیا ہماری آنکھوں پر پٹی بندھی ہے۔ کیا ہم آنے والی نسلوں کو جوابدہ نہیں ہوں گے۔ کیا ہم پر کوئی اور یومِ حساب نہ آئے گا۔ کیا ہمارا حساب' عذاب کے علاوہ کچھ نہیں۔ کیا ہم نشے میں ہیں؟ غفلت کا نشہ، بے حسی کا نشہ، اپنی خود غرضی کا نشہ۔ کیا ہم سے ہمارا مستقبل ناراض ہے۔ کیا ہم سے ہمارا ماضی کٹ چکا ہے۔ کیا ہم نا قابلِ اصلاح ہو چکے ہیں۔ کیا اُس کی رحمت نے ہمیں چھوڑ دیا ہے۔ ہم کیوں عذاب میں ہیں!! اے مالک! ہمیں ہمارے اعمال کی زد سے بچا۔ ہمیں ایک دُوسرے کے حوالے نہ کر، ہمیں اپنی رحمت اور اپنے فضل کے حوالے رکھ۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ جس قوم سے خطا ہو جائے' اُس پر بھی تیری عطا ہو جائے...... ہو تو سکتا ہے۔ تُو اگر چاہے تو رات سے دن پیدا ہو، مُردہ سے زندہ پیدا ہو، خزاؤں سے بہار پیدا ہو۔ نفرت سے محبت پیدا ہو۔ تُو چاہے تو مدھم روشن ہو جائے۔ ہمارے مالک! ہم پر اپنی رحمت کے دروازے کھول، ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہمیں عذاب سے بچا......!!

www.iqbalkalmati.blogspot.com

مصروفیت

ہم سب مصروف ہیں۔ ہمارے پاس فُرصت نہیں۔ ہم کچھ نہ کچھ کرتے رہتے ہیں۔ اچھائی نہ ہو تو بُرائی کرتے ہیں۔ ہم خاموش اور تنہا ہوں تو بھی کچھ نہ کچھ کرتے رہتے ہیں۔ کبھی یادیں دُہراتے ہیں، کبھی مُستقبل کے خواب دیکھتے ہیں، تصورات کے ہوائی قلعے تعمیر کرتے ہیں۔ ہم آئینوں میں عکس دیکھنے کے عادی ہیں۔ حقائق کو دیکھنا اُتنا دلچسپ نہیں جتنا حقائق کا عکس۔

مصروفیت کا یہ عالم ہے کہ کسی کے پاس کسی کے لیے وقت نہیں۔ ہمیں اپنے لیے وقت میسر نہیں آتا۔ ہم مصروف ہیں۔ ہمارے لیے ہماری مصروفیت ہی ہماری خود گُریزی، خود فریبی، خود شکنی اور خود فراموشی کا جواز مہیا کرتی ہے۔ ہم ایک کام کرتے ہیں تو دُوسرا بھول جاتے ہیں۔ ہمارے پاس بہت سے مقاصد ہیں۔ بڑے منصوبے ہیں۔ طویل پروگرام ہیں۔ کثیر ارادے ہیں، بے شمار عزائم ہیں۔ بس ہر شے کی کثرت ہے صرف وقت کی قِلت ہے۔ زندگی مختصر ہے اور مصروفیات بے انداز۔ ہم کیا کریں! ہم سوچتے ہیں تو ندامت ہوتی ہے اس لیے ہم سوچنے کی بجائے کام میں مصروف ہو جاتے ہیں......

ہم لوگوں سے آشنائی کرتے ہیں ہر ایک سے دوستی، ہر ایک سے رابطہ اور نتیجہ یہ کہ ہم سب کو مایوس کرتے ہیں۔ ہم خود بھی مایوس ہو جاتے ہیں، ہم اپنے رُوبرُو نہیں ہوتے...... اس لیے کہ ہم اپنے آپ سے جھوٹ نہیں بول سکتے۔ ہم نے اپنے آپ کو فراموش کر دیا۔ اب ہم مشین کا پُرزہ بن چکے ہیں۔ بس فٹافٹ کھٹاکھٹ چل رہے ہیں...... کیوں اور کہاں؟ یہ معلوم کرنے کا ہمارے پاس وقت نہیں۔

اِتنا تو معلوم ہے کہ ہم جلدی میں ہیں...... ہمیں کس بات کی جلدی ہے یہ معلوم نہیں۔

ہم صبح گھر سے نکلتے ہیں خوشی خوشی، جلدی جلدی...... ایسے جیسے کوئی مجرم طویل قید سے اچانک رہا ہو جائے...... ہم دفتروں، کارخانوں، کھیتوں اور کھلیانوں میں جاتے ہیں...... اور کام شروع کر دیتے ہیں، مصروف ہو جاتے ہیں...... اور پھر شام کو گھر کی طرف ایسے بھاگتے ہیں جیسے کوئی پیاسا کنوئیں کی طرف...... ہم گھر پہنچتے ہی اور قسم کی مصروفیات میں کھو جاتے ہیں...... ہم مصروف رہتے ہیں حتیٰ کہ نیند کی آغوش میں سب مصروفیتوں کو فراموش کر دیتے ہیں۔

کائنات کا ذرہ ذرہ مصروف ہے...... چرند، پرند، جمادات، نباتات سب مصروف ہیں اور ہم تو افضل

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ترین ہیں، ہم کیوں نہ مصروف ہوں؟ ہم مصروف تو رہیں گے...... لیکن غور طلب بات صرف یہ ہے کہ ہم اپنی مصروفیات سے کیا حاصل کرتے ہیں......؟

ہم مصروفیت کو کمائی بناتے ہیں اور پھر اس کمائی کے استعمال کے لیے الگ مصروف ہوتے ہیں...... زندگی مصروفیت میں گزر جاتی ہے اور پھر اچانک اس حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے کہ اگر مَرنا ہی تھا تو مَر مَر کے جینا کیوں تھا! کتنے ناپ تول کے قدم رکھے تھے، کتنی احتیاط کی تھی، کیسے کیسے جتن کیے تھے...... اور فرصت کے چند لمحات نہ ملے اور جب ملنے لگے، تو موت نے مُہلت نہ دی...... پہلے زندگی مُہلت نہیں دیتی اور پھر موت آڑے آجاتی ہے...... کیا ہمارا مقدر صرف مصروف رہنا ہی ہے؟ کیا ہم کبھی آزاد نہیں ہوسکتے؟ کیا ہمارے پاس اس خوبصورت کائنات کو دیکھنے کے لیے وقت نہیں ہوگا؟ کیا ہم نکلتے اور ڈوبتے سورج کے مناظر کبھی نہیں دیکھ سکیں گے؟ کیا چاندرات اور چاندنی رات ہمارے لیے نہیں ہیں؟ کیا ہم تاریک مصروفیت کی اَماوس رات میں بھٹکتے رہیں گے...؟

کیا انسان افضل ترین تخلیق نہیں؟ اِنسان، پہاڑوں کی خوبصورت چوٹیاں اور وسیع وعریض میدانوں سے کب لطف اندوز ہوگا؟ جب تک اِنسان مصروفیت کے عقوبت خانے سے آزاد نہ ہو جائے، اُسے زندگی کا حُسن نظر نہیں آسکتا۔ زندگی شکم پروری ہی تو نہیں۔ تسکینِ قلب ونظر کا بھی اہتمام ہونا چاہیے۔ فطرت کا حُسن، فاطرِ کائنات کی منشا کے مطابق دیکھا جائے...... آنکھیں عطا کرنے والے نے آنکھوں کے لیے نظاروں کا اہتمام کیا ہے، کانوں کے لیے گلستانِ ہستی میں نغمات کے چشمے بہہ رہے ہیں، غور وفکر کے لیے رازہائے سر بستہ منتظر ہیں۔ رُوح کے لیے مائدۂ تجلیات بچھا ہے...... ہم سمجھتے نہیں...... ہم صرف آسائشِ وجود کے لیے مصروف ہیں...... ہم گنتے ہیں، حاصل کرتے ہیں اور خرچ کرتے رہتے ہیں۔ ہماری زندگی اعلیٰ تقاضوں سے محروم ہے۔ ہماری مصروفیت، صرف شہرت، مال اور لذّتِ وجود کے لیے ہے...... کیا زندگی کے لیے اور کوئی ضرورت نہیں؟ کیا زندگی، کمانے، کھانے، پہننے اور سونے کے علاوہ کچھ نہیں؟ کیا زندگی کے نصیب میں فرصت نہیں؟ کیا ہمارے پاس کسی کے آنسو پونچھنے کا بھی وقت نہیں......! ہم ہر انسان کو اپنی ضرورت اور اُس کی افادیت کے حوالے سے جانتے ہیں...... کیا اِنسان، اِنسانوں کو صرف اِنسانیت کے حوالے سے کبھی نہیں پہچانے گا؟ کیا ہمارے مرتبے اپنے ماتحتوں کو ہمیشہ نفرت سے ہی دیکھیں گے؟...... کیا ڈاکٹر مریضوں کی جیب سے باہر نہیں نکل سکیں گے؟...... کیا ہماری مصروفیت ہمیں دُوسروں کے لیے تلوار ہی بنائے رکھے گی؟...... کیا ہم دُوسروں کے لیے کبھی شربت نہیں بنیں گے؟...... کیا ہماری مصروفیت، نفرت اور تلخی سے آزاد نہ ہوگی؟...... وہ کون لوگ تھے، جو خود پیاس سے مرجاتے تھے اور پانی اپنے دُوسرے پیاسے بھائی کو دے جاتے تھے...... کیا وہ لوگ تھے بھی یا یہ ہمارا وہم ہے؟...... کیا ہماری مصروفیت کسی بانصیب کاہل کو معاف نہیں کرسکتی؟...... کیا کاہل، بانصیب ہوسکتا ہے؟...... کیوں نہیں۔ بانصیب کی اپنی مصروفیات ہیں...... دِل کی مصروفیات، نگاہ کی مصروفیات، رُوح کی مصروفیات۔ زِندگی کے راز پانے والے، سُراغِ حیات دریافت کرنے والے، دفاتر، کارخانوں، کھیتوں اور

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کھلیانوں میں مصروف نہیں ہوتے...... وہ صرف آشنائی کے رموز کی گرہ کشائی میں مصروف ہوتے ہیں...... اُن کی نگاہوں میں کچھ اور ہی جلوے ہوتے ہیں...... وہ کچھ نہیں کرتے...... اُن کے کام...... اُن کے کیا کام! اُن کا صرف ایک کام ہے...... ذرّے کے دِل کی دھڑکنیں سننا اور کتابِ ہستی کی وَرق گردانیاں کرنا...... وہ خود کسی فنکار کا انوکھا کام ہیں...... اُن کا اپنا کیا کام!! وہ خود کسی کے ہیں' اُن کا اپنا کیا پوچھنا۔ اُن لوگوں کی فرصت' زمانے والوں کی مصروفیت سے ہزار درجے بہتر...... یہی لوگ زمانے کا مستقبل ہوتے ہیں...... یہ اِنسانوں کے اُفقِ ذہن پر تابناک سورج کی طرح طلوع ہوتے ہیں اور اُن کی بے مصرف مصروفیت کی تیرہ شبی کی دھجیاں اُڑا دیتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں' افکار کے چہرے سے پردہ اٹھانے والے۔ اِن لوگوں کو فرصت کا راز مل چکا ہے، اِن کے ہاں کوئی مصروفیت نہیں...... اور یہ لوگ ہی صحیح مصروفیت کے مفہوم سے آشنا ہیں......!

جو شے چلنے سے حاصل نہیں ہوتی' وہ ٹھہرنے سے حاصل ہو جاتی ہے...... جو راز پیسے جمع کرنے میں نہ پایا جائے' وہ خرچ کرنے میں پایا جائے گا۔ جسے سونے والا دریافت نہ کر سکے' اُسے جاگنے والا ضرور دریافت کر لے گا۔ اِنسان کے گرد مصروفیت نے جو جال بن رکھا ہے' اُسے فرصت توڑ دیتی ہے...... مصروفیت' غلامی ہے اور فرصت' آزادی...... اِس سے پہلے کہ ہم سے سب کچھ چھن جائے' ہم خود ہی کیوں نہیں چھوڑ دیتے!!

www.iqbalkalmati.blogspot.com

منفعت

منفعت طلبی یا افادیت پرستی یا سادہ الفاظ میں فائدے کی تمنا یا خودغرضی کا سفر بڑا ہی بے رونق اور بے کیف سا سفر ہے۔ اِنسان ہر حال میں اگر یہی سوچتا رہے کہ اُس کا فائدہ کس بات میں ہے' تو وہ اِس کائنات سے کٹ کر رہ جائے گا۔ ہر بات تو اِنسان کی منفعت کے لیے نہیں۔ یہ کائنات دُوسروں کی منفعت کی بھی کائنات ہے۔

اپنا فائدہ سوچنے والا اِنسان دُوسروں کو صرف استعمال کرنا چاہتا ہے۔ وہ کسی کو فائدہ پہنچانا نہیں چاہتا اور اِس طرح وہ بے فیض ہو کر رہ جاتا ہے۔ اِنسان دُوسروں کے کام نہ آئے' تو اُن سے کام لینا ظلم ہے۔ یہ ظلم دنیا میں ہوتا ہی رہتا ہے۔ ہمارے ہاں ہر صاحب مقام اور صاحب مرتبہ اِنسان اپنے مقام اور اپنے مرتبے کا خراج وصول کرتا ہے ...... اور کچھ نہیں تو لوگوں سے سلام کی توقع کرتا ہے لیکن خود دُوسروں کو سلام کرنے کی زحمت گوارا نہیں کرتا۔

معاشرے میں عزت کی تمنا خودغرضی کی انتہا ہے، اِس طرزِ سلوک کو اِستحصال بھی کہتے ہیں۔ آخر دُوسروں میں باعزت ہونے کی تمنا ہی کیوں ہو۔ لوگوں سے اپنی صداقت اور دیانت کی قیمت کیوں وصول کی جائے۔ لوگوں کو کیوں مجبور کیا جائے کہ وہ آپ کی عزت کریں، آپ کا احترام کریں، آپ کا ذِکر کریں، آپ کی بات کریں۔ لوگ اپنے اپنے کام کیوں نہ کریں۔

ایک آدمی محنت کرتا ہے، نوکر ہو جاتا ہے، افسر بن جاتا ہے' اب افسری کر کے ماتحتوں سے خراج وصول کرتا ہے، اُن سے توقع کرتا ہے کہ وہ اُس کی عزت کریں' اُس کو سلام کریں' اُس کی غیر سرکاری حیثیت کا بھی احترام کریں جبکہ وہ خود اُن کی زِندگی اور زندگی کے تقاضوں سے بے خبر اور لاتعلق ہو۔ شاید لوگ مرتبہ اس لیے چاہتے ہیں کہ دوسرے لوگ مرتبے کے آگے سرنگوں ہوں۔ کیا اپنی سربلندی دُوسروں کو سرنگوں کرنے سے حاصل ہوتی ہے؟

شاید اِنسان نے فطرت سے یہ مزاج حاصل کیا ہے۔ ایک وسیع کائنات بنانے والے نے اِنسان کے لیے ایک محدود دُنیا بنائی ہے' اور اِس میں اِنسان کو محدود زندگی دے کر محدود اِستعداد عطا فرمائی ہے۔ یہاں تک تو بات سمجھ میں آتی ہے لیکن بات یہاں ختم نہیں ہوتی۔ اب اِس محدود اِنسان پر لازم ہے کہ لامحدود کائنات

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بنانے والے کو سجدہ کرے، اُس کے کسی فعل پر تنقید نہ کرے، اُس کا گلہ نہ کرے، بس اُس کی تسبیح کرتا جائے۔ انسان کی مجبوری یہی ہے کہ وہ اِس کے علاوہ کر بھی کیا سکتا ہے۔ اِنسان کو جکڑ کر رکھ دیا گیا ہے۔ اُس کی تقدیر قوی ہے اور تدبیر کمزور۔ وہ کرے بھی تو کیا کرے۔ بے بسی میں سجدے کے علاوہ ہے بھی کیا!

اِنسان سوچتا ہے۔ اُسے سوچنا نہیں چاہیے، لیکن وہ سوچنے پر بھی تو مجبور ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ اتنے بڑے ستارے، اتنے بڑے سیارے، یہ چاند، یہ سورج، آخر کس کام کے۔ شبِ فرقت یا تنہائی کی رات میں تارے بڑے کام آتے ہیں۔ اُداس اِنسان ستارے گنتا رہتا ہے اور ستارے گنتی میں نہیں آتے۔ آخر ستاروں کا فائدہ کیا ہے؟ اتنے بے شمار ستارے، بیمار انسان کی راتوں کے ساتھی، اُس کی بیماری دُور نہیں کرتے۔ غریب کی غریبی دُور نہیں ہوتی۔ وہ ستارے گنتا ہے اور اُس کی اپنی آنکھوں سے تارے گرتے ہیں، بلکہ انگارے گرتے ہیں۔ وہ سوچتا ہے کہ یہ سب کیا ہے؟ اتنا بڑا سورج، روشنی کا سفیر، زندگی کا محرک، کتنا منوّر ہے۔ سورج خود روشن ہے لیکن کسی انسان کے، مجبور انسان کے، غریب انسان کے دیئے کو چلّو بھر تیل تو نہیں دیتا۔ آخر اس کا کیا فائدہ؟

بادل برستے ہیں، گرجتے ہیں، کڑکتے ہیں۔ دبدبہ ہی تو ہے۔ قطرے قطرے کو ترسنے والے ترستے رہتے ہیں۔ بادلوں کا فائدہ کیا ہے؟ شعرا نے بادلوں سے مضامین لیے ہوں گے اور اگر غور سے دیکھا جائے تو شعرا کا فائدہ کیا ہے؟ شعر موزوں کرنے والے زندگی کو موزوں نہیں کر پاتے۔ شعرِ تر کی صورت دیکھنے والے لُقمۂ تر کی صورت نہیں دیکھ سکتے۔ آخر اِس کا فائدہ ہی کیا ہے؟

پہاڑوں کا سلسلہ وسیع و عریض ہے۔ پہاڑ راستوں کی دیوار بنے ہوئے ہیں، ورنہ ایک ملک دُوسرے ممالک کے ساتھ ہی ملا ہوتا۔ کتنے فائدے ہیں پہاڑوں کے۔ ان سے کیا نہیں ملتا۔ ان پر مفت اُگنے والے درخت، جن سے لکڑی ملتی ہے۔ پھل دار درخت ہیں۔ ان سے پھل ملتا ہے اور جو بہت ہی بے مقصد پہاڑ ہیں، اُن سے کرش ملتا ہے۔ لیکن کہاں ملتا ہے؟ لکڑی، غریب کے خون سے زیادہ مہنگی ہے۔ پھل، بیمار کی قوتِ خرید سے باہر ہے اور رہا کرش، خرید کے دیکھو۔ اتنی عظیم طاقت، پہاڑ۔ کس کے لیے؟ بنانے والے نے دریا بنائے۔ نہریں اور پانی اور ڈیم حاصل ہوا۔ بجلی بیچی گئی اور ایک عام انسان کو کیا ملا؟ بجلی سے کارخانے چلے۔ نہروں سے فصل حاصل ہوئی۔ کس کے لیے؟ ملک امیر ہو گئے، انسان غریب رہے۔ تقسیم نامنصفانہ رہی۔ دریا خشک ہو جائیں، تو سب برابر ہو جائیں۔ طغیانی آئے، تو سب برابر، ورنہ کیا فائدہ؟

صرف یہی نہیں، ہر سطح پر، ہر شعبے میں نعمتیں، محروم انسانوں کے لیے عجب حال پیدا کرتی ہیں، یعنی وہی بُرا حال۔ صاحبانِ تصوف ہی کو لیں۔ سُوئے ادب مقصود نہیں۔ عالی مرتبت صاحبانِ کشف و کرامت، معتقدین کو کیا دیتے ہیں؟ احساسِ محرومی۔ کسی کے عرفان کا کیا فائدہ؟ کوئی صاحب کمال ہو، تو ہوا کرے۔ ہماری آرزو تو پوری کرے، ورنہ کیا فائدہ؟ ہمارے دُکھ کی دوا نہ کرے، تو ابنِ مریم ہوا کرے کوئی۔ ہمیں کیا فائدہ؟ کسی کی تعریف سے ہمیں کیا ملے گا؟ بہاروں میں اپنی گائے بھوکی مر جائے تو کیا فائدہ؟

کسی شعبے کو لیں، صاحب کمال دوسروں کے دل میں صرف خوف پیدا کرتا ہے۔ وہ تعریف چاہتا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہے' خراج لیتا ہے لیکن دیتا کچھ نہیں۔ ڈرامہ لکھنے والوں کو مال ملتا ہے۔ دیکھنے والوں کو کیا ملتا ہے؟ وقت ضائع ہوتا ہے' بجلی خرچ ہوتی ہے اور ذہن خراب ہوتا ہے۔ بچے ٹی وی دیکھتے ہیں اور امتحان میں بُرا حال ہوتا ہے۔ پھر اس قوم کے نوجوان ایک مسئلہ بن جائیں گے! اس سے کیا فائدہ؟

تعریف کرنا یا تعریف سننے کی تمنا کرنا دراصل زندگی کے لیے مضیبت ہے۔ جب تک کوئی کسی کو قابلِ ذکر منفعت نہ پہنچائے' اُس کی کیا تعریف۔ اپنے خیال کی ترقی بے معنی ہے' جب تک دوسروں کے حال کی ترقی نہ ہو۔ ضرورت سے محروم انسان اس کائنات اور کائنات کے انوار اور صاحبانِ کمال کے کمالات کو کیا خراج دے گا۔ یہی عجب بات ہے کہ مؤکل کا مقدمہ عدم توجہی اور عدم پیروی کی وجہ سے خارج ہو جاتا ہے اور وہ بیچارہ اپنے وکیل کی عزت بھی کرتا ہے' مال بھی دیتا ہے وکیل کو...... اور مجبور و بے بس اپنے حال پر روتا بھی ہے۔

اساتذہ کرام کا ذکر نہیں کرنا چاہیے' کیونکہ اساتذہ تو اساتذہ ہیں۔ علم والے، علم دینے والے، طالب علموں کی زندگی بنانے والے۔ اور اگر سچ کہنے پر آ ہی گئے ہیں تو طلبہ کی زندگی سے کھیلنے والے، علم کو مال میں بدلنے والے، کلاس کے اوقات میں گھر کے کام کرنے والے اور کلاس ٹائم کے بعد ٹیوشنوں پر زور دینے والے۔ شاہینوں کے نشیمنوں میں کرگسوں کے ہجوم۔ اساتذہ سے کوئی پوچھ سکتا ہے کہ اُن کا کیا فائدہ ہے؟ طلبہ کو کیا فائدہ ہوا؟ پاس ہونے والے طلبہ کو داخلہ نہ ملا۔ فیل ہونے والوں کا تو حشر ہی نہ پوچھو۔ آخر اِس تعلیم کا کیا فائدہ؟ آخر کیا فائدہ؟ اُمراء کے نالائق بچے' امیر ہی رہیں گے۔ صاحبانِ مرتبہ ہی بنیں گے۔ غریبوں کے بچے' لائق بچے' اپنی غریبی کے آس پاس رینگتے ہوئے نظر آئیں گے... بے فائدہ! امیر کے بچوں کو پڑھنے کا کیا فائدہ؟ غریب کے بچوں کو بھی پڑھنے کا کیا فائدہ؟ امیر' امیر رہے گا، غریب' غریب۔

آخر اِس زندگی کا بھی کیا فائدہ؟ اِنسان پابندِ زمان و مکان ہی رہے گا، شام کو سوئے گا، رات کو خواب دیکھے گا، دِن گردشوں میں رہے گا۔ خوشی کے چند ایام، غم کے لامتناہی سلسلے۔ اِنسان کیا کرے! بنانے والے سے پوچھنا گستاخی ہے، سُوئے ادب ہے۔ موت ہی جب زندگی کا انجام ہے' تو یہ ساری کوشش کیا ہے؟ زندہ رہنے کے لیے یا مرنے کے لیے؟

لیکن نہیں' ایسا نہیں۔ اِنسان ہی باعثِ تخلیقِ کائنات ہے۔ وہی وارثِ کائنات ہے۔ اِنسان صرف صحت مند سوچ سے محروم ہو رہا ہے' ورنہ یہ سب نظام ایک مربوط اور خوب صورت نظام ہے۔ نظاروں سے لطف حاصل کیا جاتا ہے' اُن سے فائدہ نہیں مانگا جاتا۔ سجدوں سے تعلق کا واسطہ ہے' افادیت کا نہیں۔ روشنی' روشنی ہے، نور ہے.... سب کے لیے یکساں!

اِنسان اپنے آپ سے بیزار ہے' ورنہ ہر جا' جہانِ دیگر ہے۔ غور کرنے کا حکم ہے۔ غور کیا جائے۔ سوال کرنے کا حکم نہیں۔ سوال تو ہم سے ہوگا۔ ہر شے سے فائدہ مانگنا ہی زندگی کے لطیف اِحساسات سے محرومی کا باعث ہے۔ امیری غریبی' سکھ دُکھ' دُھوپ چھاؤں...... زندگی کے ہی نام ہیں۔

زندگی بدلتی رہتی ہے۔ ایّام بدلتے رہتے ہیں۔ ضرورت پوری ہو نہ ہو' زندگی کا لطف ختم نہ ہو۔ شعر'

www.iqbalkalmati.blogspot.com

شعر ہے، راحتِ قلب و جاں، دِل کا سرُور ہے۔ شعر سے فائدہ نہیں حاصل کیا جاتا۔ اُس سے لطف حاصل کیا جاتا ہے۔ جگمگاتے ستارے، جھلملاتے آنسو اچھے لگتے ہیں۔ اُن کا فائدہ؟ پھر وہی بات۔ آخر فائدے کا ہی کیا فائدہ ہے؟ زِندگی سے زِندگی کے علاوہ کیا چاہیے؟ عبادت سے ماسوائے عبادت نکال دو' تو معلوم ہو کہ اصل منفعت کیا ہے۔ زِندگی سے تمنائے منفعت، اندیشۂ زیاں نکال کے زِندگی کا لطف لے کر دیکھو۔ کبھی تو دُکاندار بنا چھوڑو۔ ہر کام سے فائدے تلاش کرنا' یہ کیا تلاش ہے۔ اپنے وجود میں نوری وجود تلاش کرو۔ اِس کائنات میں اپنی کائنات دریافت کرو۔ لذّتِ وجود ہی تو زندگی نہیں۔ رُوح کی خوراک کیا ہے؟ اُسے تلاش کرو۔ اپنے باطن کا سفر کرو۔ اپنی گٹھڑی کی گرہ کھولو۔ اپنے دِل کی دُنیا کی سیر کرو۔ گلاب کے رنگ اور اُس کی خوشبو نے بُلبُل کو ترنّم بخشا۔ آپ گلاب سے گل قند بناتے ہو۔ آپ کیا کرتے ہو؟ رنگوں سے بے بہرہ، نغمات سے محروم، عقل کے اندھے، خوشیوں سے مال مانگتے ہیں۔ کیا کرتے ہیں؟ بنانے والے نے جو بنایا' وہی اصل ہے۔ دینے والے نے جو دیا' وہی اصلی ہے۔ کرنے والے نے جو کیا' وہی حسنِ تخلیق ہے ...... فائدے کا سفر' بے فائدہ ہے!

www.iqbalkalmati.blogspot.com

تعریف

تعریف سُننے کی تمنا اِنسان کی سب سے بڑی کمزوری ہے' لیکن اِس کمزوری کے اندر بعض اوقات انسان کی طاقت پنہاں ہوتی ہے۔ تعریف سُننے کی آرزو میں اِنسان کے اندر کا خوابیدہ فنکار بیدار ہوتا ہے۔ فنکار اپنے فن کا مظاہرہ کرتا ہے اور خراجِ تحسین وصول کرتا ہے۔ فن کی بقا' تعریف کے دَم سے ہے۔ تعریف نہ ہو' تو فن اَفسردہ ہو جاتا ہے۔

اِنسان کی صفات تعریف کی متقاضی ہیں۔ تعریف' خوشامد نہیں۔ خوشامد' بغیر صفت کے تعریف ہے۔ خوشامد' اُس بیان کو کہتے ہیں' جس کے دینے والا جانتا ہے کہ جھوٹ ہے اور سُننے والا سمجھتا ہے کہ سچ ہے۔ خوشامد سُننے کا طالب مریض ہے اور خوشامدی اِس مرض میں اضافہ کرتا ہے۔

• بادشاہوں کو ظلِ سبحانی کہلانے کا شوق دربار کو خوشامدیوں کی آماجگاہ بنا دیتا ہے اور یہ درباری' بادشاہوں کی آنکھوں پر خوشامد کی خوبصورت پٹیاں باندھ کر اُنہیں اُن کی اصلیت سے بے خبر رکھتے ہیں۔ مُلکی معاملات کی اصلاح کی بجائے شہنشاہ اپنے قصیدے سنتے ہیں اور رعایا کو مرثیہ خوانوں کے حوالے کر دیتے ہیں۔

تعریف نہ ہو تو شاید دُنیا میں اِتنا ہنگامہ نہ ہو۔ لوگ جائز ناجائز دولت کما کر گھروں کو سجاتے ہیں۔ اُن میں قمقمے لگاتے ہیں۔ روشنیاں کرتے ہیں اور پھر دوستوں کو دعوت دیتے ہیں۔ تعریف ہوتی ہے اور پھر ہوتی ہی رہتی ہے۔ گھروں میں چراغاں رہتا ہے اور دِل اندر سے بجھتے جاتے ہیں۔ مال کی تعریف، مال کی نمائش کی تعریف' انسانوں کو اندھا کر دیتی ہے۔ جس اِنسان میں ذاتی صفات نہ ہوں' وہ اپنے لباس سے لے کر اپنے مکان تک' اپنی ہر شے کی تعریف چاہتا ہے۔

تعریف کی تمنا' اِنسان کو بڑے کرب میں مبتلا کر دیتی ہے۔ وطن میں تعریف سُننے کی تمنا میں اِنسان پردیس تک پہنچ جاتا ہے۔ مال کماتا ہے۔ پردیس کی اَذیت برداشت کرتا ہے۔ اُس کے گھر والے دولت کا اظہار کرتے ہیں، تعریف سُنتے ہیں اور وہ پردیس میں تنہائی کی بھٹی میں جلتا ہے۔ سال میں ایک آدھ دفعہ وطن واپس آتا ہے۔ دوستوں کو جمع کرتا ہے۔ مال خرچ کرتا ہے۔ تعریف سنتا ہے اور پھر آزردہ خاطر' پردیس کی اجنبیت کے حوالے ہو جاتا ہے۔

بعض اوقات تعریف کی آرزُو میں اِنسان جان پر بھی کھیل جاتا ہے۔ وہ اپنی موت کو قابلِ تعریف بنانے میں زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ تعریف کا زخم' سب سے گہرا زخم ہے۔ اُس کا مندمل ہونا مشکل ہے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

تعریف سننے کی بیماری میں مبتلا اِنسان کی اگر تعریف نہ کی جائے تو وہ اِسے اپنی توہین سمجھتا ہے۔ اگر آپ کا دوست نیا لباس زیبِ تن کر کے آپ کے پاس آئے اور آپ کسی وجہ سے اُس کے لباس کی طرف توجہ نہ کریں تو آپ کی دوستی کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔

اِنسان کی تمام تراش خراش، بن سنور، سج دھج، اُس کا بانکپن، اُس کا دَم خم، اُس کا لب ولہجہ، اُس کے ناز و ادا، اُس کی حرکات وسکنات' تعریف طلبی کے حربے ہیں۔ ایک پہلے سے مقروض انسان' نیا قرضہ لے کر اپنے بیٹے کا ولیمہ فائیو سٹار ہوٹل میں صرف اِس لیے کرتا ہے کہ اُس کی تعریف ہو۔ تعریف کرنے والے تعریف کرتے ہیں' لیکن دِل ہی دِل میں اُس کی کوتاہ اندیشیوں کے تذکرے کرتے ہیں۔ اُس کے قرض خواہ اُس کی کیا تعریف کرتے ہوں گے!

اگر اِنسان کی شکل بہتر ہے تو اِس میں اُس کا اپنا کیا کمال ہے..... اِنسان میں اِنسان کا اپنا کیا ہے؟ امیر آدمی کی تعریف' غریب کو اُس کے حق سے محروم رکھنے کا جواز ہے۔ اگر ہم دولت مندوں کی آرائشوں کی تعریف کرنا چھوڑ دیں' تو شاید دُنیا میں ظلم کم ہو جائے۔ حق والوں کو حق سے محروم کر کے ظالم اپنی دولت کی تعریف سنتا ہے اور یوں معاشی ناہمواریاں قائم رہتی ہیں۔ ظالم اپنے ظلم کو فن کے طور پر ظاہر کرتا ہے اور تعریف کرنے والے اُسے داد دیتے ہیں۔ اگر غور سے دیکھا جائے' تو تعریف کی داستان میں ظلم کی داستان پنہاں ہے۔ بڑی بڑی سلطنتیں، بڑے بڑے ممالک، ترقی یافتہ ممالک' قابلِ تعریف کارنامے سرانجام دیتے ہیں' لیکن اُن کے پیچھے وہ مظالم مخفی ہوتے ہیں جو وہ انسان پر روا رکھتے ہیں۔ اِنسان دوست مُمالک' افغانستان میں دوستی کا حق ادا کر رہے ہیں۔ آج آدھی دُنیا کرب میں مبتلا ہے اور باقی کی دُنیا' قابلِ تعریف ٹھہرائی جا رہی ہے۔

سائنس نے بڑے بڑے قابلِ تعریف کارنامے انجام دیئے..... بس' کائنات کی تسخیر کا سہرا سائنس کے سر ہے اور ایٹم بم کی تباہ کاریاں بھی اِس تعریف کے پردے میں موجود ہیں۔ زندگی کو آسانیاں عطا کرنے کا دعویٰ رکھنے والی تہذیبیں' زندگی کو عذاب میں مبتلا کر رہی ہیں۔ آج کے اِنسان کو آسائشیں عطا کر دی گئی ہیں۔ بیماروں کے لیے ہسپتال' قابلِ تعریف کارنامہ ہے۔ زِندگی کی حفاظت کا دعویٰ کر کے تعریف سننے والے' زِندگی کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنے کا اہتمام کر رہے ہیں۔ اَمن کے پجاری' جنگ کی تیاری کر رہے ہیں۔ تعریف کی لائی ہوئی تباہی' اپنی قباحتوں کا مظاہرہ کرنے والی ہے۔ اگر تعریف کرنے والے کا مزاج بدل جائے' تو تعریف سننے والے کا مزاج ضرور بدل جائے گا۔

تعریف سننے والے انسان کی اصلاح اُس وقت تک ممکن نہیں' جب تک تعریف کرنے والے کی اصلاح نہ ہو۔ بہرحال تعریف حد سے نہیں بڑھنی چاہیے۔ تعریف کے باب میں سب سے زیادہ خطرناک وہ مقام ہے' جب کوئی کم ظرف اپنی زبان سے اپنی تعریف کر رہا ہو۔ یہ عذاب ہے۔ کوئی آئینہ اُسے اِس عذاب سے نہیں بچا سکتا۔ تعریف جہاں انعام ہے' وہاں سزا بھی ہے۔ تعریف صفت ساز بھی ہے اور صفت شکن بھی..... لیکن اپنے منہ سے اپنی تعریف' اپنی اِنسانیت کی تذلیل ہے۔

✿✿✿✿✿

www.iqbalkalmati.blogspot.com

خاموشی

خاموش انسان، خاموش پانی کی طرح گہرے ہوتے ہیں...... خاموشی خود ایک راز ہے اور ہر صاحب اسرار خاموش رہنا پسند کرتا ہے۔ خاموشی، دانا کا زیور ہے اور احمق کا بھرم...... خاموشی میں عافیت ہے...... اگر ہم زبان کی پھیلائی ہوئی مصیبتوں کا جائزہ لیں، تو معلوم ہو گا کہ خاموشی میں کتنی راحت ہے۔ زیادہ بولنے والا انسان مجبور ہو جاتا ہے کہ سچ اور جھوٹ کو ملا کر بولے۔ اُس کے پاس اِتنا وقت نہیں ہوتا کہ وہ سوچ سکے کہ کیا کہنا ہے اور کیا نہیں کہنا۔

فطرت کے عظیم شہکار ایک مُستقل اور مُسلسل سکوت میں ہیں۔ پہاڑوں کے عظیم و وسیع سلسلے خاموش ہیں۔ اِس خاموشی میں کتنی داستانیں پنہاں ہیں۔ اِس سکوت میں کتنی ہیبت ہے۔ اِس سنّاٹے میں کتنے راز ہیں۔ پہاڑ اپنے پہلو میں کتنے گنجینے رکھتے ہیں، کوئی کیا جانے، کوئی کیا سمجھے۔ پہاڑوں کے اندر خزانے ہیں، پہاڑوں کے اوپر خزانے ہیں۔ پہاڑوں کے پتھر بھی عجب راز ہیں...... سب خاموش، سب ساکت۔ کبھی کبھی اِس مُہیب سنّاٹے میں ہوائیں چیختی ہیں۔ ہوا کی آواز، پہاڑوں کی خاموشی کو اور زیادہ واضح کر دیتی ہے۔

پہاڑوں سے گرنے والی آبشاریں اور اُن کی آواز، خاموشی کو زیادہ معنی خیز بنا دیتی ہے۔ خاموشی کا اثر اُس وقت گہرا ہو جاتا ہے، جب چھوٹی سی آواز گونج پیدا کرے۔ پہاڑوں میں جب آوازیں گونجتی ہیں، سنّاٹے اور مُہیب ہو جاتے ہیں۔ پہاڑوں کی خاموشی، فطرت کی خاموشی ہے۔ اہلِ دِل حضرات پہاڑوں میں اپنا مسکن بناتے ہیں تو اِس میں یہی راز ہے کہ وہ فطرت کے قریب ہونا چاہتے ہیں اور فطرت بالعموم خاموشی اختیار کرتی ہے۔

ہماری زندگی کا بیشتر حصّہ خاموشی میں گزرتا ہے۔ دِن ہنگاموں اور آوازوں کی نذر ہوتا ہے اور رات خاموشی کی جلوہ گری ہوتی ہے۔ محنت سے تھکے ہوئے اِنسان خاموش ہو جاتے ہیں۔ پرند، چرند، سب خاموش۔ گرمیٔ بازار ختم ہو جاتی ہے اور بند دُکانیں یوں نظر آتی ہیں، جیسے بے ربط آوازوں کے لبوں پر تالے پڑے ہوں۔

آواز اِنسان کو دُوسروں سے متعلق کرتی ہے اور خاموشی اِنسان کو اپنے آپ سے متعارف کرتی ہے۔ دُوسروں کو قائل کرنے کی کوششیں، آواز کے کرشمے ہیں۔ خود کو مطمئن کرنا، خاموشی کا اعجاز ہے۔ زندگی ایک ایسا راز ہے، جو اپنے جاننے والوں کو بھی راز بنا دیتا ہے۔ زندگی کا دریا، خاموشی سے رَواں دَواں ہے۔ اِس میں آوازوں کی موجودگی، اِس کی خاموشی کو گہرا کر دیتی ہے۔ زندگی سراپا اور سَربستہ راز ہے اور راز ہمیشہ خاموش ہوتا ہے۔ اگر

www.iqbalkalmati.blogspot.com

خاموش نہ ہو تو راز نہیں رہتا۔ کہتے ہیں ایک شخص زندگی کے راز کی تلاش میں سرگرداں تھا۔ اُس نے بہت سے لوگوں سے رازِ ہستی دریافت کیا۔ کسی نے کچھ نہ بتایا۔ وہ بہت گھبرایا، بہت پریشان ہُوا، چیخا چلایا۔ آخر کار وہ کچھ مایوس سا ہو کر خاموش ہو گیا۔ ایک خاموش رات اُسے اپنے اندر سے آواز آئی ''نادان! لوگوں کے دروازے کھٹکھٹانے سے رازِ ہستی کیا ملے گا۔ تُو نے اپنے دِل کے دروازے پر بھی دستک دی ہوتی۔'' اُس نے اپنے اندر سے آنے والی آواز کو سُنا، سوچا، غور کیا۔ اُسے معلوم ہُوا۔ جو معلوم ہُوا...... سو ہُوا...... اور وہ خاموش ہو گیا۔

یہ راز عجب راز ہے...... اِنسان کی شہ رگ سے زیادہ قریب ہے...... راز کی تلاش کسی بیرونی سفر کا نام نہیں۔ یہ راز اندر کا سفر ہے۔ اندر کے اِنسان سے راز مِلتا ہے اور خاموشی میں مِلتا ہے اور مِلنے کے بعد خاموش کر دیتا ہے۔ ایسی خاموشی جس پر گویائی نثار ہو...... اِنسان کا اصل ساتھی، اصل رہبر اُس کا اپنا ذوق ہے۔ اُس کی اصل منزل اُس کا اپنا آپ ہے۔ اپنے من میں ڈوبنے کی دیر ہے گوہرِ مُراد مل جاتا ہے۔ آواز حجاب ہے خاموشی کاشفِ راز ہے۔ باطن کا سفر، اندرون بینی کا سفر، من کی دُنیا کا سفر، دِل کی گہرائیوں کا سفر، رازِ ہستی کا سفر، دِیدہ وَری کا سفر، چشمِ بینا کا سفر، حق بینی و حق یابی کا سفر خاموشی کا سفر ہے۔

علم البیان کے خلاف بات نہیں ہو رہی۔ جب راز دریافت کرنا ہو تو خاموشی ضروری ہے۔ اس کے بعد اُس کا اپنا حکم ہے کہ اِنسان کو بولنے دے یا خاموش کر دے۔ ویسے انسان کی عافیت کے لیے خاموشی سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں۔ فطرت کے کرشمے خاموشی سے جلوہ آرا ہیں...... سورج ہی کو لیں اُس نے کبھی اپنی روشنی کے ثبوت میں کچھ دلائل نہیں دیے بلکہ آفتاب خود ہی دلیلِ آفتاب ہے۔ وہ خاموشی سے دُنیا کو روشنی دیتا ہے۔ کسی سے شکریے کے دو لفظ سننے کا بھی اِنتظار نہیں کرتا۔ ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ سورج کا مذہب ہی روشنی ہے اور روشنی خاموش رہتی ہے۔ احسان ہمیشہ خاموش رہتا ہے۔ جتایا ہوا اِحسان ضائع ہو جاتا ہے۔ چاند خاموش ہے۔ کتنا خوبصورت، کتنا منوّر، کیسا روشن، کیسا راز، کیا کیا کرشمے ہیں۔ خاموشی میں کروڑوں ستارے ہیں، اپنی اپنی منزل پر گامزن۔ کوئی شور نہیں، کوئی ہنگامہ نہیں، کوئی تقریریں نہیں۔ ستارے بڑے پُر اَسرار ہیں، چل رہے ہیں، اپنے اپنے مقرر شُدہ مدار میں رَواں دَواں خاموشی اور اِطمینان کے ساتھ۔ فطرت کے مناظر، فطرت کے جلوے، کرشمے فطرت کی زبان خاموشی کی زبان ہے۔

اِک تماشا ہے۔ سارا عالم تماشائی ہے۔ آسمان پر کرشمے ہیں۔ زمین پر جلوے ہیں۔ سب خاموش ہیں۔ صحرا کی وُسعتیں...... عظیم وُسعتیں...... خاموش ہیں۔ کتنا گہرا راز ہے۔ دُور تک پھیلے ہوئے صحرا، پیاسے صحرا، لب خشک ہیں لیکن لب بند ہیں...... عجب داستانیں ہیں۔ اہلِ دل حضرات صحرا کی یاد اور صحرا کی پیاس کے معنی جانتے ہیں۔ دَشتِ وحشت اور دَشتِ جنوں خاموش ہیں...... مکمل سکوت...... ! سمندر خاموش ہے۔ گہرا ہے، بہت گہرا۔ خاموش ہے بہت خاموش۔ بڑا راز بڑا خاموش۔ سمندر میں طوفان ہیں، لہروں کا اِرتعاش ہے بجا لیکن سمندر خاموش ہے...... بہت خاموش۔

خالق کی بات ہم اس لیے نہیں کر سکتے کہ وہ خالق ہے۔۔۔ اُس کے بارے میں کچھ کہنا مشکل ہے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

وہ بولتا ہے اپنے محبوبوں سے، اپنے پیغمبروں سے ......اور یہ بولنا...... عجب ہے۔ دنیا والوں کے لیے دُنیا کے بنانے والا خاموش ہے اور اِس خاموشی کے باوجود اُس کے تذکرے ہیں، اُس کی باتیں ہیں، اُس کے چرچے ہیں، اُس کی پسند اور ناپسند کے بیانات ہیں۔ وہ خاموش ہے۔ وہ سب سے بڑا جلوہ ہے، سب سے بڑا راز ہے اور سب سے زیادہ خاموش۔ اُس سے بغاوت کرو تو بھی خاموش۔ خاموشی کو پیدا کرنے والا خود خاموش ہے۔ فرشتے خاموش ہیں، جنات خاموش ہیں۔

لیکن انسان بولتا ہے اور مسلسل بولتا ہے۔ سچ نہ بول سکے تو جھوٹ بولتا ہے۔ ابہام بولتا ہے۔ اپنی ستائش میں بولتا ہے۔ فطرت کے خلاف بولتا ہے۔ خالق کا گلہ کرتا ہے۔ زندگی کے کرب کی باتیں کرتا ہے۔ ہنگامے بولتا ہے۔ شاہی فرمان بولتا ہے۔ بغاوتیں بولتا ہے۔ کبھی بندہ ہو کر بولتا ہے، کبھی مولا ہو کر بولتا ہے۔ تنہائیوں میں بولتا ہے۔ کوئی سننے والا نہ ہو تو اپنے آپ سے بولتا ہے۔ خود سوال کرتا ہے اور خود ہی جواب بولتا ہے۔ خود ہی ثواب بولتا ہے اور خود ہی عذاب بولتا ہے۔ کبھی ماضی بولتا ہے، کبھی مستقبل۔ اِنسان دانائی بولتا ہے، حماقت بولتا ہے۔ خاموش نہیں ہوتا، اس لیے کہ خاموشی میں اُسے اپنے رُوبرُو ہونا پڑتا ہے اور وہ اپنے رُوبرُو نہیں ہوتا۔ وہ جانتا ہے کہ وہ کچھ نہیں جانتا، لیکن یہ بات وہ کس طرح تسلیم کرے۔ وہ کیسے کہہ دے کہ وہ بیوقوف ہے۔ وہ ناآشنا ہے۔ وہ کچھ نہیں ہے۔ اُس کی ہستی، کیا ہستی ہے۔ اُس کی بات، کیا بات ہے۔ وہ اپنی لاعلمی کا علم رکھتا ہے اور پھر بھی خاموش نہیں ہوتا۔ وہ اپنی جہالت سے آگاہ ہے اور پھر بھی خاموش نہیں ہوتا۔ اُسے خبر ہے کہ قبل اَز پیدائش، خاموشی کے زمانے ہیں اور مابعد، خاموشی ہے۔ اِس زندگی میں بھی خاموشی ہے۔ وہ سب سمجھتا ہے لیکن خاموش ہونا، اُس کے بس میں نہیں۔ اُسے غم ملے، تو زمانے کو سُناتا ہے۔ اُسے خاموشی ملے، تو دُنیا کو بتاتا ہے۔ اُسے بولنے اور صرف بولنے کا شوق ہے اور اُس کے لیے خاموشی اور صرف خاموشی ضروری ہے۔ انسان کو بولنے کا اِس قدر شوق ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر آدمی دُوسرے آدمی سے ہر وقت کچھ نہ کچھ کہہ رہا ہوتا ہے۔ الفاظ کے وسیع پھیلاؤ میں معانی مفقود ہوں، تو بھی اِنسان بولے جاتا ہے اور بولتے بولتے وہ دِن قریب آجاتا ہے، جب اِنسان کو محسوس ہوتا ہے کہ اُس نے صرف جھوٹ بولا۔ اُس نے بے معنی الفاظ بولے۔ اُس نے بے وجہ آواز استعمال کی۔ اُس نے اپنے اصل ساتھی سے کوئی بات نہ کی، کوئی بات نہ پوچھی...... یہ ساتھ اُس کا باطن ہے...... خاموش ساتھی، خاموشی سے ملتا ہے۔ کاش! ہم کبھی خاموشی کے ساتھ اپنے رُوبرُو ہوتے۔

✿✿✿✿✿

www.iqbalkalmati.blogspot.com

پریشانی

اِنسان پریشانی سے دو چار نہ بھی ہو تو بھی وہ پریشانی سے آشنا ضرور ہوتا ہے۔ پریشانی' انسان کو زِندگی کے کسی نہ کسی موڑ پر ضرور مل جاتی ہے اور پھر اُس کے ساتھ ساتھ رہتی ہے۔ اپنے حالات سے ہی پریشانی پیدا ہوتی ہے۔ اِنسان اپنی حالت کو بہتر بنانے کے لیے جب پریشان ہوتا ہے تو حالت بہتر بنانے کی صلاحیت سَلب ہو جاتی ہے۔ زندگی کا ہر شعبہ اور ہر طبقہ پریشان ہے۔ امیر پریشان ہے کہ نہ جانے کب دَولت ہاتھ سے نکل جائے۔ غریب پریشان ہے کہ نہ جانے اب زِندگی کیسے گزرے گی۔ نیک انسان اِس لیے پریشان ہے کہ اُسے بُرے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ نیک زندگی گُزارنے کے لیے بڑی مشکلات کا سامنا ہوتا ہے۔ نیک اِنسان رِشوت دینا نہیں چاہتا اور رِشوت بغیر اُس کے کام نہیں ہو سکتے۔ بس پریشانی ہی پریشانی ہے۔ والدین' اولاد کے ہاتھوں پریشان ہیں اور اولاد' والدین سے نالاں ہے۔ بچے والدین کا کہنا نہیں مانتے اور والدین بچوں کا کہنا نہیں مانتے۔ دونوں فریق ایک دوسرے کو سمجھاتے ہیں اور ایک دوسرے سے پریشان ہیں۔ افسر ماتحتوں سے پریشان ہیں۔ ماتحت گستاخ ہیں اور ماتحتوں کو گِلہ ہے کہ افسر نااہل ہیں۔ اپنے لیے کچھ اور پسند کرتے ہیں اور ماتحتوں کے لیے کچھ اور۔ حکومت سیاستدانوں سے پریشان ہے اور سیاستدان حکومت سے پریشان ہیں۔ جلسے ہی جلسے ہیں اور پریشانیاں ہی پریشانیاں ہیں، دعوے ہی دعوے ہیں، بیانات ہی بیانات ہیں، تقریریں ہی تقریریں ہیں، وعدے ہی وعدے ہیں' اور پریشانی بڑھتی جا رہی ہے۔ جلسوں پر کتنا خرچ ہوتا ہے..... خرچ کی کیا بات! خرچ بغیر اِنسان کو قبر بھی نصیب نہیں ہوتی۔

لوگوں کے مسائل بڑھتے جا رہے ہیں۔ زندگی مشکل ہوتی جا رہی ہے اور پریشانیوں میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ مریض ڈاکٹروں کے رویے سے پریشان ہیں۔ مریض سے محبت کرنے کا زمانہ گزر گیا' اب تو مریض کے حال پر نظر کرنے کی بجائے مریض کے مال پر نظر ہوتی ہے۔ پریشانی ہی پریشانی ہے۔ مریض ہونا غریب ہونے کی ابتدا ہے۔ غیر قانونی ہڑتالوں سے ہسپتالوں میں پریشانی کا جو عالم ہوتا ہے' اُس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اُستاد شاگرد کا مقدس رشتہ بھی پریشان ہو کر رہ گیا ہے۔ کالج کے طلبا اپنے اَساتذہ کے ساتھ جو سلوک کرتے ہیں' بس خدا کی پناہ..... کسی زمانے میں طلبا اَساتذہ سے ڈرتے تھے اور آج اساتذہ طلبا سے ڈرتے ہیں۔ اُستاد پریشان ہیں' طالب علم کہنا ہی نہیں مانتے! اُستاد' طلبا کو ایسی سزا دیتے ہیں کہ خدا کی پناہ..... بڑے بڑے کالجوں کا نتیجہ خوفناک حد تک کمزور رہتا ہے۔ طلبا فیل ہو جاتے ہیں اور یوں ایک مُستقل پریشانی میں داخل کر دیے جاتے ہیں۔ طلبا' کلاس رُوم میں پریشان رہتے ہیں۔ کمرۂ اِمتحان میں بھی پریشان ہوتے ہیں، سڑکوں پر آ جاتے ہیں اور پھر

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ایک نئی قسم کی پریشانی ہوتی ہے۔ اللہ رحم فرمائے' آج کے طلبہ پر، آج کے اساتذہ پر..... آج کی تعلیم پر۔

ہر شعبۂ حیات اپنے اپنے انداز سے پریشان ہے۔ ہر شخص اپنے ماحول میں پریشان ہے، یوں لگتا ہے کہ ہر ستارہ اپنے اپنے مدار میں سرگرداں بھی ہے اور پریشان بھی!

پریشانی حالات سے نہیں' خیالات سے پیدا ہوتی ہے۔ جو انسان اپنے موجود لمحے سے گریزاں ہو گا' وہ پریشان ہو گا۔ انسان آنے والے حالات سے خوفزدہ ہو کر جانے والے حالات کو پریشان کر دیتا ہے۔ اگر گزرے ہوئے زمانے' خوشی کے زمانے ہوں تو بھی اُن کی یاد باعثِ پریشانی ہے کہ اب وہ دن کہاں گئے، خوشی کے دن گزر گئے۔ جوانی اور صحت کے ایّام، محبت و وارفتگی کے دن ہوا ہو گئے۔ پریشانی تو یہ ہے کہ خوشیاں ختم ہو گئیں۔ وہ دن بھی کیا دن تھے، وہ زمانے بھی کیا زمانے تھے، وہ درد بھی کیا درد تھا، ساتھی کتنے وفادار تھے' اب بس یاد ہی یاد ہے..... پریشانی ہی پریشانی!

اگر ماضی کسی غم سے عبارت ہو' تو بھی باعثِ پریشانی ہے۔ غم کی یاد ایک تازہ غم دے جاتی ہے۔ عجب حال ہے' خوشی کی یاد بھی پریشان اور غم کی یاد بھی پریشان۔

اسی طرح مستقبل اگر اُمید سے عبارت ہو' تو بھی حال پریشان ہے کہ کب وہ سہانا دور آئے گا۔ اگر خطرے کا اندیشہ ہو' تو بھی حال پریشان ہے کہ انسان دُور نظر آنے والے خطرے کو ہمیشہ قریب ہی سے محسوس کرتا ہے۔ زندگی کے نصیب میں پریشانی لکھ دی گئی ہے۔ کبھی اپنے لیے پریشانی ہے، کبھی دُوسروں کے لیے پریشانی ہے، کبھی اس زندگی کا فکر ہے، کبھی موت کے بعد کا منظر آنکھوں کے سامنے آتا ہے۔ پریشانی ہر حال میں رہتی ہے۔ پریشانی انسان کے ساتھ ساتھ رہتی ہے۔ اس کا علاج اُس وقت تک ناممکن ہے' جب تک زندگی دینے والے سے نہ پوچھا جائے۔ جس ادارے نے جو مشین بنائی ہو' وہی اُس مشین کی حفاظت اور اُس کے استعمال اور اُس کی اصلاح کا عمل جانتا ہے۔

اگر زندگی ہمارے اپنے عمل کا نام ہے تو اس کے اندر پیدا ہونے والے بگاڑ اور فساد کے ہم خود ہی ذمہ دار ہیں۔ اگر ہم اپنا علاج ہی نہ کر سکیں' تو ہمیں اپنے اختیارات کی حقیقت معلوم ہو جانا چاہیے۔ اگر زندگی' اپنے پیدا کرنے والے کو ہی نہ مانے تو اسے پریشانی سے کون بچائے۔ ہم اپنے آپ پر اپنی ہمت سے زیادہ بوجھ ڈال دیتے ہیں۔ ہم خود ہی اپنی پریشانیوں کے مُصنف ہیں اور خود ہی اپنی پریشانیوں سے تنگ ہیں۔ ہم متضاد خواہشات رکھتے ہیں۔ ایک خواہش پوری ہوتی ہے تو دُوسری دَم توڑ دیتی ہے۔ اگر دولت اکٹھی کی جائے تو رزقِ حلال کا تصور پریشان کرتا ہے اور اگر رزقِ حلال پر ہی قناعت کی جائے تو تلخیٔ حالات پر رونا آتا ہے۔ پریشانی بہر صورت رہتی ہے۔ وطن سے باہر رہنے والوں کو وطن کی یاد پریشان کرتی ہے۔ وطن میں رہنے والوں کو باہر جانے کی تمنا پریشان رکھتی ہے۔ ہر انسان کو اپنے علاوہ کچھ بننے کی آرزو ہے اور یہی آرزو وجۂ پریشانی ہے۔

ہم اپنے علاوہ کچھ نہیں بن سکتے..... یہ حقیقت ہی زندگی کا ضابطہ ہے۔ اسی سے زندگی کے شعبے اور پیشے قائم ہیں، اسی سے نظامِ ہستی قائم ہے۔ ہمیں ہماری حدود میں قائم رکھنے والی قوت پریشان تو کرتی ہے لیکن

www.iqbalkalmati.blogspot.com

یہی قوت زِندگی کا راز ہے۔ ہر اِنسان حکمران بنا چاہتا ہے، اگر یہ خواہش پوری ہو جائے تو کون کس کا حکمران ہوگا؟..... عجیب پریشانی ہو جائے گی۔ کوئی اِنسان غریب نہیں رہنا چاہتا..... اگر سب ہی امیر ہو جائیں تو کیا ہو گا؟ اگر دُنیا کی دولت برابر تقسیم کر دی جائے تو چہرے کیسے برابر ہوں گے؟ عقل کیسے برابر ہوگی؟ دِل کیسے برابر ہوں گے؟ دِلبر کیسے برابر ہوں گے؟ ایک نئے قسم کی غیر مساوی تقسیم کا شعور پیدا ہو جائے گا۔ اِنسان علاج میں ترقی کرتا ہے۔ نئے نئے علاج دریافت ہوتے ہیں اور پھر ایک نئی بیماری پیدا ہو جاتی ہے۔ کوئی نہ کوئی بیماری ضرور مُہلک اور لاعلاج رہے گی۔ اگر علاج سائنس بن جائے تو دُعا کا مقام کیا ہوگا؟

پریشانی اِنسان کو اِحساس دِلاتی ہے کہ وہ اپنی زندگی پر اِختیار نہیں رکھتا۔ اگر اِنسان' اِس اِحساس پر یقین اور ایمان اُستوار کر لے' تو وہ پریشانی سے بچ سکتا ہے' نہیں تو نہیں.....!

اگر اِنسان تسلیم کر لے کہ اُس کی زِندگی اور زِندگی کے ساتھ ہونے والے واقعات اور زِندگی کا انجام خالق کے حُکم سے ہے' تو یہ پریشانی ختم ہو سکتی ہے۔ گُناہ اور بُرائی کی بات نہیں ہو رہی' زِندگی کی بات ہو رہی ہے۔ گُناہ اور بُرائی' توبہ سے ختم ہو سکتے ہیں۔ توبہ کا مطلب واضح ہے' خالق کو گواہ بنا کے یہ اعلان کرنا کہ آئندہ ایسا عمل سَر زَد نہ ہوگا.....!

بہرحال پریشانی سے بچنے کا واحد راستہ یہ ہے کہ اِنسان اپنی زندگی کو خالق کی مرضی کے مطابق بسر کرے۔ جو شخص آج کے دِن، آج کے لمحے پر راضی ہو گیا' وہ پریشانی سے نکل گیا۔ زِندگی سے اگر گلہ اور شکایت نکال دی جائے' تو پریشانی ختم ہو جاتی ہے۔ اپنے آپ کو پسند اور دوسروں کو ناپسند کرنا چھوڑ دیا جائے' تو پریشانی نہیں رہتی۔ اِس دُنیا میں ہمیشہ رہنے کی آرزو نہ رہے' تو پریشانی نہ رہے گی۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ ہر زندگی کا انجام موت ہے' تو پریشانی کیسی! دُنیا میں کوئی ایسی رات نہیں آئی' جس پر دِن نہ طلوع ہُوا ہو۔ کوئی ایسا دِن نہیں آیا' جس پر رات نازل نہ ہوئی ہو، کوئی ایسا غم نہیں آیا' جو کٹ نہ جائے، کوئی ایسی خوشی نہیں آئی' جو ہَٹ نہ جائے، کوئی ایسا اِنسان نہیں آیا' جو ایک مقررہ وقت کے بعد واپس نہ بُلا لیا گیا ہو۔ اِنسان پر کوئی ایسا سفر مُسلط نہیں کیا گیا' جس کی منزل نہ ہو۔

گردشِ شام وسحر' اِنسان کو مسرت، صحت، دولت اور محبت عطا کرتی ہے اور یہی گردش اپنی عطا کو واپس لے لیتی ہے اور یوں اِنسان اپنے آپ سے محروم ہو جاتا ہے، وہ پریشان ہوتا ہے' حالانکہ اِس میں پریشانی کی بات نہیں..... اِنسان خود ہی کسی اور طاقت کا عمل ہے۔..... اُس طاقت نے اِنسان کو اِس دُنیا کے سفر پر گامزن کیا ہے۔ اُس طاقت پر اعتماد' اُس کا قُرب ہی اِنسان کو پریشانی سے بچا سکتا ہے، اُس کا تقرب ہر طرح کے افسوس سے بچاتا ہے، اُس کی نزدیکی ہر طرح کے خوف سے نجات دیتی ہے، اُس پر اعتماد اِنسان کو حُزن اور اندیشے سے آزاد کر دیتا ہے اور جو خوف اور حُزن سے آزاد ہو گیا' اُسے کیا پریشانی.....!! جس نے اپنے آپ کو مالک کے سپرد کر دیا' اُسے کیا پریشانی! جو اپنے آپ سے نجات پا گیا' اُسے کیا پریشانی! خالق کا باغی' ہمیشہ پریشان رہے گا..... خالق کا دوست' کبھی نہیں!!

www.iqbalkalmati.blogspot.com

مجبوری

مجبور ہونا کوئی بُری بات نہیں اور سچ پوچھو تو مجبور ہونا کوئی اچھی بات بھی نہیں۔ مجبور ہونا صرف سچی بات ہے۔ انسان مجبور ہے۔ انسان مجبوری توڑنا چاہتا ہے اور فطرت اِسے مجبور رکھنا چاہتی ہے۔ دونوں اپنے اپنے راستوں پر مجبور ہیں۔

صرف انسان ہی نہیں' کائنات کا ذرہ ذرہ اپنے اپنے حصار میں مجبور ہے۔ ستارے اپنے اپنے مدار میں مجبور ہیں۔ سورج طلوع و غروب کے مُسلسل عمل میں مجبور کر دیا گیا ہے۔ ہر شے اپنے اپنے دائرے میں گویا رہن رکھ دی گئی ہے۔ دریا کی رَوانی اُس کی مجبوری ہے۔ پرندوں کی پرواز، مچھلی کا تیرنا، ہواؤں کا چلنا، بارش کا برسنا، پہاڑوں کا اپنی جگہ پر میخوں کی طرح گڑا رہنا' مجبوری ہی مجبوری ہے۔ آسمان بُلند ہے، زمین ہموار ہے' پست۔ غرضیکہ ہر ذات اپنی صفات کے بندھن میں ہے۔ اپنی عادت اور فطرت کے مطابق اپنے مجبور سفر پر گامزن ہے۔

کوئی شے' کوئی ذات اپنی تشکیل سے باہر عمل نہیں کر سکتی۔ یہی مجبوری ہے، یہی پہچان ہے اور یہی اُس ذات کی خودی ہے۔ گوشت کھانے والا مر جائے گا' لیکن گھاس نہیں کھائے گا۔ شاہین مُردار نہیں کھاتا، گدھ مُردار ہی کھائے گا۔ مجبور ہیں دونوں۔

ایک انسان کا عمل' دُوسرے اِنسان کے عمل سے مختلف نظر آتا ہے۔ ایک کا پیشہ' دُوسرے کے پیشے سے الگ ہے۔ ایک کی زندگی' دُوسرے کی زندگی کے علاوہ ہے۔ ایک کا حاصل' دُوسرے کے حاصل سے جدا ہے۔ ایک کی صفات' دُوسرلے کی صفات سے علیحدہ ہیں۔ ایک کا انداز' دوسرے کا انداز نہیں۔ محنت کرنے والا' نکمے سے مختلف تو ہو گا۔ سونے والے اور جاگنے والے برابر کیسے ہو سکتے ہیں۔ کامیابی اور ناکامی الگ الگ نتیجے ہیں۔ جہاں ایک انسان مجبور نظر آتا ہے' وہاں دُوسرا اِنسان اُس مجبوری کو توڑتا ہُوا دِکھائی دیتا ہے۔ اِنسان جو چاہے کر سکتا ہے۔ اُس نے آج تک جو چاہا کیا' لیکن اِسی آزادی میں ہی تو اُس کی مجبوری کی داستان پنہاں ہے۔

اِنسان' آسمان کی وُسعتوں میں چلا جائے، وہ آسمان کے دَروازے کھٹکھٹائے، کائنات کے اَسرار دریافت کرے' آزاد ہے۔ لیکن اِس آزادی میں ایک ایسا وقت آتا ہے' جب اُس کی آزادی اور آزاد رَوی اُس کے لیے مجبوری کا پیغام لاتی ہے اور آسمانوں پر بھی اُڑنے والا آزاد اِنسان' مجبور ہو کر زمین پر آتا ہے اور پھر

www.iqbalkalmati.blogspot.com

زمین میں سما جاتا ہے۔ اِبتدا مجبور ہے، اِنتہا مجبور ہے۔ درمیان میں آزادی ہے۔ کتنی آزادی ہو گی؟

اِنسان اپنے لیے مکان بناتا ہے۔ وہ آزاد ہے۔ جیسے چاہے مکان بنائے' لیکن ایک قسم کا مکان بنانے کے بعد وہ اپنے مکان کو زیادہ تبدیل نہیں کر سکتا۔ آزادی سے حاصل ہونے والی شئے' اپنے مالک کو مجبور کر دیتی ہے۔ شادی کرنے تک اِنسان خود کو آزاد سمجھتا ہے۔ جس سے چاہے شادی کرلے' لیکن شادی کے بعد مجبوری کا اِحساس ہوتا ہے۔ اُس کے لیے آزادی سے حاصل ہونے والی بیوی' دراصل اُس کی مجبوری تھی۔ آزاد نظر آنے والی طرزِ حیات' دَرحقیقت ایک مجبور طرزِ حیات ہے۔ اِنسان سفر کرنے کے بعد سمجھتا ہے کہ اُس کے لیے وہی سفر مقرر تھا' جو اُس نے کیا۔ باقی سارے آزاد نظر آنے والے راستے صرف امکانات تھے۔ حقیقت صرف ایک راستہ ہے' جس پر چلنا اِنسان کی مجبوری ہے۔ اُسے وہ آزادی سمجھے' تب بھی مجبوری ہے اور مجبوری سمجھے' تو بھی مجبوری ہی ہے...

ہر اِنسان اپنے مزاج میں مجبور کر دیا گیا ہے۔ بخیل' بخیل رہے گا۔ سخی' سخی۔ ماننے والے' ماننے پر مجبور ہیں اور اِنکار کرنے والے' اِنکار پر۔ دُنیا میں رونقیں' مجبوریوں کے ابواب ہیں۔ مجبوری کے دَم سے یہ معمورہ آباد ہے۔

ایک گھر میں پیدا ہونے والے، ایک دسترخوان پر پرورش پانے والے' ایک جیسا ذائقہ، ایک جیسی فطرت نہیں رکھتے۔ ہر اِنسان ایک الگ فطرت پر پیدا ہُوا۔ ایک الگ تجربہ، ایک علیحدہ نصیب۔ غرضیکہ ہر اِنسان اپنے مزاج میں رہن رکھ دیا گیا۔ ہر اِنسان اپنی تشکیل کے مطابق عمل پر مجبور ہے۔ انسان کی صفات اُس کو آزادی کی منزل دِکھاتی ہیں' لیکن یہ صفات اپنی ذات میں محدود و مجبور ہیں۔ انسان کی بینائی لامحدود وُسعتوں کو دیکھنے کی خواہش مند رہتی ہے' لیکن بینائی محدود ہے۔ دُور سے نظر آنے والے مناظر قریب سے ویسے نہیں دِکھائی دیتے۔ چاند دُور سے کچھ اور ہے اور قریب سے کچھ اور۔ ہماری بینائی محدود تو ہے ہی سہی' کچھ عرصہ کے بعد کمزور بھی ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ بینائی پر ہی کیا موقوف' ہمارے اعضا مضمحل ہو جاتے ہیں۔ ہم صحت کا خیال رکھتے رکھتے' صحت سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ زِندگی کی حفاظت کرتے کرتے ہم غیر محفوظ ہو کر رہ جاتے ہیں۔ ہمارے اثاثے' ہمارے اختیارات کی طرح ہم سے چھننے شروع ہو جاتے ہیں۔ ہماری بینائی کمزور ہو جائے تو چہروں کے چراغ بجھ جاتے ہیں۔ ہم بیرونی خطرات سے محفوظ بھی ہوں تو بھی خطرات ہمارے اندر گھنٹیاں بجاتے ہیں۔ اندیشے' گمنام اور بے نام اندیشے' ہمارے یقین کو گھُن کی طرح کھا جاتے ہیں۔

ہم آزاد تو ہیں' لیکن یہ آزادی ایک محدود دائرے میں ہے۔ ہم اُس کے محیط سے باہر نہیں جا سکتے۔ جس طرح ہم زمین و آسمان کے حصار میں ہیں، اُسی طرح ہم اپنے حالات و خیالات کے حصار میں ہیں۔ ہم اپنے آپ سے باہر نہیں نکل سکتے۔ اپنے قد اور اپنی حد سے باہر نہیں جا سکتے۔ سُود و زیاں کی سرحد' ہمارے اعمال کی حد ہے۔ ہم اپنوں سے بیگانہ نہیں ہو سکتے اور بیگانوں کو اپنا نہیں سکتے۔ ہمارا حاصل محدود ہے اور ہماری

www.iqbalkalmati.blogspot.com

تمنائیں لامحدود۔ ہم داستانِ ہستی مکمل نہیں کر سکتے۔ کسی کا آغاز رہ گیا' کسی کا انجام۔ ہم جس راستے پر ہیں' اُسی راہ میں لُٹ جاتے ہیں۔ ہمارا ہونا' نہ ہونا ہو جاتا ہے اور ہم' ہم نہیں رہتے۔ آزادیاں' واہمہ نظر آتی ہیں، لیکن ہمیں حُکم دِیا گیا ہے کہ ہم اپنی زندگی میں اپنے اعمال کی وجہ سے جواب دہ ہوں گے۔ اِنسان اُتنا ہی ہے' جتنی وہ کوشش کرتا ہے۔ یہی اَمر تو قابلِ غور ہے۔ مجبوریوں کے حصار میں رکھے ہوئے اِنسان کو آزادی کا پیغام ہے۔ عجب مقام ہے۔

اِنسان کو جتنی آزادی دی گئی ہے' اُتنا ہی اُسے جواب دہ بنایا گیا ہے۔ زندگی کے محدود ایام میں ہمارا عمل' اپنے نتیجے اور اپنی نیت کے حوالے سے جواب دہ ہے۔ کھانا' کھانا تو فرض ہے یعنی مجبوری ہے' لیکن حلال حرام کی تمیز میں اِنسان آزاد ہے۔ کھانا تو کھائے گا اِنسان۔ لیکن کیسے؟ حلال یا حرام۔ رِزق کے اِنتخاب میں ہم جواب دہ ہیں۔ اِنسانوں سے سلوک میں ہم جواب دہ ہیں۔ عبادات کے سلسلے میں ہم جواب دہ ہیں۔ اِنسان میں جتنی صلاحیت ہے' اُتنا ہی وہ جواب دہ ہے۔ اندھا آدمی' بینائی کے حوالے سے جواب دہ نہیں۔ ہمیں جو ملا' اُس کے استعمال میں ہم جواب دہ ہیں۔ ہمارا فطری حاصل' مجبوری ہے اور اِس حاصل کے اِستعمال میں ہم آزاد ہیں، جواب دہ ہیں۔

آزادی یہ ہے کہ ہم مجبوریوں کو کیسے استعمال کرتے ہیں۔ ہم نے بینائی سے کیا دیکھا۔ نیک مقامات کی زیارت یا نفس کے عشرت کدے۔ ہم نے محدود زندگی کو کیسے استعمال کیا۔ گلہ شکوہ، شکایت، مایوسی، بغاوت یا اُسے شُکر، اُمید، اطاعت اور عبادت میں صَرف کیا۔ پانے والے رازِ حیات پا گئے اور کھونے والے اپنا آپ برباد کر کے رُخصت ہوئے۔ ویرانیاں چھوڑ گئے۔ ایک اِنسان نے کہا کہ جب مَر ہی جانا ہے' تو عمل کیا ہے۔ دُوسرے نے کہا' چونکہ مَر جانا ہے' اِسی لیے تو عمل ضروری ہے۔ کچھ لوگ اِسی مجبور زِندگی میں بے بسی محسوس کرتے ہیں اور مایوسی سے نکل نہیں سکتے۔ کچھ لوگ اِسی مجبور زِندگی میں اُمید کے چراغ روشن رکھتے ہیں، عمل میں سرگرم رہتے ہیں اور اس زِندگی اور آنے والی زِندگی کو کامیاب بنا لیتے ہیں۔ مجبوری اور آزادی' اِنسان کے اپنے اندازِ فِکر کے نام ہیں۔ خالق کے باغی آزادیاں چاہتے ہیں۔ اُنہیں قدم قدم پر مجبوری روک لیتی ہے۔ تسلیم کرنے والے مجبوریوں میں مطمئن ہیں۔ اُنہیں قدم قدم پر نئی آزادیوں سے تعارف ہوتا ہے۔

اِنسان کا عجب حال ہے۔ زندگی غیر مستقل ہے اور اِس میں مستقل رہنے کی آرزو انسان میں پکتی رہتی ہے۔ انسان ریٹائر ہونے سے پہلے مستقل ہونا چاہتا ہے۔ اِس زندگی کا مزاج ہی بے ثباتی ہے۔ اِس میں کسی کو ہمیشہ قیام نصیب نہیں ہُوا۔ آنے والا' ضرور جائے گا اور پیدا ہونے والا' ضرور مرے گا۔ لیکن اِسی مجبور سَر زمینِ حیات میں آزادی کے گلاب کھلتے رہتے ہیں۔ بات اِحساس کی ہے' انداز کی ہے۔ زندگی کے نصیب میں مجبوری ہے اور اس کے مزاج میں آزادی ہے۔ ہم نہ ہمیشہ سو سکتے ہیں' نہ ہمیشہ جاگ سکتے ہیں۔ زندگی کے ابدی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

نظام کو خوشی سے قبول کرنے والا ہی راحت حاصل کرتا ہے۔ زندگی کی گھٹن اور مجبوری کو اہلِ دل حضرات، اہلِ عشق، اہلِ محبت حضرات نے آزادی کا نغمہ بنا کر دِکھایا ہے۔ فنا کی بستی میں بقا کے مسافر، مجبوریوں سے آزاد کر دیئے جاتے ہیں۔ وہ اپنے وجود سے نکلیں، تو چاہنے والوں کے دِل میں یاد بن کر ہمیشہ کے لیے موجود رہتے ہیں۔ محبت، مجبور کو مختار بنا دیتی ہے۔ عشق، مجبوریوں کے حصار سے آزاد ہو جاتا ہے۔ بندۂ آزاد بندہ محبت ہے۔ شکم پرست، ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مجبور۔

✿✿✿✿✿

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جمہوریّت

جمہوریّت ایک ایسا نظامِ سیاست ہے' جس کی تعریف بس سے باہر ہے۔ دُنیا والوں کے ہاں اِس کی تعریف یہ ہے کہ عوام کی لائی ہوئی، عوام کی حکومت، عوام کی خاطر۔ اگر دِینی معاشرے میں طرزِ حکومت کی تعریف مقصود ہو تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ دِینی حکومت دراصل اللہ کی حاکیت ہے، اللہ کے بندوں پر، اللہ کی خاطر۔ دونوں میں فرق صاف ظاہر ہے۔ جمہوریت اپنے تمام تر فوائد کے باوجود کبھی دِینی حکومت نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا دِینی معاشرے میں جمہوری طرزِ حکومت کا قیام صرف ناممکن ہی نہیں' نامناسب اور ناروا ہے۔

اوّل تو اللہ کا ہونا ہی اِنسانوں کے ووٹوں سے نہیں۔ اللہ خود جمہوریّت کے مزاج سے بہت بُلند ہے۔ لوگ مانیں یا نہ مانیں' وہ اللہ ہے۔ اللہ کے پیدا کیے ہوئے اِنسان' اللہ کو نہیں مانتے۔ اُس کی حاکمیّت کو اور اُس کے اقتدارِ اعلیٰ کو فرق نہیں پڑتا۔ زمین و آسمان کے لشکر اگر باغی بھی ہو جائیں' تو بھی اللہ مالک رہتا ہے، خالق رہتا ہے، مالک الملک رہتا ہے۔ فانی مخلوق کو باقی رہنے والی ذاتِ مُطلق کے وجود اور اُس کی حکومت کے بارے میں ووٹ دینے کا حق ہی کیا ہے؟

کسی اِنسان کی مرضی ہو یا نہ ہو'اللہ، اللہ ہی ہے..... حی و قیوم، قائم و دائم، اعلیٰ و ارفع، قیّم، قدیم۔ اللہ کا مزاج جمہوریّت سے بے نیاز ہے۔ وہ کسی اکثریت کے سامنے جواب دِہ نہیں۔ جبھی تو وہ اللہ ہے۔ اللہ تو اللہ ہے ہی سہی' اللہ کے پیغمبر بھی اِنسانوں کے ووٹ اور کثرتِ رائے سے نہیں بنتے۔ جس طرح اللہ' اللہ ہے' اُسی طرح پیغمبر بھی پیغمبر ہی ہے۔ کثرتِ رائے کا کسی نبی کی نبوّت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔

یہ تو پیغمبروں کی بات ہے۔ اب ذرا غور کریں۔ پیغمبرِ آخرالزماں ﷺ کے بارے میں..... آپ ﷺ امامُ الانبیا ہیں اور آپ ﷺ کا مرتبہ نبیوں کے ووٹ کا محتاج نہیں۔ آپ ﷺ جو کچھ بھی ہیں' اِنسانوں کی رائے سے نہیں' اپنے خداداد مرتبے سے ہیں۔

اگر کوئی شخص آپ ﷺ جیسی صفات بھی رکھتا ہو اور اُس کے ماننے والوں کی کثیر تعداد بھی ہو' تو بھی اُس کا مرتبہ آپ ﷺ کے مرتبے کے برابر نہیں ہوسکتا۔ زیادہ سے زیادہ وہ آپ ﷺ کا اُمتی ہونے کا شرف حاصل کرسکتا ہے۔ پیغمبر' اِنسانوں کی رائے یا اپنی صفات کے بل بوتے پر پیغمبر نہیں۔ وہ اللہ کے فیصلے سے پیغمبر ہیں، اللہ کے دِیے ہُوئے مرتبے سے' اِنسانوں کی رائے یا فرشتوں کی کثرتِ رائے سے نہیں۔ ذاتِ مُطلق کی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

نبی مطلق سے آپ ﷺ پیغمبر ہیں۔ آپ ﷺ کا مقام اِنسانوں کا دِیا ہُوا نہیں' اللہ کی عطا سے ہے۔ پیغمبر کے پیغمبر ہونے میں جمہوریت کا قطعاً کوئی دخل نہیں۔

آیئے اِسلام کی طرف...... مسلمانوں کی رائے سے دِینِ اِسلام' اِسلام نہیں۔ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ کوئی مانے یا نہ مانے' اِسلام اِسلام ہے۔ یہ دِین کثرتِ رائے کے احترام سے دِین نہیں بنا۔ یہ اللہ کے حکم سے ہے' اللہ کی مرضی سے' اللہ کی عطا سے' اللہ کے فیصلے سے۔ جمہوریت کا اِس میں دُور تک دخل نہیں۔ اگر دُنیا کی کثیر آبادی غیر مسلم ہو تو اِس کا ہرگز مطلب یہ نہیں کہ اِسلام خدانخواستہ غلط دِین ہے۔ اِسلام سچا دِین ہے۔ اِسلام کے ماننے والے اقلیت میں ہوں' تب بھی یہ سچا ہے۔ اِس کے ماننے والے ختم بھی ہو جائیں' تو بھی دِین سچا دِین ہے۔ جمہوریت' دِین کے معاملے میں دخل نہیں دے سکتی۔

اِسلام سے پہلے جتنے دِین تھے' اُنہیں جمہوری رائے عامہ کے حوالے کر کے ختم کر دیا گیا۔ اُنہیں کثرتِ رائے اور مطلب پرست حکمرانوں نے ہی ختم کیا۔ اِسلام نہ کسی بادشاہ کے فیصلے سے بدل سکتا ہے، نہ عوام کی کثرتِ رائے سے۔ اِسلام میں کسی مارٹن لوتھر کی گنجائش ہی نہیں ۔ اِس دِین کو دِینِ اِلٰہی بنانے کا مشورہ دینے والے ہمیشہ کے لیے غرق کر دیئے گئے۔ اِس دِین میں نہ کوئی ترمیم ہو سکتی ہے' نہ تخفیف ۔ یہ ہے جیسے کا ویسا' جیسے تھا۔ کثرتِ رائے کو احکامِ دِین کے تابع رہنا پڑے گا۔ جمہوریت اور ''دِینیت'' ہم سفر نہیں۔ عوام کی کثیر تعداد صداقت سے عاری ہو' تو دِینی نظامِ صداقت کے لیے ووٹ کون دے گا؟ جھوٹے معاشرے میں سچا اِنسان کس سے ووٹ مانگے گا؟

روٹی، کپڑے اور مکان کے نام پر جو جمہوریت قائم ہوئی تھی' اُس کا عمل اور اُس کا حشر ہم دیکھ چکے ہیں۔ اِسلام کے نام پر جمہوریت کا قیام' دراصل اِسلام اور جمہوریت دونوں سے مذاق ہے۔ اِسلام اِسلام ہے' جمہوریت' جمہوریت ہے۔ اِسلام صداقت پر مبنی ہے اور صداقت' اکثریت میں نہیں۔ جمہوریت' اکثریت کی حکومت ہے اور اکثریت' دِین سے بیزار ہے۔

غور طلب بات ہے کہ جمہوریت کے ذریعے دِینی معاشرہ کیسے قائم ہو گا؟ دِینی حکومت کیونکر قائم ہو گی؟ اگر اکثریت غلط فیصلہ کرے' تو انجام' دِین کے حق میں کیسے ہو سکتا ہے؟ اگر یزید اور اُس کے ساتھی اکثریت میں ہوں' تو بھی صداقت امامِ عالی مقامؑ کے عمل میں ہے۔ یہی بات تو یزید کے ماننے والوں کو سمجھ میں نہیں آئی کہ حسینؑ تنہا ہے اور سچا ہے۔ یزیدی اکثریت میں ہیں اور جھوٹے ہیں' اُن کی حکومت ہے اور وہ جھوٹے ہیں۔

صداقت اور امامت کے کربلا سے گزرنے کی وجہ ہی یہی ہے کہ اکثریت والے کثرتِ رائے کی وجہ سے بھول گئے کہ اِسلام کثرتِ رائے کی بات نہیں' اطاعت و محبتِ مصطفےٰ ﷺ کی بات ہے۔ اللہ سے محبت' حضور ﷺ کی اطاعت میں ہے اور حضور ﷺ کی محبت' اللہ کی اطاعت میں ہے۔ اگر ووٹ کو ضرورت بنا دیا گیا' تو سچ اور جھوٹ کی تقسیم ختم سی ہو جائے گی۔ ایک قادیانی کا ووٹ' ایک مفتیِ دِین کے ووٹ کے برابر ہو جائے تو۔ غضب ہو جائے گا۔ جھوٹا ووٹ' سچے ووٹ کے برابر......!

www.iqbalkalmati.blogspot.com

آج تک اسلام کے نافذ نہ ہونے کی وجہ یہی ہے کہ لوگوں سے رائے مانگی جاتی رہی۔ ورنہ مسلمانوں پر اسلام کے نافذ نہ ہونے کی وجہ کیا ہو سکتی ہے؟ اللہ کے بندوں پر اور اللہ کے ماننے والوں پر اللہ کے دین کو نافذ نہ کرنے کی وجہ؟ کہیں نہ کہیں، کچھ نہ کچھ غلطی ضرور موجود ہے۔ کیا جمہوریت اس غلطی کو دریافت کر کے اسے دُور کرے گی؟ قطعاً نہیں۔ جمہوریت اپنا نفاذ کرے گی، دین کا نہیں اور نتیجہ کیا ہوگا! اس کا سمجھنا مشکل نہیں۔

جمہوریت کا سفر، جلسوں کا سفر ہے، جلوسوں کا سفر ہے، تقریروں کا سفر ہے، جھوٹ سچ ملا کر بولنے کا سفر ہے، حکومتِ سابقہ کی مخالفت کا سفر ہے، گٹھ جوڑ اور توڑ پھوڑ کا سفر ہے۔ جس طرح امن، دو جنگوں کے درمیانی وقفے کا نام ہے، اُسی طرح کہیں جمہوریت، مارشل لا اور مارشل لا کے درمیانی عرصے کا نام نہ ہو۔

جمہوریت جوہر شناس نہیں۔ جمہوریت، صرف مقدار کی قائل ہے، معیار کی نہیں۔

جمہوریت سُقراط کو زہر پلاتی ہے۔ منصورؒ کو سُولی پر چڑھاتی ہے۔ عیسیٰؑ کا احترام نہیں کرتی۔ جمہوریت کے ذریعے کوئی مفکر، امام، دانشور، عالمِ دین، وَلی یا مردِ حق آگاہ برسرِ اقتدار نہیں آ سکتا اور جو لوگ جمہوریت کے مہنگے راستوں سے ایوانِ اقتدار میں آتے ہیں، اُن کو دینی حکومت کے قیام سے کیا غرض! جب تک عوام میں حق پسند، حق طلب اور حق آگاہ لوگوں کی کثرت نہ ہو، جمہوریت ایک خطرناک کھیل ہے!!

✿✿✿✿✿

www.iqbalkalmati.blogspot.com

خطرہ

اگر اینٹوں میں ربط نہ ہو تو آندھی تو کجا' دیوار کو اپنے ہی بوجھ سے گر جانے کا اندیشہ لاحق ہو جاتا ہے۔ اندرونی کمزوری کو بیرونی خطرات ہمیشہ درپیش رہتے ہیں۔ شکستہ جہاز کو کوئی ہوا بھی تو راس نہیں آتی۔ بیمار وجود کے لیے ہر موسم خطرے کا موسم ہے۔ قوتِ مدافعت نہ رہے' تو بیماری کا شائبہ بھی زندگی کے لیے خطرہ ہے۔

جب قوموں کے اندر وحدت نہ رہے' تو اس انتشار کی سزا ایک نامعلوم خطرے کی شکل میں موجود رہتی ہے۔ مایوس انسان پر خطرات کی وبا کا عذاب نازل کیا جاتا ہے۔

آج ہمارے گرد وپیش خطرات ہیں۔ ہمارے یسار ویمین میں خطرہ ہے۔ ہمارے دروازے پر خطرہ دستک دے رہا ہے۔ ہم کرب سے گزر رہے ہیں۔ مکینوں کو اپنے مکان میں سکون نہیں۔ کہیں نہ کہیں' کسی نہ کسی صورت میں کوئی نہ کوئی خطرہ موجود ہے۔

آج کی دنیا کو ترقی کے حوالے سے تین قسموں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ترقی یافتہ، ترقی پذیر اور پسماندہ۔ ترقی یافتہ وہ ممالک ہیں' جو خوف پیدا کرتے ہیں۔ ترقی پذیر وہ ممالک ہیں' جو خوفزدہ رہنے پر مجبور ہیں اور پسماندہ وہ ممالک ہیں' جنہیں خطرے کے احساس سے بھی آشنائی نہیں۔ جنہیں زندگی کا احساس نہ ہوا' انہیں موت کا کیا خوف!

خوف اور خطرہ' ترقی پذیر ممالک کے لیے ہے۔ ہم ترقی پذیر ہیں۔ ہم خوف میں ہیں۔ ہمارے مغرب میں ترقی یافتہ روس ہے جو خوف پیدا کرتا ہے۔ مشرق میں ایک ایسا ملک ہے جو ترقی پذیر ہونے کے باوجود ترقی یافتہ انداز رکھتا ہے۔ بھارت خود خوف میں ہے' لیکن خوف پیدا کرتا ہے۔

ترقی کا دوسرا نام خوف پیدا کرنے کی صلاحیت ہے۔ بھارت کے پاس یہ صلاحیت ہے۔ اس کی نگاہ میں آج بھی یہ پاکستان خار بن کر کھٹکتا ہے۔ اس کی وجوہات کچھ بھی ہوں' نتیجہ یہ ہے کہ ہم خطرے میں ہیں۔ دوست کمزور ہو جائیں تو دشمن خود بخود طاقتور ہو جاتا ہے۔ اندرونی انتشار' بیرونی یلغار کی راہ ہموار کرتا ہے۔

ہم ایک ایسے خطرے میں ہیں جو محسوس تو ہوتا ہے معلوم نہیں ہوتا کہ یہ خطرہ کس چیز سے ہے۔
کیا ہم پر خدانخواستہ کوئی نئی اُفتاد پڑنے والی ہے؟
کیا ہم اپنے اعمال کی عبرت کے خوف میں ہیں؟

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کیا ہم اپنے راہنماؤں سے مایوس ہو چکے ہیں؟

کیا ہم گردشِ حالات کی زَد میں آ چکے ہیں؟

کیا ہم سے زندگی کے عظیم مقاصد چِھن چکے ہیں؟

کیا ہم اعتماد سے محرُوم ہو چکے ہیں؟

کیا ہمیں اپنے آپ پر بھی اعتماد نہیں؟

کیا ہمیں جان کا خطرہ ہے، ایمان کا خطرہ ہے، عزّت کا خطرہ ہے، مُلکی سلامتی کا خطرہ ہے، مِلّی وَحدت کا خطرہ ہے؟

کیا خطرہ ہمارے اندر ہے یا باہر ہے؟

کیا آسمان گرنے والا ہے؟

کیا زمین پھٹنے والی ہے؟

کیا اِنسان کے گناہوں کا بوجھ اتنا بڑھ چکا ہے کہ کِسی عذاب کا نازل ہونا ناگزیر ہے؟

کیا ہماری تاریخ ختم ہونے والی ہے؟

کیا ہم ایک سطحی اور نقلی زندگی گزار رہے ہیں؟

کیا ہمارے اَفکار پریشان ہیں؟

کیا ہمارا کِردار ختم ہو چکا ہے؟

کیا ہم سے حُسنِ عمل چِھن گیا ہے؟

کیا ہم دُعاؤں کا آسرا بھول چکے ہیں؟ ہم قدم قدم پر خطرے میں ہیں؟

کیا ہمارا عمل' بیان اور صرف بیان ہے؟

کیا ہم اپنے آپ کو دھوکا دیتے ہیں؟

آخر ہم نے کیا کِیا ہے کہ ہم خطرے میں ہیں؟

یہ سب سوال ہی سوال ہیں اور خطرہ یہ ہے کہ جواب نہیں ہے۔ ہمارے پاس کوئی جواب نہیں۔ ہم پچھلے چالیس سال سے یہ سوچ رہے ہیں کہ ہم نے یہ مُلک کیوں بنایا۔ ہمیں اِتنی سی بات سمجھ میں نہیں آتی کہ ہم نے یہ مُلک حُکمرانوں کے لیے بنایا ہے۔ یہ اللہ کا شُکر ہے کہ اب حکمران ہم میں سے ہی ہیں۔ مزاج......! حکمرانوں کے مزاج نہیں دیکھا کرتے' دیکھنے والی بات صرف یہ ہے کہ محکوم کی حالت کیا ہے۔ محکوم اگر مُسلسل مظلوم اور محروم ہو تو حُکمرانوں کے ایمان کا کیا تذکرہ؟ محکوم مظلوم ہو تو حُکمرانوں کو کیا کہتے ہیں؟ آج پاکستان میں الحمدُ للہ ہم سب مسلمان ہیں۔ چور کون ہے؟ ڈاکہ کِس نے ڈالا؟ کِس نے کِس کی عِزّت کو تباہ کِیا؟ مسلمانوں کے عظیم مُلک میں کِسی غریب پہ کیا بیتی؟ کون بتائے؟ کیا اللہ صرف طاقتور کا ساتھ دیتا ہے؟ کیا ہم لوگ ایک دوسرے کی پہچان سے محروم ہو گئے ہیں؟ کیا ہم کِسی عاقبت کے قائل نہیں رہے؟

ہم کروڑوں انسان، سارے کے سارے تنہا، افراتفری، ایک دوسرے پر الزام تراشی، ایک دوسرے کے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ساتھ نا اِنصافی، وعدہ شکنی، مطلب پرستی، ہوس پرستی، زر پرستی، منصب پرستی اور ظاہر پرستی...... خطرہ تو ضرور ہو گا۔ مظلوم کی بد دُعا خطرہ پیدا کرتی ہے۔ محروم کی آہ خطرہ پیدا کرتی ہے۔ یتیم کی فریاد پانی میں آگ لگا دیتی ہے۔

جس بستی سے حق والا محروم ہو کر نکلے' وہ بستی ویران ہو جاتی ہے!

آج ہمیں سوچنا پڑے گا کہ آخر ہم کس طرف کو جا رہے ہیں۔ ہم کہاں سے چلے تھے۔ ہمارا حال کیا ہے۔ ہمارے اندیشے اِتنے بے سبب بھی نہیں۔

ہم ایک دفعہ پہلے تقسیم ہو چکے ہیں۔ ہم ایک دفعہ پہلے بھی کٹ چکے ہیں۔ ہمارے پاس آج بھی حالات اچھے نہیں اور دُشمن پہلے سے زیادہ طاقتور ہے۔ ایک دفعہ ہونے والا حادثہ' کیا دُوسری دفعہ نہیں ہو سکتا؟

خوف تو ہو گا!

لیکن نہیں۔ بات اِتنی خطرناک بھی نہیں۔ دامنِ اعمال خالی ہو تو ہو۔ دامنِ رحمت تو بھرا ہُوا ہے۔ ہمارا سہارا ہمارے اعمال میں نہیں' اُس کی رحمت میں ہے۔ رحمت کا کام ہی یہ ہے کہ محروم کو حق سے ہوا دیتی ہے۔ وہ دینے والا ہے۔ جب چاہے' جسے چاہے، جو چاہے' دے دے۔ ہماری بقا صرف ہماری ہی بقا نہیں' اُس کے نام کی بھی عظمت ہے۔

جب ہم غلام تھے' تو ہم نے ہندوستان میں اپنی آزادی کو حاصل کیا۔ ایک نیا مُلک بنایا۔ آج تو ہم آزاد ہیں۔ ہم مُلک کا تحفظ کیسے نہیں کریں گے۔

ہم دُشمن سے ڈرنے والے نہیں۔ ہمیں اگر کبھی خوف ہُوا' تو صرف دوستوں کا، اپنوں سے ڈر ہے۔ اپنے' اپنے ہو جائیں تو بیگانے کا کیا خوف!

اب وہ وقت آ گیا ہے کہ ہم اپنی صفوں میں اِتحاد پیدا کریں۔ اپنے اعمال اور اپنے مال میں سب کو شریک کریں۔ دُوسروں کی عزت کریں تا کہ ہماری عزت محفوظ ہو۔ دُشمن کوئی حرکت کرنے سے پہلے دس دفعہ سوچے گا۔ ہمیں اپنی حفاظت کے لیے کسی سوچ کی ضرورت نہیں۔ ضرورت صرف وحدت اور صداقت کی ہے۔ ہمیں بے راہ زندگی کا خوف ہونا چاہیے۔ اُس کی راہ میں مرنا ہمارے لیے خوف کا نہیں' شوق کا باعث ہے۔ ویسے اُس کی راہ' حق اور حقیقت کا راستہ ہے...... بھائی کے لیے وہ چیز پسند کرنے کا راستہ' جو اپنے لیے پسند ہو۔ انصاف قائم ہو جائے' خطرہ ٹل جائے گا۔

سینے میں ایمان بیدار ہو جائے' خوف نکل جائے گا۔ یقین زندہ ہو جائے' موت ختم ہو جائے گی۔ دولت کی محبت کم کر دو اندیشے کم ہو جائیں گے۔ سیاست سے جھوٹ نکل جائے' دِل سے خوف نکل جائے گا۔ لالچ خوف پیدا کرتی ہے۔ اندرُونی اِنتشار' بیرونی سرحدوں پر خطرے کی شکل میں نظر آتا ہے۔ خطرہ بہر حال اندر ہے' باہر نہیں!!

www.iqbalkalmati.blogspot.com

قیادت

جب قائدین کی بہتات ہو جائے تو سمجھ لیجیے کہ قیادت کا فقدان پیدا ہو گیا...... قائدین کی کثرت' ملت کو تقسیم کر کے راستے کے تعین کو دشوار بنا دیتی ہے...... وحدتِ مقصد ختم ہو جائے تو کثیر المقصدیت پیدا ہو جاتی ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ منزل کا مفہوم ہی مبہم ہو کر رہ جاتا ہے۔

ہر قائد اپنے گروہ کو الگ الگ سمت دکھاتا ہے، الگ الگ شعور عطا کرتا ہے، الگ الگ ضرورتیں پیدا کرتا ہے اور علاج کے الگ الگ طریقے ایجاد کر کے ذہنوں کو الجھا دیتا ہے۔ ہر شخص پاکستان اور پاکستانی قوم کو کنارے لگانا چاہتا ہے اور ہر قائد الگ الگ کنارے کی نشاندہی کرتا ہے، نتیجہ یہ کہ کشتی منجدھار میں رہتی ہے۔

قیادت' مسیحائی کی طرح ایک وبا کی صورت اختیار کر گئی ہے، قوم کا پریشان ہونا ایک منطقی نتیجہ ہے۔ ہر قائد پاکستان کے زوال کے اسباب بیان کرنے میں رطب اللسان ہے اور عروج کا راستہ اپنی ذات تک مخفی رہتا ہے، یعنی عروج کے لیے اس قائد کے ہمراہ چلنا شرط ہے۔ قوم کے پاس اتنے رہنما ہیں کہ بس خدا کی پناہ، راستہ ہی دشوار ہو کے رہ گیا ہے۔ آج کا ہر قائد اپنی صداقت کا حوالہ ماضی سے لیتا ہے۔ قائدِ اعظم نے یہ فرمایا، وہ فرمایا لہٰذا قوم پر لازم ہے کہ وہ اس کی جماعت میں شامل ہو جائے...... ہر قائد' اقبالؒ کے کسی شعر سے آغازِ تقریر کرتا ہے اور اقبالؒ کے ہاں اتنے اشعار ہیں کہ ہر سیاسی جماعت کے منشور کے لیے اقبالؒ ہی سند ہے۔ سلطانیٔ جمہور کے زمانے کی نوید ہو کہ ابلیس کی مجلسِ شوریٰ کا ذکر' دیوِ استبداد کا تذکرہ ہو کہ غریبوں کو جگانے اور کاخِ اُمراء کے در و دیوار ہلانے کی بات ہو' اقبالؒ کے کلام میں موجود ہو گی...... اقبالؒ انسانوں کی طرف سے اللہ کے سامنے شکوہ کرتا ہے اور اللہ کی طرف سے انسانوں کو جوابِ شکوہ مہیا کرتا ہے...... اس کے کلام میں کیا بات نہیں ہو گی۔ اقبالؒ ترقی پسند ہے، ارتقاء کا قائل ہے، استحصال کے خلاف آواز بلند کرتا ہے، مساوات کا درس دیتا ہے...... بندہ و بندہ نواز کو ایک ہی صف میں دیکھنا چاہتا ہے۔

اقبالؒ کا کلام آج کے بہت سے قائدین کے لیے نعمت ہے۔ اس کے برعکس کچھ جلسے ایسے بھی ہیں' جن کی ابتدا اقبالؒ کے اس شعر سے ہوتی ہے:

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں عشقِ محمدؐ سے اجالا کر دے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اقبالؒ نے قیادت کو جلا بخشی...... ہر قسم کا قائد اقبالؒ کا پیروکار ہے...... اقبالؒ اور قائداعظمؒ کے فرمودات ہر قائد کی زبان پر رہتے ہیں اور ایک قائد دوسرے قائد کی قیادت کے خلاف ہے...... یہی عجب حال ہے۔

قائدین کی اکثر تقاریر چند الفاظ میں سمٹ سکتی ہیں کہ قائدِ اعظمؒ کی منشا اور اقبالؒ کی روح کے مطابق ملک و ملت کی تعمیر کریں گے...... غریب امیر کی تقسیم ختم ہو جائے گی اور سب لوگ چین سے زندگی بسر کریں گے، ملک کا دفاع مضبوط ہو جائے گا...... اور...... اور کیا؟ انتخاب کراؤ...... ووٹ دو...... اور یہ کام جلدی ہونا چاہیے، ورنہ...... ورنہ کیا؟

آج کل ہم طلسمات رہبری کے دور سے گزر رہے ہیں۔ ایک طرف اسلام نافذ ہو رہا ہے، دوسری طرف کچھ اور نافذ ہونے کی باتیں ہو رہی ہیں...... کہیں مساوات کے چرچے ہیں، کہیں نظامِ مصطفےٰ ﷺ اور مقامِ مصطفےٰ ﷺ کا ذکر ہو رہا ہے، کہیں انتخابات کا تقاضا ہو رہا ہے، کہیں احتساب کے قصے ہیں۔ ایک شریف غیر سیاسی شہری کے لیے یہ سمجھنا مشکل ہے کہ اب کیا ہو گیا......!

خطرات کے بڑھنے کا ذکر کرنے والے ایک سیاسی نصب العین کے تحت سرگرمِ عمل ہیں... خطرات سے یکسر غافل کر دینے والے اپنی سیاسی ضروریات رکھتے ہیں...... اسلام سے محبت بیان کرنے والے اسلام کے نفاذ کے ساتھ اپنا نفاذ بھی مشروط رکھتے ہیں۔ نظامِ مصطفےٰ ﷺ کے نام پر اپنے عزائم پورا کرنا چاہتے ہیں۔ قوم قائدین کی کثرت سے پریشان ہے۔

یہ پریشانی دراصل ایمان کی زندگی کا ثبوت ہے۔ اسلام میں قیادت کا تصور دنیائے سیاست کی قیادت کے تصور سے الگ ہے، مختلف ہے، نرالا ہے...... اسلام صرف پیغمبر ﷺ اسلام کی قیادت میں زندگی بسر کرنے کا نام ہے...... آپ ﷺ کی قیادت کے علاوہ کسی قیادت کی اطاعت واجب ہی نہیں...... مومن اللہ اور اللہ کے حبیب ﷺ کے احکام کا پابند ہے۔

بات کہنے کی نہیں لیکن پھر بھی...... یہ حقیقت ہے کہ ایک سادہ لوح پاکستانی کو حضور اکرم ﷺ کے علاوہ کسی اور قائد کا 'خواہ وہ قائدِ اعظمؒ ہی کیوں نہ ہوں' پیغام سنا دیا جائے تو وہ بیچارہ کچھ سمجھ نہیں سکتا کہ اسے کس کا حکم بجا لانا ہے۔

ایک زندگی میں ہم کس کس کی لاج نبھائیں... حکومت کا حکم ماننا کہ ہماری حکومت ہے اور اب تو منتخب ہے بلکہ نومنتخب ہے...... حکومت کا حکم تو ماننا ہی پڑتا ہے مگر بات سمجھ نہیں آتی کہ حکومت جلسے کیوں کرتی ہے۔ عوام کے کتنے ہی کام ہیں جو حکومت کے ذمے ہیں، انہیں ہونا چاہیے...... بڑے شہروں میں ٹریفک کے مسائل ہیں...... سڑکوں اور گلیوں کی حالت ہے، بجلی اور گیس کے مسائل ہیں، تعلیم کے بڑے ہی مسائل ہیں، نوکری کے حصول کی دشواریوں کے مسائل ہیں...... حکومت ان کو حل کرے اور اس کے علاوہ قوم کو ایک واضح واحد مقصدِ حیات عطا کرے۔

اگر اسلام نافذ ہی کرنا ہے تو اللہ کی خوشنودی کے لیے کر ڈالو...... لوگوں کی خوشنودی کی ضرورت ہی کیا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہے۔ شاید اسلام کے نفاذ کا مرحلہ مشکل ہے...... اگر مسلمانوں پر اسلام کا نفاذ مشکل ہے تو...... یا وہ مسلمان، مسلمان نہیں یا وہ اسلام، اسلام نہیں، یا وہ قوت نافذہ، قوت نافذہ نہیں!!

بہر حال اسلام میں قیادت کا تصور یہ ہے کہ مسلمانوں کے لیے حکم ہے کہ اللہ کی اطاعت کرو، اللہ کے رسول ﷺ مقبول کی اطاعت کرو اور اُولی الامر کی اطاعت کرو.......... اُولی الامر کی بحث نہیں...... یہ بحث واقعہ کربلا سے ختم ہو گئی... اُولی الامر یزید نہیں تھا، امامؑ عالی مقام تھے...... اگر حاکمِ وقت کے اوصاف اسلام کی منشا کے علاوہ ہوں تو اسے اولی الامر نہ کہو...... اگر وہ اسلام میں فرماں بردار ہے تو اس کے اولی الامر ہونے پر غور کر لینا مناسب تو نہیں..... بہر حال یہ فیصلے علماء کرام کے ہیں۔

ہم پرانے قائدین کے دن مناتے ہیں۔ صرف ایام منانے سے مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ ہم خود کوئی قابلِ ذکر واقعہ پیدا نہیں کر سکے...... چھ ستمبر کی یاد اور پھر ملک کے دولخت ہونے کی یاد، بیک وقت کیسے یاد رہے۔ ہم کچھ بھول سے گئے ہیں...... ہمیں صرف قائد بننے کا شوق ہے...... قائد وہ ہے جو پچھلی قیادتوں سے آزاد کر دے اور مسلمان ماضی سے آزاد نہیں ہو سکتا۔ یہی اس کی خوبی ہے اور یہی اس کی خامی...... خوبی اس لیے کہ مذہب ہمیشہ ماضی سے وابستہ رہتا ہے، خامی اس لیے کہ مسلمان کسی نئے تصور کو ماننے کے لیے قطعاً تیار نہیں...... روس افغانستان کی مدد کرنے کے لیے نئے تصورِ حیات سے حاضر ہے اور مسلمان مجاہد مصروفِ جہاد ہے...... امریکہ اپنے لامحدود خزانوں کے باوجود امام خمینی اور معمر قذافی کو ایک آنکھ نہیں بھاتا...... مسلمان کے لیے کسی قیادت کا جادو بے اثر ہے۔ اس کے لیے صرف خدا کا رسول ﷺ بس کافی ہے...... قیادت کی اطاعت اگر اسلام کے علاوہ ہو تو شرک ہے...... اگر اللہ کے علاوہ معبود بنانا شرک ہے تو اسلام کے علاوہ کسی اور نظریے کی اشاعت اور اطاعت بھی شرک ہے۔ قائدین کی بہتات میں ابھی تک قائد نظر نہیں آتا...... قائد وہ جس کی اطاعت ہمارا دین ہو..... جس کے لیے جان نثار کرنا شہادت ہو۔

اسلام میں قیادت تقوے سے مشروط ہے۔ صاحبِ تقویٰ...... اس زندگی کو آنے والی زندگی کی تیاری سمجھتا ہے...... وہ اللہ کو رازق سمجھتا ہے...... قرآن کے احکام کے تابع رہتا ہے...... اور حضور اکرم ﷺ کی قیادتِ عظمیٰ کو تا قیامت قائم و دائم مانتا ہے۔ آج ملت کو قائدین کی بظاہر کثرت کے باوجود کسی مردِ حق آگاہ، کسی غلامِ غلامانِ مصطفےٰ ﷺ کی قیادت کا انتظار ہے۔ رہبر وہ کہ دیدہ ور بھی ہو...... رازِ پنہاں سے باخبر بھی ہو......!!

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ذرّے میں صحرا

یہ عظیم و قدیم، جمیل و جسیم کائنات اتنی پُر اسرار و پُر انوار ہے کہ اس کا اندازہ لگانا بھی دُشوار ہے۔۔۔۔۔ اِس میں کیا نہیں ہے۔۔۔۔۔!

یہاں وُسعتیں ہیں۔۔۔۔۔ گردشیں ہیں۔۔۔۔۔ فاصلے ہیں۔۔۔۔۔ زمانے ہیں۔۔۔۔۔ بلکہ وُسعت دَر وُسعت، گردش دَر گردش۔۔۔۔۔ فاصلہ دَر فاصلہ۔۔۔۔۔ زمانہ دَر زمانہ۔۔۔۔۔ مدار دَر مدار۔۔۔۔۔ محور دَر محور۔

اس کائنات میں عجب کھیل ہے۔۔۔۔۔ زمانے' زمانوں کی تلاش میں ہیں۔۔۔۔۔ گردشیں گردشوں کے تعاقب میں ہیں۔۔۔۔۔ وقت' وقت کو کھا رہا ہے۔۔۔۔۔ زندگی موت کے حِصار میں ہے اور موت زندگی کی زد میں ہے۔

کائنات بنانے والے نے اِسے بہت ہی خوبصورت اور انوکھا شاہکار بنایا ہے۔ کہیں اِتنے گرم ستارے ہیں کہ ہمارے ہاں کی آگ بھی پناہ مانگے۔۔۔۔۔ کہیں اتنے یخ سیارے ہیں کہ ہمارے ہاں کی برف کو بھی پسینہ آجائے۔۔۔۔۔!

کائنات تو خیر ہے ہی ایک عجوبہ۔۔۔۔۔ لیکن یہ زمین اپنے آپ میں ایک مکمل کائنات ہے۔۔۔۔۔ مختصر اور محدود زمین' وسیع اور لامحدود امکانات سے مالا مال ہے۔

زمین کا حُسن ہو کہ کائنات کا حُسن۔۔۔۔۔ اِسے جاننے اور دیکھنے کے لیے جس مخلوق کو مقرر فرمایا گیا' وہ ایک الگ شاہکار ہے۔

اس تماشا گاہِ عالم میں واحد تماشائی انسان ہے۔۔۔۔۔ انسان کو ایسی صفات سے نوازا گیا کہ وہ باہر کا منظر اپنے باطن میں موجود پاتا ہے۔۔۔۔۔ اِنسان ہی تو اِس کائنات کے رَمُوز سے آشنا ہے۔۔۔۔۔ اگر وہ آشنا نہیں' تو کون آشنا ہے؟ اُسی کے لیے یہ سب جلوے ہیں۔۔۔۔۔ وہی اشرف المخلوقات ہے۔۔۔۔۔!

آسمان کے کروڑوں ستاروں کو بیک وقت دیکھنے والا آلہ بس اِنسانی آنکھ ہے۔۔۔۔۔ آنکھ نہ ہو تو حُسنِ کائنات کیا ہے۔۔۔۔۔ روشنی کا وجود اپنے آپ میں لاکھ موجود ہو۔۔۔۔۔ دیکھنے والے کے بغیر عبث سا ہو کر رہ جاتا ہے۔۔۔۔۔ اندھوں کے لیے سورج کا جلوہ کیا حقیقت رکھتا ہے۔۔۔۔۔ بے شعور کے لیے اس کائنات کے رَمُوز کیا وُقعت رکھتے ہیں۔۔۔۔۔ بنانے والے نے یہ عجب کھیل بنایا ہے۔

کروڑ ہا سال نور کے فاصلے رکھنے والی پُرشکوہ کائنات کے اسرار و رَمُوز کی آگہی کا دم بھرنے والا ایک

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اتنے چھوٹے سے سیارے پر رہتا ہے' جس کے وجود کا اِس وسیع کائنات کے حوالے سے ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ اِس چھوٹی سی دُنیا میں، کسی چھوٹے سے ملک میں، کسی چھوٹے سے شہر میں، کسی مکان کے اندر، ایک انسان' اپنی چھوٹی سی عقل کے ذریعے اِس عظیم وُسعت کا احاطہ کرنا چاہتا ہے...... یہی نہیں...... وہ اِس فطرت کے فاطر کی صفات وذات کی آگہی کے شرف سے بھی اپنے آپ کو مفتخر مانتا ہے۔

یہ سب کیسے ہے؟ کیوں ہے؟ کیا ایسے ہے بھی سہی' کہ نہیں ہے؟ اگر نہیں ہے' تو یہ سب کچھ ہونے کے باوجود نہیں ہے۔

اِنسان نہیں' تو یہ سب کچھ کیا ہے...... ؟ اگر ذاکر نہ ہو تو مذکور کون ہے؟ مذکور کو ذاکر درکار تھا...... اُس نے ذِکر پیدا کیا...... ذِکر ہی کے ذریعہ سے مذکور و ذاکر متعلق ہیں......!

وُسعتیں' حُسنِ خیال میں سمٹ کے آجاتی ہیں...... کون ومکان کے جلوے اِنسان کے دِل میں موجود ہوتے ہیں۔

زمین وآسماں کے رشتے اِنسان ہی کے دم سے ہیں...... ساری کائنات سمٹ کے اِنسان کے دِل میں آجاتی ہے...... ساجد کی پیشانی میں مسجود کے جلوے ہیں...... اور مسجود' خالق بھی ہے...... اور خالق' کائنات کے جلووں کا مالک ہے...... وہ جلووں کا مالک ہے...... ہم جلووں کے مستقر ہیں...... ہم اُس کے جمال کا آئینہ ہیں...... وہ اپنی ذات میں تنہا رہ سکتا ہے...... لیکن اُس نے چاہا کہ وہ جانا جائے' پہچانا جائے...... بس اُس نے مخلوق بنادی...... یہ کائنات' عالمِ موجودات...... اور پھر اِس میں اشرف المخلوقات' اِنسان......!

یہی اِنسان' محدود و فانی ہونے کے باوجود لامحدود باقی کو جاننے والا اور ماننے والا...... اُس کے جلوے' اِس میں ہیں...... اُس کا پَرتو' اِس میں ہے...... وہ مخفی ہے' تو یہ آشکار ہے...... وہ عظیم فنکار ہے' تو یہ اُس کا عظیم شاہکار ہے...... اُس کو کیسے جان سکتا ہے...... بس یہی وہ راز ہے' جس کے جاننے سے سب کچھ جان لیا جا سکتا ہے۔

ماضی' ایک طویل ماضی سے آشنائی' آج کا اِنسان کر رہا ہے...... مُستقبل سے آشنائی' آج کا اِنسان کر رہا ہے...... آج کا اِنسان' آج کے اِنسانوں کو جانتا ہے...... وہ کائنات کے رُموز سے باخبر ہے...... وہ سب کچھ جانتا ہے، کیسے؟

وہ اپنے آپ کو جاننے کے بعد سب کو جان سکتا ہے...... خود سے آشنا' سب سے آشنا ہے...... ذرے سے آشنا ہے، صحرا سے آشنا ہے...... قطرے سے آشنائی' قلزم سے شناسائی ہے۔

قابلِ غور نکتہ یہ ہے کہ جہاں کسی شے کا وجود ایک حقیقت ہے' وہاں اُس کا اِدراک ایک الگ حقیقت ہے...... ہم وجود سے اِدراک کے سفر پر روانہ ہیں۔

ہو سکتا ہے' حقیقتِ وجود کا مقصد ہی تخلیقِ حقیقتِ اِدراک ہو...... صاحبِ اِدراک اپنے آپ میں حقیقت کے رُوبرو رہتا ہے...... وہ اپنے آئینے میں خوبصورت' رنگارنگ نیرنگ دیکھتا ہے...... وہ نظارے کو منظر کا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

حاصل سمجھتا ہے..... صاحبِ نظر جان لیتا ہے کہ ایک منظر دوسرے منظر سے بہت مختلف نہیں..... ایک آنسو کسی دوسرے آنسو سے الگ نہیں..... نئے غم اور پُرانے غم، سب برابر ہیں..... فاطر ایک ہے تو فطرت کے سب جلوے بھی ایک ہی ہیں۔

درخت سے ٹوٹا ہوا پتا بھی اُتنا ہی اہم ہے، جتنی اِس کائنات کی وُسعتیں..... خلا کی پہنائیاں..... اور بڑی بڑی کہکشاؤں کے درمیان چیختی ہوئی تنہائیاں.....!

اِنسان، باعثِ تخلیق بھی ہے اور حاصلِ تخلیق بھی..... یہاں اِنسان کو اپنی ہستی کا اِدراک حاصل ہو جائے تو یہ کائنات، وَرق وَرق اُس کے سامنے اپنے مفہوم کے ساتھ حاضر ہے..... سب جلوے ایک حُسن کا پَرتو ہیں..... یہ سب کثرت، ایک وحدت کے اِظہار کے لیے ہے..... ہر جُز، اپنے کُل کا مظہر ہے..... اور کُل تو ایک ہے..... اِس لیے کوئی جُز، کسی دوسرے جُز سے علیحدہ نہیں ہوسکتا۔

غریب کا دِل اُتنا ہی مقدس ہے، جتنا مغرور امیر کا..... جس کی خِدمت میں ذرّے نے اپنا دِل چیر کے رکھ دیا ہو، اُس کے سامنے صحرا اور گردِ صحرا ایک ہی شے ہیں..... بات تعلق کی ہے..... نسبت کی ہے..... اِدراک کی ہے..... عنایت کی ہے..... عطا کی ہے..... ورنہ کہاں ایک چھوٹا سا دِل اور کہاں وُسعتِ کون و مکاں..... کہاں اِنسان اور کہاں کائنات..... بس!

سلام ہو، اِس کائنات کے حُسن اور اِس کی وُسعتوں کو..... اور سلام ہے، اِس کو جاننے والے اور اِس کو چاہنے والے اِنسان کے لیے..... اور سجدہ ہے، اِن کو پیدا فرمانے والی ذات کی خِدمت میں.....!!

www.iqbalkalmati.blogspot.com

موت کا خوف

موت سے زیادہ خوفناک شے موت کا ڈر ہے۔ جیسے جیسے زندگی کا شعور بڑھتا ہے، زندگی کی محبت بڑھتی ہے، موت کا خوف بھی بڑھنے لگتا ہے۔ جس کو زندگی سے محبت نہ ہو، اُسے موت کا خوف کیا ہو سکتا ہے۔

جب انسان کے دِل میں موت کا خوف پیدا ہو جائے، تو اُس کی حالت عجیب ہوتی ہے۔ ایسے جیسے کوئی انسان رات کو اندھیرے سے بھاگ جانا چاہے، یا دِن کو سورج سے بھاگ جانا چاہے، بھاگ نہیں سکتا۔

کہتے ہیں کہ ایک آدمی کو موت کا خطرہ اور خوف لاحق ہو گیا۔ وہ بھاگنے لگا۔ تیز بہت تیز۔ اُسے آواز آئی ''موت تیرے پیچھے نہیں، تیرے آگے ہے۔'' وہ آدمی فوراً مڑا اور اُلٹی سمت بھاگنے لگا۔ آواز آئی...... ''موت تیرے پیچھے نہیں، تیرے آگے ہے۔'' وہ آدمی بولا ''عجیب بات ہے، پیچھے کو دوڑتا ہوں تو پھر بھی موت آگے ہے۔ آگے کو دوڑتا ہوں تو پھر بھی موت آگے ہے؟'' آواز آئی ''موت تیرے ساتھ ہے۔ تیرے اندر ہے۔ ٹھہر جاؤ۔ تم بھاگ کر نہیں جا سکتے۔ جو علاقہ زندگی کا ہے، وہ سارا علاقہ موت کا ہے۔'' اُس آدمی نے کہا ''اب میں کیا کروں؟'' جواب ملا ''صرف انتظار کرو۔ موت اُس وقت خود ہی آ جائے گی، جب زندگی ختم ہو گی اور زندگی ضرور ختم ہو گی۔ زندگی کا ایک نام ہے، موت...... زندگی اپنا عمل ترک کر دے تو اُسے موت کہتے ہیں۔'' اُس آدمی نے پھر سوال کیا ''مجھے موت کی شکل دِکھا دو تاکہ میں اُسے پہچان لوں''...... آواز آئی ''آئینہ دیکھو۔ موت کا چہرہ، تیرا اپنا چہرہ ہے۔ اِسی نے میت بننا ہے۔ اِسی نے مُردہ کہلانا ہے۔ موت سے بچنا ممکن نہیں۔''

موت کے خوف کا کیا علاج! لاعلاج کا بھی کوئی علاج ہے! لاعلاج مرض، مہلک مرض صرف زندگی کا عارضہ ہے جس کا انجام صرف موت ہے۔ زندگی ایک طویل مرض ہے، جس کا خاتمہ موت کہلاتا ہے۔ روزِ اوّل سے زندگی کا یہی سلسلہ چلا آ رہا ہے کہ زندگی کا آخری مرحلہ موت ہے۔ اِس سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ زندگی کا آخری حصہ ہے۔ ہم کشاں کشاں اِس کی طرف سفر کرتے رہتے ہیں۔ ہم خود ہی اِس کے پاس پہنچتے ہیں۔ زندگی کے اِمکانات تلاش کرتے کرتے، ہم اُس بند گلی تک آ جاتے ہیں، جہاں سے مڑنا ممکن نہیں ہوتا۔ آگے راستہ بند ہوتا ہے۔ ہم گھبرا جاتے ہیں اور پھر ہم شور مچاتے مچاتے خاموش ہو جاتے ہیں، ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔

موت نہ ہوتو شاید زندگی ایک طویل اَلمیہ بن جائے۔ ایک طویل دورانیے کا بے ربط ڈرامہ، کہ ٹی وی چلتا رہے اور لوگ بور ہو کر سو جانا پسند کریں۔ کہتے ہیں کہ ایک لافانی دیوی کو ایک جوان اور خوبصورت لیکن فانی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اِنسان سے محبت ہوگئی۔ اُس نے غلطی کو محسوس کیا کہ یہ تو فانی انسان ہے' مرجائے گا۔ وہ دیوتاؤں کے عظیم سردار کے پاس گئی کہ اے عظیم دیوتا! میرے محبوب کو لافانی بنادو...... دیوتا نے کہا! یہ نہیں ہوسکتا۔ انسان کو موت کا حق دار بنایا جاچکا ہے۔ دیوی نے اِصرار کیا۔ فیصلہ ہوگیا کہ اُسے موت نہیں آئے گی۔ دیوی خوش ہوگئی۔ وقت گزرتا گیا۔ بڑھاپا آیا...... خوبصورت چہرے پر جھریاں نظر آنے لگیں...... توانائی' کمزوری کی زد میں آگئی۔ وقت گزرتا گیا۔ بینائی رُخصت ہوگئی۔ سماعت بند ہوگئی۔ یاداشت ختم سی ہوگئی۔ مضمحل ہوگئے قواء سارے۔

وہ انسان چلایا ''اے دیوی! خدا کے لیے مجھے نجات دلائیں۔ اِس عذاب کو برداشت نہیں کرسکتا۔'' دیوی نے اپنی دوسری غلطی کو بھی محسوس کیا۔ پھر حاضر ہوئی' دیوتاؤں کے عظیم سردار کے پاس کہ ''اے دیوتاؤں کے بادشاہ!...... میرے محبوب کو موت عطا کرو۔ اِنسان کو اِنسان کا انجام دے دو۔''

بس یہی راز ہے کہ اِنسان کو اِنسان کا انجام ہی راس آتا ہے۔ بات سمجھنے کی ہے' گھبرانے کی نہیں۔ مقام غور کا ہے' خوف کا نہیں۔ زندگی صرف عمل ہی نہیں' عرصہ بھی ہے۔ اگر صرف عمل ہوتا تو کوئی حرج نہ تھا۔ اِس عمل کے لیے ایک وقت بھی مقرر ہو چکا ہے۔ اِس وقت کے اندر اندر ہی سب کچھ ہونا ہے کیونکہ اس وقت کے بعد کچھ بھی نہیں ہونا۔ ہمارا ہونا' صرف نہ ہونے تک ہے۔ اگر ہم زندگی کو' دینے والے کا عمل مان لیں تو اِس کے ختم ہونے کا اندیشہ نہ رہے۔ دینے والا ہی زندگی لینے والا ہے۔ ڈر کی کیا بات ہے۔ دِن بنانے والے نے رات بنائی۔ رات بنانے والا یہ دِن طلوع کرتا ہے۔ پہاڑ بنانے والا دریا بناتا ہے۔ صحرا بنانے والا نخلستان پیدا فرماتا ہے۔ زندگی تخلیق کرنے والا موت کو پیدا فرماتا ہے۔ یہ اُس کے اپنے اعمال ہیں۔ ہم صرف اُس کے عطا کیے ہوئے حال سے گزرنے پر مجبور ہیں۔ اُس نے زندگی اور موت کو صرف اِس لیے پیدا کیا کہ دیکھا جائے کہ کون کیا عمل کرتا ہے؟ اِس کائنات میں کوئی بھی تو ایسا انسان نہیں آیا' جو گیا نہ ہو۔ کوئی پیدائش موت سے بچ نہیں سکتی۔ جو کچھ بھی ہے' نہ ہوگا۔ ہر شے' لاشے ہو جائے گی' مگر اُس کی اپنی ذات جو ہمیشہ ہمیشہ رہے گی۔

بے مصرف زندگی کی سزا موت کا خوف ہے۔ با مقصد حیات' موت سے بے نیاز، موت کے خوف سے آزاد' اپنے مقصد کے حصول میں مصروف رہتی ہے۔ عظیم انسان بھی مرتے ہیں' لیکن اُن کی موت اُن کی عظمت میں اضافہ بھی کرتی ہے۔ موت اِنسان سے اُس کی بلند نگاہی، بلند خیالی، بلند ہمتی چھین نہیں سکتی۔ وہ لوگ موت کے سائے میں زندگی کے ترانے گاتے ہیں۔ زندگی کا نغمہ الاپتے ہیں۔ زندگی کے اِس مختصر عرصے میں جواں ہمت' آسمانوں کو چھو آئے...... عالی مرتبت' عرش کی بلندیاں سر کر آئے اور کم حوصلہ' اپنے اندیشوں کے خول سے باہر نہ نکلے۔ موت' فانی زندگی کو دائمی حیات میں بدل دیتی ہے۔ فنا سے بقا کا سفر موت کے گھوڑے کی پشت پر ہوتا ہے۔ موت کے لیے تیار رہو۔ موت کا خوف نہ کرو۔

موت کا خوف اس لیے ہوتا ہے کہ ہم سمجھتے ہیں کہ ہم اپنے عزیزوں سے جدا ہو جائیں گے۔ عزیزوں کو تو ہم زندگی میں ہی جدا کر دیتے ہیں۔ بیٹیوں کی رُخصت کے لیے کتنی دُعائیں کرتے ہیں؟ ہم صاحب تاثیر اسی بزرگ کو کہتے ہیں جو ہماری بیٹیوں کو رُخصت کرا دے...... اور صاحبانِ تاثیر ہیں کہ

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جدائیوں کے لیے دُعا بھی نہیں کرتے، کیونکہ جدائی تو آخر ہو ہی جاتی ہے۔ ایک آدمی کا باپ فوت ہو گیا۔ وہ بڑا رویا۔ بڑا پریشان ہوا..... موت نے بڑا ظلم کیا۔ اُسے چین نہ آیا۔ اُس کے گُرو نے کہا ''تم اِتنے پریشان کیوں ہوتے ہو۔ کچھ دنوں ہی کی تو بات ہے' تم بھی اپنے باپ کے پاس پہنچا دیے جاؤ گے۔'' بس یہی ہے' موت کا راز..... یا..... زندگی کا راز کہ ہم کچھ عرصہ اپنی اولاد کے پاس رہتے ہیں اور پھر اپنے ماں باپ سے جا ملتے ہیں۔ ڈر کس بات کا!

www.iqbalkalmati.blogspot.com

عاجزی

اِنسان بے بس ہے۔ بے بسی یہ ہے کہ وہ اِنسان ہے۔ اِنسان اپنے آپ میں، اپنی تخلیق میں، اپنی فِطرت میں، اپنی اِستعداد میں، اپنے اعضا و جوارح میں، اپنے قواء میں، اپنے ظاہر اور اپنے باطن میں، اپنے حاصل اور اپنی محرومی میں، اپنی خوشی اور اپنے غم میں، اپنے اِرادوں اور اپنی تمناؤں میں، اپنے مشاغل اور اپنی مصروفیتوں میں، اپنے احباب و اغیار میں غرضیکہ اپنی تمام حرکات و سکنات میں عاجز و ناتواں ہے......!

انسان کا ہونا' اُس کے نہ ہونے تک ہے۔ اُس کا حاصل' لاحاصل تک...... اُس کی آرزوئیں' شکستِ آرزو تک، خوفِ آرزو تک...... اُس کی توانائی و صحت' بیماری تک اور اُس کی ساری تگ و تاز' اُس کے اپنے مرقد تک، اُس کی بلند پروازی' اُس کی واپسی تک...... اُس کا ہر تخیل، عروج خیال' اُس کے زوال تک ہی ہے...... اُس کی اَنا ایک بچے کے غبارے کی طرح پھولتی ہے اور پھر غبارہ پھٹ جاتا ہے اور وہ عاجز و بے بس ہو کر اس کھیل سے محروم ہو جاتا ہے۔ اِنسان علم حاصل کرتا ہے۔ خود کو دوام بخشنے کے لیے وہ لائبریریوں میں داخل ہوتا ہے...... اُس کے پاس گنتی کے ایّام ہیں اور کتابیں ان گنت...... اُس کا معلوم محدود رہتا ہے اور لامعلوم لامحدود...... وہ تیزی سے عُلوم چاٹتا ہے اور فنا اُس کی زندگی کو چاٹتی ہے...... اور انجامِ کار اُس کا انجام...... مکمل بے بسی، مکمل عاجزی۔

اِنسان عروج چاہتا ہے۔ بُلندی چاہتا ہے۔ پہاڑ کی چوٹی، اُس پر ایک اور پہاڑ رکھتا ہے۔ اُس کی چوٹی پر ایک اور پہاڑ رکھتا ہے اور پھر یہ سلسلہ چلتے چلتے اُس وقت تک آ پہنچتا ہے' جب اُس کے سَر کیے ہوئے سب پہاڑ، سب چوٹیاں دھڑام سے زمیں بوس ہو جاتی ہیں...... وہ افسوس کرتا ہے تو اُس کے پاس افسوس کا وقت نہیں ہوتا۔ وہ سوچتا ہے اور سوچ کر عاجز ہو جاتا ہے کہ اُس نے کیا چاہا...... اُس نے کیا سوچا...... اُس نے کیا پایا...... اُس کے ہاتھ آنے والی ہر چیز اُس کے ہاتھ سے نکل جاتی ہے اور وہ اپنے حاصل سے نکل جانے پر مجبور ہو جاتا ہے......!

وہ مکان بناتا ہے...... خوب صورت، دیدہ زیب، آسائش و زیبائش والا مکان...... اُس کا اپنا مکان، اُس کے حُسنِ خیال کا شہکار...... اُس کا مکان خوشیوں سے جگمگاتا ہے...... اور پھر یہی عشرت کدہ' ماتم کدہ بننا شروع ہوتا ہے اور وہ سوچتا ہے کہ اُس نے کیا بنایا...... اُس کا افتخار' انجام کار بے بسی میں خاموش ہو جاتا ہے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اِنسان صحت کی حفاظت کرتا ہے۔ خوراک کا اہتمام کرتا ہے۔ بڑے جتن کرتا ہے۔ وہ طویل عمر چاہتا ہے اور طویل عمر' نقصِ عمر سے دوچار ہوتی ہے...... زندگی قائم بھی رہے تو بینائی قائم نہیں رہتی۔ سماعت ختم ہو جاتی ہے...... اور پھر یادداشت کسی صدمے کا شکار ہو جاتی ہے...... وہ زندہ رہتا ہے' زندگی کے لُطف سے محروم...... وہ نہ بھی مرے تو اُس کے عزیز، اُس کے اقربا، اُس کے محبوب رُخصت ہونا شروع ہو جاتے ہیں اور اپنی زندگی میں خود کو اپنی نظروں میں بیگانہ سمجھنے لگتا ہے...... اُس کے پاس اُس کی یادوں کا کوئی شریک نہیں رہتا اور پھر یہ یادیں بھول جاتی ہیں...... اُس کی پھیلی ہوئی کائنات سمٹ جاتی ہے۔ وہ ہجوم میں تنہا ہو جاتا ہے۔ اُس کا سب غرور' عاجز و بے بس ہو جاتا ہے۔ اُس کا اپنا مکان اُسے نکال باہر کر دیتا ہے...... اور کچھ عرصہ بعد اُس کی تصویریں' دیواروں اور البموں سے ہٹالی جاتی ہیں...... اور کسی کو یاد نہیں رہتا کہ وہ تھا...... تھا بھی کہ نہیں......!

اِنسان سفر کرتا ہے۔ فاصلے طے کرتا ہے۔ محدود زندگی میں لامحدود فاصلے کیسے طے ہوں۔ زمین و آسمان کا عظیم سلسلہ فاصلوں سے بھرا ہُوا ہے۔ فاصلے ہی فاصلے ہیں، راستے ہی راستے ہیں، مسافرت ہی مسافرت ہے۔ لاکھوں میل فی سیکنڈ کی رفتار سے چلنے والی روشنی' یہ فاصلے کروڑوں سال میں طے نہیں کر سکتی' اِنسان کیسے طے کرے گا...... اِنسان کے پاس عاجزی اور بے بسی کے سوا کچھ نہیں رہ جاتا!

اِنسان دولت اِکٹھی کرتا ہے۔ مال جمع کرتا ہے۔ اُسے گِنتا ہے، گِن کر خوش ہوتا ہے۔ فخر کرتا ہے کہ اُس کے پاس مال ہے۔ اُسے جب معلوم ہوتا ہے کہ اِس دُنیا میں کتنے قارون اور فرعون گزر گئے...... مال نے کسی کی مدد نہ کی...... زمین میں اتنا مال ہے کہ بس خدا کی پناہ...... کوئی کیا حاصل کرے گا...... ایک جگہ سے اُٹھا کر دوسری جگہ رکھنے سے اِنسان کو کیا ملے گا...... اُس کے بینک بھرے رہتے ہیں اور دِل خالی رہتا ہے۔ متاعِ حیات' قلیل ہے۔ جوں جوں مال بڑھتا ہے' مال کی تمنا بھی بڑھتی ہے اور اِنسان اپنی دولت کو ضرورت سے کم سمجھتا ہے۔ وہ اپنی امیری کو غریبی کے ڈر سے بچا نہیں سکتا۔ اگر خواہش حاصل سے زیادہ ہو' تو انسان خود کو غریب سمجھتا ہے۔ خواہشات کا بے ہنگم پھیلاؤ آخر کار اِنسان کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ وہ اپنے ہی جال میں پھنس کر رہ جاتا ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ خواہشات بدلتی رہتی ہیں، مرتی رہتی ہیں، پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ اِس کھیل کا نتیجہ' لازمی نتیجہ' بے بسی ہے، عاجزی ہے۔ اِنسان کو اُس کی تمنائیں عاجز کر دیتی ہیں۔ وہ مجبور ہو جاتا ہے۔ ہر نئی شے کی محبت میں گرفتار ہونا اُس کا مقدر ہے۔ نئے مکان، نئے ماڈل، نئے تقاضے پورے کرتے کرتے اِنسان پُرانا اِنسان' بے بس و عاجز ہو کر رہ جاتا ہے۔ وہ انجام کار دیکھتا ہے کہ اُس کا پھیلاؤ سمٹ گیا۔ اُس کی دُنیا محدود ہو گئی۔ اُس کے راستے مسدُود ہو گئے۔ اُس کے اِرادے ٹُوٹ گئے۔ اُس کی سکیمیں نامکمل رہیں۔ اُس کے پروگرام ادھورے رہ گئے۔ اُس کے خواب پریشان ہو گئے۔ اُس کے خیال کے اُڑن کھٹولے ہچکولے کھاتے ہوئے زمین پر آ گرے۔ زندگی میں اِتنی مُہلت نہیں ملتی کہ اِنسان اِس کو دوبارہ شروع کر سکے۔ جو ہو گیا' سو ہو گیا۔ ہونی' انہونی نہیں ہو سکتی۔ غرور سرنگوں ہو جاتا ہے...... زور کمزور ہو جاتے ہیں اور محنتیں مٹی میں مل جاتی ہیں......!

www.iqbalkalmati.blogspot.com

عجب حال ہے۔ انسان کے مزاج میں غُرور ہے اور اُس کے مقدر میں عاجزی...... لکھنے والے نے ایسے ہی لِکھا۔ غُرور کا یہ عالم ہے کہ اِنسان خدا بننے کا بھی دعویٰ کرتا ہے۔ وہ سب کچھ بنتا ہے۔ عاجزی یہ ہے کہ وہ لوگوں کو بے وقوف بناتے بناتے خود بے وقوف بن جاتا ہے۔

اِنسان اپنے مرتبے کو ذریعۂ اِفتخار بناتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ وہ بڑا افسر ہو کر شاید بڑا اِنسان ہو جائے گا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ عظیم اِنسان اپنے مرتبوں کی وجہ سے نہیں پہچانے گئے۔ اُن کا کردار اُنہیں عظیم بناتا ہے۔ کردار میں غُرور کو سب سے بُرا کہا گیا ہے۔

اللہ کا ارشاد ہے کہ اے اِنسان! تجھے کس بات نے اِتنا مغرور کر رکھا ہے کہ اپنے ربِ کریم کو بھول گیا۔ کیا تُو نہیں جانتا کہ وہ وقت آنے والا ہے جب اِنسان کو مالک کے رُوبرو پیش کیا جائے گا۔

اِنسان اور خاص طور پر آج کا اِنسان ایک سطحی اور نقلی زندگی بسر کر رہا ہے۔ وہ اندر سے ٹُوٹ چکا ہے۔ اُس کو عجیب قسم کے خدشات نے گھیر رکھا ہے۔ وہ اپنے آپ سے، اپنے مستقبل سے مایوس سا ہو چکا ہے۔ وہ اپنے لبادے سے باہر نہیں نکلتا۔ اُس نے صرف اپنے آپ کو خود سے چھپا رکھا ہے۔ وہ اپنی کامرانیوں کا اعلان کر کے دوسروں کو دھوکا دیتا ہے اور اصل میں خود دھوکا کھا جاتا ہے۔ اُس کا غُرور ہی اُس کی بے بسی کا اعلان ہے۔ وہ جتنا عاجز محسوس کرتا ہے خود کو اُتنا ہی خود کو قوی بتاتا ہے۔

اُس کا اِرتقاء، اُس کی ترقی، اُس کی ترقی پسندی' اُس کی خودگُریزی کے ابواب ہیں۔ وہ اتنا مصروف رہتا ہے کہ اُس کے پاس اپنے لیے، اپنے وطن کے لیے فرصت نہیں۔ وہ ایک ایکٹر کی طرح زندگی کے سٹیج پر آتا ہے، بڑے بڑے مکالمے بولتا ہے، لوگوں کو متاثر کرتا ہے اور دوسرون کے لیے سٹیج خالی کر کے اپنی بے بس تنہائی میں چلا جاتا ہے۔

اِنسان کے لیے کیا بہتر ہے اور کیا نہیں' اس کا علم تو اِنسان کے خالق کے پاس ہی ہو سکتا ہے۔ اِنسان کو عقل عطا کرنے والی ذات' عقل کے صحیح استعمال کی توقع رکھنے میں حق بجانب ہے۔ خالق' اِنسان سے تدبّر اور تفکّر چاہتا ہے۔ وہ اِنسان سے کہتا ہے کہ اے آنکھوں والے اِنسان! دُنیا کی سیر کر اور دیکھ اُن لوگوں کی عبرت جو جھوٹے تھے، دیکھ اُن لوگوں کا انجام جو مغرور تھے، دیکھ اُن کی عاقبت جو خدا فراموش رہے، دیکھ اُن لوگوں کا حسرت بھرا حاصل جو باغی تھے، دیکھ کہ وہ کس طرح ایک عذاب کی لپیٹ میں آ گئے۔

خالق چاہتا ہے کہ اِنسان غور کرے۔ اِتنا غور کرے کہ وہ اپنی ہستی کا راز دریافت کرے۔ اِنسان کو دعوت ہے کہ وہ غور کرے کہ اِتنے بڑے پہاڑ کیسے معرضِ وجود میں آ گئے۔ اتنے گہرے سمندر، اِتنے وسیع صحرا، اتنے بُلند آسمان بغیر ستونوں کے، اِتنے لامحدود ستارے اور سیارے، یہ منوّر سورج، یہ نورانی چاند' تخلیق کے اتنے دِل کش مظاہر کس نے بنائے۔ اُس صانعِ حقیقی کے سامنے تیری صنعتوں کی کیا وُقعت ہے۔ تجھے تیری لاعلمی ہی مغرور بنا رہی ہے۔ ورنہ تیرے لیے عاجزی کے علاوہ کیا رکھا ہے۔ اِنسان کو غور کرنے کی دعوت ہے۔ اتنی وسیع کائنات بنانے والے نے ایٹم کے باطن میں قوت پنہاں کر رکھی ہے، مچھر مکھی بنانے والے نے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اِنسان کو بتا دیا ہے کہ تخلیق کے کرشمے اِنسان کی سمجھ سے باہر ہیں۔ صرف اُونٹ کی تخلیق پر غور کرنے سے اِنسان پر کتنے ہی راز آشکار ہو سکتے ہیں۔ اِنسان کے پاس فُرصت نہیں۔ وہ بے چارہ اپنے پروگراموں میں اُلجھا ہُوا ہے۔ وہ اپنے وجود کی موجودگی کا اعلان چاہتا ہے۔ وہ دوسرے اِنسانوں پر فوقیت چاہتا ہے اور یہی اُس کی بد نصیبی ہے۔ وہ لوگوں کو اپنے سامنے جھکانا چاہتا ہے اور یہی اُس کی بدبختی ہے۔ وہ لوگوں میں اپنی تعریف اپنی زبان سے کرتا ہے اور یہی اُس کی بدتعریفی ہے۔ وہ لوگوں میں بُلند ہونا چاہتا ہے اور یہی اُس کی پستی ہے۔ وہ دولت کو ذریعۂ اِفتخار سمجھتا ہے اور یہی اُس کی غریبی ہے۔ وہ نہیں جانتا کہ زمین پر اترا کر چلنے والوں کا حشر کیا ہُوا اور حشر کیا ہو گا۔

فطرت نے اِنسان کو تخلیق کیا۔ اِنسان خود ہی فطرت کا سرمایہ ہے۔ وہ خود ہی کسی کی ذمہ داری ہے۔ وہ خود ہی کسی فنکار کا شہکار ہے۔ وہ اپنے آپ کو اگر فطرت سے ہی متعلق رکھے تو اُس کی فلاح ہے۔ وہ اگر اُسی حاصل پر مطمئن رہے جو فطرت نے اُس کے لیے تجویز کیا' تو اُس کی سعادت ہے۔ وہ تو فطرت سے تعلق توڑ کر کچھ اور بننا چاہتا ہے۔ یہی اُس کی نامُرادی کا سبب ہے۔ وہ خود کو مانتا ہے اور مغرور ہو جاتا ہے۔ وہ اگر خدا کو مانے' تو عاجزی میں اُس کی نجات ہے۔ اُس کی سب قدرتیں' قدرت کی عطا ہیں۔ وہ اپنی صلاحیتوں کو اِستعمال تو کرے' غرور نہ کرے۔ اِنسان اپنی ہستی کو خالق کا احسان سمجھ کر قبول کرے' تو اُس کی سلامتی ہے۔ کسی کے احسان کو اپنا استحقاق نہ بنائے تو غُرور نہ پیدا ہو گا۔ اُس کا ہر حاصل عطا ہے اور اُس کا ہر دعویٰ خطا ہے۔ سوائے ایک دعویٰ کے کہ وہ ناتواں و بےبس و عاجز ہے۔ تکبر' خالق کو، مالک کو زیب دیتا ہے۔ مخلوق اور مملوک کے لیے عاجزی وانکساری ہی باعثِ رحمت و برکت ہے!!!

www.iqbalkalmati.blogspot.com

لب پہ آسکتا نہیں

آنکھ سے گزرنے والا ہر جلوہ بیان میں نہیں آسکتا۔ جب آنکھ محوِ نظارہ ہو تو بیان ممکن ہی نہیں ہوتا اور جب نظارہ رخصت ہو جائے تو صحتِ بیان مشکوک سی ہو جاتی ہے اور بیان اپنی صداقت کے باوجود یقین اور بداعتمادی کے ملے جلے جذبات پیدا کرتا ہے۔ ویسے بھی دیکھے ہوئے اور سُنے ہوئے منظر میں فرق رہتا ہے۔

آنکھ اگر آنے والے دَور کو دیکھے تو اُس کا بیان سامعین کے لیے اُلجھاؤ کا باعث ہو سکتا ہے۔ آنے والے زمانے کو کس نے دیکھا؟ سچ ہے۔ آنے والا تو غائب ہے اور غائب اگر نظر میں ہو تب بھی محلِ نظر ہے۔

آنے والے ایام آخر جانے والے ایام سے ہی تو جنم لیتے ہیں۔ اگر حال کو غور سے دیکھا جائے، تو استقبال کو قبل اَز وقت دیکھا جا سکتا ہے۔

اگر کوئی بوڑھا شخص بیمار رہنے لگ جائے، تو مستقبل اِتنا غائب بھی نہیں رہتا کہ اُسے دیکھا نہ جا سکے۔

اگر خرچ آمدن سے بڑھتا جائے، تو مستقبل کا اندازہ لگانا مشکل نہیں رہتا۔ اگر جوانوں میں ہیروئن کا شوق اور عادت پیدا ہو جائے، تو قوم مستقبل صاف ظاہر ہے۔

اگر طالبِ علم، علم کا طالب نہ رہے، تو نتیجہ واضح ہے۔

اگر قافلہ کسی کو سالار ہی نہ مانے، تو سفر گمراہی کی دلیل ہے۔ قافلے کی منزل وقت سے پہلے عیاں ہے۔

اگر میاں بیوی کے درمیان اَنا کے مقابلے اور مناظرے شروع ہو جائیں تو اُس گھر اور گھر کے افراد کا حشر غائب کا علم نہیں کہلاتا۔

اگر خوراک میں ملاوٹ شروع ہو جائے، تو صحت کے بارے میں سیمینار منعقد کرنا بے کار ہے۔ صحت کا علم وقت سے پہلے معلوم ہو سکتا ہے۔

اگر رشوت لینے والے محفوظ مرتبوں پر فائز ہوں، تو مستقبل...... کیا مستقبل؟

اگر چوکیدار ہی چوری کرنے لگ جائیں، اگر باڑ ہی کھیت کو کھانے لگ جائے، اگر امپائر ہی غیر جانبدار نہ رہیں، تو مستقبل عیاں ہوتا ہے۔

اگر کسی کو کسی پر اعتماد نہ ہو، اگر کوئی کسی کے لیے بے ضرر نہ ہو، اگر ہر شخص کو ہر دوسرے شخص پر اُس کی نیت پر شُبہ ہو، اگر اِنسان اپنے آپ سے بیزار ہو، اگر الفاظ اپنے معنی سے جدا ہو جائیں، تو مستقبل کے بارے

میں جاننا غیب کی بات نہیں، ظاہر کا علم ہے۔ اگر سیاست اختلاف برائے اختلاف پر مبنی ہو تو سیاسی استحکام کا مستقبل آشکار سا ہو جاتا ہے۔ یہ سب باتیں اور اسی طرح کی کئی باتیں ظاہر ہے ہر ذی شعور کے لیے اپنے اندر آنے والے زمانوں کی خبر رکھتی ہیں۔

کبھی کبھی حالاتِ حاضرہ کے مشاہدے کے بغیر بھی مستقبل اپنے آنے کی قبل از وقت اطلاع دیتا ہے۔ اقبالؔ نے اگر کہا کہ "محو حیرت ہوں کہ دُنیا کیا سے کیا ہو جائے گی" تو اس خبر کا تعلق حال سے قطعاً نہیں۔ یہ الگ اطلاع ہے۔ اس کا تعلق نظر سے ہے۔

مقامِ خبر اور مقامِ نظر کا فرق تو صرف اہلِ باطن ہی معلوم کر سکتے ہیں۔ اہلِ باطن کی نظر میں اپنے زمانے کے علاوہ بھی زمانے ہوتے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ وجوہات اور نتائج کے رشتے انسانی رشتوں کی طرح ہمیشہ قائم نہیں رہتے۔ بعض اوقات وجہ کچھ اور ہوتی ہے اور نتیجہ کچھ اور!

بے سبب نتائج کی خبر ہی نظر کہلاتی ہے۔ صاحبِ نظر، نقیبِ فطرت ہوتا ہے۔ فطرت اُسے جو کچھ دکھاتی ہے وہ اُسے بیان کرتا ہے۔ وہ صاف صاف بیان کرتا ہے، لیکن سُننے والے سمجھ نہیں سکتے۔ سامعین حیران ہوتے ہیں کہ اُس نے کون سا اخبار پڑھ لیا ہے۔ یہ شخص بہک تو نہیں گیا۔ لیکن نہیں۔ وہ بہکتا نہیں۔ فطرت بہکنے والوں کے ذریعہ سے کوئی پیغام نہیں بھیجتی۔ یوں بھی جاننے والوں اور نہ جاننے والوں میں فرق رہتا ہے۔ اُسی طرح جس طرح جاگنے والوں اور سونے والوں میں فرق ہے۔

ہر دور میں جاننے والوں نے نہ جاننے والوں کو اپنے علم سے متعارف کرایا ہے۔ سُننے والوں کو یقین آئے نہ آئے، یہ الگ بات ہے۔

فی الحال اس سے بحث نہیں۔ یقین اگر اہلِ نظر کی بات کی تصدیق سے پہلے آئے تو بہتر، ورنہ بے کار۔ اگر حادثہ گزر جائے تو یقین کا فائدہ ہی کیا؟ مثلاً اگر کوئی بتانے والا یہ بتائے کہ سانپ آ رہا ہے تو اس سے پہلے کہ بتانے والے کی تحقیق کی جائے، بہتر یہی ہے کہ سانپ کا تدارک کر لیا جائے، پھر دیکھا جائے کہ خبر صحیح تھی یا غلط...... دونوں حالتوں میں ہم محفوظ رہتے ہیں۔

اگر ہم مسلمانانِ پاکستان اپنی حالت کا مسلمانانِ عالم کے پس منظر میں جائزہ لیں تو بات سمجھ میں آسکتی ہے۔ آیئے غور کریں کہ دُنیا کے مسلمانوں پر کیا گزر رہی ہے۔

ہندوستان کے مسلمان کس حال میں ہیں؟ وطن میں غریبُ الوطن!

ایران کس حال سے گزر گیا۔ عراق کس حال میں ہے اور ہمارا پڑوسی مسلمان (مُلک) افغانستان کس صُورتِ حال سے دوچار ہے؟ لبنان، فلسطینی مسلمان، افریقہ کے مسلمان، سب پر کیا مُسلّط ہے۔

ہمیں اپنی حالت کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔ ہم ایک خطۂ امن بنے ہوئے ہیں...... ہم گوشۂ عافیت میں ہیں...... سوال یہ ہے کہ کیوں اور کب تک؟

ہم میں کیا خصوصیت ہے؟ کیا ہم بہت ہی لاڈلے ہیں؟ ہماری حالت باقی مسلمانوں کی حالت سے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

مختلف کیوں ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہماری باری آنے والی ہو اور ہم بے خبر اپنے حال میں مگن ہوں......بس یہی ہے وہ خبر' جسے نظر کہا جا سکتا ہے!!

اب ہمارا عمل بدلنا چاہیے' ورنہ ہم بھی کسی ناخوشگوار واقعہ کی نذر ہو سکتے ہیں۔

دُنیا میں زلزلے آرہے ہیں اور ہم بھی دنیا میں رہتے ہیں۔ خدا نہ کرے کہ ایسا ہو' لیکن ایسے ہو تو سکتا ہے۔

خدانخواستہ کسی ڈیم کو کوئی حادثہ پیش آجائے تو معلوم ہو جائے کہ ہم کتنے پانی میں ہیں...... خدا نہ کرے ایسا ہو......لیکن ایسے ہو تو سکتا ہے۔

خدا نہ کرے کہ کوئی جنگ ہو۔ لیکن ہر روز کی خبریں' بار بار جنگ کے اِمکانات کا ذِکر...... جھوٹ ہو' اللہ کرے......لیکن اگر سچ ہو تو؟ اندرونی خلفشار طاقت نے دبا رکھا ہے۔ اگر خدا نہ کرے' کوئی لاوا ابل پڑے......تو......کیا ہوگا؟

ہماری سرحدوں کی حالت تشویشناک نہیں' لیکن تسلی بخش بھی تو نہیں۔ ایسی حالت میں کچھ بھی کسی وقت ہو سکتا ہے۔ اللہ کرے کہ ایسا نہ ہو' لیکن ہو تو سکتا ہے!

اِسلام کے حوالے سے اَفغانستان ہم سے کم مسلمان نہیں اور طاقت کے لحاظ سے ہم کسی دشمن سے زیادہ نہیں۔ نتیجہ کچھ بھی تو ہو سکتا ہے!

آنے والا زمانہ' جانے والے زمانے سے مختلف بھی ہو سکتا ہے۔ غور کیا جائے ...... اگر ہمارے ساتھ خدانخواستہ ایسا ویسا واقعہ یا حادثہ ہو گیا' تو ہمارے لیے جائے مفر نہیں۔ ہم ہر طرف سے محصور ہیں۔

ہمیں اپنے دامن میں کوئی ایسا کام بھی تو نظر نہیں آتا' جس سے ہم کسی ناگہانی سے محفوظ رہنے کا حق حاصل کریں۔ ہمیں اللہ پر بھروسہ ہے اور اللہ سب مسلمانوں کا بھی تو اللہ ہے۔ اب مستقبل کا دار و مدار صرف اُخوت پر ہی ہو سکتا ہے اور شومیٔ قسمت کہ ہم میں اُخوت ہی تو نہیں۔

ہمیں صرف گفتگو، لائحہ عمل بصرف بیانات سے آگے نکلنا چاہیے۔ ہمیں علم سے نکل کر عمل کے میدان میں اُترنا چاہیے۔ وحدتِ عمل، وحدتِ کردار......یہی اور صرف یہی ہمارے لیے راہِ نجات ہے۔

شاعرِ مِلّتِ اِسلامیہ اقبالؔ نے جب یہ کہا کہ

وطن کی فکر کرناداں　　　مصیبت آنے والی ہے

تو اُس کا مخاطب کوئی بھی زمانہ ہو سکتا ہے' اور ہو سکتا ہے کہ ہمارا ہی زمانہ ہو۔ اہلِ نظر شاعر کی نگاہ سے زمان و مکاں کے حجابات اُٹھ چکے ہوتے ہیں۔ وہ اپنے زمانے سے کسی بھی زمانے کو کوئی سا پیغام دے سکتا ہے۔ اقبالؔ دیکھ رہا تھا' آنے والوں کو......جانے والوں کو......اقبالؔ کی زبان سے بولنے والی کوئی بھی ذات ہو سکتی ہے۔

اقبالؔ خود کہتا ہے:

ع　نکلی تو لبِ اقبالؔ سے ہے نہ جانے ہے یہ کس کی صدا

تو......غور کا مقام ہے......بڑے غور کا مقام ہے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہمارے اندیشے اتنے بے سبب بھی نہیں۔ آنے والا دَور اِتنا خوشگوار بھی نہیں کہ ہم غفلت میں ہی اُس کا انتظار کریں۔

ہوسکتا ہے ..... اور بہت کچھ ہوسکتا ہے!!!

اگر اینٹوں میں وحدت نہ رہے' تو دیوار اپنے بوجھ سے گر بھی سکتی ہے۔

تقریریں' مذہبی اور سیاسی' صرف تقریریں، صرف خطابات، بیانات اور صرف الفاظ سے قوم کی تاریخ مستحکم نہیں ہُوا کرتی۔ قومیں عملِ پیہم سے بنتی ہیں۔ ہمارا قومی عمل کیا ہے؟ ہم جس درخت کے سائے میں بیٹھے ہیں' جس کا پھل کھا رہے ہیں' اُسی درخت کی قدر نہیں کرتے۔ اُس کی حفاظت کے لیے متحد نہیں ہوتے۔ ہم کیا کرتے ہیں؟

اگر سورج کی کرنیں سورج کو ہی چاٹ لیں تو کیا ہوگا؟ اگر الفاظ کی بے معنی کثرت الفاظ کی حُرمت ختم کر دے' تو کیا ہوگا؟ اگر مساجد کی تعداد بڑھ جائے اور نمازیوں کی تعداد کم ہو جائے تو کیا ہوگا؟

اگر قوم میں بازو بھی نہ ہو اور قوتِ ایمان بھی نہ ہو' تو کیا ہوگا؟

اگر آدھا راستہ طے کرنے کے بعد مسافر بددل ہو جائیں تو کیا ہوگا؟..... آگے جانے کا عزم نہ رہے اور پیچھے کو لوٹنا ممکن نہ ہو' تو کیا ہوگا؟

اگر زمین پر گناہوں کا بوجھ بڑھ جائے' اگر مکان اپنے مکینوں سے نالاں ہوں ..... اگر اِنسانوں کا اپنا باطن اُن کے اپنے ظاہر سے پریشان ہو..... تو کیا ہوگا؟

اگر ہمیں یہود سے توقع ہو کہ وہ ہنود کے مقابلے میں ہمیں ترجیح دیں گے' تو کیا ہوگا؟ اگر شاعر، ادیب، دانشور نظریاتی سرحدوں کی حفاظت بھی نہ کر سکیں' تو مُلکی اور جغرافیائی سرحدوں کی حفاظت کون کرے گا؟

اگر ہم آپس میں مہربان نہ ہوں' تو دُشمن کے مقابلے میں متحد کیسے ہوں گے؟

اگر بلی کو دیکھ کر کبوتر آنکھیں بند کر لے..... تو کیا ہوگا؟ اگر سچے دِین کی تبلیغ کرنے والے خود سچے نہ ہوں' تو تبلیغ کی تاثیر کیا ہوگی؟

اگر غلاموں کے ساتھ بہتر سلوک کا ذکر کرنے والے اپنے نوکروں کے ساتھ بدسلوکی کریں..... تو نتیجہ کیا ہوگا؟

اگر غفلت اور خوش فہمی اور خوش اعتقادی کی وجہ سے ایک دفعہ ملک ٹوٹ چکا ہو اور قوم کے مزاج اور عمل میں فرق نہ آیا ہو..... تو غور کا مقام ہے۔

اگر..... اور یہ بہت بڑا اگر ہے..... کہ

اگر دِین' خوشنودیٔ رسول ﷺ اور خوشنودیٔ خدا کا نام ہو' اور خدا اور مصطفےٰ ﷺ ہم پر راضی نہ ہوں ..... تو..... ہم کدھر جائیں گے؟

اب اِس مقام پر کسی پیش گوئی اور کسی بحث کے تکلّف کی ضرورت نہیں رہتی۔ یہ اِبتلا کا وقت ہے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کیا ہم غور کرنے کی تکلیف گوارا کر سکتے ہیں؟
کیا ہم ماضی سے سبق حاصل کر سکتے ہیں؟
کیا ہم دوسرے مسلمان ممالک سے سبق حاصل کر سکتے ہیں؟
کیا ہم ایک دوسرے کو معاف کر سکتے ہیں؟
کیا ہم ایک دوسرے سے معافی مانگ سکتے ہیں؟
کیا ہم حق بات کہنے کی جرأت کر سکتے ہیں؟
کیا مشائخِ کرام واقعی متحد ہو سکتے ہیں؟
کیا علماء ایک مسلک پر متفق ہو سکتے ہیں؟
کیا سیاست دان سچ اور صرف سچ بول سکتے ہیں؟
کیا طاقت' خوف کے بجائے محبت پیدا کر سکتی ہے؟
کیا آج کے بچوں کو آنے والے زمانوں کے خوشگوار ہونے کی گارنٹی دی جا سکتی ہے؟
کیا آئندہ کسی ٹوٹ پھوٹ کے نہ ہونے کا یقین ہو سکتا ہے؟
کیا ہم پرانے زخموں کے لیے مرہم تیار کر رہے ہیں یا کسی نئے زخم کا انتظار کر رہے ہیں؟
اس سے پہلے کہ ہم پر رحمت اور توبہ کے دروازے بند ہوں' کیا ہم اپنی فکر اور زندگی کو بدل سکتے ہیں؟
کیا ہم دُشمن کی چال سے بے خبر ہیں......؟ دُشمن کی اصل قوت' دوستوں کی جدائی میں ہے۔ کیا ہم اُتنا اسلام بھی نہیں رکھتے' جتنا قائدِاعظمؒ کے پاس تھا؟ اُس صاحبِ ایمان کے پاس صرف صداقت تھی، جذبہ تھا، دیانت تھی، خلوص تھا۔ بس یہی کچھ تو تھا۔ اُنہوں نے نہ کسی سے کلمہ سُنا، نہ کسی کو قرآن سُنایا۔ اُنہوں نے صرف مسلمانوں کے لیے، اُن کی فلاح کے لیے، اُن کی اپنی حکومت کے لیے' ایک مُملکت بنا کر دِکھا دی۔ اعجاز ہے...... اور ہم اِس مُملکت میں کیا کیا کر چکے ہیں...... کیا کیا کر رہے ہیں۔ ہم یقیناً جواب دہ ہیں۔ شہدائے وطن کے سامنے، شہدائے مِلّت کے سامنے، خدا کے سامنے اور پھر حضور علیہ السلام کے سامنے! بات علم کی نہیں' عمل کی ہے...... خالص عمل، اِسلامی عمل، صداقت و دیانت کا عمل، رحمت و محبت کا عمل۔ ہم سب ایک کشتی میں سوار ہیں، ایک اُمّت ہیں، بحث کی ضرورت نہیں...... غور کا مقام ہے...... دُعا کی گھڑی ہے...... کہ خدا کرے وہ واقعہ ہی ٹل جائے...... جس کا ذِکر نہیں کیا جا سکتا۔ وہ واقعہ ہی ایسا ہے کہ لب پہ آ سکتا نہیں۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

یہی کچھ ہے ساقی متاعِ فقیر

انسان کی زندگی خواہ کتنی ہی آزاد اور لاتعلق ہو' پابند اور متعلق رہتی ہے۔ انسان دوڑتا ہے' لیکن فاصلوں کی حدود میں۔ انسان اُڑتا ہے اور خلا کی پہنائیوں کے اندر وہ ارض وسماوات کے اندر ہی رہتا ہے۔ انسان جب کسی طاقت کو نہیں مانتا' وہ اُس وقت بھی اپنے انکار کی طاقت کے ماتحت ہوتا ہے۔ انسان کی خوشیاں، تمام تر مسرتیں' کسی نہ کسی غم کی زَد میں ہوتی ہیں۔ ہر غم خوشی بن کر آتا ہے اور ہر خوشی غم بن کر رُخصت ہو جاتی ہے۔ بس خوشیوں نے رُخصت ضرور ہونا ہے۔ پیاری پیاری' اپنی بیٹیوں کی طرح ...... کیا کِیا جائے!

انسان شب و روز کے حِصار ہی میں جکڑا ہُوا سا ہے۔ وہ صدیوں سے اِس جال کو توڑنا چاہتا ہے۔ زمان و مکاں توڑ کر نکل جانا چاہتا ہے۔ نکل کر کہاں جائے گا...... ہم دُنیا سے بھاگ سکتے ہیں' لیکن اپنے آپ سے کون بھاگ سکتا ہے۔ انسان اپنے پنجے میں ہے۔ وہ خود گریز بھی، خود پرست وخود مست بھی ہے، خود گرد خودسَر بھی ہے، خود بین وخود کلام ہے، خود نگر ہے اور سب سے بڑی بات یہ کہ خود شکن ہے۔

اُس کے اپنے وجود میں اُس کے لیے کچھ بھی تو موجود نہیں۔ سب کچھ ہے' لیکن کچھ بھی نہیں۔

انسان شاید سمجھتا نہیں کہ وہ اپنی صفات، حیات، اپنی عادات، لذات، شہوات وحیوانیات، عبادات واعتقادات کا مُرقّع ہے۔ اُس پر گردشِ زمان و مکاں کے علاوہ بھی کئی گردشیں گزر جاتی ہیں۔ اُس پر روزگارِ زمانہ کے علاوہ بھی کئی زمانے آتے ہیں۔ موسمِ بہار کے علاوہ بھی کئی بہاریں آتی ہیں۔ اُس کے اپنے اندر بھی پھول کھلتے ہیں، کبھی ببُول مُسکراتے ہیں۔ اُس کے ساتھ ساتھ روشنی وتیرگی کے اَدوار سفر کرتے ہیں...... اُس کا شعور' آزادی کا شعور' اُس کا اپنا نہیں...... وہ اپنے ماضی سے کٹ نہیں سکتا، اپنے مستقبل سے ہٹ نہیں سکتا...... اُس کا حافظہ، اُس کا تخیّل' اُسے آزادی کا شعور عطا کر کے اُسے پابند کر دیتے ہیں۔

انسان اپنے آپ پر غور کرتا ہے۔ اُسے اپنے اندر ایک جہاں نظر آتا ہے۔ وہ اپنی بینائی کو دیکھتا ہے۔ لُطف اندوز ہوتا ہے نظاروں سے...... لیکن وہ یہ نہیں سوچتا کہ بینائی دینے والی طاقت نے ہی نظارے پیدا کیے ہیں...... اب یہی آزاد نگاہ اُنہی نظاروں کی پابند ہو کر رہ جاتی ہے۔ انسان وہ چیز نہیں دیکھ سکتا' جو نہیں ہے...... وہی مناظر جو صدیوں سے دیکھے جاتے رہے ہیں، وہی سیارے وستارے، وہی شمس وقمر، وہی مشرق ومغرب اور وہی کوہ وصحرا، قلزم و دریا، وہی بادل، وہی فضائیں، وہی ہوائیں، وہی موسم، وہی پُرانے غم اور پُرانی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

خوشیاں......!

نیا اِنسان' نئی بینائی اور نئے عزائم کے ساتھ پُرانے مناظر دیکھتا ہے۔ اُس کے سامنے جو جلوہ موجود ہے' وہ اُس سے پہلے بھی موجود ہے اور اُس کے بعد بھی موجود رہے گا۔ آزاد اور جدید اِنسان نے بڑی پابندی سے پُرانے نظارے ہی دیکھنے ہیں۔ نگاہ کی آزادی اپنے اندر ایک حد تک آزاد ہے۔ دیکھنے والا ایک حد کے بعد نہیں دیکھ سکتا۔ یہ حد کبھی فاصلوں کی شکل میں ہے، کبھی عمر کے حساب سے ہے۔ آج کی بینائی شاید کل' آج ہی کی طرح نہ آسکے۔ جہاں گلاب کھلتے تھے' وہاں اِن آنکھوں میں موتیا کھلے گا۔ آج کا لُطف شاید آئندہ نہ مل سکے...... آج کا احساس شاید آج تک ہی ہو...... محفل کی گرمیاں تنہائیوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔

آج کی حقیقت کل کا افسانہ ہو گی۔ اِنسان آزاد ہے کہ جو چہرہ چاہے' پسند کر لے لیکن اُس نے صرف ایک ہی چہرے سے محبت کرنا ہے اور یہاں آزادی' آزاد نہیں رہتی۔

اِنسان کے سامنے پھیلی ہوئی کائنات اُس کو بہت ہی وسیع نظر آتی ہے اور اِس کائنات کے اندر اُسے اپنے لیے اِمکانات لامحدود نظر آتے ہیں...... اِمکانات لامحدود ہی رہتے ہیں اور فیصلے بڑے مختصر اور محدود...... شادی سے پہلے شادی کے امکانات لامحدود...... لیکن فیصلے کے لمحے میں یہ سارے لامحدود امکانات ایک مختصر اور محدود فیصلے میں ختم سے ہو جاتے ہیں۔ اِنسان سمجھتا نہیں ہے۔

زندگی کی وسیع شاہراہیں' آہستہ آہستہ' چھوٹی چھوٹی سڑکوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں اور یہ سڑکیں نہ جانے کیسے بند گلیوں میں بدل جاتی ہیں اور اِمکانات کا طلسم ٹوٹ جاتا ہے اور پھر وہی اِنسان سمندِ طاغوت سے گرتا ہُوا زمین پر آ رہتا ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ یہ سب کیا تھا...... کیا کچھ نہیں ہو سکتا تھا' لیکن بس یہی کچھ ہُوا۔ اگر یہی کچھ تھا' تو یہی کچھ ہی کیوں نہ تھا...... وہ سب کچھ کیا تھا جو اَب نہیں ہے۔

اپنی قوت پر گھمنڈ کرنے والا اپنے عجز پر شرمندہ تو ہوتا ہے' لیکن اپنی شرمندگی پر مزید عاجز ہوتا ہے۔ اُس کی قوت اپنے اندر ہی دم توڑ جاتی ہے...... قواء تو مضمحل ہو ہی جاتے ہیں۔ عناصر میں اعتدال تو غالب کو بھی نہ مِلا...... کسی کو نہیں...... سب کے ساتھ ایسے ہوتا آیا ہے۔ اپنے آپ میں مگن رہنے والا' خوش باش، بے فکر نوجوان ایک دن اُداس ہو جاتا ہے...... اُس سے کوئی غلطی سرزد نہیں ہوتی...... صرف اُس کا کوئی بہت ہی قریبی عزیز فوت ہو گیا۔ وہ سوچتا ہے' عجیب بات ہے۔ مرنے والا' رُخصت کے وقت عجیب تحفہ دے گیا۔ غم دے گیا، خوشی لے گیا۔ اب یہ غم امانت ہے۔ مانگے بغیر ملتی ہے۔ ہماری آزادی کے چارتنکوں پر یہ برقِ آسمانی نازل ضرور ہوتی ہے...... ایسے کیوں ہوتا ہے۔ بس یہی تو بے بسی ہے کہ وجوہات و نتائج سے باخبر اِنسان بھی اِس سے بے خبر رہتا ہے کہ آخر آنے والے جاتے کیوں ہیں اور اگر جانا ہی ہے' تو آنا کیوں ہے!

اِنسان کا علم' جدید علم بھی آج کے اخبار کی طرح کل کی خبریں دیتا ہے۔ اِنسان جسے تازہ سمجھ رہا ہے' وہ کہنہ ہے...... یہ جواں سورج' بہت ہی بوڑھا ہے...... یہ ماہتابی چہرہ صرف دُور سے دیکھنے والا ہے۔ یہ حسین و جمیل و جسیم ستارے' بس اپنی نظر کا دھوکا ہے...... بلکہ سچ تو یہ ہے کہ آگہی بھی فریب آگہی سے زیادہ

www.iqbalkalmati.blogspot.com

نہیں انسان ایک خاص وقت میں مقرر شدہ لمحے میں پیدا ہوتا ہے اور پھر ایک اور مقرر شدہ لمحے میں رُخصت ہو جاتا ہے۔ اِن دو نقطوں کے درمیان آزادی کا سفر ہے۔ اِمکانات اور حاصل کا سفر ہے...... ساٹھ سال کی طویل عمر میں بیس سال نیند کی نذر ہو جاتے ہیں۔ مجبوری ہے...... بچپن اور بڑھاپا اور بیماری کے ایام نکال دیئے جائیں تو اِنسان کے پاس اپنا کیا رہتا ہے۔ اِس پر مستزاد یہ کہ آدھی زندگی بیچ کر باقی کی زندگی کو پالنا ہے۔ دفتروں کی نذر ہونے والی زندگی یک طرفی ہے ...... اِنسان کے پاس اپنے لیے چند سال رہ جاتے ہیں۔ اِسی مختصر عرصے میں اِنسان نے سب کچھ کرنا ہے۔ بس کچھ نہیں کر سکتا۔ وہ دیکھتا ہے کہ سفر ختم ہو چلا ہے اور دامنِ مراد خالی ہے۔ وہ پھر دیکھتا ہے۔ اُسے محسوس ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ اُس کا اپنا نہیں تھا۔ وہ خود بھی اپنا نہیں تھا۔ اُسے بھیجنے والے نے اُسے اِسی کام کو بھیجا کہ جاؤ اور پھر آ جاؤ...... وہ اپنے خالی دامن میں رضا کے پھول بھرتا ہے اور پھر پکار اُٹھتا ہے۔

ع اِسی سے فقیری میں ہُوں میں امیر

✿✿✿✿✿

ختم شد

www.iqbalkalmati.blogspot.com

دل دریا سمندر

واصف علی واصف

ناشر

کاشف پبلی کیشنز

A-301 محمد علی جوہر ٹاؤن، لاہور

فون: 0300-4003726

واحد تقسیم کار

علم و عرفان پبلشرز

الحمد مارکیٹ، 40۔ اُردو بازار، لاہور

فون:37352332-37232336

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جملہ حقوق محفوظ

نام کتاب	....	دل دریا سمندر
مصنف	....	واصف علی واصف
ناشر	....	کاشف پبلی کیشنز' لاہور
		A - 301 جوہر ٹاؤن' لاہور
مطبع	....	زاہدہ نوید پرنٹرز' لاہور
کمپوزنگ	....	طاہر
سرِ ورق	....	محمد حنیف رامے
سن اشاعت	....	نومبر 2014ء
قیمت	....	-/350 روپے

بہترین کتاب چھپوانے کے لیے رابطہ کریں: 0300-9450911

علم و عرفان پبلشرز

40۔ الحمد مارکیٹ' لاہور

فون: 0423-7232336---0423-7352332

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز دربار مارکیٹ ، لاہور	مشتاق بک کارنر الکریم مارکیٹ اُردو بازار، لاہور
اشرف بک ایجنسی اقبال روڈ کمیٹی چوک ، راولپنڈی	کتاب گھر اقبال روڈ کمیٹی چوک ، راولپنڈی
کتاب نگر حسن آرکیڈ ، ملتان کینٹ	رشید نیوز ایجنسی اخبار مارکیٹ، اُردو بازار، کراچی
کشمیر بک ڈپو تلہ گنگ روڈ ، چکوال	مختار برادرز بھوانہ بازار، فیصل آباد
ویلکم بک پورٹ اردو بازار ، کراچی	چلڈرن پبلی کیشنز اردو بازار ، کراچی

ادارہ کا مقصد ایسی کتب کی اشاعت کرنا ہے جو تحقیق کے لحاظ سے اعلیٰ معیار کی ہوں۔ اس ادارے کے تحت جو کتب شائع ہوں گی اس کا مقصد کسی کی دل آزاری یا کسی کو نقصان پہنچانا نہیں بلکہ اشاعتی دنیا میں ایک نئی جدت پیدا کرنا ہے۔ جب کوئی مصنف کتاب لکھتا ہے تو اس میں اس کی اپنی تحقیق اور اپنے خیالات شامل ہوتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ آپ اور ہمارا ادارہ مصنف کے خیالات اور تحقیق سے متفق ہوں۔ اللہ کے فضل و کرم، انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کمپوزنگ طباعت، تصحیح اور جلد سازی میں پوری احتیاط کی گئی ہے۔ بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی یا صفحات درست نہ ہوں تو از راہِ کرم مطلع فرمادیں۔ انشاء اللہ اگلے ایڈیشن میں ازالہ کیا جائیگا۔ (ناشر)

www.iqbalkalmati.blogspot.com

انتساب!

مقدس ایام کو

متنازعہ بنانے والوں کے نام

بڑے افسوس کے ساتھ......!

www.iqbalkalmati.blogspot.com

فہرست مندرجات

-1	محبت	9
-2	خوف	12
-3	صاحب حال	15
-4	یہ کائنات	19
-5	اے ہمدم دیرینہ!	23
-6	صداقت	26
-7	وعدہ	30
-8	اسلام+فرقہ=صفر	33
-9	رفاقت	37
-10	تقدیر بدل جائے تو......	40
-11	تلاش	44
-12	دعا	48
-13	چہرہ	51
-14	علم	54
-15	اضطراب	57
-16	سکون قلب	60
-17	تضاد و اضداد	63
-18	خوشی اور غم	66
-19	میں اور میں	70
-20	آرزو	73
-21	فیصلہ	76

www.iqbalkalmati.blogspot.com

22-	رات	79
23-	تنہائی	83
24-	ہر شے مسافر	86
25-	انتظار	90
26-	کامیابی	92
27-	عمل	95
28-	ابتلا	98
29-	بڑھاپا	101
30-	گمنام ادیبوں کے نام	105
31-	نیند	109
32-	وقت	112
33-	یاد	115
34-	آرزو اور حاصلِ آرزو	119
35-	مقابلہ	122
36-	زمین و آسماں	126
37-	طاقت	130
38-	پردیسی	133
39-	ٹھہرتا نہیں کاروانِ وجود	137
40-	عبادت	140
41-	خوش نصیب	144
42-	اختلاف	147
43-	السلام علیکم	150
44-	رزق	152
45-	پیلو پکیاں	155
46-	صبر	158

www.iqbalkalmati.blogspot.com

آغاز گفتگو

خاموش چہرہ' خاموش لفظ کی طرح' صاحب نظر انسان کے سامنے بولتا ہے۔ خاموشی خود گویا ہوتی ہے۔ صاحب نظر سکوت سے ہمکلام ہوتا ہے۔ اس پر عجیب عجیب انکشافات ہوتے ہیں۔ اس پر راز ہائے سربستہ کھلتے ہیں۔ اس پر افکار عالیہ کا نزول ہوتا ہے۔ اس پر پرانے اسماء کے نئے معانی اپنی نئی جہتوں اور نئی صورتوں کے ساتھ اترتے ہیں۔ اس کیلئے علامات کا در ایسے وا ہوتا ہے کہ وہ رموز مرگ وحیات سے باخبر ہوتا ہے۔ اس کی زندگی میں ہونا اور نہ ہونا مسلسل ہوتا رہتا ہے۔

صاحب نگاہ کے سامنے فاصلے' فاصلے نہیں رہتے...... زمان و مکاں کی وسعتیں اس کی چشم بینا کے سامنے سمٹ جاتی ہیں۔ وہ ماضی اور مستقبل کو بیک وقت حال میں دیکھتا ہے۔ جو واقعات ہو چکے ہیں' اس کی نظر کے سامنے دوبارہ ہونے لگتے ہیں اور وہ واقعات جو ابھی پردہ غیب میں ہیں اس کے سامنے ظاہر ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔

یہ اعجاز ہے چشم بینا کا' کہ صاحب نگاہ کیلئے شبنم کا پاکیزہ قطرہ ایک مقدس آیت کی طرح ہوتا ہے۔ صاحب نظر اس کائنات کو کتاب مبین کی طرح دیکھتا ہے...... یہ بھی ایک ایسی کتاب ہے۔

جس میں کوئی شک نہیں...... خالق ایک ہے...... تخلیق کا انداز ایک ہے...... قرآن میں کائنات کا تذکرہ ہے اور کائنات میں قرآن کی تفسیر و تفہیم ہے۔ کائنات کو باطل سمجھنے والا کسی مقدس کتاب کو نہیں مان سکتا...... یہ کائنات ایسی نشانیوں کا مرقع جمال ہے کہ ان کی تلاوت اہل نظر حضرات کا شغل ہے۔ اہل فکر حضرات اور اہل ذکر حضرات انہی نشانیوں سے اصل کائنات کا پتا معلوم کرتے ہیں...... وہ جانتے ہیں کہ بیج کو مٹی کی تاریکی میں پالنے والی اور قرآن کو نازل فرمانے والی ایک ہی ذات ہے...... اور یہی ذات شکم مادر میں انسان کی تشکیل فرماتی ہے۔

ہر طرف ایک ہی ذات کے جلوے ہیں...... رنگ رنگ کے جلوے دراصل بے رنگ کے جلوے ہیں...... خالق اتنا مخفی ہے کہ ہر اظہار اور آشکار اس کا اپنا ہے۔ وہ اتنا ظاہر ہے کہ ہر مخفی اس کا اپنا ہے...... چشم بینا کیلئے یہ کائنات آئینہ روئے حسن ہے۔ اہل نظر جانتے ہیں کہ تماشا اور تماشائی ایک ہی شے ہے...... تماشا لگانے والا خود تماشائی کے رنگ میں ہے۔ وہ خود ہی ہے' خود آئینہ ہے' خود نظر ہے اور خود ہی خود کے روبرو ہے۔ صاحب نگاہ شاید اسی کے نور سے دیکھتا ہے' اس کے نور سے دیکھنے والا اس کے نور کے علاوہ اور کیا دیکھے گا......

www.iqbalkalmati.blogspot.com

یہ ذات پات کے جھگڑے' یہ عقیدتوں کی تفریق یہ اعتقادت کا اختلاف' یہ من وتو کی بحث' یہ سب دوریوں کے ابواب ہیں۔

تقرب کے جلوے رنگ اور آواز سے بلند ہیں...... وہاں صرف نور ہے' روشنی ہے...... روشنی اور صرف روشنی...... لیکن چشم کا وا ہونا...... ہو تو معلوم ہو......! قطرہ اپنے اندر قلزم کی گہرائی اور پہنائی رکھتا ہے...... چشم وا ہو تو معلوم ہو......! ذرے میں صحراؤں کی وسعتیں جلوہ گر ہیں' لیکن کوئی دیکھے تو سہی...... رائی کے دانے میں کائنات کے جلوے موجود ہوتے ہیں...... کون جانے...... ایک بیج میں تو ہزار ہا درختوں کے ظہور کیلئے حرف ''کن'' موجود ہے۔ ایک انسان کتنی ملتوں کے جنم کا باعث ہو سکتا ہے۔

یہ طلسم ہوشربا نہیں...... یہ حقیقت ہے...... کہ دیکھنے والوں کیلئے نظارے اور ہیں...... ان کیلئے ہر منظر میں نیا منظر ہے۔ ان کیلئے یہی کائنات ورق در ورق ایک نئی کائنات ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ نہ کوئی مشرق ہے نہ مغرب بلکہ ہر مقام بیک وقت مشرق ہے' مغرب ہے...... اگر چشم بینا ملے تو گوش مشتاق کا میسر آنا لازم ہے...... نظر ملے تو دل کیوں نہ ملے...... دل مل جائے تو کیا نہ ملے گا...... دیکھنے والے سننے والے بنا دیئے جاتے ہیں...... وہ لفظ کو دیکھتے ہیں۔ اس کی آواز سنتے ہیں...... انسان کو دیکھتے ہیں۔ اس کے خاموش چہرے کی آواز سنتے ہیں۔ سننے والے اس کائنات میں ہر آن' ہر اذان کو سنتے ہیں۔ سننے والے ساز کے اندر مخفی نغمے کو سنتے ہیں۔ سنتے ہیں اور مست ہو جاتے ہیں...... نغمہ ابھی ساز میں ہے اور اہل دل کا دل ہل جاتا ہے...... حسن ابھی پردے میں ہے اور عشق پر لرزہ طاری ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اہل بینش' اہل نظر اور اہل دل حضرات دنیا میں رہتے ہوئے بھی کسی اور دنیا میں رہتے ہیں اور اس دنیا میں پرانے چراغوں سے نئی روشنی حاصل کی جاتی ہے......

یہ کتاب کوشش ہے کہ اس روشنی کا پرتو پیش کیا جائے...... روشنی تو روشنی ہے۔ کسی کی دسترس میں نہیں...... نور' منور کرتا ہے...... اور جب آنکھ منور ہو تو دل منور ہے...... منور دل کو دریا کہا گیا ہے...... دریا رواں دواں' یقین کے راستے پر چلنے والا' کناروں سے نکلتا ہوا اپنی منزل مقصود کی طرف' راستے میں کبھی نہ ٹھہرنے والا' ہمیشہ گامزن' انجام کار اپنی منزل مراد سے واصل ہوتا ہے...... سمندر کی آغوش میں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے...... سمندر کا دل دریا ہے اور دریا کا دل سمندر ہے...... چشم بینا کے جلوے ہیں ورنہ کہاں دل' کہاں دریا اور کہاں سمندر...... پیار بھرے دل' میٹھے دریا اور کڑوے سمندر...... لیکن چشم بینا کیلئے ورق در ورق نئی کائنات ہے......

حاضر ہیں یہ چند مضامین...... پرانے چراغ...... شاید ان میں نئی روشنی ہو...... چشم بینا آپ کے پاس ہے' آپ کے اپنے پاس!!

واصف علی واصف

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محبت

جو ذات شکم مادر میں بچے کی صورت گری کرتی ہے' وہی ذات خیال اور احساس کی صورت گر بھی ہے۔ پیدا فرمانے والے نے چہروں کو تاثر دینے والا بنایا اور قلوب کو تاثیر قبول کرنے والا۔ ہر چہرہ ایک رینج (RANGE) میں تاثر رکھتا ہے اور اس کے باہر وہ تاثیر نہیں ہوتی۔ دائرہ تاثیر صدیوں اور زمانوں پر بھی محیط ہو سکتا ہے۔ یہ خالق کے اپنے کام ہیں۔ آنکھوں کو بینائی عطا فرمانے والا نظاروں کو رعنائی عطا فرماتا ہے۔ وہ خود ہی دل پیدا فرماتا ہے' خود ہی دلبر پیدا فرماتا ہے اور خود ہی دلبری کا خالق ہے' بلکہ وہ خود ہی سر دلبراں ہے۔

محبت کوشش یا محنت سے حاصل نہیں ہوتی' یہ عطا ہے' یہ نصیب ہے بلکہ یہ بڑے ہی نصیب کی بات ہے۔ زمین کے سفر میں اگر کوئی چیز آسمانی ہے تو وہ محبت ہی ہے۔

محبت کی تعریف مشکل ہے۔ اس پر کتابیں لکھی گئیں' افسانے رقم ہوئے' شعراء نے محبت کے قصیدے لکھے' مرثیے لکھے' محبت کی کیفیات کا ذکر ہوا' وضاحتیں ہوئیں' لیکن محبت کی جامع تعریف نہ ہو سکی۔ واقعہ کچھ اور ہے' روایت کچھ اور۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ ایک چہرہ جب انسان کی نظر میں آتا ہے تو اس کا انداز بدل جاتا ہے۔ کائنات بدلی بدلی سی لگتی ہے' بلکہ ظاہر و باطن کا جہان بدل جاتا ہے۔

محبت سے آشنا ہونے والا انسان' ہر طرف حسن ہی حسن دیکھتا ہے۔ اس کی زندگی نثر سے نکل کر شعر میں داخل ہو جاتی ہے۔ اندیشہ ہائے سود و زیاں سے نکل کر انسان جلوہ جاناں میں گم ہو جاتا ہے۔ اس کی تنہائی میں میلے ہوتے ہیں۔ وہ ہنستا ہے بے سبب' روتا ہے بے جواز۔ محبت کی کائنات جلوہ محبوب کے سوا کچھ اور نہیں۔

محبوب کا چہرہ' محب کیلئے کعبہ بن کے رہ جاتا ہے۔ محبت انسان کو زمان و مکاں کی ظاہری قیود سے آزاد کر دیتی ہے۔ محبت میں داخل ہونے والا' ہر داستان الفت کو کم و بیش اپنا ہی قصہ سمجھتا ہے وہ اپنے غم کا عکس دوسروں کے افسانوں میں محسوس کرتا ہے۔ محبت وحدت سے کثرت اور کثرت سے وحدت کا سفر طے کراتی ہے۔ محبت آسمانوں کی بے کراں وسعتوں کو ایک جست میں طے کر سکتی ہے۔ محبت قطرے کو قلزم آشنا کر دیتی ہے۔ محبت زمین پر پاؤں رکھے تو آسمانوں سے آہٹ سنائی دیتی ہے۔ محبت کرنے والے کسی اور مٹی سے بنے ہوتے ہیں۔ یہ خلوص کے پیکر دنیا میں رہ کر بھی دنیا سے الگ ہوتے ہیں۔ دراصل محبت زندگی اور کائنات کی انوکھی تشریح ہے۔ یہ قرآن فطرت کی الگ تفسیر ہے۔ یہ حیات و مرگ کے مخفی رموز کی جدگانہ آگہی ہے۔ محبت میں دھڑکنے والے دل کے ساتھ کائنات کی دھڑکنیں ہم آہنگ ہو جاتی ہیں۔ محب اور محبوب کا تقرب موسموں کو خوشگوار بنا دیتا ہے۔ محبوب کی جدائی سے بہاریں روٹھ جاتی ہیں۔ محبوب کا فراق بینائی چھین لیتا ہے اور محبوب کی قمیض کی خوشبو سے بینائی لوٹ آتی ہے۔ یہ بڑا راز ہے' یہ انوکھا عمل ہے۔ اس زندگی میں ایک اور زندگی ہے۔ اسی کائنات میں ایک اور کائنات ہے۔ محبت ہو تو انسان کو اپنے وجود ہی میں کائنات کی وسعتوں اور رنگینیوں سے آشنائی ہوتی ہے۔ اسے خوشبوؤں سے تعارف نصیب ہوتا ہے۔ اسے آہٹیں سنائی دیتی ہیں۔ وہ دھڑکنوں سے آشنا ہوتی ہے۔ اسے نالۂ نیم شب کا مفہوم سمجھ میں آتا ہے۔ محبت کرنے والا اپنی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہستی کے نئے معنی تلاش کرتا ہے۔ وہ باطنی سفر پر گامزن ہوتا ہے۔ زندگی کے تپتے ہوئے ریگزار میں محبت گویا ایک نخلستان سے کم نہیں۔ محبت کے سامنے ناممکن ومحال کچھ نہیں۔ محبت پھیلے تو پوری کائنات اور سمٹے تو ایک قطرہ خوں۔

درحقیقت محبت' آرزوئے قرب حسن کا نام ہے۔ ہم ہمہ وقت جس کے قریب رہنا چاہتے ہیں' وہی محبوب ہے۔ محبوب ہر حال میں حسین ہوتا ہے کیونکہ حسن تو دیکھنے والے کا اپنا انداز نظر ہے۔ ہم جس ذات کی بقا کیلئے اپنی ذات کی فنا تک بھی گوارا کرتے ہیں' وہی محبوب ہے۔

محب کو محبوب میں کجی یا خامی نظر نہیں آتی۔ اگر نظر آئے بھی' تو محسوس نہیں ہوتی۔ محسوس ہو بھی تو ناگوار نہیں گزرتی۔ محبوب کی ہر ادا دلبری ہے' یہاں تک کہ اس کا ستم بھی کرم ہے۔ اس کی وفا بھی پرلطف اور جفا بھی پرکشش۔ محبوب کی جفا کسی محب کو ترک وفا پر مجبور نہیں کرتی۔ دراصل وفا ہوتی ہی بے وفا کیلئے ہے۔ محبوب کی راہ میں انسان معذوری ومجبوری کا اظہار نہیں کرتا۔ محبوب کی پسند وناپسند محب کی پسند وناپسند بن کے رہ جاتی ہے۔ محبت کرنے والے جدائی کے علاوہ کسی اور قیامت کے قائل نہیں ہوتے۔

محبت اشتہائے نفس اور تسکین وجود کا نام نہیں' اہل ہوس کی سائیکی PSYCHE اور ہے اور اہل دل کا انداز فکر اور محبت دو روحوں کی نہ ختم ہونے والی باہمی پرواز ہے۔

محبت کیلئے کوئی خاص عمر مقرر نہیں۔ محبت زندگی کے کسی دور میں بھی ہوسکتی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ایک انسان کو پوری زندگی میں بھی محبت سے آشنا ہونے کا موقع نہ ملے۔ سوز دل پروانہ کسی مگس کے نصیب میں نہیں ہوتا۔

عقیدوں اور نظریات سے محبت نہیں ہوسکتی۔ محبت انسان سے ہوتی ہے۔ اگر پیغمبر ﷺ سے محبت نہ ہو' تو خدا سے محبت یا اسلام سے محبت نہیں ہوسکتی۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مجاز کیا ہے اور حقیقت کیا ہے؟ دراصل مجاز بذات خود ایک حقیقت ہے اور یہ حقیقت اس وقت تک مجاز کہلاتی ہے۔ جب تک رقیب ناگوار ہو۔ جس محبت میں رقیب قریب اور ہم سفر ہو' وہ عشق حقیقی ہے۔ اپنا عشق' اپنا محبوب اپنے تک ہی محدود رکھا جائے تو مجاز اور اگر اپنی محبت میں کائنات کو شریک کرنے کی خواہش ہو تو حقیقت۔ رانجھے کا عشق مجاز ہوسکتا ہے' لیکن وارث شاہ کا عشق حقیقت ہے۔ عشق حقیقی' عشق نور حقیقت ہے۔ یہ نور' جہاں سے بھی عیاں ہوگا' عشق کیلئے محبوب ہوگا۔ عشق نبی ﷺ عشق حقیقی ہے۔ عشق آل نبی ﷺ عشق حقیقی ہے۔ عشق اصحاب نبی ﷺ عشق حقیقی ہے۔ عشق جامیؒ عشق حقیقی ہے۔ اویس قرنیؓ کا عشق حقیقی ہے۔ عشق رومیؒ عشق حقیقی ہے۔ بلکہ اقبالؒ کا عشق بھی عشق حقیقی ہی کہلائے گا۔

اگر قطرہ شبنم واصل قلزم ہو اور آنسو بھی سمندر سے واصل ہو' تو شبنم اور آنسو کا عشق بھی عشق قلزم یا عشق حقیقی کہلائے گا۔ پیر کامل کا عشق' عشق نبی ﷺ ہی کہلائے گا۔

حضور اکرم ﷺ کو نور خدا کہا جاتا ہے اور ولی چونکہ مظہر عشق نبی ﷺ ہوتا ہے اسے مظہر نبی ﷺ یا مظہر نور خدا کہا جاسکتا ہے۔ پیر کامل کو عشق میں صورت ظل اللہ کہنا جائز ہے۔ مولانا روم نے اس کو یوں کہا ہے

ہر کہ پیر و ذات حق را یک ندید   نے مرید و نے مرید و نے مرید

ہر حال عشق مجازی کو بہ وسیلہ شیخ کامل' عشق حقیقی بننے میں کوئی دیر نہیں لگتی۔

ہر انسان کے ساتھ محبت الگ تاثیر رکھتی ہے۔ جس طرح ہر انسان کا چہرہ الگ' مزاج الگ' دل الگ'

www.iqbalkalmati.blogspot.com

پسند ناپسند الگ، قسمت نصیب الگ، اسی طرح ہر انسان کا محبت میں رویہ الگ۔ کہیں محبت کے دم سے تخت حاصل کیے جا رہے ہیں۔ کہیں تخت چھوڑے جا رہے ہیں۔ کہیں دولت کمائی جا رہی ہے۔ کہیں دولت لٹائی جا رہی ہے۔ محبت کرنے والے کبھی شہروں میں ویرانے پیدا کرتے ہیں، کبھی ویرانوں میں شہر آباد کر جاتے ہیں۔ دو انسانوں کی محبت یکساں نہیں ہو سکتی۔ اس لئے محبت کا بیان مشکل ہے۔ دراصل محبت ہی وہ آئینہ ہے جس میں انسان اپنی اصلی شکل، باطنی شکل، حقیقی شکل دیکھتا ہے۔ محبت ہی قدرت کا سب سے بڑا کرشمہ ہے۔ ''جس تن لاگے سوتن جانے۔'' محبت ہی کے ذریعے انسان پر زندگی کے معنی منکشف ہوتے ہیں۔ کائنات کا حسن اسی آئینے میں نظر آتا ہے۔

آج کا انسان محبت سے دور ہوتا جا رہا ہے۔ آج کا انسان ہر قدم پر ایک دوراہے سے دو چار ہوتا ہے۔ مشینوں نے انسان سے محبت چھین لی ہے۔ آج کے انسان کے پاس وقت نہیں، کہ وہ نکلنے اور ڈوبنے والے سورج کا منظر تک بھی دیکھ سکے۔ وہ چاندنی راتوں کے حسن سے ناآشنا ہو کر رہ گیا ہے۔ آج کا انسان دُور کے سٹیلائٹ سے پیغام وصول کرنے میں مصروف ہے۔ وہ قریب سے گزرنے والے چہرے کے پیغام کو وصول نہیں کر سکتا۔ انسان محبت کی سائنس سمجھنا چاہتا ہے اور یہ ممکن نہیں۔ زندگی صرف نیوٹن ہی نہیں، زندگی ملٹن بھی ہے۔ زندگی صرف حاصل ہی نہیں، ایثار بھی ہے۔ ہرن کا گوشت الگ حقیقت ہے، چشم آہو الگ مقام ہے۔ زندگی کارخانوں کی آواز ہی نہیں، احساس پرواز بھی ہے۔ زندگی صرف ''میں'' ہی نہیں، زندگی ''وہ'' بھی ہے ''تو'' بھی ہے۔ زندگی میں صرف مشینیں ہی نہیں، چہرے بھی ہیں، متلاشی نگاہیں بھی۔ زندگی مادہ بھی نہیں، روح بھی ہے اور سب سے بڑی بات زندگی خود ہی معراج محبت بھی ہے۔

فیصلہ

آدھا راستہ طے کر آیا
اب کیا سوچ رہا ہے آخر
انجانی منزل کی جانب
چلتا جائے
یا واپس ہو جائے راہی!
سوچ کے بھی انداز عجب ہیں
سوچ کے ہی آغاز کیا تھا
سو رستوں میں ایک چنا تھا
اور اب سوچ ہی روک رہی ہے؟
آگے بھی کچھ تاریکی ہے!
لوٹ کے جانا بھی مشکل ہے!
سوچ کا سورج ڈوب رہا ہے!
ایسے راہی کی منزل ہے...... آدھا رستہ!

☆ ☆...... ☆

خوف

خوف پیدا ہونے کیلئے خطرے کا ہونا ضروری نہیں۔ خوف انسان کے اندر پیدا ہوتا ہے' حالات سے بھی اور خیالات سے بھی۔ جب انسان ہی کسی خواہش کا جواز اپنے ضمیر میں نہیں پاتا' تو خوف زدہ ہونا لازمی ہے۔ خوف ناروا خواہش کا اولین سگنل ہے۔

ہر انسان کو کسی نہ کسی سے محبت ضرور ہوتی ہے اور اگر وہ محبوب انسان اپنی ہی ذات گرامی ہو' تو خوف سے بچنا محال ہے۔ اپنے آپ سے محبت دوسرے انسانوں سے تصدیق کا تقاضا کرتی ہے اور دوسرے انسان اس انسان سے محبت نہیں کر سکتے' جو اپنے آپ اور صرف اپنے آپ سے محبت کرتا ہے۔ اس لئے دوسروں کے عدم تعاون کا خیال ہی خوف پیدا کرتا ہے۔ خوف اس بات کا ہوتا ہے کہ مجھے جاننے والے' مجھے ماننے والے نہیں ہیں۔ آخر کیوں نہیں ہیں؟

کسی انسان کو انسان میں محبوب بننے کیلئے ان سے محبت کرنا پڑتی ہے اور دوسروں سے محبت کرنے کا عمل اپنے آپ سے غافل ہونے کا عمل ہے اور یہ عمل اپنی ذات سے محبت کرنے کے عمل کے خلاف ہے' اس لئے محبت خویش' خوف خلق سے مبرا نہیں ہوتی۔

خوف ایک انداز نظر ہے۔ ایک نقطہ نگاہ ہے۔ ایک واہمہ ہے' جو حقیقت بن کر سامنے آتا ہے۔ ہر حادثہ ضروری نہیں کہ رونما ہونے سے پہلے خوف پیدا کرے اور ہر خوف ضروری نہیں کہ کسی حادثے پر ہی ختم ہو۔ حادثہ اطلاع کے بغیر آتا ہے۔ خوف بذات خود ایک حادثہ ہے، جو آتا ہے اطلاع کے بغیر اور انسان کے دل میں بیٹھ جاتا ہے۔ یہ ''گھس بیٹھیا'' کہاں سے آتا ہے۔ کیسے آتا ہے۔ کیوں آتا ہے۔ کیا معلوم!

بدنیتی کی فوری سزا خوف ہے۔ نیت اعمال سے مخفی ہوتی ہے' اس لئے خوف اعمال کے نتیجوں سے بے نیاز ہوتا ہے۔ لہٰذا ایسا عمل جس کی نیت بری ہو اور نتیجہ اچھا ہو' خوف پیدا کرتا رہے گا۔ وہ عمل جس کی نیت اچھی ہو' خواہ برا ہو' خوف سے آزاد رہتا ہے۔ خوف دراصل بری نیت کی تخلیق ہے۔ نیت کی اصلاح کے بغیر یہ سزا ختم نہیں ہوتی۔

اللہ کے دوستوں اور خاص بندوں کی یہ پہچان بتائی گئی ہے کہ ان کے ہاں خوف اور حزن نہیں ہوتا۔ اللہ کے دوست نیت کی پاکیزگی کے بغیر کوئی عمل نہیں کرتے۔ ان کے اعمال اچھی نیات کی وجہ سے درست ہیں۔

نتیجے سے بے نیازی ہی خوف سے بے نیازی ہے۔ اندیشہ ہماری خواہش کے برعکس کسی نتیجے کا امکان ہے۔ جب خواہش خوش نیت ہو تو کسی بھی قسم کا نتیجہ خوف پیدا نہیں کر سکتا۔ جب خواہش بدنیت ہو تو کسی بھی قسم کا نتیجہ خوف سے نہیں بچا سکتا۔

اللہ کے دوستوں کو ملال نہیں ہوتا۔ کسی شے کے کم ہونے یا گم ہونے سے ملال پیدا ہوتا ہے۔ اگر انسان اپنے کسی حاصل پر ہمیشہ قابض رہنے کی خواہش نکال دے تو ملال پیدا نہیں ہوگا مثلاً حسن' اپنی جوانی کو ہمیشہ قائم رکھنے کی لاحاصل خواہش نہ کی جائے۔ تو کبھی ملال نہیں ہوگا۔ خوف اور حزن' حاصل کو مستحکم بنانے کی خواہش اور کوشش کے نتیجے میں پیدا ہوتے ہیں۔

زندگی کو ہمیشہ زندہ رکھنے کی خواہش موت کے خوف سے نہیں بچ سکتی۔ زندگی صرف ماضی اور مستقبل

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کے سنگم کا نام ہے۔ ماضی اور مستقبل دونوں ہمارے اختیار میں نہیں۔ حال پر اختیار برقرار رکھنے کی سعی ناکام خوف کے سوا کچھ پیدا نہیں کرسکتی۔

خود کو محفوظ بنانے کی خواہش غیر محفوظ ہونے کا اعلان ہی تو ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ شاید زندگی اپنے اندر گرتی رہتی ہے' ریت کی دیوار کی طرح' اسے کسی آندھی یا طوفان کے تکلف کی ضرورت نہیں۔ انسان کا وجود اور ارادہ اندر سے مفلوج ہوتے ہیں۔ باہر کے موسم تو ہمیشہ وہی رہتے ہیں۔ بہاریں اور خزائیں آتی جاتی رہتی ہیں۔ لیکن ہم اپنے اندر بے نام اندیشے پالتے رہنے کی وجہ سے یکسر بدل جاتے ہیں اور پھر ہمیں نہ بہار راس آتی ہے اور نہ خزاں۔ انسان اندر سے ٹوٹ جائے تو تعمیر حیات کی کتابیں مدد نہیں کرسکتیں۔

خوف اس انسان کو اس انسان سے آتا ہے' جس کو وہ خوف زدہ کرتا ہے۔ ہمارے رتبے اور مرتبے' ان لوگوں میں خوف پیدا کرتے ہیں جو ان مراتب کے خواہاں ہوں۔ ہمارے خوف کی وجہ سے وہ دل ہی دل میں ہمیں ناپسند کرتے ہیں اور پھر یہی ناپسندیدگی ان کے چہروں پر سوالات لکھتی ہے اور ان سوالات کو پڑھ کر ہم خوفزدہ ہو جاتے ہیں۔ امیر آدمی جب غریبوں کو ناراض دیکھتا ہے' تو اسے ان سے خوف محسوس ہوتا ہے کہ یہ گونگا خطرہ اگر زبان کھول دے تو جانے کیا ہو جائے۔

ہر ظالم کو مظلوم سے خوف محسوس ہوتا رہتا۔ ڈرنے والا ہی ڈرانے والا بن جاتا ہے۔ ہم جس دشمن سے ڈرتے ہیں' وہ بھی تو ہم سے ڈرتا ہے۔ بارڈر کے پاس ہمارا خوف پرورش پاتا رہتا ہے۔ جس نے ہمارا سکون برباد کیا' اس کو کب چین نصیب ہوسکتا ہے۔ یہ قانون فطرت ہے۔ اندھیرا اجالا ایک دوسرے سے ڈرتے ہی رہتے ہیں۔

پیسے گننے اور جمع کرنے والا غریب ہو جانے کے ڈر سے سو نہیں سکتا۔ باغی لوگ حکومت سے ڈرتے ہیں۔ حکومتیں بغاوتوں سے ڈرتی ہیں اور ڈرنا بھی چاہئے۔

طلبہ اساتذہ سے ڈرتے ہیں اور اساتذہ طلبہ سے ڈرتے ہیں۔ ڈرانے والا بہرحال ڈرتا ہے۔

خوف ایک حد تک تو خیر جائز ہے۔ خوف احتیاط پیدا کرتا ہے اور احتیاط زندگی کے تیز سفر میں ایک موزوں اور مناسب عمل ہے۔ لیکن ایک حد سے زیادہ خوف ہو تو انسان کا سارا تشخص' اس کی ساری سائیکی (PSYCHE) اس کا باطنی وجود' سب ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتے ہیں۔ خوف خون کی رنگت اور ہڈیوں کا گودا ختم کر دیتا ہے۔

خوف زدہ انسان پتوں کی کھڑکھڑاہٹ سے ڈرتا ہے سرسراہٹ سے ڈرتا ہے۔ وہ آنے والوں سے ڈرتا ہے۔ وہ ہر ایک سے ڈرتا ہے۔ اپنے آپ سے ڈرتا ہے۔ اپنے ماضی سے ڈرتا ہے۔ اپنے حال سے ڈرتا ہے۔ اپنے مستقبل سے ڈرتا ہے' بلکہ اپنے پرائے یہاں تک کہ اپنے ہی سائے سے ڈرتا ہے۔ خوف اگر ایک بار دل میں بیٹھ جائے تو پھر وجہ کے بغیر ہی خوف پیدا ہوتا رہتا ہے۔ ڈرے ہوئے انسان کیلئے ہر امکان ایک ٹریجڈی ہے۔ اس کیلئے ہر واقعہ ایک حادثہ ہے۔

خوف زدہ انسان خود کو اس بھری ہوئی دنیا میں تنہا محسوس کرتا ہے۔ خوف احساس تنہائی ضرور پیدا کرتا ہے۔ خوف زدہ انسان کی مثال ایسے ہے' جیسے کسی وسیع صحرا میں تنہا مسافر کو رات آ جائے اور جب انسان اپنے وجود سے بے خبر ہو' اسے اپنے وجود کا احساس بھی مشکل سے ہوتا ہے۔

خوف سے بچنے کا واحد' مناسب اور سہل طریقہ یہی ہے کہ انسان میں خدا کا خوف پیدا ہو جائے۔ یہ خوف' ہر خوف سے نجات دلاتا ہے۔ انسان اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دے تو ہر خوف ختم ہو جاتا ہے۔ اگر منشائے الٰہی کو مان لیا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جائے تو نہ زندگی کا خوف رہتا ہے نہ موت کا۔ نہ امیری کا نہ غریبی کا۔ نہ عزت کی تمنا نہ ذلت کا ڈر سب اس کے انداز ہیں۔ وہ جو چاہے عطا کرے۔ ہمیں راضی رہنا ہے۔ ورنہ ہماری سرکشی اور خود پسندی کی سزا صرف یہی ہے کہ ہمیں اندر سے دبوچ لیا جائے۔ ظاہر کے جسم میں تو کوئی خراش نہ ہو' لیکن اندر سے باطنی وجود قاش قاش اور پاش پاش ہو چکا ہو۔

جب زمین والوں کی بداعمالیاں حد سے بڑھ جائیں تو آسمان سے عذاب کا دیباچہ خوف کی صورت میں نازل ہوتا ہے۔ ممالک' حکومتیں' معاشرے' تہذیبیں' افراد غرضیکہ ہر ذی جان خوف زدہ ہوتا ہے۔ ہر شخص یہی محسوس کرتا ہے کہ نہ جانے کب کیا جائے۔ ہر ارتقاء اندیشے سے دوچار ہوتا ہے۔ ہر شے ایک بے نام اندیشے کے سائے میں لپٹی ہوئی نظر آتی ہے۔

جب انسان خدا سے دور ہو جائے تو سکون انسان سے دور کر دیا جاتا ہے اور اس کی جگہ اندیشہ اور خوف مسلط کر دیا جاتا ہے۔

جب زندگی اپنی افادیت' معنویت اور تقدیس کھودے تو نتیجہ خوف کے علاوہ کیا ہو سکتا ہے۔ انسان جب انسانیت ترک کر دے تو اسے خوف سے بچانا مشکل ہے۔ خوف اور مسلسل خوف بے وجہ اور بے معنی خوف ایک عذاب ہے۔ اس کرب مسلسل سے بچنے کا واحد ذریعہ یہی ہے کہ انسان خوف خدا رکھے۔ انسان یہ نہ بھولے کہ اس کا قیام عارضی ہے۔ اسے ضرور اسی راستے پر گامزن ہونا ہے جس پر اس کے آباؤ اجداد سفر کر گئے۔ خیال اور عمل کا فرق کم کرنے سے خوف کم ہو جاتا ہے۔ اپنے حاصل اور حق میں فرق مٹ جائے تو خوف مٹ جاتا ہے۔

خوف کسی غلطی' کسی غفلت' کسی گناہ اور کسی جرم کی یاد ہی کا نام ہے۔ خوف خود کوئی شے نہیں۔ یہ صرف نشان دہی ہے' کسی ناروا عمل کی۔ کسی نامناسب رویے کا نتیجہ ہے۔

خوف زدہ انسان اوّل تو کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا اور اگر کبھی لے تو غلط فیصلہ کر جاتا ہے۔ خوف اعصاب شکن بیماری ہے۔ اس سے انسان کی تمام فکری صلاحیتیں سلب ہو جاتی ہیں اور اس کی شخصیت ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے۔

خوف کا پسندیدہ مسکن اس انسان کا دل ہے' جس میں احساس گناہ تو ہو لیکن گناہ چھوڑنے کی طاقت نہ ہو' خوف زدہ انسان کی ہر بازی مات' ہر جنگ شکست اور ہر کوشش ناکام ہوتی ہے۔ خوف' خوراک سے طاقت اور نیند سے راحت چھین لیتا ہے۔ سب سے بدقسمت ہے وہ انسان جو اپنے مستقبل سے خائف ہو۔ جدا ہونے والے ہمراز اور ادب نہ کرنے والی اولاد سے خوف آتا ہے۔

اگر خیال کی اصلاح ہو جائے تو خوف دور ہو سکتا ہے۔ ماضی کی غلطیوں پر توبہ کر لی جائے تو خوف دور ہو جاتا ہے۔

اللہ کی رحمت پر بھروسہ کر لیا جائے۔ اس کے فضل سے مایوسی نہ ہونے دی جائے تو خوف نہیں رہتا۔

کوئی رات ایسی نہیں جو ختم نہ ہوئی ہو کوئی غلطی ایسی نہیں جو معاف نہ کی جا سکے۔ کوئی انسان ایسا نہیں جس پر رحمت کے دروازے بند ہوں' رحم کرنے والے کا کام ہی یہی ہے کہ رحم کرے۔ رحم اس فضل کو کہتے ہیں جو انسانوں پر ان کی خامیوں کے باوجود کیا جائے اور یہ رحم ہوتا ہی رہتا ہے۔ کسی کو خوف زدہ نہ کیا جائے تو خوف کا عذاب ٹل جاتا ہے۔ دعا سے خوف دور ہوتا ہے اور دعا کا حاصل اور اس کا ماحصل ہی یہی ہے کہ یہ ہمیں ہمارے خوف سے نجات دلاتی ہے۔

☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

صاحب حال

جس طرح مشاہدہ کا بیان مشاہدہ نہیں ہوتا' اسی طرح صاحب حال پڑھنے یا سننے والی بات نہیں' وہ دیکھنے والی شے ہے۔اس کے جلوے خرد اور جنوں کی سرحدوں پر ہوتے ہیں۔ جہاں اہل عقل کی حد ہے' وہاں سے صاحب دل کی سرحد شروع ہوتی ہے۔ جذب اور سلوک کے درمیان ایک منزل ہے' جسے حال کہتے ہیں اور جہاں ہونا نہ ہونا ہے اور نہ ہونا عین ہونا ہے۔صاحب حال اس مقام پر ہوتا ہے' جہاں قال کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ الفاظ حقیقت کو محجوب کر دیتے ہیں۔ کہنے والا کچھ اور کہہ رہا ہوتا ہے اور سننے والا کچھ اور سننے لگ جاتا ہے۔ اسی لئے صاحب حال الفاظ سے گریزاں ہوتا ہے۔ وہ اس کائنات میں نئی کائنات دریافت کر چکا ہوتا ہے۔ وہ ظاہر سے باطن کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اسم سے مسمیٰ دریافت کرتا ہے۔نعمت سے منعم کا عرفان حاصل کرتا ہے۔ وہ مطلع انوار صبح سے بھی لطف اندوز ہوتا ہے اور اس کی نگاہ ڈوبتے سورج کی لاش پر بھی ہوتی ہے۔صاحب حال قطرے میں قلزم اور ذرے میں صحرا کو دیکھنے کی قدرت رکھتا ہے۔ صاحب حال تغیر و تبدل سے مرعوب و متاثر نہیں ہوتا۔ موسم بدلتے ہیں' زمین و آسمان کے جلوے بدلتے ہیں' آغاز و انجام کے رشتے بدلتے ہیں' لیکن صاحب حال نہیں بدلتا۔ وہ زندگی اور موت کو ایک حقیقت کے رُخ سمجھتا ہے۔ وہ غم اور خوشی سے نجات پا چکا ہوتا ہے۔ وہ ماضی' حال اور مستقبل کو ایک ہی زمانہ سمجھتا ہے۔ وہ زمین و آسمان کے انوکھے رشتوں کا مفسر ہوتا ہے۔ اس فنا کے دیس میں صاحب حال ملک بقا کا سفیر ہے۔صاحب حال اس زمانے میں کسی اور زمانے کا پیغام رساں ہے۔ وہ ایسا صاحب جنوں ہے جو خرد کی گتھیاں سلجھا چکا ہے۔اس کی نگاہ سات رنگوں سے بہت آگے ہوتی ہے۔ وہ بے رنگ کے نیرنگ سے آشنا ہوتا ہے۔صاحب حال کیفیت کے اس مقام پر ہوتا ہے' جہاں تحیر بھی ہے اور شعور بھی۔ جہاں وارفتگی بھی ہے اور آگہی بھی۔ صاحب حال اسما اور اشیاء کے معانی اور مفاہیم سے باخبر ہوتا ہے۔ وہ اس منزل پر ہوتا ہے' جہاں سفر ہی مدعائے سفر ہے۔ وہ خود آگہی کے ایسے دشت میں پہنچ چکا ہوتا ہے' جہاں نہ فراق ہے نہ وصال نہ کوئی اپنا ہے نہ غیر۔ وہ سکوت سے ہم کلام رہتا ہے۔ وہ ذروں کے دل کی دھڑکن سنتا ہے۔اس کی نگاہ وجود اور موجود کے باطن پر بھی ہوتی ہے اور عدم اور ناموجود کی حقیقت پر بھی۔ وہ ذات اور صفات کے تعلق سے آشنا ہوتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ عیاں کا رابطہ ہر حال میں ''نہاں'' سے قائم رہتا ہے۔صاحب حال خود ہی آخری سوال ہے اور خود ہی اس کا آخری جواب۔

صاحب حال بغیر حال کے سمجھ میں نہیں آتا۔ اس کا قال بھی حال ہے اور خاموشی بھی حال۔ بہرحال صاحب حال اپنے وجود میں اپنے علاوہ بھی موجود رہتا ہے۔معلوم اور نامعلوم کے سنگم پر صاحب حال گنگناتا ہے۔آپ ایک ایسے انسان کا اندازہ کریں جس کی ایک ہتھیلی پر آگ ہو اور دوسری پر برف۔ وہ نہ آگ بجھنے دیتا ہے' نہ برف کا انجماد ٹوٹنے دیتا ہے۔وہ ایک ایسی جلوہ گاہ میں محو کھڑا ہوتا ہے' جہاں آنکھ کی راہ میں بینائی کا پردہ

www.iqbalkalmati.blogspot.com

حائل نہیں ہوتا۔ اس کی پیشانی زمین پر ہو' تو اس کی سجدہ گاہ آسمان پر ہوتی ہے۔ وہ کسی کو نزدیک سے پکارتا ہے اور جواب دینے والا دور سے جواب دیتا ہے۔ اس کا دل اس کی آنکھ میں ہوتا ہے اور آنکھ دل میں ہوتی ہے۔ صاحب حال ''نمی دانم'' کے پردے میں دانائی کے چراغ جلاتا ہے۔ اس کی خاموشی میں جمال گفتگو کے جلوے ہوتے ہیں۔ اس کے قرب میں انسان اپنے آپ سے دور ہو جاتا ہے۔ اس کی محفل میں گردش زمان و مکاں رک سی جاتی ہے۔

صاحب حال کوئی انوکھی مخلوق نہیں۔ وہ انسان ہے۔ انسانوں کی دنیا میں انسانوں کے درمیان رہتا ہے۔ اس کا انداز نظر انسانوں سے جدا ہوتا ہے۔ وہ معمولی سے واقعہ کو غیر معمولی اہمیت دیتا ہے۔ درخت سے پتا گرے تو وہ پکار اٹھتا ہے۔

پتا ٹوٹا ڈال سے لے گئی پون اڑا
اب کے بچھڑے کب ملیں گے دور پڑیں گے جا

ایک صاحب حال نے جنازہ دیکھا۔ پوچھا ''یہ کیا ہے؟'' جواب ملا ''زندگی کی آخری منزل'' بولا: ''اگر یہ آخری منزل ہے تو ہم کون سی منزل میں ہیں۔ کیوں نہ آخری منزل کو دیکھا جائے۔'' بس تخت چھوڑ دیا' شہر چھوڑ دیا' جنگل کی راہ لی اور پھر راز آشنا ہو گیا۔

موسیٰ علیہ السلام کی صاحب حال سے ملاقات ہوئی۔ ایک دور کا پیغمبر اپنے دور کے صاحب حال سے مل کر حیران رہ گیا کہ یہ کون سا علم ہے؟ کتاب کا علم! کتاب کا علم تو موسیٰ کے پاس بھی تھا' بلکہ کتاب ہی موسیٰ کے پاس تھی۔ صاحب حال کسی اور زمانے کے واقعات میں مصروف تھا۔ موسیٰ اپنے زمانے کا حال دیکھ رہے تھے۔ نتیجہ ''ھذا فراق بینی وبینکم'' یعنی جدائی۔ موسیٰ کے عرفان میں شک نہیں ہو سکتا۔ آپ کے مقام پر شک نہیں ہو سکتا۔ آپ کی بصیرت پر شک نہیں۔ آپ کے عصا ید بیضا اور کلیمی پر شک نہیں' لیکن صاحب حال آپ کی پہچان میں نہ آ سکا۔ صاحب حال کا علم ''لدنی'' ہے' مخفی ہے۔ اسے اللہ کی عنایت کا خصوصی مظہر کہنا چاہیے۔

ایک صاحب حال کا ذکر MATHEW ARNOLD نے اپنی نظم سکالر جپسی SCHOLAR GIPSY میں کیا ہے کہ ایک آدمی علم ظاہری کی اذیت سے تنگ آ کر علم باطن کے سفر پر نکل گیا۔ آکسفورڈ سے بھاگا ہوا طالب علم، علم کی طلب میں سرگرداں رہا۔ علم سے بھاگ کر علم میں داخل ہونا ہی صاحب حال کا کام ہے۔ وہ علم اور ہے۔ اس کی تلاش میں انسان زندگی سے نکل جاتا ہے اور پھر موت سے بھی نکل جاتا ہے اور پھر حیات جاوداں پا لیتا ہے۔ ''سکالر جپسی'' ہر زمانے کو آ کر بتاتا رہا کہ جو ایک ہو گیا۔ یکتا ہو گیا۔ وہ مر نہیں سکتا۔ وحدت کو موت نہیں اور کثرت موت سے بچ نہیں سکتی۔ جو بدلتا نہیں مرتا نہیں' جو تبدیل ہوتا ہے مرتا ہے۔

ایک صاحب حال مولانا روم سے ملا۔ بولا۔ ''مولانا! یہ کیا علم ہے؟'' مولانا نے کہا ''اسے آپ نہیں جانتے۔'' صاحب حال نے اپنا علم ظاہر کیا۔ مولانا بولے ''یہ کیا علم ہے؟'' صاحب حال بولا ''جسے تم نہیں جانتے۔'' بس پھر اس کے بعد مولانا رومؒ غلام شمس تبریزؒ ہو کر رہ گئے۔ مولانا بھی صاحب حال ہو گئے۔ صاحب

www.iqbalkalmati.blogspot.com

مثنوی ہو گئے' ایسی مثنوی کہ قلوب کی خشک زمین پر عشق حقیقت کی نورانی برسات ہے۔ مثنوی صاحب حال بناتی ہے۔ پیر رومیؒ کی محبت میں "مرید ہندی" صاحب حال ہو گیا' بلکہ صاحب اقبال با کمال ہو گیا۔

صاحب حال صاحب عشق ہوتا ہے۔ صاحب وجدان ہوتا ہے۔ صاحب مشاہدہ ہوتا ہے۔ صاحب یقین ہوتا ہے۔ صاحب ایمان ہوتا ہے۔ صاحب نسبت ہوتا ہے اور سب سے بڑی بات یہ کہ صاحب نصیب ہوتا ہے۔ صاحب حال کو مرد حق آگاہ کہا گیا ہے۔ کہیں اسے سپر مین (SUPER MAN) کہا گیا ہے۔ کبھی اسے صرف مرد مومن بھی کہتے ہیں۔ صاحب حال حق آگہی و حق شناسی کے اس مقام پر پہنچ جاتا ہے' جہاں وہ انا الحق کہہ اٹھتا ہے۔ اس ایک انا الحق میں کتنی حقیقتیں پنہاں ہوتی ہیں۔ یہ کوئی صاحب حال ہی جان سکتا ہے۔

صاحب حال میں نغمگی کا ہونا لازمی ہے۔ وہ بصد سامان رسوائی سر بازار رقص کرتا ہے۔ صاحب حال کے رقص میں بڑے رموز ہیں۔ صاحبان حال کشتگان خنجر تسلیم ضرور ہوتے ہیں۔

دیکھنے اور سوچنے والی بات یہ ہے کہ اس کائنات میں صاحب حال پیدا کرنے والی نگاہ ضرور کارفرما ہے۔ کوئی ہے اس پردے کے پیچھے' کسی کا ہاتھ ضرور ہے جو ان لوگوں کو حال عطا کرتا ہے۔ کوئی ایسی ذات موجود ہے' جس کا قرب انسان کو صاحب حال بنا دیتا ہے۔ ایسی ذات جو نظر ملا کر انسان کو بدل کے رکھ دیتی ہے۔ دیکھنے والے بے خبر رہتے ہیں اور بدلنے والا بدل چکا ہوتا ہے۔ وہ ذات علم لدنی کے خزانے لٹاتی ہے اور پھر صاحب حال جہاں جہاں سے گزرے' راستے جگمگا اٹھتے ہیں۔ صاحب حال بنانے والی ذات پر سلام ہو۔

صاحب حال بننے والے انسانوں کو غور سے دیکھا جائے تو ان کی فطرت میں وفا اور استقامت کی بنیادی خوبی ضرور ہوتی ہے۔ ایک ایسا انسان جو صاحب علم نہ بھی ہو' اپنے عمل کی استقامت سے صاحب حال بن سکتا ہے اور صاحب حال ہو جانے کے بعد اس کا صاحب علم ہو جانا پہلا قدم ہے۔ مثلاً آپ ایک آرٹسٹ کو دیکھیں جو خلوص سے تصویر بناتا ہے۔ زندگی بھر استقامت سے فن کی خدمت کرتا ہے۔ ایک صبح نہ جانے کیوں اس کا برش برہنگی اجسام کو کینوس پر اتارتے اتارتے خطاطی کے شہ پارے پیش کرنے لگتا ہے۔ وہ قرآنی آیات کے حسن میں ایسا محو ہوتا ہے کہ اس کا باطن روشن کر دیا جاتا ہے اور وہ صاحب حال بن چکا ہوتا ہے۔ لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ تو اور آدمی تھا اور اب کیسے ہو گیا۔ بس ہو گیا۔ بنانے والے نے بنا دیا۔ وہ کافروں کو ایمان عطا کرتا ہے۔ اندھیروں کو روشنی بخشتا ہے۔ عاصیوں کو معاف کرتا ہے اور صاحبان استقامت کو اپنے لطف میں داخل فرما کر صاحبان حال بنا دیتا ہے۔ فتویٰ اس کے خلاف ہوتا ہے' لیکن حقیقت اور صداقت صاحب حال کے پاس ہوتی ہے۔

اسی طرح اگر کوئی مصنف علم کو خدا کا فضل سمجھنے والا تحلیل جاں کے مراحل سے استقامت وصبر سے گزرے' تو اسے وہ نگاہ قبول فرما لیتی ہے۔ پھر اس کے اعمال واحوال یکسر بدل جاتے ہیں۔ وہ قید وجود سے آزاد ہو جاتا ہے۔ اسے بے نیاز غم دوراں کر دیا جاتا ہے۔ اب یہاں فتویٰ کیا کرے گا۔ قبول کرنے والا قبول کر رہا ہے۔ تو ہم اعتراض کرنے والے کون ہیں۔ اگر سائیں کا فضل کسی کو صاحب حال بنا دے' تو ہم کیوں برہم ہوں۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اعتراض کرنے والے فارمولا استعمال کرتے ہیں۔ قانون استعمال کرتے ہیں۔ قاعدہ کلیہ استعمال کرتے ہیں اور صاحب حال فارمولے سے باہر ہوتا ہے۔ فتویٰ اقبال کے خلاف تھا اور فطرت اس کی آنکھ میں خاک مدینہ و نجف کا سرمہ لگا رہی تھی۔ وہ دانائے راز بنا دیا گیا۔ اسے فقیری عطا ہوئی' قلندری ملی۔ وہ اپدیشک ہو گیا۔ غبار راہ حجاز ہو گیا۔ مفتی اس کے خلاف رہے۔ فطرت اس کے ساتھ ہو گئی۔ اقبال کا صاحب حال ہونا مخالفین اقبال کو صاحبان حال بننے سے محروم کر گیا۔ یہ اس نگاہ کے فیصلے ہیں۔ اس کی عطا کے کرشمے ہیں۔ عمل کسی اور رخ کا ہوتا ہے فضل کسی اور طرف پہنچا دیتا ہے۔ کوئی سمجھے تو کیا سمجھے کوئی جانے تو کیا جانے۔

صاحبان حال کے سلسلے میں قائداعظمؒ کی مثال سب سے اہم ہے۔ وہ استقامت وصداقت کا پیکر قائداعظم کہلانے کیلئے کوشش نہیں کر رہا تھا۔ وہ مسلمانوں کی خدمت کے جذبے سے سرشار تھا۔ اس کے خلوص کو فطرت نے منظور کیا۔ اسے صاحب حال بنا دیا۔ فتویٰ اس کے خلاف تھا لیکن فطرت اور حقیقت اس کے ساتھ تھی۔ اسے قائداعظمؒ بنا دیا گیا۔ اہل شرع کا ایک گروہ اس بات کو اور اس واردات کو نہ پہچان سکا۔ معترض رہا۔ اہل باطن پہنچ گئے کہ یہ کسی کی نگاہ کی بات ہے۔ یہ فیض ہے کسی ذات کا۔ یہ نصیب کا فیصلہ ہے اہل باطن قائداعظم کے ساتھ ہو گئے' منزل مل گئی۔ ملک بن گیا۔ فتویٰ دینے والے آج تک نہ سمجھ سکے کہ یہ کیا راز تھا۔ قائداعظم دلوں میں اتر گئے اور مخالفین دلوں سے اتر گئے۔

جس طرح ہمارے ہاں طریقت کے سلاسل ہیں۔ چشتی' قادری' نقشبندی' سہروردی وغیرہ اور ہر سلسلہ کا کوئی بانی ہے' اسی طرح قائداعظمؒ سے ایک نئی طریقت کا آغاز ہوتا ہے اور وہ طریقت ہے ''پاکستانی۔'' اس طریقت میں تمام سلاسل اور تمام فرقے شامل ہیں۔ ہر ''پاکستانی'' پاکستان سے محبت کو ایمان کا حصہ سمجھتا ہے۔ ہمارے لئے ہمارا وطن خاک حرم سے کم نہیں۔ اقبال نے مسلمانوں کو وحدت افکار عطا کی' قائداعظمؒ نے وحدت کردار۔

آج اگر قوم میں کوئی انتشار خیال ہے تو اس لئے کہ وحدت عمل نہیں۔ وحدت فکر و عمل عطا کرنا وقت کے صاحب حال کا کام ہے۔ صاحب حال بنانے والی نگاہ کسی وقت بھی مہربانی کر سکتی ہے۔ وہ نگاہ ہی تو مشکل کشا ہے۔ نہ جانے کب کوئی صاحب حال قطرہ شبنم کی طرح نوک خار پہ رقص کرتا ہوا آئے اور قوم کے دل و نگاہ میں سماتا ہوا وحدت عمل پیدا کر جائے اور ایک بار پھر

''ہاتھ آئے مجھے میرا مقام اے ساقی''

وقت کے صاحب حال کی خدمت میں بھی سلام

☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

یہ کائنات

یہ کائنات جہاں آئینہ جمال ہے' وہاں یہی کائنات مظہر صفات الٰہیہ اور مظہر صفات انسانیہ ہے۔ کائنات میں رونما ہونے والا ہر واقعہ' ہر عمل اور ہر کرشمہ انسان کی داخلی اور ذاتی کائنات میں منعکس ہوتا ہے۔ سیاروں اور ستاروں کی چال اور رفتار سے لے کر ایک معمولی سی حقیر چیونٹی تک' ہر شے اپنے اندر ایک عجیب پیغام رکھتی ہے۔ ہر شے ایک علامت ہے' خوبصورت علامت اور ہر شے میں ایک استعارہ ہے' ایک بامعنی استعارہ۔

یہ کائنات مرقع نور ہے۔ اس پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ کہکشاؤں کے عظیم اور وسیع سلسلے' شمس وقمر کے جلوے' چمکنے والے ستاروں کی یہ حسین کائنات اتنی منور ہے کہ یہ سمجھنا مشکل ہے کہ اس کو تخلیق کرنے والا خود زمین اور آسمانوں کا نور ہے۔ اتنی روشن کائنات ایک روشن دلیل ہے۔ اپنے نورانی خالق کی۔

اگر ذوق نظر میسر ہو تو یہ کائنات ایک عجب تماشا ہے۔ کرنوں میں آفتاب ہیں' قطروں میں بحر ہیں' دریا حباب میں ہے' ذروں میں دشت ہیں۔ دیکھنے والی نظر ہو' تو نظاروں کی کمی نہیں۔

اس کائنات کی وسعتوں کے بارے میں جو کچھ بھی کہہ دیا جائے' بلا مبالغہ ہوگا۔ ہم ایک سورج سے وابستہ ہیں اور اس کائنات میں ایسے کروڑوں سورج موجود ہیں۔ ایسے سیارے اور ستارے دریافت ہو چکے ہیں' جن کا زمین سے فاصلہ ہزاروں لاکھوں ''سال نور'' ہے۔ یعنی ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ کی رفتار سے چلنے والی روشنی ایک ستارے سے زمین پر آنے میں لاکھوں سال لیتی ہے۔ اللہ اللہ' یہ وسعت انسان سوچ کر ہی سہم جاتا ہے۔ اس وسیع کائنات میں زمین کی کیا حیثیت اور زمین میں ایک ملک کی کیا اہمیت اور ملک میں ایک شہر اور شہر میں ایک مکان اور مکان میں ایک انسان کی کیا اہمیت اور پھر اس انسان میں ایک چھوٹا سا دماغ کیا جسارت کرے گا' اس وسیع کائنات کے عظیم خالق کے بارے میں لب کشائی کرنے کی۔ مقام تحیر اور مقام سکوت ہے۔

اسی کائنات میں ایسے علاقے ہیں' جہاں اتنی سردی ہے کہ بس انسان ذکر کرے تو خیال منجمد ہو جائے اور کہیں اتنی حدت کہ سورج بھی پناہ مانگے۔ یہ کائنات عجب ہے۔ تخلیق اپنے خالق کی مظہر ہے۔

جس خالق نے اس کائنات کو تخلیق کا حیران کن مظہر بنایا' اسی خالق نے انسان کو بڑے دعوت اور وثوق سے اشرف المخلوقات پیدا فرمایا۔ ایک عظیم احسان ہے' عظیم محسن کا۔ انسان کو بینائی عطا فرمانے والا' اپنے بے مثال حسن کے پرتو میں اس کائنات کی ہمہ رنگ نیرنگیوں اور رنگینیوں میں جلوہ گر ہے۔

انسان کی پہچان کیلئے کائنات کو آسمان اور زمین کے حوالے سے ظاہر فرمایا گیا۔ انسان اپنی ہستی کا سفر زمین پر ہی شروع کرتا ہے اور یہ سفر یہیں تمام ہوتا ہے۔ انسان کے گرد پھیلی ہوئی زندگی اس کے علم کے وسیع ابواب ہیں۔ اسے علم الاسماء عطا فرمایا گیا۔ وہ اسماء سے اشیاء کو پہچانتا ہے اور پھر اشیاء سے مفاہیم تلاش کرتا ہے اور اسے ہر طرف پھیلے ہوئے سلسلے' اپنی صلاحیتوں اور صفات کے استعارے نظر آتے ہیں۔ انسان کی کائنات

www.iqbalkalmati.blogspot.com

حسین و جمیل علامتوں کی کائنات ہے۔

یہی وہ راز ہے' جو انسان کو جاننے والا بناتا ہے۔ انسان ظاہر سے باطن اور باطن سے ظاہر کا سفر کرنے کیلئے پیدا کیا گیا۔ وہ وجوہ سے نتائج اور نتائج سے وجوہ تلاش کرتا ہے۔ وہ ہر شے کے اندر پنہاں اس جوہر کو ڈھونڈتا ہے' جو اس شے کی پہچان ہے' اس شے کا راز ہے اور یہ راز اور یہ جوہر اور یہ صفت انسان کی اپنی کسی صفت کا مظہر ہوتی ہے۔
شعر و ادب کی دنیا میں انسان نے مظاہر فطرت کو استعاروں اور علامتوں کے روپ میں شامل کیا ہے اور اس طرح اس نے جہاں اپنی زندگی کو پر لطف بنایا وہاں اس نے ہر ذی جان اور بے جان شے کو اسم دیا اور اس کو معنی عطا کئے۔

پہاڑوں کو انسان نے اپنے عزم کا مظہر کیا۔ نہ بدلنے والا اٹل ارادہ' پہاڑ کی طرح اپنی جگہ سے نہ ملنے والا۔ اللہ تعالیٰ نے بھی ارشاد فرمایا کہ ''پھر تمہارے دل سخت ہو گئے' جیسے وہ پتھر ہوں حالانکہ میں نے پتھروں سے بھی نہریں جاری کی ہیں۔'' گویا پتھر سے دریا کا نکلنا ایسے ہے جیسے سخت دل انسان کا دل بھر آنا یا آنکھ سے آنسو کا بہنا۔

دریا کو زندگی کا دریا کہا گیا' جو موت کے سمندر میں ڈوبتا ہے۔ ہر دریا آخر کار تاریک سمندر میں گر جاتا ہے۔ وقت دریا ہے اور لوگ تنکوں کی طرح اس میں بہتے چلے جا رہے ہیں۔
دشت و صحرا کو بھی عجب معنی ملے۔ دشت جنوں' دشت وحشت' یادوں کا صحرا' وچھوڑے کا تھل' دشت فرقت اور پھر صحرا کی پیاس۔ یہ سب اہل ذوق کے پر مغز استعارے ہیں۔
سمندر کو ہستی کا آغاز و انجام کہا گیا۔ انسان بادلوں کی طرح سمندر سے آتا ہے اور واپس سمندر کو چلا جاتا ہے کہ یہی اس کا گھر ہے' یہی خالق ہے یا مظہر تخلیق ہے۔

سمندر یا قلزم سے بڑے معنی وابستہ ہیں۔ بڑے استعارے ہیں۔ بڑی علامتیں ہیں۔ سمندر روح ہے۔ نصف شب کو جاگتا ہے۔ طوفان میں ہو تو کناروں کو اڑا دے' پر سکون ہو تب بھی گہرائی کی وجہ سے پر خوف ہو۔ سمندر مردار کو باہر نکال پھینکتا ہے۔ اس کے باطن میں خزانے ہیں۔ موتیوں کے' زندگی کے اور اس کے اندر انسان کیلئے بڑے علوم ہیں۔ جب تک سمندر زندہ ہے' زندگی ختم نہیں ہو سکتی۔ سمندر گہرا ہے' کڑوا ہے۔ نا قابل تسخیر وسعت کو سمندر کہا گیا۔ فیاضی اور علم کے پیکر کو سمندر کہتے ہیں۔ قلزم رحمت' وسیع و بے پایاں' صفت الٰہی ہے اور پھر سمندر خاموش ہو گیا یعنی محبت کی امواج میں ٹھہراؤ کا مقام۔ موج کے نام سے کتنا ہی لٹریچر موجود ہے۔
آیئے دیکھیں! انسان نے اپنے گرد رہنے والے جانداروں سے کیا حاصل کیا۔ انہیں کیسے کیسے معنی دیئے۔ ان سے کیا کیا سبق' عبرت اور نتیجے نکالے۔

پرندوں کی دنیا میں شاہین کو لیجئے۔ مرد مومن ہی شاہین ہے۔ پرندوں کی دنیا کا درویش ہے۔ آشیانہ نہیں بناتا۔ بلند پرواز ہے۔ بلند نگاہ ہے۔ پہاڑوں کی چٹانوں میں رہتا ہے۔ قصر سلطان سے گریز کرتا ہے۔ یہ ایک مرد حُر کی صفات عالیہ ہیں۔

ایک آزاد قوم کیلئے شاہین ایک بہت بڑا استعارہ ہے۔ سورج کو نگاہ میں نہیں لاتا۔ مر جائے تب بھی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

زمین پر نہیں گرتا۔ اس کی نگاہ آسمانوں پر رہتی ہے۔ اس کا رزق صالح اور پاکیزہ ہے یعنی زندہ کبوتر شکار کرتا ہے۔ شاہین مانگ کے نہیں کھاتا۔ قانع ہے۔ غیرت والا ہے۔ متوکل ہے۔ قوی ہے۔ جھپٹتا ہے۔ پلٹتا ہے۔ خون گرم رکھتا ہے۔ نگاہ تیز رکھتا ہے۔ درویشی میں بادشاہی کرتا ہے اور بادشاہی میں درویشی کرتا ہے۔ اقبال کا شاہین ہی اقبال کا مردِ مومن ہے۔ اقبال نے جوانوں میں عقابی روح کے بیدار ہونے کی دعا کی ہے۔ عقابی روح کا کام ہے آسمانوں کی طرف پرواز کرنا اور پھر شہباز لامکاں' شہباز طریقت' شہباز خطابت اور پھر ہمارے شاہین یعنی ہماری ایئر فورس۔ ایک پرندے نے کیا نہیں دیا ہمیں۔ یہی خودی کا ترجمان ہے۔ یہی محرم لامکاں ہے۔ یہی فاتح زمان و مکاں ہے۔ یہی شاہین رازِ ہستی کا راز داں ہے۔ شاہین بھوک سے مر جاتا ہے' لیکن مردار نہیں کھاتا۔ شاہین صفات مومن کا مظہر ہے اور خودی کا نگہبان ہے۔ انسان کی خود شناسی کو پرندوں نے بڑی آسانیاں عطا فرمائی ہیں۔ گدھ یا کرگس۔ اس پر کیا کچھ نہیں لکھا جا چکا ہے' اندازہ کرنا مشکل ہے۔ آج کے ادب میں گدھ ایک عظیم استعارہ اور علامت بن کے ظاہر ہوا ہے۔

ایک ڈرامے میں ایک منظر دکھایا گیا کہ ایک امیر آدمی مر رہا ہے اور اس کے رشتہ دار اس کے پاس خاموش بیٹھے ہیں۔ کٹ کر کے دوسرا منظر پیش کیا گیا کہ ایک ویرانے میں ایک گھوڑا مر رہا ہے اور اس پر گدھ منڈلا رہے ہیں۔ اب آپ گدھ کے بارے میں اندازہ لگا لیں۔ گدھ کی بلند پروازی' مردار کی تلاش میں ہے۔

جن درختوں پر دن کے وقت چمگادڑ الٹے لٹکتے ہیں' انہی درختوں پر رات کو گدھوں کا بسیرا ہوتا ہے۔ یہ تعلق اور تقرب بھی بڑا بامعنی ہے۔

گدھ کی مردار خوری فضا کو آلودگی اور تعفن سے بھی بچاتی ہے۔ بہرحال انسانوں کی دنیا میں کرگس صفت لوگ موجود رہتے ہیں اور کرگسی عمل بھی جاری رہتا ہے۔

کبوتر اور فاختہ امن کے نشانات ہیں۔ یہ صلح اور امن کے استعارے ہیں۔ طوطا ایک ایسا پرندہ ہے جس پر بڑے بڑے ادیبوں نے بہت کچھ لکھا ہے۔ مولانا روم نے ایک طوطے کی کہانی لکھی ہے کہ ایک سوداگر نے پنجرے میں ایک بولنے والا طوطا رکھا ہوا تھا۔ سوداگر سفر پر جانے لگا تو اس نے طوطے سے پوچھا کہ تیری کوئی خواہش۔ طوطے نے اپنے گرو طوطے کو پیغام بھیجا کہ آزاد فضاؤں میں رہنے والو' غریب قیدی کا سلام قبول کرو۔ سوداگر نے پیغام دیا۔ گرو طوطا سن کر مر گیا اور ساتھ ہی سارے طوطے گر کر مر گئے۔ سوداگر نے یہی افسوسناک خبر اپنے طوطے کو آ کر بتائی۔ وہ بھی مر گیا۔ سوداگر نے اسے پنجرے سے نکال کر پھینک دیا۔ وہ طوطا اڑ گیا اور بولا: ''اے سوداگر! میرے گرو نے میری فریاد پر مجھے رہائی کا یہی راستہ بتایا تھا کہ مرنے سے پہلے مر جاؤ۔ آزاد ہو جاؤ گے۔ پس یہ ہے وہ راز جو گرو مرید کو دیتا ہے۔ بہرحال طوطا' علم کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔

ایک معمولی سا کوا بھی لٹریچر کا حصہ بن گیا۔ ''کاگا'' ایک پیغام ہے' کسی آنے والے کا۔ ''کاگا'' اٹریا پر بولتا ہے۔ ''کاں'' بنیرے پر بولتا ہے اور پھر پردیسی گھر آ جاتے ہیں۔ کوا منافق نہیں' اندر باہر سے کالا ہے جبکہ بگلہ منافق ہے۔ باہر سے سفید اور اندر سے بدباطن۔ مچھلی کے انتظار میں مصروف عبادت نظر آتا ہے۔ قمری' تیتر اور چکور'

www.iqbalkalmati.blogspot.com

آوازوں کے استعارے ہیں۔ اللہ کا کثرت سے ذکر کرنے والے لوگ ان آوازوں کا بہت احترام کرتے ہیں۔

مور' نفس کا وہ مقام ہے جہاں انسان اپنے رنگ پر ہی مست ہو جائے۔ ظاہر پرست انسان مور ہے' ان کا مارا ہوا۔

اسی طرح جانوروں میں شیر کو لیں۔ اللہ کا شیر' یعنی اسد اللہ۔ ایک مقام ہے۔ ایک صفت ہے' ایک انداز ہے' ضرب یداللّٰہی کا۔ شیر ربانی ایک لقب ہے' ایک روحانی مقام ہے۔ شیر خواب میں نظر آئے تو روحانی فیض کی دلیل ہے۔ شیر بیباکی اور جرأت کا مظہر ہے۔

''اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی''

جہاں شیر دلیر ہے' وہاں گیدڑ بزدل' لومڑی مکار' سانپ چھپا دشمن ہے' چمکیلا لیکن زہریلا۔ سانپ کبھی وفادار نہیں ہوتا۔

وفا کے باب میں کتے اور گھوڑے کا ذکر آتا ہے۔ کتا اگر کتے کا بیری نہ ہوتا تو کبھی نجس نہ ہوتا۔ گھوڑے کو لٹریچر میں بڑا حصہ ملا ہے۔ غالب نے دو اشعار میں گھوڑے کو زندگی اور موت سے تعبیر کیا ہے۔ ''زندگی کا سرکش گھوڑا سرپٹ دوڑ رہا ہے' انسان سوار تو ہے لیکن بے بس کا یہ عالم ہے کہ ہاتھ باگ پر ہے نہ پاؤں رکاب میں۔ انسان کا ایک پاؤں ہوس کی زمین میں گڑا ہوا ہے اور دوسرا پاؤں موت کے گھوڑے کی رکاب میں ہے۔'' زندگی اور موت کو بیان کرنے کیلئے گھوڑے سے کیا فائدہ اٹھایا گیا ہے۔ غرضیکہ ہر جانور' ہر پرندہ' ہر شے انسان کیلئے معنی رکھتی ہے۔ انسان غور کرے تو یہ کائنات علم کے وسیع خزانوں سے مالا مال نظر آئے گی۔ انسان کو اپنا پرتو اور اپنے خالق کا جلوہ اسی کائنات میں نظر آئے گا۔

یوسفؑ کے خواب میں آنے والے گیارہ ستارے' چاند اور سورج ان کے اپنے بھائی اور ماں باپ تھے۔ سبحان اللہ! یہ علم اس نے خود عطا کیا ہے' جس نے انسان کو شاہکار تخلیق بنایا۔ انسان کو شرف بخشنے والے نے انسان کو علم عطا کیا۔ کائنات کا علم' کائنات کی اشیاء کا علم۔ کائنات کی زندگی اور اس کے حسن کا علم۔

یہ کائنات آئینہ ہے' انسان کی اپنی کائنات کا۔ ہر طرف انسان کی اپنی صفت پھیلی ہوئی ہیں۔ انسان غور کرے تو اسے معلوم ہوگا کہ یہی کائنات انسان کا باطن ہے اور انسان اس کائنات کا باطن۔ یہ کائنات ایک کھلی کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں حقیقت ہی حقیقت ہے' معنی در معنی' استعارہ در استعارہ' علامت در علامت۔

انسان کی کائنات حسن' حسن کائنات کا خوبصورت عکس ہے۔ ''چاند'' محبوب ہے اور چاندنی محبوب کی یاد۔ چاند دور ہو تو چاندنی پاس ہوتی ہے۔ چاند پاس ہو تو چاندنی ختم ہو جاتی ہے۔ پھول دل میں بسنے والا دوست ہے اور کانٹا آنکھوں میں کھٹکنے والا رقیب۔

غرضیکہ لامحدود جلوہ کائنات میں موجود ہے۔ انسان کی تلاش کیلئے اور تلاش ذات کیلئے اسی کائنات میں ایک مخفی اور حسین کائنات موجود ہے۔ معنی کی کائنات' جلوؤں کی کائنات' انسان غور تو کرے۔

☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اے ہمدم دیرینہ

تم تو بڑے نڈر تھے۔ تم ماں باپ سے بھی نہیں ڈرتے تھے۔ تم کسی ناگہانی آفت سے کبھی خوفزدہ نہیں تھے۔ تم بڑے حوصلے والے تھے' مگر آج۔ تم اپنے سائے سے ڈر رہے ہو۔ تم اپنی اولاد سے خوفزدہ ہو۔ تمہارے بچوں نے تمہیں کس اذیت سے گزارا ہے۔ بے خوف دل میں خوف کا پیدا ہونا عجب ہے۔ یہ بڑا انتشار ہے۔ بزرگوں سے کی گئی گستاخیوں کی سزا گستاخ بچوں کی شکل میں ملتی ہے۔ بے ادب اور گستاخ اولاد والدین کو ریزہ ریزہ کر دیتی ہے۔ میرے دوست' والدین کی روحوں سے معافی مانگو تاکہ تمہارے بچے تمہاری عاقبت اور عبرت نہ بنیں۔ جس نے والدین کا ادب کیا' اس کی اولاد مؤدب ہوگی۔

آج تمہارے پاس پیسہ ہے' لیکن غریبی کا ڈر بھی ہے۔ کل تک تم غریب تھے۔ تمہیں ڈر نہیں تھا۔ تم نے کبھی سوچا یہ سب کیا ہے؟ دولت جمع کرنے والا' اسے گننے والا' اس سے محبت کرنے والا کبھی سکھی نہیں ہوتا۔ دولت کی آرزو میں غریبی کا ڈر ہے۔ غریب کو غریب ہونے کا ڈر نہیں ہوتا۔ اس کو امید ہوتی ہے کہ کبھی بھلے دن آئیں گے۔ امیر آدمی کو ڈر ہوتا ہے کہ کبھی برے دن نہ آ جائیں۔ تمہارے بزرگوں کے پاس پیسہ کم تھا' سکون زیادہ تھا۔ تمہارے پاس پیسہ زیادہ ہے' سکون نہیں ہے۔ شاید سکون امیر ہونے کی آرزو سے نجات پانے ہی میں ملتا ہے۔ تم نے اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیا ہوگا کہ دولت کبھی کسی کو سکون نہیں دیتی۔ دولت کی افادیت ہی پیسے خرچ کرنے میں ہے اور خرچ کرنے سے یہ کم ہو جاتی ہے۔ گویا دولت کی افادیت ہی اس کے کم ہونے میں ہے۔ دولت جمع رہے تو اس کی افادیت ہی نہیں ہے۔ دولت مند کنجوس اور بخیل ہو جاتا ہے۔ وہ دراصل کسی اور کے مال کی حفاظت پر مامور ہے اور یہ مال اس کے لواحقین کی وراثت ہے۔ دولت کی تمنا' اس کا حصول' اس کا ارتکاز سب انتشار کے ابواب ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ غریب سکون میں ہو' لیکن یہ ضروری ہے کہ دولت مند سکون سے محروم ہوگا۔ ہمدم! اپنی کمائی' جائز اور ناجائز کمائی' محروم انسانوں تک پہنچا کر اپنے لئے سکون کا اہتمام کرو۔

اگر تمنا حاصل سے زیادہ ہو' تو اضطراب پیدا ہوگا' انتشار ہوگا اور اگر حاصل' تمنا سے زیادہ ہو' تو سکون کا باعث بنے گا۔ کم آرزو والے انسان مطمئن رہتے ہیں۔

تم محبت بھی کرتے ہو۔ انسانوں سے نہیں' اشیاء سے۔ تمہیں کثرت عزیز ہے۔ تم آلائش سے آرائش سے' آسائش سے' زیبائش سے اور نمائش سے محبت کرتے ہو' تم فطری جذبات سے محروم ہو چکے ہو۔ تم اپنے مکان کو ہی سجاتے رہتے ہو۔ اس میں فانوس روشن کرتے ہو' اس میں چراغاں کرتے ہو' مگر تمہارے دل کی دنیا میں چراغاں نہیں ہے۔ مکان جگمگا رہے ہیں اور دل بجھے ہوئے۔ باہر کا چراغاں دل کا اندھیرا دور نہیں کر سکتا۔ یہ روشنیاں کیا ہیں' جبکہ اتنا اندھیرا ہے۔ یہ محفلیں کیا ہیں جبکہ روح کے اندر تنہائی چیختی رہتی ہے۔ یہ انتشار کیا ہے؟ سب منتشر ہیں۔ ایک دوسرے کے پاس رہنے والے ایک دوسرے سے ناشناس کیوں ہیں؟ کیا کوئی کسی کو نہیں جانتا؟ کیا کوئی کسی کے دل کے قریب نہیں؟

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کیا کوئی کسی کے اندر نہیں جھانکتا؟ کیا سارے ہی سب سے اجنبی ہیں؟ کیا سارے اپنے آپ سے بیگانہ ہیں؟

کیا انجمن صرف تنہائی کا میلہ ہے؟ قہقہوں کے شور میں کوئی سسکیاں نہیں سنتا۔ کیا ہنستے ہوئے چہرے سب نقلی ہیں' سب لبادے ہیں ہمدم! تم کون سی دنیا میں رہتے ہو۔ جہاں بھیڑ ہے اور تنہائی ہے۔ جہاں آرزوؤں کے طوفان میں لوگ ایک دوسرے سے بچھڑ گئے ہیں۔ کیا سب لوگ سب کی تلاش میں ہیں؟ کیا کوئی کسی کی تلاش میں نہیں؟

تم کس فکر میں سرگرداں ہو؟ تم ہمہ وقت مصروف کیوں ہو؟ تمہیں کیا ہو گیا؟ تمہارے پاس وقت نہیں۔ کیا تم نے زندگی بیچ دی ہے اور اب تمہارے پاس اس سے حاصل ہونے والا مال خرچ کرنے کا وقت بھی نہیں ہے؟ تم نے مکان بنایا اور اس میں رہنے کا وقت نہیں تمہارے پاس۔ تم نے خوشی حاصل کرنے کیلئے دل بیچ دیا' اب خوشی کیسے محسوس کرو گے۔ تمہارے پاس آسانیاں ہیں' لیکن دل ہی نہیں۔ تم مشین بن گئے ہو۔ ہمہ وقت مصروف' جذبوں سے عاری' غم اور خوشی سے لاتعلق' سب سے بیگانہ اپنے آپ سے بھی بیگانہ۔ یہ کیا انتشار ہے۔ یہ کس جرم کی سزا ہے۔ بے کیف زندگی' بے جان حرکات' بے سمت سفر' بے معنی تگ و دو' بے نام منزلیں' بے امام مسافرت' بے حضور قلوب' بے نور دیدے' بے شعور الجھنیں' بے سبب اندیشے' بے وجہ دھڑکے' بے نصیب کوششیں اور بے لگام وحشتیں۔

یہ دنیا کہاں جا رہی ہے' کچھ تم ہی بتاؤ۔ یہ سب لوگ کہاں سے آ رہے ہیں۔ کدھر کو جا رہے ہیں' آوازیں ہی آوازیں ہیں اور کچھ سنائی نہیں دیتا' بھیڑ ہی بھیڑ ہے اور کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ آنا اور جانا' جانا اور آنا یہ سب کیوں ہے۔

انسان کماتا ہے تاکہ زندہ رہے اور زندہ رہتا ہے تاکہ کماتا رہے۔ یہ کیا ہے؟ تم اس جہان رنگ و بو میں کیسے گزر کر رہے ہو؟ تم نے شاید سوچنا چھوڑ دیا' اچھا کیا۔ سوچنا بہت بڑی بیماری ہے۔ ایسی بیماری جس کا علاج نہیں ہے۔ سوچنے والے کو کبھی رات کو سورج نظر آتا ہے' کبھی دن کو تارے نظر آتے ہیں۔ وہ ہر شے کو ایک اور زاویے سے دیکھتا ہے۔ سوچنے والا الفاظ کے معنی ہی نہیں' معنی کے چہرے بھی دیکھتا ہے اور پھر ان چہروں سے محو کلام ہوتا ہے۔ چہرے کے معنی اور معنی کے چہرے' عجب بات ہے۔ لیکن یہ کوئی بات نہیں۔ سوچنے والوں کی دنیا' دنیا والوں کی سوچ سے الگ ہے۔ سوچنا اور ہر وقت سوچنا ہلاکت ہے۔ تم نے اچھا کیا کہ تم سوچ سے نکل گئے۔ اب تم عمل ہی عمل ہو' بے وجہ اور بے نتیجہ عمل' لیکن تم مصروف ہو۔ شاید تم مصروف رہنے کو کامیابی سمجھتے ہو۔ مصروف' ہمہ وقت مصروف' مشین کی طرح' دریا کی طرح' چیونٹی کی طرح گردش افلاک اور گردش حالات کی طرح۔ تم سوچ میں وقت ضائع نہیں کر سکتے' کیونکہ وقت قیمتی ہے اور اس کی قیمت تم وصول کر چکے ہو۔ تمہیں حرکت دینے والی طاقت کا نام ضرورت ہے اور ضرورت کا پجاری کثرت پرست ہوتا ہے۔ کثرت پرست کو سوچ' تدبر اور فکر مل ہی نہیں سکتے۔ تم جس دنیا میں ہو۔ اس میں وہی کچھ ہے' جو ہے۔

لیکن کبھی کبھی جب ضرورت ساتھ چھوڑ دے اور عمل کی قدرت نہ رہے تو اس بات پر غور کرنا یہ سب کس لئے۔ اگر یہ سب کچھ اس لئے اکٹھا کیا ہے کہ اسے چھوڑ دیا جائے تو اکٹھا کرنے کا فائدہ اور یہ ممکن ہی نہیں کہ اسے نہ چھوڑا جائے۔ یہ عجیب بات ہے کہ محنت کی عادت قائم رہے بھی تو انسان کی طاقت کم ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ اس کا سفر جاری رہتا ہے لیکن سفر کی رفتار مدھم ہو جاتی ہے۔ آنکھیں محفوظ رہتی ہیں لیکن بینائی غیر محفوظ ہے۔ اس کا آنگن پھولوں سے بھرا ہوتا ہے' لیکن وہ رنگوں اور خوشبوؤں کے طلسمات سے لطف اندوز ہونا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بھول چکا ہوتا ہے۔ اس کے دستر خوان کشادہ ہوتے جاتے ہیں' لیکن اس کا ذائقہ ختم ہو چکا ہوتا ہے۔ وہ زندگی بھر کتابیں اکٹھی کرتا ہے کہ کبھی فرصت ملی تو پڑھیں گے' لیکن جب لائبریری مکمل ہوتی ہے تو زندگی بھی مکمل ہو جاتی ہے اور اس طرح کتابوں کا مالک ہونے کے باوجود کتابوں سے ناآشنا ہی رہتا ہے۔

ہمدم! زندگی بڑی طویل ہے لیکن زندگی بڑی مختصر بھی ہے۔ نہ گزرے تو ایک لمحہ نہیں گزر سکتا۔ صدیوں تک ایک لمحہ نہیں گزرتا اور اگر گزرنے لگے تو صدیاں ایک لمحے میں سمٹ کر گزر جاتی ہیں۔ اسی طرح جس طرح ہجر کا لمحہ اور وصال کی صدیاں۔ یہ زندگی عجب ہے نہ سوچو تو کٹتی ہی چلی جاتی ہے اور اگر سوچنے لگو تو وقت ٹھہر جاتا ہے۔ گردشیں رک جاتی ہیں۔ ماضی' حال اور مستقبل صاحب فکر کے سامنے ایک لمحہ میں سمٹ جاتے ہیں۔ ایسا لمحہ جس میں وہ پرانے کاغذ' پرانے خطوط' جن میں پرانے چہرے اور پرانی آنکھیں لکھی ہوتی ہیں' اچانک ایک نیا لباس پہن کر نئے معنی سے نئے سفر پر ہمسفری کی تمنا کرتے ہیں۔ وہ جو نہیں ہوتے' ہوتے ہیں اور جو ہوتے ہیں' نہیں ہوتے اور اس طرح ہونا اور نہ ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ ہمدم! یہ سب سوچ کے طلسمات ہیں۔ فکر کے کرشمے ہیں۔ تمہاری دنیا سے دور تمہارے جہاں سے الگ' تمہارے زمانے میں لیکن تمہارے زمانے سے باہر۔ تمہارے شب و روز میں حاصل اور محرومی ہے' لیکن صاحبان فکر کے ہاں نہ سود ہے نہ زیاں ہے۔ وہاں مسلسل خلش ہے' مستقل تپش ہے' مدام آتش۔

اس لئے تم اپنے سفر پر گامزن ہو۔ تم اپنے شب و روز کو پریشان نہ کرو۔ تم کماتے جاؤ اور کھاتے جاؤ کھاتے جاؤ اور کماتے جاؤ' ہمیشہ ہمیشہ کیلئے۔ تمہارے آنگن میں پھول کھلیں' تمہارے مکانوں میں چراغاں رہے' تمہارے شہروں میں میلے قائم رہیں اور تمہارا دل' دل کی بات بس دل ہی میں رہنے دو۔

☆☆☆

عیاں تھا جس کی نگاہوں پہ عالم اسرار
اسے خبر نہ ہوئی کیا ہوا پس دیوار
یہ کیا غضب کہ مجھے دعوت سفر دے کر
کڑکتی دھوپ میں آنکھیں چرا گئے اشجار
وہاں ہوئی ہے مسخر خلا کی پہنائی
یہاں دھری ہے ابھی تک مزار پر دستار
میں کتنی صدیوں سے اس انتظار میں گم ہوں
الٰہی اب تو مسیحا کو آسماں سے اتار
وہ جس نے توڑ دیا جام آرزو واصف
اسی کے نام سے منسوب ہیں مرے اشعار

☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

صداقت

ایک دوست نے دوسرے سے پوچھا ''بھئی آپ نے زندگی میں پہلا جھوٹ کب بولا'' دوست نے جواب دیا ''جس دن میں نے یہ اعلان کیا کہ میں ہمیشہ سچ بولتا ہوں۔'' سچ اور جھوٹ ہماری زندگی میں کچھ اس طرح شیر و شکر ہو گئے ہیں کہ ان کو جدا کرنا مشکل سا ہے۔ کاذب ماحول میں صادق کی زندگی ایک کربلا سے کم نہیں۔

ایک شیخ نے اپنے مرید کو خرقہ خلافت عطا کیا اور اسے کسی بستی میں تبلیغ کیلئے بھیج دیا۔ کچھ عرصہ بعد شیخ کو اطلاع ملی کہ ان کا مرید بڑا کامیاب ہے۔ سب لوگ اس سے خوش ہیں۔ شیخ نے مرید کو طلب کیا اور کہا کہ خرقہ خلافت واپس کرے۔ مرید نے شیخ سے ناراضگی کا سبب دریافت کیا۔ شیخ نے کہا سنا ہے کہ سب لوگ تجھ سے خوش ہیں۔'' مرید نے کہا'' آپ کی مہربانی ہے۔'' شیخ نے غصہ سے کہا کہ ''سب لوگوں کا خوش ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ تم نے سچ بولنا چھوڑ دیا ہے۔''

سچ اور جھوٹ کی شناخت ہر انسان کو یکساں میسر نہیں ہوتی۔ ایسا ممکن ہے کہ دو انسان اپنی اپنی صداقت کے زعم میں ایک دوسرے سے دست و گریباں ہوں۔ ایک انسان کا انداز فکر دوسرے انسان کے انداز فکر کے برابر نہیں ہوتا۔ شعور اور ترجیحات کا فرق ایک ہی صداقت کے بیان میں فرق پیدا کر دیتا ہے۔ شبنم کے قطرے صبح کی مسکراہٹ بھی ہیں اور رات کے آنسو بھی۔ انداز فکر بدل جائے تو نظارہ بدل جاتا ہے۔

ہم اپنے بچوں کو سچ بولنے کی تلقین کرتے ہیں۔ ہم انہیں کہانیاں سناتے ہیں۔ پریوں کی کہانیاں' جنات کی' شہزادوں کی' بادشاہوں کی کہانیاں اور یہ سب کہانیاں جھوٹ ہیں۔ بچے صداقت کا مفہوم کیا سمجھیں گے؟ اسی طرح ایک بچہ نابالغ ہونے کے ناطے اور بھی کئی صداقتیں سمجھنے سے قاصر ہے۔ ہمارا افسانہ' ہمارا ڈرامہ' سفرنامہ' انشائیہ' غنائیہ' تخلیقی صداقت تو ضرور ہے لیکن عین صداقت نہ ممکن ہے نہ مدعا ہے۔ اگر ادبی تخلیقات کو سچ کہا جائے تو جھوٹ کیا ہے۔ اگر جھوٹ ہے تو سچ کیا ہے۔ حضرت مولانا روم کی مثنوی فارسی زبان میں قرآن کہلاتی ہے' لیکن مثنوی کی اکثر کہانیاں عربی کے قرآن کے مفہوم کے مطابق سچ نہیں ہیں' لیکن ان سے حقیقت فہمی آسان ہوتی ہے۔ بے باک بیانی نے مثنوی کے اندر رہ کر صداقت بن جاتا ہے اگر کوئی اور مصنف ایسی ویسی کہانی لکھ دے تو نہ صرف یہ کہ وہ صداقت نہ رہے گی بلکہ فحاشی بھی بن سکتی ہے۔

دراصل صداقت' بیان کرنے والے کے ساتھ' اپنا رنگ بدلتی رہتی ہے۔ کوئی جھوٹا آدمی سچ بولنے لگے' تو سمجھ لینا چاہئے کہ سچ خطرے میں ہے۔ سچ وہی ہے جو سچے کی زبان سے نکلے۔

سچے انسان کا جھوٹ مصلحت پر مبنی ہو سکتا ہے' لیکن جھوٹے انسان کا سچ منافقت کے علاوہ کچھ نہیں ہو سکتا۔ منافق کی تعریف ہی یہ ہے کہ وہ مومنوں کے سامنے کہتا ہے کہ وہ ایمان لایا اور جب وہ خلوت میں اپنے شیاطین کے پاس ہوتا ہے تو کہتا ہے کہ اس نے مومنوں کو بیوقوف بنانے کیلئے ایمان کا اعلان کیا ہے۔ منافق اس انسان کو کہتے ہیں جو مومنوں اور کافروں میں بیک وقت مقبول ہونا چاہے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بعض اوقات سچ کا بیان بے ربط ہونے کی وجہ سے بے معنی ہو جاتا ہے اور اس طرح اپنا مفہوم کھو دیتا ہے۔ مثلاً اگر میں یہ کہوں کہ ''سورج مشرق سے نکلتا ہے۔ زمین گول ہے۔ پرندے ہوا میں اڑتے ہیں۔ آج ہفتہ ہے۔ میں خوشاب کا رہنے والا ہوں۔ نوائے وقت اچھا اخبار ہے۔''

یہ بیان صداقت تو ہے لیکن بے ربط ہے۔ اس لئے لغو ہے۔ صداقت کے اظہار کا وقت ہوتا ہے۔ ہر وقت کی ایک صداقت ہے۔ غریب اور امیر کی صداقت میں فرق ہے۔ کم علم انسان اور علم والے انسان کی صداقت میں فرق ہے۔ بے یقین انسان کی صداقت میں بھی فرق ہے۔

ہم سچ کو اپنی سچائی کے معیار کے مطابق جانتے ہیں۔ قاتل اور مقتول کا رب تو ایک ہے' لیکن دونوں فریق بیک وقت اس صداقت کو کیسے مان لیں۔ بیمار اور صحت مند انسان ایک ہی صداقت کو ایک جیسا نہیں مان سکتے۔ غرضیکہ ہر انسان اپنے معیارِ فکر سے سچ اور جھوٹ کا اندازہ کرتا ہے۔ محبت کرنے والوں کی صداقت اور ہے' محرومِ محبت کا سچ اور ہے۔ مثال کے طور پر لفظ ''انسان'' کو لیں۔ ہر آدمی انسان کے بارے میں الگ شعور رکھتا ہے۔ انسان کی تعریف میں ہمیں طرح طرح کے بیان ملیں گے۔ مثلاً:

انسان اشرف المخلوقات ہے۔

انسان ظلوم و جہول ہے۔

انسان ہی احسنِ تقویم کی شرح ہے۔ انسان اسفل السافلین بھی تو ہے۔

فطرت انسان پر فخر کرتی ہے۔

فطرت انسان کے اعمال پر شرمندہ ہے۔

انسان روشنی کا سفیر ہے۔

انسان اندھیرے کا مسافر ہے۔

انسان کو سوچنے والا بنایا گیا ہے۔ اس کے سینے میں دھڑکنے والا دل ہے۔

انسان کے پاس سوچنے کا وقت ہی نہیں۔ اس کے سینے میں برف کی سل ہے۔

انسان کو انسان سے اتنی محبت ہے کہ انسان انسان پر مرتا ہے۔

انسان کو انسان سے اتنی نفرت ہے کہ انسان انسان کو مارتا ہے۔

انسان رحمان کا مظہر ہے۔

انسان شیطان کا پیروکار ہے۔

انسان فطرت کے ہر راز سے باخبر ہے۔

انسان کی خاطر اللہ نے شیطان کو دور کر دیا۔

شیطان کی خاطر انسان اللہ سے دور ہو گیا۔

انسان کو اس کے عمل اور ارادے میں آزاد رہنے دیا گیا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

انسان کے عمل پر جبر کے پہرے بٹھا دیئے گئے۔

انسان کو اللہ نے آزادی دی‘ بادشاہی دی‘ عزت دی۔

انسان کو کس نے مجبوری دی‘ غلامی دی‘ ذلت دی؟

انسان حیا کا پیکر ہے۔ انسان لطافتوں کا مرقع ہے۔

انسان جنسیات کے تابع ہے۔ انسان معاشیات سے مجبور ہے۔

انسان سماج بناتا ہے۔

انسان سماج شکن ہے۔

انسان صلح کا خوگر ہے۔

انسان جنگ و جدال کا شائق ہے۔

انسان کو علم ملا‘ زندگی ملی۔

انسان کو جہالت ملی‘ موت ملی۔

انسان دنیا میں بہت کچھ کھوتا ہے۔ بہت کچھ پاتا ہے۔

انسان نہ کچھ کھوتا ہے نہ کچھ پاتا ہے۔ وہ صرف آتا ہے اور جاتا ہے۔

غرضیکہ ایک لفظ ''انسان'' کی صداقت ہی اتنی وسیع المعنی ہے کہ اس کے کوئی معنی نہیں انسان سب کچھ ہے۔ انسان کچھ بھی نہیں۔ انسان کے بارے میں کیا بات سچ ہے‘ کچھ فیصلہ نہیں ہو سکتا انسان اپنے عقیدے کو سچ اور دوسروں کے عقائد کو جھوٹ کہتا ہے۔ ہم اپنے وطن کی خاطر مر جائیں تو شہید۔ دشمن اپنے وطن کی خاطر مر مٹے تو واصل بہ جہنم۔ ہم یہ نہیں سوچ سکتے کہ دوسروں کا عقیدہ ان کیلئے اتنا ہی واجب الاحترام ہے جتنا ہمارے لئے ہمارا عقیدہ۔ پیدا کرنے والے نے ہی خیر اور شر کو تخلیق فرمایا۔ انسانوں کی سرشت میں دنیا کی محبت اور آخرت کی طلب رکھ دی گئی۔ فطرت نے کسی کے ہاتھ میں کاسہ گدائی دے دیا اور کسی کے سر پر تاج شاہی پہنا دیا۔ ایک کی خوشی دوسرے کا غم ہے۔ سچ اور جھوٹ کی پہچان یکساں کیسے ہو سکتی ہے؟

ہم جو کچھ دیکھتے ہیں‘ اسے ویسے ہی سچ سمجھ لیتے ہیں‘ دوربین‘ خوردبین نے ثابت کر دیا ہے کہ ہم جو کچھ دیکھتے ہیں وہ ویسے سچ نہیں۔ ہم ساکن ہیں‘ لیکن ہم متحرک ہیں۔ ہماری عمر بڑھ رہی ہے لیکن ہماری عمر کم ہو رہی ہے۔

یہ سچ ہے کہ سائنس نے انسان کو آسائشیں دی ہیں۔ انسان کو تحفظ دیا ہے۔ انسان کو زمین سے اٹھا کر آسمان تک پہنچا دیا ہے۔ لیکن یہ بھی تو سچ ہے کہ سائنس نے انسان کا جینا حرام کر دیا۔ انسان کو غیر محفوظ بنا دیا۔ انسان کا آسمانی سفر زمین پر آگ برسانے کیلئے ہو رہا ہے۔

سچ اور جھوٹ صرف پہچان کے درجے ہیں۔ ان میں سے کچھ باطل نہیں۔ اس کائنات میں سب سے بڑی سچائی یہ ہے کہ جو کچھ تخلیق کیا گیا ہے‘ وہ باطل نہیں ہے۔

ایک ملک کی سچائی دوسرے ملک کی سچائی نہیں ہے۔ ہم جس شے سے کراہت کرتے ہیں‘ وہ دوسرے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ملک میں مرغوب غذا ہے۔ اسی طرح ایک زمانے کا جھوٹ دوسرے زمانے کا سچ ہو سکتا ہے۔ فاصلوں سے سچ نظر آنے والی شے قریب سے دیکھو تو جھوٹ ہے' سراب ہے۔

زمین پر چاند کی چاندنی ہے لیکن چاند پر چاندنی نہیں۔ اب اصل صداقت کیا ہے۔ زندگی کا خواب الگ ہے۔ خواب کی زندگی الگ۔

انسان کسی ایک صداقت کے سفر میں ہوتا ہے۔ اسے راستے میں اور طرح کی صداقتیں ملتی ہیں۔ وہ انہیں جھوٹ سمجھ کر چھوڑ دیتا ہے۔ انسان اپنے لئے جو کچھ پسند کرتا ہے' عین ممکن ہے کہ اس کیلئے نقصان دہ ہو۔ اسی طرح وہ اپنے لئے جو کچھ ناپسند کرتا ہے' عین ممکن ہے کہ وہ اس کیلئے مفید ہو۔ یعنی ہماری اپنی پسند اور ناپسند کی صداقت بھی جھوٹ ہو سکتی ہے۔

اسی طرح منافقین اگر مسجد بنائیں اور ان کی نیت یہ ہو کہ مسلمانوں کو نقصان پہنچایا جائے تو یہ حکم ہے کہ ایسی مسجد کو گرا دیا جائے۔ مسجد سچ ہے' لیکن بدنیت انسان بنائے' تو جھوٹ ہے۔

ہر انسان سچ اور جھوٹ کا فیصلہ نہیں کر سکتا۔ ایک عدالت کا سچا فیصلہ دوسری عدالت میں ہی جھوٹ ہو جاتا ہے اور دونوں عدالتیں سچی ہیں۔

سچ اور جھوٹ کی پہچان اس لئے ناممکن ہے کہ سچ اور جھوٹ کا تعلق عقیدے سے ہے۔ تسلیم سے ہے۔ اس میں تحقیق کا پہلو کم ہے۔

ہم سچائی کی تلاش میں نکلیں تو ہمیں سچائی نہیں ملے گی۔ سچائی نہیں مل سکتی۔ زیادہ سے زیادہ ہم صرف سچے انسان تک پہنچ سکتے ہیں۔ ہم جس انسان کو سچا مان لیں' اس کا فرمایا ہوا ہر لفظ سچ ہے۔ سچے کا فرمان سچ ہے۔ سچ کو ماننے کیلئے ہمیں خود سچائی کا راستہ اختیار کرنا ہے۔ صادق کو ماننے والا صدیق ہی تو ہو گا۔ صادق کی ہر بات صداقت ہے۔

اسی صداقت کے حوالے سے ہی صداقت کائنات یا صداقت ہستی کی پہچان ممکن ہے۔ اگر صادق کا حوالہ نہ ہو تو سچ اور جھوٹ کے الفاظ اپنی اہمیت کھو بیٹھتے ہیں۔ ہم نے سچے دل سے صادق کی ہر بات کو سچ مان کر زندگی کا شعور حاصل کرنا ہے۔

صادق تک رسائی ہی اصل صداقت ہے۔ صادق مل گیا تو سب صداقتیں مل گئیں۔ صادق کے مخالف راستے میں کذب' ہے جہل ہے' بلکہ ابوجہل ہے۔

صادق کے فرمان میں اپنی وضاحتیں شامل کرنے سے سچ میں دراڑیں پڑ جاتی ہیں۔ صادق الہام بولتا ہے' ہم ابہام بولتے ہیں۔

قرآن اللہ کا کلام ہے' سچ ہے..... حق ہے۔ تفسیر انسان کی وضاحت ہے۔ ممکن ہے سچ نہ ہو۔ الہامی کتاب کی تفسیر صاحب الہام ہی لکھ سکتا ہے۔ سچ کو سچ ہی رہنے دیا جائے' اسے کوئی اور لباس نہ پہنایا جائے۔

☆......☆......☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

وعدہ

اللہ کریم کا ارشاد ہے کہ ہم سے ہمارے وعدوں کے بارے میں باز پرس ہو گی۔ وعدہ حال میں ''مستقبل'' کے بارے میں کیا جاتا ہے اور جب مستقبل حال بنتا ہے تو وعدہ کرنے والا ''حال'' ماضی بن چکا ہوتا ہے اور بات آئی گئی ہو چکی ہوتی ہے۔

اپنے عدوں کا پاس کرنے والے لوگ عظیم ہوتے ہیں۔ وہ ہر حال میں اپنے الفاظ کو عمل کا جامہ پہناتے ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ انسان کی زبان سے نکلا ہوا لفظ انسان کے باطن کا اظہار ہے۔ اس طرح نیات اعمال سے اور اعمال نیات سے ظاہر ہوتے رہتے ہیں اور انسانوں کی پہچان بھی ہوتی رہتی ہے اور ان کی عاقبت بھی مرتب ہوتی جاتی ہے۔

ہماری زندگی چونکہ کثیر مقاصد کی زندگی ہے' اس لئے ہمارے وعدے بھی کثرت سے ہوتے ہیں اور وعدوں کی کثرت وعدوں کی عظمت ختم کر دیتی ہے۔ اکثر وعدے متضاد اور متصادم ہونے کی وجہ سے پورے نہیں ہو سکتے۔ اگر وعدے کم کئے جائیں تو ان کے پورا ہونے کا قوی امکان ہو سکتا ہے۔

ہمارے وعدے ہمارے اپنے ساتھ ہوتے ہیں' لوگوں کے ساتھ ہوتے ہیں اور خدا کے ساتھ ہوتے ہیں۔ ہمارا عزم ہمارے اپنے ساتھ ہمارا وعدہ ہے۔ اسے پورا کرنے کی سعی کی جاتی ہے۔ کبھی کبھی حالات اور حادثات رستہ نہیں دیتے اور ہم اپنے عزائم کو حسرتوں میں شمار کر کے چپ ہو جاتے ہیں۔ ہر آدمی کامیاب ہونے کا عزم کرتا ہے اور ہر انسان کامیاب نہیں ہو سکتا۔ یہ واقعات کی سختی کی وجہ سے ہوتا ہے اور ہم ٹریجڈی کا شکار ہو جاتے ہیں۔

لوگوں سے وعدہ بعض اوقات مجبوری کے سبب کیا جاتا ہے۔ وعدہ بات کو کل پر ٹالنے کا ذریعہ ہوتا ہے' لیکن یہ بات ٹلتی نہیں۔ ہمارا وعدہ لوگوں کو منتظر رکھتا ہے اور وعدہ پورا نہ ہو تو لوگ ہمارے کردار کے بارے میں قیاس آرائیاں کرنے لگتے ہیں۔ حقیقت میں ہر وعدہ مشروط ہوتا ہے کہ اگر حالات سازگار رہے تو وعدہ پورا ہو گا اور اگر وہ تعلق جس کی بنا پر وعدہ کیا جاتا ہے' قائم ہی نہ رہے تو ایفائے عہد کی ذمہ داری ختم سی ہو جاتی ہے۔ دوست سے وعدہ دوستی کے قیام کی شرط کے ساتھ ہے۔ محبوب سے وعدہ محبت سے مشروط ہے۔ دوسروں کی وعدہ خلافی کا گلہ کرنے والے بھول جاتے ہیں کہ انہوں نے خود کیا وعدہ کیا ہوا تھا۔

اسی طرح استاد شاگرد' پیر مرید اور گرو چیلے کے درمیان وعدے دو طرفہ ہوتے ہیں۔ استاد علم دینے کا وعدہ کرتا ہے اور شاگرد ادب کرنے کا۔ اگر شاگرد ادب چھوڑ دے تو اس کا علم سے محروم ہونا اس کا ازلی مقدر بن جاتا ہے۔ اس میں استاد کا ایفائے عہد دخل ہی نہیں دے سکتا۔ مرید گستاخ ہو جائے تو وہ سارا نظام طریقت ہی ختم ہو جاتا ہے۔ پیر کی نظر التفات بھی فیض نہیں دے سکتی۔ فیض ادب کا نام ہے اور محرومی گستاخی کا نام۔

انسان کو اپنے عہد پورے کرنے کا حکم ہے۔ یہی بڑے نصیب کی بات ہے کہ ہم اپنے موقف پر قائم

www.iqbalkalmati.blogspot.com

رہیں۔ اپنے الفاظ کی عزت کریں۔ اپنے عہد پورے کریں۔ اگر ہم حق طلب ہیں تو ضرور رستہ ملے گا۔ حقیقت کے متلاشی مایوس نہیں ہوتے۔

ہماری زندگی وعدوں سے بھری ہوتی ہے۔ ہم ہر قدم پر ایک وعدے سے دوچار ہوتے ہیں۔ ایسا ہوگا ایسا کریں گے' ایسا ہی ہوتا ہے اور پھر اسی زندگی میں ایک وعدہ' جو اکثر یاد نہیں رہتا موت سے ہے۔ ایک دن موت سے ملنا ہے اور وہ دن کسی دن بھی آ سکتا ہے اور اس طرح باقی سب وعدے دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔ ہمیں زندگی سے کیئے ہوئے وعدے بھی پورے کرنا ہیں اور موت سے کیئے ہوئے وعدے بھی۔

ہمارا وعدہ خدا کے ساتھ بھی ہے۔ کلمہ طیب ایک عہد ہے۔ ایک وعدہ ہے کہ ہم اللہ کے علاوہ کسی کو معبود نہیں مانیں گے اور اللہ کے محبوب ﷺ کو ہر حال میں آخری نبی مانیں گے اور آپ ﷺ کی ہر بات کو صدقِ دل سے قبول کریں گے۔ یہ وعدہ ہمارا ایمان ہے۔ زندگی کی مجبوریاں اکثر اس وعدے کو پورا کرنے کی مہلت نہیں دیتی۔ جو لوگ اللہ کے ساتھ کیے ہوئے وعدے پر استقامت سے قائم رہے ان پر ملائکہ نازل ہوتے ہیں۔ وہ حالات کی کمی بیشی سے اپنے وعدے کی حرمت کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہی لوگ یقین کے چراغ روشن کرتے ہیں۔ بیمار دلوں کی شفا ان لوگوں کے دم سے ہے۔ انکا سرتن سے جدا کر دیا جائے تو بھی ان کی زبان سے قرآن جاری رہتا ہے۔ سلام ہو ان کی بارگاہ مقدس میں۔

اللہ تعالیٰ نے بھی انسان سے وعدہ کیے ہوئے ہیں۔ نیک اعمال والوں کیلئے جنت کی بشارت ہے اور بداعمال لوگوں کو دوزخ میں لے جا کر کہا جائے گا کہ ''یہ ہے وہ جہنم جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔''

اللہ کے وعدے سچ ہیں۔ اللہ کے وعدے پورے ہو کر رہتے ہیں۔ ہم لوگ شب و روز کے حصار میں گھرے ہوتے ہیں۔ ہم جلد باز اور جھگڑالو ہیں۔ ہم فوری طور پر اپنے اعمال کا نتیجہ چاہتے ہیں' لیکن اللہ کریم ہمیں مہلت عطا فرماتا ہے کہ ہم خود اپنے اعمال کا جائزہ لیں۔ فوری نتیجے کی صورت میں کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمیں عبرت سے دوچار ہونا پڑے۔ ابھی وقت ہے۔ غنیمت ہے۔ توبہ کے ذریعے اپنی بداعمالیوں سے نجات حاصل کی جائے۔ اللہ کا وعدہ ضرور پورا ہو کر رہتا ہے۔ مسلمانوں کیلئے عزت اور کشادگی کا وعدہ ہے۔ مسلمان اسلام سے محبت اور وابستگی قائم رکھیں۔ یقین کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے۔ حالات کا بہتر ہو جانا اللہ کا وعدہ ہے' پورا ہوگا۔

سیاست کے میدان میں بھی بڑے حسین و جمیل وعدے ہوتے ہیں۔ کامیاب سیاستدان وہی ہے جو وعدہ کرنے میں سخی ہو۔ ایک سیاستدان سے کسی نے پوچھا ''آپ نے اتنے وعدے کئے' پورا کوئی وعدہ نہیں کیا۔'' وہ بولا ''ابھی ایک وعدہ باقی ہے۔'' پوچھنے والا نے پوچھا ''کیا؟'' اس نے کہا ''وعدہ پورا کرنے کا وعدہ تو ابھی کیا ہی نہیں؟''

قصہ مختصر یہ ہے کہ حزب اقتدار وعدہ کرتی ہے اور حزب مخالف وعدہ شکنی کا اعلان کرتی رہتی ہے۔ لوگ سنتے رہتے ہیں اور وقت گزرتا رہتا ہے۔

تخلیق پاکستان ایک وعدہ تھا۔ خدا کے ساتھ' مسلمانان پاکستان کے ساتھ' مسلمانان ہند کے ساتھ'

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بلکہ مسلمانانِ عالم کے ساتھ۔ یہی وعدہ ہمارا آئین ہے' بلکہ ہمارا دین ہے۔ اللہ کی زمین پر' اللہ کے بندوں پر' اللہ کے دین کا نفاذ ہی وہ وعدہ تھا جو پورا ہونا چاہئے۔ لوگوں کی زندگی بھی کامیاب بنائی جائے اور عاقبت بھی۔ غریب کو مایوس نہ ہونے دیا جائے اور امیر کو مغرور نہ ہونے دیا جائے۔ یہ وعدہ اس وقت پورا ہوگا جب نہ کوئی مظلوم ہوگا نہ محروم۔

بہرحال اگر ہم اپنے وعدوں کو پورا کرنے کا عزم صمیم کرلیں تو معاشرے سے برائی ختم ہوسکتی ہے۔ ایک سرکاری ملازم جس کا وعدہ تنخواہ کے عوض کام کرنے کا ہے' اپنی محنت یا خدمت کا معاوضہ رشوت کی شکل میں طلب نہیں کرے گا۔ وعدہ بہرحال وعدہ ہے۔

تنہائی میں کیے ہوئے وعدے جب پورے نہیں کیے جاتے تو عدالتوں میں ان کی تشہیر ہوتی ہے۔ ازدواجی زندگی کا سکون وعدہ خلافی کی وجہ سے برباد ہوتا ہے۔ محبت کے رشتے طلاق کی تلوار سے کٹتے ہیں۔ یہ سب وعدوں کی عزت نہ کرنے کا نتیجہ ہے۔ کاروباری زندگی میں وعدہ خلافیاں عدالتوں میں اذیت ناک مراحل طے کرتی ہیں۔

قانون وعدہ شکنی کی الگ انداز میں سزا رکھتا ہے۔ اللہ کریم نے وعدہ خلافی کی الگ انداز میں سزا مقرر کر رکھی ہے۔

مناسب ہے کہ انسان وعدہ کرنے سے پہلے غور کرلے۔ لیکن جب وعدہ کرلیا جائے تو اسے ہر حال میں پورا کرنے کی سعی کی جائے۔ اسلام نے ہمیں صداقت کا درس دیا ہے اور سب سے زیادہ صادق الوعدہ ہستی حضور پرنور ﷺ کی ہے اور اس ہستی کا ہر وعدہ ہمیشہ پورا ہوا۔ درود و سلام آپ ﷺ کے وعدوں کی صداقت پر۔

☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اسلام+فرقہ=صفر

اگر کلام الٰہی یا قرآن کریم میں کسی لفظ کا اضافہ کر دیا جائے یا کسی لفظ کی تخفیف کر دی جائے تو وہ قرآن نہیں رہے گا اور تحریف کرنے والا واجب القتل ہوگا۔

قرآن کریم اللہ کا کلام ہے اور اتنا مکمل ہے کہ اس میں اللہ کے لفظ کا اضافہ بھی ممکن نہیں۔ قرآن سے لفظ شیطان نکالنا ممکن نہیں' بلکہ قرآن کی زبر زیر پیش کو بدلنا ممکن نہیں۔ اس کی حفاظت اللہ کریم نے ایسے انداز سے فرمائی ہوتی ہے کہ یہ مقدس قرآن جیسا تھا ویسا ہی ہے اور ویسا ہی رہے گا۔ نہ بدلنا قرآن کا اعجاز ہے۔ اگر خدانخواستہ یہ بدل جائے تو یہ قرآن نہیں ہوگا۔ قرآن کی ترتیب کو بدلنا بھی ممکن نہیں۔ قرآن اسی کتاب کا نام ہے۔ کسی اور کتاب کو کسی اور زبان کا قرآن کہنا' قرآن مقدس کی شان میں گستاخی ہے' گناہ ہے۔

اسی طرح اللہ کریم کے بارے میں جو علم' تعلیم' اطلاع' خبر اور ارشاد حضور انور ﷺ کی زبان سے عطا ہوا' وہی اللہ کے بارے میں حرف آخر ہے۔ کسی اور مذہب کا کوئی اور بیان' جو ماسوائے بیان پیغمبر ہوگا۔ ہمارے لئے نہیں ہے۔ مثلاً اللہ کو کسی ایسے اسم سے پکارنا جس کی سند حضور انور ﷺ سے نہ ملی ہو' مناسب نہیں۔ پیر کو اللہ اور اللہ کو پیر کہنا نامناسب ہے۔

اللہ کریم کی جو صفات عالیہ حضور ﷺ نے بیان فرما دی ہیں' بس وہی صفات ہیں۔ جیسے اس زمانے میں' ویسے ہی آج کے دور میں اور ویسے ہی ہمیشہ ہمیشہ۔

الاٰں کما کان

اللہ کریم ہم نے دریافت نہیں کیا' معلوم نہیں کیا۔ ہمیں حضور اقدس ﷺ کی ذات نے فرما دیا' ہم نے تسلیم کیا۔ ہم نے سنا اور مان لیا۔

اگر یہ کہہ دیا جائے اللہ ہمارے شہر میں کسی انسان کی شکل میں موجود ہے تو بغیر کسی لمحے کے توقف کے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ جھوٹ ہے' بہتان ہے' سراسر غلط ہے۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اس سے اللہ نے کلام کیا اور اس سے کہا ہے کہ وہ لوگوں سے کہہ دے کہ عذاب آنے والا ہے' تو یہ غلط ہوگا اور کہنے والا جھوٹی نبوت کا دعوی دار لائق تعزیر ہوگا۔

اگر کوئی انسان یہ کہہ دے کہ وہ اللہ سے جو چاہے منوا سکتا ہے تو یہ بات غلط ہوگی' ناممکن ہوگی۔ کن فیکون کی طاقت اللہ ہے۔ اللہ کے پاس انسان کا کہا ہوا اللہ کا کہا ہوا نہیں ہو سکتا۔ الا یہ کہ وہ انسان انسان کامل حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی ہو۔ وہ ذات جو بغیر وحی کے کلام نہ کرے اور یہ صفت کسی امتی سے منسوب کرنا مناسب نہیں۔

اللہ اور صرف اللہ کو ماننے اور اس سے تعلق کا نام اسلام نہیں۔ حضور اکرم ﷺ کے وسیلے کے بغیر

www.iqbalkalmati.blogspot.com

تقرب الٰہی کا تصور خارج از اسلام ہے۔

ہم پر اللہ کی اطاعت فرض ہے۔ اللہ کی عبادت ضروری ہے' لیکن تقرب حق کا کوئی ایسا دعویٰ' جو حضور انور علیہ کے فرمائے ہوئے میزان کے علاوہ ہو' بہتان ہے اور اسے غلط ثابت کرنے کا تکلف بھی غیر ضروری ہے۔

اسی طرح اسلام ایک مکمل اور محفوظ دین ہے۔ اس کو تکمیل کی سند مالک حقیقی نے خود یہ کہہ کر فرمائی کہ ''الیوم اکملت لکم دینکم''، جس دن' جس گھڑی جس لمحہ یہ دین مکمل کر دیا گیا' اس کے بعد کے اضافے' تخلیقیں' تحریفیں' رنگ رنگ کی وضاحتیں' انوکھی تشریحات اسلام پر احسان نہیں بلکہ اس کے برعکس اسلام کو اس کے بنیادی رنگ کے علاوہ کسی اور رنگ میں پیش کرنے کی سعی نامناسب ہے۔

اسلام کا اصل رنگ وہی ہے جو یوم تکمیل کے وقت تھا؛ جس طرح ایک خواب' خواب حسین' خواب مبارک' اپنی رنگارنگ تعبیروں کی وجہ سے خواب مبہم بن کر رہ جاتا ہے' اسی طرح اسلام کی حقیقت وضاحتوں کے اضافی بوجھ میں دب کر رہ گئی ہے۔

آج تک سورج کے منور ہونے کا ثبوت کسی نے پیش نہیں کیا۔ شاید اس لئے کہ سورج کا ثبوت دیکھنے والی آنکھ کے علاوہ ممکن نہیں اور دیکھنے والی آنکھ کو ثبوت درکار نہیں۔

اللہ کو ثابت کرنے کی کوشش کرنے والا بھی اتنا ہی گمراہ ہے جتنا اللہ سے انکار کرنے والا۔ اللہ ثابت کرنے سے ثابت نہیں ہوتا۔ اللہ کو ماننا ہے' جاننا نہیں ہے۔ یہ تسلیم بغیر ایمان کے نہیں اور ایمان پیغمبر علیہ کی صداقت کو تسلیم کرنے کا نام ہے اور یہ تسلیم اطاعت شریعت محمدی علیہ ہے۔ اسلام تحقیق سے نہیں' تسلیم سے حاصل ہوتا ہے۔

اسلام کو عمل سے نکال کر علم میں داخل کرنے والے اسلام کے محسن نہیں ہیں۔ اسلام پر کتابیں لکھنا اور کتابوں پر کتابیں لکھنا اور تبصرے کرنا اور تقریریں کرنا اسلام نہیں۔ ایک کافر اسلام پر یا حضور علیہ کی حیات طیبہ پر کتاب لکھ کر تو مومن نہیں ہو سکتا۔ مومن وہ ہے جس کو اعتماد شخصیت نبی علیہ حاصل ہو اور جسے وابستگی نبی علیہ حاصل ہو۔ مومن وہ نہیں' جسے بھائی مدد کو پکارے تو وہ اسے قرآن سنانا شروع کر دے۔ مومن وہ نہیں' جو وعدہ پورا نہ کرے اور نماز پوری کرے۔ مومن وہ نہیں جو منبر پر کھڑے ہو کر مسلمانوں میں انتشار پھیلائے۔ فرقہ پرست' حق پرست نہیں ہو سکتا۔

اسلام مسلمانوں کی وحدت فکر و عمل کا نام ہے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت ہمیشہ اسلام کے قریب رہے گی۔ وحدت ملت سے جدا ہونے والا فرقہ اسلام سے جدا ہو جاتا ہے۔

شارحین اسلام کی طویل اور معکوس وضاحتوں نے فرقے تخلیق کئے ہیں۔ فقہا' علماء اور فقراء کی نیت پر شک نہیں۔ ان کا تدبر درست' ان کے ارشادات بجا' لیکن مسلمانوں کی وحدت' ان کی تعمیر و ترقی کیلئے اسلام کے اتنے فرقے کس حد تک موزوں رہے' تاریخ شاہد ہے۔ اسلام کے شجر کو اتنے پیوند لگائے جا چکے ہیں کہ اس کا اصل رنگ دب کر رہ گیا ہے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ سب فرقے اپنے اپنے مقام پر صادق ہیں' تو بھی فرقہ سازی کا عمل خوبصورت عمارت کو اینٹ اینٹ میں تقسیم کر دے گا اور اسلام کا رعب جمال' جو باعث عروج و کمال تھا' اضمحلال و زوال کا شکار ہو جائے گا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہر فرقہ وحدت ملت کی طرف سفر کرے اور ایک بار پھر وہی مقام حاصل ہو جائے جو اسلام کا حق ہے اور یہ حق برحق ہے۔

بڑے افسوس کا مقام ہے کہ ہمارے ہاں کئی لاکھ مساجد ہیں اور کئی لاکھ آئمہ مساجد۔ اسکے باوجود قوم کا عالم یہ ہے کہ معاشرے میں تمام برائیاں موجود ہیں۔ اسلام کا بیان بہت ہو چکا' اب اسلامی عمل کا وقت ہے۔ اپنے سماج کی تطہیر اور اس کے بعد تطہیر نظام دنیا منصب اسلام ہے۔

آیئے ایک سرسری جائزہ لیں کہ ہمارے ہاں اسلام کے نام پر کیا کیا ہو رہا ہے اور اس کا نتیجہ کیا برآمد ہو رہا ہے۔

مذہبی فرقے اور ان کے سربراہ' دوسرے مذہبی فرقوں اور ان کے سربراہوں پر تنقید کر رہے ہیں۔ مقام توحید اور مقام رسالت ﷺ کے تحفظ کے نام پر ایک گروہ دوسرے گروہ کا مخالف ہے۔ یارسول اللہ ﷺ کہنے یا نہ کہنے پر ابھی تک دلائل دیئے جا رہے ہیں۔ تبلیغی جماعتوں کے انداز فکر پر بہت کچھ کہا جا رہا ہے۔ تقریباً ہر فرقے کے پاس ہر دوسرے فرقے کیلئے فتویٰ کفر موجود ہے۔

مسلمانوں کو اسلام کا ماضی سنا سنا کر ملت اسلامیہ کو قصہ ماضی بنایا جا رہا ہے۔ اسلام میں اتنا اسلام ملا دیا گیا ہے کہ اب نتیجہ صفر ہے۔ ہر فرقہ اسلام کے نام پر علیحدہ ہوتا جا رہا ہے' حالانکہ اسلام وحدت ملت کا نام ہے۔

سیاسی اور سماجی تحریکیں اسلام کے نام پر قائم ہیں اور ان میں اتنا فرق ہے کہ اصل اسلام کا پتہ نہیں چلتا۔ ایک مسلمان ملک کا معاشرہ دوسرے مسلمان ملک کے معاشرے سے مختلف ہے۔ صحیح اسلامی معاشرہ کہیں قائم نہیں ہو سکا۔

اسلام ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے' اس لئے سب کے غور کرنے والی بات ہے کہا کہ مسلمان ملک دوسرے مسلمان ملک کے خلاف جنگ جہاد لڑ رہا ہے۔ مسلمان مسلمانوں سے لڑ رہے ہیں۔ اس لئے کہ ہر ایک کا اسلام مختلف ہے۔ اسلام میں اسلام کے نام پر بہت کچھ ملایا جا چکا ہے۔

اس کے برعکس افغانستان پر روسی حملہ کے باوجود کسی طرف بھی جہاد کی ضرورت کا احساس نہیں پیدا ہوا۔ اسلامی شعور مفقود ہوتا جا رہا ہے۔

اپنے ملک میں اسلام کے نفاذ کی کوشش جاری ہے۔ چودہ سو سال بعد بھی مسلمانوں پر اسلام کا نفاذ ایک مسئلہ ہے۔

غور کرنا پڑے گا کہ یہ کیسے مسلمان ہیں جن پر ابھی اسلام کا نفاذ ہونا ہے اور یہ کیسا اسلام ہے جو ابھی مسلمانوں پر نافذ ہونا ہے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

میلاد مصطفےٰ ﷺ کانفرنس کچھ اور تقاضا رکھتی ہے۔ تبلیغی جماعت کچھ اور انداز اختیار کرتی ہے۔ علماء کانفرنس' مشائخ کانفرنس سے الگ ہوتی ہے۔ بریلوی' دیو بندی الگ الگ انداز ہیں۔ یا رسول اللہ ﷺ کانفرنس' محمد رسول اللہ ﷺ کانفرنس سے الگ ہے۔ ایک اسلام میں کئی اسلام شامل ہو چکے ہیں۔ نتیجہ یہ کہ......

''حقیقت خرافات میں کھو گئی۔''

اسلام وحدت ملت کا پیغام لایا اور ہم اسلام کے نام پر تفریق کر رہے ہیں۔ اسلام کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ مسلمانوں میں وحدت عمل کی کمی ہے اور یہ حقیقت ہے کہ جب تک تمام فرقے اور تمام شارحین اسلام اکٹھے نہیں ہوتے' وحدت ملت کا تصور تک ممکن نہیں۔

قائداعظم کے پیچھے چلنے والوں سے تو کسی نے کلمہ نہیں سنا تھا' کیوں؟

پاکستان کیلئے جان قربان کرنے والوں سے تو کسی نے نہ پوچھا کہ وہ کس طریقت کے لوگ ہیں۔ افسوس ہے کہ قرآن وہی ہے' اللہ وہی ہے' اللہ کے رسول ﷺ وہی ہیں لیکن اسلام وہی نہیں۔ ہر آدمی اسلام کا دعویدار ہے اور ہر دوسرا آدمی بھی یہی دعویٰ رکھتا ہے' لیکن وہ آپس میں اکٹھے نہیں ہوتے۔ کیوں؟

اسلام میں اسلام کے نام پر بہت کچھ شامل ہو گیا۔ نتیجہ صفر ہے۔ آج اسلامی معاشرہ' اسلام معیشت' اسلامی فقہ' اسلامی اخوت' اسلامی وحدت' اسلامی ثقافت سب بدل سے گئے ہیں۔

ہم حضور پرنور ﷺ کے دور سے اتنی دور آ گئے ہیں کہ ایک بار پھر وہیں سے شروع کرنا پڑے گا۔ کلمہ توحید کو روح وحدت مان کر اسلام کا عمل شروع کرنا چاہئے' ورنہ علم اور صرف علم اسلام سے بہت دور لے جائے گا۔ ایمان والے نفاق سے توبہ کر کے وحدت و محبت میں متحد ہو جائیں' ورنہ کئی اسلام نتیجہ صفر دیں گے۔

اسلام جب اللہ کا دین ہے تو اسے اللہ کی رضا حاصل ہونا چاہئے اور اللہ کی رضا ہی مسلمانوں کی سرفرازی کی ضامن ہے۔ آج کے مسلمانوں کی زبوں حالی اس لئے ہے کہ اسلام میں ملاوٹ ہو گئی ہے۔ آج کے فقہاء مسلمانوں کو ایک اسلام سے وابستہ کر کے انہیں پھر عروج کی منزل دکھائیں۔ ابھی وقت ہے۔ فرقوں سے الگ ہو کر وحدت ملت کی طرف سفر کیا جائے' ورنہ اگر وقت ہاتھ سے نکل گیا تو خدانخواستہ ہر مسجد' مسجد قرطبہ بن کر رہ جائے گی' ماضی کی یادگار عظیم یادگار مسجد قرطبہ حال اور مستقبل سے محروم۔ ہم مسلمان ہیں۔ یہی ہمارا فرقہ ہے۔ یہی ہماری طریقت ہے اور یہی ہماری جمعیت۔ کلمہ طیب ہی کلمہ توحید ہے۔ اسی بنیاد پر وحدت ملت کی عمارت استوار کی جا سکتی ہے۔ مسلمان متحد ہو جائیں تو نصرت اور کامیابی ان کا مقدر ہو جائے' ورنہ اسلام میں فرقہ سازی اور فرقہ کا عمل ہمیں اسلام سے اتنا دور لے جائے گا کہ ہم مسلمان کہلانے کے قابل ہی نہ رہیں گے۔

☆☆☆

کشتی ہچکولے کھا رہی ہو تو اللہ کی رحمت کو پکارا جاتا ہے۔ جب کشتی کنارے لگ جائے تو اپنی قوت بازو کے قصیدے کہے جاتے ہیں۔ بہت کم انسان ایسے ہیں' جو اپنے حاصل کو رحمت پروردگار کی عطا سمجھتے ہیں۔

☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

رفاقت

رفاقت کی تمنا سرشت آدم ہے۔ انسان کو ہر مقام پر رفیق کی ضرورت ہے۔ جنت بھی انسان کو تسکین نہیں دے سکتی' اگر اس میں کوئی ساتھی نہ ہو' کوئی اور انسان نہ ہو' کوئی ہمراز نہ ہو۔ کوئی سننے والا نہ ہو' کوئی سنانے والا نہ ہو۔ آسمانوں پر بھی انسان کو انسان کی تمنا رہی اور زمین پر بھی انسان کو انسان کی طلب سے مفر ممکن نہیں۔

تنہائی صرف اسی کو زیب دیتی ہے جو "لاشریک" ہے' جو ماں باپ اور اولاد سے بے نیاز ہے لامکاں میں رہنے والا تنہا رہ سکتا ہے' لیکن زمین پر رہنے والا تنہا نہیں رہ سکتا۔ یہ انسان کی ضرورت بھی ہے اور اس کی فطرت بھی۔

انسان کسی مقام پر تنہا نہیں رہ سکتا۔ قبل از پیدائش اور بعد از مرگ کے حالات تو اللہ ہی جانتا ہے لیکن زندگی میں انسان پر کوئی دور ایسا نہیں آتا جب وہ تنہا ہو' نہ جنازہ تنہا' نہ شادی تنہا۔

رات کے گہرے سناٹے میں اپنی کرسی پر اکیلا بیٹھا ہوا انسان بھی اکیلا نہیں ہوتا۔ اسے ماضی کی صدائیں آتی ہیں۔ اس کے ساتھ وہ نظارے ہوتے ہیں' جو اس کے سامنے نہیں ہوتے۔ یادوں کے گلاب کھلتے ہیں۔ جلتی بجھتی آنکھوں کے طلسمات وا ہوتے ہیں۔ حسین پیکروں کے خطوط ابھرتے ہیں' ڈوبتے ہیں۔ گزرے ہوئے ایام پھر سے رخصت ہونا شروع ہوتے ہیں۔ خشک شاخیں زخموں کی طرح پھر سے ہری ہوتی ہیں اور اس سناٹے میں آوازیں ہی آوازیں آنی شروع ہوتی ہیں اور یوں تنہائی میں تنہائی ممکن نہیں ہوتی۔

رفاقت کی افادیت سمجھنے کیلئے ضروری ہے کہ انسان اپنی صفات اور اپنی صلاحیتوں کا جائزہ لے۔ ہماری ہر صلاحیت رفاقت کی محتاج ہے۔ ہماری گویائی سماعت رفیق کی محتاج ہے۔ ہماری سماعت آواز دوست کی منتظر رہتی ہے۔ ہماری نگاہ دوست کے چہرے سے خوراک لیتی ہے' ہمارا چہرہ مرکز نگاہ یار ہوتا ہے۔ ہمارے افکار دوست کو روشنی دیتے ہیں اور ہم اس کی فکر سے پرورش پاتے ہیں۔ دل ہمارا ہوتا ہے اور درد دوست کا۔ ہماری خوشیاں شرکت حبیب سے دوبالا ہوتی ہیں اور ہمارے غم غمگسار کے تقرب سے کم ہوتے ہیں۔ ہمارا سفر ہمارے ہمسفر کی معیت سے بامعنی و پررونق ہوتا ہے۔ ہمارا قیام اسی چراغ سے منور ہوتا ہے۔ دوست کی توجہ اور اس کا تعاون ہمیں عروج کی منازل سے آشنا کراتا ہے۔ ہمارے منصوبے ہماری زندگی میں اور ہماری زندگی کے بعد بھی ہمارے دوست کی نگرانی سے پروان چڑھتے ہیں۔

دوست سے گفتگو حکمت و دانائی کے رموز آشکار کرتی ہے۔ ہمارے ظاہر و باطن کا نکھار جمال ہم نشیں سے متاثر ہوتا رہتا ہے۔ ہماری عبادت بھی رفاقت سے سعادت حاصل کرتی ہے۔ ہماری تمام دعائیں اجتماعی ہیں اور اجتماع کی بنیاد رفاقتوں کے فیض سے قائم ہے۔

وہ انسان جس نے رفیق سے وفا نہ کی' کسی سے وفا نہیں کر سکتا' نہ دین سے نہ خدا سے' نہ خود اپنے آپ سے۔ عظیم انسان اپنے حبیب پر غیر متزلزل اعتماد کے سہارے عظیم ہوتے ہیں۔

انتخاب رفیق سے پہلے تحقیق کر لینا جائز ہے' لیکن کسی کو دوست کہہ لینے کے بعد اسے کسی آزمائش

www.iqbalkalmati.blogspot.com

سے گزارنا بددیانتی ہے۔ دوست کے ساتھ صرف ایک ہی سلوک روا ہے اور وہ وفا ہے۔ وفا کرنے والے کسی کی بے وفائی کا گلہ نہیں کرتے۔ اپنی وفا کا تذکرہ بھی وفا کے باب میں ابتدائے جفا ہے۔

رفاقت قائم رکھنے کیلئے انسان کو نہ ختم ہونے والا حوصلہ ملا ہے۔ رفاقتیں گردش حالات سے متاثر نہیں ہوتیں۔ رفاقت صعوبتوں کی گھاٹیوں سے گنگناتی ہوئی گزرتی ہے۔

کائنات کی ہر شے میں ہمہ وقت تغیر ہے' لیکن رفاقت کے خمیر وضمیر میں استقامت کا جوہر ہے۔ رفاقتوں کا منفرور زندگی سے فرار کرتا ہے۔

جس کو زندگی میں کوئی سچا اور سُچا دوست نہ ملا ہو' اس جھوٹے انسان نے اپنی بدبختی کے بارے میں اور کیا کہنا ہے؟

انسانوں کا جہان رفاقتوں کا جہان ہے۔ یہ وفاؤں کی داستان ہے۔ رشتوں کی تقدیس ہے۔ سماجی اور دینی رابطوں کی تفسیر ہے۔ خوش نصیب ہے وہ انسان جس کا ہمسفر اس کا ہم خیال ہو۔

خدا سے لو لگانے والے مخلوق خدا سے الگ بیٹھ کر عبادات کے درجات حاصل کرنے کے بعد مخلوق خدا کے پاس واپس لوٹا دیئے جاتے ہیں تاکہ مخلوق کی رہنمائی کریں۔ تنہائیوں سے واپسی ہی رفاقت کی اہمیت کا ثبوت ہے۔ پیغمبروں نے پسندیدہ رفاقتوں کی دعائیں فرمائیں۔ کوئی عابد عبادت کی غرض سے جنگل میں تنہا بیٹھ جائے تو بھی تنہا نہ رہ سکے گا۔ کچھ ہی عرصہ بعد اس کے گرد انسانوں کا ہجوم اکٹھا ہو جائے گا۔ آستانہ بنے گا' عبادت گاہ بنے گی' لنگر خانے کھل جائیں گے اور طالبان حق وصداقت اس ویرانے میں بستی آباد کریں گے۔

پیدا ہونے والا بچہ جب آنکھ کھولتا ہے تو سب سے پہلے اسے جو شے نظر آتی ہے' وہ انسانی چہرہ ہے۔ شفیق چہرہ' نورانی چہرہ' محبت ومسرت سے سرشار ماما کا مقدس چہرہ۔ اس کے بعد ساری زندگی چہروں کی رفاقت کا سفر ہے۔ ایک انسان کا تقرب ہی انسانیت کا تقرب ہے۔

نیکی' بدی' گناہ' ثواب' سب انسانوں سے وابستہ ہے۔ انسان سے آشنائی خدا شناسی کی کنہ ہے۔ رفاقت کا سرمایہ ہر سرمائے سے افضل ہے۔

انسان' انسان کی خاطر جان پر کھیل جاتا ہے۔ بادشاہ تخت چھوڑ دیتے ہیں' دوست کو نہیں چھوڑتے۔ رفاقتوں کے فیض اعتماد کے دم سے ہیں۔ بداعتماد انسان نہ کسی کا رفیق ہوتا ہے' نہ اس کا کوئی حبیب ہوتا ہے۔ بداعتمادی کی سب سے بڑا سزا یہ ہے کہ انسان کو ایسا کوئی انسان نظر نہیں آتا جس کے تقرب کی وہ خواہش کرے اور نہ وہ خود کو کسی کے تقرب کا اہل سمجھتا ہے۔ تنہائی کی مسافر بیمار روحیں اذیت کی منزلیں طے کرتی ہیں۔

رفاقت زندگی ہے' فرقت موت۔

آج کے مشینی دور نے انسان کو انسان سے دور کر دیا ہے۔ رفاقت بشری سے محروم انسان مال اور اشیاء کی محبت میں گرفتار ہے۔ وہ نظریات کا قائل ہے۔ انسان کا قائل نہیں۔ آج کا انسان انسانوں سے بیزار ہے۔ وہ خود سے بیزار ہے۔ وہ غیر فطری زندگی بسر کر رہا ہے۔ اس پر کربناک تنہائی کا عذاب نازل ہو چکا ہے۔ کوئی کسی سے ہمدردی نہیں رکھتا۔ کوئی کسی کو نہیں پہچانتا۔ کوئی کسی کا بوجھ اٹھانے کو تیار نہیں۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

آج انسانوں کی بھیڑ میں ہر انسان اکیلا ہے' ایسے ہی جیسے ایک وسیع سمندر میں بے شمار جزیرے' ایک دوسرے کے آس پاس' لیکن ایک دوسرے سے ناشناس۔

ناشناسی اور ناآشنائی کی وبا پھیل چکی ہے۔کوئی کسی کا پرسان حال نہیں ہے۔ دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ سے بے خبر ہے۔ بھائی بھائی سے بیگانہ ہے۔ رشتوں کی تقدیس پامال ہو چکی ہے۔ افسر ماتحت کا خیال نہیں رکھتا' ماتحت افسر کا لحاظ نہیں رکھتا۔ استاد شاگردوں سے' شاگرد استادوں سے نالاں ہیں۔

ڈاکٹر مریض کی نبض پر ہاتھ رکھنے سے پہلے اس کی جیب پر ہاتھ رکھتا ہے۔ عجیب بے حسی کا دور ہے۔ رفاقت ختم ہو رہی ہے۔

ملتیں پائیدار رفاقتوں سے بنتی ہیں۔ رفاقت میسر نہ ہو تو عناصر ملت میں ظہور ترتیب ممکن ہی نہیں۔ اینٹ کا اینٹ سے ربط ختم ہو جائے تو دیواریں اپنے بوجھ سے گرنا شروع ہو جاتی ہیں۔ملت کے تشخص کی تلاش دراصل اپنے رفیق کی تلاش کا نام ہے۔ دیار حبیب ہی محبوب ہو سکتا ہے۔ دوست ہی محبت و وفا کا سرچشمہ ہے اور یہ محبت و وفا ملک و ملت کا سرمایہ ہے۔ جس انسان کا ملک میں کوئی دوست نہیں' وہ ملک سے دوستی نہیں کر سکتا۔

ملک کی خاطر قربانیاں دینے والے دراصل اپنی وابستگی کیلئے قربانیاں دیتے ہیں۔ جس کی وابستگی ختم ہو جائے' اس کی حب الوطنی مشکوک ہو جاتی ہے۔ کارواں کو غبار راہ میں چھوڑ کر کسی نامعلوم منزل پر پہنچنے والا رہنما دراصل راہزن ہے۔ رہبر وہی ہے جو قافلے کو شادابی منزل سے آشنا کرے۔

زندگی کا خوب صورت میلہ سنگت کے دم سے ہے۔ سنگت نہ ہو تو اس میلے میں ہر انسان اکیلا ہے۔ یہ میلہ خوش نصیبوں کا میلہ ہے۔ خوش نصیب وہ ہے جو کسی انسان کی تلاش میں گرداں ہے۔ خوش نصیب وہ ہے جو کسی کا منتظر ہے۔ خوش نصیب وہ ہے جو رفیق طریق کے ہمراہ میلے پر نکلا ہے۔ دل میں رفاقت کی روشنی نہ ہو تو چراغوں کے میلے کس کام کے۔ بہرحال ہمارا رفیق ہی ہمارا میلہ ہے۔ وہی ہمیں زندگی اور موت کے جھمیلوں سے نجات دلاتا ہے۔

زقید دو جہاں آزاد گشتم
اگر تو ہمنشین بندہ باشی

☆

تارا ٹوٹا دیکھ کے دل نے کی پکار
کوئی مجھے بھی دیکھتا میں ٹوٹا سو بار

☆

ہری ہری میں ہر گئی میں ہاری ہر بار
ہار ہی موری جیت ہے موہ سنگ کھیلے یار

☆

بابل گھر کی راگنی ہوئی بدیش سوار
شہنائی کی گونج میں سکھیاں کریں پکار

☆......☆......☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

تقدیر بدل جائے تو......!

تقدیر کو اگر وہ فطرت کہہ دیا جائے' جس میں انسان پیدا ہوتا ہے تو تقدیر کا بدل جانا ایک ناممکن سی بات ہے۔ پہاڑ کا اپنی جگہ سے ٹل جانا ممکن ہے' لیکن فطرت کا بدل جانا ناممکن ہے۔ شیر بھوک سے مر جائے گا' لیکن گھاس نہیں کھائے گا' کیونکہ شیر کی فطرت میں ایسے نہیں۔ شیر کا مقدر گوشت ہے۔ شیر کی تقدیر اس کے مزاج کی شکل میں اس کے ساتھ ہے۔

شاہین کو شاید معلوم ہی نہ ہو کہ فطرت نے اس کی فطرت میں بلند نگاہی اور بلند پروازی اس طرح شامل کر دی ہے کہ اسے پرندوں کی دنیا کا بادشاہ کہا جاتا ہے۔ اس کے برعکس فطرت نے کرگس کو بلند پروازی تو دی ہے' لیکن پست نگاہی کا یہ عالم ہے کہ گدھ کی خوراک ہی مردار ہے۔ پرجا گدھ ہو یا رنجہ گدھ' مردار کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مردار خوری اس کی تقدیر ہے' اس کا مقدر ہے۔ گدھ کی آنکھ مردار اجسام کے علاوہ کچھ اور دیکھنے سے قاصر ہے۔

کائنات کی ہر شے کو اپنے اپنے مقدر کیلئے مقرر کر دیا گیا ہے۔ کسی شے کو اپنے مدار اور اپنے حصار سے باہر نکلنا دشوار ہے۔ اجسام اور افراد اپنے مزاج سے نکل کر اپنے آپ کو قائم نہیں رکھ سکتے۔

ہر ذی جان اور بے جان شے کا اپنی تقدیر میں پابند رہنے کا عمل ہی اس کائنات کی استقامت اور اس کے حسن کا راز ہے۔

اگر ہوائیں چلنے سے انکار کر دیں' تو نظام ہستی ختم ہو جائے۔ سورج تپش سے باہر نکل جائے' تو کائنات درہم برہم ہو جائے۔ ہر شے اپنے مقدر میں رہن رکھی جا چکی ہے۔

انسان کو اکثر یہ بات ناگوار لگتی ہے کہ اس کیلئے ایک تقدیر بھی مقرر کر دی گئی ہے۔ پابندی اور جبر انسان کو کبھی پسند نہیں رہا۔ اسے آزادی اور آزاد خیالی سے محبت ہے۔ اگر انسان سے یہ کہہ دیا جائے کہ پستیوں میں رہ کر بلندیوں کی تمنا کرنا ہی اس کا مقدر ہے' تو شاید یہ بات اتنی واضح نہ ہو۔ پابندیوں میں آزادیوں کی تمنا انسان کی سرشت میں تو ہے' لیکن وہ آزادی کی خواہش کو مقدر کی مجبوری ماننے پر بھی تیار نہیں۔

بہشت میں انسان کو ہر طرح سے آزادی تھی' خوشی تھی' محنت کے بغیر خوراک میسر تھی۔ کیا نہیں تھا۔ صرف ایک پابندی تھی کہ اس درخت کے قریب نہیں جانا۔ انسان نے اپنا بہشت قربان کر کے یہ پابندی آخر توڑ ہی دی۔ انسان آزادی چاہتا ہے' مقدر سے بھی آزادی۔

کوئی شخص پیدا نہیں ہوتا جب تک اس کے ہمراہ اس کا مقدر نہ پیدا ہو۔ اچھا یا برا۔ مقدر ضرور ہوتا ہے۔ اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔ انسان کے ماں باپ ہی اس کا مقدر ہیں۔ اب پیدا ہونے والا بچہ والدین کی صفات لے کر پیدا ہوا۔ اسے وہ ماحول ملا۔ وہ عقائد ملے۔ وہ مزاج ملا۔ وہ محبت' وہ شفقت' جو ملا سو

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ملا۔ نفرت ملی تو بھی مقدر ملا۔ بہرحال پیدا ہونے والے کے ساتھ تقدیر موجود ہے۔ اس مقدر سے مفر نہیں۔ انسان اپنے والدین کی تاثیر سے بچ نہیں سکتا۔ والدین کی فطرت ہر طرح سے اولاد پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اثر بڑھتے بڑھتے تقدیر بن جاتا ہے۔

انسان کا اپنا چہرہ اس کی تقدیر ہے۔ عمل اور کردار کے اظہار سے پہلے انسان کا چہرہ اس کیلئے پسندیدگی اور ناپسندیدگی کے جذبات پیدا کر چکا ہوتا ہے۔

انسان کی تقدیر اس کے مزاج کی شکل میں اس کے اندر موجود رہتی ہے۔ یہ مزاج خواہش پیدا کرتا ہے۔ خواہش عمل پیدا کرتی ہے اور عمل ایک نتیجہ پیدا کرتا ہے۔ ہم نتیجہ کو مقدر کہہ لیں یا اس مزاج کو جس سے یہ نتیجہ نکلا' فرق نہیں پڑتا' مقدر بہرحال انسان کے ساتھ ہے۔

تقدیر کے مقابلے میں انسان نے تدبیر کا تصور رکھا ہوا ہے۔ تدبیر یا حسن تدبیر ہی دراصل تقدیر کی مہربانی ہے۔ ہماری تدبیریں تقدیر کی معاوت ہیں۔ تقدیر کے مقابل نہیں آ سکتیں۔ جب برے دن آتے ہیں' تو انسان کی تدبیریں غلط ہو جاتی ہیں۔ ہمیں غلط یا صحیح مشورہ دینے والا دوست تقدیر کا قاصد ہوتا ہے۔

کیا تقدیر بدل سکتی ہے؟ اگر تقدیر بدل جائے تو بدلنے سے پہلے بھی تقدیر کا ہونا بے معنی سا ہے۔ تقدیر بدل جائے تو حاصل بھی ہے تقدیر! دراصل تقدیر نہیں بدلتی۔ جو بدل جائے وہ تقدیر نہیں۔

جب ہم کسی تکلیف میں ہوتے ہیں' تو ہم سمجھ نہیں سکتے کہ تقدیر اب کیا ہے۔ اگر مقدر اچھا ہو' تو کہیں نہ کہیں سے کوئی نگاہ' مردِ مومن کی نگاہ بن کر تکلیف دور کر جاتی ہے۔ نگاہ مردِ مومن ہی تقدیر ہے سب کیلئے نہیں ہے' جس کیلئے ہے اس کا مقدر!

تقدیر پر بحث کرنا مناسب نہیں ہے۔ جبر و قدر کے مسائل بحث سے حل نہیں ہوتے۔ جو کچھ ہو گیا' جو گزر گیا' اسے تقدیر کہہ لیا جائے اور جو ہونا ہے' آنے والا ہے' اسے امکان کہہ لیا جائے' تو بات سمجھ میں آ سکتی ہے۔ آنے والا بدل سکتا ہے' کیونکہ ابھی آیا نہیں' گزرا ہوا بدل نہیں سکتا' کیونکہ وقت کا پہیہ واپس نہیں ہو سکتا۔ یہی تقدیر ہے کہ جو گیا وہ واپس نہیں آیا۔ اگر واپس آیا تو وہ' وہ نہیں تھا' سب کچھ بدل گیا تھا......

جب انسان کا شعور بیدار ہوتا ہے' وہ اس کائنات کی ہمہ رنگ نیرنگیوں کا جائزہ لیتا ہے۔ وہ اپنے لئے کچھ پسند کرتا ہے۔ کچھ انتخاب کرتا ہے۔ بس یہی لمحہ انتخاب' لمحہ تقدیر ہے۔ تقدیر ہمیں ہماری عاقبت کے سامنے لے جاتی ہے۔ یہ خوش نصیبی بھی ہے اور بدنصیبی بھی ہو سکتی ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کو معلوم نہیں تھا کہ آگ کی تلاش ان کیلئے کون سا مقدر لانے والی ہے۔ ہم نہیں سمجھ سکتے کہ ہمارا انتخاب ہمارے لئے کیا دشواریاں اور کیا آسانیاں لائے گا۔ ایک غلط فیصلہ زندگی کو بہشت سے نکال کر دوزخ میں ڈال دیتا ہے اور اسی طرح ایک قدم خوش بختی کا قدم' دوزخ سے نکال کر ہمیں بہشت میں پہنچا سکتا ہے۔

اس کائنات میں ایسے ہوتا ہی رہتا ہے۔ معمولی واقعات بہت معمولی واقعات بڑے غیر معمولی نتائج

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کے ذمہ دار ہو سکتے ہیں۔ تقدیر صرف میرا عمل ہی نہیں۔ تقدیر میرے دوست کا عمل بھی ہے۔ دوست ناراض ہو جائے تو میری تقدیر بگڑ سکتی ہے' حالانکہ میری تقدیر کا میں ہی مالک ہوں۔ ہماری آدھی تقدیر ہمارے اعمال میں ہے اور آدھی ان کے اعمال میں' جو ہم سے وابستہ ہیں۔

انسان اپنی تقدیر آپ بنائے یا اسے بنی بنائی تقدیر مل جائے' فرق نہیں پڑتا۔ ہم ایک مقررہ مدت تک یہاں ہیں اور اس کے بعد ہمارا سفر ختم ہو جائے گا۔ اس کے بعد ہمارے ''فیصلے'' ہمارے اعمال یا ہمارے نتائج پر نہیں' بلکہ ہماری نیات پر ہوں گے۔ اچھی نیت ہی اچھا مقدر ہے۔ اس شخص کی تقدیر بگڑ جاتی ہے' جس کی نیت میں فتور ہو' نیت کا برا انسان مقدر کا برا ہوتا ہے۔

تقدیر کا تعلق منشائے الٰہی سے ہے اور تدبیر کا تعلق میری منشا ہے۔ جو کچھ اللہ نے میرے لئے مقرر کر رکھا ہے' وہ مجھے مل کر رہے گا۔ میری سعی' میری کوشش بغیر منشائے الٰہی کے مجھے کچھ نہیں دے سکتی۔ میں تقدیر کے حصار سے نہیں نکل سکتا' کیونکہ میں وجود سے باہر نہیں نکل سکتا۔ میں آسمانوں کی وسعتوں میں نہیں رہ سکتا۔ میرا ٹھکانہ زمین ہے۔ یہی مقرا مقدر ہے۔

میں گاڑی میں سوار ہونے سے پہلے کسی بھی ذریعہ سفر کا انتخاب کر سکتا ہوں۔ بڑے امکانات ہیں۔ سفر کیلئے بڑے ذرائع ہیں' لیکن جب میں گاڑی میں سوار ہو جاتا ہوں' تو یہ مقدر ہے۔ میں اپنے لئے امکانات کے دسترخوان سے تقدیر کی ڈش منتخب کرتا ہوں۔ مجھے اپنے انتخاب پر گلہ نہیں' اس لئے میں تقدیر سے راضی ہوں۔ وہ انسان' جو اپنی زندگی سے مطمئن ہے' وہ ہر طرح کی تقدیر سے مطمئن ہے۔ جو خود اپنے سے راضی نہیں' وہ تقدیر سے کیوں راضی ہوگا......؟

دنیا کے عظیم انسان صاحب مقدر تھے' صاحبان نصیب تھے۔ ان کا عمل تو واضح ہے۔ ایسا عمل کرنے سے تو اتنی عظمت پیدا نہیں ہو سکتی۔ پیغمبر ﷺ کے دین پر چلنے والے ضرور فلاح پا سکتے ہیں' لیکن پیغمبروں کا مقدر دیکھیں کہ کس کے گھر میں پیدا ہو کر کیا بن گئے۔

اس کائنات کے اندر تقدیر نے عجب تقسیم کی ہے۔ کہیں نغمہ ہے' کہیں رنگ' کہیں مور' کہیں کوا۔ پہاڑ کو میخوں کی طرح گاڑ دیا۔ دریا کو روانی ملی۔ مچھلی تیرتی ہے۔ پرندے اڑتے ہیں۔ سورج روشن ہے' رات تاریک۔ زندگی فانی ہے' زندگی عطا کرنے والا باقی ہے۔ اسی مقدر کی دلآویزیوں میں ہم نے چند روزہ زندگی صرف کرنی ہے۔ اپنے لطف میں سفر کریں۔ میرا مقدر میرے مالک نے میرے لئے بہتر مقرر فرمایا ہے۔ کوئی جھگڑے کی بات نہیں' میری تقدیر کی لکیر میرے ہاتھ میں بھی ہے اور اس کے ہاتھ میں بھی' جس سے میرا تعلق ہے۔ جہاز میری تدبیر ہے۔ بھنور یا کنارا میری تقدیر۔

مکان بنانا میری تدبیر ہے۔ اس میں سکون ملتا ہے یا اضطراب' میرا مقدر ہے۔ اگر انسان پیدائش میں اور موت میں آزاد نہیں' تو اس کی زندگی کیسے آزاد ہو۔ جس کو اپنے آپ پر اعتماد نہ ہو' کسی خوش فہمی پر کیسے اعتماد ہوگا۔ جو انسان اپنے قد سے باہر نہیں نکل سکتا' وہ تقدیر کی حد سے کیسے باہر نکل سکتا ہے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بہر حال تقدیر ماننے والوں کیلئے ایک نعمت ہے' نہ ماننے والوں کیلئے یہ آزمائش ہے۔ اگر یہ سوچ لیا جائے کہ ماضی میرا مقدر ہے' حال فیصلے کا لمحہ ہے' مستقبل امکانات کا خزانہ۔ فیصلے سے پہلے ہر راستہ منزل کا راستہ ہوسکتا ہے' لیکن فیصلے کے بعد مسافر کیلئے منزل تک پہنچنے کا راستہ صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہی مقدر ہے۔

مقدر بدل نہیں سکتا۔ ہمارے پروگرام بدل سکتے ہیں' لیکن امر الٰہی ٹل نہیں سکتا۔ بڑے بڑے کامیاب انسانوں کو ان کی اولاد نے ایسی ناکامیاں عطا کی ہیں کہ بس خدا کی پناہ۔ اولاد کا عمل بھی والدین کے اعمال کی طرح انسان کی زندگی پر اثر انداز ہو کر اسے ایک مقدر کے حوالے کر دیتا ہے۔

انسان اپنے آپ کو کہاں تک محفوظ کرے گا۔ چراغ کو آندھی اور طوفان سے تو بچایا جا سکتا ہے' لیکن چراغ کے اندر ہی سے تیل ختم ہو جاتا ہے۔ اس چراغ کو کوئی نہیں بجھاتا۔ یہ خود ہی بجھتا ہے۔ زندگی کی دیوار اپنے بوجھ سے ہی گر جاتی ہے۔ یہی اس کا مقدر ہے۔

زندگی کو باہر سے خطرہ ہو' تو اس کی حفاظت کی جا سکتی ہے۔ اگر خطرہ اندر ہی ہو' تو کیا کیا جائے۔ سانس خود ہی رک جاتی ہے۔ دل خود ہی بند ہو جاتا ہے۔ بس یہی مقدر ہے۔ اسے بدلنے کی خواہش اور کوشش تو ضرور ہوتی ہے' لیکن اسے تبدیل کرنا ممکن نہیں ہوتا۔

جو ٹل جائے' وہ مقدر نہیں' اندیشہ ہے۔ جو بدل جائے' وہ صرف امکان ہے' مقدر نہیں۔ جو نہ بدلے' وہ مقدر ہے۔ جو اٹل ہو' وہی امر الٰہی ہے۔ وہی نصیب ہے۔ ہمارا نصیب' جو ہمارے عمل کے تعاون کا بھی محتاج نہیں' اس بارش کی طرح ہے' جو آسمانوں سے نازل ہوتی ہے اور اس زلزلے کی طرح جو زمین کے اندر سے ہی پیدا ہوتا ہے۔ اس میں کسی کا دخل نہیں۔ یہ فطرت کے فیصلے ہیں' اٹل اور نہ بدلنے والے۔

☆

قیامت کس طرح آئی اسے کوئی نہیں سمجھا
شب تاریک رخصت ہو چکی' سورج نہیں نکلا
بڑی محرومیاں لکھی گئیں اس کے مقدر میں
وہ راہی جو درختوں سے چرا کر لے گیا سایا
تمہاری یاد میں قلمیں لگائی ہیں گلابوں کی
تمہارے نام سے گھر میں لگایا سرو کا بوٹا
چلو اظہار غم پر تو ترے ماتھے پہ بل آئے
مگر ضبط فغاں پر کیوں تری آنکھوں میں خوں اترا

☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

تلاش

ہر انسان کسی نہ کسی شے کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ کوئی کچھ چاہتا ہے' کوئی کچھ ڈھونڈ رہا ہے۔ انسانوں کے ہجوم میں آرزوؤں کا بھی ہجوم ہے۔ دشمن' دشمن کی تلاش میں ہے اور دوست' دوست کی جستجو میں۔

کائنات کی تمام اشیاء کا ہمہ وقت مصروف سفر رہنا کسی انوکھی تلاش کا اظہار ہے۔ آرزو کا انجام شکست آرزو ہو' تو بھی یہ ہستی کی دلیل ہے۔ سورج تاریکی کے شکار کو نکلا ہے اور تاریکی سورج کے تعاقب میں ہے۔ دریا کو سمندر کی لگن ہے اور سمندر کو دریا بننے کی خواہش مضطرب کر رہی ہے۔ ہر چیز اپنے اپنے مدار میں اپنی خواہش اور تلاش کے حصار میں ہے۔

تلاش متحرک رکھتی ہے اور حرکت راز ہستی ہے۔ تلاش ہی انسان کی جبلت ہے۔ یہ اس کا اصل ہے۔ یہ اس کا خمیر ہے۔ یہ اس کی سرشت ہے۔ جسے اور کوئی تلاش نہ ہو' وہ اپنی تلاش کرتا رہتا ہے۔ وہ جاننا چاہتا ہے کہ وہ کون ہے؟ وہ کہاں سے آیا ہے؟ وہ کب سے ہے؟ اور وہ کب تک رہے گا؟ وہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ وہ کون سا جذبہ ہے جو اسے محرومیوں اور ناکامیوں کے باوجود زندہ رہنے پر مجبور کرتا ہے۔

انسان اس بات سے آگاہ ہونا چاہتا ہے کہ یہ کائنات اور نظام کائنات کس نے تخلیق فرمایا؟ تخلیق حسن میں کیا حسن تخلیق ہے؟ یہ سب جلوے کس کے ہیں؟ کون ہے اس پردہ رعنائی کے اندر؟ اور کون ہے اس پردے سے باہر؟ اور یہ پردہ کیا ہے؟

تلاش کا سفر اتنا ہی قدیم ہے' جتنا ہستی کا سفر۔ ہر پیدا ہونے والے کے ساتھ اس کی تلاش بھی پیدا ہوتی ہے۔ انسان آگاہ ہو یا بے خبر' وہ ہمیشہ رہین آرزو رہتا ہے۔ زندگی کی آرزو دراصل کسی کی جستجو ہے۔

انسان کو ہمہ وقت ایسے احساس ہوتا ہے' جیسے وہ کچھ کھو چکا ہے۔ وہ کچھ بھول گیا ہے۔ اسے چھوڑی ہوئی منزل متلاش بناتی ہے۔ وہ محسوس کرتا ہے کہ اس کے پاس کوئی قدیم راز تھا' جو گم ہو گیا۔ اس کا بے ربط ماضی اسے کسی درخشندہ مستقبل سے محروم کر گیا۔ شاید وہ دنیا کے عوض آخرت کا سودا کر بیٹھا۔ انسان غور کرتا ہے اور جوں جوں غور کرتا ہے' ایک شدید پیاس کی طرح ایک نامعلوم تلاش اسے جکڑ لیتی ہے۔ اس تلاش سے مفر نہیں۔

جس انسان کو تلاش کے نقطہ ہائے دقیق سے آشنائی نہ ہو' وہ دوسرے انسانوں کے چہرے ہی دیکھتا چلا جاتا ہے' جیسے ان چہروں میں اسے کسی خاص چہرے کی تلاش ہو اور وہ چہرہ شاید اس نے دیکھا ہوا بھی نہ ہو۔ لیکن اسے پہچان لینے کا دعویٰ اس کے پاس موجود ہو۔ ان دیکھے چہرے کو ڈھونڈنا اور اسے پہچاننا انسان کی تلاش کا کرشمہ ہے۔ ایسے لگتا ہے' جیسے انسان اس چہرے کو پہلی بار دیکھنے سے پہلے بھی دیکھ چکا ہو۔

انسان کی تلاش ہی اس کا اصل نصیب ہے۔ یہی اس کے عمل کی اساس ہے۔ یہی تلاش اس کے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

باطن کا اظہار ہے۔ یہی اس کے ایمان کی روشنی ہے۔ تلاش انسان کو چین سے نہیں بیٹھنے دیتی۔ اسے یوں محسوس ہوتا ہے' جیسے کوئی بچھو اسے اندر سے ڈس رہا ہے۔ وہ بھاگتا ہے' دوڑتا ہے' بے تاب و بیقرار اس تریاق کی تلاش میں جو اس زہر کا علاج ہے۔ جب وہ شکل سامنے آتی ہے' اسے قرار آ جاتا ہے۔ ہر چند کہ اسے پہلی بار دیکھا ہے' وہ اسے پہچان لیتا ہے۔

دراصل ہم جس شے کی تلاش کرتے ہیں' اسی نے تو ہمیں اپنی تلاش عطا کی ہے' منزل ہی تو ذوق سفر پیدا کرتا ہے اور ذوق منزل رہنمائے سفر ہوتا ہے۔ منزل اگر اپنے مسافر نہ پیدا کرے' تو ہر تلاش ایک واہمہ ہو کر رہ جائے' جو حاصل آرزو ہے' وہی خالق آرزو ہے۔

ضرورت کی تلاش اور شے ہے اور تلاش کی ضرورت اور شے۔ عرق گلاب یا گلقند کیلئے گلاب کو تلاش کرنے والا ضرورت مند کہلائے گا۔ اس کی ضرورت کچھ اور ہے۔ اسے ہم تلاش کے باب میں قابل غور نہیں سمجھتے۔ خوشبو کا مسافر' بوئے گل کو منزل دل کا مقام سمجھتا ہے۔ وادیٔ نور کے مسافروں کی رہنما نکہت گل ہی تو ہے۔

کچھ انسان صداقت کی تلاش کرتے ہیں۔ یہ ساری کائنات ہی صداقت پر مبنی ہے' لیکن صداقت کا اپنا الگ وجود نہیں۔ صداقت' صادق کی بات کو کہتے ہیں۔ صادق کا قول صداقت ہے۔ اس صداقت کی پہچان اپنی صداقت سے ہے۔ اپنی صداقت اعتماد ذات صادق ہے۔ کسی جھوٹے انسان نے کبھی کسی صادق کی تلاش نہیں کی۔ کاذب' صادق کا ہمسفر نہیں رہ سکتا۔ صادق ماننے کے بعد اس کی راہ کے علاوہ کوئی راہ گمراہی ہے۔

تلاش کا یہ مقام بہت ارفع ہے کہ انسان صداقت کی تلاش کرے۔ صادق سے نسبت کا سہارا لے کر انسان اپنی ذات سے آشنا ہو جاتا ہے۔ یہ تلاش اپنے باطن کی تلاش ہے۔ اپنے آپ میں جتنی صداقت میسر آئے گی' اتنا ہی صادق سے تقرب بڑھے گا۔ جس انسان کو اپنے آپ میں صداقت نظر نہ آئے' وہ نسبت صادق سے محروم ہو جاتا ہے۔

انسان کی پہچان کا راز اس کی تلاش میں مضمر ہے۔ ہم جس شے کے انتظار میں ہیں' وہی ہماری عاقبت ہے۔ ہمیں اپنے انتظار کا کھوج لگانا چاہئے۔ سچ کے مسافر سچے ہوتے ہیں اور جھوٹ کے جھوٹے۔

اس دنیا میں وہ لوگ بھی ہیں' جو حقیقت کی تلاش کرتے ہیں۔ ان کا مدعا خالق حقیقی ہے۔ یہ تلاش نہ ختم ہونے والی تلاش ہے۔ اس سفر کا مدعا بھی سفر ہے۔ اس کی انتہا بھی سفر ہے۔ محدود کا لامحدود کیلئے سفر کسی بیان میں نہیں آ سکتا۔ قطرے کو قلزم آشنا ہونے کیلئے کن مراحل سے گزرنا پڑتا ہے' وہی جانتا ہے جس پر یہ مقامات اور مراحل گزرتے ہیں۔

خالق کی تلاش بعض اوقات دنیا سے فرار کی خواہش ہے۔ دنیا سے گھبرا کر' وحشت زدہ ہو کر' انسان خالق کا قلب تلاش کرتا ہے۔ کچھ لوگ دنیا کی نعمتوں کے حصول کے باوجود اس کی محبت میں سرشار' خالق کی تلاش میں نکلتے ہیں۔ حقیقت کی تلاش انہیں کسی انسان تک ہی پہنچاتی ہے اور وہ انسان انہیں راز آشنا کر دیتا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہے۔ اس کے بعد کا سفر' جلووں کا سفر ہے۔ نور کا سفر ہے۔ اسی کائنات میں نئی کائنات کا سفر ہے۔ قطرے کا سفر وصال قلزم کے بعد انا البحر کا بیان ہے اور یہ بیان' بیان میں نہیں آ سکتا۔

انسان جب کسی تلاش میں نکلتا ہے' تو اس کے پاس وہ ذریعہ ہوتا ہے' وہ آلہ ہوتا ہے' جس سے وہ اپنی تلاش کے مدعا کو پہچان سکے۔ اگر وہ آلہ آنکھ ہو تو حقیقت کسی چہرے' کسی منظر' کسی نظارے' کسی جلوے' کسی رعنائی' کسی رنگ کا نام ہے۔ حقیقت کا چہرہ بھی ہوتا ہے۔ جدھر آنکھ اٹھاؤ' ادھر ہی۔ اس کا رنگ بھی ہوتا ہے۔ سب سے احسن رنگ حقیقت کا رنگ ہے۔

اگر حقیقت کی تلاش میں انسان سماعت لے کر نکلے تو حقیقت نغمے کی شکل میں آشکار ہوگی۔ آواز کی صورت میں جلوہ گر ہوگی۔ ایسا متلاشی دور کی آواز سنے گا۔ وہ خاموشی کی صدا سنے گا۔ وہ سناٹوں سے پیغام لے گا۔ اسے آہٹیں سنائیں دیں گی۔ وہ تنہا ہوگا اور حقیقت اس سے ہمکلام ہوگی۔ اس سچے متلاشی کی سماعت ہی ذریعہ وصال بن جائے گی۔ ایسے انسان کو افلاک سے نالوں کا جواب آتا ہے۔ اسے آہ وفغان نیم شب کا پیام آتا ہے۔ وہ سکوت سے کلام کرتا ہے۔ آنے والے زمانے اس سے بات کرتے ہیں۔ اپنی سماعت' غیر حق پر بند کر دینے سے یہ راز کھل سکتا ہے۔

حقیقت کی تلاش میں انسان صرف چہرہ بن کر نکلے' تو حقیقت آنکھ بن کر سامنے آئے گی۔ وہ آنکھ' جو اس کے چہرے کی قیمت ہے۔ وہیں سے پہچان شروع ہو جائے گی۔ اسے ہر چہرے میں اپنا ہی چہرہ نظر آنے لگے گا۔ وحدت الوجود کا یہ مقام بیان میں نہیں آ سکتا۔ یہ صرف مشاہدہ ہے۔ تلاش کرنے والوں کا حاصل۔

کچھ لوگ حقیقت کی تلاش میں نکلتے ہیں' سخاوت کے جذبات لے کر۔ وہ اپنا مال حقیقت پر نثار کرنے کیلئے ساتھ لیتے ہیں۔ حقیقت سائل کے روپ میں ان سے واصل ہوگی۔ ضرورت مند سائل' محتاج' لیکن سخی کے ساتھ سخاوت کرنے والے انداز کے ساتھ۔ سخاوت وصال حقیقت کا ذریعہ ہے۔ اگر انسان محتاج بن کر اس کی تلاش میں نکلے' تو حقیقت سخی بن کر سامنے آئے گی۔ ہماری تلاش کے روپ کے مقابل حقیقت نے روپ اختیار کرنا ہے۔

جو لوگ تلاش کے مقدس سفر میں دل لے کر نکلتے ہیں' وہ حقیقت کو دلبری کے انداز میں پاتے ہیں۔ انہیں کائنات کا ہر ذرہ ایک تڑپتا ہوا دل محسوس ہوتا ہے۔ حقیقت کی ادائے دلبری ایسے متلاشی کو اپنا ذاکر بناتی ہے۔ وہ حقیقت کا ذکر کرتا ہے' حقیقت اس کا ذکر کرتی ہے۔ یہ عجب سلسلے ہیں۔ دل والے متلاشی اس مقام تک پہنچ سکتے ہیں' جہاں ذکر' ذاکر اور مذکور باہم ہوں۔ یہ وہ مقام ہے' جہاں چند ساعتیں صدیوں پر محیط ہوتی ہیں۔

کچھ ذہین لوگ عقل سلیم کے ذریعے حقیقت کی تلاش کے سفر پر روانہ ہوتے ہیں۔ یہ سفر بڑا محتاط ہوتا ہے۔ ایسے لوگ دنیا کے عبرت کدے میں پھونک کر قدم رکھتے ہیں۔ وہ تحیر آشنا ہو کر حقیقت آشنا ہو جاتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ کوئی نتیجہ بے سبب نہیں ہوتا اور کوئی سبب بغیر نتیجے کے نہیں ہو سکتا۔ اتنی بڑی کائنات بغیر سبب کے نہیں اور اس سبب کا ایک پیدا کرنے والا ضرور ہے اور وہی مسبب ہے۔ عقل والے سبب سے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

مسبب کا سفر کرتے ہیں۔ وہ نعمتوں سے منعم کا نشان معلوم کرتے ہیں۔ وہ سمجھ لیتے ہیں کہ ہر چیز انسان کی سمجھ میں نہیں آسکتی۔ انسان زندہ ہونے کے باوجود زندگی کو نہیں سمجھ سکتا۔ وہ مرے بغیر موت کو کیسے سمجھ سکتا ہے۔ وہ خالق سے راز آشنائی کا سوال کرتے ہیں اور ان کو رموز مرگ و حیات سے آگاہ کر دیا جاتا ہے تو وہ کہہ اٹھتے ہیں۔ ''اسلمت لرب العالمین۔'' اور اس تسلیم کا نتیجہ ''آگ گلزار بن جاتی ہے اور وصال حق کی منزل آسان ہو جاتی ہے۔''

غرضیکہ' تلاش جو انداز اختیار کرے' حاصل تلاش اسی انداز سے سامنے آئے گا اور سب سے اچھا انداز تلاش تقرب صادق ہے' اعتماد شخصیت صادق ہے۔ یہ تلاش عین ایمان ہے۔ سب سے سچے اور اکمل انسان نے حقیقت کے بارے میں جو فرما دیا' وہی حقیقت ہے۔ اسی کی اطاعت کرنا ہے۔ نئے انداز فکر کی بدعت میں مبتلا نہیں ہونا۔

صداقت کا سفر' حقیقت کا سفر ہے۔ صادق کا تقرب حق کا تقرب ہے۔ صادق کی محبت حق کی محبت ہے۔ صادق کی رضا صداقت کی سند ہے اور صداقت کی سند' حقیقت کا وصال ہے۔ آئینہ صداقت میں جمال حقیقت نظر آسکتا ہے۔ اسی کی تلاش گوہر مقصد کی تلاش ہے اور یہی تلاش حاصل ہستی ہے اور یہی حاصل عین ایمان ہے۔

☆

آنسو کیا ہیں؟ بس موتی ہیں۔ چمکنے والے' بہنے والے' گرم آنسو انسان کی فریاد ہیں۔ پرانی یادوں کے ترجمان ہیں۔ یہ آنسو انمول خزانہ ہے۔ معصوم و پاکیزہ' مستور دوشیزہ کے حسن سے زیادہ حسین' حور سے زیادہ مکنون اور یہ خزانہ کمزور کی قوت ہے۔ دل کی اتھاہ گہرائیوں سے نکلنے والا آب حیات کا چشمہ' سعادتوں کا سرچشمہ' آرزوؤں کے صحرا میں نخلستانوں کا مژدہ۔ آنسو تنہائیوں کا ساتھی' دعاؤں کی قبولیت کی نوید' انسان کے پاس ایسی متاع بے بہا ہے' جو اسے دیدہ وری کی منزل عطا کرتی ہے۔

یہ موتی بڑے انمول ہیں۔ یہ خزانہ بڑا گرانمایہ ہے۔ یہ تحفہ فطرت کا نادر عطیہ ہے۔ تقرب الٰہی کے راستوں پر چراغاں کرنے والے موتی انسان کے آنسو ہیں۔

☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

دعا

جس کا خدا پر یقین نہ ہو' اس کا دعا پر کیوں یقین ہوگا۔ دعا دراصل ندا ہے' فریاد ہے' مالک کے سامنے التجا ہے' اپنی فانی اور محدود زندگی کی کسی الجھن سے نکلنے کیلئے۔

فریاد کا سلسلہ پیدائش سے ہی شروع ہو جاتا ہے۔ معصوم اور بے شعور بچہ فریاد اور پکار سے زندگی کے سفر کا آغاز کرتا ہے اور اس کے بعد یہ عمل جاری رہتا ہے۔ انسان فریاد کرتا ہی رہتا ہے' کسی نہ کسی مشکل سے نجات کیلئے۔

بیمار آدمی جب اللہ کو پکارتا ہے تو وہ اپنی بیماری سے نجات چاہتا ہے۔ اسے اللہ کے ساتھ دوسری وابستگیاں یاد نہیں رہتیں۔ وہ صرف علاج چاہتا ہے۔ معالج چاہتا ہے۔ شفا چاہتا ہے۔ غریب کی دعا غریبی سے نجات کیلئے ہے۔ محبت کرنے والے اللہ سے محبوب کا قرب مانگتے ہیں۔ غرضیکہ ہر انسان ایک الگ خواہش لے کر اللہ کو پکارتا ہے۔

اگر گوش باطن سے سنا جائے تو یہ کائنات ایک مجسم فریاد کی صورت نظر آئے گی۔ دعا کا شعور' فطری طور پر ودیعت کیا گیا ہے۔ آداب دعا اور فضیلت دعا مذہب نے سکھائے ہیں' لیکن یہ شعور زندگی میں موجود ہے۔

بچہ بیمار ہو جائے تو ماں کو آداب دعا خود بخود آ جاتے ہیں۔ جہاز خطرے میں ہو' تو مسافروں کو دعا سکھانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ دعا ان کے دل سے نکلتی ہے' بلکہ ان کی آنکھ سے آنسو بن کر ٹپکتی ہے۔

دعا کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ جہاں دعا مانگنے والا ہے' وہیں دعا منظور کرنے والا ہے۔ اگر آپ بآواز بلند دعا مانگیں' تو وہ دور سے سنتا ہے۔ اگر آپ دل میں دعا مانگیں' تو وہ وہیں موجود ہوتا ہے۔ دعا کا انداز' تقرب کے اظہار کا اعلان ہے۔ دعا الفاظ کی محتاج بھی ہے اور الفاظ سے بے نیاز بھی۔ دعا منظور فرمانے والا خود ہی انداز عطا فرماتا ہے۔ ہاتھ اٹھانا بھی دعا ہے۔ ملتجی نگاہ کا اٹھنا بھی دعا ہے۔

ہم اللہ سے وہ چیز مانگتے ہیں' جسے ہم خود نہ حاصل کر سکیں' لیکن جس کا حاصل کرنا ممکن ہو۔ مثلاً ہم یہ نہیں مانگتے کہ اللہ ہمیں پرندوں جیسے پر عطا کر' کیونکہ یہ ممکن نہیں۔ ہاں البتہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ ہمیں عشق کے پر لگا کر اڑا' کیونکہ یہ ممکن ہے۔

دعا پر اعتماد' ایمان کا اعلیٰ درجہ ہے۔ یہ بڑے نصیب کی بات ہے کہ انسان دعا کا سہارا ہاتھ سے نہ جانے دے۔ جب کسی قوم یا فرد کا دعا سے اعتماد اٹھ جائے تو آنے والا وقت مصیبت کا زمانہ ہوتا ہے۔ گناہ اور ظلم انسان سے دعا کا حق چھین لیتے ہیں۔

دعا مانگنا شرط ہے' منظوری شرط نہیں۔ اللہ کریم کے پاس مکمل اختیار ہے۔ چاہے تو گنہگار کی دعا منظور فرمالے' نہ چاہے تو پیغمبر کی دعا بھی منظور نہ فرمائے۔ نوحؑ سینکڑوں برس اللہ کے دین کی خدمت کرتے رہے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

آخر ان کا بیٹا بھی طوفان کی نذر ہو گیا' لیکن ان کے ایمان میں فرق نہ آیا۔ دعا آخر سوال ہی تو ہے۔ ماننے والا مانے یا نہ مانے۔ صاحب دعا بھی ابتلا سے گزرتا ہے۔ یہ زندگی ہے۔ اس میں غم ضرور آئے گا' تکلیف ضرور آئے گی' بیماری ضرور آئے گی اور پھر موت بھی ضرور آئے گی۔

ان حالات میں دعا کا مقام کیا رہ گیا؟ دعا کا یہی مقام ہے کہ انسان تقرب الٰہی کی خواہش کو کمزور نہ ہونے دے۔ دعا یہ ہے کہ اللہ ہمیں اپنی رحمت سے مایوس نہ ہونے دے۔ دعا یہ ہے کہ ہمارا دل نور ایمان سے روشن ہو۔ دعا یہ ہے کہ اتنا کرم نہ ہو کہ ہم اس کی یاد سے غافل ہو جائیں اور اتنا ستم نہ ہو کہ ہم اس کی رحمت سے مایوس ہو جائیں۔ دعا یہ ہے کہ اللہ ہمیں منظور ہونے والی دعاؤں کی آگہی عطا فرمائے اور وہ دعائیں جن پر باب قبول بند ہو' ان کی توفیق عطا نہ فرمائے۔

انسان اکثر ان چیزوں کو پسند کرتا ہے' جو اس کیلئے نقصان دہ ہیں اور اکثر ان چیزوں کو ناپسند کرتا ہے جو اس کیلئے مفید ہیں۔ ہم اپنی پسند کی چیزیں مانگتے ہیں اور جب وہ حاصل نہیں ہوتیں' تو ہم شور مچاتے ہیں۔ حالانکہ ان کا حاصل نہ ہونا ہی ہمارے لئے مفید ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ مسنون دعائیں مانگی جائیں۔ ہمیں دعاؤں کی تعلیم دی گئی ہے۔ بچے کے پیدا ہونے سے لے کر میت کے دفن کرنے تک ہر مقام پر دعا کا طریقہ کار بتایا گیا ہے۔ مثلاً معمولی سا واقعہ ہے آئینہ دیکھنا' اس کیلئے بھی دعا ہے کہ "اے اللہ میرے چہرے کی طرح میرے کردار کو بھی خوبصورت بنا۔"

روایت ہے کہ ایک دفعہ ایک آدمی دعا مانگ رہا تھا' گڑگڑا کر۔ ایک مقرب فرشتے کا وہاں سے گزر ہوا۔ عابد پہچان گیا کہ فرشتہ ہے۔ بولا "بھئی میری چند دعائیں اللہ میاں کے ہاں پہنچا دو۔" پھر اس نے آرزوئیں گنوانی شروع کیں۔ فرشتہ بولا "بس بس۔ میں سمجھ گیا" وہ بولا "سمجھ گئے ہو۔ ابھی تو بات بھی مکمل نہیں ہوئی۔" فرشتے نے کہا۔ میں اللہ میاں سے کہہ دوں گا کہ تیرا فلاں بندہ کہہ رہا تھا کہ اے مالک! مجھے اپنے علاوہ سب کچھ دے دو۔"

بس بات اتنی سی ہے کہ ہم اس سے اس کے تقرب کے علاوہ سب کچھ مانگتے رہتے ہیں اور پھر گلہ کرتے ہیں کہ دعا منظور نہیں ہوتی۔ ہم دوسروں کی تباہی اور ہلاکت کی دعا مانگتے ہیں' کیسے منظور ہو؟

دعا سے بلا ٹلتی ہے' زمانہ بدلتا ہے' انسان اپنے اعمال کی عبرت سے بچ سکتا ہے۔ ماں کی دعا دشت ہستی میں سایہ ابر ہے۔ پیغمبر کی دعا امت کی فلاح ہے۔ دعا کی افادیت برحق ہے۔

دعا سے حاصل کی ہوئی نعمت کی قدر ایسے کرنی چاہئے جیسے منعم کی۔ دعا منظور ہونے کے بعد شکر ادا کرنا چاہئے کہ اس نے ہماری دعاؤں کو قبول فرمایا۔ یہ اس کا احسان ہے۔ کسی کے احسان کو اپنا حق نہ سمجھ لینا چاہئے۔

نیک آدمی کو چاہئے کہ وہ گنہگاروں کی بخشش کی دعا کرے۔ جاگنے والے کو چاہئے کہ سونے والوں کی فلاح کی دعا کرے۔ قوم کے ہر فرد کو قوم اور ملک کی سرفرازی کی دعا کرنی چاہئے۔

صاحب دعا صاحب محبت ہوتا ہے۔ اسی کی دعا مقبول ہے' جس کو انسانوں سے' جانوروں سے' پرندوں سے غرضیکہ ہر ذی جان سے محبت ہو۔ محبت نہ ہو' تو دعا محض تکلف ہے۔

زمین و آسمان اور اس کے مابین جو کچھ بھی ہے' اس کی خیریت کی دعا مانگی جائے تو اپنی زندگی خیریت

www.iqbalkalmati.blogspot.com

سے گزر جاتی ہے۔ نفرت کرنے والا انسان دعا سے محروم ہو جاتا ہے۔ سب کی بھلائی چاہنے والا ہی مقبول بارگاہ ہے۔ اللہ کو سب سے زیادہ وہ ہستی محبوب ہے' جس کو رحمت ہر دو عالم ﷺ بنا کر بھیجا گیا۔ حضور ﷺ کے وسیلے اور واسطے سے دعاؤں کو مقبولیت عطا ہو جاتی ہے۔

اب احتساب میرے گناہوں کا کس لئے
اب واسطہ دیا ہے تمہارے حبیبؐ کا

بہرحال جب تک زندگی ہے' دعا رہے گی۔ دعا آہ ہے' فریاد ہے۔ شب تاریک کی تنہائیوں میں ٹپکنے والا آنسو بھی دعا ہے۔ سرنیاز کا بے نیاز کے سامنے جھک جانا بھی دعا ہے۔ کسی بے بس کی نگاہ کا خاموشی سے سوئے فلک اٹھنا بھی دعا ہے' بلکہ مضطرب دل کی دھڑکن بھی دعا ہے۔ کسی دور رہنے والے کو محبت سے یاد کرنا بھی دعا ہے۔ روح کی مخلصانہ آرزو بھی دعا ہے۔ دعا دینے والے کے در پر کبھی ہم سائل بن کر جاتے ہیں اور کبھی دعا دینے والا سائل بن کر ہمارے در پر دستک دیتا ہے۔ ہم کسی کی دعا کی تاثیر ہیں۔ ہماری دعائیں کسی اور زمانے کو اثر دیں گی۔ منظور ہو یا نامنظور' دعا بدستور جاری رہنی چاہئے۔

☆

خاموش انسان خاموش پانی کی طرح گہرے ہوتے ہیں خاموشی خود ایک راز ہے اور ہر صاحب اسرار خاموش رہنا پسند کرتا ہے۔
خاموشی دانا کا زیور ہے اور احمق کا بھرم۔

☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

چہرہ

جس طرح آسمان کی بسیط وسعتوں اور عمیق پہنائیوں میں کروڑوں ستارے اپنے اپنے مدار میں گردش کر رہے ہیں' جمیل وجسیم ستارے اور سیارے حسن کائنات کے انوکھے پر تاثیر مظاہر ہیں' اسی طرح حیات ارضی میں کروڑوں چہرے اپنے اپنے خیال اور اپنی اپنی ضرورت کے مدار میں سرگرم عمل ہیں' مصروف عمل ہیں' مصروف سفر ہیں' پرتاثیر موثر چہرے حسن زندگی کی تفسیر مقدس کے مظاہر ہیں۔

چہرہ اور پھر انسان کا چہرہ' اللہ اللہ ایک عجیب داستان ہے' ایک پرکیف مشاہدہ ہے' ایک موثر حقیقت ہے' ایک عظیم شاہکار ہے۔ احسن تقویم کی شرح دلپذیر ہے۔ احسن الخالقین کا حسن تخلیق انسانی چہرے سے عیاں ہے۔

چہروں کا مشاہدہ' ان کا مطالعہ' کتابوں کے مطالعہ سے کہیں زیادہ دانائی اور حکمت عطا کرتا ہے۔ زندگی کی کھلی کتاب میں ہر چہرہ ایک الگ باب ہے' ایک الگ انداز' ایک الگ تاثیر' ایک الگ مدار' ایک الگ عنوان ہے۔ خیروشر کی تقسیم چہروں کے دم سے ہے۔ حکم ہے باری تعالیٰ کا کہ مجرم اپنے چہروں سے پہچانے جائیں گے اور پیشانیوں پر داغ سجود منور کرے گا چہروں کو۔

جب ہم چہروں کی تلاوت و تسبیح شروع کرتے ہیں تو ہمیں عجیب وغریب مکاشفات حاصل ہوتے ہیں۔ چہرہ گویائی نہ بھی رکھتا ہو' تب بھی پرکشش اور پرتاثیر ہے۔

انسان کو اگر دنیا میں کسی شے سے محبت ہوتی ہے تو وہ انسانی چہرہ ہی ہے۔ بچہ ایام طفلی ہی میں ماں کے چہرے کو مظہر ربوبیت اور مظہر محبت سمجھتا ہے۔ ماں کا چہرہ' ماں کی نگاہیں' ماں کی مسکراہٹیں بچے کیلئے اس اجنبی دیس میں انسیت' مانوسیت اور اپنائیت کا واحد ذریعہ ہے۔ ماں نہ ہو تو بچہ ہجوم میں بھی تنہائی محسوس کرتا ہے۔ ماں کا مقدس چہرہ بچے کیلئے کل کائنات ہے۔ محبت کی عظیم داستانیں چہروں کی تاثیر کی داستانیں ہیں۔ چہرہ ہی جنت نگاہ ہے۔ انسان کی آنکھ جس منظر پر کھلی کی کھلی رہ جاتی ہے۔ وہ چہرہ ہی ہے صرف چہرہ' عقائد ونظریات سے بے نیاز۔

ایک پرہجوم سڑک کے کنارے کھڑے ہو کر چہروں کا مشاہدہ کریں تو چہروں کا ایک کہکشاں ہے کہ جھلمل جھلمل کرتا ہے۔ تیزی سے رواں دواں چہرے ایک عجیب کہانی ہے۔ ایسے لگتا ہے جیسے ایک طاقتور مقناطیس لوہے کے ذروں کو کھینچے چلا جا رہا ہے اور یہ ہے بھی حقیقت۔ آگے آگے لوبھ لالچ ہے' جسے مقصد بھی کہہ سکتے ہیں اور پیچھے پیچھے چہرے متحرک ہیں۔

کبھی ایسے محسوس ہوتا ہے کہ خوف کا کالا ناگ ان کے پیچھے بھاگ رہا ہے' غریب ہونیکا خوف اور پیسہ کمانے کیلئے گھر سے چہرے نکل آتے ہیں۔ ان سہمے ہوئے لالچ زدہ چہروں میں ایسے چہرے بھی ملیں گے جو شانت ہیں' مطمئن ہیں۔ ان کا منظر الگ ہے۔ وہ ہجوم کے چہروں اور چہروں کے ہجوم سے الگ چہرے ہوتے ہیں۔ وہ بھی رواں دواں ہیں لیکن اپنی رفتار کے ساتھ۔ ان کو لالچ اور خوف سے نجات مل چکی ہوتی ہے۔

اسی ہجوم میں ایسے چہرے بھی مل سکتے ہیں جو اپنے ناظرین کرام کی رفتار سفر بدل دیتے ہیں' بلکہ کبھی کبھی مقصد سفر بھی بدل جاتا ہے۔ بجھے ہوئے افسردہ چہروں میں ایسے چہرے جگمگاتے ہیں۔ یہ منور چہرے رنگ ونور کے مظاہر ہیں۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

فطرت کے کام ہیں، کسی کو کیا بنا دیا کسی کو کیا۔ یہاں امیری اور غریبی کی بات نہیں ہو رہی، حسن تخلیق کا ذکر ہو رہا ہے۔

چہرہ عقدہ کشا بھی ہے۔ یہ عام مشاہدے کی بات ہے کہ طالب علم کو بھولا ہوا سبق استاد کا چہرہ دیکھتے ہی یاد آ جاتا ہے۔ مریدوں کو پیر کا چہرہ بلکہ تصور چہرہ دشت و جبل میں رہنما نظر آتا ہے۔ گناہوں کی دیواروں میں سے گزرنے والے انسان کو ماں باپ کے چہرے محفوظ کرتے ہیں۔ باپ کا چہرہ، استاد کا چہرہ، پیر کا چہرہ ضمیر کی آواز ہے۔ انہی پاکیزہ چہروں کی یاد سے ضمیر زندہ ہوتا ہے۔ رات کے تاریک سناٹوں میں چہروں کی یاد نغمات کا کام دیتی ہے۔

ایک دفعہ ایک شخص زندگی کی نامناسب سب مصروفیتوں سے یک لخت تائب ہو گیا۔ اس کے دوستوں نے پوچھا ''بھائی! تم کل تک رنگیلے تھے، آج کیا ہو گیا۔'' اس نے کہا ''میں عجیب حال میں پہنچ گیا ہوں۔ ہر وقت میری آنکھوں میں میری بیٹی کا چہرہ رہتا ہے۔ میری ناپاک نگاہوں کو میری بیٹی نے پاکیزہ کر دیا ہے۔''

انسان کے کردار کا اس کے گرد جمع ہونے والے چہروں سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ چہرہ ہی کردار، مرتبہ، تشخص کی اصل ''وردی'' ہے۔ چہرے پر سب کچھ لکھا ہوتا ہے۔ مسافر کے سفر کی صعوبتیں اس کے چہرے پر بہت کچھ لکھ جاتی ہے۔ گزرا ہوا زمانہ چہرے پر جھریوں کی شکل میں موجود رہتا ہے۔ آنکھوں سے بہنے والے آنسو، رخساروں پر بہت کچھ مرتسم کر جاتے ہیں۔

چہرہ آئینہ ہے انسان کے باطن کا۔ دل کی بات، دل کا حال چہرے پر ضرور نمایاں ہوتا ہے۔ محتاج کا چہرہ اور ہے اور سخی کا اور۔

بعض اوقات چہرہ انسان کی اصلیت کو چھپانا چاہتا ہے لیکن دیکھنے والی آنکھ چاہیے۔ پہچان رکھنے والے کے سامنے سب عیاں ہیں اور اگر پہچان نہ ہو تو چہرے کی تاثیر بے معنی ہے۔

کچھ لوگوں کو صرف ایک ہی چہرہ پسند ہوتا ہے۔ وہ اپنا چہرہ ہے۔ وہ اپنے چہرے کی سرخی پر مست ہو کر اپنا خون سفید کر لیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو کائنات میں اور کوئی چہرہ نظر ہی نہیں آتا۔

چہرے الرجی بھی پیدا کرتے ہیں۔ ایسا ہوتا آیا ہے کہ کسی کا چہرہ دیکھتے ہی کسی کے ہاتھ پاؤں پھول جاتے ہیں۔ یہ محاورہ نہیں حقیقت ہے۔ کوئی چہرہ انسان کیلئے اعصاب شکن ہوتا ہے۔ ناپسندیدہ چہروں میں زندگی گزارنے والے کا اکثر ہارٹ فیل ہو جایا کرتا ہے۔ چہروں کو خالق کی نسبت سے ہی دیکھنا عافیت ہے۔

چہرہ ثواب بھی ہے اور عذاب بھی۔ وصال کے انتظار میں جدائیاں کٹ جاتی ہیں۔ محبوب کا چہرہ مصحف ہے اور نامحبوب چہرہ استغفر اللہ عذاب ہے۔ مظلوم کیلئے ظالم کا چہرہ قہر خداوندی سے کم نہیں۔ عجیب بات ہے کہ کوئی چہرہ بیماری دے جاتا ہے اور کوئی چہرہ شفا عطا فرما جاتا ہے۔

وحدت الوجود پر بہت کچھ کہا گیا ہے۔ اس کے حق میں بھی اور اس کی مخالفت میں بھی۔ چہروں کے علم میں وحدت الوجود مشاہدے کا ایک ایسا مقام ہے جہاں ہر چہرہ ایک ہی چہرہ نظر آنے لگتا ہے۔ احباب و اغیار کے چہرے سب ایک ہی چہرہ ہیں۔ وحدت میں کثرت اور کثرت میں وحدت سب ایک ہی چہرے کی آنکھ مچولیاں ہیں۔ ایک ہی جلوہ ہے، بلکہ جلوہ ہی جلوہ ہے۔ اگر ایسا مشاہدہ نہ ہو تو ہمہ اوست خطرے سے خالی نہیں۔

چہرہ، تقویت ایمان کا باعث بھی ہے اور ایمان شکن بھی ہے۔ محبوب چہرہ، دار سے پکارے تو سر کٹوانا مشکل نہیں۔ کافر چہرہ نگاہ میں آ جائے تو انسان کو کعبے کا راستہ بھول جائے۔ چہروں کا طلسم زمان و مکاں کے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

سب طلسمات سے زیادہ قوی ہے۔ چہرہ خواب کی تعبیر ہے۔ زندگی کے بہتے ہوئے دریا میں انسانی چہرے حباب کی صورت ابھرتے اور ڈوبتے رہتے ہیں۔

چہروں کی کائنات میں ہر چہرہ ایک الگ کائنات ہے۔ ہر چہرہ الگ مضمون ہے' الگ صفت ہے۔ چہرہ مظہر انوار بھی ہے' حدت نار بھی۔ چہرہ فرشتہ صفت بھی ہے' شیطان صورت بھی۔ چہرہ رحمانی بھی' حیوانی بھی' شیر کی طرح دلیر چہرہ' سہما ہوا بزدل چہرہ' آئینہ رو چہرہ' بے کیف پتھر چہرہ' خوش خبر چہرہ' بدشگون چہرہ' محتاج چہرہ' غنی چہرہ' خوش حال چہرہ' پائمال چہرہ' آسودہ چہرہ' آزردہ چہرہ' دل میں بسنے والا گلاب چہرہ' آنکھوں میں کھٹکنے والا چہرہ' مشتاق چہرہ' بے زار چہرہ' اپنا چہرہ' بیگانہ چہرہ' کافر چہرہ' مومن چہرہ' کرگس چہرہ' شہباز چہرہ' گلنار چہرہ' بیمار چہرہ' خوابیدہ چہرہ' شب بیدار چہرہ' فانی چہرہ' باقی چہرہ غرضیکہ ہر چہرے کی ایک صفت ہے اور ہر صفت کا ایک چہرہ ہے۔

چہرہ دل میں اترتا ہے۔ چہرہ تخلیل کو پرواز دیتا ہے۔ چہرہ رعنائی خیال پیدا کرتا ہے۔ چہرہ ہی آشوب تیرگی سے بچاتا ہے۔ اگر کوئی چہرہ نظر میں آئے تو سب سے پہلے اپنی بینائی کا شکریہ ادا کرنا چاہئے۔ محبوب چہروں کو قدرشناس نگاہوں کا شکرادا کرنا چاہئے۔ اگر بنیائی ختم ہو جائے تو چہروں کے چراغ بجھ جاتے ہیں۔

خوش شکل چہرہ' قدرت کی طرف سے عطا ہونے والا پاکیزہ رزق ہے۔

چہروں کی کائنات میں سب سے زیادہ حسین چہرہ اس مقدس ہستی ﷺ کا ہے جس پر اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں۔ آپ ﷺ کا چہرہ مبارک صورت حق کا آئینہ ہے۔ آپ ﷺ کا روئے انوار اتنی حقیقت ہے کہ خواب میں بھی نظر آئے تو عین حقیقت ہے۔ جس نے آپ کے چہرے کو دیکھا اس نے چہرہ حق دیکھا۔

آپ ﷺ کے چہرے کیلئے پیر مہر علی شاہؒ فرماتے ہیں:

سبحان اللہ ما اجملک۔ ما احسنک ما املک

آپ ﷺ کا چہرہ مبارک دیکھنے کیلئے اگر اللہ آنکھ عطا فرمائے تو بات ہے۔ ورنہ ہر آنکھ کی رسائی آپ ﷺ کے چہرے کی رعنائی تک کہاں؟

ہر مسلمان کی مرتے وقت آخری خواہش یہی ہوتی ہے کہ ''میرے مولا! مجھے آپ ﷺ کا چہرہ دکھا۔ رحمت' شفقت' انوار سے بھرا ہوا چہرہ' جو موت کی کربناکیوں سے محفوظ فرمائے۔''

نہ آپ ﷺ کے چہرے سے بہتر کوئی چہرہ ہے' نہ آپ ﷺ کی آنکھ سے بہتر کوئی آنکھ ہو سکتی ہے۔ آپ ﷺ نے چہرہ حق دیکھا اور چشم حق میں آپ ہی محبوب ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ

یہی چہرہ نشان وجہہ اللہ
ورنہ رکھتا ہے کیا خدا چہرہ
مصطفےٰ آنکھ ہو خدا صورت
ہو خدا آنکھ مصطفےٰ چہرہ

سلام و درود ہو والضحیٰ کے چہرے کیلئے اور تعظیم اور سجدہ آپ ﷺ کے بنانے اور چاہنے والے احسن الخالقین کیلئے۔

☆......☆......☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

علم

ہم معلوم کو علم کہتے ہیں' حالانکہ نامعلوم اور لامعلوم بھی علم ہے' اتنا ہی اہم جتنا معلوم۔ اگر ہم یہ کہہ دیں کہ معلوم کی نفی کا نام علم ہے' تو علم کی تعریف صرف یہ ہو سکتی ہے کہ اپنی لاعلمی کے احساس کا نام علم ہے۔ جتنا معلوم زیادہ ہوگا۔ اتنا ہی احساس لاعلمی زیادہ ہوگا۔ اس لئے جاننے والے اکثر یہی کہتے رہے کہ وہ کچھ نہیں جانتے۔

کائنات میں اتنے علم ہیں کہ ان کی اقسام گنوانا دشوار اور ناممکن ہے۔ کچھ چیزوں کے بارے میں بہت کچھ جاننا ممکن ہے۔ بہت سی چیزوں کے بارے میں کچھ کچھ جاننا ممکن ہے۔ سب چیزوں کے بارے میں سب کچھ جاننا ناممکن ہے۔

دراصل علم معلوم سے نجات کا نام ہے۔ یادداشت کا تعلق ماضی سے ہے اور ماضی کی حاصل کردہ معلومات حاصل کا علم نہیں ہو سکتا۔ آج کی کثیر المقاصد زندگی میں یادداشت کا محفوظ رہنا ناممکن سا ہے۔ ہمارا حافظہ ترجیحات کے بدلتے ہی کمزور ہونا شروع ہو جاتا ہے اور اس طرح وہ معلوم یا انفارمیشن' جو حافظے میں ہوتی ہے' دھندلا جاتی ہے۔ زندگی کے پیہم انقلابات' حادثات اور سانحات حافظے کو مفلوج کر دیتے ہیں اور حافظے کا علم حافظے سے باہر ہو جاتا ہے۔ اکثر ایسا ہوتا آیا ہے کہ کسی مصنف کو اپنی ہی تصنیف کچھ عرصہ بعد اجنبی سی لگتی ہے۔ انسانی حافظے کا یہ عالم ہے کہ انسان کو پرانے چہرے تو یاد رہتے ہیں' پرانے دوستوں کے نام بھول جاتے ہیں۔ اپنی آنکھوں سے گزرے ہوئے جلوے بھول جاتے ہیں۔ انسان موت دیکھے تو زندگی بھول جاتی ہے' زندگی دیکھے تو موت یاد نہیں رہتی۔ آج کا انسان کمپیوٹر میں یادداشت محفوظ کرتا ہے اور کمپیوٹر سے علم لینے والا خود ہی ایک کمپیوٹر بن کے رہ جاتا ہے۔

علم لائبریریوں سے دست بردار ہونے کا نام ہے۔ لائبریریاں بلاشبہ معلومات کا خزانہ ہیں۔ کتابوں کا مطالعہ ایک اعلیٰ مصروفیت ہے۔ لیکن کتاب زندگی نہیں ہے۔ زندگی آنکھوں کے سامنے سے گزر رہی ہے۔ زندگی سانس کی نازک ڈوری ہے۔ پل پل کٹتی جا رہی ہے۔ زندگی اپنے گرد و پیش کی حرکات و اعمال کا نام ہے۔ سکالر زندگی کے میدان میں کمزور رہ جاتا ہے' علم کتاب کا نام نہیں۔ کتاب حقیقت کا عکس تو ہے لیکن حقیقت کے برعکس ہے۔ حقیقت کا ذکر کتاب میں ہے اور حقیقت کا مشاہدہ کتاب سے باہر ہے۔ نظارہ علم کا نہیں' نظر کا محتاج ہے بلکہ اندازِ نظر کا محتاج ہے۔ زاویہ نظر بدل جائے تو منظر اور پس منظر بدل جاتے ہیں' لیکن کتاب نہیں بدلتی۔ کتاب کا نہ بدلنا اس کا حسن ہے اور زندگی کا بدلتے رہنا اس کا جمال ہے۔ کتاب زندگی کے خدوخال واضح کرتی ہے' لیکن زندگی کا لطف زندگی کے قرب میں ہے' کتاب کے تقرب میں نہیں۔

مقدس کتابیں نازل فرمانے والے نے زندگی بھی نازل فرمائی ہے۔ حسن بھی نازل فرمایا ہے۔ بینائی بھی عطا فرمائی ہے۔ نظاروں کی رعنائی بھی نازل فرمائی ہے۔ کتاب قانون ہے' پہچان کا لیکن پہچان کتاب کی نہیں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کتاب بھیجنے والے کی درکار ہے۔ کتاب فطرت کا مطالعہ ضروری ہے۔ علم کتاب سے نہیں، نصیب سے ملتا ہے۔ سورج کے پاس علم نہیں، روشن نصیب ہے۔ علم بادصبحگاہی اور آہ سحر گاہی سے ملتا ہے۔ تحیر سے ملتا ہے۔ تعلق سے ملتا ہے اور تقرب سے ملتا ہے۔ کتاب کا علم فیض نظر تک نہیں پہنچا سکتا۔ ایک معمول سا کھلنے والا پھول علم دے سکتا ہے۔

شب تاریک کی گہرائیوں میں آنکھ سے ٹپکنے والے آنسو علم کے خزانے عطا کرتے ہیں۔ اللہ کا فضل ہی انشراح صدر عطا فرماتا ہے۔ ہر عارف عالم ہوتا ہے اور ضروری نہیں کہ ہر عالم عارف بھی ہو۔ بغیر تزکیہ کے کتاب کا علم خطرے سے خالی نہیں۔ شیکسپیئر اور غالب کو پڑھنے والا نہ ویسا ڈرامہ لکھ سکتا ہے نہ ویسا شعر کہہ سکتا ہے۔ غزالی کو پڑھنا بجا، لیکن یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ غزالی نے کسی کو پڑھ کر یہ رتبہ نہیں پایا۔ علم کوشش سے نہیں مقدر سے ملتا ہے۔ علم اس وقت تک حاصل نہیں ہوتا، جب تک کوئی عطا کرنے والا نہ ہو۔ علم نگاہ سے ملتا ہے، کتاب سے نہیں۔ علم کا مخرج ''نگاہ'' ہے اور اس کا مدفن کتاب۔

تعلیم بھی علم نہیں۔ تعلیم کا تعلق ڈگری ہے۔ علم ڈگریوں اور یونیورسٹیوں سے بے نیاز ہے۔ جن لوگوں کی کتابیں یونیورسٹی میں پڑھائی جاتی ہے، وہ خود کس یونیورسٹی کے طالب علم تھے؟ تعلیم ضروری ہے، نوکری کیلئے، نوکری ضروری ہے، حصول رزق اور سماجی مرتبہ کیلئے، لیکن علم نوکری نہیں، علم روٹی نہیں، علم حکومت نہیں۔ علم پہچان ہے، عرفان ہے۔ ضرورت کا علم اور شے ہے، علم کی ضرورت اور شے۔

آج کی تعلیم، عیاں راچہ بیاں۔ آج ہی نتیجہ دے رہی ہے۔ طالب علموں کے حالات، تعلیم کے ناقص ہونے کا ثبوت ہے۔ آج کا طالب علم، علم سے بیزار ہے۔ آج وہ استاد کہاں ملیں گے، جو طالب علموں کو فیض نگاہ سے آداب فرزندی سکھاتے تھے۔ آج کے طالب علم سے آج کی تعلیم نے علم کی محبت چھین لی ہے۔ ابھی وقت ہے۔ پانی سر سے نہیں گزرا۔ اس کا تدارک ہونا چاہئے۔ بدعلمی سے بے علمی ہی بہتر ہے۔

پیغمبروں کے پاس تعلیم نہیں، علم ہوتا ہے، بلکہ مکمل علم ہوتا ہے۔ زمانے کے معلم مکتب سے نہیں، رحمان سے علم حاصل کرتے ہیں۔

آج ہمیں اسی علم کی ضرورت ہے۔ وہی ہماری اساس ہے اور وہی عاقبت۔ ہمیں زندگی کا علم چاہئے اور مابعد کا علم بھی چاہئے۔ ہمیں ظاہر کے علم کی ضرورت بھی ہے اور باطن کے علم کی بھی۔ ہمیں معلوم ہونا چاہئے کہ چند روزہ زندگی میں بہت کچھ حاصل کرنا ہے اور پھر اسے چھوڑنا بھی ہے۔ پھیلنا بھی ہے، سمٹنا بھی ہے۔ آج کے تعلیمی اداروں سے محمد بن قاسم پیدا نہیں ہو سکتے۔ یہی تعلیم کا المیہ ہے کہ تعلیم تلاش روزگار کیلئے ہے، تقرب پروردگار کیلئے نہیں۔

ہم امی رسول ﷺ کی امت ہیں۔ ہمیں بے جہت اور بے سمت تعلیم کہاں لے جائے گی۔ مغربی تعلیم اسلامی نتیجہ کیسے پیدا کرے گی اور اسلام کی تعلیم بھی سلام نہیں۔ اسلام عمل ہے۔ اسلام بتانے والی بات نہیں، کرنے والا کام ہے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بہرحال علم اس کی عطا ہے' جس نے زندگی عطا فرمائی۔ عطا کو حاصل کرنے کیلئے دعا کے علاوہ کیا ہو سکتا ہے۔ معلومات اور انفارمیشن کا علم آزمائش میں پورا نہیں اتر سکتا۔ کشتی کے مسافروں کو ''صرف ونحو'' کی ضرورت نہیں' انہیں تیرنا بھی آنا چاہیے۔

علم کو نور بھی کہا گیا ہے اور حجاب اکبر بھی۔ نور اس لئے کہ علم پہچان کا ذریعہ ہے۔ آگہی اور ادراک کا باعث ہے۔ اسماء و اشیاء کا شعور ہے۔ ہمیں علم کی پہچان نہیں بلکہ مالک کی پہچان درکار ہے۔ خالق کو جاننا ہے۔ اپنے رازق سے باخبر ہونا ہے۔ کائنات کی نیرنگیوں سے لطف اندوز ہونا ہے۔ حیات و مرگ کے رموز دریافت کرنا ہے۔ وہ علم جو ہمیں ان سے آگاہ کرے' نورانی ہے۔ نورانی علم صرف یہ نہیں بتاتا کہ سبزہ و گل کہاں سے آتے ہیں' بلکہ وہ علم ہمیں یہ بھی بتاتا ہے کہ بیج کو مٹی کی تاریکی میں کون پالتا ہے۔ نورانی علم نشان منزل کا علم ہے۔ تزکیہ و حکمت کا علم ہے۔ الجھنوں سے نجات کا علم ہے۔ کیف و وجدان کا علم ہے۔ سراسر رحمان کا علم ہے۔

جس علم سے غرور پیدا ہو' اسے حجاب کہا گیا ہے۔ جو علم نگاہ سے محروم ہو' وہ حجاب ہے۔ جو تعلق سے گریزاں ہو' وہ علم حجاب ہے۔ جو اپنی انا کے خول سے باہر نہ نکلے' وہ علم حجاب ہے۔ ابوجہل کے پاس علم تھا' لیکن نگاہ نہ تھی۔ اگر نظر نہ ہو تو علم جہالت سے بدتر ہے۔ انسان معلوم پر نازاں ہوتا ہے اور اسے معلوم نہیں ہوتا کہ وہ ہمہ وقت نامعلوم کی زد میں ہے۔ وہ خوش ہوتا ہے کہ اس کی دولت بڑھتی جا رہی ہے اور وہ بھول جاتا ہے کہ اس کی عمر گھٹتی جا رہی ہے' کٹتی جا رہی ہے۔ ایسے علم سے توبہ بہتر' جو صاحب علم کو نفع نہ دے۔

علم اگر خود آگہی کے قریب کرے' تو نور' ورنہ حجاب۔ زیادہ جاننے کا غرور اگر نہ جاننے کی عاجزی میں بدل جائے تو حجاب اٹھ جاتا ہے' فنا کا علم حجاب ہے' بقا کا علم نور۔ اگر علم کا مدعا خوشنودی خلق ہے تو حجاب اور اگر علم کا منشاء رضائے حق ہے تو نور' بلکہ نورعلیٰ نور۔

☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اضطراب

اضطراب باعثِ ہستی ہے اور حاصلِ ہستی بھی۔ ہر زندہ انسان مضطرب ہے۔ کائنات کا ذرہ ذرہ تڑپ رہا ہے۔ موجوں کا اضطراب تلاطم قلزم ہے اور یہی سمندر کی ہستی ہے۔ اضطراب ہی زندگی کو متحرک رکھتا ہے اور یہی تحریک، یہی حرکت ہستی کا ثبوت ہے۔ بے حرکت زندگی نباتات کی زندگی ہے۔

زندگی کا بیشتر حصہ وقف اضطراب رہتا ہے۔ انسان کی آرزوئیں، اس کی خواہشات، اس کے تقاضے اس کے منصوبے اور اس کے عزائم اتنے زیادہ ہوتے ہیں کہ ان سب کا بیک وقت حصول ناممکن ہے۔ جب خواہشات دم توڑتی ہیں، تو اضطراب پیدا ہوتا ہے۔

اضطراب اس لئے بھی پیدا ہوتا ہے کہ انسان کئی راستوں میں سے کسی ایک راہ کا انتخاب نہیں کر سکتا۔ قوت فیصلہ کی کمزوری انسان کو تذبذب میں ڈال دیتی ہے اور انجام کار وہ مضطرب رہنے لگتا ہے اور پھر انسان کا اضطراب اس سے سوچنے کی صلاحیت بھی چھین لیتا ہے۔

انسان علم حاصل کرتا ہے عمل کیلئے، لیکن جوں جوں علم پھیلتا ہے عمل کے مواقع سمٹنے شروع ہو جاتے ہیں۔ آج کے انسان کا سب سے بڑا عمل، حصول علم ہے اور یہ عمل اس کو فرائض کی بجا آوری کے عمل سے بہت دور کر دیتا ہے۔ نتیجہ اضطراب ہے۔ سڑک کے کنارے کمرے میں بیٹھ کر زندگی کا مفہوم سمجھنے والا اس زندگی کو بھی نہیں سمجھ سکتا، جو سڑک پر سے گزر رہی ہے۔ علم اور عمل کے فرق سے اضطراب پیدا ہوتا ہے۔

انسان کی کوشش جب متوقع نتیجہ حاصل نہیں کرتی، تو وہ مضطرب ہو جاتا ہے۔ پھولوں کے خواب دیکھنے والا اپنے دامن میں خار دیکھ کر پریشان ہو جاتا ہے۔ خواب کی اونچی اڑانیں ہستی کو پستی سے نکال نہیں سکتیں۔ انسان کی آرزو جب حسرت بن جائے اور اس کا اصل لاحاصل ہو کے رہ جائے تو اس کا مضطرب ہونا بجا ہے۔ اپنے جب اجنبی بن کر پاس سے گزر جائیں تو انسان کیا کرے۔ وہ مضطرب ہوگا، بے قرار ہوگا، بے چین ہوگا۔

اگر اضطراب برداشت سے بڑھ جائے تو طرح طرح کی میڈیکل پریشانیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔ اضطراب کو مایوسی نہ بننے دیا جائے، تو انسان بدلے ہوئے حالات سے گھبراتا نہیں۔ کچھ لوگ اضطراب میں چراغ آرزو بجھا دیتے ہیں اور ہمیشہ کیلئے خود کو ایک کرب میں مبتلا کر لیتے ہیں۔ کچھ لوگ اضطراب کو تحریک بناتے ہوئے نئی راہیں دریافت کر لیتے ہیں اور اس طرح پرانے ڈھانچوں پر نئی تعمیر استوار کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ دراصل اضطراب کا مسکن ''ہونے اور نہ ہونے'' کے درمیان ہے۔ جانے والے زمانے کی یاد میں آنے والے زمانے کا انتظار بھی تو شامل ہوتا ہے۔ اضطراب اس امر کا اعلان ہے کہ ایک دور ختم ہو گیا اور دوسرا دور جنم لینے والا ہے۔ مضطرب انسان منتشر نہیں ہوتا۔ مضطرب آدمی وجہ اضطراب سے بہر حال باخبر ہے جبکہ منتشر انسان وجہ انتشار سے بے خبر ہے۔

اضطراب ایک قوت ہے۔ تشخص کا ایک مقام ہے۔ پہچان کا ایک زاویہ ہے۔ شخصیت کا ایک پہلو ہے۔ مضطرب قومیں اپنے لئے نئے سورج تراش لینے میں اکثر کامیاب ہوتی ہیں۔

اضطراب ہی مجاز سے حقیقت کا راستہ دکھاتا ہے۔ انقباض سے نکل کر انبساط میں داخل ہونے کا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اولیں سگنل اضطراب ہے۔ عہد رفتہ کے مرثیے اور عہد فردا کے قصیدے کے درمیان اضطراب گنگناتا ہے۔

اضطراب میں رہنے والے بڑے تخلیق کار ہوتے ہیں۔ اضطراب شب بیداری کا پیغام ہے او کامیابی کا زینہ ہے۔ اضطراب سوز ہے اور یہی سوز جوہر تخلیق ہے۔

آج کی زندگی میں ایک گھٹن ہے۔ ایک حبس ہے۔ آج کی زندگی خودغرضی کی زندگی ہے۔ کوئی کسی کا پرسان حال نہیں۔ کسی کو کسی سے ہمدردی تو خیر دور کی بات ہے' دلچسپی ہی نہیں۔ ظاہر کی رونقیں باطن کی وحشتوں سے خوفزدہ ہیں۔ ہر طرف انسان کی بھیڑ ہے اور اس بے پناہ ہجوم میں کوئی انسان نظر نہیں آتا۔ بداعتادی کے اس عہد میں ہر شخص مضطرب ہے' سرگرداں ہے' پریشان ہے' بے قرار ہے۔ ایسے محسوس ہوتا ہے کہ ایک وبا پھیل چکی ہے' بے چینی کی وبا' بے بسی کی وبا' بے حسی کی وبا' بے کسی کی وبا' بے یقینی کی وبا' بے مروتی کی وبا' بے حیائی اور بے وفائی کی وبا۔ ہر حساس آدمی کو معاشرتی انحطاط مضطرب کر رہا ہے۔

یہ دور بڑے کرب سے گزر رہا ہے۔ اذیت اور تنہائی انسان کی روح تک جا پہنچی ہے۔ انسان کو اندر سے گھن لگ گیا ہے۔ چہروں کی نقلی مسکراہٹ ضبط غم کے سوا کچھ نہیں۔ آج کا اضطراب اس لئے ہے کہ زندگی کو تقویت دینے والے ادارے ختم ہوتے جا رہے ہیں' لیکن یہ اضطراب ایک نئے جہاں کے پیدا ہونے کی بشارت بھی رکھتا ہے۔ آج کا اضطراب کسی وقت کروٹ لے سکتا ہے اور ایک بار پھر وہی جذبے کارفرما ہوتے ہیں' جو آج سے چالیس سال پہلے ظاہر ہوئے تھے۔

اضطراب بے سبب نہیں ہوتا۔ اضطراب بھولا ہوا سبق' چھوڑی ہوئی منزل اور نظر انداز کیے ہوئے فرائض یاد دلاتا ہے اور اس طرح پیدا ہونے والا احساس غفلت بیداری کی اولیں کرن ہے۔

جو لوگ دنیاوی اشیاء اور ضروریات کے حصول کیلئے مضطرب کہلاتے ہیں' وہ دراصل مضطرب نہیں۔ وہ تکلیف میں ہوتے ہیں اور تکلیف اور شے ہے اور اضطراب اور چیز۔ تکلیف کمی سے ہوتی ہے۔ اضطراب کوتاہی سے پیدا ہوتا ہے۔ اضطراب روح کی بے تابی ہے اور تکلیف ذہن اور جسم کی پریشانی۔

جب انسان کا حق اس کی دسترس میں نہ ہو تو اضطراب پیدا ہوگا۔ جس زمانے میں انسان کو اپنی ضروریات کے حصول کیلئے دعا کے علاوہ کوئی چارہ میسر نہ ہو' وہ زمانہ اضطراب کا زمانہ ہے۔ آج کا عصری کرب انسان سے ذوق حیات بھی چھین رہا ہے۔ آج کے انسان کی ضروریات کے پاؤں اس کے وسائل کی چادر سے باہر ہیں۔ غریب کو امیر ہو جانے کی امید نے سہارا دیا ہوا ہے' لیکن امیر کو غریب ہونے کے ڈر نے مضطرب رکھا ہوا ہے۔ دولت مند انسان کو دولت نے اضطراب سے نہیں بچایا۔ دولت اضطراب سے نہیں بچا سکتی۔ دولت کا پرستار ہمیشہ بے قرار رہے گا۔

بعض اوقات آنے والی ناگہانی آفات و بلیات بھی قبل از وقت اضطراب پیدا کرتی ہیں۔ زلزلے سے پہلے جانور اور پرندے مضطرب ہو جاتے ہیں۔ اندیشہ اضطراب کا ہم سفر ہے۔ ہمارے ہاں سرحدوں کے حالات اتنے خوش کن نہیں کہ اضطراب پیدا نہ ہو۔ لیکن یہ وہ اضطراب ہے جس کا حل ہمارے پاس نہیں۔ دشمنان اسلام متحد ہیں اور مسلمان متحد نہیں۔ دوستوں کی لاپرواہی دشمن کی اصل قوت ہے۔ ہم لوگ وحدت فکر اور وحدت کردار سے محروم ہوتے جا رہے ہیں۔

آج ہمیں بیک وقت اقبالؒ اور جناحؒ کی ضرورت ہے۔ آج کوئی جگانے والا چاہئے۔ کوئی چلانے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

والا چاہئے تا کہ شمع حریت ہر طوفان سے محفوظ رہے۔ آندھیاں اور آگہی کے چراغ برسر پیکار ہیں۔ آج قوم کو عہد کہن تازہ کرنے کی ضرورت ہے۔

صرف بزرگوں کی یاد منانے سے بزرگوں کا فیض نہیں ملتا۔ بزرگوں کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے سے بات بنتی ہے۔ ذکر بہار تو فصل بہار نہیں۔ آج کا اضطراب تو عمل سے دور ہوگا، مسلسل عمل۔

دریا کا مقصد اگر وصال بحر ہے، تو یہ منزل صرف سمندر کے نام کا وظیفہ پڑھنے سے نہیں حاصل ہوتی۔ دریا کا اضطراب اس کی قوت ہے۔ اس کی روانی ہے۔ وہ اضطراب میں پہاڑوں کو کاٹتا ہے۔ میدانوں سے راستہ لیتا ہے اور ایک طویل جدوجہد کے بعد آغوش قلزم میں راحت وسکون حاصل کرتا ہے۔ اضطراب کو روانی بنانے والا دریا آسودہ منزل ہوتا ہے۔ قوموں کا سفر دریا کے سفر کی طرح ہے۔ موجوں اور قطروں کی ایک عظیم وحدت اپنی منزل کی طرف رواں دواں انجام کار بحر بے کنار سے ہم کنار ہوتی ہے۔

قوم کے افراد اگر وحدت کے تصور سے محروم ہو جائیں تو ان کا اضطراب انہیں مایوس کر کے ہلاک کر دیتا ہے۔ اگر وحدت قائم ہو جائے تو یہی اضطراب یم بہ یم منزل مقصود ہے۔

انفرادی اضطراب کو اجتماعی فکر میں ڈھالنے والا ہی قوم کا رہنما ہوتا ہے۔ میر کارواں وہی ہے، جو افراد کارواں میں یکجہتی، یک سمتی، یک نظری پیدا کرے۔ قوم میں وحدت فکر پیدا ہو جائے، تو وحدت عمل منطقی نتیجہ ہے۔ یعنی اقبالؒ مل جائے تو جناحؒ کا ملنا لازمی ہے۔ آج کے اضطراب کو چینل درکار ہے۔ اضطراب تلاش عمل کا نام ہے اور عمل علم کی وضاحتوں سے نجات کا نام ہے، لیکن یہ بات بھی ملحوظ خاطر ہے کہ اضطراب زیادہ دیر تک منتظر نہیں رہ سکتا۔ اسے بہر حال کچھ کرنا ہے، اچھا یا برا۔ اضطراب کو امید نہ میسر ہوئی تو مایوسی اس کا نصیب۔

ٹمٹماتے ہوئے مضطرب چراغ اکٹھے کر دیئے جائیں تو ایک عظیم چراغاں پیدا ہو سکتا ہے، ورنہ چراغوں کے بجھ جانے کا اندیشہ ہے۔

اضطراب کی وجہ کچھ بھی ہو، اس سے نجات کی صورت وحدت افکار و کردار ہے اور اس وحدت کا حصول ہی فضل الٰہی ہے اور اس کا طریقہ کار ذکر الٰہی ہے۔ ذکر الٰہی ہر اس عمل کو کہیں گے جس کا مدعا رضائے حق ہو۔ اپنی منشا کو منشائے ایزدی کے حوالے کر دینے سے ہی اضطراب دور ہو سکتا ہے۔ یہ بے عملی نہیں۔ یہ عظیم عمل ہے۔ انسان کا اتحاد در رضائے الٰہی کے حصول کیلئے تا کہ یہ زندگی بھی بامراد ہو اور آنے والی زندگی بھی بانصیب۔

☆

سفر زمین کا، فرمان آسماں سے ملے
سکوں ملے بھی تو انسان کو کہاں سے ملے

☆

کب رات کٹے کب ہو سحر کہہ نہیں سکتے
کب ہوگا دعاؤں میں اثر کہہ نہیں سکتے

☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

سکونِ قلب

دولت تسکین دولت حسن کی طرح عطائے رحمانی ہے۔ اس کا کوئی فارمولا نہیں۔ سکون قلب' جیسا کہ نام سے ظاہر ہے' قلب کی ایک حالت ہے' ایسی حالت جس میں اضطراب نہ ہو۔ سکون کی ضد اضطراب ہے۔

اضطراب خواہش سے پیدا ہوتا ہے۔ کسی چیز کو حاصل کرنے کی خواہش یا کسی شے سے نجات کی خواہش ہی باعث بے قراری ہے۔ خواہش دنیا ہو یا خواہش عقبیٰ' انسان کو ضرور بے چین کرے گی۔ یاد رہے کہ سکون کی خواہش بذات خود ایک اضطراب ہے۔ سکون خواہش سے نہیں' نصیب سے ملتا ہے۔

جسے سکون قلب حاصل ہو جائے' اس کی زندگی میں نہ شکوہ رہتا ہے نہ تقاضا۔ وہ نہ خدا کا گلہ مخلوق کے سامنے کرتا ہے' نہ مخلوق کی شکایت خدا کے سامنے۔ وہ نہ زندگی سے غافل ہوتا ہے' نہ موت سے۔ وہ ہر حال میں راضی رہتا ہے۔ پرسکون انسان مقام صبر کو بھی مقام شکر بنا دیتا ہے۔

آج کے دور میں سکون قلب اس لئے مشکل ہوتا جا رہا ہے کہ زندگی کے تقاضوں اور مذہب کے تقاضوں میں فرق آ گیا ہے۔ زمین کا مسافر سمجھ نہیں سکتا کہ آسمان سے احکام کیوں نازل ہوتے ہیں۔ زندگی کی مسرتوں میں عاقبت کا خوف سکون سے محروم کر دیتا ہے۔ آج کے انسان کی شخصیت میں فشار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سکون نہیں ملتا۔

سکون کی خاطر سفر کرنے والا سکون حاصل نہیں کر سکتا۔ سفر میں سکون کہاں؟ سکون کی تلاش اپنے حالات' اپنے ماحول اور اپنی زندگی سے بیزاری کا اعلان ہے۔

انسان جس حال میں بے سکون ہوا ہے' اسے اس حال میں سکون چاہئے لیکن وہ غلطی سے کسی اور حال میں سکون دریافت کرنا چاہتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اسے سکون نہیں ملتا۔ آج کا انسان سکون کی خاطر آسمانوں کے دروازے کھولنے چلا گیا ہے' لیکن اس سے دل کا دروازہ نہیں کھلتا۔ من کی چنتا دور نہ ہو تو سکون نہیں مل سکتا۔

آج کا سب سے بڑا المیہ خود گریزی ہے اور سکون کیلئے خود شناسی اور خود آگہی درکار ہے۔ ایک دفعہ ایک آدمی جسے اپنے گھر میں سکون نہیں ملتا تھا' اپنی بیوی سے کہنے لگا ''بیگم! میں چاہتا ہوں کہ سکون قلب کی خاطر مقدس سفر اختیار کروں۔'' بیوی سمجھ گئی کہ اس کا خاوند اس سے بیزار ہے۔ بولی ''اتنے نیک سفر میں دیر کیا ہے۔ چلئے میں بھی اس نیکی کی تلاش میں آپ کے ہمراہ چلتی ہوں۔'' خاوند نے کچھ دیر سوچا' بولا ''چلو جانے دو۔ میرے نصیب میں سکون نہیں۔ میں اسی جہنم میں گزر اوقات کر لوں گا۔''

بات دراصل اتنی سی ہے کہ سکون قلب اپنے موجودہ حالات ہی میں مل سکتا ہے' جسے اپنے دیس میں سکون نہیں ملا' اس پردیس میں کیا اطمینان حاصل ہوگا۔ جسے اپنے گھر میں راحت نہ ملی' اسے اور کون سے گھر میں فرحت ملے گی۔ سکون قلب اپنی زندگی ہے' اپنا انداز فکر ہے۔

جو انسان یہ سمجھتا ہے کہ اچھا زمانہ یا تو گزر گیا ہے یا ابھی آیا ہی نہیں' وہ کیسے سکون حاصل کر سکتا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہے۔ ایک دفعہ ایک جگہ کچھ دوست خوش بیٹھے تھے۔ ایک بے سکون انسان وہاں آیا' بولا ''آپ کیوں خوش ہیں؟'' انہوں نے کہا کہ ''کتنا اچھا موسم ہے۔'' آنے والے نے آہ بھری' بولا ''اچھے موسم کب تک بھائی!''

اگر خواہش اور حاصل کا فرق مٹ جائے' تو سکون مل جاتا ہے۔ انسان کو جو پسند ہے' حاصل کر لے یا پھر جو حاصل ہے اسے پسند کر لے تو سکون مل جاتا ہے۔ جب ہماری تمنا کے پاؤں حاصل کی چادر سے باہر نکل جاتے ہیں' تو ہمیں سکون نہیں ملتا۔ سکون حاصل کرنے والے تختہ دار پر بھی پُرسکون رہے اور مضطرب رہنے والے تخت شاہی پر بھی سسکیاں بھرتے رہے۔ خواہش کا بے ہنگم پھیلاؤ سکون سے محروم کر دیتا ہے۔ خواہش کی داستان کبھی مکمل نہیں ہوتی۔ آغاز رہ گیا' کبھی انجام رہ گیا اور اسی کشمکش میں یہ چند مقدس ایام ہستی ختم ہو جاتے ہیں۔

تمنا کا سفر دشت بے اماں کا سفر ہے۔ سکون کا سفر اپنی ذات کا سفر ہے۔ اپنے باطن کا سفر ہے۔ سکون کے مسافر گھر ہی میں منزلیں طے کرتے ہیں۔ سکون والا انسان اپنے دل میں ہی وہ روشن نقطہ دریافت کر لیتا ہے' جس کی ضیا اسے نور بصیرت عطا کر کے سکون بخشتی ہے۔

جس انسان کی اپنے ماحول سے' اپنے آپ سے صلح ہو' وہ پرسکون رہے گا۔ برائی کو نیکی سے رفع کرنے والا پرسکون رہے گا۔ اپنے دل سے کدورت کے داغ صاف کرنے والا پرسکون رہے گا۔ اپنی زندگی کو کسی کا احسان سمجھنے والا پرسکون رہتا ہے۔

سکون حاصل کرنے کا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ انسان سکون کے حصول کی تمنا چھوڑ کر دوسروں کو سکون پہنچانے کی کوشش کرے۔ سکون دینے والے کو ہی سکون ملتا ہے۔ کسی کا سکون برباد کرنے والا سکون سے محروم رہتا ہے۔ اگر فرض اور شوق یکجا ہو جائیں' تو زندگی پرسکون ہو جاتی ہے۔

کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ دولت سے سکون ملتا ہے' لیکن دولت اور مال نے کبھی کسی کو سکون نہیں دیا۔ بادشاہوں نے بادشاہی چھوڑ کر درویشی تو قبول کی ہے لیکن کسی درویش نے درویشی چھوڑ کر بادشاہی قبول نہیں کی۔ مال جمع کرنے والے اور مال گننے والے پر عذاب ہے۔ وہ مال جو خدا کی راہ میں خرچ کیا جائے' باعث اطمینان ہو سکتا ہے۔

نفرت' کینہ' بغض' جذبہ انتقام' حسد' لالچ' جسم پرستی سکون قلب کے دشمن ہیں۔ سکون والا انسان دوسروں کی زندگی اور خوشی کا احترام کرتا ہے۔ وہ علم حاصل کرتا ہے' جاہلوں کی خدمت کیلئے۔ دولت کماتا ہے' غریبوں کی مدد کیلئے۔ وہ گناہ سے نفرت کرتا ہے' گنہگاروں سے نہیں۔ وہ ان کی بخشش کی دعا کرتا ہے۔ خود جاگتا ہے اور سونے والوں کی سلامتی کی تمنا کرتا ہے۔ وہ مرتبہ حاصل کرتا ہے' مظلوم اور محروم کی اعانت کیلئے۔ وہ اپنے گھر اور دل کے دروازے کسی پر بند نہیں کرتا۔ وہ اپنے مرتبے سے کسی کو ڈراتا نہیں۔ وہ مخلوق کو خالق کا عمل سمجھ کر اس کی عزت کرتا ہے۔

سکون کا راہی ہر حال میں پرسکون رہتا ہے۔ وہ خوف اور حزن سے آزاد ہے۔ وہ غم اور غصے سے بے نیاز ہے۔ وہ حسرتوں اور مایوسیوں کو تیاگ چکا ہوتا ہے۔ دراصل سکون قلب تقرب حق کا وہ مقام ہے' جہاں انسان نعمتوں سے منعم کی طرف رجوع کر کے اس کے ذکر میں محویت حاصل کرتا ہے۔ زندگی کے متلاطم سمندر میں سکون قلب ہی عافیت کا ایک جزیرہ ہے اور نصیب والے ہی اسے دریافت کرتے ہیں۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

سکون قلب اس وقت تک نہیں ملتا جب تک کوئی عطا کرنے والا نہ ملے۔ عطا کرنے والا ایک نگاہ سے دولت تسکین بخشتا ہے۔ اس کا ایک لفظ ہی دل کا قفل کھول کر اسے سکون سے مالا مال کر دیتا ہے۔

والدین کی خدمت' استاد کا ادب' سائل اور یتیم کی دعا' سکونِ قلب کے ذرائع ہیں۔ یتیم کا مال کھانے والا ہزار یتیم خانے بنائے' سکون نہیں پائے گا۔ پیٹ میں آگ ہو تو دل میں سکون کہاں۔ رزق صالح نہ ہو تو سکون قلب کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

امانت میں خیانت کرنے والا سکون نہیں پا سکتا۔ فطرت سے حاصل ہونے والی پہلی امانت معصومیت ہے۔ کسی کا اعتماد امانت ہے۔ منصف کا منصب امانت ہے۔ خیانت کرنے والے سکون نہ پائے گا۔ الفاظ امانت ہیں۔ ابہام پیدا کرنے والا مصنب سکون نہ پائے گا۔ کم وزن' معیار سے گری ہوئی اشیاء بیچنے والا اور زیادہ منافع کا کاروبار کرنے والا دنیا ہی میں عذاب سے دوچار ہوگا۔ اسے سکون نہیں ملے گا۔

دوسروں کا حق غصب کرنے والا زندگی بھر سکون نہ پا سکے گا۔ وہ سکون کیلئے بھاگے گا۔ اس کو مکافات کے بچھو اندر ہی اندر ڈسیں گے۔ وہ چلائے گا۔ اس کی چیخ غلق سے باہر نہ نکل سکے گی۔ جس نے محسنوں سے وفا نہ کی' اس کو بھی سکون نہیں ملے گا۔ محسن کا حق ہے کہ اس کا شکر ادا کیا جائے' اس کے ساتھ وفا کی جائے۔

ہمارے ملک میں اس شخص پر سکون قلب حرام ہے' جس کو اسلام اور پاکستان سے محبت نہ ہو' اسی طرح اپنے اسلاف سے وابستہ رہنے سے سکون ملتا ہے' نہیں تو نہیں۔

آج اگر ہم ایک دوسرے کو معاف کر دیں اور ایک دوسرے سے معافی مانگ لیں' تو ہمارا مستقبل سکون قلب کے خزانوں سے بھر جائے گا۔ کمزور پر رحم کرنا باعث تسکین ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ اگر چڑیا مالک کے گھر میں پنجرے کے اندر بھوک سے مر جائے تو چڑیا کا بنانے والا آسمانوں سے قہر نازل کرتا ہے۔ اپنے سے کمتر کا خیال رکھنا سکون قلب کا ذریعہ ہے۔ سکون قلب مالک کا قرب ہے اور قرب الٰہی کا واحد ذریعہ سجدہ شکر ہے۔

☆

میں ایک فرد ہوں مجھ سے ہے ملتوں کا ظہور
حقیقتوں کو جنم دینے والا خواب ہوں میں
ورق ورق مری نظروں میں کائنات کا ہے
کہ دست غیب سے لکھی ہوئی کتاب ہوں میں
در عطا پہ ہوں میں آخری سوال، مگر
اسی سوال کا اک آخری جواب ہوں میں
کسی نظر میں علامت ہوں خود پسندی کی
کسی نگاہ میں اک ذرہ تراب ہوں میں

☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

تضاد و اضداد

جس طرح یہ کائنات مجموعہ اضداد ہے' اسی طرح ہماری زندگی بھی اضداد و تضاد کا مرقع ہے۔ نور و ظلمات کے حسین امتزاج سے یہ کائنات جلوہ آرا ہے۔

دن اور رات کی تقسیم میں زمانے کا لامتناہی سفر جاری ہے۔ اسی میں بود و نابود کی عظیم کارفرمائیاں ہو رہی ہیں۔ وقت کا سلسلہ مستقبل اور ماضی سے قائم ہے۔ مستقبل کو ماضی بنانے والے زمانے کو حال کہتے ہیں۔ یہ حال موجود لمحے کا نام ہے۔ یہ لمحہ کئی صدیاں نگل چکا ہے اور اس نے ابھی کئی اور صدیوں کو نگلنا ہے۔

یہ کائنات ہمہ وقت تبدیل ہو رہی ہے' لیکن یہ کائنات کبھی بدلتی نہیں۔ یہی اس کا تضاد ہے اور یہی اس کا حسن ہے۔ رات کے دامن سے نور آفتاب نکلتا ہے اور شام اس سورج کو نقاب پہنانے چلی آتی ہے۔ ہر مقام بیک وقت مشرق بھی ہے اور مغرب بھی اور کوئی مقام نہ مشرق ہے نہ مغرب۔ اس تضاد میں کوئی تضاد نہیں۔

اسی طرح قوس اور خط مستقیم دو مختلف قسم کے خطوط ہیں' لیکن ایک حد سے پرے قوس اور خط مستقیم میں کوئی فرق نہیں رہتا۔

تخلیق میں تضادات نفرت کیلئے نہیں' پہچان کیلئے پیدا فرمائے گئے ہیں۔ تضادات سے ہی افراد' احوال اور اشیاء کی پہچان ممکن ہے۔

خیر کو سمجھنے کیلئے شر اور شر کو جاننے کیلئے خیر کو تخلیق کیا گیا۔ ایک دوسرے کی ضد کے ساتھ ساتھ خیر اور شر کا اپنا الگ وجود موجود ہے۔ اگر خیر کا تصور نہ بھی ہو تو شر کسی اور نام سے موجود رہے گا۔ دونوں کو تخلیق کرنے والی ایک ہی ذات ہے۔

اسی طرح ازل کو جاننے کیلئے ابد اور ابد کی پہچان کیلئے ازل کا علم ضروری ہے' لیکن ازل اور ابد الگ الگ وجود میں موجود ہیں۔ زندگی ازل ہے تو موت ابد۔ یہاں زندگی سے مراد ابتدائے حیات ہے اور موت اس مقام کو کہیں گے جہاں تصور مرگ و حیات مرتا ہے۔ جس مقام کے بعد کوئی موت نہ ہو' وہی ابد ہے۔

تضادات کو جاننے کیلئے علم الاضداد کا جاننا ضروری ہے۔ یہ وسیع علم ہے۔ نفی اور اثبات' لا اور الہ' عزت اور ذلت' ظلم اور رحم' ظاہر اور باطن' خارج اور داخل' روح اور مادہ' غم اور خوشی' زندگی اور موت' غرضیکہ ہر اسم اور صفت کے مقابل ایک اور اسم' ایک اور صفت موجود رہتی ہے' جس سے اس اسم اور اس صفت کی پہچان ممکن ہوتی ہے۔

لامحدود کی پہچان محدود سے ہے۔ انسان اپنے نفس کی پہچان کرے تو اسے رب کی پہچان اور اس کائنات کی پہچان ممکن ہو جاتی ہے۔

اپنی پہچان کے سفر میں تضادات سے آشنائی ہوتی ہے۔ ہنسنا اور رونا' جاگنا اور سونا' پانا اور کھونا' ہونا اور نہ ہونا ہوتا ہی رہتا ہے۔ یہ تضادات تفسیر حیات کے حسین ابواب ہیں۔ استقامت ہو تو یہ تضادات ختم ہو جاتے ہیں۔

رنگوں کا تضاد بے رنگی میں ختم ہو جاتا ہے اور الفاظ و آواز کا تضاد سکوت میں قائم نہیں رہ سکتا۔ پہچان ہو جائے تو حاصل، محرومی اور کامیابی و ناکامی کا فرق مٹ جاتا ہے۔ کامیابیوں کی منزلیں طے کرنے والا ناکامی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کے عبرت کدے میں دم توڑ سکتا ہے۔ ناکامی کی افتاد سے نکلتا ہوا انسان کامیابی کی چوٹی تک پہنچ سکتا ہے۔

غریب الوطنی میں مرنے والا سکندر عظیم فاتح بھی تھا۔ ہلکانے والی زبان اللہ سے ہمکلام بھی ہوسکتی ہے۔ غریبی میں بادشاہی بھی ہوسکتی ہے اور بادشاہی میں فقیری بھی ممکن ہے۔ ایسا ہوتا رہا ہے۔

بغاوت کامیاب ہو جائے تو انقلاب کہلاتی ہے اور انقلاب ناکام ہو جائے تو بغاوت کہلاتا ہے۔ بلند مقاصد کا سفر بھی تضادات سے مبرا نہیں ہوتا۔ ایک مقصد کی کامیابی دوسرے مقاصد کی ناکامی بھی ہے۔ ایک آرزو کو پورا کرنے کیلئے کتنی آرزوؤں کا خون کرنا پڑتا ہے۔ اگر معیار بدل جائے تو حاصل اور محرومی میں فرق نہیں رہتا۔ فرعون کامیاب بادشاہ سمجھا جاتا تھا۔ اس کے پاس دولت تھی' لوگوں میں عزت تھی' صاحب امر بھی تھا۔ اس کا حکم نافذ بھی تھا اور موسیٰ گھر سے بے گھر' صحرا بہ صحرا' جو بہ جو پھرنے والے اللہ کے رسول تھے۔ کون کامیاب تھا اور کون ناکام' اس کا فیصلہ ہو چکا ہے۔

یوسف کیلئے پیغمبری کا سفر کنوئیں میں گرنے سے شروع ہوا۔ کتنی بلندی اور کتنی ابتلا۔ تضاد ہے' لیکن تضاد نہیں ہے۔

ہماری زندگی میں تضادات کا ہونا کوئی غیر فطری بات نہیں۔ تضادات کائنات میں ہیں بلکہ فاطر حقیقی کی صفات عالیہ پر غور کیا جائے تو ہمیں ہمارے تضادات کچھ اجنبی نہیں محسوس ہوں گے۔

زندگی عطا فرمانے والا کچھ عرصہ کے بعد موت عطا فرماتا ہے۔ زندگی واپس لے لیتا ہے۔ وہ خود ہی کسی کو ملک عطا فرماتا ہے اور خود اسے معزول کر دیتا ہے۔ وہ عزت دیتا ہے' وہی ذلت دیتا ہے۔

حساب کرنے پر آئے تو رائی کے دانے تک کا حساب کر لے۔ بخشش کرنے پر آئے تو سیات کو حسنات میں بدل دے۔ محنتوں کو فاقے سے گزار دے اور چاہے تو کم محنت کرنے والوں کو بے حساب عطا فرما دے۔ وہ کبھی خزانے عطا فرماتا ہے اور کبھی وہ قرض حسنہ بھی مانگتا ہے۔ اس کے کام عجب ہیں۔

وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اس کے قبضہ قدرت سے کسی شے کے باہر ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اس کے باوجود آدھی سے زیادہ دنیا اس کو نہیں مانتی۔ اس کا دعویٰ ہے کہ ہر وجود کا رزق اس کے ذمہ ہے۔ لیکن ہمارا مشاہدہ اس مقام تک نہیں پہنچ سکتا' جہاں ان تضادات میں کوئی تضاد نہیں رہتا۔

غور کرنے والی بات یہ ہے کہ اللہ نے اپنے مخالف' اپنے دشمن کو مارا نہیں۔ وہ قادر ہے۔ اس نے شیطان کو زندہ رکھا ہے۔ یہی سب سے بڑا تضاد ہے اور یہی اس کا حل۔

ہمیں تضادات سے جنگ نہیں کرنا۔ تضادات کو احسن طریقے سے حل کرنا ہے۔ ہمارا نظریہ اپنی جگہ پر درست' لیکن دوسروں کے نظریات ان کیلئے اتنا ہی مقدس و بامعنی ہیں۔ اپنا نقطہ نظر واضح کرنے کا حق تو ہے۔ دوسروں کو قتل کرنے کا حق نہیں۔

اللہ نے اپنی زمین میں اپنے نہ ماننے والوں کو جس طرح برداشت فرمایا ہوا ہے' اسی طرح ہم بھی دوسروں کو ان کے عقائد کے اختلاف کے باوجود برداشت کیوں نہیں کرتے؟ زندگی میں مختلف نظریات کا ہونا زندگی کا حسن ہے۔ کسی انسان سے اس لئے نفرت نہیں کرنا چاہئے کہ اس کا لباس ہمارے لباس سے مختلف ہے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

تضادات کو برداشت کرنے کیلئے عظیم دل چاہئے۔ کمزور عقیدہ الجھتا ہے' لڑتا ہے' جھگڑتا ہے۔ لیکن طاقتور اور صحت مند عقائد دوسرے عقیدوں کو اپنے ساتھ اس طرح ملاتے ہیں' جیسے سمندر دریاؤں کو اپنے اندر سمیٹتا ہے۔

ایک انداز کی صداقت دوسرے انداز کی صداقت کو غلط سمجھتی ہے' باطل سمجھتی ہے' حالانکہ سب سے بڑی صداقت یہ ہے کہ اس کائنات میں کچھ بھی باطل نہیں۔

ہمیں تحمل سے دوسرے کے نقطہ نظر کو سننا چاہئے۔ اس کی خامی کی اصلاح کرنا چاہئے۔ اس سے محبت کرنا چاہئے۔ کوئی شخص بیمار ہو جائے تو اس سے نفرت نہیں کرنا چاہئے۔ اسی طرح کسی کا عقیدہ بیمار ہو جائے' تو اس کیلئے زیادہ توجہ اور رحم کی ضرورت ہے۔

عقائد و نظریات پر اتنی کتابیں لکھی جا چکی ہیں کہ دنیا کا کسی ایک عقیدہ پر متفق ہونا مشکل ہے۔ ایک گروہ نے ایک کتاب پڑھ لی ہے' دوسرے نے دوسری۔ یہی اختلاف کی وجہ ہے۔ کتابی علم کے علاوہ دیکھا جائے تو ہر انسان کے دل کی دھڑکن ایک جیسی ہے۔ سب کی آنکھوں میں ایک جیسے آنسو ہیں اور ہر انسان نے اس دنیا میں چند معدود ایام گزارنے ہیں۔

جو انسان ہماری نگاہ میں خار بن کر کھٹکتا ہے' وہ بھی کسی کا منظور نظر ہے۔ عقیدتوں کا فرق بھی مقدر کے فرق کی طرح انسان کے ساتھ پیدا ہوتا ہے۔ اس میں کوئی الجھاؤ نہیں۔

یہ عقائد' بیان بلکہ حسن بیان کی باتیں ہیں۔ اصل عقیدہ ہمارا عمل ہے۔ دوسرے کا عمل اس کا عقیدہ ہے۔ فریقین میں محبت ہو' تو عقیدے کا اختلاف ختم ہو جاتا ہے۔ ڈوبنے والے سے اس کی مدد سے پہلے عقیدہ پوچھنا ظلم ہے۔

زندگی کے بارے میں بہت کچھ کہا گیا ہے۔ زندگی وجودیت ہے' روحانیت ہے' جنسیت ہے' حسیت ہے' وحدت الوجود ہے' وحدت الشہود ہے' معاشی استحکام کا نام ہے' حقیقت ہے۔' خواب ہے' تقدیر ہے' تدبیر ہے' یہ عقیدہ ہے وہ عقیدہ ہے۔ یہ سب صحیح ہے۔ اس میں الجھاؤ نہیں' لیکن میری زندگی میرا ہی نام ہے' میرا عمل ہے' مجھ سے میرے بارے میں سوال ہوگا۔

سورج کا مذہب نہیں پوچھا جاتا' اس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے۔ ہر انسان ہر دوسرے انسان کی ضرورت کا خیال رکھے' تو عقائد کا تضاد ختم ہو جاتا ہے۔

تضاد تخلیق ہی حسن تخلیق ہے۔ تضاد فکر حسن ہے۔ تضاد اعتقاد ہی زمین پر حسن عقیدت ہے۔ شاہین اپنی بلند پروازی میں کوتاہی نہ کرے' اپنی بلند نگاہی کا لطف اٹھائے' اسے کرگس کی مردار خوری سے کیا عناد؟ مور اپنے پروں کو پھیلا کر رقص کرے' اسے کوؤں سے کیا ضد؟

جو انسان اللہ کے جتنا قریب ہوگا' اتنا ہی انسانوں کے قریب ہوگا۔ اللہ سے محبت کرنے والے ہر انسان سے محبت کرتے ہیں۔ جو ذات اللہ کے بہت ہی قریب ہے' وہی کائنات کیلئے رحمت ہے۔ پستیوں کی خدمت سے بلندی حاصل ہوتی ہے۔ تضادات کو خالق کے حوالے سے پہچانا جائے' تو تضادات میں کوئی الجھاؤ نہیں۔ یہ تضادات نفرت کیلئے نہیں' محبت اور پہچان کیلئے ہیں۔ خالق حق ہے۔ تخلیق اپنے ہمہ رنگ جلوؤں سمیت برحق ہے۔ مخلوق اپنے عقائد و نظریات کے تضادات کے باوجود عین حقیقت ہے۔ نجات' عمل اور حسن سلوک میں ہے۔

☆.....☆.....☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

خوشی اور غم

غم اور خوشی انسان کی اپنی کیفیات کے نام ہیں۔ یہ انسان کی اپنی وابستگی اور خواہش کے روپ ہیں۔ ایک انسان کا غم ضروری نہیں کہ دوسرے کا بھی غم ہو' بلکہ اس کے بالکل برعکس ایک کا غم دوسرے کی خوشی بن سکتا ہے۔ غم کے گیت میٹھے اور سریلے ہونے کی وجہ سے سننے والوں کو خوشی عطا کرتے ہیں۔ انداز نظر بدل جائے تو نظارہ بدل جاتا ہے۔ کل کا غم آج کی مسرت ہے اور آج کی خوشی نہ جانے کب آنسو بن کر بہہ جائے۔

انسان کا اپنا احساس واقعات کو غم اور خوشی سے تعبیر کرتا ہے۔ شبنم کے قطرے رات کے آنسو بھی ہیں اور صبح کی مسکراہٹ بھی۔ حقیقت یہ ہے کہ غم اور خوشی ایک ہی شے کے نام ہیں۔ ہر خوشی' غم بنتی ہے۔ جتنی بڑی خوشی اتنا بڑا غم۔ غم آخر خوشی کے چھن جانے کا ہی تو نام ہے۔ جو شے زندگی میں خوشی بن کے داخل ہوتی ہے' وہ غم بن کے رخصت ہوتی ہے۔ وصال و فراق کی اصل داستانیں اصل میں غم اور خوشی کے قصے ہیں۔ وصال نہ ہو تو فراق بے معنی ہے۔ چونکہ خوشی سے مفر نہیں' اس لئے غم سے مفر نہیں۔ جس طرح ہستی سے مفر نہ ہو' تو موت سے مفر نہیں۔ پیدا ہونے والا مرتا ضرور ہے۔ خوشی پیدا ہوتی ہے اور اس کی موت غم کا جنم ہے۔ ہمارے لئے ہماری وابستگیاں غم اور خوشی پیدا کرتی رہتی ہیں۔ اگر باپ نے بیٹے کا ماتم نہیں کیا تو بیٹا اپنے کاندھے پر باپ کا جنازہ اٹھاتا ہے۔

کون سی ہے آنکھ جو غم سے یہاں روتی نہیں
جانے والوں کی مگر رفتار کم ہوتی نہیں

انسان فانی اشیاء سے محبت کرتا ہے' ان کی تمنا کرتا ہے' انہیں جمع کرتا ہے اور فانی شے ختم ہو جاتی ہے تو وہ غمزدہ ہو جاتا ہے۔ انسان خرمن جمع کرتا ہے' دانہ دانہ چن کے اور پھر ایک دن برق خرمن سے آشنا ہو جاتا ہے۔ خوشی بیٹی کی طرح گھر میں پلتی ہے اور جب جوان ہو جائے تو رخصت کر دی جاتی ہے۔ تمام مذاہب ایسے مقامات کی نشاندہی کراتے رہے ہیں' جہاں انسان کو خوف اور حزن نہیں ہوتا۔ دراصل یہ روح کا مقام ہے۔ ایسا مقام جہاں تعلق نصیب ہوتا ہے' بڑی روح سے' کائناتی روح سے اور یہ تعلق فراق و وصال سے بے نیاز ہوتا ہے۔ قطرے کو سمندر سے تعلق ہو جائے تو وہ فنا اور بقا سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ اگر خواہش اور آرزو ہی نہ رہے تو غم اور خوشی کیا۔ حقیقی خوشی اور حقیقی غم ایک ہی سے ہیں۔ ہم جس کو یاد کر رہے ہیں' وہ تو ہمارے پاس ہے۔ جو دل میں پنہاں ہے' نظر سے اوجھل ہے' جس کی یاد بے قرار کر رہی ہے' وہی تو آنکھ سے آنسو بن کر ٹپک رہا ہے۔ یہ بڑے نصیب کی بات ہے' بڑی دور کی منزل ہے۔ بڑا بلند مقام ہے کہ دن اور رات ایک ہی سورج کے روپ نظر آئیں۔ فراق اور وصال محبوب کی ادا ٹھہریں' اپنا اور غیر یکساں نظر آئے۔ کوا اور مور ایک ہی جلوے کے پہلو نظر آئیں۔ غم اور خوشی ایک ہی شے کے نام ہو کر رہ جائیں۔ انسان روتے روتے ہنس پڑے اور ہنستے ہنستے رونا شروع کر دے۔ حاصل و محرومی سے بے نیاز ہو کر انسان معراج تعلق تک پہنچتا ہے اور تعلق کے حصول

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کے بعد ستم اور کرم دونوں ہی محبوب کی دلبری کے انداز ہیں۔

دنیا میں خوشی حاصل نہیں ہو سکتی' جب تک ہم دوسروں کو خوش نہ کریں۔ خوش کرنے والا ہی خوشی سے آشنا کرایا جاتا ہے اور ہر خوش کرنے والا اور خوش رہنے والا تنہائیوں میں آنسوؤں سے دل بہلاتا ہے۔ لذت ستم مل جائے تو اور کرم کیا ہے۔ آہ سحر گاہی انعام ہے' ان کیلئے جو بارگاہ صمدیت میں مقرب ہوں۔ بے قرار روحیں سرشار ہوتی ہیں بلکہ زمانوں کو سرشار کرتی ہیں۔ روہی میں رونے والا فرید" آخر پکار اٹھتا ہے۔ (دنیا والو! جس کو تلاش کر رہے ہو وہ ہمہ وقت میرے پاس ہے)

خلقت کوں جیندی گول اے

ہر دم فریدؔ دے کول اے

کسی انسان کے غم کا اندازہ اس کے ظرف سے لگایا جاتا ہے۔ کم ظرف آدمی دوسروں کو خوش دیکھ کر ہی غم زدہ ہو جاتا ہے۔ وہ یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ لوگ خوش رہیں۔ وہ ان کی خوشیوں کو برباد کرنے پر تل جاتا ہے۔ اس کی خوشی یہ ہے کہ لوگ خوشی سے محروم ہو جائیں۔ وہ اپنے لئے جنت کو وقف سمجھتا ہے اور دوسروں کو دوزخ سے ڈراتا ہے۔ ایک بخیل انسان نہ خوش رہ سکتا ہے' نہ خوش کر سکتا ہے۔ سخی سدا بہار رہتا ہے۔ سخی ضروری نہیں کہ امیر ہی ہو۔ ایک غریب آدمی بھی سخی ہو سکتا ہے۔ اگر وہ دوسروں کے مال کی تمنا چھوڑ دے۔ اسی طرح جن لوگوں کا ایمان ہے کہ اللہ کا رحم اس کے غضب سے وسیع ہے۔ وہ کبھی مضموم نہیں ہوتے۔ وہ جانتے ہیں کہ غربت کدے میں پلنے والا غم اس کے فضل سے ایک دن چراغ مسرت بن کر دلوں کے اندھیرے دور کر سکتا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ پیغمبر بھی تکالیف سے گزارے گئے لیکن پیغمبر کا غم امت کی فلاح کیلئے ہے۔ غم سزا نہیں۔ غم انعام بھی ہے۔ یوسف کنویں میں گرائے گئے' ان پر الزام لگا' انہیں قید خانے سے گزرنا پڑا لیکن ان کے تقرب اور ان کے حسن میں کمی نہ ہوئی۔ ان کا بیان احسن القصص ہے۔ دراصل قریب کر دینے والا غم دور کر دینے والی خوشیوں سے بدرجہا بہتر ہے۔ منزل نصیب ہو جائے تو سفر کی صعوبتیں کامیابی کا حصہ کہلائیں گی اور اگر انجام محرومی منزل ہے تو راستے کے جشن ناعاقبت اندیشی کے سوا کیا ہو سکتے ہیں۔ انسان اگر باشعور ہو جائے تو وہ پہچان لیتا ہے کہ ایک غم اور دوسرے غم میں کوئی فرق نہیں۔ کل کے آنسو اور آج کے آنسو ایک جیسے ہیں۔ باشعور انسان غور کرتا ہے کہ کوئی خوشی' زندگی کے چراغ کو فنا کی آندھی سے نہیں بچا سکتی۔ زندگی کا انجام اگر موت ہی ہے تو غم کیا اور خوشی کیا۔ کچھ لوگ غصے کو غم سمجھتے ہیں۔ وہ زندگی بھر ناراض رہتے ہیں' کبھی دوسروں پر کبھی اپنے آپ پر۔ انہیں ماضی کا غم ہوتا ہے۔ حال کا غم ہوتا ہے اور مستقبل کی تاریکیوں کا غم۔ یہ غم آشنا لوگ دراصل کم آشنا ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ گزرے ہوئے زمانے کا غم دل میں رکھنے والا کبھی آنے والی خوشی کا استقبال کرنے کیلئے تیار نہیں ہو سکتا۔ ان کا غم امر بیل کی طرح ان کی زندگی کو ویران کر دیتا ہے۔ یہ غم غم نہیں' یہ غصہ ہے یا نفرت ہے۔ غم تو دعوت مژگاں ساتھ لاتا ہے اور چشم نم آلود ہی چشم بینا بنائی جاتی ہے۔ غم کمزور فطرتوں کا راکب ہے اور طاقتور انسان کا مرکب۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

یہاں یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ کچھ لوگ افسوس اور حسرت کو غم سمجھتے ہیں۔ ایسا نہیں ہے افسوس وقتی عمل کا نام ہے' غلط روی کے احساس کا نام ہے۔ افسوس سے نکلنے کا راستہ ''توبہ اور معافی'' کا راستہ ہے۔ حسرت نا تمام آرزو کا نام ہے۔ یہ ایک الگ مقام ہے۔ آرزو اور استعداد کے فرق سے حسرت پیدا ہوتی ہے۔ آرزو جب استعداد سے بڑھ جائے' تو حسرت شروع ہو جاتی ہے۔ باعزم انسان حسرت محفوظ رہتے ہیں۔ انسان اپنی پسند کو حاصل کر لے یا اپنے حاصل کو پسند کر لے' تو حسرت نہیں رہتی۔

بہتر انسان وہی ہے جو دوسروں کے غم میں شامل ہو کر اسے کم کرے اور دوسروں کی خوشی میں شریک ہو کر اس میں اضافہ کرے۔ اپنی صلاحیتوں کو محروم لوگوں کی خدمت کیلئے وقف کرنے والا غم سے نڈھال نہیں ہو سکتا۔ اگر یہ بات مان لی جائے کہ غم شخصیت ساز ہے اور غم اسی کی عطا کی ہے جس نے خوشی دی تھی۔ تو انسان کی زندگی آسان ہی ہو جاتی ہے۔ اندیشوں کو بھی غم نہیں کہنا چاہئے۔ اندیشہ آنے والے زمانے سے ہوتا ہے۔ اگر حال پر نگاہ رکھی جائے تو مستقبل کے اندیشے کم ہو جاتے ہیں۔ اندیشہ ایک ''ناسمجھی'' کا نام ہے۔ اندیشہ امید سے کٹتا ہے۔ امید' رحمت پر ایمان سے حاصل ہوتی ہے اور رحمت کا خالق کا عمل ہے' بلکہ خالق کا دعویٰ ہے کہ اس کی رحمت اس کے غضب سے وسیع ہے۔ وہ خالق جو اپنے محبوب کو رحمۃ اللعالمین ﷺ بنا کر بھیجتا ہے' مخلوق پر غضب نہیں کرتا۔ لہٰذا ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ خالق کی طرف سے مخلوق پر ظلم کا اندیشہ محض وسوسہ ہے۔ خالق نے ہدایت بھیجی' پیغمبر بھیجے' سلامتی کے پیغامات بھیجے' رحمتیں اور برکتیں نازل فرمائیں' مبارک صحیفے اور مقدس کتابیں نازل فرمائیں اور سب سے بڑی بات اپنی رحمتوں کو رحمت عالم ﷺ کی ذات میں مجتمع فرما کر مخلوق کیلئے آسرا بنا کر بھیجا۔ سرکش و باغی انسان ہی اندیشوں میں مبتلا ہو کر غمزدہ و افسردہ رہتا ہے۔ جو لوگ اپنے نفس کے شر اور ظلم سے بچ گئے' وہ غم سے بچ گئے۔ ان کیلئے بشارت ہے' ہمیشہ ہمیشہ کیلئے شاداب و سرسبز جنت کی۔ اندیشہ دوری ہے اور امید خواہش تقرب ہے۔ جس انسان نے استقامت اختیار کی' حقیقت کی راہ میں وہ مایوس نہیں کیا جاتا۔

سوچنا چاہئے کہ انسان اس زندگی میں نہ کچھ کھوتا ہے' نہ پاتا ہے۔ وہ تو صرف آتا ہے اور جاتا ہے۔ کیا حاصل اور کیا محروم۔ کسی کا چہرہ کسی کی زندگی میں خوشی پیدا کر جاتا ہے اور کسی کی زندگی میں غم دے جاتا ہے۔ یہ سب قدرت کے کھیل ہیں۔

لوگ حالات اور ترقی سے خوشی حاصل کرنا چاہتے ہیں' حالانکہ خوشی کا تعلق حالات سے نہیں۔ خوشی ایک حالت کا نام ہے' اپنی حالت' اپنا احساس' اپنا انداز فکر۔ احساس کی اصلاح ہو جائے تو غم اور خوشی کی بحث ختم ہو جاتی ہے۔ دلبر' دل کے پاس نظروں کے سامنے ہو تو تختہ دار جنت سے کم نہیں۔ دلبر دور ہو تو جنت بھی جہنم۔ دلبر کی یاد سرمایہ ہے اور اس کے کوچہ کی گدائی بھی تاج شاہی سے کم نہیں۔ تو حاصل یہ ہوا کہ غم اور خوشی اپنے انداز فکر کے نام ہیں۔ نیکی کے راستے میں محرومی بھی خوشی کا باعث ہے اور گناہ کا حاصل ہو جانا بھی غم کا باعث ہے۔ دن کو لٹنے والا اگر رات کو آرام سے سو جائے تو راہزن کیلئے دعا کے علاوہ کیا ہو سکتا ہے۔ اگر زندگی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کسی اور کی خوشنودی کا باعث ہو جائے تو غم نہیں ہوگا۔ اگر خود غرضی مقصد حیات ہو' تو کبھی خوشی نصیب نہ ہوگی۔ خوشی اور غم موسموں کی طرح آتے جاتے رہتے ہیں۔

غم خوشی بن کر زندگی میں داخل ہوتا ہے اور خوشی غم بن کر زندگی سے نکل جاتی ہے اور پھر محروم زندگی آشنائے لذت وکیف کرا دی جاتی ہے۔ اسی طرح جیسے خزاں زدہ باغ ایک دن سرسبز و شاداب کر دیا جاتا ہے۔ بہار دو خزاؤں کے درمیانی وقفہ کا نام ہے اور خزاں دو بہاروں کے درمیانی زمانے کا۔ ایک دفعہ ایک انسان اپنے کسی عزیز کی موت پر رو رہا تھا۔ لوگوں نے کہا ''روتے کیوں ہو۔ اب آنسوؤں کا کیا فائدہ۔'' اس نے جواب دیا ''روتا اسی بات پر ہی ہوں کہ اب رونے کا فائدہ ہی نہیں۔'' جو شے رونے سے واپس نہیں ہو سکتی اس پر رونا کیا اور رونا ہوتا ہی اسی شے پر ہے جو رونے سے بھی واپس نہ آئے۔

خوشی کا تعاقب کرنے والا خوشی پا سکتا۔ یہ عطا ہے مالک کی' جو اس کی یاد اور اس کی مقرر کی ہوئی تقدیر پر راضی رہنے سے ملتی ہے۔ کپل دستو کا راجہ خوشی حاصل نہ کر سکا۔ لیکن ''گیا'' کا گیانی خوشی سے سرشار ہو کر لوگوں کو خوشی کی منزل دکھاتا رہا۔ اسلام نے استقامت کو ذریعہ مسرت کہا ہے اور بجا کہا ہے۔ مستقل مزاج انسان غم اور خوشی کے حجابات سے نکلتا ہوا حقیقت کے نور تک پہنچ جاتا ہے اور یہی وہ مقام ہے جہاں نہ غم ہے نہ خوشی۔ بس ایک سرشاری ہے' ایک ایسی حالت کہ جہاں نہ دولت کی خواہش ہوتی ہے نہ وجود کی تسکین کی آرزو۔ یہاں انسان بارگاہ حسن میں محو نظارہ ہوتا ہے نہ حاصل نہ محرومی' نہ غم نہ خوشی' نہ آرزو نہ شکست آرزو۔ یہ بڑی خوش نصیبی ہے۔ اپنے نصیب پر خوش رہنا چاہئے۔ اپنی کوششوں پر راضی رہنا چاہئے اور کوششوں کے انجام پر بھی راضی رہنا چاہئے۔ دوسرے انسانوں کے نصیب سے مقابلہ نہیں کرنا چاہئے۔

جو ذرہ جس جگہ ہے وہیں آفتاب ہے۔

اللہ ہمیں حقیقی خوشیاں عطا فرمائے اور حقیقی غم سے بھی آشنا کرے۔ ابدی غم اور ابدی خوشی ازلی نصیب ہے۔

☆

جو شے چلنے سے حاصل نہیں ہوتی' وہ ٹھہرنے سے حاصل ہو جاتی ہے۔ جو راز پیسے جمع کرنے میں نہ پایا جائے' وہ خرچ کرنے میں ضرور پایا جائے گا۔ جسے سونے والا دریافت نہ کر سکے' اسے جاگنے والا ضرور دریافت کرے گا۔

☆......☆......☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

میں اور میں

میں نے آئینے میں دیکھا' میرا عکس تھا' ہو بہو مجھ جیسا۔ میں اس میں محو ہو گیا۔ اس کی حرکات و سکنات میرے جیسی تھیں۔ میں آگے بڑھتا گیا' وہ آگے بڑھتا گیا۔ میں پیچھے ہٹا' وہ پیچھے ہٹ گیا' میں چھپ گیا' وہ چھپ گیا۔ یہ عجیب کھیل تھا۔ میں سوچتا کہ اصل ''میں'' کون ہے۔ آئینے کے اندر یا باہر۔ ایک اصل ہے' دوسرا عکس ہے اور اصل عکس کا عکس ہے۔ یہ سوچ بڑی اذیت ناک تھی۔ میں اس سے ہمکلام ہوا' وہ خاموش تھا۔ مجھے عجیب محسوس ہوا۔ عکس اصل سے مختلف معلوم ہوا۔ وہ ہمیشہ خاموش رہا اور میں ہمیشہ بولتا رہا۔

ایک دن میں نے اس سے پوچھا۔ ''تم بولتے کیوں نہیں؟'' وہ مسکرایا اور چپ رہا۔ کمرے میں سناٹا تھا۔ میں نے پھر سوال کیا۔ ''تم بولتے کیوں نہیں؟'' اس نے کہا ''میں بولوں گا تو تم برداشت نہ کر سکو گے۔'' بس اتنا سن کر ہیبت طاری ہو گئی۔ کپکپی طاری ہو گئی اور پھر معلوم نہیں کیا ہوا۔ نہ معلوم آئینے میں سما گیا وہ آئینے سے باہر نکل آیا۔ بہر حال برداشت سے باہر تھا جو ہوا سو ہوا۔

اس دن سے آئینہ ٹوٹ گیا۔ آئینے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ وہ اور میں ساتھ ساتھ تھے۔ اس دن سے مجھے ہر شے بدلی بدلی نظر آنے لگی۔ مشرق سے نکل کر مغرب میں ڈوبنے والا سورج یوں معلوم ہوا کہ یہ نہ کہیں سے نکلتا ہے' نہ ڈوبتا ہے۔ ہر مقام بیک وقت مشرق بھی ہے اور مغرب بھی اور ان مشارق و مغارب سے ماورا ایک کائنات ہے' جہاں نہ دن ہے نہ رات' نہ ہونا ہے اور نہ نہ ہونا۔

اس دن سے مجھے یوں محسوس ہوا کہ میں ایک طویل ماضی کی انتہا ہوں اور ایک طویل مستقبل کی ابتدا بھی میں ہی ہوں۔ میرے کندھوں پر ماضی اور مستقبل کا بوجھ ہے۔

مجھے محسوس ہوا کہ میں ہر انسان کا حصہ ہوں اور ہر انسان میرا حصہ ہے۔ میں ہر وجود میں موجود ہوں اور ہر وجود مجھ میں موجود ہے۔ دنیا میں ہونے والے ہر جرم کی ذمہ داری مجھ پر ہے اور نیکی کا بھرم میرے ہی دم سے ہے۔

میری سوچ بھی عجیب ہو گئی۔ میں کبھی رات کو آفتاب دیکھتا ہوں اور کبھی دن کو تارے نظر آتے ہیں۔ خوابوں میں جاگتا ہوں اور بیداری میں خواب دیکھتا ہوں۔

میں خود ہی آخری سوال ہوں اور خود ہی اس کا آخری جواب۔ میرے لئے ہر حاصل محرومی ہے اور ہر محرومی حاصل۔ اب میں جانتا ہوں کہ خوشی غم دینے کیلئے آتی ہے اور غم خوشی کا پیش خیمہ ہے۔

میں اس بڑھیا کے بارے میں بہت سوچتا ہوں جس نے ساری عمر سوت کاتا اور آخر کو اسے الجھا دیا۔ میں ان محنتوں پر روتا ہوں جو رائیگاں کر دی گئیں۔ میں اس عابد کے بارے میں بھی متفکر ہوں' جس کو عبادت کے زعم نے محرومیاں عطا کیں۔ میں جانتا ہوں کہ میں کچھ نہیں جانتا' لیکن مغرور عالم کی عاقبت پر مجھے افسوس ہے۔ میں ان کی حماقت پر حیران ہوں جن کے سر پر کتابوں کا گٹھا ہے اور جن کے دماغ اور دل خالی ہیں۔

میں سوچتا ہوں کہ پہاڑوں کے دامن میں مٹی کس طرح آئی اور یہ کہ دریا رواں کیوں ہیں۔ سمندر

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ساکن کیوں ہے۔ آنکھ بنانے والا کتنا بصیر ہوگا اور کان بنانے والا کس طرح کی سماعت رکھتا ہوگا۔ میں تحیر میں ہوں کہ کسی درخت کا کوئی پتا کسی پتے سے نہیں ملتا۔ ہاتھی کو پیدا فرمانے والا چیونٹی کو کس طرح تخلیق کرتا ہے۔ میں اپنے دوسرے "میں" سے نجات چاہتا ہوں' لیکن اس کی گرفت مضبوط ہوتی جا رہی ہے وہ مجھے عجیب داستانیں سناتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ کائنات ایک راز ہے' گہرا راز' رنگ آواز پیدا کرتے ہیں اور آواز کا رنگ ہوتا ہے۔ عجیب کش مکش کا عالم ہے۔ سوچتا ہوں تو خیالات تھک جاتے ہیں۔ انسان دنیا میں کیوں آتا ہے اور اگر آیا ہے تو جاتا کیوں ہے۔ میں سوچتا ہوں کہ لامکاں میں رہنے والا ہر مکان میں موجود کیسے ہے۔ اگر موجود ہے تو لامکاں کیا ہے؟

میں غور کرتا ہوں کہ اگر میں آزاد ہوں' تو مجبور کون ہے۔ میرا آنا اور جانا میرے بس میں نہیں تو میرا ہونا کس کام کا؟ میں حصار وقت کو توڑ سکتا ہوں' لیکن میرے گرد آرزوؤں کے پہرے ہیں۔ میری خواہشات مجھے جکڑ رہی ہیں۔ میں اپنی ملکیت کی ملکیت بن چکا ہوں۔ میں جسے چھوڑ نہیں سکتا' اسے میں نے حاصل کیوں کیا ہے اور میں جسے حاصل نہیں کر سکتا' اس کا خیال چھوڑتا کیوں نہیں ہوں۔

عجیب مخمصے کا عالم ہے۔ کل تک میں تاریخ ساز تھا' آج میں تاریخ کا طلب علم ہوں۔ میری تاریخ جمود کا شکار کیوں ہے' اس کے کچھ اوراق پھٹ گئے ہیں۔ ان پر کیا لکھا ہوا تھا' اب مجھے کون بتائے گا۔

میں سوچتا ہوں کہ وحدت ملت اور تفریق ملت میں کیا فرق ہے۔ میں سوچتا ہوں کہ دولت کی محبت انسان کو بے حس کیوں کر دیتی ہے۔ میرا بھائی جس کارخانے میں ملازم ہے' میں اس کا مالک ہوں' پھر بھی میں اس کا بھائی ہوں۔ اس کو چیتھڑوں میں دیکھ کر میرا قیمتی لباس جھلس کیوں نہیں جاتا۔ میں بے بس ہوں' مجبور ہوں کہ میں اعلیٰ قسم کے کھانے کھاؤں اور بھائی اپنے کمزور نصیب پر صبر کرے۔

میں یہ بھی سوچتا ہوں کہ وہ لوگ کہاں ہیں' کرامت کا دعویٰ کرنے والے۔ میرے گرد و پیش کیا ہو چکا ہے' کیا ہو رہا ہے۔ مجھے اپنے بارے میں فکر کیوں نہیں۔ دروازے بند کر لینے سے طوفان تھم تو نہیں جاتے۔ حقائق کو دیکھ کر تو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

ایک طرف مہمانوں کی یلغار ہے۔ دوسری طرف گھر میں بھی وحدت فکر کم ہے' کیا بنے گا۔ گھر والوں کو ایک خیال میں اکٹھا کرنا ضروری ہے۔ بدنصیب لوگ ملک کو بدنصیب سمجھ رہے ہیں' خوش نصیب اسے خوش نصیب کیوں نہیں بناتے؟

میری دعا بھی بدل گئی ہے۔ میں دعا کرتا ہوں' اے اللہ! مریضوں کو ظالم ڈاکٹروں کے عذاب سے بچا' شریعت کو علمائے سوء سے بچا' طریقت کو خرقہ سالوس کی دسترس سے بچا۔ میرے اللہ! ہمیں میرے اعمال اور خیال کی عبرت سے بچا۔

میں یہ دعا نہیں کرتا کہ دشمن مر جائے۔ میں کہتا ہوں کہ دوست زندہ ہو جائیں۔ جذبے بیدار ہو جائیں۔ عزم پیدا ہو جائے۔ وحدت افکار و کردار حاصل ہو جائے اس قوم میں یقین کی دولت عام ہو جائے۔ میرے اللہ! ہمیں ہمارے وسوسوں سے بچا۔ ہمارے اندیشوں کا منہ کالا کر ہمیں اپنے دعوؤں کی عظمت سے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

متعارف کرا۔ میرے مولا! تاریخ کی رسوائی سے بچا' ہمیں معافی کا راستہ دکھا۔

میرے مولا! اس ملک کے نوجوان طالب علموں کو اس ملک کی صحیح خدمت کرنے کی توفیق عطا فرما۔

میں خواب دیکھنے کا قائل نہیں۔ میں جانتا ہوں کہ خواب دیکھنا یا خواب دیکھنے کے خواب دیکھنا درحقیقت' حقیقت کو نہ دیکھ سکنے کے اضطراب کا نتیجہ ہے۔ خواب اس وقت تک حقیقت نظر آتا ہے جب تک ختم نہ ہو۔ خواب میں خواب کو خواب سمجھنا اتنا ہی مشکل ہے' جتنا اپنے آپ میں ڈوب جانا۔

خواب جھوٹا ہو تو عذاب ہے' مصیبت ہے اور اگر خواب سچا ہو تو بھی تعبیر کا انتظار بے قرار رکھتا ہے۔ ایسا خواب بھی کیا دیکھنا' جس کی تعبیر سمجھ میں نہ آئے۔ خواب کی اونچی اڑان زندگی کے تنگ ہونے والے دائرے کو توڑ نہیں سکتی۔

بہرحال میں خواب کے بارے میں زیادہ نہیں جانتا۔ یہ زندگی ایک خواب گراں ہے۔ ہم سب نیند کے سمندر میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ جب آنکھ بند ہو گی تو آنکھ کھلے گی۔ میں بہت کم خواب دیکھتا ہوں۔ وہ مجھے سونے ہی نہیں دیتا۔ ہاں البتہ ایک دفعہ میں نے خواب دیکھا۔ میں قائداعظمؒ سے ملاقات کیلئے جا رہا ہوں۔ اچانک مجھے خیال آیا کہ میں بہت سے سوالات کو جوابات کے حوالے سے پہچانتا ہوں۔ لیکن اگر قائداعظمؒ نے مجھ سے کوئی سوال پوچھ لیا تو شاید میرے پاس کوئی جواب نہ ہو گا۔ میں ملاقات کئے بغیر واپس لوٹ آتا ہوں۔ بڑا نادم ہوتا ہوں کہ میرا علم ناقص تو نہیں؟

میں عجیب تکلیف میں ہوں۔ اس کا شاید علاج نہیں ہو سکتا۔ میں فکر کی وادیوں میں سرگرداں ہوں مجھے اس عمل کی تلاش ہے' جو مجھے میرے فکر سے نجات دلائے' لیکن یہ سوچ کر کہ اب میرا فکر ہی میرا عمل ہے' میں خاموش ہو جاتا ہوں۔ اپنی تلاش ترک کر دیتا ہوں۔ مجھے مستقبل پر اعتماد ہے۔ مجھے اس کی رحمت پر یقین ہے۔ میرے عمل کی کوتاہی مجھے اس کے فضل سے محروم نہیں کر سکتی۔ اس کی عطا میری خطا سے بہت وسیع ہے۔ میرے ملک کی عزت اس کے نام کی عزت سے وابستہ ہے۔ اس لئے مجھے مایوسی نہیں ہو سکتی۔ ملک عطا کرنے والا اس کی بقا کا انتظام فرمائے گا۔ مجھے ہر انسان دکھی نظر آتا ہے اور ہر انسان دکھ کا باعث بھی اور دکھ کا مداوا بھی۔ ہر بیماری اپنے قریب ہی اپنا علاج رکھتی ہے۔

اب میں سوچ رہا ہوں کہ مجھے اس ساتھی سے نجات حاصل کرنی چاہئے' جس نے میری سوچ کو پراگندہ کر دیا ہے۔ مجھے دوسروں سے مختلف خیال کا کیا حق ہے۔ لوگ جو کچھ کر رہے ہیں' ٹھیک ہی ہو گا۔ خدا کرے ایسا ہی ہو۔ میں تو اپنے بارے میں ہی سوچتا ہوں۔ مجھے بھی غافل ہونے کا حق ہے۔ یہ حق مجھے ملنا چاہئے۔ میں چاہتا ہوں کہ آئینے والے ''میں'' کو واپس بھیج دوں گا' لیکن کیسے؟ آئینہ تو ٹوٹ چکا ہے!!

☆

تقرب الٰہی کے مختلف ذرائع اپنی اپنی جگہ پر مستند و معتبر ہیں' لیکن
تقرب الٰہی کا آسان ترین راستہ کسی کے فیض نظر سے ملتا ہے۔

☆......☆......☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

آرزو

انسان جب تک زندہ ہے' بے آرزو نہیں ہو سکتا۔ شاید آرزو ہی زندگی ہے۔ ہر انسان صاحب آرزو ہے۔ ہر دل آرزو پیدا کرتا ہے۔ آرزو نہ ہو تو زندگی بے معنی سی ہو کر رہ جائے۔

آرزوئیں انسان کو بے بس کر دیتی ہیں۔ انسان انہی آرزوؤں کے حصار میں اس طرح جکڑا جاتا ہے' جیسے شہد میں مکھی اور پھر انسان ڈوبتا ہی جاتا ہے۔ ایک آرزو کا تعاقب' ہمیں دوسری آرزو سے متعارف کراتا ہے اور اس طرح سلسلہ در سلسلہ زنجیر بنتی چلی جاتی ہے اور اس سے نجات کی راہ ممکن ہی نہیں۔

ہماری زندگی کی اکثر وابستگیاں آرزو کے دم سے ہیں۔ محبت آرزوئے قرب محبوب کا نام ہے۔ نفرت آروزئے فنائے عدو ہے۔ حصولِ زر آرزوئے آسائش ہے۔ اسی طرح عبادت آرزوئے تقرب حق ہے۔ غرضیکہ ہر عمل کے ساتھ آرزو کا وابستہ ہونا لازمی ہے۔ بے آرزو عمل مجبوری ہے' لاچاری ہے' بلکہ بیماری ہے۔

آرزو مر جائے تو اس کی لاش سے نئی آرزو پیدا ہوتی ہے۔ یہ ققنس ہے جو جلتا ہے اور اپنی راکھ سے نئے ققنس کو جنم دیتا ہے۔ آرزو تلاش پیدا کرتی ہے اور تلاش سفر پیدا کرتی ہے۔ سفر انسان کیلئے نئے نئے مسائل پیدا کرتا ہے اور ان مسائل کے حل کیلئے نئی تلاش شروع ہو جاتی ہے اور اس طرح چلتے چلتے راستہ بدل جاتا ہے اور انسان حیران و پریشان سوچتا ہے کہ اس نے جو چاہا تھا' وہ یوں تو نہ تھا۔ وہ غور کرتا ہے کہ اس نے جو خواب دیکھا تھا اس کی تعبیر کا سفر ایک نیا خواب بن کر سامنے آیا ہے' جو اپنے لئے کسی نئی تعبیر کا انتظار کرے گا۔ نیا خواب' پرانے خواب سے مختلف ہوتا ہے اور نئی تعبیر اتنی ہی دور ہوتی ہے' جتنی پہلے خواب کی۔ آرزوؤں کے سلسلے در سلسلے اتنے پیچیدہ ہیں کہ ان سے نکلنا یا ان کو سمجھنا دشوار ہے۔

ہماری اکثر آرزوئیں ضرورت کی آرزوئیں ہیں۔ مثلاً خوراک' مکان' لباس' ہر آدمی خوراک کا محتاج ہے' خوراک صرف روٹی کا نام نہیں' جس سے ہم پیٹ بھرتے ہیں۔ خوراک نگاہ کیلئے نظارے کی تمنا بھی ہے۔ آنکھ کی خوراک حسین منظر ہے۔ ذہن کی خوراک حسن خیال ہے۔ دل کی خوراک پر تو جمال ہے۔ روح کی خوراک ذوق خود آگہی کے ساتھ ساتھ لطافت احساس حقیقت ہے۔ ہر اشتہا خوراک کی تلاش پر مجبور کرتی ہے۔ ہم جس کیفیت میں ہوتے ہیں' ویسی ہی خوراک کی ضرورت ہوتی ہے اور اس ضرورت کو پورا کرنے کیلئے انسان سرگرداں ہوتا ہے۔ یہ آرزو ہماری سرشت میں ہے۔ فطرت میں ہے۔ جس بہشت میں ضرورت شجر ممنوعہ ہو' اس بہشت سے انسان جلد ہی نکل جانا پسند کرتا ہے۔ انسان بہشت چھوڑ دیتا ہے' لیکن آرزو نہیں چھوڑتا۔ آرزوؤں پر پہرہ' جبر' قدغن ممکن ہی نہیں۔ کوئی کسی کی خوراک کی ضرورت پوری کئے بغیر اس سے خوراک کی آرزو چھین نہیں سکتا۔ خوراک کی ضرورت کو پورا کرنے کیلئے انسان کو بڑی بڑی صفات عطا کی گئیں۔ انسان صبح گھر سے نکلتا ہے' پرندوں کی طرح اپنے آشیانے سے باہر تلاش خوراک کیلئے طرح طرح کی حرکات کرتا ہے اور پھر شام کو گھر لوٹتا ہے۔ حسرت لے کر یا سرشاری و سرخوشی لے کر اور اس طرح زندگی ایک دائرے میں مقید ہو کر رہ جاتی ہے۔ اس ضرورت کی خواہش کی تکمیل کو انسان

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کامیابی کہتا ہے۔ پھر ایک دن اسے ایک نئی صورتحال سے تعارف ہوتا ہے اور محسوس کرتا ہے کہ یہ ضرورت ہی اس کی واحد ضرورت نہیں۔ اسے کچھ اور بھی چاہئے۔ اس طرح پرانی آرزو ہی پرانا انسان نئی حرکت میں نظر آتا ہے۔

مکان میں رہنے کی آرزو' اپنے ذاتی مکان کے حصول کی آرزو' انسان کو بے چین کر دیتی ہے۔ وہ مکان بناتا ہے' کیسے کیسے جتن کرتا ہے' کہاں کہاں سے کیا کیا کچھ اکٹھا کرتا ہے' انسان سکون کی خاطر بے سکون ہوتا ہے۔ آرام کی تمنا میں بے آرام ہوتا ہے اور کبھی کبھی قیام گاہ کی خاطر سفر اختیار کرتا ہے۔ وطن میں خوبصورت آستانہ بنانے کیلئے بے وطن ہونا بھی گوارا کر لیتا ہے۔ یہ آرزو بڑے رنگ دکھاتی ہے۔ عمر پردیس میں گزر جاتی ہے اور امید یہ کہ دیس میں رہائش باعزت ہو۔ پردیسی دور سے گزرنے والے طیاروں کو سلام کہتا ہے کہ وطن کی ہواؤں کو سلام۔

آرزو انسان کو کیسے کیسے دن دکھاتی ہے۔ اس کا جاننا مشکل نہیں۔ ایک بہتر مستقبل کی آرزو حال کو بدحال کر دیتی ہے اور پھر مستقبل اسی حال کا حصہ بن کے رہ جاتا ہے۔

انسان سماج میں عزت چاہتا ہے' وقار چاہتا ہے' سرفرازی چاہتا ہے۔ اسی لئے تو محنت کرتا ہے۔ اس کا مرتبہ اس کو عزت نہ دلائے' تو یہ محنت بھی رائیگاں ہو جاتی ہے۔ وہ لوگوں کو اپنے ماتحت کام کرتا دیکھ کر اپنے آپ کو اپنے قد سے بڑا سمجھنے لگ جاتا ہے۔ لیکن یہی لوگ جو اس کے ماتحت ہیں اس کی عزت اور شہرت کو گھن کی طرح کھا جاتے ہیں۔ اس کے پاس سماجی مقام ہوتا ہے' لیکن عزت نہیں۔ شاید عزت سماج پر رعب کا نام نہیں' سماج کی خدمت کا نام ہے اور خدمت کیلئے اور طرح کی آرزو چاہئے۔ سیاست کے میدان میں ہم دیکھتے آرہے ہیں کہ حکمرانی کی خواہش اور تخت و تاج کی آرزو کیا انجام لاتی ہے۔ یہ آرزو کہاں کہاں سے گزرتی ہے۔ عزت کی آرزو کوئے ملامت سے بھی گزرتی ہے۔ لوگوں کو مرعوب کرنے اور متاثر کرنے کی آرزو انسان کو ہلاک کر دیتی ہے اور وہ نہ لوگوں کو مرعوب کر سکتا ہے نہ متاثر۔ یہ لوگ بس عجیب لوگ ہیں۔ جہاں یہ بے فیض فوقیت دیکھتے ہیں' بس وہیں سیخ پا ہوتے ہیں۔ ان پر احسان انہیں جتا کر کیا جائے تو بھی یہ ناپسند کرتے ہیں۔ لوگوں کو ممنون کرنا ان پر ظلم کرنا ہے۔

لوگ تو اس مالک کا بھی شکریہ ادا نہیں کرتے' جو انہیں مفت بینائیاں عطا کرتا ہے اور ان کے دیکھنے کیلئے نظارے پیدا کرتا ہے' جو آسمانوں سے مینہ برساتا ہے اور اس سے خوراک مہیا کرتا ہے۔ لوگ حصول نعمت کو اپنا حق سمجھتے ہیں اور دینے والے سے تعلق اتنا ہی ہے کہ وہ دیتا چلا جائے اور لوگ لیتے چلے جائیں۔ وصولی کی رسید اور شکریہ کی ضرورت نہیں۔ بہر حال عطا کرنے والے کی آرزو عطا کرنا اور حاصل کرنے والے کی آرزو حاصل کرنا' اس میں رعب کس بات کا؟ یہی تو انسان اور خدا میں فرق ہے۔ وہ دیتا ہی چلا جاتا ہے۔ غافلوں کو' کافروں کو' منکروں کو بلکہ ہر ایک کو' بد و نیک کو۔ اس کی رحمت آسمان کی طرح سب پر چھائی ہوئی ہے' لیکن انسان کسی کو راستہ بتائے تو ساتھ ہی اپنا تعارفی کارڈ اس کو دیتا ہے کہ مجھے اس پتہ پر خط لکھنا۔ خدا خدا ہے اور انسان انسان۔

انسان کی سب سے بڑی آرزو یہ ہے کہ اسے بہت سے انسان پہچان لیں۔ اس کے خیال میں شریک ہوں۔ اس کی صفات کی تعریف کریں۔ اس کے تشخص کا ادراک کریں۔ اس کے الفاظ کی قدر کریں' اس کے چہرے کو مشتاق نگاہوں سے دیکھیں' اس کا انتظار کریں' اسے آنسوؤں کے ساتھ الوداع کریں اور اس کی زندگی کو مقدس مانیں اور مرنے پر اس کے جنازے میں شامل ہوں اور اس کے جانے کے بعد اس کے دن منائے جائیں۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اس کی یادیں زندہ رہیں۔ اس کے بعد کچھ بھی نہ ہو سوائے اس کی یاد کے...... اور...... یہی آرزو' بربادی اور تباہی کا باعث ہے' ظلم کا پیش خیمہ ہے۔ انسان اپنی آرزو کے حصول میں یہ بھول جاتا ہے کہ دوسرے انسان بھی آرزو رکھتے ہیں۔ ایسی ہی آرزو' بالکل ایسی۔ وہ بھی تشخص کی پہچان چاہتے ہیں۔ جلسہ گاہ میں سامعین اپنا مقام رکھتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ وہ نہ ہوں تو کوئی مقرر پیدا ہی نہ ہو۔ گرمئی بازار دکاندار کے دم سے نہیں' خریدار کی مرہون منت ہے۔

انسان کی آرزو اسے نیکی اور بدی کے راستے دکھاتی ہے۔ تکمیل آرزو کے مراحل بڑے کٹھن ہیں۔ خوش رہنے کی آرزو غم سے آشنا کراتی ہے۔ حاصل کی آرزو محرومیوں کے دامن سے وابستہ کرتی ہے۔ جیسے کی آرزو موت کے شکنجے میں لاتی ہے۔

آرزو کا سفر مرگ آرزو تک ہے۔ جو حاصل ہو گیا' اس کی تمنا ختم ہو جاتی ہے اور جو نہ حاصل ہو سکے وہ ایک حسرت ناتمام بن کر دم توڑتی ہے۔

آرزو کا مسافر رکتا نہیں۔ وہ چلتا رہتا ہے۔ اگر اسے کسی ایسی ہستی سے تعارف ہو جائے جو اس کو اس کی آرزو کا چہرہ دکھا کر اسے آرزو سے بے آرزو کر دے' تو یہ بڑے نصیب کی بات ہے۔

آرزو کا طویل سلسلہ انسان کیلئے عذاب سے کم نہیں۔

آرزو کا فسانہ کبھی مکمل نہیں ہو سکتا۔ کبھی آغاز رہ جاتا ہے' کبھی انجام رہ جاتا ہے۔

بعض اوقات جب ہم اپنی آرزو کو حاصل کرتے ہیں' تو محسوس ہوتا ہے کہ یہ تو وہ چیز نہیں' جو ہم نے چاہی تھی۔ ہم نے یوں تو نہ چاہا تھا۔ تمنا اور حاصل میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ خوابوں اور تعبیروں میں بڑے فاصلے ہوتے ہیں۔

زندگی میں ایک وقت ایسا آتا ہے کہ انسان محسوس کرتا ہے جیسے اس کی آرزوئیں' اس کا حاصل' لاحاصل ہو۔ اسے ناکام ارادوں پر خوشی سی ہونے لگتی ہے اور کامیاب آرزوؤں کے انجام سے وحشت سی ہونے لگتی ہے۔ کامیاب آرزو گناہ ہو سکتی ہے' لیکن ناکام آرزو کبھی گناہ نہیں ہو سکتی۔ نیکی کی آرزو ناکام ہو' تب بھی نیکی ہی ہے۔ بدی کی آرزو بدی ہے' بدی کا سفر بدی ہے اور انجام تو خیر بدی ہے ہی سہی۔

اللہ کا ارشاد ہے کہ عین ممکن ہے کہ انسان ایسی چیز کو پسند کرے جو اس کیلئے نقصان دہ ہو اور عین ممکن ہے کہ وہ ایسی چیز کو ناپسند کرے جو اس کیلئے مفید ہو۔

لہٰذا یہ ضروری ہے کہ کامیابیوں اور کامرانیوں کی آرزو سے پہلے ان کے انجام اور ان کی عاقبت کے بارے میں کسی جاننے والے سے پوچھ لیا جائے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ بظاہر کامیاب زندگی ایک ناکام بلکہ عبرتناک انجام سے دوچار ہوتی ہے۔ وہ مسافر جسے گاڑی میں سیٹ نہ ملی' اپنے آپ کو بدقسمت سمجھتا ہے اور جب گاڑی حادثے کا شکار ہوتی ہے' تو وہی انسان اپنی خوش نصیبی پر فخر کرتا ہے۔ آرزوؤں کو انجام کے حوالے سے دیکھنا اور پہچاننا ہی باعث رحمت اور باعث عافیت ہے۔ یہ جاننا چاہئے کہ نیک آرزو میں ناکامی بری آرزو میں کامیابی سے بدرجہا بہتر ہے۔ اچھی آرزو میں خوش نصیبی کی ضمانت ہیں' لیکن سب سے زیادہ خوش قسمت انسان شاید وہ ہے جو بے نیاز آرزو ہو' جس کی اپنی منشا منشائے ایزدی کے تابع ہو۔

☆......☆......☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

فیصلہ

انسان کی زندگی فیصلہ کرنے کی اہمیت کے سبب سے اہم ہے۔ انسان کو عقل دی گئی' قواء دیئے گئے۔ اس کے سامنے زندگی کی کتاب کھلی ہے۔ اس کے سامنے کائنات جلوہ آرا ہے۔ اس کے سامنے قوموں کا ماضی ہے' مستقبل کے اندازے اور پروگرام ہیں۔ وہ سوچ سکتا ہے' اس لئے وہ حق رکھتا ہے کہ فیصلہ کرے اور وہ فیصلہ کرتا ہے...... مگر افسوس تو یہ ہے کہ وہ ایک فیصلہ کرنے کے بجائے فیصلے ہی کرتا رہتا ہے اور یوں لکھ لکھ کر مٹاتا ہے اور مٹا مٹا کے لکھتا ہے' اپنی قسمت کے الفاظ......

انسان کو جب بھی کوئی مشکل اور صحیح معنوں میں مشکل درپیش آئے تو وہ فیصلے کی گھڑی ہوتی ہے اور یہ گھڑی کسی وقت بھی راہ میں کھڑی ہو سکتی ہے۔ ہم چھوٹی چھوٹی باتوں سے لے کر بڑے بڑے کارناموں تک فیصلوں کی مدد سے چلتے ہیں۔ فیصلوں کے دم سے عروج حاصل کرتے ہیں اور فیصلوں کے دم سے ہی زوال۔

انسان فیصلہ ایک لمحے میں کرتا ہے اور پھر اس فیصلے کا نتیجہ ساری عمر ساتھ رہتا ہے۔ روشنی کی طرح' کبھی آسیب کی طرح۔ ایک بار کیا گیا فیصلہ کبھی بدلا نہیں جا سکتا۔ وقت دوبارہ نہیں آتا۔ زندگی میں کوئی لمحہ دوبارہ نہیں آتا۔ فیصلے کے لمحے کہاں دہرائے جا سکتے ہیں۔

دوستوں کو تحفہ دینے کا وقت آئے تو ہم فیصلے کے کرب سے دو چار رہتے ہیں۔ دل چاہتا ہے کہ دوست کو سب سے قیمتی تحفہ پیش کیا جائے۔ انسان سوچتا ہے اور سوچتا ہی رہتا ہے اور جب فیصلہ کرتا ہے تو تحفہ دینے کا وقت گزر چکا ہوتا ہے اور یوں دوستی ختم ہونا شروع ہوتی ہے۔ دراصل دوستی میں تحائف کا تبادلہ ہی دوستی کی کمزوری ہے۔ اس رشتے کو رشوت کا ذریعہ نہ بننے دیا جائے تو بہتر ہے۔ امیر اور غریب آدمی دوستی اس لئے نہیں کر سکتے کہ تحائف کا تبادلہ ناممکن ہے۔ آج کل انسان کے پاس وقت ہی نہیں کہ وہ سوچتا رہے کہ اسے کیا چیز کس کو کب دینا ہے۔ اس کام کیلئے ایکسپرٹ ادارے موجود ہیں۔ وہ آپ کا فیصلہ کر کے آپ کو بل دے دیں گے اور بس کام تمام ہو گیا۔

ہم لوگ فیصلہ کرنے کا شوق تو زمانہ قدیم سے رکھتے ہیں یعنی بچپن سے ہر آدمی کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ بڑے بڑے فیصلے کرے' اپنے فیصلے اور اگر اپنے نہ کرے تو قوموں کے فیصلے' ملکوں کے فیصلے۔

یہ عجیب بات ہے کہ ہماری زندگی کو بے حد متاثر کرنے والے فیصلے اتفاقاً ہو جاتے ہیں' بس اتفاقاً جیسے اتفاقاً نظر سے نظر مل جائے اور پھر زندگی بھر کا ساتھ ہنس کر یا رو کر' لیکن زندگی بھر!! یہ فیصلہ کچھ لوگوں کی زندگی میں آناً فاناً نازل ہوتا ہے۔ ادھر منگنی ادھر بیاہ...... اور پھر بات آئی گئی ہو گئی...... کچھ لوگوں کیلئے یہی فیصلہ اتنا مشکل ہوتا ہے کہ وہ بیچارے سوچتے ہی رہتے ہیں۔ ان کے سامنے بہت سے راستے ہوتے ہیں اور وہ سوچتے ہیں کہ کونسا راستہ بہتر ہے گا۔ یہ سوچ ان کو کسی فیصلے پر پہنچنے ہی نہیں دیتی اور نتیجہ یہ کہ سفر کا وقت ہی نکل جاتا ہے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اور پھر یہ لوگ اپنی تنہائیوں میں اپنے ماضی کے ممکنات کو دہراتے ہیں اور یہ سوچ کر حیران ہوتے ہیں کہ ممکنات ناممکن کیسے ہو گئے......! فیصلے اتنے اہم فیصلے اور اتنی دیر کہ فیصلے ہی بے اثر ہو گئے...... جوانی کے فیصلے جوانی میں ہی بھلے لگتے ہیں اور جوانی سوچ بچار کی نذر کرنے والے کیا فیصلے کریں گے......

انسان کو جینے کا حق ملا ہوا ہے کہ وہ اپنی پسند کی زندگی اختیار کرے۔ انسان پر چناؤ کا لمحہ ہی تو فیصلے کا لمحہ بن کر آتا ہے اور پھر یہ لمحہ زندگی بدل کے رخصت ہوتا ہے۔

خوش نصیب ہیں وہ لوگ' جن کو صرف ایک راستے کا سفر ملا ہے۔ ان کو کسی موڑ پر کسی دوراہے پر کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔

تکلیف ان لوگوں کیلئے' جو شعور رکھتے ہیں اور پھر چنتے ہیں اور پھر سوچتے ہیں اور پھر کبھی کبھی پچھتاتے ہیں۔ زندگی کے اکثر مسافر صرف آدھا راستہ ہی طے کرتے ہیں۔ وہ ایک فیصلہ کرتے ہیں اور کچھ عرصہ کے بعد اس فیصلے کی غلطی کا احساس پیدا ہوتا ہے اور پھر ان کی سوچ ان کے پاؤں کی زنجیر بن جاتی ہے۔ مشورہ دینے والا ذہن ہی ساتھ نہیں دیتا۔ جذبات بھرا دل جذبات سے محروم ہو چکا ہوتا ہے۔ پھر یہی لوگ سوچتے ہیں کہ یہ سفر غلط سمت میں جا رہا ہے۔ اب واپس جانا ممکن نہیں ہوتا۔ آگے جانے کا حوصلہ نہیں ہوتا کہ پرانا فیصلہ ہی غلط نکلا۔ تب یہ لوگ ایک مقام پر کھڑے ہو کر کبھی ماضی کو دیکھتے ہیں اور افسوس کرتے ہیں' کبھی ممکن مستقبل کی طرف دیکھتے ہیں اور افسوس کرتے ہیں' کبھی آسمان کی طرف دیکھتے ہیں حسرت بھری نگاہ سے' کبھی زمین کو دیکھتے ہیں کہ شاید کوئی نیا راستہ نکلے۔ پھر وہ اپنے آپ کو دیکھتے ہیں' کبھی غصے سے کبھی رحم کے ساتھ...... مگر ان کے نصیب میں صرف آدھا راستہ ہی تو ہوتا ہے۔ ایسے مسافروں کو صرف ایمان کا نور ہی راستہ دکھا سکتا ہے' ورنہ نہیں!!

فیصلے کا لمحہ بڑا مبارک لمحہ ہوتا ہے۔ زندگی میں بار بار یہ لمحات نہیں آتے۔ صحیح وقت پر مناسب فیصلہ ہی کامیاب زندگی کی ضمانت ہے۔

اگر غلطی سے کوئی فیصلہ بھی ہو جائے' تو اس کی ذمہ داری سے گریز نہیں کرنا چاہئے۔ اپنے فیصلے اپنی اولاد کی طرح ہیں' جیسے ہیں ان کی حفاظت تو ہو گی۔ دنیا کی تاریخ کو بغور دیکھنے سے معلوم ہو گا کہ تاریخی فیصلے اکثر غلط فیصلے تھے' لیکن تاریخ تھے۔

تقدیر اپنا بیشتر کام انسانوں کے اپنے فیصلے میں ہی مکمل کرتی ہے۔ انسان راہ چلتے چلتے دوزخ تک جا پہنچتا ہے یا وہ فیصلے کرتے کرتے بہشت میں داخل ہو جاتا ہے۔ بہشت یا دوزخ انسان کا مقدر ہے' لیکن یہ مقدر انسان کے اپنے فیصلے کے اندر ہے۔

ہم فیصلہ کرتے وقت صرف ایک آدھ چیز پر غور کرتے ہیں حالانکہ اس فیصلے سے متعلق کتنے اور واقعات رونما ہونا شروع ہو جاتے ہیں' جن کا ہمیں اندازہ ہی نہیں ہوتا۔

شادی' خانہ آبادی ہمارا فیصلہ ہوتا ہے۔ ہم اور کچھ نہیں جانتے' زیادہ سے زیادہ ہم ایک دوسرے سے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

حالات جان سکتے ہیں' ایک دوسرے کا ماضی جان سکتے ہیں۔ اب ماضی کے علم سے مستقبل کا سفر شروع کرتے ہیں۔ یہیں ہمارا فیصلہ غلطی کا شکار ہو جاتا ہے۔

اپنے کام اللہ کے سپرد کر دینے والے مطمئن رہتے ہیں۔ جو ہو سو ہو' سب ٹھیک۔ ان کا فیصلہ ہوتا ہے کہ جو ہوا اچھا تھا' جو ہو رہا ہے اچھا ہے اور جو ہوگا اچھا ہوگا۔ ایسے لوگوں کو فیصلہ کیا تکلیف دے سکتا ہے۔

فیصلے کا ایک اہم موڑ ہماری قومی اور سیاسی زندگی میں آ چکا ہے۔ عجیب صورتحال ہے۔ جمہوریت اور مارشل لاء کا کھیل ہے۔ مارشل لاء جمہوریت پر رخصت ہوتا ہے اور جمہوریت مارشل لاء پر ختم ہوتی ہے۔

نفاذ اسلام کا فیصلہ تھا' اس کا کیا ہو......؟ ......نفاذ اسلام ہو چکا ہوگا! مارشل لاء اپنی طویل شب غم گزار کے جا رہا ہے...... جمہوریت کا سورج طلوع ہونے والا ہے...... اس فیصلے کا اعلان ہو چکا۔

ہم فیصلوں والی قوم بنتے جا رہے ہیں۔ بہت بڑے فیصلے' بہت جلد فیصلے...... زیادہ فیصلے...... فیصلے ہی فیصلے اور جب عمل کا وقت آئے تو نئے فیصلے کرنے لگ جاتے ہیں۔ ہم لوگ بڑی دیر سے فیصلوں کا کھیل کھیلتے آ رہے ہیں۔ ہم شاید جانتے نہیں کہ ہمارے فیصلوں کے اوپر ایک اور فیصلہ نافذ ہو جایا کرتا ہے۔ یہ وقت کا فیصلہ ہوتا ہے اور وقت کے سامنے ہمارے سارے فیصلے دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔

صاحبان بصیرت غور کریں کہ ہم کیا فیصلے کرتے رہتے ہیں۔ ہم سب غیر معین مدت تک فیصلوں کے مقام پر نہیں رہ سکتے اور پھر ہمارے پاس فیصلے کا نہ وقت ہوتا ہے نہ حق...... وقت اپنا فیصلہ صادر کرتا ہے۔ ہمارے فیصلوں پر فیصلہ...... وقت کے پاس آخری اختیار ہے۔ آخری فیصلہ...... دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی......

ہمیں اپنے فیصلے اللہ کے حضور پیش کرتے رہنا چاہئے تاکہ ہم بہک نہ جائیں...... لوگوں کی زندگیوں میں انقلاب لانے کے فیصلے کرنے والے بھول جاتے ہیں کہ ان کی اپنی زندگی کسی اور کے فیصلے کے تابع ہے۔ زندگیوں کے فیصلے کرتے کرتے انسان کی اپنی رخصت کا فیصلہ سنا دیا جاتا ہے...... اور پھر سب فیصلے اکارت...... !! سب حاصل لاحاصل!!

☆......☆......☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

رات

انسان کی زندگی میں جتنے دن ہوتے ہیں' اتنی ہی راتیں ہوتیں ہیں۔ یوں انسان کی نصف زندگی روشنی میں گزرتی ہے اور نصف اندھیرے میں۔

دن کے اجالے اپنے ساتھ اپنے مسائل لاتے ہیں۔ انسان پر کسب معاش کی فکر سورج سے روشنی کے ساتھ ہی نازل ہوتی ہے۔ انسان تلاش معاش کے سلسلے میں گھر سے نکلتا ہے' جس طرح پرندے آشیانے سے نکلتے ہیں۔ دن کی روشنی حقائق کی روشنی ہے' تلخ ہے۔ انسان کچھ بھی تو نہیں چھپا سکتا۔ اس کا چہرہ' اس کے حالات اور اس کی حالت کا آئینہ بن کر احباب و اغیار کے روبرو ہوتا ہے۔ انسان کا سہما ہوا خوف زدہ دل ہرن کی طرح اوٹ اور پناہ تلاش کرتا ہے لیکن سورج کی روشنی اس کے تعاقب میں ہوتی ہے اور یوں انسان بھاگتا ہے۔ اپنے سائے سے ڈرتا ہوا۔ اپنے سائے کی تلاش میں کوسوں فاصلے طے کرتا ہے۔ اپنے حاصل کی آرزو میں اپنی محرومیوں کا مسافر دن کی روشنی میں بے چین رہتا ہے۔

رات آتی ہے' محنت کے زخموں سے چور جسموں کو نیند کی مرہم عطا کرنے کیلئے۔ انسان کیلئے دھوپ سے تپتے صحرا میں نخلستان کی راحت رات کے دم سے ہے۔ رات اپنے پراسرار دامن میں بے پناہ خزانے سمیٹ کر لاتی ہے' جنہیں وہ اہل دل حضرات کی خدمت میں پیش کرتی ہے۔

سونے والوں کو رات لوری دیتی ہے۔ جاگنے والوں کی حدی خواں ہے۔ رات عجب راز ہے۔ یہ راز سب پر آشکار نہیں ہوتا۔ رات انکشاف زمان و مکاں کرتی ہے۔ رات کو وقت کے لامحدود فاصلے سمٹ جاتے ہیں۔ رات کے پاس بڑے طلسمات ہیں۔ یہ کبھی لمحے کو صدیاں بنا دیتی ہے' کبھی صدیوں کو ایک لمحہ۔ رات کے پاس وہ قوت ہے کہ یہ ازل اور ابد کو بیک وقت ایک نقطے پر اکٹھا کر دیتی ہے۔

راتوں کو جاگنے والے ماضی' حال اور مستقبل کی تقسیم سے بے نیاز ہو جاتے ہیں۔ غواصان شب رات کی گہرائیوں سے انمول موتی نکالتے ہیں' مشاہدات و حقائق کے موتی۔

یہ حقیقت ہے کہ انسانی زندگی کو احساس و لطافت کی دولت رات کو ملتی ہے۔ انسانیت کا عروج راتوں کو ہوتا ہے۔ بیدار راتیں' اشکبار راتیں اور پھر ہر عروج کا انتہائی عروج ''معراج'' رات کا عطیہ ہے۔ اللہ نے اپنے بندے کو رات کے عالم میں' ہو کے عالم میں' سیر کرائی مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک' بلکہ مکاں سے لامکاں تک۔ اللہ سیر کرائے اپنے محبوب ﷺ کو' تو کیا کیا کرشمہ نہ دکھایا ہوگا۔ کون سا زمانہ ہے جو آپ ﷺ کے روبرو نہ لایا گیا ہو۔ راکب وقت جب زمام گردش کھینچ لے' تو کونسی وسعت ہے جو دامن رحمت کے سائے سے نہ گزرے اور کونسا زمانہ ہے جو محتاج رحمت عالم ﷺ نہ ہو۔ رفعتوں اور وسعتوں کو طے کرنے والی نگاہ میں آج بھی وقت کے فاصلے حائل نہیں۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

رات کا اعجاز یہ ہے کہ آج بھی پکارنے والوں کو جواب ملتا ہے۔ چشم تمنا رات کو چشم گوہر بار بنتی ہے' چشم بینا بنتی ہے۔ انسان اور حق کی ذات کا تقرب رات کو ہوتا ہے۔ سجدوں کو قبولیت کی سرفرازی حاصل ہوتی ہے۔ مضطرب پیشانیوں کو راحت سنگ درنصیب ہوتی ہے۔

رات کا عالم عجب عالم ہے۔ خاموشی گویا ہوتی ہے۔ سکوت نغمہ سرا ہوتا ہے۔ سناٹے بولتے ہیں۔ ہم کلام ہوتے ہیں۔ آئینوں سے عکس آئینہ باہر نکلتا ہے اور صحرائے تشنہ بھی قلزم رحمت سے ہم کنار ہوتا ہوا سیراب ہوتا ہے' سرشار ہوتا ہے۔

رات کی نوازشات کے قصے اہل دل اور اہل باطن کی زندگی کا اثاثہ ہیں۔ رات کی تنہائی میں انسان کی آنکھ سے نکلنے والے آنسو زمانے بدل دیتے ہیں' طوفانوں کا رخ موڑ دیتے ہیں۔ آہ وفغان نیم شب کے سامنے کوئی مشکل مقام مشکل نہیں رہتا' ہر ناممکن' ممکن ہو جاتا ہے۔

رات کی خوشبو ہر خوشبو سے بہتر ہے۔ یہ خوشبو افلاک سے نازل ہوتی ہے۔ رحمت کی خوشبو کائنات کی خوشبو بلکہ حسن ذات کی خوشبو۔ یہ خوشبو کاروان شوق کی رہنما ہے۔ جذب ومستی کی تمام رنگین داستانوں کا حرف اول اور حرف آخر یہی خوشبو ہے۔

جب انسان اپنے درد وکرب اور غم واندوہ کے بوجھ رات کے خاموش آنگن میں اتارتا ہے' تو اسے عجیب احساس ہوتا ہے۔ رات ہی اسے سمجھاتی ہے کہ اے ناسمجھ انسان! جسے تو اپنے لئے کرب وابتلا سمجھ رہا ہے' یہی تو تیرا حاصل ہے۔ یہی ہے تیرے لئے تیرے مالک کی طرف سے دولت گرانمایہ۔ انسان رات کی گود میں ہنستا ہے اور روتا ہے اور رات اسے پیش کرتی ہے اس ہستی کے روبرو' جس کو غم زدوں سے پیار ہے اور یوں رات ایک عظیم محسن بن کر شعور کی زندگی میں داخل ہوتی ہے۔ محدود کو لامحدود سے نسبت راتوں کو پیدا ہوتی ہے۔

انسان رات کے عالم میں کائنات کے بہت قریب ہوتا ہے۔ وہ کائنات سے واصل ہوتا ہے۔ وہ ذرے ذرے کے ساتھ شامل ہوتا ہے۔ وہ ہر ستارے کی جھلملاہٹ سے جلتا' بجھتا رہتا ہے۔ وہ چاند دیکھتا ہے اور چاندنی سے کھیلتا ہے۔ وہ اداس موسم کا خوشگوار پھل حاصل کرتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ ستارے' کروڑوں ستارے پاس پاس نظر آتے ہیں اور ایک دوسرے سے کتنے دور ہوتے ہیں۔

اپنے اپنے مدار میں گردش کرنے والے ہمیشہ اپنے اپنے مدار میں ہی رہتے ہیں۔ یہی کائنات کا حسن ہے اور یہی اس کا بقاء کا راز' لیکن انسان کی دنیا اور اس کا راز بقاء الگ ہے۔ یہاں اپنا مدار اپنا نہیں ہوتا۔ اپنی ذات اپنی نہیں ہوتی۔ کچھ بھی تو اپنا نہیں ہوتا۔

کسی کا کہا ہوا کسی اور کا علم ہے۔ ایک کا چہرہ دوسرے کی تمنا ہے۔ دل اپنا ہوتا ہے اور اس میں درد دوسروں کا ہوتا ہے۔ یاد کسی کی ہوتی ہے' سرمایہ حیات کسی اور کا......

انسان کی کائنات تو یہ ہے کہ اس کی کمائی بھی اس کی اپنی نہیں۔ اس کی ذات بھی اس کی اپنی نہیں۔ اس کی خلوت بھی اس کی اپنی نہیں' اس کی جلوت بھی اس کی اپنی نہیں۔ جبین شوق اس کی ہے' سنگ در کسی اور کا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

دل اس کا' دلبری کسی اور کی۔ آنسو اس کے' عاقبت کسی اور کی۔ رتجگے کسی کے' چراغ کسی کے۔ انسانی کائنات مربوط ہے' مبسوط ہے۔ ستاروں کی کائنات تنہا۔ ہر ستارے کا راہگذر الگ۔ سب کے مدار الگ۔ یہ حسن کائنات ہے' لیکن انسان کی کائنات' کائنات حسن ہے۔ ہمہ رنگ' ہمہ جہت اور ہمہ سمت۔ سب کی کائنات سب کیلئے۔

رات انسان پر نزول افکار کا ذریعہ ہے۔ رات کی عبادت افضل عبادت ہے۔ جس کی رات بیدار ہو جائے' اس کا نصیب جاگ اٹھتا ہے۔ رات انسان کا لباس ہے۔ انسان پر تیرگی کا لباس ہر لباس کو یکساں کر دیتا ہے۔ رات کو رو کے حجابات اٹھتے ہیں۔ انسان کی روح رات کو انسان سے ہم کلام ہوتی ہے۔ خود شناسی اور خود فہمی کے مراحل رات کو آسان ہوتے ہیں۔ رات بہت بڑا راز ہے۔

صحرا کے مسافر پر جب رات اترتی ہے تو اسے محسوس ہوتا ہے کہ کون ہے اس خوبصورت کائنات کو بنانے والا۔ اتنی بڑی تنہائی میں انسان رات سے باتیں کرتا ہے۔ رات سنتی ہے اور خاموش رہتی ہے۔ یہ عمل جاری رہتا ہے اور پھر یکا یک رات بولتی ہے اور انسان سنتا ہے۔ سنتا ہے اور خاموش رہتا ہے۔ دیکھتا ہے اور کسی کو دکھا نہیں سکتا کہ اس نے کیا دیکھا۔ رات کا راز پہاڑوں پر آشکار ہوتا ہے۔ اونچے اونچے پتھریلے پہاڑ' ہوا کی سائیں سائیں' انسان اور رات' رات اور انسان' ہم کلامی کا دور جاری رہتا ہے۔

رات خود کسی معصوم کی روح ہے' کائنات پر محیط روح۔ انسان سے ہم کلام ہونے کیلئے بیتاب روح انسان کو پکارتی ہے۔ نیند میں ڈوبے ہوئے انسان کو جاگنے والی رات پکارتی ہے' اس کا نام لے کر کہ ''اے غافل! سن میں بول رہی ہوں۔ دیکھ میں جلوہ آرا ہوں۔ محسوس کر میں تیرے قریب ہوں' بہت قریب اور تو نیند میں مجھ سے دور ہے' بہت دور۔''

رات کا اعجاز' عجب اعجاز ہے۔ انسان پر دعا اور دعا کی مقبولیت کا راز منکشف ہوتا ہے۔ رات کے پاس بڑے خزانے ہیں۔ بیدار راتیں قوموں کے روشن مستقبل کی ضامن ہیں۔ انسان پر عرفان ذات کی منزلیں آسان کرنے کا دعویٰ ہے رات کے پاس۔

رات کو زمین اور آسمان کے فاصلے ختم ہو جاتے ہیں۔ یہاں وہاں کی تمیز ختم ہو جاتی ہے۔ خاموش الفاظ بولتے ہیں۔ رات کو خوش نصیبوں کی آنکھ تر ہوتی ہے اور ان کا دل معمور ہوتا ہے۔ ان کے اذہان روشن ہوتے ہیں۔ ان پر لوح و قلم کے رموز' مخفی رموز آشکار ہوتے ہیں۔ دنیائے علم و عرفان کے عظیم شاہکار رات کی تخلیق ہیں۔

خوش بختوں کی رات نجات و مناجات کی رات ہے۔ شب فراق ہو یا شب وصال' بیدار رات انسان کے عروج کا قصہ ہے۔ سکون دو جہاں میں انسان کی فغاں مکین لامکاں کے حضور پہنچتی ہے اور پھر یہ رات لیلۃ القدر بن کر انسان کے مقدر کو بناتی ہے۔ آسمان سے فرشتے نازل ہوتے ہیں' افکار نازل ہوتے ہیں۔ کبھی ''مثنوی'' اور کبھی ''سیف الملوک'' تحریر ہوتی ہے۔ شاعر صرف جاگتا ہے' باقی کام رات خود کرتی ہے۔ فقیر

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بیدار ہوتا ہے' فقر خود نازل ہوتا ہے۔

رات کو سجدہ گاہ جلوہ گاہ بنتی ہے۔ بگڑی سنور جاتی ہے۔ رات کبھی کبھی ناراض بھی ہو جاتی ہے۔ پھر غضب ڈھاتی ہے۔ ابتلا کی رات انسان کے سر پر آسمان گرتا ہے اور وہ کچھ کہہ نہیں سکتا۔ انسان درد میں مبتلا ہوتا ہے۔ وہ کراہتا ہے۔ کرب و درد میں' تفکرات میں' اندیشوں میں۔ رات بے حس ہوتی ہے...... بے یقین انسان' رحمت سے مایوس انسان' ایمان سے عاری انسان رات کی بات نہیں سمجھ سکتا۔ اس کیلئے صرف دعا ہے۔

یہ دعا صاحبان نصیب پر فرض ہے۔ صاحبان علم و عرفان دعا ہی تو کرتے ہیں۔ درد سے تو وہ بھی گزرتے ہیں لیکن ان کو یقین کی دولت نصیب ہوتی ہے۔ ان کے باطن میں ایمان و امید کے چراغ جلتے ہیں۔ وہ درد کو متاع بے بہا سمجھ کر سینے سے لگاتے ہیں اور اپنے محسنوں کو دعا دیتے ہیں۔

رات انسان کو درد کی بھٹی سے ہی تو گزارتی ہے۔ جو اصل ہے کندن بن جاتا ہے اور نقل بھسم ہو جاتا ہے۔ یقین عرفان بن جاتا ہے اور بے یقینی محروم ایمان ہو جاتی ہے اور مایوسی بن کر اپنی نوحہ گر ہوتی ہے۔

اپنے مستقبل پر یقین نہ ہو' تو شب بیداری عذاب ہے۔ شب بیداری بیدار مغز' بیدار بخت انسان کیلئے نعمت ہے' عطائے پروردگار ہے۔

احسان ہے خالق کا ان لوگوں پر' جن کو بیدار راتوں کا نصیب ملا ہے۔ نالہ ہائے نیم شبی وجود آدم کی مقدس ترین عبادات کا نام ہے۔ انسان' دل والے انسان' یقین و ایمان والے انسان کے آنسو' نیم شب کے آنسو' ستاروں سے زیادہ روشن اور شبنم سے زیادہ پاکیزہ ہوتے ہیں۔ انہی اشکوں کے دم سے آباد ہے' یہ دنیا' دنیائے علم و آگہی' دنیائے عرفان' دنیائے باطن اور دنیائے حقیقت!!

☆

گناہ دینی حکم کے خلاف عمل کا نام ہے۔ جرم حکومت کے حکم کے خلاف عمل کا نام ہے۔ گناہ کی سزا اللہ دیتا ہے اور جرم کی سزا حکومت گناہ سے توبہ کر لی جائے تو اس کی سزا نہیں ہوتی' لیکن جرم کی معافی نہیں ہوتی۔ گناہ کی سزا آخرت میں اور جرم کی سزا اسی دنیا میں ہے۔ گناہوں کی سزا وہ حکومت دے سکتی ہے جو حکومت الٰہیہ ہو۔ اگر توبہ کے بعد پھر گناہ سرزد ہو جائے تو پھر توبہ کر لینی چاہئے۔ مطلب یہ کہ اگر موت آئے تو حالت گناہ میں نہ آئے بلکہ حالت توبہ میں آئے۔ توبہ منظور ہو جائے تو وہ گناہ کبھی سرزد نہیں ہوتا اور نہ اس گناہ کی یاد باقی رہتی ہے۔ سچی توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے نوزائیدہ بچہ معصوم۔

☆......☆......☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

تنہائی

آج کی زندگی کا المیہ تنہائی ہے۔ آج کا انسان وقت کے وسیع و لامحدود سمندر میں ایک جزیرے کی طرح تنہا ہے۔ ہم سب جزیرے ہیں...... ایک دوسرے کے آس پاس' لیکن ایک دوسرے سے ناشناس...... ایک دوسرے سے بے خبر' ایک دوسرے سے اجنبی اور اپنے آپ سے اجنبی۔ کروڑوں افراد ہجوم در ہجوم اور سارے تنہا۔ انسانوں کی بھیڑ ہے' انسانوں کا میلہ ہے' لیکن ہر انسان اکیلا ہے۔

ہم سب اپنے اپنے مفادات اور مقاصد کے تعاقب میں ہیں۔ ہم اپنی غرض اور خود غرضی کے غلام ہیں۔ کسی کو کسی سے کوئی سروکار نہیں۔ سب کامیابی کے پجاری ہیں۔ ''کامیابی'' آج کے انسان کا مسجود ہے۔ کامیابی' جو حاصل نہیں ہوتی...... ایک خوبصورت تتلی' جو اڑتی ہے اور لوگ بچوں کی طرح اس کے پیچھے پیچھے بھاگتے ہیں اور بچھڑ جاتے ہیں' اپنوں سے اور اپنے آپ سے۔

ہم سب مصروف ہیں۔ ہمیں بڑے کام کرنے ہیں' ہم بہت سی خواہشات رکھتے ہیں۔ ہم بڑی اذیت میں ہیں۔ ہم سب کچھ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ہمیں کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ ہمارے پاس وقت نہیں کہ ہم آرام کرسکیں۔ سکون کی تلاش میں ہم بے سکون ہیں۔ آرام کی تمنا ہمیں بے آرام کررہی ہے۔ محفلوں کی آرزو ہمیں تنہائی تک لے آتی ہے۔ دل بجھ جائے' تو شہر تمنا کے چراغاں سے خوشی حاصل نہیں ہوتی۔ ہم تیزی میں ہیں۔ ہم جلدی میں ہیں۔ ہم جمع کرتے ہیں۔ مشکل وقت کیلئے پس انداز کرتے ہیں اور پھر مشکل وقت کا انتظار کرتے ہیں اور وہ مشکل وقت ضرور آتا ہے۔ ہم جلدی میں ہیں۔ ہم تیز رفتار ہیں۔ ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی خواہش میں ایک دوسے سے علیحدہ ہوتے جارہے ہیں۔ بھائی بھائی میں مقابلہ ہے۔ بھائی بھائی الگ ہیں۔ مقابلہ کرنے کی خواہش معاون سے محروم کردیتی ہے۔ ہم صرف اپنے لئے زندہ ہیں۔ اپنی ذات میں گم' اپنے اپنے سفر پر گامزن۔ آسمان کے کروڑوں ستاروں کی طرح اپنے اپنے مدار میں گردش کررہے ہیں۔ ایک دوسرے سے فاصلے بڑھتے جارہے ہیں۔ آدمی آدمی سے اجنبی ہورہا ہے۔ یہ اجنبیت تنہائی میں اضافہ کررہی ہے۔

ہم ایک دوسرے کو ہلاک کرتے جارہے ہیں۔ وسائل کی ناہموار تقسیم محرومیاں پیدا کررہی ہے۔ ہم اپنے آپ کو زندگی سے محروم کرتے جارہے ہیں۔ ظاہر کی کامیابیاں اندر کی گھٹن کب تک چھپائیں گی۔ اندر کا انسان سسک رہا ہے' بلک رہا ہے۔ ہم اس کی آواز سنتے ہیں' لیکن اپنے کانوں پر اعتبار نہیں۔ ہم اپنے باطن کو ہلاک کرکے کامرانیوں کے جشن مناتے ہیں۔ ہم اپنے روحانی وجود سے فرار کررہے ہیں۔ ہم نے کئی چہرے رکھے ہوئے ہیں۔ ہمارے غم اور ہماری خوشیاں میکانکی ہیں۔ ہم ہمدردی سے ناآشنا ہیں۔ ہم اپنے اندر کی آواز کو خاموش کرادیتے ہیں اور پھر ضمیر کے کسی دباؤ سے آزاد ہوکر ہم اپنی تنہائی کے سفر پر روانہ رہتے ہیں۔

ہماری زمین خطوں' علاقوں اور ملکوں میں تقسیم ہوکر رہ گئی ہے۔ ایک ایک انچ تقسیم ہوچکا ہے۔ قوموں کیلئے ممالک ہیں' لیکن انسان کیلئے کوئی خطہ نہیں۔ انسان اکیلا ہے' محروم ہے اپنی خلافت ارضی سے پہاڑ' دریا' سمندر سب تقسیم ہوچکے ہیں۔ انسان کیلئے صرف آسمان ہی رہ گیا ہے۔

انسان خود قوموں میں بٹ چکا ہے' اپنے اسلاف سے کٹ چکا ہے' اپنے منصب سے ہٹ چکا ہے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

انسان محبوس ہو گیا ہے۔ ہر انسان کے گرد ایک تاریخی اور جغرافیائی حصار ہے' ایک نسلی تعصب ہے' ایک گروہی منفعت کا احساس ہے۔ شعور بین الاقوامی ہے اور مفادات قومی ہیں۔ نتیجہ یہ کہ انسان وہ نہیں' جو وہ ہے۔ انسان کثرت میں واحد ہے' اژدہام میں تنہا ہے۔

تنہائی روح کی گہرائی تک آ پہنچی۔ ہماری روحیں ایک دوسرے کے قرب سے محروم ہیں۔ روحیں محبت کی پیاسی ہیں۔ انسان' انسانی اقدار سے بے حس ہے۔ احساس مر چکا ہے۔ کوئی کسی کیلئے کچھ نہیں چاہتا۔ ہم ایک دوسرے کو برداشت کر رہے ہیں' تسلیم نہیں کرتے۔ ہم اذیت میں ہیں۔ ہمیں اپنے علاوہ کوئی چہرہ پسند نہیں۔ ہم مفادات کے پجاری بھول گئے ہیں کہ زندگی حاصل ہی نہیں' ایثار بھی ہے۔ ہم اپنی فکر کو فکر بلند سمجھتے ہیں اور اپنے عمل کو عمل صالح۔ ہم نہیں جانتے کہ ہم کتنے کمزور ہیں۔ ہم اس چراغ کی طرح ہیں' جو آندھیوں کی زد میں ہے۔

ہم کئی چہرے رکھتے ہیں' لیکن ہمارا اصل روپ تنہائیوں میں ہے۔ ہماری حقیقت تنہائی اور خاموشی میں ہے۔

ہماری محفلیں مسکراتی ہیں اور ہماری تنہائیاں روتی ہیں۔ ہمارے دن سورج کے ساتھ گزرتے ہیں اور رات سناٹوں میں۔ مہیب خاموشی' ایک مکمل تنہائی۔ جب ہم اپنی اصل شکل دیکھتے ہیں' ہم پہچان نہیں سکتے کہ ہم کون ہیں۔ ہمارا قیام عارضی ہے' ہمارے منصوبے ناپائیدار۔ ہمارے عزائم' ناقابل حصول۔ ہم اپنے دام میں ہیں اور یہی تنہائی کا سبب ہے۔ جب ہم کسی کے نہیں' تو ہمارا کون ہوگا؟

ہم زندگی کا سفر تنہا شروع کرتے ہیں اور انجام کار تنہا ہی ختم کرتے ہیں۔ نہ کوئی ہمارے ساتھ پیدا ہوتا ہے اور نہ کوئی ہمارے ساتھ مرتا ہے۔ ہمارے اجتماعات ضرورت کے ہیں اور ضرورتیں وفا سے ناآشنا ہوتی ہیں اور جب تک وفا نہ ملے' تنہائی ختم نہیں ہوتی۔

آج کا انسان' انسانی نظروں سے گر رہا ہے۔ انسان' انسان کے دل سے دور ہو گیا۔ آسمانوں سے راستہ لینے والا دل کا راستہ نہیں معلوم کر سکا۔ انسان' انسان کا مطالعہ چھوڑ کر کائنات دریافت کرنے چلا ہے اور کائنات کی عظیم و لامحدود وسعتوں میں تنہائیوں کے سوا کیا ملے گا؟

رفاقتوں سے محروم انسان بیماریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے اور سب سے بڑی بیماری تنہائی بذات خود ہے۔ یہ بیماری بھی ہے اور عذاب بھی!

آج کے انسان کی روح میں تنہائی کا زہر اتر چکا ہے۔ انسان کے اعمال اس کیلئے تنہائی کا عذاب لکھ چلے ہیں۔ تن کی دنیا کا پجاری من کی دنیا سے محروم ہو کر تنہا رہ گیا ہے۔ انسان انسان پر ظلم کر رہا ہے۔ بڑی قومیں چھوٹی قوموں کو نگل رہی ہیں۔ انسانوں کی خدمت کے نام پر انسان پر مظالم ڈھائے جا رہے ہیں۔ غریب نوازیوں کے نام پر غریب کشی ہو رہی ہے۔ امن کے نام پر جنگ کا الاؤ روشن ہو رہا ہے۔ انسان انسان سے خوفزدہ ہے۔ انسان اپنے آپ سے گریزاں ہے۔ طاقتور کے قصیدے ہیں اور ظلم کے ہاتھ مضبوط ہوتے جا رہے ہیں۔ سپر طاقتیں انسانوں کی تباہی کے منصوبے بنا چکی ہیں۔

آج کا انسان آتش فشاں کے دھانے پر کھڑا ہے۔ نہ جانے کب کیا ہو جائے۔ ایک ہولناک تنہائی نے انسان کو لپیٹ میں لے لیا ہے۔ ترقی و ارتقاء کے نام پر تباہی کے پروگرام بن چکے ہیں۔ انسان کی روح سہم گئی ہے۔ شاید یہ تہذیب اپنا دور پورا کر چکی ہے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

شاید آج کا انسان کسی مستقبل کی امید سے نا آشنا ہے۔ مایوسی مقدر بن چکی ہے۔ ایک دور ختم ہو رہا ہے اور دوسرا دور ابھی پیدا نہیں ہوا۔ یہ عرصہ' عرصہ تنہائی ہے۔ ہم برزخ سے گزر رہے ہیں۔

ہمارے پاس آسائشیں ہیں' سکون نہیں۔ ہمارے پاس مال ہے' اطمینان نہیں۔ ہم سب ساتھ ساتھ چل رہے ہیں' لیکن منزلیں جدا جدا ہیں۔ ہم ہجوم میں ہیں' لیکن ہجوم سے کوئی واسطہ نہیں۔ ہم سب آس پاس ہیں۔ ہم ایک دوسرے کا غم سنتے ہیں' لیکن محسوس نہیں کرتے۔ ہم اپنے علاوہ کسی کو اپنے جیسا نہیں سمجھتے۔

ہمیں اپنے آنسو مقدس نظر آتے ہیں' لیکن دوسروں کی آنکھ سے ٹپکنے والے آنسو ہمیں مگرمچھ کے آنسو نظر آتے ہیں۔

ہم نے تفکر و تدبر چھوڑ دیا ہے۔ ہم اپنے علم پر نازاں ہیں۔ ہم اپنی آواز پر مسحور ہوتے ہیں۔ اپنے افکار پرست ہوتے ہیں۔ اپنے لئے جو پسند کرتے ہیں' دوسروں کیلئے وہ چیز پسند نہیں کرتے۔ اس خوفناک جرم کی خوفناک سزا یہی ہے کہ ہم اپنے اندر تنہا ہیں۔ ہم دوسروں کی نگاہ میں بلند ہونے کی خواہش میں اپنی نگاہ سے گرتے جا رہے ہیں۔ ہمارا وجود ہمارے اپنے لئے بوجھ بن رہا ہے۔ ہماری آواز' ہماری مصروفیت' ہماری تگ و تاز تنہائی کی اذیت سے بچنے کیلئے ہے اور یہ تنہائی ہمارے گرد جال بنتی جا رہی ہے' جسے توڑنا مشکل ہوتا جا رہا ہے۔

دیوتا بننے کی خواہش میں ہم انسان ہی نہ رہے۔ ہم اذیت میں ہیں۔ ہم اپنے گھروں میں مہمان کی طرح رہ رہے ہیں۔ اپنے دیس میں غریب الدیار ہیں۔ ہم آج کی تہذیب ہیں۔ سہمی ہوئی تنہائی..... صحرا کی شام اور تنہا مسافر..... اپنی آواز سے خوف پیدا ہوتا ہے۔ اپنے وجود سے ڈر لگتا ہے..... یاد ماضی خوفزدہ کرتی ہے اور مستقبل ..... ایک اور تنہائی!

ہماری تنہائی پر رحم فرما میرے مولا..... ہمیں انسان آشنا کر..... ہمیں انسانوں کی قدر کرنا سکھا۔ ہمیں انسان سے محبت کرنا سکھا۔ ہمیں انسانوں کی خدمت کرنا سکھا۔ ہمیں پہچان عطا فرما۔ ہمیں زندگی کی عزت کرنا سکھا۔ ہمیں ہمارے غرور سے بچا۔ ہمیں ہماری ذات سے نجات دے۔ ہمیں عاقبت سے غافل نہ کر۔ ہمیں وفا سکھا۔ وفا تنہا نہیں ہوتی۔ ہمیں صداقت فکر دے۔ صداقت ذکر دے۔

ہم پر عظمت انسان آشکار کر..... کہ یہی ایک راستہ ہے ''تنہائی'' کے کرب سے نجات کا..... اے مالک! ہمیں ایک دوسرے پر بھروسہ کرنا سکھا۔ ہمارے باطن سے شکوک و شبہات دور کر۔ ہماری تنہائیوں کو آباد کر' محبت سے۔ ہمیں ایک عقیدہ دیا ہے' تو ایک منزل عطا فرما..... ایک سفر' ایک منزل' ایک وحدت۔

قطعہ

اپنی محفل میں مجھے بلوا کے دیکھ
یا مری تنہائیوں میں آ کے دیکھ
میں تری تاریخ ہوں مجھ کو نہ چھوڑ
بھولنے والے مجھے دہرا کے دیکھ

☆......☆......☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہر شے مسافر

کہنے کو دو قدم کا فاصلہ ہے' لیکن عمر کٹ جاتی ہے فاصلہ نہیں کٹتا۔ ہم چل رہے ہیں' مسلسل صبح کو چلتے ہیں' شام کو چلتے ہیں' خوابوں میں سفر کرتے ہیں۔ ہم ہی کیا' ہمارے ساتھ راستے بھی سفر میں ہیں۔ منزل ملے' تو منزل سفر میں ہوتی ہے۔ یہ کائنات بھی مسافر ہے۔ ہر شے راہی ہے۔ ہر شے سفر میں ہے۔ نامعلوم سفر' بے خبر مسافر' ناآشنا منزلیں۔

کوئی وجود ہمیشہ ایک جگہ موجود نہیں رہ سکتا۔ سفر ہی سفر ہے' سفر کا آغاز سفر سے ہوا اور سفر کا انجام ایک نئے سفر سے ہوگا۔ مسافرت بے بس ہے' مسافت کے سامنے۔

صدیوں اور قرنوں سے یہ سفر جاری ہے۔ یہ سفر کٹ نہیں سکتا' جیسے کسی کی نگاہ سے گر کر رسائی کا سفر طے نہیں ہو سکتا' کبھی نہیں۔ یہ سفر بے جہت و بے سمت ہے' بلکہ لامحدود جہت و لامحدود سمت کا سفر ہے' کیسے کٹے۔

ہمارے ساتھ کائنات چل رہی ہے۔ سورج' چاند' ستارے' سیارے' کہکشائیں' نظامہائے شمسی' بلکہ خلائیں اس سفر میں شریک ہیں۔ سب کے سب گردش میں ہیں۔ جمیل و جسیم سیارے' مدار خود متحرک ہیں۔ گردش در گردش' حرکت در حرکت' سفر در سفر جاری ہے۔ لمحات سفر میں ہیں۔ وقت ہمہ وقت سفر میں ہے۔ کیا ہم لوگ گھر میں غریب الدیار ہیں؟ ہمیں کہاں جانا ہے؟ ہم کہاں سے آئے ہیں؟ خیال بدل جاتا ہے۔ خیال رخصت ہو جاتا ہے' سانس سفر میں ہے' آتا ہے' جاتا ہے' رگوں میں شریانوں میں خون مسافر ہے۔ نظر مسافر ہے۔ منظر اور پس منظر مسافر ہیں۔

یہ سب کیا ہے؟ کیوں ہے؟ کب سے ہے؟ کب تک ہے؟

ہم بوجھ اٹھائے پھرتے ہیں۔ اپنا بوجھ' دوسروں کا وزن' آخر کہاں جانا ہے ہمیں؟ ہمیں اتنا معلوم ہے کہ ہم جلدی میں ہیں۔ ہم تیزی میں ہیں۔ ہم عجلت میں ہیں۔ ہمیں فوراً جانا ہے' لیکن کہاں؟ بس یہی تو معلوم نہیں۔ ہم بہت مصروف ہیں۔ سفر ضروری ہے' مقصد سفر سے آگاہی ضروری نہیں ہے۔

ہم سوچ رہے کہ آخر ہمیں کیا کرنا ہے۔ سفر سے کیا حاصل ہے۔ سفر مسافروں کو کھا رہا ہے۔ راستہ راہ نوردوں کو نگل جاتا ہے۔ منزلیں راستوں کو نگل جاتی ہیں اور خود راستہ بھول جاتی ہیں۔ معلوم نہیں کس نے ہمیں گردشیں' بلکہ غلام گردشیں' دی ہیں۔ سفر پر روانہ کرنے والی فطرت ہم سے کیا چاہتی ہے۔ ہم بیچارے دے ہی کیا سکتے ہیں۔ محدود کا لامحدود سفر کیا رنگ لائے گا۔

پرندے اڑتے ہی چلے جاتے ہیں' فضائیں ختم نہیں ہوتیں۔ مچھلیاں تیرتی ہی چلی جاتی ہیں' سمندر ختم نہیں ہوتا۔ یہ سفر کب سے ہے۔ نہ ابتداء کی خبر ہے' نہ انتہا کا پتہ۔ قطرے قلزم بنتے جاتے ہیں اور قلزم

www.iqbalkalmati.blogspot.com

قطروں میں بٹتا جاتا ہے لیکن کسی کو کچھ خبر نہیں۔

بسیں' گاڑیاں' خلائی اور فضائی گاڑیاں' جہاز' ہوائی اور بحری سب متحرک ہیں۔ لوگ آ رہے ہیں' جا رہے ہیں۔ آنسوؤں سے الوداع ہے' خوشی کے ساتھ خوش آمدید ہے۔ جانے والے بھی مسافر اور بھیجنے والے بھی مسافر۔ سب مسافر ہیں' آہستہ چلنے والے' تیز چلنے والے ہمیشہ سفر ہی سفر۔

ایک نے دوسرے کا سامان چھین لیا۔ اسے اٹھایا' لے بھاگا اور کچھ دور جا کر وہ سامان پھینک دیا اور خود کسی نامعلوم سفر پر خالی ہاتھ روانہ ہو گیا۔ اس نے سامان پھینکنا تھا' تو چھینا ہی کیوں؟ زمینوں کو' ملکوں کو' جاگیروں کو فتح کرنے والے تیز رفتار شہسوار آخر زمین کی پہنائیوں میں غائب ہو گئے' خاموش ہو گئے' فراموش ہو گئے' ایسے' جیسے وہ کبھی تھے ہی نہیں۔

کارواں در کارواں لوگ آئے۔ اس زمین پر بڑے عمل کرتے رہے۔ بڑی محنتیں کرتے رہے ایک دوسرے کو ہلاک کرتے رہے' لیکن پھر وہی سکوت' وہی بے مائیگی' وہی بے نشان منزلیں' وہی گمنام انجام۔

یہ ناموری کیا ہے؟ یہ غرور افتخار کیا ہے؟ یہ تاج وکلاہ کیا ہے؟ یہ لشکر و سپاہ کیا ہے؟ یہ حرکت وجود کیا ہے؟ یہ مستقل عذاب مسافرت کیا ہے؟ ہر دل میں بھونچال ہے۔ ہر شخص بھاگ رہا ہے۔ شاہ و گدا بھاگ رہے ہیں۔ شاید خطرہ ہے۔ کس کو کس سے خطرہ ہے؟ زندگی کو خطرہ ہے؟ کس کا؟ موت کا خطرہ؟ زندگی ختم ہو رہی ہے' لیکن زندگی تو ختم نہیں ہوتی۔ ہم مر جاتے ہیں۔ ہم کب سے مر رہے ہیں' لیکن ہم زندہ ہیں۔ کب تک زندہ ہیں؟ یہی تو معلوم نہیں۔ اسے معلوم کرنے کیلئے ہم بھاگ رہے ہیں۔ موت کے ڈر سے نہیں' راز جاننے کیلئے کہ یہ سب کیا ہے؟

ہم خواہشات اور بے معنی خواہشات کی خوبصورت تتلیاں پکڑنے نکلے ہیں۔ تتلیاں اڑ جاتی ہیں اور ہم بچھڑ جاتے ہیں ایک دوسرے سے۔ ہم ویرانیوں میں کھو جاتے ہیں۔ تتلیاں واہمہ ہیں۔ کبھی ہم ماضی کی طرف بھاگتے ہیں کبھی مستقبل کی طرف۔ کبھی ہم اپنے اندر کو دوڑتے ہیں' کبھی ہم اپنے سے فرار کرتے ہیں اور خلاؤں کی تسخیر کو نکل جاتے ہیں۔

ہم جو کچھ حاصل کرتے ہیں' اسے چھوڑ دیتے ہیں۔ تمنا' نیا حاصل' نئی آرزو' نئی منزل' نیا انتشار ہمارا مقدر ہے۔ یہ مقدر کیا ہے؟ مقدر کی چابک ہمیں ہانک رہی ہے۔ ہم خواب اور شوق کے درمیان رہتے ہیں۔ یہی چکی ہمیں پیس رہی ہے۔ شوق حاصل نہیں ہوتا۔ خوف نظر نہیں آتا۔ بس ہم دوڑتے ہیں۔ سفر کرتے ہیں۔ واپسی کا وعدہ کر کے ہم رخصت ہوتے ہیں۔ واپس آنا ہے تو جانا ہی کیوں ہے۔ ہم ایک دوسرے کو انتظار کی منزل عطا کرتے ہیں۔ انتظار اس فاصلے کا نام ہے جس کے کٹ جانے کی امید ہو' لیکن جو کبھی نہ کٹے۔ یہ فاصلے ہم نے خود پیدا کئے ہیں۔ ہم ایسے سفر میں مبتلا ہیں' جو انجام سے بے نیاز ہے۔ ایک موہوم امید ہے کہ شاید اگلے موڑ پر ہم سب کچھ جان لیں' لیکن سانس کا سفر ختم ہو جاتا ہے' آس کا سفر باقی رہتا ہے۔ ہم نے سوچنا چھوڑ دیا۔ بس دوڑ لگا رہے ہیں' میراتھن دوڑ MARATHON RACE جس میں سارا زمانہ شریک ہے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کب سے یہ دوڑ جاری ہے۔

میں اپنے پیشرو کی کرسی کا مالک ہوں اور میرے بعد آنے والا میری کرسی کے انتظار میں ہے۔ کرسی نشین غائب ہو جاتے ہیں اور کرسیاں خالی رہتی ہیں۔ لیڈر مر جاتے ہیں' قومیں زندہ رہتی ہیں۔ لیکن کب تک؟ پرانی قومیں' پرانے لیڈر' پرانی تہذیب' پرانی آبادیاں' کہاں ہیں؟ تاریخ میں؟

ہم سب پرانے ہونے والے ہیں۔ ہم یادیں لے کر چلے ہیں اور یادیں چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ ہر پرانی تہذیب اپنے زمانے میں نئی تھی اور ہر نئی تہذیب آنے والے دور کی پرانی تہذیب ہے۔ پرانے مکان اور نئے مکان ایک ہی مکان ہیں۔ پرانے غم اور نئے غم ایک جیسے ہیں۔ پرانے آنسو اور نئے آنسو یکساں ہیں۔ پرانا سفر اور نیا سفر ایک ہی سفر ہے۔ پرانی منزل اور نئی منزل ایک ہی منزل ہے۔ پرانا انسان اور نیا انسان ایک ہی انسان ہے۔ پرانے زمانے اور نئے زمانے ایک ہی شے کے نام ہیں۔ سورج وہی' سورج کی روشنی وہی' چاند وہی اور چاندنی وہی' سفر وہی انجام وہی' لیکن ہر شے بدل گئی ہے۔ سب کچھ بدل گیا۔ کون کہتا ہے کہ سب کچھ بدل گیا؟

سفر ختم ہوتا۔ تبدیلی اور تغیر...... نہیں۔ مسافر کی انا قائم ہے۔ انسان سفر کا راز معلوم کرنا چاہتا ہے۔ مسافر اپنی بے بسی پر غور کرتا ہے۔ مجبوریوں کا جائزہ لیتا ہے' لیکن سفر ترک نہیں کرتا۔ انسان سمندر کی اتھاہ گہرائیوں سے اپنے سفر کا راز پوچھتا ہے' اسے موتی ملتے ہیں۔ سوال کا انعام ملتا ہے' لیکن جواب نہیں ملتا۔ وہ پہاڑوں سے پوچھتا ہے۔ دیوہیکل گونگے پہاڑ انسان کے سوال پر روتے ہیں۔ دریا آنسو بہاتے ہیں۔ ہوائیں چیختی ہیں کہ اس سوال کو ترک کر دو۔ اس کا جواب نہیں ہے۔ انسان خلا سے پوچھنے چلا ہے کہ یہ سفر کیا ہے؟ خلا وسیع ہے۔ انسان کی بات خلاؤں میں گم ہو جاتی ہے۔ سوال قائم ہے' جواب ندارد۔

مسافر مایوس نہیں ہوتا۔ وہ راستے سے پوچھتا ہے' لیکن راستہ اس کے سوال کو رستہ نہیں دیتا۔ وہ منزلوں کو پکارتا ہے۔ منزلیں اس کی ہم سفر ہو جاتی ہیں' لیکن اس سوال کا جواب نہیں دیتیں۔ مسافر ایک دوسرے سے گلے ملتے ہیں اور روتے ہیں کہ راستہ گم ہو گیا ہے۔ راستہ ساتھ ہی چل رہا ہے' مسافر بے خبر ہیں۔

مسافر فریاد کرتا ہے ''اے وہ کہ جس نے مجھے لمبے سفروں پر گامزن کیا ہے' جس نے مجھے نہ ختم ہونے والی تلاش دی ہے۔ تلاش کا مقصد تو بتا دے۔'' لیکن سناٹا ہے۔ کوئی پرسان حال نہیں۔ سفر جاری رہتا ہے۔ قافلے تھک جاتے ہیں' لیکن سفر جاری رہتا ہے۔ اس سفر میں کوئی کسی کا ہمدرد نہیں۔ لاغر وجود کو چھوڑ دیا جاتا ہے اور سفر جاری رہتا ہے۔ زمین سے چشمے ابلتے رہتے ہیں اور آنسو نکلتے رہتے ہیں۔ یہ سفر بڑا طویل اور بڑا مختصر ہے۔ دو قدم کا فاصلہ ہے اور عمر بھر طے کرنا ہے' یہ فاصلہ۔ ہونے اور نہ ہونے کے درمیان ہی سب کچھ ہوتا رہتا ہے۔ ہم اپنے بچوں کے پاس رہتے ہیں اور پھر اپنے بزرگوں کے پاس چلے جاتے ہیں۔ ہم جن کو رخصت کرتے ہیں' وہی تو ہمارا استقبال کریں گے۔ یہ سب حیران کن بات ہے۔ اگر یہی کچھ ہے تو یہ ہنگامہ سود و زیاں کیا ہے؟ یہ سب رفتار کیا ہے؟ یہ ترقی و ارتقاء کیا ہے؟ یہ علم و ادب کیا ہے؟ یہ جاہ طلبی و منصب پسندی کیا ہے؟ یہ حاصل و محرومی کیا ہے؟ یہ خیر و شر کے معرکے کیا ہیں؟ یہ گرمئی رخسار و گرمئی بازار کیا ہے؟ انسان پوچھتا ہے' سوچتا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہے' تڑپتا ہے' جاگتا ہے' روتا ہے' اپنے سوال کا جواب مانگتا ہے۔ سفر پر بھیجنے والا نہ ملے' تو جواب دینے والا کہاں سے ملے گا۔

سوچنے والی بات یہ نہیں کہ یہ سفر کیا ہے' اس کا انجام کیا ہے۔ سوچنے والی بات تو یہ ہے' کون ہے جس نے مجھے مسافر بنایا؟ کون ہے جو میرے ساتھ چل رہا ہے؟ کون ہے جو مجھے بچپن سے جوانی اور جوانی سے بڑھاپے تک لاتا ہے؟ کون ہے جس نے مجھے ذوق آگہی دیا؟ کون ہے جو مجھے پکارتا ہے؟ اور کون ہے جسے میں پکارتا ہوں؟ منزلوں سے صدا دینے والا ہی منزلوں پر روانہ کرنے والا ہے۔ وہی سفر دیتا ہے' وہی شریک سفر ہے' وہی منزل ہے' وہی نشان منزل۔ میرے سفر سے پہلے بھی وہی تھا اور میرے بعد بھی وہی ہوگا۔

میرے سوال کا جواب دماغ کے پاس نہیں ہے۔ دماغ بتا سکتا ہے کہ یہ سب کیا ہے' لیکن دل بتاتا ہے کہ یہ سب کیوں ہے اور ایمان بتاتا ہے کہ یہ سب کس نے بنایا۔ سوال کے عذاب سے بچنے کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ ہم اس طاقت اور اس ذات پر ایمان لائیں جس نے پہاڑوں کو استقامت دی اور دریا کو روانی۔ وہ جو بادلوں سے مینہ برساتا ہے اور زمین سے پودے اگاتا ہے۔ وہ جس نے سورج کو منور کیا اور رات کو تاریکی دی۔ وہ جس نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے قائم رکھا اور جس نے پرندوں کو پرواز دی۔ وہ جس نے مجھے پیدا فرمایا' اسی نے مجھے گویائی اور بینائی دی۔ وہ کون ہے؟ بس وہی تو ہے۔ سوال بھی وہی' جواب بھی وہی۔ میرا ہونا اسی کے حکم سے اور میرا نہ ہونا اسی کی مرضی ہے۔ وہ جو بھی ہے' اس کیلئے سجدہ ہے! تسلیم کا اور تعظیم کا!!

☆

انسان دوسرے کی دولت کو دیکھ کر اپنے حالات پر اس قدر شرمندہ کیوں ہوتا ہے؟ یہ تقسیم تقدیر ہے۔ ہمارے لئے ہمارے ماں باپ ہی باعث تکریم ہیں۔ ہماری پہچان ہمارا اپنا چہرہ ہے۔ ہماری عاقبت ہمارے اپنے دین میں ہے۔ اسی طرح ہماری خوشیاں ہمارے اپنے حالات اور اپنے ماحول میں ہیں۔ مور کو مور کا مقدر ملا' کوے کو کوے کا۔ ہم یہ نہیں پہچان سکتے کہ فلاں کے ساتھ ایسا کیوں اور ہمارے ساتھ ویسا کیوں ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے پوچھا: ''اے رب العالمین آپ نے چھپکلی کو کیوں پیدا فرمایا؟'' اللہ نے جواب دیا: ''عجب بات ہے' ابھی ابھی چھپکلی پوچھ رہی تھی کہ ''اے رب! تم نے موسیٰ کو آخر کیوں پیدا کیا؟'' بات وہی ہے کہ انسان اپنے نصیب پر راضی رہے تو اطمینان حاصل کرے گا۔ نصیب میں تقابلی جائزہ ناجائز ہے۔

☆......☆......☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

انتظار

خواہش اور حصول کے درمیانی فاصلے کو انتظار کہہ سکتے ہیں۔ یہ بھی کہنا درست ہے کہ تمنا ہی انتظار پیدا کرتی ہے۔ جس دل میں تمنا نہ ہو' اسے انتظار کے کرب سے گزرنے کا تجربہ ہی نہیں ہو سکتا۔ چونکہ کوئی انسان تمنا سے آزاد نہیں' اس لئے کوئی انسان انتظار سے نجات نہیں پا سکتا۔

ہم سب انتظار میں ہیں۔ ہر انسان کو کسی نہ کسی شے کا انتظار ہے۔ کسی نہ کسی سے ملنے کا انتظار ہوتا ہے۔ کسی واقعہ کا انتظار ہوتا ہے۔ انتظار تاریکی میں روشنی کا سفر طے کرتا رہتا ہے۔ شب فراق صبح امید کے انتظار میں کٹتی رہتی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے بلکہ عین ممکن ہے کہ زندگی کٹ جائے اور شب انتظار نہ کٹے۔

دیکھی ہوئی صورت کو دوبارہ دیکھنے کی آرزو انتظار کی بیتابیوں سے گزرتی ہے۔ آرزو' ممکن ہو یا ناممکن' انتظار آرزو کا مقدر ہے۔ انتظار ایک اٹل حقیقت ہے۔ اس سے گریز ممکن نہیں ہے۔

ہر عمل اپنے نتیجے کے انتظار میں ہوتا ہے۔ عمل نہ ہو' تو ارادہ ہی انتظار میں داخل کر دیتا ہے۔ ہمارے ارادے' ہماری آرزوئیں' ہماری تمنائیں' ہمارے عزائم اپنے نتائج کی خوبصورت شکل دیکھنے کو ترستے ہیں۔ اسی کا نام انتظار ہے۔

نیک انسان اپنے اعمال کا انعام حاصل کرنے کیلئے منتظر رہتے ہیں اور برے آدمی اپنی برائی کی عبرت سے بچنے کا انتظار کرتے ہیں۔ جو انسان کسی عاقبت کا قائل نہیں' اس کیلئے اللہ کریم کا ارشاد ہے کہ ''تم ایک فیصلے کے دن کا انتظار کرو اور ہم بھی انتظار کرتے ہیں۔''

محبت کی تمام عمر انتظار کی حدت اور شدت سے گزرتی ہے۔ انتظار ہی قلوب کو گلنار کرتا ہے۔ ہم اپنے انداز سے ہی اپنے انتظار کی منزل طے کرتے ہیں۔ کچھ لوگ انتظار سے بڑے اضطراب میں گزرتے ہیں۔ وہ روتے ہیں' بلکتے ہیں' کراہتے ہیں' گنگناتے ہیں' تارے گنتے ہیں اور یادوں کے چراغ روشن کرتے ہیں۔ وہ دیار جاں میں جشن آرزو منانے کیلئے اشکوں سے چراغاں کرتے ہیں۔ جانے والوں کو صحرائے طلب میں ڈھونڈتے ہیں۔ نہ سننے والے کو پکارتے ہیں۔ نہ نظر آنے والوں کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ خاموش تصاویر کی آوازیں سنتے ہیں اور اپنی شب تنہائی میں اپنے علاوہ وجود کو بھی موجود پاتے ہیں۔ ان کا خیال مجسم ہوتا ہے۔ ان کو ماضی کے ہم سفر' مستقبل کی مسافرت میں شامل نظر آتے ہیں۔ یہ واہمہ انہیں حقیقت نظر آتا ہے۔ اس طرح انتظار کے زمانے طلسمات کے زمانے بن جاتے ہیں۔

انسان کو اپنا عہد انتظار عہد جنوں نظر آتا ہے۔ انتظار کا دور اذیت کا دور ہے' لیکن صاحب انتظار کو اس دور میں عجیب لذت سے آشنائی ہوتی ہے۔ اس کو اپنے ظاہر سے باطن کا سفر نصیب ہوتا ہے۔ وہ تن کی دنیا سے نکل کر من کی دنیا میں ڈوبتا ہے اور پھر ڈوبتا ہی چلا جاتا ہے اور جب وہ آشنائے راز ہوتا ہے تو اس کی حیرت کی کوئی انتہا نہیں ہوتی کہ کس واقعہ نے اسے کیا سے کیا بنا دیا ہے۔ جانے والا اسے کیا دے گیا۔ آئینہ ٹوٹا تو کیا طلسمات پیدا ہو گئے۔ آنسوؤں نے کیا تنویر پیدا کر دی۔ دل کے داغ' چراغ بن گئے۔ حسرت' سرفراز ہو گئی۔ محرومی سیراب ہو گئی۔ ایک کی تمنا اپنی تمنا بن کر سب کی تمنا بن گئی۔ انسان کی یاد ایک حد سے گزر جائے' تو یاد حق بن جاتی ہے اور یہ حد' بے حد ہے۔ اس لئے حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ انتظار انسان کے ساتھ کیا کرے گا۔

انتظار پیدا کرنے والی کوئی بھی شے ہو' جب انتظار پیدا ہو جائے تو صاحب انتظار کے ساتھ اس کے ظرف کے مطابق واقعات شروع ہو جاتے ہیں۔

کچھ لوگ انتظار کی شدت سے تنگ آ کر چراغ آرزو بجھا دیتے ہیں۔ وہ امید سے نکل کر مایوسی میں داخل ہو

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جاتے ہیں۔ وہ کسی پر بھروسہ نہیں کرتے۔ انہیں اپنے نصیب پر بھی بھروسہ نہیں رہتا۔ وہ گلہ کرتے ہیں' شکایت کرتے ہیں' مایوسیاں پھیلاتے ہیں۔ انہیں شب فرقت کی تاریکی تو نظر آتی ہے' اپنے دل کا نور نہیں نظر آتا۔ وہ جس خوبی کا انتظار کرتے ہیں' اسے ناخوب کہنے لگ جاتے ہیں۔ وہ اپنے جدا ہونے والے محبوب کو کوسنا شروع کرتے ہیں اور اس طرح اپنی شب انتظار کو کم نصیبی سمجھ کر بے حس اور جامد ہو جاتے ہیں۔ ظاہر سے محروم ہو کر وہ باطن سے بھی محروم ہو جاتے ہیں اور اس طرح بربادیٔ دل بربادیٔ ہستی بن کر انہیں تباہی کی منزل تک لاتی ہے۔

جس شخص میں ایثار نہ ہو' اسے انتظار تباہ کر دیتا ہے۔ جس انسان میں عفو و درگذر نہ ہو' اسے انتظار ہلاک کر دیتا ہے۔ اگر تمنا ہوس پرستی بن جائے۔ تو انتظار عذاب ہے۔

اگر تمنا لطیف رہے تو انتظار کیف کی منازل طے کراتا ہے۔ انتظار ایک طاقتور' منہ زور گھوڑے کی طرح ہے۔ اگر سوار کمزور ہو تو گر کر مر جائے گا اور اگر سوار شہسوار ہو تو آسودہ منزل ہوگا۔

انتظار کا دائرہ محبت کی دنیا تک ہی نہیں' اس کے علاوہ بھی ہے۔ ہر وجود انتظار کرتا ہے۔ ہر ذی نفس انتظار میں ہے۔ ہر موسم آنے والے موسم کے انتظار میں ہے۔ ہر دور آنے والے دور کا منتظر ہے۔ ہم سب اپنے جانشینوں کا انتظار کرتے ہیں۔ حکمران آنے والی حکومتوں کے انتظار میں اپنا وقت پورا کرتے ہیں۔ محنتی انسان اپنی محنت کے معاوضے کا منتظر ہے۔ نوکر پیشہ لوگ تنخواہ کے دن کا انتظار کرتے ہیں اور اس انتظار میں مہینہ گزارنے کے عذاب کو انتظار کہتے ہیں۔

آج کے ایک مہذب انسان کی زندگی صبح سے شام تک انتظار کے مختلف مراحل طے کرتی ہے۔ اخبار میں اپنی پسند کی خبروں کا انتظار' دفتروں میں خوشگوار واقعات کا انتظار' ترقی کا انتظار' کھانے پینے کا انتظار اور پھر شومیٔ قسمت نیند کا انتظار۔

آج کے انسان کو نیند کی دولت بہت کم ملی ہے۔ بہت انتظار کرنا پڑتا ہے۔ سکون دینے والی نیند نہ جانے کہاں چلی گئی۔ آج کل تو سکون دینے والی گولیاں ملتی ہیں۔ عذاب ہے' قیامت ہے۔ نیند تو محنت کا حق ہے' لیکن آج یہ حق دوائی کے بغیر نہیں ملتا۔ یاالٰہی! یہ سب کیوں ہے؟

بہرحال انتظار انسان کو گھن کی طرح کھا رہا ہے۔ دل اور غم ایک دوسرے کو مل جل کر کھا رہے ہیں اور یوں انتظار کے زمانے گزرتے جا رہے ہیں۔

آج کا انسان بھول گیا ہے کہ ہر انتظار کے بعد ایک نیا انتظار ہے۔ ہم اپنے حال کو مستقبل کا انتظار کہہ سکتے ہیں۔ یہ مستقبل ایک حد تک تو ہمیں قبول ہے' لیکن اس کے بعد کا مستقبل یعنی مابعد کا "مستقبل" ہماری زندگی اور ہماری سمجھ سے باہر ہے۔ ہم یہ نہیں سن سکتے کہ بڑھاپا جوانی کے انتظار میں ہے۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ جوانی بڑھاپے کے انتظار کا نام ہے۔ ہم یہ سننے کو تیار نہیں کہ موت زندگی کے انتظار میں ہے۔ ہم یہ ماننے کو تیار نہیں کہ زندگی موت کے انتظار کا دوسرا نام ہے۔

☆

☆ عاجزی اور کمینگی میں بڑا فرق ہے۔ کسر نفسی کو تحقیر ذات تک نہ پہنچاؤ!!

☆ کبھی کبھی مظلوم کا آنسو ظالم کی تلوار سے زیادہ طاقتور ہوتا ہے!

☆ طوفانوں کی طاقت سب کشتیوں کو نہیں ڈبو سکتی!

☆ انسانی عقل و خرد کی تمام طاقتیں مکڑی کے کمزور جالے کے سامنے بے بس ہیں۔

☆......☆......☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کامیابی

کامیابی ایک خوبصورت تتلی ہے، جس کے تعاقب میں انسان بہت دور نکل جاتا ہے۔ اپنوں سے دور، اپنی حقیقت سے دور، اپنی بساط سے باہر، اپنے جامے سے نکل جاتا ہے۔ اکثر اوقات وہ کامیابی کی سرمستی میں اپنی عاقبت برباد کر دیتا ہے۔

کامیابی ایک کھلونا ہے، جس کے حصول کا عمل انسان سے منزل کا شعور چھین لیتا ہے۔ اس میں کوئی الجھاؤ نہیں، کوئی ابہام نہیں۔ ہم ایک خواہش کے حصول کو کامیابی کہتے ہیں اور اس کامیابی کیساتھ ہی دوسری خواہشات دم توڑتی ہیں اور یہ کامیاب خواہش اکثر و بیشتر خواہش نفس کے سوا کچھ اور نہیں ہوتی۔

ایک محنت کرنے والا انسان کامیابی کی خاطر محنت کرتا ہے۔ دنیا میں مختلف قسم کی محنتیں ہیں، اس لئے مختلف قسم کی کامیابیاں ہیں۔ برے مقاصد کیلئے محنت اگر کامیاب بھی ہو جائے، تو بھی ناکام ہے۔ اس کے برعکس اچھے مقصد کی محنت اگر ناکام رہے، تو بھی کامیاب ہے۔ کامیابی کا حصول اتنا اہم نہیں، جتنا مقصد کا انتخاب ہے۔

چیونٹی صبح سے شام تک محنت کرتی ہے اور اس کی کامیابی یہ ہے کہ خاک راہ سے رزق مل جائے۔ گدھ کی کامیابی یہ ہے کہ اس کی پرواز مردار کا راستہ دکھائے۔ مکڑی جالا بنتی ہے۔ کتنا خوبصورت ایک ماہر ریاضی دان اور انجینئر کی طرح۔ اس کا مقصد کامیاب ہو جاتا ہے۔ اس کا مقصد جالا نہیں، مکھی ہے۔ وہ مکھی پکڑنے کیلئے خوبصورت جالا بنتی ہے اور یہ اس کی کامیابی ہے۔

کامیابی کے گلیمر کے پیچھے انسان کی اصل خواہش چھپی ہوتی ہے۔ اس خواہش کا بغور مطالعہ کیا جائے، تو کامیابی کا اصل مفہوم سمجھ میں آ سکتا ہے۔

کامیابی کی تعریف کرنا مشکل ہے۔ آج کل کامیابی ایک مقابلہ ہے۔ اپنے ماحول میں اپنے سماجی معیار کے مطابق سبقت لے جانے کو کامیابی کہتے ہیں۔ کامیاب انسان اسے کہتے ہیں، جو اپنے گرد و پیش کے انسانوں میں نمایاں ہو، ممتاز ہو۔ سبقت لے جانے والا معزز کہلاتا ہے۔ کامیابی کا مدعا سبقت لے جانا ہے۔ شہرت حاصل کرنا ہے۔

اگر سماج کا اپنا کوئی اخلاقی معیار نہ ہو، تو کامیابی ایک خطرہ ہے۔ جھوٹوں میں شہرت حاصل کرنا بدنام ہونے کے مترادف ہے۔ اگر ماحول گندہ ہو تو کامیابی کی تمنا انسان کیلئے ایک خطرہ ہے۔

کامیابی کا سفر خودغرضی کا سفر ہے۔ یہ خطرے کا سفر ہے۔ خودغرضی نہ ہو، تو انسان کیسے کامیاب ہو۔ دولت جمع کرنے والے کیسے کامیاب ہو سکتے ہیں، اگر وہ بے حس نہ ہوں۔ دولت تقسیم کرنے والا کبھی دولت جمع نہیں کرتا۔ کامیاب مہمان کامیاب میزبان نہیں بن سکتا۔ محبت کامیاب ہو تو شادی کامیاب نہیں ہوتی۔ بینک کا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کام کرنے والا ٹورسٹ نہیں بن سکتا۔ کامیاب انجینئر' کامیاب ڈاکٹر اور کامیاب وکیل کی زندگیوں میں بڑا فرق ہے۔ ہر کامیاب آدمی دوسرے کو ناکام سمجھتا ہے اور یہی ناکامی کی دلیل ہے۔

دنیا میں موجود آدھا علم صرف نصیحت کا علم ہے۔ یعنی دوسروں کو ناکامی سے بچانے کا علم اور علم دینے والا علم کے حوالے سے ہی اپنے آپ کو کامیاب سمجھتا ہے۔ اس کی بات سننے والے اسے دیکھتے ہیں اور اس پر اتنا ہی تبصرہ کرتے ہیں کہ بیچارے علم والے لوگ ہیں۔ ان کا سرمایہ الفاظ و معانی کا سرمایہ ہے اور بس۔"

کامیاب انسانوں نے ہی دنیا میں جھگڑا فساد قائم کر رکھا ہے۔ ایک انسان کامیاب کہانی نویس یا کامیاب داستان گو یا افسانہ نگار ہو تو اپنے آپ کو ہر شعبہ حیات میں کامیاب سمجھتا ہے۔ وہ فرض کر لیتا ہے کہ اب وہ ڈرامہ' تنقید' معاشیات' سیاسیات' شاعری' الٰہیات غرضیکہ متفرقات پر قلم اٹھانے کا حق رکھتا ہے۔ وہ جلسوں کی صدارتیں کرتا ہے۔ جلوسوں کی قیادت کرتا ہے۔ حکومتوں کے حق میں یا ان کے خلاف قرار دادیں پاس کرتا ہے۔ حالانکہ اس کی کامیابی صرف کہانی یا افسانہ کی کامیابی ہے۔

کم و بیش ہر کامیاب انسان اس خوشی میں مبتلا ہو کر اپنی کامیابی کو ہی اپنے لئے وبال جان بنا لیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امیر آدمی ادیب بننے کا شوق رکھتا ہے اور بنتا ہے۔ ادیب کو سیاستدان کہلانے کا حق چاہئے' کیونکہ وہ شعر کہتا ہے۔ سیاستدان حکومتوں سے ناراض ہی رہتے ہیں' جیسے یہ ان کے محبوب ہوں اور حکومتیں اللہ کا نام لے کر اپنا کام جاری رکھتی ہیں۔ سب کامیاب ہیں اور سب ناکام۔

جب ہم اپنے لئے ایک انداز فکر کا انتخاب کرتے ہیں' تو ہمیں دوسرے انداز ہائے فکر پر اتھارٹی بننے سے گریز کرنا چاہئے۔ ایک کامیاب گلوکار کیلئے ضروری تو نہیں کہ وہ اپنے انداز سے ملک کا نام روشن کرے اور اپنے انداز سے مذہب پر بحث کرے اور یہ انداز صرف انداز ہی ہو۔

چونکہ ہماری زندگی شعبوں' پیشوں دائروں اور زاویوں میں تقسیم ہو چکی ہے' اس لئے کامیابی کا مفہوم اس دور میں اپنے پیشے اور اپنے شعبے میں کامیابی ہے اور یہ کامیابی اپنے دائرے سے باہر نکل آئے' تو ناکامی کے علاوہ کیا ہو سکتی ہے۔

ہماری ملکی سیاست میں اب ہر شعبہ حیات سے قیادت ابھر کر باہر آ رہی ہے۔ اللہ رحم فرمائے۔ ہمارا ملک قیادت کے بحران میں بھی کثیر القیادت رہے گا۔ قیادتوں کی کثرت قیادت کی عدم موجودگی کی دلیل ہے۔

کامیابی میں بڑے اندیشے ہوتے ہیں۔ کامیاب مسکراہٹ میں بڑے آنسو پنہاں ہوتے ہیں۔ کامیاب فاتح آخر ایک قاتل ہی ہوتا ہے۔ ہلاکو ہو یا سکندر اعظم' کام ایک ہی ہے اور غالباً انجام بھی ایک ہی ہے۔ دنیا کو فتح کرنا اور خالی ہاتھ گھر سے باہر پردیس میں مرنا کامیابی کا المیہ ہے۔ اجتماعی یا گروہی کامیابی میں کم خطرات ہیں۔ مقصد کا حصول قوموں کو عروج دیتا ہے' لیکن انفرادی کامیابی انسان کو اپنی ذات کے خول سے باہر کر دیتی ہے اور بعض اوقات انسان اپنی کامیابی کیلئے وہ عظیم مقاصد ترک کر دیتا ہے' جن کو اپنی کامیابی کے جواز کیلئے پیش کرتا ہے۔ مثلاً ایک کامیاب ڈاکٹر کو لیں۔ ڈاکٹر کا مدعا اور اصل مدعا خدمت انسانیت ہے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

مریضوں کی خدمت' دنیا سے بیماری کو کم کرنا اور اس طرح نیکی اور عبادت کو اپنی کامیابی کے جواز کے طور پر پیش کرنا' لیکن ایک کامیاب ڈاکٹر آہستہ آہستہ اپنی کامیابی کے تقاضوں سے مجبور ہو کر اتنا بے بس ہو جاتا ہے کہ بے حس ہو جاتا ہے۔ وہ مریضوں سے فیس وصول کرتا ہے۔ نیکی کے بجائے مال کا معاوضہ اور یہ عمل اس حد تک بڑھتا ہے کہ عذاب کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ میڈیکل سینٹروں کی تعداد میں اضافہ خدمت خلق کے بجائے طب کو انڈسٹری میں تبدیل کر چکا ہے۔ کامیابی کے دامن میں مسرتیں نہیں' حسرتیں ہوتی ہیں۔

کامیابی کا انجام اکثر اوقات اس مقصد کے برعکس ہوتا ہے' جو کامیابی کی وجہ ہے۔ انسان لوگوں میں عزت حاصل کرنے کیلئے کامیابی چاہتا ہے۔ اگر عزت نہ ملے' تو۔ لوگ سکون حاصل کرنے کیلئے دولت چاہتے ہیں۔ اگر سکون نہ ملا' تو۔

کامیابی ایک محدود دائرے تک ہی کامیابی کہلاتی ہے۔ اس سے ماورا یا اس کے علاوہ وہ تصور کارگر ہی نہیں ہوتا۔ ماحول بدل جائے' تو کامیابی کا تصور بدل جاتا ہے۔

محبت کی کامیابی اور محبت کی ناکامی میں چنداں فرق نہیں۔

محبت قائم رہے تو فراق بھی وصال ہے اور محبت نہ رہے تو وصال بھی فراق۔

کامیابی کیلئے اس ماحول کا جائزہ ضروری ہے' جس نے کامیابی کو تسلیم کرنا ہے۔ اگر ماحول اور فرد کے معیار میں فرق ہو' تو کامیابی کا تصور ختم ہو جاتا ہے۔

دنیا کے عظیم رہنما وقت کے دیئے ہوئے معیار سے بلند ہوتے ہیں۔ وہ اپنا معیار خود بناتے ہیں۔ وہ کسی پہلے سے طے شدہ اصول پر اپنی کامیابی کا انحصار نہیں کرتے۔

☆.....☆.....☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

عمل

ہر انسان مصروف عمل ہے۔ عمل ہی شاید زندگی ہے۔ حکم ہے کہ انسان کو محنت کرنے والا بنایا گیا۔ انسان محنت کرنے پر مجبور ہے۔ ہمہ حال سرگرم عمل رہنے والا انسان اپنے عمل سے اپنی زندگی کو بہتر بنانے کا خواہاں ہے۔ انسان مقصد کے حصول کیلئے بھاگتا ہے اور بھاگتا ہی رہتا ہے۔ ایک مقصد کی تلاش مختلف مقاصد کی آرزو بن کر عمل کی معنویت کو بے معنی کر دیتی ہے۔

ہم اپنے عمل کو صحیح مانتے ہیں' لیکن عمل کے نتائج کی ذمہ داری قبول نہیں کرتے۔ انسان عمل کی' کوشش کی' جدوجہد کی چکی تلے پستا جا رہا ہے۔ اسے معلوم نہیں کہ اس کے پاؤں اسے کہاں لے جا رہے ہیں۔ دفتر سے دفتر تک' آخر کب تک؟ زندگی میں عمل جاری ہے۔ کولہو کا بیل چل رہا ہے۔ چلتے چلتے عمر کٹ جاتی ہے اور فاصلہ طے نہیں ہوتا۔ ضرورتیں اور تقاضے بدلتے رہتے ہیں اور اس طرح عمل بھی تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ انسان پلاننگ کرتا ہے مستقبل کی' روشن مستقبل کی' لیکن جب وہ مستقبل حال بنتا ہے' تو شاید اتنا روشن نہیں ہوتا۔ انسان اپنے عمل کو بدلتا ہے اور اس طرح ایک نئے دائرے میں داخل ہوتا ہے اور پھر وہی نتیجے اور پھر نیا عمل..... یوں زندگی کٹ جاتی ہے۔ انسان سوچتا ہے کہ آخر اس تگ و دو کا مقصد کیا تھا؟

ہمیں بچپن سے تعلیم دی جاتی ہے کہ محنت کرو' بڑے آدمی بنو..... اس تعلیم کی وجہ سے انسان کوشش کرتا ہے۔ اپنے قد سے بڑا ہونے کی آرزو میں لوگ ہلاک ہوتے ہیں۔ کوشش اور مجاہدہ بہت کچھ دے سکتا ہے لیکن ایک گدھے کو کوئی مجاہدہ گھوڑا نہیں بنا سکتا۔ ہر زندگی اپنی حدود میں مقید ہے۔ ہر انسان اپنے دائرہ عمل میں رہن رکھ دیا گیا ہے۔ انسان پابند ہے' محدود ہے۔ آرزو پابند نہیں' اس لئے محدود انسان کا لامحدود خواہشات کیلئے عمل کہیں نہ کہیں راستے میں دم توڑ دیتا ہے اور انسان مسلسل عمل کرنے کے باوجود خاطر خواہ نتیجہ حاصل نہیں کر سکتا۔

انسان شہرت کیلئے عمل کرتا ہے۔ ناموری کی آرزو نے بڑے بڑے قافلے لوٹے ہیں۔ ہم جب تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں' تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ لوگ بڑے نامور تھے' لیکن ہم غور نہیں کرتے کہ ایک نامور کے دور میں اس کے گرد و پیش لاکھوں غیر مشہور انسان بھی اسی قسم کے عمل میں مصروف تھے۔ بابر کی فتح ابراہیم لودھی کی شکست بھی ہے۔ ہم فتوحات کرنے والوں کو دیکھتے ہیں اور شکست کھانے والوں کو نظر انداز کرتے ہیں۔ ہم ناموروں لوگوں جیسا عمل کرتے ہیں' لیکن یہ بھول جاتے ہیں کہ یکساں عمل دو انسانوں کیلئے یکساں نتائج نہیں مرتب کرتا۔ پیغمبروں جیسا عمل ہمیں پیغمبر نہیں بنا سکتا۔ میری کربلا' ہماری کربلا امام حسینؓ جیسی کربلا نہیں ہو سکتی۔ میں آج کے دور کا انسان خواہشات نفس اور تقلید کے حصار میں ہوں۔ مجھے میرا عمل وہ نہیں دے سکتا' جو ہمارے پیشروؤں کو دے گیا۔ میں سقراط جیسا علم رکھنے کا عمل کروں' تو بھی سقراط نہیں بن سکتا۔ میرا عمل ان کے عمل کے برابر ہو' تو بھی میرا مقام ان کے مقامات سے مختلف رہے گا۔ یہی عمل کی خامی ہے اور یہی عمل کی خوبی بھی۔

غور کرنے والی بات ہے کہ ہم ایک نئے دور میں پیدا ہوئے اور ہمارا عمل تقلید کے علاوہ نہ ہو تو ہم پرانے دور کے نتائج کیسے حاصل کر سکتے ہیں اور پرانے دور کے نتائج کے حصول کی آرزو ہی کوتاہی فکر ہے۔ اگر

www.iqbalkalmati.blogspot.com

فکر ہی صحیح نہ ہو' تو عمل کیسے صحت مند ہو سکتا ہے۔

جہاں اللہ کریم کا حکم ہے کہ انسان اپنی سعی سے ہی کچھ حاصل کرتا ہے' وہاں اس کے احکام کے اور رخ بھی ہیں۔ عمل کا جذبہ بھی اس کی عطا ہے اور پھر عمل کی راہ میں کتنے حادثات آتے ہیں۔ کتنے ہی واقعات ہیں۔ ہمارا عمل درست بھی ہو تو ممکن ہے کہ کسی اور کج رو کا عمل ہمارے عمل کے نتیجے کو ختم کر دے۔ ہم تنہا زندگی بسر کر رہے۔ ہمارے ساتھ ایک زمانہ چل رہا ہے۔ ہر آدمی عمل کر رہا ہے۔ ہمارے عمل کی راہ میں دوسروں کے اعمال نہیں حائل ہوتے ہیں اور پھر نتیجہ وہی رہتا ہے کہ ہم نتیجے سے محروم ہو جاتے ہیں۔ طاقتور بادشاہوں کو کمزور عوام ایک جنبش میں اڑا کے رکھ دیتے ہیں۔ آج میرا عمل میرے پیشروؤں نے بھی مسدود کر رکھا ہے۔ قرآن و احادیث کے مقدس حوالوں تک ہی بات رہتی' تو مبارک تھی لیکن اب بات آگے نکل گئی ہے۔ امام غزالی سے لے کر حالی تک اور فقہاء سے لے کر ہمارے اپنے رفقاء تک ہر انسان صاحب ارشاد ہے اور ان کے ارشادات نے ہمارے عمل کی آزادی پر پہرے بٹھائے ہوئے ہیں۔ مجھے میرے عمل نے صرف تقلید سکھائی ہے۔ میری آزادی صرف میری خامشی ہے۔ امام غزالی کو غزالی بننے کیلئے کسی اور غزالی کی تقلید ضروری نہ تھی۔ سقراط' سقراط تھا' ہر چند کہ اس سے پہلے اور کوئی اس جیسا نہ تھا۔ تقلید کا عمل بے ثمر رہتا ہے۔

فطرت کو منظور نہیں کہ سب لوگ سقراط ہی بنتے جائیں۔ عمل اور شے ہے اور نصیب چیزے دگر۔ ایک راہ پر چلنے والے' ایک جیسا عمل کرنے والے' الگ الگ نصیب لے کر آتے ہیں۔ بے عملی مقصود نہیں' صرف یہ وضاحت مراد ہے کہ اپنی حدود کو پہچانے بغیر عمل میں داخل ہونا ہلاکت کا باعث بھی ہو سکتا ہے۔ انسان ہزار محنت کرے' بغیر وجدان کے شاعر نہیں ہو سکتا اور جس کو وجدان عطا ہوا' وہ محنت کے بغیر بھی شاعر ہے اور یہ وجدان محنت سے حاصل ہوتا۔ ہم نے تاریخ میں بادشاہوں کو کرب و اندیشے میں مبتلا دیکھا ہے۔ سکندر اعظم عظیم تھا' مگر بے وطن مرقد کا مسافر تھا۔ صاحب منزل بھی عمل کرتا ہے اور بھٹکا ہوا راہی بھی محنت کرتا ہے۔ ہمارا عمل گناہ اور ثواب مرتب کرتا ہے۔ ہمارا عمل ہمیں آسانیاں بھی عطا کرتا ہے اور دشواریاں بھی۔ گلاب گلاب ہے' عمل کرے یا نہ کرے۔ کانٹا کانٹا رہے گا' چاہے کتنی ہی محنت کرے۔ عظیم انسان فطرت کا عمل ہے۔ ان کا اپنا عمل انہیں عظیم نہیں بناتا۔ پیغمبر بننے کا کوئی عمل نہیں۔ یہ منصب عطا ہے۔ امام عمل سے نہیں' نصیب سے ہے۔ ارشاد ربانی ہے کہ ''ہم جسے چاہتے ہیں مملکت دیتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں معزول و محروم کر دیتے ہیں۔'' عمل بہانہ ہے' مقدر اٹل ہے۔ عقل اور نصیب نہ ہوں' تو عمل جہالت ہے۔ ریت میں ہل چلایا جائے' بیج بویا جائے اور اسے پانی کے بجائے چاہے خون دل ہی سے کیوں نہ سینچا جائے' وہاں کچھ نہ اُگے گا۔ عمل ہے' لیکن نتیجہ نہیں ہے۔ عمل سے زندگی میں جنت اور جہنم حاصل ہونے کا دعویٰ ہے' لیکن ہر عمل زندگی حاصل نہیں کرتا۔

ہر صاحب عمل جنت میں نہیں جاتا۔ ہر گناہ جہنم میں نہیں پہنچاتا۔ اس میں قدرت کا دخل ہے۔ اس مالک کا دخل ہے' جس نے بغیر کسی عمل کے مکھی کو شہد عطا کیا' جس نے سورج کی روشن بنایا' جس نے غریبوں کو شاہ اور شاہوں کو گدا بنایا۔ اس میں عمل شامل نہیں۔ وہی ذروں کو آفتاب بناتا ہے۔ محنت کو نتیجے عطا کرتا ہے۔ خوبصورت چہرہ بغیر کسی عمل کے حاصل ہوتا ہے۔ محبت بغیر کسی عمل کے حاصل ہوتی ہے اور پھر سکون قلب اس کی عطا ہے۔ اس کے حصول کا کوئی عمل نہیں۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

عمل سے غریبی دور نہیں ہوتی۔ غریب انسان کتنا عمل کرتا ہے۔ مزدور کتنی محنت کرتا ہے۔ ایک ہی دفتر میں تمام لوگ ایک جیسا ہی عمل کرتے ہیں۔ ایک جیسے اوقات میں حاضر ہوتے ہیں اور نتیجے مختلف ہوتے ہیں۔ تنخواہیں الگ الگ ہیں' راہیں الگ الگ' لیکن محنت کے اوقات یکساں ہیں۔ ایک مارکیٹ میں ایک جیسے دکان والے' ایک جیسا سامان رکھنے والے الگ الگ نتیجے سے گزرتے ہیں۔ جہاں بیٹی پیدا ہوتی ہے' وہاں بیٹا پیدا ہو سکتا ہے' لیکن ایسا نہیں ہے۔ کسی برے عمل کے بغیر بھی انسان بدنام ہو سکتا ہے۔ اکثر محروم انسان کہتے ہیں کہ انہوں نے کوئی غلطی نہیں کی۔ ان کی معصومیت کو سزا ملی ہے۔ ایسے ہوتا ہے اور ہوتا رہے گا...... پیغمبروں پر الزام لگے ہیں' ان کو قید خانوں سے گزرنا پڑا ہے' بغیر کسی برے عمل کے۔

اسی طرح ہم دیکھتے کہ بڑے بڑے مرتبوں پر فائز رہنے والے اتنے اہم نہیں ہوتے' ان کا عمل اتنا معتبر نہیں ہوتا' لیکن ان کا مرتبہ معتبر رہتا ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ بس ہے۔ بے سبب ہے' بے جواز ہے' عمل بہت کچھ ہے' لیکن یاد رہے کہ عمل سب کچھ نہیں۔

سالہا سال اور قرنہا قرن کی عبادت ابلیس کو ندامت کے علاوہ کیا دے سکی۔ ظلمات سے نور میں داخل ہونے کا کوئی عمل نہیں۔ یہ خود خالق کا عمل ہے۔ ہمارا عمل ہمیں معزز نہیں کرتا۔ اس کا فضل عزت بخشتا ہے۔ معاف کرنے والے کیلئے گناہ کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ نیکی کا غرور محرومیوں کا پیش خیمہ بھی ہو سکتا ہے۔

زندگی کی اساس عمل نہیں' فضل ہے۔ ہم لوگ فوری نتیجوں پر غور کرتے ہیں اور اس طرح انتہائی نتائج سے بے خبر رہتے ہیں۔ جھوٹے معاشرے میں عزت دراصل بدنامی ہے۔ ہم نہیں سمجھتے کہ اصل عمل اس کے فضل کے حصول کا نام ہے اور اس کا فضل کسی فارمولے سے حاصل نہیں ہوتا۔

نیت کی اصلاح ہو تو عمل میں خلوص پیدا ہو سکتا ہے اور عمل کا خلوص نیتوں سے بے نیاز ہے۔ نیکی کے سفر میں جہاں بھی آخری سانس آئے' وہی منزل ہے۔

ہمارا نظامِ حیات' نظامِ تعلیم اور نظامِ فکر ہمیں صرف عمل میں مصروف رکھتا ہے۔ عاقبت کی کوئی گارنٹی نہیں۔ نتیجے عارضی ہیں۔ مرتبے' آسائشیں' شہرتیں اور اختیارات گمراہی کے مقامات بھی ہو سکتے ہیں۔ اس عمل کو تلاش کیا جائے جو ہمیں بھی پسند ہو اور ہمارے مالک کو بھی۔ ورنہ نتیجہ ہلاکت اور گمراہی ہے۔ احسن عمل اصلاح باطن کے ساتھ حسن حیات کا حصول ہے۔ زندگی میں راہیں بدلنے کا وقت نہیں۔ پہلے ہی سے صحیح راستے کا انتخاب کیا جائے اور اس پر صحت عمل سے گامزن ہو کر اس کے فضل کا آسرا تلاش کیا جائے۔ یہی منشا ہے اس حکم کا کہ ''اے انسان! تو محنت کیلئے پیدا کیا گیا۔ اب اپنے رب کے راستے کی طرف محنت کر۔'' کہیں ایسا نہ ہو کہ ناعاقبت اندیشی میں ہمارا عمل اس بڑھیا کی طرح ہو' جس نے راتوں کو جاگ جاگ کر سوت کاتا اور انجام کار اسے خود ہی الجھا دیا۔

☆

دریا عبور کرنے کیلئے کشتی ضرور سبب ہے' لیکن گرداب سے نکلنے کیلئے دعا کا سفینہ چاہیے۔

☆......☆......☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ابتلا

وہ وقت قریب آ گیا ہے' جب انسان کو اپنے اعمال کے نتیجے سے دوچار ہونا ہے۔ عجب بات ہے کہ ہم زندگی بھر کچھ نہ کچھ کرتے رہتے ہیں۔ مجبور ہیں' اس لئے ہم مصروف ہیں اور پھر یہ مصروفیت ایک نتیجہ مرتب کرتی ہے۔ ایک نتیجہ نہیں دو نتائج۔ ایک ظاہری نتیجہ اور ایک باطنی یا مابعد کا نتیجہ۔

کبھی کبھی ایسے ہوتا ہے کہ انسان نتیجہ حاصل ہونے پر گھبرا جاتا ہے کہ اس نے جو چاہا تھا' وہ تو نہیں ملا۔ اس نے جو سوچا تھا' نتیجہ اس کے علاوہ ملا۔ اگر نتیجہ سوچ کے مطابق بھی ہو' تب بھی اس نتیجے سے ایک نیا عمل پیدا ہوتا ہے اور یہ عمل انسان کیلئے مشکلات پیدا کرتا ہے اور جب آرام نصیب ہوتا ہے' تو ساتھ ہی بیماری کا حملہ شروع ہو جاتا ہے۔ بیماریاں مختلف اقسام کی ہوتی ہیں۔ بہرحال محنتی آدمی کا آرام میں داخلہ بے آرامی پیدا کرتا ہے۔ مضطرب انسان جب سکون میں آتا ہے' تو اسے ایک عجیب قسم کے اضطراب کا سامنا ہوتا ہے۔

انسان زندگی کے سکون کی خاطر شادی کرتا ہے اور شادی اس کیلئے مسائل پیدا کرتی ہے۔ شادی کا لفظ ہی خوشی کا مترادف ہے اور اگر اس کے نتائج اور اس کی تفسیر اپنے معنی کے برعکس نکل آئے' تو انسان اپنے آپ کو ابتلا میں محسوس کرتا ہے۔ شادی ایک ایسا تجربہ ہے' جس سے انسان فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ شادی اور محبت اگر الگ الگ انسانوں سے ہو تو ایک طرفہ عذاب ہے۔ انسان اس عذاب میں مبتلا رہتا ہے۔ فرض اور شوق کا تصادم ہی ابتلا ہے۔ زندگی انسان کو مبتلا ہی رکھتی ہے۔

انسان ناموری کے حصول کیلئے کیا نہیں کرتا۔ ناموری کی خواہش ایک کرب ہے' ایک ابتلا ہے' ایک مصیبت ہے اور اس مصیبت کا انجام ایک نئی مصیبت کی شکل میں حاصل ہوتا ہے۔ ناموری حاصل ہو جائے' تو سکون حاصل نہیں ہوتا۔ جب انسان کو اس حقیقت کا علم ہو جائے کہ وہ جن لوگوں میں مشہور ہے' وہ لوگ جھوٹے ہیں تو یہ ناموری ایک تہمت سے کم نہیں ہوتی۔ جھوٹے لوگوں میں پسند کیا جانے والا سچے انسانوں میں ناپسند ہوگا۔ ہر نامور انسان کسی نہ کسی طبقے میں بدنام کہلایا جاتا ہے۔

درویش دنیاداروں میں پسندیدہ نہیں ہوتا اور دنیا دار درویشوں میں ناپسندیدہ رہتا ہے۔ سورج کی روشنی کو چمگادڑ' الو چور اور ڈاکو ناپسند کرتے ہیں۔ بہرحال شہرت ایک مستقل ابتلا ہے۔ جہاں انسانوں کی خوبیاں مشہور ہوتی ہیں' وہاں ان کی خامیاں بھی مشہور ہونے لگ جاتی ہیں۔ ایک معمولی انسان کا گناہ بھی معمولی ہے' لیکن ایک مشہور کا گناہ ایک مشہور گناہ ہوتا ہے۔

ہر انسان اپنے دائرہ کار میں مبتلا ہے۔ اپنے پیشے کے حصار میں جکڑا ہوا ہے۔ انسان مصروف ہے۔ ایک نامعلوم منزل کی طرف سفر کرنے میں اور یہ سفر کبھی رکتا نہیں۔ بڑی اذیت کا سامنا ہے۔ آدمی کا دل بہت بڑا ہے اور اس دل پر بڑے مصائب ہیں۔

خوشی حاصل کرنے والا غم بھی سمیٹتا جا رہا ہے۔ حاصل اور محرومی انسان کیلئے ہیں اور انسان ان کے حصول میں مبتلا ہے۔ مرتبہ' مقام اور دولت کی خواہش انسانی زندگی کو گھن کی طرح کھائے جا رہی ہے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

انسان انسانوں پر حکومت کرنے کی خواہش سے مجبور ہے۔ بے بس ہے۔ حکومت کرنے کی خواہش کا غلام بڑے ابتلا میں ہوتا ہے۔ انسان تو خدا کی عزت بھی نہیں کرتے' حاکم کی کیا پرواہ کریں گے۔ حکومت کرنے کی خواہش نے بڑے بڑے لوگوں کو غلامی میں مبتلا کر دیا۔ حکمرانی کی خواہش جنگ کی ہولناکیوں تک پہنچ جاتی ہے اور پھر جنگ کا نتیجہ یا حکومت یا غلامی۔

علم کا متلاشی ایک نئی ابتلا میں ہے۔ وہ ماضی کے مطالعہ سے مستقبل کو روشن کرنا چاہتا ہے۔ شیکسپیئر کی اپنی تعلیم نہ تھی۔ اسے فطرت نے علم دیا۔ آج کے سکالر کی اذیت یہی ہے کہ وہ فطرت سے کٹ کر علم حاصل کرنا چاہتا ہے۔ یہ بڑا مرحلہ ہے' یہ خوفناک اذیت ہے' ابتلا ہے۔

اس ابتلا کے المیہ کا اجمال یہ ہے کہ ایم اے (ادبیات) میں ان لوگوں کی کتابوں کو پڑھایا جاتا ہے' جو خود تعلیم یافتہ نہ تھے۔ غالب کا شعر سند ہے' لیکن غالب کے پاس سند نہیں ہے۔ وارث شاہ نے پنجابی زبان کا ایم۔ اے نہ کیا' لیکن اس کے بغیر پنجابی کا ایم۔ اے نہ ہوگا۔ انسان کس غلط فہمی میں مبتلا ہے؟ وہ کیا پڑھ کے کیا بننا چاہتا ہے؟

ڈاکٹر مریضوں کو موت سے بچاتے بچاتے خود موت کے منہ میں پہنچ جاتے ہیں۔ دل کے امراض کا ماہر دل کے عارضے سے مرتا ہے۔ تعجب ہے' ابتلا ہے۔

دراصل ہر انسان ایک عجیب صورتحال سے دو چار ہے۔ ایک عجیب بیماری لاحق ہے۔ ایک مہلک مرض میں انسان مبتلا ہے۔ مہلک مرض وہ ہوتا ہے' جس کا انجام موت ہو اور یہ مرض زندگی کا مرض ہے۔ اس کا انجام موت ہے۔

موت سے بچنے کی کوشش نے ہی انسان کو ہلاک کر دیا ہے۔ حاصل کی کوشش نے انسان کو محروم کر کے رکھ دیا ہے۔ خوشی کی تلاش غم تک لے آتی ہے۔ آرام کی تمنا میں انسان بے آرام ہے۔ سکون کی آرزو ہی اضطراب کا باعث ہے۔ انسان کیا کرے۔ ابتلا میں گھرا ہوا بے بس انسان۔ انسان کو اس کی خواہش نے قید کر رکھا ہے۔ نہ وہ خواہش چھوڑتا ہے' نہ قید خانے سے رہائی ہوتی ہے۔ کچھ لوگ گھروں میں قید ہیں اور خوش ہیں کہ ان کے فرائض ادا ہو رہے ہیں۔ کچھ دکانوں میں قید ہیں۔ سامان فروخت کرنے کی آرزو میں عمر بھی فروخت ہو رہی ہے۔ چھوٹی سی دکان میں بڑی زندگی کٹ جاتی ہے اور انسان خوش ہے کہ اس نے بہت کمایا۔ کیا کمایا اور کیا لٹایا' کسے خبر ہے۔ کچھ لوگ دفتر میں مقید ہیں۔ وقت پر آنا' وقت پہ جانا اور ہر وقت ایک خاص عمل میں مصروف رہنا۔ ان کی ابتلا ہے۔

افسری کی خواہش ایک مصیبت بن کر رہ گئی ہے۔ افسر شاہی کی ابتلا کیلئے کوئی راہ نجات نہیں۔ اپنے آپ کو بلند سمجھنے کے خیال نے ہی انہیں پست قامتی عطا کی ہے۔

انسان اور انسان کے درمیان جو خلیج حائل ہے' وہی ابتلا ہے۔ ایک مبتلا دوسرے مبتلا کی بات نہیں سمجھ سکتا۔ ہر آدمی اپنا رونا رو رہا ہے' اس لئے کوئی کسی کا پرسان حال نہیں۔

جو لوگ کمائی کی خاطر وطن چھوڑ گئے' وہ الگ رونا رو رہے ہیں اور جو لوگ وطن میں رہ گئے ہیں' وہ الگ۔ کس نے کس کیلئے کیا کیا' کوئی نہیں جانتا۔ وطن میں رہیں' تو پیسہ نہیں ملتا' پیسہ ملے تو وطن نہیں ملتا۔ انسان کیلئے کتنا بڑا المیہ ہے کہ اس کے اپنے ہی اسے بیگانے دیس میں بھیج دیتے ہیں اور پھر اس کی جدائی میں مبتلا ہو

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جاتے ہیں۔ یہ ابتلا کا وقت ہے اور یہی دعا کا وقت ہے۔

آج کی بین الاقوامی زندگی ابتلا ہے۔ ایک نامعلوم خطرے نے سب کو مبتلا کر رکھا ہے۔ ایک جنگ کا خوف' جو سب اقوام میں موجود ہے۔ سب کو کھا رہا ہے۔ زندگی کو آسانی دینے والے ادارے اسے مشکلات دے رہے ہیں۔ سائنس نے زندگی کو بچایا اور سائنس ہی اسے تباہ کرنے والی ہے۔ انسان ترقی میں مبتلا ہے اور یہ ابتدا تنزل کی ابتداء ہے۔ لالچ نے انسان کو کمزور کر دیا ہے۔ خود غرضی نے انسان کو تنہائی کی سزا دی ہے۔

مال جمع کرنے میں انسان زندگی خرچ کر دیتا ہے اور آخر کار وہ دیکھتا ہے کہ اس کا دامن مال سے بھر گیا ہے' لیکن زندگی کی متاع ختم ہوگئی ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ سب کچھ کس لئے کیا تھا۔ یہ ابتلا کیا تھی؟ اس نے کیا دے کر کیا حاصل کیا؟ زندہ رہنے کیلئے سب کچھ تھا' تو زندگی کہاں گئی؟ جب وقت تھا' مال نہیں تھا۔ اب مال ہے 'وقت نہیں ہے۔ وہ حیرت سے دیکھتا ہے۔ اپنے آپ کو' اپنی ناعاقبت اندیشیوں کو' اپنے ماضی کو اور اپنے نامعلوم مستقبل کو۔ رات آئے تو کرنیں یاد آتی ہیں۔

انسان ایک اور مرض میں بھی مبتلا ہے۔ خدائی کرنے کی خواہش نے اس سے انسانیت بھی چھین لی ہے۔ جو انسان نہ بن سکا' وہ اور کیا بنے گا۔ ہر آدمی بھاگے چلا جا رہا ہے۔ کیا قیامت آنے والی ہے؟ کچھ عذاب نازل ہو رہا ہے؟ انسان کے پاس مصروفیت ہے' فرصت نہیں۔ اس کے پاس وقت نہیں ہے۔ خوشی ملے تو ہنسنے کا وقت نہیں' غم ملے تو رونے کا وقت نہیں۔ کوئی مر جائے جنازے میں شامل ہونے کا وقت نہیں۔ عذاب تو یہ ہے کہ اس کے پاس اپنی ذات کیلئے بھی وقت نہیں ہے۔ وہ اپنے کام میں مبتلا ہے۔ کام' کام اور صرف کام۔ یہ کام کس کام کا' جب اس کے انجام کا ہی پتہ نہیں۔ انسان جلدی میں ہے۔ عجلت میں ہے۔ وہ ابتلا میں جکڑا ہوا ہے۔ آسمان کی طرف دیکھتا ہے تو پاؤں تلے کی زمین نکل جاتی ہے' زمین کی طرف دیکھتا ہے تو سر پر آسمان گرنے کا خطرہ لاحق ہے۔ انسان کیا کرے۔

انسان مسیحا بننے کی بیماری میں مبتلا ہے اور یہ مسیحائی اس کے اپنے کام بھی نہیں آتی۔ وہ دوسروں کے حالات درست کرنا چاہتا ہے اور خود گردش حالات میں ہے۔ جب وہ آلام روزگار میں گھر جاتا ہے' تو بے بس ہو کر ہتھیار ڈال دیتا ہے اور یہ دنیا پہلے کی طرح سے قائم و دائم رہتی ہے۔

محبت کرنے والوں کی ابتلا سب سے سخت ہے۔ اپنی زندگی اور دوسرے کا خیال' عجب بات ہے۔ راتیں اپنی اور باتیں کسی کی۔ یہ ابتلا ازل ہے۔ اس سے مفر نہیں۔ چاند کہیں ہوتا ہے اور چاندنی کہیں۔ ایسے لوگوں کا اور کوئی تعارف باقی نہیں رہتا' سوائے اس بات کے کہ......

''میں وہی ہوں مومن مبتلا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو۔''

☆

دیوار اپنی راہ میں اس سے بلند تھی
وہ شے جو اس نے اپنے لئے منتخب نہ کی
وہ چیز اس کو میرے لئے کیوں پسند تھی

☆......☆......☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بڑھاپا

جوانی اور بڑھاپا عمر کے کسی حصے کا نام نہیں' یہ صرف اندازِ فکر کے نام ہیں۔ ایسا ممکن ہے کہ کوئی شخص تیس سال میں بوڑھا ہو جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی ساٹھ سال میں جوان ہو۔

جب تک انسان آنے والے زمانوں کیلئے پلاننگ کرتا ہے' جوان رہتا ہے اور جب جانے والے زمانوں کی یاد شروع ہو جاتی ہے' آغاز پیری ہوتا ہے۔ جب زندگی کا تمام تر اثاثہ صرف ماضی کی یاد ہو' حسرتوں کا شمار ہو' ندامتوں کی بازگشت ہو' ہاتھ سے نکلے ہوئے مواقع کا افسوس ہو' غلط فیصلوں کا احساس ہو تو سمجھ لیجئے جوانی ختم ہو گئی اور بڑھاپا شروع ہو گیا۔

بوڑھے آدمی کا کوئی مستقبل نہیں۔ اس کی زندگی میں کسی نئے یا خوشگوار واقعہ کا انتظار ختم ہو چکا ہوتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے اس کے ساتھی ایک ایک کرکے رخصت ہو رہے ہیں۔ وہ دیکھتا ہے اور سوچتا ہے کہ اس کا وقت بھی کسی وقت آ سکتا ہے۔ بوڑھا آدمی جانتا ہے کہ ہر نیا غم ہر پرانے غم کی طرح رخصت ہو جائے گا۔ بوڑھے انسان کا تجربہ یہ کہتا ہے کہ نہ کوئی خوشی مستقل ہے' نہ غم۔ زندگی خود مستقل نہیں۔

بڑھاپے میں انسان کے احساسات' صدمات اور واقعات سے منجمد ہو کر رہ جاتے ہیں۔ وہ روتا ہے تو اس کے آنسوؤں میں گر.............. وہ ہنستا ہے تو اس کی ہنسی میں بے ساختہ پن اور شگفتگی نہیں ہوتی۔

بوڑھے آدمی کا مزاج...... اس کا کیا مزاج...... غیر یقینی اور غیر مستحکم۔ وہ خود نہیں سمجھ سکتا کہ اس کو کیا ہو گیا ہے۔ بوڑھا انسان محفلوں میں خود کو تنہا محسوس کرتا ہے اور تنہائیوں میں اس کی محفلیں ہوتی ہیں۔ یادوں کی محفلیں۔ عہد رفتہ کے مناظر اس کی زندگی کا سرمایہ ہیں۔ گم شدہ چہرے اس کی آنکھوں میں تیرتے ہیں۔ وہ دیکھتا ہے ان کو' جن کو وہ نہیں دیکھ سکتا وہ سنتا ہے ان آوازوں کو' جو سنائی نہیں دیتیں۔ وہ گفتگو کرتا ہے ان سے' جو سن نہیں سکتے۔

بوڑھے آدمی کا پسندیدہ مشغلہ پرانی تصویریں' پرانے البم' پرانے خطوط' پرانے کاغذ دیکھنا۔ وہ پرانی تصویروں میں کھو جاتا ہے...... وہ یاد کرتا ہے' اس زمانے کو جب وہ جوان تھا...... اس کی جوانی بھی کیا جوانی تھی اس کا زمانہ بھی کیا زمانہ تھا...... اس کے احباب بھی کیا احباب تھے اس کے خواب بھی کیا خواب تھے...... اس نے کیا کیا سوچا تھا' کیا کیا چاہا تھا' لیکن اسے کیا حاصل ہوا...... پھولوں کی آرزو اس کے دامن میں کانٹے بھر گئی...... جینے کی تمنا اس کو کہاں لے آئی...... خلوص و مہر و وفا کے قصے اب سب سراب بن گئے...... سب چراغ بجھ گئے' سب خواب بکھر گئے' سب منصوبے دھرے کے دھرے رہ گئے...... یہ کیا ہو گیا۔

بوڑھا انسان اپنے آپ کو مظلوم سمجھتا ہے' زندگی کا مظلوم۔ وہ سوچتا ہے اور اس کی سوچ بے سمت ہوتی ہے۔ وہ غور کرتا ہے تو غور کرتا ہی چلا جاتا ہے۔ بے مقصد و بے جہت۔ بوڑھے آدمی کا عمل اب اس کی فکر ہے...... اس کے پاس اور کوئی عمل نہیں۔ وہ فکر سے نجات پانا چاہتا ہے۔ وہ غور کرنے سے بچنا چاہتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اس کا فکر اس کو کھا جائے گا' گھن کی طرح۔ وہ اندر سے کھوکھلا ہو جائے گا...... اس کیلئے کوئی راستہ ہی نہیں۔ اس کا عمل اب صرف یہی ہے کہ وہ غور کرتا جائے...... دیکھتا جائے اور سوچتا جائے کہ کیا سے کیا ہو

www.iqbalkalmati.blogspot.com

گیا ... کیوں ہو گیا؟ بس بے سبب ہی بڑھاپا آ گیا!

بوڑھا انسان آئینوں سے ڈرتا ہے۔ وہ نہ جانے کیوں آئینے کو منہ نہیں دکھا سکتا..... آخر کس منہ سے!! آئینہ بوڑھے انسان کا بہت اداس تجربہ ہے۔ وہ آئینے کے سامنے آنے سے خوفزدہ ہو جاتا ہے۔ آئینہ اسے حال دکھاتا ہے اور حال اسے ماضی یاد دلاتا ہے۔ وہ خود کو دیکھ کر چپ کر جاتا ہے' سہم جاتا ہے۔ اپنی نگاہ میں خود اجنبی نظر آتا ہے۔ وہ کتنا بدل گیا ہے کہ وہ خود کو بھی نہیں پہچان سکتا۔ وہ آئینہ دیکھتا ہے اور پھر پرانی تصویریں دیکھتا ہے اور سوچتا ہے کہ یہ کیا ہو گیا۔

وہ اپنے مختلف روپ دیکھتا ہے۔ تصویریں دیکھتا ہے اور آئینے کا عکس دیکھتا ہے اور سوچتا ہے کہ اصل انسان کون ہے۔ کون ہے جو بدل گیا اور کون ہے جو کہہ رہا ہے' وہ بدل گیا...... بوڑھا آدمی سوچتا ہے کہ ایک انسان میں کتنے انسان ہیں۔ ایک چہرے میں کتنے چہرے ہیں اور ایک آنکھ میں کتنے منظر ہیں اور ایک زندگی میں کتنی اموات ہیں۔ ہر دور مر جاتا ہے' نیا دور شروع ہو جاتا ہے۔ جوانی ہاتھ سے یوں اڑ جاتی ہے جیسے مہندی کا رنگ۔ بڑھاپا آتا ہے تو بس ٹھہرنے کیلئے' ہمیشہ ہمیشہ کیلئے۔

بڑھاپے کے مسائل دراصل ایک ہی مسئلے کے مختلف حصے ہیں۔ بوڑھے آدمی کا سب سے بڑا مسئلہ صحت ہے۔ صحت کا خیال ہے۔ بوڑھے آدمی کو پہلی بار محسوس ہوتا ہے کہ صحت ریت کی دیوار ہے' اپنے بوجھ سے گر جاتی ہے۔ بھاگنے دوڑنے والا جسم اب صرف آرام چاہتا ہے۔

اسے محسوس ہوتا ہے کہ یہ جسم اس کا اپنا جسم نہیں ہے۔ یہ شکل اس کی اپنی شکل نہیں ہے...... یہ آئینے اس کیلئے اپنے آئینے نہیں ہیں۔

بوڑھا آدمی' چہروں سے گریز کرتا ہے' جن کو کبھی اس نے پسند کیا تھا۔ وہ اپنی موجودہ صورت کے ساتھ کسی مقام اور کسی محفل میں جانا پسند نہیں کرتا...... وہ سوچتا ہے کہ آخر ضرورت ہی کیا ہے کہ انسان دوسروں سے میل ملاپ کرے۔

جوانی عشرت کدے تلاش کرتی ہے۔ پیرانہ سالی صرف گوشۂ عافیت ڈھونڈتی ہے۔ جوانی حرکت کا زمانہ ہے۔ بڑھاپا جمود کا دور ہے۔ جوانی گرمیٔ رفتار' گرمیٔ افکار' گرمیٔ رخسار کا زمانہ ہے۔ دلچسپیوں کے ایام ہیں۔ اپنے آپ میں دلچسپی' دوسروں میں دلچسپی' ہر شے میں دلچسپی۔ جوانی وابستگی کا دور ہے' وارفتگی کا زمانہ ہے۔ جوانی دریا کی جواں موجوں کی طرح تند ہے۔ لیکن بڑھاپا..... سکوت اور سکون کا زمانہ ہے..... سکوت ساحل کی طرح۔ جوان انسان کچھ نہ کچھ کرنے کا متمنی ہے۔ وہ ضرور کچھ کرنا چاہتا ہے خواہ وہ غلطی ہی کیوں نہ ہو...... لیکن بوڑھا آدمی اب کسی اور عمل کی خواہش نہیں رکھتا...... وہ اپنے پرانے اعمال کے نتیجے کی وصولی میں مصروف ہوتا ہے۔ یہ نتیجہ کچھ لوگوں میں اضطراب پیدا کرتا ہے اور کچھ لوگوں میں سکون...... جس بوڑھے کو اپنے ماضی پر ندامت ہو' جو اپنے گزشتہ پر شرمسار ہو' اس کا عمل استغفار ہے...... اس کی آنکھ اشکبار رہتی ہے۔

جس کو اپنے ماضی پر شکایت نہ ہو' جو جانتا ہو کہ اس نے وہی کیا تھا' جو اسے کرنا چاہئے تھا۔ وہ بوڑھا پرسکون ہوتا ہے۔ وہ ہر ہر بات پر شکر ادا کرتا ہے۔ وہ دوسروں کو بھی ایسے اعمال کی دعوت دیتا ہے' جو انہیں آئندہ شرمساری سے بچائیں۔

دراصل زندگی اپنے اندر ہی اپنے اعمال کا محاسبہ کرتی رہتی ہے۔ انسان کتنا ہی مصروف کیوں نہ ہو' زندگی اس کی اپنی زندگی' اس کا اپنا ضمیر' اس کا اپنا باطن' اس کا اپنا آپ اندر ہی اندر مصروف رہتے ہیں۔ اس کے اعمال خواہ ظاہری

www.iqbalkalmati.blogspot.com

نتیجہ دیں یا نہ دیں' اس کے باطن میں نتیجہ ضرور برآمد ہوتا ہے۔ یہ نتیجہ سکون یا اضطراب کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے..... غلط عمل ایک بچھو کی طرح انسان کے باطن میں موجود رہتا ہے اور اس کے بڑھاپے میں اسے اندر سے ڈستا ہے۔ انسان بھاگتا ہے' فرار چاہتا ہے' قرار چاہتا ہے لیکن اس کیلئے نہ قرار ہوتا ہے نہ فرار انسان اپنے آپ سے بھاگ نہیں سکتا۔ وہ خود ہی ظالم ہے' خود ہی مظلوم..... وہ اپنا قاتل بھی خود ہے' اپنا نوحہ گر بھی آپ ہی ہے..... انسان اپنی پسند کے نام پر ایک ناپسند حاصل تک پہنچتا ہے..... ضرورت کے نام پر غیر ضروری اشیاء کا حصول اسے بعد میں پریشان کرتا ہے۔

انسان کی جوانی ہی اپنی بداعتدالیوں کی وجہ سے بڑھاپے میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اگر جوانی حدود اور حفاظت میں رہے' تو بڑھاپا فاصلے پر ہی رہتا ہے۔ جب جوانی اپنے آپ سے باہر ہوتی ہے' تو بڑھاپا اندر داخل ہوتا ہے۔ انسان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیوں ہو گیا۔ یہ کیسے ہو گیا.....

جوانی کی خوش خوراکی اور بسیار خوری معدے کی بیماری بن کر بڑھاپے کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ جوانی اپنے حلقہ دوستاں کو وسیع کرتی ہوئی دائرہ دشمناں تک پہنچ کر بڑھاپے کا روپ دھار لیتی ہے۔ جوانی کی بغاوتیں ندامت کا بوجھ بن کر جوانی کو دبوچ لیتی ہیں اور انسان بوڑھا ہو جاتا ہے۔

زندگی کے سمندر میں بوڑھا انسان یا تو لاش بن کر تیرتا ہے یا موتی بن کر ڈوب جاتا ہے۔ بڑھاپا ہی دراصل شعور کی جوانی کا دور ہے۔ جسم اور جسم کی حرکات کم ہو کر انسان کو باطن کی طرف متوجہ کرتی ہیں۔ انسان جانتا ہے کہ اب اسے کسی شے اور کسی انسان کا انتظار نہیں ہے۔ وہ خاموشی سے اپنے باطن کی طرح رجوع کرتا ہے۔ اس کے تجربات' اس کے مشاہدات اس کے علم میں اضافہ کر کے اسے نئی جہت دریافت کرنے کا موقع اور دعوت دیتے ہیں۔

بڑھاپا اندرون بینی کی طرف مائل ہوتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو دریافت کرنا چاہتا ہے۔ وہ خود ہی روبرو ہے۔ خود ہی نظر ہے۔ خود ہی اپنا نظارہ..... بوڑھا انسان خود ہی آواز ہے' خود ہی گوش برآواز۔ بوڑھا آدمی جوانوں کیلئے دعا گو ہوتا ہے۔ ایسی دعائیں جو اس کو جوانی میں کسی نے نہیں دیں..... وہ جوانوں کو بلند منزلوں کی طرف دیکھنا چاہتا ہے' ایسی بلندی جو اس کو اپنی جوانی میں نہ ملی۔ وہ جوانوں کو اپنے بڑھاپے کے پلیٹ فارم سے دعوت اخلاق دیتا ہے..... عجب بات ہے' بوڑھا جوانوں کو بہت کچھ سنانا چاہتا ہے' وہ سنتے نہیں..... جوان بوڑھوں کو بہت کچھ سنانا چاہتے ہیں' وہ سنتے نہیں..... کوئی کسی کی نہیں سنتا.....

اپنی جوانی کو اپنے بڑھاپے کی نگاہ سے کوئی نہیں دیکھتا۔ اپنے بڑھاپے کو اپنی جوانی کی نگاہ سے کوئی نہیں دیکھتا۔ اگر جوانی میں انسان اپنے مستقبل کا خیال رکھے' تو بڑھاپے میں حسرتوں کا شمار بہت کم ہوتا ہے۔

جوانی مسافرت کی قائل ہے' بڑھاپا قیام کا خوگر ہے۔ بوڑھا آدمی گھر میں ہی رہنا پسند کرتا ہے اور گھر میں باقی افراد شاید اس کا یہ عمل پسند نہ کرتے ہوں.....

بوڑھے آدمی کو اگر کوئی چہرہ ایسا نظر آ جائے' جو اسے جوانی میں پسند تھا' منظور نظر تھا تو اس کے بڑھاپے کی راکھ میں چنگاریاں پھوٹتی ہیں۔ وہ سوچتا ہے کہ یہ سب کیا ہے۔ کیا بڑھاپا غیر وابستہ زندگی کا نام ہے۔ کیا بڑھاپا تنہا رہنے کی آرزو ہے۔ کیا بڑھاپا زندگی سے بیزاری یا اس سے فرار کا نام ہے۔ کیا بڑھاپا وجود اور قواء کے مضمحل ہونے کا نام ہے۔ کیا بڑھاپا بائی پاس کے واقعات کی داستان ہے۔ بڑھاپا دراصل جوانی اور جواں فکری سے علیحدگی کا نام ہے۔ ہم نے پہلے کہا کہ بڑھاپا عمر کے کسی حصے کا نام نہیں بلکہ انداز فکر کا نام ہے۔ ایسے ایسے بوڑھے دیکھنے میں آتے ہیں جو جوان محفلوں میں رہنا پسند کرتے ہیں اور جوان محفلیں ان کی موجودگی کو پسند نہیں کرتیں..... عجب بات ہے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

انسان کب پیری میں داخل ہوتا ہے...... کب جوانی کو الوداع کہتا ہے...... جب اس کو بیٹا کہنے والا کوئی نہ ہو......! جب اس کو پیار سے پکارنے والا کوئی نہ ہو......! جب اس کو اس کے فرائض یاد دلانے والا کوئی نہ ہو دراصل بڑھاپا ہی حاصل ہستی ہے۔ زندگی کے اولیں زمانے دوڑ دھوپ کے زمانے ہیں۔ غفلت وعجلت کے ایام ہیں۔ جوانی ابتدائے عمل ہے اور بڑھاپا نتیجہ...... بوڑھا انسان ایک جزیرہ ہے' تنہا سہا ہوا۔ اس کا انتظار کسی بڑی خبر کا انتظار ہے اور یہ بڑی خبر بری خبر بھی ہو سکتی ہے۔

سب سے خوش قسمت بوڑھا وہ ہے' جس کو ماں باپ کی دعائیں ملی ہوں اور اسے بیوی بچوں کا تعاون حاصل ہو...... اولاد کا مؤدب ہونا ایک نعمت ہے...... مؤدب اولاد اپنی پیری میں اپنی اولاد کو مؤدب پائے گی۔

سب سے زیادہ بدقسمت وہ بوڑھا ہے' جس کو بڑھاپے میں گناہوں کی تمنا ہو...... جوانی میں توبہ شیوۂ پیغمبری ہے۔ بڑھاپے میں گناہ...... عذاب کے علاوہ کیا ہے۔

قابل قدر ہے وہ بڑھاپا' جو دوسروں کیلئے نافع ہو...... جو آگاہ راز ہو اور دوسروں کو آگاہ کرنے کی کوشش کرے۔ جوانی میں اقبال اور تھا اور بڑھاپے میں اقبال اور تھا...... آج جو اقبال ہماری فکر میں بہار لاتا ہے' ہمارے جذبات میں گرمی پیدا کرتا ہے' ہمارے باطن میں چراغاں کرتا ہے' ہماری خودی کی دھار کو تلوار کرتا ہے' ہمیں ہماری منزلوں کی خبر دیتا ہے۔ وہ بڑھاپے کا اقبال ہے۔ جوان اقبال ناخوش و بیزار ہے' وہ خوشۂ گندم کو جلانے کا حکم دیتا ہے' سلطانی جمہور کا قائل ہے اور بوڑھا اقبال دہر میں اسم محمد ﷺ سے اجالا چاہتا ہے۔ محمد ﷺ سے وفا کا قائل ہے...... مقصد یہ کہ زندگی ہر دور سے گزرتی ہوئی بڑھاپے تک آتی ہے اور یہی اس کا حاصل ہے۔ جوانی کی آنچ مدھم ہو جائے تو کیمیائے پیری یا پیرانہ سالی حاصل ہوتی ہے۔ یہی زندگی ہے۔ یہی آگہی کے ایام ہیں۔ خود شناسی کے دن' خدا شناسی کے زمانے' زندگی کی معرفت کا دور' موت کے تیقن کا زمانہ' مابعد کی حقیقت کی جلوہ گری کا وقت' تقرب الٰہی کی گھڑی۔

خوش نصیب ہے وہ بوڑھا' جو حسرت و ندامت سے آزاد ہے' جو مطمئن ہے' پرسکون ہے' آشنائے راز ہے۔ آگاہ حقیقت ہے' محرم ہستی ہے' مکان و لامکاں کے فرق کو جانتا ہے۔ جو قطرے اور قلزم کی وحدت سے آشنا ہے' جو لذت وجود سے آزاد ہے اور ہوس زر سے بے نیاز ہے۔ جس کا حاصل کبھی لاحاصل نہیں ہو سکتا' کیونکہ اس کا حاصل اس کی خود شناسی ہے!! اور جس نے اپنے آپ کو دریافت کر لیا' اس نے سب کچھ ہی پا لیا!! ہمیشہ ہمیشہ کیلئے...... ہمہ حال صاحب حال ہو گیا!!

☆

وہ جو کردار کا مثالی ہے
اس نے صورت مری چرا لی ہے
تو نے ہر ایک دل کیا زخمی
میں نے ہر ایک سے دعا لی ہے
کون مالک ہے اس امانت کا
تو نے سینے سے جو لگا لی ہے

☆......☆......☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

گمنام ادیبوں کے نام

علم وحکمت کسی کی میراث نہیں۔ دانشوروں کے علاوہ بھی دانشور ہیں۔ ایسے لوگ موجود ہیں جو اپنے پاس مسیحائی اور دانائی رکھتے ہیں لیکن انہیں دامن شہرت تک رسائی نہ ہو سکی۔ وہ جن کے افکار کسی اخبار یا رسالے کی زینت نہ بن سکے‘ ایسے شعراء جن کا کلام بلاغت نظام ردی کاغذ کے ٹکڑوں اور سگریٹ کے خالی پیکٹوں تک محدود رہتا ہے‘ وہ جن کے قلوب کائنات کی دھڑکنوں سے ہم آہنگ ہیں لیکن جن کو حوادث زمانہ نے راستہ نہ دیا۔ آج کا کالم ایسے ہی گمنام ادیبوں کے نام سے منسوب ہے۔

زندگی کے دشت وصحرا سے باہوش گزرنے والے ایسے بے شمار ادیب اور دانشور ہیں‘ جو خاموش رہے۔ ان کے پاکیزہ اور منزہ خیالات لب اظہار تک نہ آئے۔ ایسے لوگ کیفیات میں کسی سے کم نہیں۔ ان کا تخیل‘ احساس وارفتگی‘ دیوانگی‘ جنون‘ آگہی‘ عقل‘ دل اور نگاہ ایک پوری واردات ہے۔ وہ قلم اٹھائیں تو کتابیں لکھ دیں لیکن نہ جانے کیوں انہوں نے سکوت کو اظہار پر ترجیح دی۔ انہوں نے اپنے درد کو رسوا نہ کیا۔ اپنے عشق کو اہل جہاں کے گوش گزار نہ کیا۔ وہ نوک خار پر قطرۂ شبنم کی طرح رقص تو کر گئے لیکن اپنے رقص کو تماشا نہ بننے دیا۔ شاید حیاء مانع تھی یا ان کی زبان اور ان کے قلم پر صبر اور جبر کے قفل تھے۔ وہ اظہار حرف آرزو کرنے کے بجائے بے نیاز آرزو کیوں ہو گئے؟ ان کے نالہ ہائے نیم شب پر‘ ان کے آنسوؤں پر آسمان رویا‘ لیکن انہوں نے کسی انسان کو اپنے کرب کا گواہ بنانا گوارا نہ کیا۔ کیوں؟ کیا وہ انسانوں سے مایوس ہو چکے تھے؟ کیا ان کو کسی پر اعتماد نہ تھا؟ کیا انہیں کوئی قابل اعتماد غمخوار نہ ملا؟ وہ گویائی کے مالک تھے‘ فصاحت و بلاغت رکھتے تھے لیکن وہ گونگے کیوں بنے رہے؟ وہ خاموش طوفان بپا کیوں نہ ہوا؟ وہ علم و آگہی کے چراغ تو تھے‘ لیکن سہمے سہمے‘ مدھم مدھم۔ وہ مجسم شعر تھے‘ سراپا غزل تھے‘ مکمل ادیب تھے‘ دانشور تھے لیکن وہ خاموش رہے۔ کیوں؟ آخر کیوں؟

یہ بہت بڑا ''کیوں'' ہے۔ یہ بہت بڑا سوال ہے۔ آج کا نہیں‘ صدیوں سے چلا آ رہا ہے۔ اپنے جواب کا منتظر۔

اس سوال کا جواب اس لئے نہیں دیا گیا کہ وہ لوگ جن کے پاس جواب تھا‘ وہی تو گمنام ادیبوں کے حقوق اظہار کی راہ میں دیوار تھے۔ وہ دانشور‘ جو اونچی کرسیوں پر براجمان تھے‘ وہ کیسے کسی اجنبی کو اپنے دانش کدے میں داخل ہونے دیتے۔

کہتے ہیں کہ کوئی کسی کا راستہ نہیں روک سکتا۔ دریا اپنا راستہ خود بنا لیتے ہیں‘ بجا ہے۔ دریا اپنا راستہ خود ہی بناتے ہیں لیکن اس کنارے کی طرف جس پر بند نہ باندھا گیا ہو۔

راستہ لینے کی بات نہیں‘ راستہ دینے کا ذکر ہے۔ جب سر پر آسمان گر جائے‘ پاؤں تلے سے زمین

www.iqbalkalmati.blogspot.com

نکل جائے تو راستہ لینے کی صلاحیتیں مفقود ہو جاتی ہیں اور انسان اپنے تمام حقوق کے باوجود گمنام رہنے ہی میں عافیت محسوس کرتا ہے۔ اپنا حق لینے کی استعداد ہر صاحب حق کے پاس نہیں ہوتی۔ مجبور انسان اپنے جائز حقوق سے دست بردار ہونا ہی اپنے حق میں بہتر سمجھتا ہے۔

گمنام ادیبوں اور گمنام شعراء کی کاوشیں کسی نہ کسی نام سے شائع ہوتی رہیں۔ خوش بختی نے بدبختی سے اس کا فن خرید لیا۔ یہ کس کا حق تھا' دینے والے کا یا لینے والے کا؟ اس کا فیصلہ مشکل ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک گمنام ادیب کے مرنے سے کئی نامور ادیب مر جاتے ہیں۔ اس سماج میں کتنے ساغر صدیقی لٹتے رہے اور وہ اس لئے خاموش رہے کہ انہیں بولنے سے کچھ حاصل ہوتا دکھائی نہ دیتا تھا۔ صاحب تخلیق کوئی اور ہے صاحب دیوان کوئی اور گمنام ادیب غریب نہ ہوتا' تو گمنام کیوں ہوتا؟

دانشوروں کی عزت وتوقیر میں خدانخواستہ کمی مدعا نہیں۔ واللہ نہیں۔ مدعا تو اس کی عافیت ہے' جس کے پاس دولت احساس ہے' جوہر تخلیق ہے لیکن اس کے فن کا سہارا نہیں۔ وہ بکتا ہے اور حرف شکایت زبان پر نہیں لاتا۔ اسے امید کا کنارہ نظر نہیں آتا۔ وہ فن سے کنارہ کش ہو جاتا ہے اور گمنامی کے اندھیروں کو اپنا نصیب سمجھ کے چپ ہو جاتا ہے۔

غور سے دیکھا جائے تو ہر انسان گوہر نایاب ہے۔ ایک درمکنون ہے۔ ہر آدمی کے پاس شرف ہے۔ سب کی گٹھڑی میں لعل ہے۔ سب کے آنگن میں چاند اترتا ہے۔ سب کے سر پر سایہ افلاک ہے۔ سب کے پاؤں کے نیچے وہی زمین ہے۔ سرمایہ خیال ہر ذہن کیلئے ہے۔ دولت احساس ہر دل کیلئے ہے۔ ہر زبان گویائی رکھتی ہے۔ ہر نظر کو نظاروں سے لطف اندوز ہونے کا یکساں حق ہے۔ جو بیان نہیں کرتا' وہ بھی صاحب بیان ہے اور جو دیوان چھپ نہیں سکتا وہ بھی دیوان ہے۔ مکمل دیوان' مرصع ومعلیٰ۔ کتنے ہی مصنف اس انتظار میں مر گئے کہ ان کا کلام ان کی زندگی میں چھپ سکے' لیکن کیسے؟

زندگی میں جن ادیبوں کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا' مرنے کے بعد ان کے دن منائے جاتے ہیں۔ بڑی دھوم دھام سے لنگر تقسیم ہوتے ہیں۔ مقالے پڑھے جاتے ہیں۔ ان کے مزار پر چادریں چڑھائی جاتی ہیں۔ گمنامی میں مرنے والے ادیبوں کو مرنے کے بعد دانشکدے کا معزز رکن نامزد کر دیا جاتا ہے۔ یہ اس ادیب کی عزت افزائی ہے یا توہین؟

سوچنے والی بات ہے کہ جو موتی ابھی سیپ کے باطن میں ہے اور جو ابھی زینت بزم نہیں ہوا' کیا وہ موتی نہیں ہے؟ جو پھول صحن چمن میں نہ کھل سکا' کیا وہ پھول نہیں۔ کیا صحرا میں کھلنے والا پھول صرف اس لئے پھول نہیں کہلاتا کہ اسے دیکھا نہیں گیا۔ جنگل میں ناچنے والا مور کو کوا تو نہیں کہا جا سکتا۔ کیا گمنام ادیب' ادیب نہیں؟ کیا بے دیوان شاعر' شاعر نہیں؟ کیا مشاعروں میں پہلے پڑھنے والے شعراء کے اشعار کمزور ہوتے ہیں؟ ادیب کے وزن سے اس کا ادب تو وزنی نہیں ہو جاتا؟ کیا ادب صرف ٹی ہاؤس میں پیدا ہوتا ہے؟ کیا ادیب صرف رسائل' اخبار اور ٹی وی تک ہی ہے؟ کیا شہروں سے باہر ادیب نہیں ہیں؟

www.iqbalkalmati.blogspot.com

یقیناً ہیں۔ ان لوگوں کے حالات نے ان کے احساسات و خیالات کو منجمد کر دیا۔ گردش زمانہ کی وجہ سے یہ گمنام ادیب سہم سے گئے۔ ان کے جذبات سسک سسک کر سو گئے۔ ان کے سر دست شفقت سے محروم رہے۔ ان کے ماحول نے ان کا ساتھ نہ دیا۔ ان کے ادب کے چراغ جلنے سے پہلے ہی بجھ گئے۔ وہ رموز مرگ و حیات سے باخبر تھے‘ لیکن ان کی گمنام تصانیف دن کا اجالا دیکھنے سے محروم رہیں۔ ان کے افسانے خریدنے والا کوئی نہ تھا۔ بیچنے والا کوئی نہ تھا۔ چھاپنے والا تو درکنار‘ سننے والا کوئی نہیں تھا۔ ان کی ادبی زندگی کی بے بسی پر افسوس کرنے بھی کوئی نہ مل سکا۔

جنگ کے گمنام سپاہیوں کی طرح ادب کے گمنام مسافروں کو سلام کہنا واجب ہے۔ ان کا احترام ضروری ہے۔ وہ جہاں کہیں بھی ہیں‘ قابل عزت ہیں۔ پہاڑوں میں‘ صحراؤں میں‘ قصبوں میں‘ گاؤں میں‘ گھر کی چار دیواری میں‘ کارخانوں میں‘ فوج میں‘ سول میں‘ ہوسٹلز میں‘ غرضیکہ جہاں بھی ہیں‘ خوب ہیں۔ ان کی سوچ ادب ہے۔ ان کا تخلیل ادب ہے۔ ان کے پاس دانش ہے لیکن وہ دانشور نہیں۔ ان کے پاس ادب ہے‘ لیکن وہ ادیب نہیں۔ ان کے حسن خیال کو گمنامی کے غار سے باہر نکلنا نصیب نہ ہو سکا۔ ایسے ادیب دراصل آتشیں جزیرے ہیں‘ جو اگر زبان کھولیں تو پانی میں آگ لگ جائے لیکن وہ اور ان کا ادب خاموش ہیں۔ شاید وہ شہرت اور کامیابی کو در خور اعتنا ہی نہیں سمجھتے۔ وہ اپنے آپ کو ادیب کہلوانے کی تمنا سے آزاد کر چکے ہیں۔ وہ بے نیاز ہیں۔ اپنی مستی میں مست‘ اپنی رعنائی خیال میں محو‘ ستائش وصلہ کی آرزو سے بہت دور۔ ان کا فن ہی ان کی سند ہے۔ وہ اپنی تنہائیوں میں انجمن ہیں۔ اپنے حال میں صاحبان حال ہیں۔ قال کا جامہ چاک کر چکے ہیں۔ وہ عظیم ہیں۔ انہیں کسی کالم کی بھی ضرورت نہیں۔

کہتے ہیں کہ اگر کوئی صاحب نگاہ مل جائے‘ کوئی شعیب میسر آ جائے تو شبانی کو کلیمی میں بدل دیتا ہے۔ لکنت کلیم اللّٰہی کرتی ہے۔ جس ہیر کو وارث شاہ مل گیا‘ وہ ہیر گمنامی کے اندھیرے سے ایسے نکلی کہ ادب کے آسمان پر آفتاب و ماہتاب بن کے طلوع ہوئی۔ وارثؒ شاہ کے دم سے ہیر حق ہوگئی۔ اس کی داستان‘ اس کا عشق زباں زد خاص و عام ہے۔ اب وہ ہیر روح کی فریاد ہے۔ وہ علم بولتی ہے‘ عرفان میں بات کرتی ہے‘ فلسفہ بیان کرتی ہے‘ عشق و حسن کے رشتوں کا تجزیہ کرتی ہے‘ گنگناتی ہے‘ رقص کرتی ہے‘ عشق مجازی سے عشق حقیقی کے ناطے جوڑتی ہے‘ راہ سلوک کی منزلیں طے کرتی ہے۔ طالبان حق کیلئے ایک استعارہ ہے‘ لیکن سوچنے والی بات ہے کہ کتنی ہی ہیریں اپنے وارثؒ شاہ کے انتظار میں خاموش بلکہ فراموش ہو گئیں۔ ان کا عشق زندہ رہا۔ لیکن ان کی داستان مر گئی۔ ان کے رانجھے ان کی خاطر کسی ’’بالناتھ‘‘ سے فیض یاب نہ ہو سکے۔ اس طرح وہ شعلہ بجھ گیا‘ وہ آگ دب گئی۔ وہ عشق‘ وہ ادب گمنام رہا۔ انتظار کی صلیب پر لٹکنے والی روح فریاد تو کرتی رہی‘ لیکن کسی وارثؒ شاہ کے کان تک صدا نہ پہنچی اور یوں

کتنے باغ جہان میں لگ لگ سوکھ گئے

گمنام ادیبوں کو سرپرست چاہئیں۔ ان کا ہاتھ پکڑا جائے۔ ان کے پاس تازہ واردات کی تاثیریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہیں۔ انہیں پیرایۂ اظہار درکار ہے۔ آج کے نئے اور گمنام ادیب کو بڑے مسائل سے دوچار ہونا پڑ رہا ہے۔

آج کا سانحہ یہ ہے کہ نئے فکر کیلئے بھی پرانے مفکر ہی داعی ہیں۔ افسوس اس بات کا ہے کہ بدلتے ہوئے وقت کے ساتھ قدیم ادیب اپنا رنگ بدل لیتے ہیں اور اس طرح نئے خیال کا استحصال ہوتا رہتا ہے۔ آج کا المیہ یہ ہے کہ پرانا ادیب نہ بوڑھا ہوتا ہے' نہ ریٹائر ہوتا ہے۔ جب تک بزرگ ادیب بوڑھا نہ ہو' نیا ادیب جوان نہیں ہوسکتا۔ جب تک بزرگ ادیب ریٹائر نہ ہو' نیا ادیب فائز نہیں ہوسکتا۔ اس طرح پرانا خیال' جو اپنے زمانے میں نیا تھا' آج کے زمانے میں بھی نیا پن اختیار کرنا چاہتا ہے اور یوں نامور ادیب صرف گمنام ادیب ہی پیدا کرتے رہیں گے اور نئے تخلیق کار شہر سے دور شہر یار سے دور اپنے فن کی سسکیوں کو ہمیشہ کی نیند سلا دیں گے۔

المیہ یہ ہے کہ شہرت اپنے آپ کو ہر شعبہ میں مشہور دیکھنا چاہتی ہے۔ وہ دانشور' جن کی عمر اسلام اور خدا پر بے باک بلکہ گستاخ تنقید میں گزری' آج نعت کی محفلوں میں موجود ہیں۔ مارکس کو پیغمبر ماننے والے آج سیرت النبی ﷺ کے شارح ہیں۔ کل کے قصیدہ گو آج کے بھی قصیدہ گو ہیں۔ نامور ادیب میں شاید کوئی خامی نہ ہو' لیکن گمنام ادیب میں کم از کم ایک خوبی ضرور ہے' وہ کبھی منافق نہیں ہوسکتا۔ وہ گمنام رہ سکتا ہے' لیکن ظاہر و باطن میں فرق برداشت نہیں کرسکتا۔ اس کی گمنامیوں کو سلام۔

☆

منافقت انسان کو اللہ کے قرب سے محروم کر دیتی ہے۔ منافق وہ شخص بھی ہے جو اسلام سے پیار کرے اور مسلمانوں سے نفرت۔ منافق وہ بھی ہے جس کے ظاہر و باطن میں فرق ہو۔ خلوت جلوت میں فرق ہو' جس کی باتیں سچی ہوں اور وعدے جھوٹے ہوں۔ جو دشمنوں کے ساتھ ہنس ہنس کر بات کرے اور دوستوں کی ہنسی اڑائے۔ جو محسنوں کے ساتھ وفا نہ کرے۔ جو انسان کا شکر ادا نہ کرے اور خدا کی تعریفیں کرے۔ جو امانت کی حفاظت نہ کر سکے۔ جس کو اپنے سے بہتر کوئی انسان نظر نہ آئے۔ جو اپنے دماغ کو سب سے بڑا دماغ سمجھے۔ جو یہ نہ سمجھ سکے کہ اللہ جب چاہے مکڑی کے کمزور جالے سے بھی ایک طاقتور دلیل پیدا کر سکتا ہے۔

☆......☆......☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

نیند

نیند کی قیمت اس سے پوچھو' جس کو نیند نہیں آتی۔ نیند ہی زندگی کے دستر خوان کی سب سے اہم' سب سے لذیذ اور سب سے میٹھی ڈش ہے۔

نیند دو مصروف اوقات کے درمیان وقفہ ہے۔ فطری وقفہ' جس طرح امن کا زمانہ دو جنگوں کے درمیانی وقفے کا نام ہے۔

نیند انسان کو اس کی محنت کے بعد آرام پہنچاتی ہے اور اسے نئی محنتوں کیلئے تیار کرتی ہے۔ نیند ایک نجات دہندہ فرشتہ ہے' جو انسان کو اس کے اعمال' اس کے احوال اور اس کے خیال سے آزاد کرتا ہے۔ نیند نہ ہو تو انسان اپنی جدوجہد کے بوجھ تلے دب کر مر جائے۔ نیند ایک مطمئن زندگی کا ثبوت ہے۔ خوش قسمت ہے وہ جس کی نیند کسی خوف یا کسی شوق سے پریشان نہ ہو۔

انسان جب ظلم کرتا ہے' دوسروں پر اور اپنے آپ پر' تو اس کی سزا یہ ملتی ہے کہ وہ نیند میں مضطرب رہتا ہے۔ وہ سوتا ہے تو اسے اپنے بچھونے پر بچھو نظر آتے ہیں۔ احساس کے بچھو' ندامت و افسوس کے بچھو۔ انسان چاہتا ہے کہ ہونی انہونی ہو جائے۔ جو ہو چکا' وہ نہ ہوتا۔ کاش! ایسا نہ ہوتا' کاش! یوں ہو جاتا اور اسی کاش کے اندر ہی نیند غرق ہو جاتی ہے اور انسان بے خوابی کے عذاب میں مبتلا ہو کر رہ جاتا ہے۔

غور سے دیکھا جائے تو نیند کا عالم بیداری کے عالم سے زیادہ ہے۔ عدم کا سکوت وجود کے ہنگاموں کے زمانوں سے کہیں زیادہ ہے۔ پیدائش سے قبل کے زمانے مکمل سکوت اور مستقل نیند کے زمانے ہیں۔ مابعد کا دور نیند میں ڈوبی ہوئی لامحدود صدیوں کا دور ہے اور پھر یہ زندگی اپنے اندر نیند کے زمانے رکھتی ہے۔ اوّل نیند ہے آخر نیند ہے اور درمیان بھی نیند ہی ہے۔ عالم بیداری ایک خواب کا عالم ہے اور یہ خواب کی طرح ہی گزر جاتا ہے۔ درحقیقت ہر حقیقت حجاب حقیقت ہے۔ اصل حقیقت کیا ہے؟ نیند یا بیداری۔ اس کا فیصلہ نہیں ہو سکتا۔

دنیا کے عظیم انسان اپنی نیند کو کم کرتے رہے۔ وہ نیند کو ایک دشمن سمجھتے رہے۔ انہوں نے اس وقت محنت کی' جب عالم سو رہا تھا۔ وہ نیند کو غفلت اور محرومی کا زمانہ کہتے تھے۔

دراصل نیند ہر انسان کیلئے الگ الگ مفہوم رکھتی ہے۔ نیند عابد کو عبادت سے محروم کرتی ہے۔ محبّ کو محبوب سے جدا کرتی ہے۔ ذمہ دار انسان کو احساس ذمہ داری نہیں ہونے دیتی انسان پر راز حقیقت منکشف نہیں ہونے دیتی۔ دوسرا رخ یہ ہے کہ نیند گنہگار کو گناہ سے بچاتی ہے۔ پریشان حال انسان کی پریشانی کو چھپا دیتی ہے۔ بیمار انسان کو بیماری کے دباؤ سے بچاتی ہے۔ غرضیکہ نیند برے انسان کیلئے اچھی ہے اور اچھے کیلئے بری۔

عوام الناس کیلئے نیند ایک دولت ہے' سرمایہ ہے' عنایت ہے' عطا ہے۔ زندگی کے مسلسل کرب سے نجات کا ذریعہ ہے۔ نیند غم' فکر' اندیشوں' ندامتوں اور اذیتوں سے رہائی دلاتی ہے۔ نیند ہونے اور نہ ہونے کی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

''درمیانی سرحد'' کا نام ہے۔ فنا اور بقا کے درمیان نیند کا علاقہ ہے۔ جہاں انسان نہیں ہوتا لیکن ہوتا ہے۔ جہاں وہ ہوتا ہے لیکن نہیں ہوتا۔ وہ دیکھتا ہے لیکن خواب' وہ سنتا ہے لیکن بے صدا آواز' وہ چلتا ہے لیکن فاصلے طے نہیں ہوتے۔ وہ جمود میں متحرک ہوتا ہے۔ وہ مرتا ہے لیکن زندگی کی آغوش میں۔ وہ زندہ ہوتا ہے لیکن موت کے حصار میں۔ غرضیکہ وہ ہوتا ہے لیکن نہیں ہوتا۔ نیند حقیقت کو خواب اور خواب کو حقیقت بناتی ہے۔ نیند کے عالم میں یہ جاننا کہ انسان نیند کے عالم میں ہے' بہت مشکل ہے۔ اتنا مشکل جتنا اپنے من میں ڈوب جانا۔ خودشناس انسان اپنی نیند کو نیند کے طور پر پہچانتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ ہم کبھی بیداری میں سوتے ہیں' کبھی نیند میں بیدار ہوتے ہیں۔

زندگی خود ایک خواب ہے اور اس خواب کے عالم میں کتنے ہی خواب ہیں۔ ماضی کی حقیقت خواب ہے۔ مستقبل کی حقیقت واہمہ ہے۔ حال برقرار رہ نہیں سکتا۔ نیند کی حقیقت کیا ہے؟ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ بیداری کی حقیقت سمجھ میں نہ آئے تو نیند کی حقیقت کیسے سمجھ میں آ سکے۔

نیند زندگی کا ایسا آئینہ ہے' جس میں موت کا عکس دکھائی دیتا ہے۔ نیند ایسی حقیقت ہے' جس میں خواب نظر آتے ہیں۔ خواب کو حقیقت مان لیا جائے تو تعبیر کی حقیقت ایک اور خواب بن کے رہ جاتی ہے۔ اقبالؔ نے خواب دیکھا۔ قوم نے اقبالؔ کے خواب کو حقیقت مان لیا اور پھر ہم تعبیروں کے سفر پر نکل کھڑے ہوئے۔ خواب تو شاید ایک ہی تھا اور تعبیریں لاتعداد۔ خواب پریشان ہو کر رہ گیا۔ خواب کسی کا' تعبیر کسی اور کی' بات بنے تو کیسے بنے۔ یہی ایک راز ہے۔

اس سے انکار نہیں کہ نیند کا کرشمہ رویائے صادقہ کا وجود ہے۔ خواب دیکھنے والوں نے نیند میں آنے والے زمانے دیکھے۔ نیند میں اکثر مجوب' مکشوف ہوتے ہیں۔ مکاشفہ نیند کا تحفہ ہے۔ مراقبہ بھی نیم خوابی کے عالم میں ہوتا ہے۔ اس لئے نیند کو نعمت بھی کہا جاتا ہے۔ شاعر کا تخیل' صوفی کا وجدان' مکاشفہ' عالم بیداری کے علاوہ ہیں اور یہ عالم نیند کے قریب ہے لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ جس انسان پر حقائق منکشف ہوں' وہی ان کی اصلیت سے باخبر ہو سکتا ہے۔ یہ نہیں کہ مکاشفہ کسی اور کا ہو اور حقیقت کی دریافت کسی اور کی۔ تعبیروں کا الجھاؤ اسی لئے ہے کہ خواب دیکھنے والا موجود نہیں۔ جب تک کوئی اور صاحب ادراک نیا خواب نہ دیکھے گا' تعبیروں کی تفاسیر مختلف ہی رہیں گی۔ جس کی نیند پر خواب نازل ہوں' وہی تعبیر آشنا ہو سکتا ہے۔ اسی طرح قرآن پاک کی تفسیروں میں فرق ہے۔ نازل ہونے والی کتاب کی تفسیر بھی نازل ہونے والی ہو سکتی ہے۔ الہامی کتاب کی ذہنی تفسیر ازخود غیر معتبر ہے۔

بہر حال نیند کی دنیا ایک عجیب دنیا ہے۔ ایک نیرنگ خیال ہے۔ ایک طلسم ہوشربا ہے۔ ایک پراسرار وادی ہے۔ ایک ایک جزیرہ امن ہے۔ ایک منظر دلکشی ہے۔ ایک ایسا لطف جس میں انسان کسی کو شریک نہیں کر سکتا۔ ایک ایسا سرمایہ جو حاصل ہوتے ہی خرچ ہو جاتا ہے اور ایک ایسا مقام' جہاں ہر انسان بے ضرر ہو کے رہ جاتا ہے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

فطرت کے عطیات میں سب سے بڑا عطیہ پرسکون نیند ہے۔ مطمئن نیند کی قدر اس سے پوچھو' جس کو خواب آور ادویات کے سہارے درکار ہوں۔ نیند صرف انسان ہی کیلئے نہیں' پوری کائنات سوتی اور جاگتی ہے۔ وحوش وطیور سوتے ہیں۔ شجر وحجر سوتے ہیں۔ شمس وقمر' آسمان وزمین پر نیند اور بیداری کا عالم گزرتا ہے۔ سمندر سوتا ہے۔ سمندر جاگتا ہے اور سمندر کا جاگنا روح کا جاگنا ہے۔ نصف شب کو سمندر کے اندر سے بیداری پیدا ہوتی ہے۔

سمندر کی طرح صاحبان روح نیم شب کو جاگتے ہیں۔ ہر مشکل مقام پر ان لوگوں کو آہ وفغان نیم شب کا پیغام ملتا ہے۔ ان لوگوں کی بیداری ہی سونے والے انسانوں کیلئے رحم کی طالب ہوتی ہے۔ جاگنے والے سونے والوں کیلئے دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! اے ہمیشہ جاگنے والے اللہ! سونے والے انسانوں پر رحم فرما۔ ان غافل انسانوں کو اپنے فضل سے محروم نہ کرنا۔ بیدار مغز اور بیدار روح انسان ہی قوموں کی نجات کا ذریعہ ہیں۔

قوموں کی تباہی کا بنیادی سبب یہ ہے کہ ان سے نالۂ نیم شب چھن جائے۔ جاگنے والے زندہ ہوں تو سونے والوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ جاگنے والے نہ رہیں تو سونے والے بھی نہ رہیں گے۔ گڈریا سو جائے تو بھیڑیے ریوڑ کھا جاتے ہیں۔ نیند نے سربراہوں کو برباد کیا۔ سلطان سلطنت سے محروم ہو گئے۔ نیند میں سرمایۂ فقر لٹ جاتا ہے۔ نیند کو غفلت نہ بننے دیا جائے تو یہ راحت جان ہے۔ قرار جسم اور سکون دل ہے۔ اگر نیند غفلت ہو جائے' تو انسان محروم ہو جاتا ہے۔ اپنے ماضی سے کٹ جاتا ہے۔ اپنی اصل سے ہٹ جاتا ہے۔ اپنی آزادی کی دولت ضائع کر دیتا ہے۔ آزادی کی صرف ایک ہی قیمت ہے۔ مستقل اور مسلسل بیداری۔ غلام قومیں سوتی ہیں اور آزاد قومیں بیدار رہتی ہیں۔ انسان کو اپنے مستقبل کی خاطر جاگنا چاہئے۔ اسے آنکھیں کھول کر رہنا چاہئے۔ نیند اپنی حد سے نکل جائے تو عذاب ہے' بیماری ہے۔ نیند غائب ہو جائے تو بھی مصیبت ہے۔ اس لئے سب سے مبارک زندگی وہ ہے' جو نیند سے محروم بھی نہ ہو اور نیند سے مغلوب بھی نہ ہو۔ ہماری زندگی اور زندگی کے مشاغل کسی اور زندگی کیلئے ہیں۔ یہ زندگی ایک خواب ہے۔ ایک نیند ہی کا عالم ہے' لیکن افسوس کہ انسان کی آنکھ اس وقت کھلتی ہے' جب وہ بند ہونے لگتی ہے۔

☆......☆......☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

وقت

جس طرح غم دل کو کھاتا ہے اور دل غم کو کھاتا ہے' اسی طرح ہم وقت کو برباد کرتے رہتے ہیں اور وقت ہمیں برباد کرتا رہتا ہے۔ یہ کھیل کب سے شروع ہے' اس کا فیصلہ کرنا مشکل ہے۔

وقت کیا ہے' اس کا فیصلہ بھی مشکل ہے۔ ہم نے وقت کو شب و روز میں تقسیم کر رکھا ہے۔ موسموں میں بانٹ رکھا ہے' لیکن یہ دن' یہ رات' یہ گرمی' یہ سردی' یہ بہار' یہ برسات سب سورج کے دم سے ہیں اور ماورائے شمس بھی کائنات ہے' بلکہ کائنات ہے ہی ماورائے شمس و قمر اور جہاں نہ دن ہے نہ رات' وہاں بھی وقت ہے۔

وقت کب شروع ہوا اور کب ختم ہوگا...... اس کا فیصلہ بھی مشکل ہے۔ وقت قدیم بھی ہے اور حادث بھی...... قدیم وہ جو ہر آغاز سے پہلے اور ہر انجام کے بعد قائم رہے۔ جس کا نہ یوم پیدائش ہو نہ یوم وصال...... ہم خالق کو' اللہ کو قدیم مانتے ہیں اور وہ ہے بھی قدیم۔ کسی اور ذات یا کسی اور شے کا قدیم ہونا خالق کی احدیت کے باب میں شرک ہے۔ حادث وہ جو پیدا ہو اور ایک خاص محدود عرصہ کے بعد مر جائے۔

جو لوگ وقت کو قدیم مانتے ہیں' وہ وقت کو خالق ہی مانتے ہیں۔ جو لوگ وقت کو قدیم نہیں مانتے' وہ اسے مخلوق سمجھ کر حادث اور فانی کہتے ہیں۔ وقت کو فانی ثابت کرنا مشکل ہے۔

حادث و قدیم کے بارے میں بڑی بحث ہوتی رہی ہے۔ اللہ قدیم ہے' انسان حادث...... کوئی انسان جب قدیم نہیں ہو سکتا تو کسی انسان کی حیات بعد ممات بالوجود کیسے تسلیم ہو سکتی ہے۔ اسی بات پر مسلمانوں کے اندر اختلاف رہا ہے۔ حیات النبی ﷺ کا مسئلہ بھی ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ قدیم کے بارے میں جتنا علم دنیا میں موجود ہے' حادث کے ذریعے سے ہے۔ اللہ کا کلام' اللہ کی صفات' اللہ کے احکامات و ارشادات سب انسانوں ہی کے ذریعہ سے ہیں۔ اب یہ سوچنا چاہئے کہ وہ کون سا مقام ہے' جہاں حادث اور قدیم ایک دوسرے سے ہم کلام ہوتے ہیں۔ قدیم جب حادث سے کلام کرتا ہے' تو کلام بھی قدیم...... قدیم کا قدیم کلام' حادث کو حادث کیسے رہنے دے گا۔

اللہ کا ارشاد کہ وہ اور اس کے فرشتے نبی ﷺ پر درود بھیجتے ہیں۔ اس کی تفصیل کچھ بھی ہو' یہ ایک حقیقت ہے' لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ یہ درود کا سلسلہ قدیم نے

1- کب شروع کیا۔

2- کب تک رہے گا یہ سلسلہ۔

اگر حضور ﷺ کی ظاہری پیدائش مبارک سے یہ سلسلہ شروع ہوا تو کلام قدیم نہ ہوگا اور اگر یہ سلسلہ آپ کے ظاہری وصال مبارک پر ختم ہو جاتا ہو' تو بھی یہ کلام قدیم نہ ہوگا۔ ہم ثابت کچھ نہیں کرنا چاہتے۔ صرف یہ عرض ہے کہ قدیم کا عمل بھی قدیم ہے' قدیم کا وجود بھی قدیم ہے' قدیم کی محبت بھی قدیم ہے اور قدیم کا محبوب ﷺ بھی قدیم ہی ہے۔

ہے   قدم   حدوث   سے   ماورا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

تو قدم حدوث کا ہے گماں
ہے قدم کا جلوہ حدوث میں
تو قدم حدوث کی ضد کہاں؟

بہر حال یہ ان کی بات ہے' وہی جانتے ہیں۔ قدیم حدوث سے باہر نہیں' جدا نہیں۔ قدیم حدوث میں پابند ہے اور نہ مبتلا ہے۔ ہر جلوہ قدیم کا جلوہ ہے لیکن کوئی جلوہ از خود قدیم نہیں۔ یہی حد ہے' ادب کی حد...... حفظ مراتب کی حد' عابد اور معبود کی حد...... خالق اور مخلوق کی حد...... راز اور محرم راز کی حد......

بہر حال ہم وقت کے بارے میں کچھ کہہ رہے تھے کہ وقت قدیم ہے کہ حادث' اس کا فیصلہ مشکل ہے۔ وقت کے لامحدود خزانوں سے ہمیں چند محدود ایام ملتے ہیں۔ ہم اس وقت کو زندگی کہتے ہیں' اسے گزارتے ہیں خوشیوں کے ساتھ' غم کے ساتھ' محفلوں میں' تنہائی میں' محنت کے ساتھ' آرام کے ساتھ۔ ہمیں کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ ان ایام کو ہم کیا کریں۔

مجبوری دیمک کی طرح ہماری زندگی کو چاٹ لیتی ہے' گھن کی طرح کھا جاتی ہے۔

ہم کچھ نہ کچھ بننا چاہتے ہیں' بلکہ ہم سب کچھ بننا چاہتے ہیں اور سب کچھ بنتے بنتے ہم انجام کار بے وقوف بن کے رہ جاتے ہیں۔

ہم وقت کو بچاتے ہیں۔ اسے بچاتے بچاتے ایک دن ایسا آتا ہے کہ فرشتہ ہمارے کان میں کہتا ہے کہ ختم ہو گیا وقت ختم ہو گیا...... کیسے ختم ہو گیا...... میں نے خرچ نہیں کیا...... ختم کیسے ہوا...... یہ ظلم کہ جمع کیا ہوا' خرچ سے پہلے ختم ہو گیا......؟

انسان کو جب یہ نکتہ سمجھ میں آتا ہے' اس پر جب یہ راز منکشف ہوتا ہے' تو وہ ہنستا ہے اور اس کی آنکھ میں آنسو ہوتے ہیں۔ مسافر کا سفر طے نہیں ہوتا اور ختم ہو جاتا ہے۔

انسان وقت کے تیز رفتار گھوڑے پر سوار ہوتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ منزلیں طے ہو رہی ہیں' فتوحات ہو رہی ہیں' لیکن آخر کار یہ گھوڑا' اپنے سوار' بلکہ شہسوار کو گرا کر بے یار و مددگار چھوڑتا ہوا غائب ہو جاتا ہے' اپنے نئے سوار کی تلاش میں...... وقت ختم ہو جاتا ہے' لیکن وقت کا قافلہ چلتا رہتا ہے۔ حادث اور قدیم کی بحث جاری رہتی ہے۔

ہماری زندگی وقت ہی ہے۔ ہمارے پاس بڑا وقت ہے' لیکن ہمارے پاس کوئی وقت نہیں...... ہماری ساٹھ سال کی اوسط زندگی میں بیس سال تو نیند کے حوالے ہو جاتے ہیں۔ ہم اپنا وقت گزارنے کیلئے کچھ وقت بیچ دیتے ہیں۔ نوکری کرتے ہیں' مزدوری کرتے ہیں' آزادیوں میں غلامی کرتے ہیں اور اس کے عوض جو معاوضہ ملتا ہے' اس سے زندگی کو باشعور اور باسلیقہ بناتے ہیں۔ جب شعور اور سلیقہ حاصل ہوتے ہیں' تو ہم خود ہی لاحاصل ہو چکے ہوتے ہیں۔ ہم نے جو خرچ کیا' وہ خرچ ہو گیا...... جو بچایا' وہ بھی خرچ ہو گیا...... ہمارا قوی وجود آخر کار ریت کی دیوار کی طرح اندر ہی گرتا ہے اور یہ موجود نا موجود ہو جاتا ہے۔

جن لوگوں نے اپنے وقت کو خوش گوار مستقبل کیلئے گزارا' وہ نہ سمجھے کہ وہ خوش گوار مستقبل کب آئے گا...... زندگی ایک خوفناک اور حسرت ناک ماضی بنتی جا رہی ہے اور نگاہیں خوشگوار مستقبل پر لگی ہیں۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

وقت ضائع کرنے کا خوبصورت طریقہ یہی ہے کہ ایک نامعلوم' موہوم لیکن حسین مستقبل کا انتظار کیا جائے۔ خوابوں کے خوبصورت آئینوں میں نظارے دیکھے جائیں...... لیکن جب حقائق پر نظر پڑے' تو طلسم ختم ہو جائے' آئینے ریزہ ریزہ ہو جائیں اور خوبصورت خواب ایک بھیانک تعبیر دے کر رخصت ہو جائے۔ وقت کی محنت' عمر کی کمائی' وقت ہی برباد کر دے......

جو لوگ اپنے وقت کا معاوضہ اپنے وقت میں وصول کرنا چاہتے ہیں' وہ اکثر برباد ہو جاتے ہیں۔ یہ زندگی' یہ عمر' یہ زمانہ' یہ وقت کسی اور وقت کیلئے محنت کا زمانہ ہے۔ یہ زندگی کسی اور زندگی کی طرف ایک قدم ہے۔ یہ وقت کسی اور وقت کی طرف رجوع کا وقت ہے۔

آج ہم دیکھتے ہیں کہ اس دنیا میں جتنے بھی قابل ذکر اور قابل قدر نفوس آئے' وہ ہمیشہ وسیع' کائناتی' عظیم تخیل کے مطابق کام کرتے رہے...... انہوں نے اپنے زمانے سے اپنے وقت کی قیمت نہیں حاصل کی اور آج ہر زمانہ ان کا اپنا زمانہ ہے۔ کوئی زمانہ ان کے ذکر سے خالی نہیں۔ کوئی دور ان کے دور کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ کوئی بقا ان کو فنا سمجھ کر ترک نہیں کر سکتی۔

یہی وہ لوگ ہیں جن کو وقت نے اپنے ساتھ ملا لیا...... جن کو قدیم نے حدوث سے نجات دے دی۔ سلام ہو ان فانی انسانوں پر' جن کا ذکر ہمیشہ باقی رہتا ہے...... یہاں ایک بار پھر حادث اور قدیم کی بحث ختم ہو جاتی ہے۔ یہاں فنا بقا کے رموز آشکار ہوتے ہیں' یہاں زمانہ' ہر زمانہ ہو جاتا ہے۔

بات بڑی آسان ہے۔ اگر انسان وقت ہو جائے' تو ہمیشہ رہے گا...... اگر وقت انسان ہو جائے' تو باقی نہ رہے گا...... انسان نے وقت کو تقسیم کر کے خود کو برباد کیا...... ہمارا وقت گھڑیاں کھا گئی ہیں...... گھڑیاں بڑھ گئی ہیں اور عمر گھٹ گئی ہے...... جب پیمائش نہیں تھی' وقت وسیع تھا...... جب پیمائش ہو گئی...... پروگرام بن گئے' پابندی شروع ہوئی...... باقاعدگی کی وبا پھیل گئی...... وقت بیمار ہو گیا...... کیونکہ وقت نہ دن ہے نہ رات' نہ موسم' نہ تاریخ...... وقت بس وقت ہے۔ ہر آغاز سے آزاد' ہر انجام سے بے نیاز!!

☆

جو سکھیاں رنگ راتڑی کریں سوچ بچار
ایک ہی بوند میں رنگ نے اڑنا ہے سو بار

☆

ندی کنارے میں کھڑی جانا ہے اس پار
رام بھروسے چل پڑوں تن نیا من کھیون ہار

☆

واحسف کہے کبیر نے سنو ہمارے یار
ہم تم جیسے جگت میں آئیں نہ دوجی بار

☆......☆......☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

یاد

بس یہی تو مشکل ہے کہ بھول جانا انسان کے بس میں نہیں۔ جو حادثہ ایک دفعہ گزر جائے' وہ یاد بن کے بار بار گزرتا ہے۔ بھولنے کی کوشش ہی اسے زندہ رکھتی ہے۔ انسان ظالم کو معاف کر سکتا ہے' لیکن اس کے ظلم کو بھول نہیں سکتا۔ بھول جانا انسان کے اختیار میں نہیں۔ انسان کیسے بھول سکتا ہے کہ اس نے جو چہرے شوق سے دیکھے تھے' اب وہ نظر نہیں آتے۔ جو کبھی سوچا تھا' کبھی چاہا تھا' اب وہ ویسا نہیں۔

موسم گزر جاتے ہیں' لیکن یاد نہیں گزرتی۔ مرحوم زمانوں کی یاد مرحوم نہیں ہوتی۔ وقت گزر جاتا ہے۔ ہمیشہ گزرتا رہا' لیکن گزرتے گزرتے انسان کے چہرے پر جھریاں چھوڑ جاتا ہے۔ ماضی کی یاد انسان کے وجود کو ڈھانپ لیتی ہے' لباس کی طرح نہیں' جلد کی طرح' کھال کی طرح انسان یاد کے پیرہن میں لپٹ جاتا ہے اور پھر کچھ بھولنے کا خیال بھی بھول جاتا ہے۔

پرانے چہرے نئے چہروں میں نظر آنا شروع ہو جاتے ہیں۔ پرانے غم نئے غم میں شامل نظر آتے ہیں۔ پرانی یاد نئی زندگی کے ساتھ ساتھ چلتی ہے۔ تہہ در تہہ انسان کے اندر ہمیشہ موجود رہتی ہے۔ آئینہ گرد آلود ہو جائے تو گرد کے ذرات میں کئی آئینے نمودار ہو جاتے ہیں اور پھر یاد سے نجات کی کوشش دلدل سے نجات کی کوشش کی طرح رائیگاں ہو جاتی ہے۔

انسان کے پاس اپنی لوح محفوظ ہے' قوت حافظہ ہے۔ انمول خزانہ' آنسوؤں اور مسکراہٹوں کا خزینہ۔ انسان اس سے نجات نہیں پا سکتا۔ جو کبھی تھا' اب بھی ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ یہی زندگی کا عروج ہے اور یہی اس کا زوال۔

انسان کی یادیں اس کے تجربات' اس کے مشاہدات اور اس کی واردات کے علاوہ بھی ہیں۔ انسان کے علم نے اسے ان یادوں میں شریک کیا ہے' جو اس کی اپنی نہیں۔ جن واقعات میں وہ کبھی شامل نہیں تھا' وہ اپنے آپ کو شامل سمجھتا ہے۔ جو کچھ اس نے دیکھا تک نہیں' وہ اس کی گواہی دیتا ہے' آنسوؤں سے تحریر کرتا ہے' رو رو کے بیان کرتا ہے' جیسے وہ اس کی اپنی ذاتی یاد ہو۔

کربلا میرا تجربہ نہیں' میری واردات نہیں' میرا مشاہدہ نہیں' لیکن میری یاد ہے۔ میرا احساس ہے' جو کربلا سے گزرا ہے۔ وہ بیان جو میرے احساس میں اتر گیا' میرا تجربہ بن گیا۔ میری یاد بن گیا۔ امام عالی مقام کی کربلا' میری کربلا ہے۔ ہر کربلا' ایک ہی کربلا ہے۔ صداقت کا قافلہ جس مرحلے سے گزرا' ہمیشہ اسی مرحلے سے گزرتا رہا ہے۔ یہی اصل کربلا ہے کہ کربلا ابھی ختم نہیں ہو رہی۔ میرے اللہ! کیا میری کربلا دائمی ہے؟

کربلا ہمیشہ دائمی ہوتی ہے۔ چراغ صداقت آندھیوں اور اندھیروں کی یلغار میں ہمیشہ جلتا ہے۔ حق کا چراغ کبھی نہیں بجھتا۔ مسلسل کرب' مستقل خلش' دائمی حقیقت' روشن چراغ۔

کربلا کسی واقعہ کا نام نہیں' بلکہ کربلا ایک دائمی استعارہ ہے۔ ایک لازوال غم' ایک ابدی حقیقت' ایک۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اٹل فیصلہ ایک خاموش طوفان' ایک ایسا سکوت جس کے دامن میں حق کی آواز ہے' ایک ایسا موڑ جس کے آگے کوئی راستہ نہیں' ایک آخری اعلان۔ کربلا زندہ ہے' میرے ساتھ ساتھ' میرے سامنے' میری یاد میں۔ بھول جاؤں؟ مگر کیسے؟

میں کیسے بھول جاؤں کہ میں بہت ہی قدیم مخلوق ہوں۔ میری وجہ سے مقرب معتوب ہوا۔ جس نے مجھے سجدہ کیا' اسے کیسے بھول جاؤں۔ جس نے سجدے سے انکار کیا' اسے کیسے بھلا دوں۔ میں نے جس کا سجدہ کیا' اسے کیسے فراموش کروں۔ میں اور میرے ساجدین اور منکر سجدہ سب فانی ہیں۔ صرف میرا مسجود ہی باقی ہے۔ حقیقت' ہمیشہ ہمیشہ رہنے والی حقیقت' جسے کوئی نہیں بھول سکتا۔ نہ ماننے والوں کو بھی یاد رہتا ہے۔ انہیں یاد رکھتا ہے۔ اسے بھولنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔

میں اس زمانے کو کیسے بھول جاؤں' جب میں نہیں تھا' میرا ذکر تک نہیں تھا' میرا وجود تک نہیں تھا۔ مجھے وہ زمانہ بار بار یاد دلایا جاتا ہے کہ "یاد کر اس زمانے کو جب تو شے مذکور نہیں تھا۔" میں نہیں تھا تو میں کیسے یاد کروں اور اگر مجھے یاد ہے تو میں کیسے نہیں تھا؟ میں اس دور کو نہیں بھلا سکتا۔ میرا نہ ہونا' ہونا' سب برحق ہے اور مجھے یاد ہے۔

مجھے ہر زمانہ اداس کرتا ہے۔ قبل از پیدائش کا زمانہ' حال کا زمانہ اور مابعد کا زمانہ' میرے پاس سب یادیں ہیں۔ اداس' لیکن موجود اور محفوظ۔

میں نے زندگی کو مشاغل کی نذر کیا تاکہ میں سب کچھ بھول جاؤں۔ لیکن ہنگامہ ہائے سود وزیاں میں بھی مجھے یادوں نے اداس رکھا۔ میرے ساتھ ساتھ میری یادیں رواں دواں ہیں۔ مجھے نخلستانوں کے ٹھنڈے سائے مسافرت کی اذیت کی یاد سے نہ بچا سکے۔ میری نیندیں خوابوں کے سفر پر روانہ رہتی ہیں۔ میں ہونے سے نہ ہونے کا سفر کرتا ہوں اور نہ ہونے سے ہونا دریافت کرتا ہوں۔ مجھے میرے حافظے نے غیر محفوظ ہونے کا احساس دیا ہے۔

الٰہی! مجھے بھول جانے کی طاقت دے۔ صداقت کی یاد میری زندگی کے کذب کو بے کیف بنا رہی ہے۔ عہد وفا کی یاد میری جفا پرستی کو بے لطف کر رہی ہے۔ مجھ پر ایسی تنہائی گزر رہی ہے کہ اب میں بھری محفلوں میں تنہا ہوں۔ میرے اللہ! تو تو قادر ہے۔ مجھے بھول جانے کا عمل سکھا دے۔ مجھے میرے ماضی سے نجات دے۔ یہ بھوت میرے سر پر سوار ہے' میں کیسے نجات پاؤں؟

میں بڑی کوشش کرتا ہوں کہ بھول جاؤں' اس زمانے کو جب میں مہاجر ہوا۔ بڑا وقت تھا۔ بڑی بات تھی۔ بڑی دلیل تھی۔ ملک بن رہا تھا۔ ملک چھوڑا جا رہا تھا۔ بنے ہوئے مکانوں کو چھوڑ کر نئی بستی' نئی آبادی کی تلاش کا سفر۔ تیرے نام کا سفر۔ کیا وہ سفر ابھی جاری ہے؟

میرے اللہ! وہ زمانہ یاد رکھنے کی آخر ضرورت ہی کیا ہے۔ آج کا زمانہ سہانا ہے۔ بیتے ہوئے دن کیوں یاد رہتے ہیں۔ قافلے چلے' قافلے کٹے' قافلے لٹے۔ عزتیں خاک میں ملیں' جذبے بلند ہوئے۔ تسبیح' تہلیل اور مناجات کے ساتھ سفر جاری رہا۔ یہ سفر سب کو یاد تھا۔ سب بھول گئے۔ مجھے بھی بھول جانا چاہئے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بھولنے کی توفیق دے' میرے مالک! جو ہوا سو ہوا۔

انگریز سے نجات' بنیئے سے نجات اور پھر ایک دوسرے سے نجات' یہ کیا یاد داشت ہے' میں بھولنا چاہتا ہوں اس رات کو' جب مجھ پر قیامت نازل ہوئی تھی۔ مشرقی پاکستان' بنگلہ دیش بنا تھا۔ آزاد قوم دو دفعہ آزاد ہوئی...... میرے بھائی سلامت رہیں۔ لیکن میں نہیں بھول سکتا۔ میرے عزیز اس سرزمین میں شہید ہوئے۔ اپنا دیس پردیس بن گیا۔ میں کربلا کا مکین ہوں۔ میں کیسے بھول جاؤں؟

میری تاریخ کے روشن اوراق پھاڑ دیئے گئے' عزتوں کے تمغے نوچے گئے' بہادری کے قصے ختم ہوئے' شجاعت کی داستان پارہ پارہ ہوئی۔ میں کیسے بھول جاؤں؟

میں سبق در سبق ورق گردانی کرتا ہوں۔ اپنی تاریخ دیکھتا ہوں۔ ماضی اور یاد ماضی میرا حال ہے اور میرا حال برا حال ہے۔ میں بدحال ہوں۔ مجھے میری یاد کے کرب سے بچا' میرے مولا!

میں دیکھ رہا ہوں کہ مسرت کدے آباد ہیں۔ جشن منائے جا رہے ہیں اور بیمسن کے بال بڑھ چکے ہیں۔ میرے اللہ! آگاہ کر دے سب کو' آگاہ راز کہ کیا ہو چکا ہے' کیا ہو رہا ہے اور کیا ہونے والا ہے۔

قافلہ پڑاؤ میں ہے اور دشمن شبخون کے ارادے سے بیدار ہے۔ میرے اللہ! ایک ایسی چیخ لگانے کی قوت دے کہ بے حسی کی قبر سے غافل مردے نیند کا کفن پھاڑ کر نکل آئیں اور اپنی آنکھوں سے وہ منظر دیکھیں' جو دیدہ بینا کو نظر آتا ہے۔ میرے اللہ! روک اس طوفان کو جس سے افغان مجاہدین اور مہاجرین گزر رہے ہیں۔ یہ تیرے نام لیوا ہیں' ہم سے زیادہ اسلام پرست!

میں بھول جانا چاہتا ہوں اقبالؒ کے کلام کو' اقبالؒ کے پیام کو۔ میرے اللہ! میری دعا ہے کہ اقبالؒ کے کلام سے مسجد قرطبہ کی نظم غائب ہو جائے تاکہ میری یادیں احساس کی شدت و کرب سے آزاد ہو جائیں۔

مسجد قرطبہ سے مسجد اقصیٰ کی یاد ایک لازم کڑی ہے۔ میرے مالک! تجھے بھی یاد ہے' مسجد اقصیٰ۔ تو وہ اللہ ہے' جس کے سامنے ماضی' حال اور مستقبل ایک ہی زمانہ ہے۔ تو جو چاہے کر سکتا ہے۔ میں تو صرف رو سکتا ہوں اور میری یادوں نے مجھے آنسوؤں کے سوا دیا ہی کیا ہے؟

مجھے بچا' میری یادوں سے۔ میری عبادت پریشان ہو رہی ہے' یاد ماضی کی وجہ سے۔ میں یکسوئی سے محروم ہو رہا ہوں۔ میرے مولا! بھلا دے مجھے سب کچھ۔ برداشت سے زیادہ بوجھ نہ ڈال کر تو مہربان ہے۔ میرا مستقبل میرے ماضی سے نجات نہیں پا سکتا۔

یہ عجب بات ہے کہ میرا اسلام بہت پہلے مکمل ہو چکا' لیکن وضاحت ابھی جاری ہے۔ میرے عروج کے زمانے گزر چکے۔ میری تاریخ کا سنہری دور ماضی میں ہے۔ میری شجاعت کی عظیم داستان میرے ماضی میں ہے۔ میرے قافلے کے عظیم رہنما سب ماضی میں ہیں۔ میرے علماء' میرے مشائخ' میرے سلطان المشائخ' میرے سلطان الفقراء سب ماضی میں ہیں۔ میرے غزالیؒ' میرے رومیؒ' میرے اقبالؒ' میرے قائداعظمؒ' میرے امام سب ماضی میں ہیں اور میں' یادوں سے بچنا چاہتا ہوں۔ میرے سفر کی ہر انتہا میرے ماضی میں ہے۔ میرا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

شعر' میرا آہنگ' میرا وجدان' میرا عرفان' میرا ایقان' میرا فقر' میری فتوحات' سب عہد ماضی ہے۔ میرے مالک مجھے بتا کہ کیا میں مر تو نہیں چکا؟ کیا میں زندہ ہوں؟ میرے لئے ماضی کی یاد کے علاوہ بھی کوئی کام ہے؟ میرا حسن عمل ماضی' میرے اکابرین ماضی' میرے صالحین ماضی' میرے چراغ ہائے یقین ماضی' میری عظمتوں کے سب نشان ماضی' میری ساری کائنات رنگین ماضی اب میں کیا کروں۔ مجھے اس موت سے بچا میرے خدا!

میرے اللہ! مجھے ایسا مستقبل دے' جو میرے حال کی پہچان سے عبارت ہو۔ مجھے ایسا حال دے' جو میری یاد سے ماسوا اور ماورا ہو۔ مجھے پھر سے زندہ کر' میرے مالک! میرے لئے تو اور تیرا حبیب ﷺ ہی کافی ہیں۔ مجھے یادوں کی خانقاہوں سے آزاد کر۔

میرے اللہ! مجھے پھر سے اپنا بنا' ہمارا بن جا' راضی ہو جا۔ تو ہمیں آج شعور عطا فرما۔ ہم نئی یادیں لکھیں۔ نئے عزائم لے کر نئے مستقبل کی طرف نئے انداز سے آغاز کریں۔ نئے سورج تراشنے کیلئے نئے حوصلے دے۔ یادیں اور صرف یادیں' باتیں اور صرف باتیں عمل کے پاؤں میں بھاری زنجیر ہیں۔ بس تیری یاد ہی کافی ہے اور کیا کیا یاد کریں ہم ناتوان لوگ!

مجھے دے جو میں مانگتا ہوں۔ مجھے حال کا تشخص دے۔ مجھے کوئی نیا نام دے' نیا ولولہ' نیا جذبہ' نئی امنگ۔

میں ایک عجیب قوم ہوں' ایک ایسی قوم' جس کی تمام تر روشنی ماضی میں ہے۔ جس کے پاس طاقتور یادگاریں ہیں' حسین مقبرے ہیں' مقدس مقامات ہیں' بڑے بڑے ایام ہیں' یاد ایام ہے' جس کا مزاج روایت پرستی ہے' جسے آئینہ ایام میں صورت حال تلاش کرنے کا شغف ہے۔ میں ایک عظیم و قدیم قوم ہوں' جس کے پاس بڑی بڑی وارثتیں ہیں' بڑی بڑی یادیں ہیں۔ میں عجیب قوم ہوں۔ میری کربلا کب کی ختم ہو چکی ہے' لیکن میں ایک غریب فرد ہوں۔ میری کربلا جاری ہے۔ میں یادوں کے حصار میں جکڑا ہوا ہوں۔

میرے مالک! مجھے آزادی دے۔ یادوں کے جزیروں' خوابوں اور سرابوں کے جزیروں سے نکال مجھے۔ مجھے اذن گویائی دے' مجھے سکوت کے برفانی غاروں میں منجمد نہ کر' میں بے کیف یکسانیت سے گھبرا گیا ہوں' مجھے اپنی نئی شان دکھا' نیا جلوہ عطا کر' مجھے حال کا علم دے' حال کا عمل دے۔ میں دریا ہوں' مجھے تالاب نہ بنا۔ میں تیرا مسافر ہوں' مجھے مقامات کے جمود سے نکال' ذرے کو جمال آفتاب دے' قطرے کو وسعت بحر عطا کر' میرے حال کو ذوق علم دے' مستی کردار عطا کر' میرے ماضی کو ماضی ہی رہنے دے' میرے مولا! میں توحید پرست ہوں' میں یادوں کا بت توڑ رہا ہوں' میں یادوں کی کشتیاں اور کشتیوں کی یاد جلا رہا ہوں۔ میرا ہر لمحہ اندلس کا ساحل ہے۔ میں زندہ ہوں' ماضی سے آزاد۔ حال میرا حق ہے۔ مجھے میرا حق دے میرے آقا!

☆

حال کے عمل سے ماضی کا عمل بدل سکتا ہے۔ ماضی کفر ہو تو کلمہ پڑھ کے مومن ہو سکتا ہے۔ حال مومن ہو جائے' تو ماضی بھی مومن۔

☆......☆......☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

آرزو اور حاصلِ آرزو

اگر آرزوئیں گھوڑے بن جائیں' تو ہر احمق شہسوار کہلائے گا' لیکن آرزو گھوڑا نہیں بن سکتی۔ آرزو ایک خوبصورت تتلی ہے' جس کو پکڑنے کی خواہش میں ہم نہ جانے کہاں سے کہاں نکل جاتے ہیں۔

آرزو کا دام سب سے زیادہ دلفریب اور سب سے زیادہ خطرناک ہے۔ اکثر ناکامیاں آرزو کا انعام ہیں اور اکثر انسان کشتگانِ آرزو ہیں۔ آرزو کیا ہے اور اس کا مدعا شکستِ آرزو کے علاوہ کیا ہے؟ اس پر بہت کچھ کہا جا سکتا ہے' لیکن آج ہم آرزو اور آرزو کے حاصل کے رشتوں کے بارے میں کچھ کہنا چاہتے ہیں۔

اگر آرزو حاصل سے بڑھ جائے' زیادہ ہو جائے' تو انسان دکھی ہو جائے گا' غریب ہو جائے گا' افسردہ رہنا شروع کر دے گا۔ آج کا انسان اسی المیے سے گزر رہا ہے۔ خواہشات اور آرزوئیں بڑھتی جا رہی ہیں' حاصل اور زندگی کی چادر سمٹتی جا رہی ہے اور انسان آسائشوں کی بھرمار کے باوجود کسمپرسی کی حالت محسوس کر رہا ہے۔ آج کی ترقی اور ترقی پذیری اور ترقی یافتگی نے انسان کو کثیر المقاصد بنا دیا ہے۔ وہ خواہشات اور آرزوؤں کے انبار تلے دب گیا ہے۔ آج کا انسان سسک رہا ہے' کراہ رہا ہے۔ آج کی خوشی صرف ضبطِ غم کا شعور ہے۔ آج کا معاشرہ اجتماعی حسرتوں کا قائل ہے اور نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسان مسرت کدوں میں خوش نظر آتا ہے اور غمکدوں میں تنہا ہے۔ اس کا اپنا گھر دعوتوں میں جگمگاتا ہے اور تنہائیوں میں ٹمٹماتا ہے۔

آرزو کا بے ہنگم پھیلاؤ انسانی وجود اور انسانی خون میں سرایت کر چکا ہے۔ لامحدود' خواہش ہو یا حاصل' محدود زندگی کیلئے عذاب ہے۔ ہم آرام کی آرزو میں ہی بے آرام ہو رہے ہیں۔ سکون کی آرزو میں آج کا انسان مضطرب ہے۔ قیام کی خواہش میں مسافر ہے۔ آرزو کے تعاقب نے انسان کو انسان سے اجنبی کر دیا ہے۔ انسان اپنے آپ سے اجنبی ہے۔ آرزو نے ہر انسان کو ایک تنہا جزیرہ بنا کر رکھ دیا ہے۔

اگر حاصل کو بڑھانے کی تمام تر کوشش ناکام ہو جائے' تو انسان اپنے آپ کو اپنی آرزو کا مقروض سمجھتا ہے' اپنی آرزو سے شرمندہ ہوتا ہے اور یہ ندامت اس سے اعتماد چھین کر اسے اس کی اپنی نگاہیں غیر معتبر بنا دیتی ہے اور جو انسان اپنی نگاہ میں معتبر نہ ہو' اس پر کون اعتبار کرے گا؟

اسی طرح آرزو کا حاصل سے بڑھ جانا یا حاصل کا آرزو سے کم رہ جانا انسان کے اندر احساسِ شکست پیدا کرتا ہے اور انسان بے سبب ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے۔ اس اعصاب شکنی کے بے رحم عمل سے گزرنے کے بعد انسان میں احساسِ کمتری کا پیدا ہونا لازمی نتیجہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کا انسان ہمارے دور کا انسان' ہمارے معاشرے کا انسان خود کو اپنے آپ سے غریب سمجھتا ہے۔ اپنے آپ پر ترس کھاتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ بھی کوئی زندگی ہے۔ وہ اپنے آپ کو مکمل طور پر نااہل قرار دے چکا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ہم من حیث القوم ختم ہو چکے ہیں۔ یہ بہتان تراشی آرزو کے پھیلاؤ کے دم سے ہے۔ حاصل آرزو تک نہ پہنچے' تو انسان اپنے آپ کو بدقسمت سمجھتا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہے۔ وہ کسی مستقبل پر یقین نہیں رکھتا۔ وہ اپنے فوری مستقبل اور مابعد سے مکمل طور پر مایوس ہو چکا ہے۔ انسان کو چاہئے کہ آرزو اور حاصل کے فرق کو کم کرے۔ آرزو کم کرنا مشکل نہیں ہے۔ جو چیز حاصل نہ ہو' اس کی تمنا کیوں حاصل ہو۔

آیئے دوسری حالت دیکھیں...... جس انسان کی آرزو حاصل سے کم ہو' ایسے لوگ بہت خوش قسمت ہوتے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو امیر سمجھتے ہیں۔ ان کیلئے یہ زندگی ایک گلستان سے کم نہیں۔ دراصل ایسے لوگ اپنی استعداد اور اپنی محنت کو بھی کسی کا احسان سمجھتے ہیں۔ انہیں ان کی محنت کا صلہ مل جائے تو اس صلے کو بھی کسی کا احسان مانتے ہیں۔ وہ ہمیشہ ممنون رہتے ہیں۔ ہر شے کے ممنون' ہر شخص کے ممنون' ہر واقعہ کے ممنون کم آرزو انسان سدا بہار ہوتا ہے۔ دنیا کے عظیم انسان ہمیشہ کم آرزو تھے۔ وہ جانتے تھے کہ اس دنیا میں کوئی شے ایسی نہیں' جو انسان کو ہمیشہ زندہ رہنے کی استعداد دے سکے۔ جب ہر چیز کو چھوڑ ہی جانا ہے' تو پھر حاصل کیا ہے' محرومی کیا ہے' جیت کیا ہے' ہار کیا ہے۔

غور طلب بات تو یہ ہے کہ انسان جو کچھ حاصل کرنا چاہتا ہے' وہ سب اس کے ذاتی کام کا نہیں ہوتا۔ وہ اپنا پیٹ بھرنے کیلئے دل و دماغ کی آزادی قربان کر دیتا ہے۔ آرزو سے آزاد دل ہی شہنشاہ ہے۔ زیادہ آرزو والے انسان کی جیب بھرتی ہے' لیکن اس کا دل نہیں بھرتا۔ وہ حاصل کرتا ہے اور اس حاصل کو استعمال کرنے سے پہلے خود ہی اپنے وجود سے نکل جاتا ہے۔

کم آرزو انسان بہر حال بہتر ہے۔ وہ اپنے اعتماد کا امین ہے۔ وہ اپنی نگاہ میں معتبر ہے۔ اسے حاصل ہونے والی نعمتوں کے تقسیم کرنے کا شوق رہتا ہے۔ وہ دنیا کو اپنے حال میں شریک کرنا چاہتا ہے۔ وہ اپنے آپ پر' اپنی زندگی پر' اپنے مستقبل پر' اپنے مابعد پر بڑا مطمئن رہتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں انسان کا سر نیاز بارگاہ بے نیاز میں سرنگوں ہو کر سرفراز ہو جاتا ہے۔

تیسری قسم کے لوگ وہ ہیں جو اپنے حاصل اور اپنی آرزوؤں کو رضائے الہٰی کے تابع کر لیتے ہیں۔ ایسے لوگ تو بس ایسے لوگ ہیں۔ ان کا کیا جواب' ان کا کیا کہنا۔

اگر زندگی اللہ کا حکم ہے' موت اللہ کا فرمان ہے' تو آرزو بھی اسی کے حکم سے ہے اور حاصل تو عین اسی کی منشاء کے مطابق ہے۔ ایسے لوگ کسی الجھاؤ کا شکار نہیں ہوتے۔ ان کے ہاں تقدیر اور تدبیر کے مسائل نہیں ہوتے۔ ان کے ہاں انسان کی مجبوری اور آزادی اور مختاری پر بحث نہیں ہوتی۔ ماننے والے دل سے مانتے ہیں۔ وہ صرف ماننا چاہتے ہیں' جاننا نہیں چاہتے۔

ایسے لوگ بہت قلیل ہیں' جن کی آرزو اور حاصل امر الہٰی کے تابع ہو۔ ایسے لوگ تسلیم و رضا کے پیکر' صرف آرزو سے بے نیاز' آزاد ہو کر اسی جہاں میں فلاح کی تصویر ہیں۔ آگاہ ہونے کے بعد ایک انسان کا کسی چیز سے امر الہٰی کے مطابق لگاؤ یا اجتناب بڑے نصیب کا مقام ہے۔ ایسے لوگوں کی زندگی ایک دریا کی طرح ہے' رواں دواں' خاموش' ساحلوں سے لگتا ہوا' بغیر تکلیف کے اذن الہٰی کے تابع' اپنی آخری منزل کی طرف

www.iqbalkalmati.blogspot.com

یقین کامل کے ساتھ گامزن۔ دریا کا مدعا نہ حاصل ہے نہ موجیں' بلکہ دریا کا مدعا وصال بحر ہے۔ سمندر سے نکلنے والا دریا آرزو اور حاصل کو تابع فطرت کر کے واپس سمندر تک بخیر و عافیت پہنچ جاتا ہے۔

چوتھی قسم کے لوگ ہی آخری قسم کے لوگ ہیں۔ ان کی آرزو ان کی مجبوری ہے۔ ان کی مجبوری اپنی بھی ہے اور کسی کی دی ہوئی بھی ہے۔ ہم جس طرح جانوروں کو ہانکتے ہیں' اسی طرح یہ طبقہ بھی مظلوم الطبقات ہے۔ انسان نے انسان کے ساتھ جو ظلم روا رکھا ہے' اس کی منہ بولتی تصویر یہ قسم ہے۔ یہ لوگ جن کی آنکھوں کی روشنی مدھم ہو چکی ہوتی ہے' کچھ دیکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ یہ لوگ غریب ہیں' لیکن یہ اتنے لاچار ہیں کہ اس امیر کی زندگی کے حالات سن کر خوش رہتے ہیں' جس نے ان کے حصے پر ہاتھ صاف کیا ہے۔ یہ لوگ اپنا حق نہیں جانتے۔ یہ لوگ بیل کے بھائی بیل ہیں۔ ان کی کمر بوجھ سے جھک جاتی ہے' لیکن ان کی زبان نہیں کھلتی۔ ان لوگوں کی تاریک راتوں کے دم سے ہی دنیا میں چراغاں ہے۔ ان کی خامشی نے ہی ظالموں کو گویائی عطا کر رکھی ہے۔ ان کی مجبوری اور ان کی غلامی نے دوسروں کو آزادیاں عطا رکھی ہیں۔

ایسے لوگوں کو آرزو اور حاصل کیا پتہ۔ وہ صرف زندہ ہیں' کہنے کو زندہ' دیکھنے کو زندہ...... لیکن درحقیقت انسانی معاشروں کے چہرے پر داغ ہے تو یہی طبقہ' جو آرزو سے بے خبر ہے اور حاصل سے بیگانہ۔

ایسے کسی ہمعصر محسن کے انتظار میں یہ طبقہ زندہ ہے۔ اس طبقے میں عقیدہ ہے' توانائی ہے' احساس نہیں ہے۔ اس طبقے سے اس کا عقیدہ اور اس کا تشخص چھینے بغیر اس کی خدمت کرنا باقی تمام طبقوں کا فرض ہے۔

غریبی دو قسم کی ہوتی ہے ایک مایوسی' ایک پر امید۔ مایوس غریب کفر کے قریب ہوتا ہے اور پر امید غریب' ایمان کی بدولت' اللہ کے حبیب ﷺ کے قریب ہوتا ہے۔

بہر حال حاصل اور آرزو کا کھیل ہی انسان زندگی کا دلچسپ ترین کھیل ہے۔ آرزو حاصل سے بڑھ جائے تو انسان غریب' حاصل آرزو سے بڑھ جائے تو امیر۔ حاصل اور آرزو برابر ہوں تو متوکل اور اگر انسان حاصل اور آرزو کے رشتوں اور ان کی اصل سے باخبر ہی نہ ہو تو انسان...... کوئی انسان ہے؟

☆......☆......☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

مقابلہ

انسان' انسان سے مقابلہ کرنے کو کامیابی اور ترقی کا زینہ سمجھتا ہے۔ زندگی کو زمانے سے مقابلہ کرنا ہے' بادِ مخالف سے ٹکرانا ہے' زندگی کو راہ کی دیواریں گرانا ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ:

انسان کی راہ میں ستم ہائے روزگار حائل ہیں۔

انسان کو گردشِ لیل و نہار سے مردانہ وار گزرنا ہے۔

انسان مسافر ہے' جس کی راہ میں فاصلے کی دیوار ہے۔

انسان کو انسانوں کے اژدہام سے راستہ لینا ہے۔

انسان کو فطرت کے ظلم سے نجات حاصل کرنا ہے۔

انسان کو خطرناک' ناہموار' اونچے اور دشوار پہاڑوں کی چوٹیاں سرکرنا ہے۔

انسان کا ہر شے سے' ہر موسم سے' ہر انسان سے' ہر بات سے مقابلہ ہے۔

انسان کی زندگی آزمائشوں کی زندگی ہے' دشواریوں کا زمانہ ہے' دکھوں اور آہوں کا تسلسل ہے اور یہ زندگی انسان کیلئے ایک مشکل امتحان ہے' ایک کڑی منزل ہے' ایک بے آب و گیاہ صحرا ہے۔

انسان ایک کشتی کی طرح سمندر کی تند موجوں کے رحم و کرم پر ہے۔

انسان دنیا میں اس لئے آتا ہے کہ وہ ایک شیشے کی طرح پتھروں سے ٹکراتا چلا جائے۔ انسان اس بے رحم جہاں میں ظالم فلک کے نیچے اپنی قوت برداشت کو ڈھال بنائے' اپنے جذبے کو تلوار بنائے' اپنے حوصلے کو بلند رکھے اور انجام کار اس دشمن جاں زمانے کو زیر کرے۔

انسان کو صرف کوشش اور مسلسل کوشش' صرف مقابلے اور مسلسل مقابلے کیلئے پیدا کیا گیا ہے۔ انسان کی راہیں اس کی بے مائیگی نے مسدود کر رکھی ہیں۔ انسان کو انسان سے بچنا ہے کیونکہ انسان انسان کو ڈستا ہے۔ انسان انسان کو ہڑپ کر لیتا ہے' نگل جاتا ہے۔ انسان انسان کا استحصال کرتا ہے۔ انسان انسان کو مجبوریاں دیتا ہے۔ انسان انسان کا سکون برباد کرتا ہے۔ انسان انسان کا سرمایہ لوٹ لیتا ہے۔ انسان انسان کی عزت خاک میں ملاتا ہے۔ انسان انسان کو حیوان بنا کے رکھ دیتا ہے۔ انسان انسان سے نجات صرف مقابلے سے ہی پا سکتا ہے۔ مقابلہ نہ ہو تو انسان انسان نہیں بن سکتا' ترقی نہیں کر سکتا' مہذب نہیں ہو سکتا' متمدن نہیں ہو سکتا بلکہ کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔

مقابلے کا یہ تصور' انسان کو اس کی اعلیٰ روحانی اقدار سے محروم کرنے کیلئے دیا گیا ہے۔ مقابلہ بین الطبقاتی ہو یا بین الاقوامی' ایک بے روح' مادی اور غیر فطری دبا ہے۔ زندگی کسی مقابلے کا نام نہیں۔ زندگی تو بس زندگی ہے' ایک عطا ہے' ایک انعام ہے' ایک نوازش ہے' ایک ایسا کرم جس کیلئے شکر ضروری ہے۔

تاریخ عالم فتوحات و شکست' جرائم و سزا کا ایک ریکارڈ ہی نہیں بلکہ یہ محسنین کی داستان بھی ہے۔ مقابلہ کرنے والا کچھ لینا چاہتا ہے اور محسن کچھ دینا چاہتا ہے۔ بادشاہ مقابلے کرتے رہے اور آخر کار کھنڈرات کی شکل میں اپنی عبرت کی داستان چھوڑ گئے۔ ظلِ سبحانی اور عالم پناہ کہلانے والے آنجہانی اور فانی ثابت ہوئے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

مقابلہ انسانوں میں نفرت کا بیج بوتا ہے اور مقابلے کی انتہائی شکل جنگ ہے' تباہی اور بربادی۔ انسانوں کی کھوپڑیوں پر بیٹھ کر شاہی فرمان جاری کرنے والے ہلاکو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے قابل نفرت رہے۔ انسان خون کے دریا بہانے والے آخر اسی دریا میں غلطاں نظر آئے۔ مقابلہ اپنے لئے فتح چاہتا ہے اور دوسروں کیلئے شکست اور یہی مقابلہ کی برائی ہے۔

زندگی کو جہاد مسلسل کہنے اور اسے جدوجہد گردانے والوں نے نہ جانے اسے کیا کیا بنا دیا۔ ہر ایک سے الجھنا' ہر مقام پر لڑنا' ہر بات پر بحث' ہر امر پر تبصرہ' ہر انسان سے دست و ''گریبانیاں'' ہر موضوع سخن پر لن ترانیاں' ہر شے کو مشکوک نگاہوں سے دیکھنا' ہر ایک کو نیچا دکھانے کیلئے کوشاں رہنا' ہر مقام اور صاحب مقام کی خامی بلکہ خامیاں تلاش کرنا' ہر نظام پر برہم ہونا' نکلتے سورج سے خائف رہنا' ڈوبنے والے ستاروں سے نالاں رہنا' صاحب حیثیت کو صاحب استحصال کہنا' غریب کو بزدلی اور بے غیرتی کے طعنے دینا' اپنے ماں باپ سے ناراض' اپنی اولاد کے شاکی' اپنے وجود سے بیزار' دوسروں سے برسر پیکار' زندگی کو تیشہ جاں اور حالات کو سنگ گراں کہتے رہنا' غور کو ناقابل فہم کرب مستقل میں مبتلا پانا' ہر طرف ظلم' استحصال دیکھنا' ہر جہاز کو پانی کی تہہ میں اترتے دیکھنا' ہر سفر کو مجبوری' ہر واقعے کو حادثہ کہنا' محبت کرنے والوں کو احمق سمجھنا' اپنی خود ساختہ دانائی کے قطب مینار سے زمین پر رینگنے والے ''کیڑے مکوڑوں'' کو تمسخر سے دیکھنا' کاوش پیہم کا راگ الاپنا غرضیکہ ہمہ حال بدحال رہنا ہی ایسے لوگوں کا مزاج بن کر رہ جاتا ہے۔

زندگی کو احمقانہ جھگڑالو پن سے علیحدہ کر کے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ نعمت ایک احسان ہے' ایک تحفہ ہے' ایک مسکراتا ہوا پھول ہے' خوشبو اور رنگوں کا امتزاج۔ زندگی رواں دواں ایک پاکیزہ دریا ہے' جو کناروں کو سیراب کرتا ہوا چلتا رہتا ہے۔ فیض ہی فیض...... تعاون ہی تعاون' برکت ہی برکت......

انسان کو کیا ہو گیا ہے۔ انسان کو کس کی نظر لگ گئی ہے۔ اس مسیحا کو کیا عارضہ لاحق ہے۔ اس معالج کو کیا روگ لگ گیا ہے' اس اشرف نے ہر شرف برباد کر دیا ہے۔

ہمیشہ رہنے کی خواہش نے زندگی کو عذاب بنا دیا ہے۔ انسان زندگی رہنے کیلئے مرتا جا رہا ہے' سسکتا جا رہا ہے۔ ہر شے کو ڈراتے ڈراتے خود ہی سہم گیا ہے۔

انسان کے اندر موہوم خطرات کے الارم بج رہے ہیں' صحت بیماری کی زد میں ہے' بیماری ڈاکٹر کے عذاب میں ہے۔ مسافر راہزن سے لرزاں ہے۔ اچانک کسی انہونی کے ہونے کا اندیشہ کھائے چلا جا رہا ہے۔

آج کے انسان کا یقین متزلزل ہے۔ اس کا ایمان ختم ہو چکا ہے۔ وہ بھوکا ہے مال کا' اسے ڈر ہے غریب ہونے کا' اس لئے اسے نفرت ہے ماضی سے' حال سے' مستقبل سے۔ اسے مقابلے کی دعوت ہے۔ اسے مقابلے کی تعلیم دی گئی ہے۔ اسے مقابلے کی اہمیت سکھائی گئی ہے اور اسی تعلیم میں اس کی صفات عالیہ ختم ہو گئی ہیں۔

جب تک انسان اپنے عقیدے کی اصلاح نہیں کرتا' وہ اسی طرح سرگرداں رہے گا۔ وہ ٹکراتا رہے گا' اپنا سر پھوڑتا رہے گا' زندگی کا گلہ کرتا رہے گا' زندگی سے الجھا رہے گا اور اسی الجھاؤ میں اس کی سانس اکھڑ جائے گی اور پھر یہ سارے مقابلے' ساری فتوحات' سارے تمغے' سارے سرٹیفکیٹ' سارے سرمائے دھرے کے دھرے رہ جائیں گے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

وہ دنیا سے اپنے حاصل کو لاحاصل چھوڑتا ہوا رخصت ہو جائے گا...... آندھی اور چراغ کو برسرپیکار دیکھنے والوں نے زندگی کو کیا دیکھا...... آنکھ والے اندھے رہے۔

آندھی آتی ہے' چڑیا کا نشیمن اڑ جاتا ہے۔ صبح وہی چڑیا اپنی تسبیح و مناجات میں نغمہ سرا ہوتی ہے۔ اسے کسی واقعے اور سانحے کی پرواہ نہیں۔ وہ بس مجسم تشکر ہے' سراپا نغمہ۔

انسان غور نہیں کرتا کہ اس کی بینائی کیا ہے...... آنکھ بنانے والے نے بینائی کو نظاروں کی خوراک مہیا کی ہے۔ نظاروں سے لطف اندوز ہونے کے بجائے انسان نے خود کو کج میں بنا کے رکھ دیا۔ وہ حسن و رنگ تلاش کرنے کے بجائے ان کے نقائص کا متلاشی ہو کر رہ گیا ہے' اس لئے کہ اسے مقابلے کا علم دیا گیا ہے۔ مطالعے اور مشاہدے سے محروم' مقابلہ ہی مقابلہ' جہالت ہی جہالت' حماقت ہی حماقت۔

انسان محفوظ ہونے کی آرزو میں غیر محفوظ ہونا محسوس کرتا ہے اور اس احساس کو مقابلے کے میدان میں لے جا کر اپنی زندگی برباد کرتا رہا ہے۔ وہ پستول کو اپنی جان کا محافظ سمجھتا ہے اور خود پستول کی حفاظت کرتا رہتا ہے۔ اسے کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کون کس کا محافظ ہے۔

وہ دولت اکٹھی کرتا ہے تاکہ غریبی سے بچ سکے اور پھر اس دولت کو خرچ نہیں کرتا کہ غریب نہ ہو جائے اور اس طرح دولت کی موجودگی میں غریبانہ زندگی بسر کرتا ہوا آخر کار ہلاک ہو جاتا ہے۔ غریبی کا مقابلہ کرتا ہے اور غریبی ہی میں زندگی بسر کرتا ہے۔ اپنے حال کے خود ہی مقابل ہے اور خود ہی خود کو ہلاک کرتا ہے۔

وہ امن چاہتا ہے اور اس کے حصول کو ممکن بنانے کیلئے جنگ کی تیاری کرتا ہے۔ امن کی خاطر جنگ... مقابلے کا کرشمہ ہے۔

انسان ترقی کرنا چاہتا ہے' فیکٹریاں لگاتا ہے' مکان بناتا ہے اور ہر لحہ' ہر لمحے سے مقابلہ کرتا ہوا فیکٹری اور مکان کو چھوڑتا ہوا ایک مٹی کے تاریک گھروندے میں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے روپوش ہو جاتا ہے۔

وہ بڑے بڑے ایام مناتا ہے' یادیں مناتا ہے' مقابلے بیان کرتا ہے...... پرانے مقابلے' پرانے واٹر لو...... پرانے پانی پت...... پرانے ابن قاسم' پرانے غزنوی...... پرانے سومنات......

وہ پرانی فتوحات پر نئے چراغاں کرتا ہے...... پرانی خانقاہوں پر نئے عرس مناتا ہے...... اور نئے چراغاں کے باوجود اس کے اپنے دل میں پرانے اندھیرے رہتے ہیں...... انسان نہیں سمجھتا۔ وہ کیسے سمجھے؟ ڈھول کی تھاپ پر اور طبلے کی تال میں دھمال ڈالنے والا انسان بھول جاتا ہے کہ انسان کو عقل نام کی دولت بھی ملی ہوئی تھی۔ نہ جانے یہ دولت کہاں ضائع ہو گئی...... وہ تو صرف مقابلہ کرتا ہے...... ڈھول کا ڈھول سے' طبلے کا طبلے سے' آواز کا آواز سے اور اسی مقابلے میں اتنا محو ہوتا ہے کہ اصل واقعہ ہی بھول جاتا ہے۔ بس مقابلہ یاد رکھتا ہے' دمادم مست قلندر...... نعرے لگاتا ہوا غافل انسان خاموش ہو جاتا ہے۔ یادیں مناتا ہوا خود فراموش ہو جاتا ہے۔

عقیدے کی اصلاح نہ ہو تو مقابلہ جاری رہے گا۔ خیال کا مقابلہ وہم سے' ہوا کا مقابلہ ہوس سے' روایت کا مقابلہ حقائق سے' خواب کا مقابلہ حقیقت سے' مذہب کا مقابلہ ضرورت سے' ذات کا مقابلہ کائنات سے اور سیاست کا مقابلہ سیأت سے۔

عقیدے کی اصلاح یہ ہے کہ ہم یقین کر لیں کہ زندگی دینے والے نے ان تین باتوں کا فیصلہ رکھا ہے:

www.iqbalkalmati.blogspot.com

1- زندگی کتنا عرصہ قائم رہے گی اور کب ختم ہو جائے گی۔ اسے کوئی حادثہ وقت سے پہلے ختم نہیں کر سکتا اور کوئی احتیاط اسے وقت کے بعد قائم نہیں رکھ سکتی۔ جب عرصہ قیام مقرر ہو چکا' تو مقابلہ کیا ہے۔ زندگی کا انجام جب موت ہی ہے' تو پھر یہ کوشش اور مقابلہ کیا ہے؟

2- عزت اور ذلت کوشش کے درجے نہیں' نصیب کے مقامات ہیں۔ ذرے کو آفتاب کب بننا ہے اور آفتاب کو گرہن کب لگنا ہے' اس کا فیصلہ ہو چکا ہے...... پیدائش کے ساتھ ہی نیک نامی اور بدنامی کے ایام پیدا ہو جاتے ہیں......اب مقابلہ کس بات کا؟

3- رزق مقرر ہو چکا...... مال کا رزق' سانس کا رزق' بینائی کا رزق' عقل کا رزق' ایمان و ایقان کا رزق۔ کوئی کوتاہی خوش حالی کو زوال نہیں دے سکتی۔ یہ فیصلہ ہو چکا۔ مقابلہ واہمہ ہے۔

تو صاحبانِ عقل و بصیرت! زندگی ایک مختصر عرصہ ہے' ایک محدود قیام' ایک قلیل دور۔ اسے بے مقصد دوڑ میں ضائع نہ کریں...... یہ محبت سے ملنے والا انعام محبت ہی کیلئے ہے اسے نفرتوں اور جھگڑوں میں برباد نہ کیا جائے...... یہ خالق کی اطاعت اور پہچان کا زمانہ ہے۔ اسے مخلوق سے مقابلے میں خرچ نہ کیا جائے...... یہ ایثار اور خدمت کیلئے ہے۔ اسے ہلاکت کی نظر نہ کیا جائے...... یہ متاع قلیل ہے۔ کافرانہ طرزِ حیات کی تمنا میں صرف نہ کی جائے۔ اتنا پھیلو کہ سمٹنا مشکل نہ ہو' اتنا حاصل کرو کہ چھوڑنا مشکل نہ ہو۔ سکونِ قلب آسائشوں کے حصول سے نہیں' اصلاحِ ایمان سے حاصل ہوگا...... ترقی کسی ایسی دوڑ کا نام نہیں جس کے آگے آگے لالچ ہو اور اس کے پیچھے خوف اور ندامت۔ ترقی ٹھہرنے' دیکھنے اور لطف لینے کا نام ہے...... یہ مقابلے...... یہ گردشیں' یہ کوششیں' یہ ہلاکتیں کس کام!!

ترقی خوبصورت اثاثوں کا نام نہیں' بلکہ خوبصورت احساس کا نام ہے' خوبصورت دل کا نام ہے۔ مکانات ترقی یافتہ نہیں ہوتے' مکین ترقی یافتہ ہوتے ہیں اور مکین انسان ہیں اور انسان کبھی سکون نہیں پائے گا' مگر اپنے خالق کے تقرب میں...... اشیاء کا تقرب ہمیں افراد سے دور لے جا رہا ہے اور انجام کار مقابلہ کرتے کرتے ہم اپنے آپ سے بہت دور نکل جاتے ہیں اور جب ہم ہی ہم نہ رہے تو مقابلوں سے کیا حاصل؟

☆

میرے سر پہ جو ٹوٹا تھا
میری قسمت کا تارا تھا
کتنی صدیاں سمٹ رہی تھیں
اک لمحہ جب پھیل رہا تھا
آج میں صحرا میں ہوں پیاسا
کل میں دریا میں ڈوبا تھا
وقت گزر جاتا ہے لیکن
وقت بہت مشکل گزرا تھا

☆......☆......☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

زمین و آسماں

انسان پر بڑا دباؤ ہے۔ آج کا انسان بہت پریشان ہے' بڑے کرب میں مبتلا ہے۔ انسان کیلئے کثرت اعمال کی مجبوری ہے۔ بہت کچھ کرنا پڑتا ہے۔ زندگی اپنی سادگی کھو چکی ہے۔ یک رنگی سے محروم ہے' ہماری زندگی۔

سب سے بڑا المیہ تو یہ ہے کہ سفر زمین کا ہے اور حکم آسمان کا۔ پریشانی تو ہوگی۔ ہم جہاں بھی جائیں' آسمان سر پر ہی رہے گا بلکہ سر پر سوار رہے گا۔ ہم چلتے ہیں اور چلتے چلتے رستہ رک جاتا ہے۔ کچھ نہ کچھ کہیں نہ کہیں ہو جاتا ہے۔ بات بنتے بنتے بگڑ جاتی ہے۔ گردش فلک ہمارے آڑے آتی ہے۔ ہمیں چین نہیں لینے دیتی۔ ہمارے پیچھے پڑی ہے۔ ہمیں آسمان سے کوئی نہیں بچاتا۔

ہم مجبور ہیں۔ پہلے ماں باپ کا دباؤ' پھر معاشیات کے حصول کا پریشر اور پھر اولاد کی ذمہ داریاں.... ہم کسی مقام پر بھی تو آزاد نہیں ہیں۔ آسمان نے ہمیں محتاج بنا کے رکھ دیا ہے۔ ہم دیکھنا چاہتے ہیں اور تعجب ہے کہ روشنی آسمان سے ملتی ہے۔ ہمارے اپنے پاس بجلی کی روشنی ہے' لیکن پھر یہ روشنی بھی پانی سے ملتی ہے اور پانی آسمان سے نازل ہوتا ہے۔ ہم پر ہر شے آسمان سے نازل ہوتی ہے۔ مجبوری' بیماری' تنگدستی' موت' سب آسمان کی طرف سے...... آسمان ہی ہم پر مجبوریوں کے پتھر برسا رہا ہے۔ ہمیں جکڑ کے رکھ دیا ہے' آسمان نے..... ہمارے گرد حصار ہے۔ وقت کا حصار' مجبوری کا حصار' بے بسی کا حصار' بے بضاعتی کا حصار...... ہم کہاں جائیں؟ ہمارے پاس اندھیرے اور اندھیر نگریاں ہیں۔

ہمارے لئے' ہمارے دور کیلئے کیا آسمان کے پاس اندیشوں اور مجبوریوں کے سوا کچھ نہیں؟ کیا آسمان اپنے سارے انعامات تقسیم کر چکا ہے؟ کیا سب ٹرافیاں جیتی جا چکی ہیں؟

ہم شعر کہیں تو ہمارے اشعار غالب کے متروک کلام کے ہم پلہ نہیں ہو سکتے..... بڑی ندامت ہے..... ہم ڈرامہ لکھیں تو اس کی انتہا یہ ہے کہ شیکسپیئر کے کسی ڈرامے کی گرد پا نظر آئے...... آسمان کے پاس کوئی نیا تحفہ نہیں... کوئی نیا ملکہ آسمان سے نازل نہیں ہوتا......

ہم بہت سچے محب وطن بن جائیں' تو قائداعظمؒ کے مزار کے مجاور کا درجہ نصیب ہو سکتا ہے۔ ہم بڑے مجبور ہیں...... ہمیں جب بھی منزلوں کا تازہ پیغام ملتا ہے' آسمان ہم پر ناراض ہو جاتا ہے۔ ایک نئی دیوار ہماری راہ میں نازل فرماتا ہے۔ ہم بڑے بے بس ہیں۔ آسمان ہماری بے بسی پر خاموش ہے۔ ہم پر غریبی نازل ہوتی ہے تو اتنی کہ ہم اپنی زندگی سے مایوس ہو جاتے ہیں...... اور دولت نازل ہوتی ہے تو اتنی کہ ہم دوسروں کو زندگی سے مایوس کر دیتے ہیں۔ آسمان ہمیں توازن میں رہنے ہی نہیں دیتا......!!

ہم علم حاصل کریں تو ہمیں کسی جاہل سے سابقہ پڑ جاتا ہے اور جاہل تو بس جاہل ہی ہے..... آسمان

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کی طرف سے نازل ہونے والا راہ کا روڑا...... کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عیسیٰ بھاگے جا رہے تھے...... ایک شخص نے دیکھا کہ یہ ہیں تو وہی۔ مگر بھاگے کیوں جا رہے ہیں۔ اس نے ڈرتے ہوئے کچھ پوچھنا چاہا...... حضرت عیسیٰ نے اشارہ کیا کہ وہ بھی بھاگے۔ وہ دوڑا...... اس نے پھر پوچھا کہ ''آپ عیسیٰ ہی ہو......'' انہوں نے کہا ''ہاں''...... اس آدمی نے کہا ''آپ وہی ہو جو مردے کو زندہ کرتا ہے۔'' انہوں نے کہا ''ہاں''...... اس نے کہا ''وہ جو بیماروں کو شفا دیتا ہے......'' انہوں نے کہا ''ہاں''! تو آپ بھاگ کیوں رہے ہیں...... '' انہوں نے کہا ''وہ دیکھ جو پیچھے آ رہا ہے۔ وہ احمق ہے......'' اس نے کہا ''اس کا بھی علاج کرو......'' عیسیٰ نے کہا ''احمق کا علاج نہیں' کیونکہ یہ بیماری نہیں...... یہ عذاب ہے...... یہ گرفت ہے...... اس سے بچنا ہی بہتر ہے......!! یہ آسمان سے نازل ہونے والی بلا ہے۔ اس سے پناہ مانگنے ہی میں عافیت ہے۔''

ہمارا دور ایسی بلاؤں سے بھرا ہے۔ یہ ابتلا آسمان کی طرف سے ہے۔ زمین والوں کو سراسیمہ کرنے کیلئے' ہماری مجبوریوں کو مزید مجبور کرنے کیلئے۔

ہم کتنے مجبور ہیں۔ صبح صبح گھروں سے نکلنے کیلئے مجبور اور پھر سرِ شام واپس لوٹنے پر مجبور۔ ضرورتیں اور مصروفیتیں بڑھتی جا رہی ہیں اور زندگی گھٹتی جا رہی ہے۔ ہر شخص ہمہ وقت مصروف ہے اور یہ مصروفیت بے مصرف ہے۔ یہ زندگی سسک سسک کے گزرتی ہے۔ کبھی آغاز رہ جاتا ہے' کبھی انجام رہ جاتا ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ دوستوں کے حلقے میں جان کے دشمن بیٹھے ہیں اور جان سے پیارے دشمنوں کے حلقے میں دکھائی دیتے ہیں...... ستم ہے' فلک ستم ایجاد کا...... انسان سوچتا ہی چلا جاتا ہے۔ ہماری سوچ ہمارے عمل کو یکسر معطل کر دیتی ہے۔ ہم کچھ سوچ بھی تو نہیں سکتے...... ہم پر ماضی کا بوجھ ہے' مستقبل کا وزن ہے۔ ہم سوچتے ہیں تو خیال آتا ہے کہ سب کچھ پہلے ہی سے سوچا جا چکا ہے۔ ماضی کے مفکر ہمارے راستے کی دیوار ہیں۔ ہر خیال پرانا ہے۔ ہر بات پہلے ہی کی جا چکی ہے۔

ہمارے افکار تازہ نہیں...... ہم کوئی نئی بات کریں' تو معلوم ہوتا ہے کہ ہم سے پہلے کوئی انسان کر چکا ہے۔ آسمان اپنے نوادرات لٹا چکا ہے۔ ہم پر تو صرف دباؤ ہی ڈالتا ہے۔ ہمیں ڈراتا ہے' بلائے ناگہانی سے۔ ہمیں خوف زدہ کرتا ہے' قحط سالی سے' تنگیٔ افکار سے۔ ہم پر صرف غریبی اور غریب الوطنی مسلط کر رکھی ہے' گردشِ فلک نے...... افلاک سے نالوں کا جواب اقبالؔ کو آتا ہوگا۔ ہماری فریاد پر تو آسمان کان نہیں دھرتا...... ہم پکارتے جا رہے ہیں' چیختے جا رہے ہیں' فریادیں کر رہے ہیں' التجائیں اور دعائیں کر رہے ہیں اور وہ ہے کہ ٹس سے مس نہیں ہوتا۔ اسے اپنی وسعتوں اور بلندیوں پر ناز ہے اور بجا ہے۔ ہم تحلیل ہوتے جا رہے ہیں۔ ہمیں مجبوری کی چکی پیس رہی ہے اور اسے اپنی آزادیوں پر فخر ہے اور بجا ہے۔ ہمیں کوئی ٹھکانہ نہیں ملتا اور اسے کسی ٹھکانے کی ضرورت ہی نہیں۔

ہم اندھیروں میں کھو گئے ہیں اور وہ روشنی کے خزانے لئے بیٹھا ہے۔ ہمارے پاس صرف روشنی کی تمنا ہے اور وہ بھی سہمی سہمی...... دبی دبی...... اور آسمان ہے کہ سورج اس کے' چاند اس کے' ستارے اس کے'

www.iqbalkalmati.blogspot.com

سیارے اس کے‘ سب روشنی اس کی‘ سب جلوے اس کے پاس‘ ہر منور شے اسی کے پاس۔ یہ زندگی ہمارے لئے شب فرقت بنی ہوئی ہے‘ رو رو کے کاٹ رہا ہے آج کا انسان۔ کراہ رہا ہے یہ دور‘ ہار ہستی ہے اور اس پر ستم بالائے ستم یہ کہ ایک عاقبت مسلط ہے..... طرفہ تماشا ہے..... زمین نے پاؤں پکڑ رکھے ہیں اور آسمان چابکیں مارتا ہے‘ ہانکتا ہے..... انسان کہاں جائے!!

آدمی پر بڑے آلام ہیں..... بڑے مصائب ہیں..... کڑے سفر ہیں‘ کالے کوسوں کی راہ ہے۔ رہگذار حیات میں نخلستان نہیں ملتا..... طوفانی سمندر میں جزیرہ‘ عافیت کا جزیرہ نہیں ہے..... اجنبی ہجوم ساتھ چل رہا ہے۔ اپنا کوئی نہیں۔ انسان خود اپنا نہیں‘ لیکن اس کے دل میں حصار وقت کی مجبوریوں کی توڑنے کی قوت پنہاں ہے..... انسان نے ''دیکھا ہی نہیں گرمیٔ رخسار کا عالم۔'' انسان جمع کئے ہوئے مال کو گنتا جا رہا ہے اور وہ بھول گیا ہے کہ پیسہ ہی تو مجبوری ہے..... اس مجبوری کو توڑا جا سکتا ہے..... پیسہ تقسیم کر دو..... ان لوگوں میں‘ جن کے پاس نہیں ہے۔

ہم آسمان کو کوستے ہیں‘ خود کو نہیں دیکھتے۔ ہم مجبوریوں کا نزول دیکھتے ہیں‘ آزادی کا پیغام نہیں سنتے..... آسمان ہماری زندگی کو بڑے پیغام دیتا رہا..... ہم پھر غفلت کی چادر تان کر سو جاتے ہیں..... آسمان سے روشنی آئی‘ نور آیا‘ نور مبین آیا‘ نور یقین آیا..... ہم غفلت میں رہے..... ہم وابستگیوں سے نکل چکے ہیں‘ اس لئے ہم اپنی انا کے جنگل میں پھنس گئے ہیں..... ہم خود کو آوازیں دیتے ہیں اور خود ہی جواب دیتے ہیں اور کہتے ہیں‘ یہاں کوئی نہیں!!

ہم اپنی زندگی پر خود ہی ترس کھانے لگ جاتے ہیں۔ ہم اپنے ماحول سے صرف حاصل کرنا چاہتے ہیں‘ اسے کچھ دیتے نہیں۔

ہمارے پاس آسمان کا پیغام آزادی آیا..... ہم نے غور نہیں کیا..... ہم نے مجبوریوں سے آزاد کرنے والی راہ اختیار ہی نہیں کی..... انسان جانتا ہے کہ اس کا قیام عارضی ہے۔ اس نے ہر شے‘ ہر شخص‘ ہر بات اور ہر ارادے کو چھوڑ جانا ہے۔ اسے بتا دیا گیا ہے کہ یہ بستی ہمیشہ بسنے والی نہیں۔ ہستی کا شجر سانس کی آری سے کٹ جاتا ہے۔

انسان بھول گیا اس عہد کو‘ جو اس نے کر رکھا ہے‘ اپنے پیدا کرنے والے کے ساتھ۔ انسان ہر مقام پر سرنگوں ہوتا ہے‘ ہر خواہش پر مرتا ہے‘ ہر آرزو سے بھیک مانگتا ہے اور نہیں مانگتا تو اس سے‘ جس کے پاس سب خزانے ہیں۔ زمین کے اور آسمان کے خزانے۔

ہم آسمان اور گردش آسمان کو اپنا مقدر ساز سمجھ بیٹھے ہیں اور وہ جس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا‘ اس سے ہم رشتہ استوار نہیں کرتے..... تقدیر پیدا کرنے والا ہمیں اپنی طرف شفقتوں اور رحمتوں کے پیغام بھیجتا ہے۔ اس نے ہمارے لئے اپنی رحمت کی انتہا کی ہے۔ اپنے محبوب ﷺ کو ہمارے لئے ہماری رہنمائی کیلئے بھیجا تاکہ ہم اس زندگی کے کرب اور اس کی بے معنی مجبوریوں اور بے مصرف مصروفیتوں سے نکل کر آزادی‘ دل کی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

آزادی کی منزلوں کی طرف گامزن ہوں......

ہم ضرور زمین پر رہتے ہیں...... ہم اپنی پیشانی زمین پر رکھتے ہیں تو جواب آسمان سے آتا ہے۔ دنیا نے ہمیں ہمارے عقیدے سے متزلزل کیا ہے۔ ہم بلاسبب اٹھ گئے...... ہر وقت گلہ کرتے ہیں' شکوہ کرتے ہیں' شکایت کرتے ہیں۔ خواہشات کا انبار لگاتے ہیں اور پھر سکون قلب کے نہ ہونے کا شکوہ۔ ہم کیوں نہیں اس راہ پر چلتے' جو راہ سیدھی ہے۔ جس راہ پر چل کر ہی سکون ملے گا...... ہم کیوں نہیں اس کے حکم کو مانتے...... زندگی کا حسن نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ ہم اپنے عظیم محسن ﷺ کا احسان بھول گئے...... ہم اپنے رہنما' اپنے محبوب رہنما کے نقش قدم پر کیوں نہیں چلتے۔ ہم نے بے شمار رہبر بنا لئے۔ کثرت قائدین نے قیادت کا مفہوم ہم سے چھین لیا۔ ہم جو کچھ زبان سے کہتے ہیں' دل سے اس کی نفی کر دیتے ہیں اور پھر وہی حال...... یعنی برا حال ہوتا ہے۔ جب ہم اپنی صداقت سے محروم ہوں' تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ دین صادق سے ہمیں سکون ملے...... یہ دین سچے انسانوں کا...... سچے انسانوں کیلئے ہے۔ یہ سچ کا راستہ ہے۔ آزادی کا راستہ' ہر جھوٹ سے آزادی' ہر تصنع سے آزادی' ہر فریب سے آزادی' ہر ایسی خواہش سے آزادی' جو ہمیں بعد میں پریشان کرے۔ ہم اپنی پریشان نظری کا علاج نہیں کرتے...... اپنی پریشان حالی کا رونا روتے ہیں۔ ہم شکم کو دل پر ترجیح دیتے ہیں' سکون کیسے ملے...... ہم اپنے دماغ کو اپنا رہنما مان لیتے ہیں اور یہ دماغ نیند کے غلبے سے نہیں بچ سکتا۔ ایک معمولی خواہش دماغ کو پریشان کر کے رکھ دیتی ہے۔

مالک کا حکم نہ مان کر ہمیں بڑے حکم ماننے پڑتے ہیں۔ اس کی اطاعت نہ کرنے سے ہمیں بڑی بڑی اطاعتیں کرنی پڑتی ہیں۔ اس کا سجدہ نہ کر کے ہم اپنی آرزوؤں کے آگے سجدہ ریزہ ہیں۔ جب تک اس سے وابستہ نہ ہو' انسان آزاد نہیں ہو سکتا۔ ایک ذات کی غلامی ہی ہزار غلامیوں سے نجات دے سکتی ہے۔ آسمان ہمارے ساتھ ہے۔ ہمارے اشارے کے ساتھ ساتھ...... شرط یہ ہے کہ ہم اس کے ساتھ ہو جائیں یعنی مالک کے ساتھ ہو جائیں...... زمین والے اس سے تعلق نہیں رکھیں' تو آسمان کی گرفت میں ہیں اور اگر زمین والے اس کے ہو جائیں تو آسمانوں کی وسعتیں گرد پا ہو جائیں۔ اللہ کے محبوب ﷺ زمین پر ہوں۔ آسمان اس زمین پر نثار اور اگر اللہ کے باغی چاند پر پہنچ جائیں' تب بھی وہ گرفت میں ہیں۔ شدید گرفت!!

☆

عمل' عمل کے تابع نہ ہو تو علم' علم کے مطابق نہیں رہتا۔ راز کی بات تو یہ ہے کہ راز جاننے والے کا عمل ہی راز آشنائی کا ذریعہ ہے۔

☆......☆......☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

طاقت

طاقت ایک مبہم لفظ ہے۔ اس کے معنی صرف استعداد یا قدرت کے ہی نہیں' اس کا مفہوم خوف پیدا کرنا بھی ہے اور اگر خوف زدہ انسان بے خوف ہو جائے' تو طاقت کمزور ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ طاقت دراصل خوف کی حدود میں بادشاہی کرتی ہے۔ لاخوف کے مدار میں طاقت کا گزر ممکن نہیں۔

طاقت کے معنی موقع محل کے مطابق بدلتے رہتے ہیں۔ ہم جس شے سے خوفزدہ ہوں' اس کو طاقت کہنا شروع کر دیتے ہیں۔ طاقتور شے جس شے کو خوف زدہ کرتی ہے' دراصل خود اس سے خائف ہوتی ہے۔ بچے ماں باپ کو طاقت ور سمجھتے ہیں اور جب یہ بچے بڑے ہو جائیں اور جوان ہو جائیں' تو ماں باپ ان کو طاقتور سمجھ کر ان سے خوفزدہ رہتے ہیں اور اس طرح طاقت اور خوف اپنی جگہ بدلتے رہتے ہیں۔

طاقت کا استعمال ابتدائے آفرینش سے ہی چلا آ رہا ہے۔ ہم دوسروں کو مجبور کرنے پر مجبور ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہمیں تسلیم کیا جائے' مانا جائے' جانا جائے' پہچانا جائے۔ ہم دلیل کی طاقت استعمال کرتے ہیں اور اگر یہ طاقت کام نہ کرے' تو ہم طاقت کی دلیل استعمال کرتے ہیں۔ ہم طاقتور ہونے کے جذبے کے سامنے بے بس ہیں۔

ہماری آدھی سے زیادہ زندگی اس خواہش ہی میں گزرتی ہے کہ طاقت حاصل کریں' طاقت کا نشہ سب نشوں سے زیادہ ہے۔ ہم علم حاصل کرتے ہیں' کیونکہ علم طاقت ہے۔ ہم دولت حاصل کرتے ہیں' کیونکہ دولت طاقت ہے۔ ہم تجربات کرتے ہیں' کیونکہ تجربہ طاقت ہے' ہم اقتدار حاصل کرتے ہیں' کیونکہ اقتدار طاقت ہے۔ ہماری جدوجہد طاقت کی بلند چوٹیوں تک پہنچنے کیلئے ہے۔

خوبصورت انسان اپنے چہرے کی طاقت پر مست ہوتا ہے۔ حسین چہرہ دوسروں کو غلام بنا لیتا ہے۔ حسن میں بڑی طاقت ہے۔ بڑے بڑے ارسطو اس طاقت کے سامنے بے بس نظر آتے ہیں۔

انسان کو زندگی میں بے شمار طاقتوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے' اس لئے اس کے پاس بے شمار اندیشے ہوتے ہیں۔ غریب ہونے کا خوف دولت کو بے پناہ طاقت بخشتا ہے۔ بے خوف غریب دولت کے طاقتور صنم کدے کا ابراہیم ہے۔

ہمیں گمنام ہونے کا خوف رہتا ہے' اس لئے ہم ناموری کی طاقت کو تسلیم کرتے ہیں اور ناموری نیک نامی اور بدنامی کے درمیان کہیں بھی ہو' ہمیں مجبور کر دیتی ہے جوں جوں انسان کا نام پھیلتا ہے' وہ اپنی ذات کو پھیلتا ہوا محسوس کرتا ہے۔ وہ حاوی ہونا چاہتا ہے' چھا جانا چاہتا ہے۔ اپنی شہرت کی طاقت کو برقرار رکھنے کیلئے وہ کسی خیر شر کی تمیز سے بیگانہ سا ہو جاتا ہے۔ انسان فتوحات کرتا ہے طاقت کے ذریعے' طاقت کیلئے۔ وہ انسانوں کو موت کا خوف دے کر اپنی زندگی کی طاقت منواتا ہے۔ فاتحین عالم تلوار اور آگ کا سہارا لے کر اپنی طاقت کا اظہار کرتے رہے ہیں۔ انسانوں کا قتل عام کر کے ان کے خوف سے اپنے چہروں کو سرخرو سمجھتے رہے ہیں۔

طاقت ہی انسان کی سب سے بڑی کمزوری ہے۔ حسن کی طاقت کے مقابلے میں انسان عشق کی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

طاقت لاتا ہے اور طاقت کا کھیل جاری رہتا ہے۔ منوانا اور انکار کرنا ازل سے چلا آ رہا ہے۔ کسی طاقت کا منکر اس کا ابلیس کہلاتا ہے۔ یہی انسانوں کی دنیا میں بھی ہے۔ کسی طاقت سے اکڑ کرنے والا باغی کہلاتا ہے۔ شیطان کہلاتا ہے اور ماننے والا مخلص اور محب کہلاتا ہے۔

بہرحال طاقت ایک عجیب راز ہے۔ ایک پراسرار شے ہے' جو انسان میں دوسروں سے ممتاز ہونے کا شوق پیدا کرتی ہے۔ انسان اپنے قد اور اپنی حد سے باہر نکل کر بھی دوسروں کو پست قامتی پر مجبور کرنا چاہتا ہے۔

طاقت کا استعمال انسانی تاریخ میں بڑے بڑے واقعات پیدا کرتا رہا ہے۔ لوگ اپنی دولت' اپنا وقت' اپنی عمر اور اپنی عاقبت خراب کر کے بھی دوسروں کو خوف زدہ کرنے سے باز نہیں رہتے۔ اگر خوف پیدا کرنے کے عمل کو ترک کر دیا جائے' تو یہ دنیا نہ جانے کیا سے کیا ہو جائے۔ ہر ماحول اپنے لئے طاقت کا الگ مفہوم رکھتا ہے۔ لفظ وہی رہتا ہے۔ لیکن معنی بدلتے رہتے ہیں۔ اس کا دائرہ بدلتا ہے' اس کی تاثیر بدل جاتی ہے۔

مثلاً اگر استاد شاگردوں پر طاقت استعمال کرے' تو اس کے معنی ایک آدھ چپت کے ہوں گے اور اس طاقت کا استعمال شاگرد کی زندگی کیلئے بہتر ہو سکتا ہے۔ استاد کی نیت اصلاح ہے۔ یہاں طاقت کا استعمال برائے اصلاح ہے۔ استاد کا خوف طالب علم کو علم کی لگن دے سکتا ہے اور اگر یہ خوف حد سے بڑھ جائے تو طالب علم میدان چھوڑ کر بھاگ نکلتا ہے۔ طاقت کا استعمال حد سے بڑھ جائے' تو اطاعت کی بجائے بغاوت پیدا کر سکتا ہے۔ جس طرح خوراک جسمانی طاقت کیلئے ضروری ہے' لیکن اگر خوراک کا استعمال حد سے بڑھ جائے' تو صحت کی تباہی کی علامت ہے۔

قوموں کی زندگی میں بھی کئی طرح کی طاقتیں کام کرتی ہیں۔ طاقت کے دم سے ہی سماجی اور معاشی نظام قائم رکھا جاتا ہے۔ پولیس ایک طاقت کا نام ہے' جو مجرموں کو خوف زدہ رکھنے کیلئے قائم کی گئی ہے۔ اگر یہ طاقت مجرم اور معصوم کے امتیاز سے آشنا نہ ہو' تو یہ طاقت بھی اپنے مبینہ مفہوم سے باہر ہو جائے۔

حکمرانوں کے پاس طاقت ہوتی ہے اور یہ طاقت ہونا چاہئے۔ اس کے دم سے حقوق و فرائض کے رشتے قائم رہتے ہیں۔ طاقت کا ہونا ضروری ہے۔ اس کا اظہار اور استعمال ضروری نہیں۔ طاقت کا کثرت سے استعمال طاقت کو کمزور کر دیتا ہے۔ والدین کی طاقت کا آخری استعمال یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی اولاد سے کہیں کہ "بیٹا! ہم آپ کے والدین ہیں۔" ماتحتوں میں مرتبے کی عزت و توقیر کا شعور نہ ہو' تو مرتبے کا اظہار بے معنی سا ہو کر رہ جاتا ہے۔

ہر ملک اپنے پاس فوج کی طاقت رکھتا ہے۔ یہ ضروری ہے' کہ اس طاقت کے دم سے ہی دشمن خائف رہتے ہیں اور اس طرح قوموں کی آزادی محفوظ رہتی ہے۔ جنگ کی تیاری امن کے تحفظ کا ایک ذریعہ ہے' لیکن اگر تیاریاں حد سے بڑھ جائیں تو امن کا مفہوم ہی ختم ہو کر رہ جاتا ہے۔ یہ عجیب تضاد ہے کہ آزادی کا خاتمہ بھی طاقت سے ہوتا ہے۔ آزادی کا مطلب خوف سے آزادی ہے۔ آج کی آزاد دنیا عظیم جنگی تیاریوں میں مقید ہے۔ ترقی یافتہ ممالک اپنی طاقت اس حد تک بڑھا چکے ہیں کہ ترقی پذیر اور پسماندہ ممالک کی آزادی کا مفہوم ختم ہو گیا ہے۔

طاقت کے نشے' طاقت کے حصول اور طاقت کے اضافے نے انسان سے آزادی اور آزاد خیالی چھین لی ہے۔ غلامی خوف کا دوسرا نام ہے۔ طاقت جب خوف پیدا کرتی ہے' تو آزاد انسان غلام بن کر رہ جاتا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہے۔ بڑی قومیں جب طاقت کے استعمال کی دھمکی دیتی ہیں' تو اس کا مفہوم مہذب دنیا کی مکمل تباہی کے قریب ہوتا ہے۔ طاقت کی زبان بولنے والے دنیا کو تباہی کے دہانے کی طرف دھکیل رہے ہیں۔

طاقت کے حصول اور طاقت کے اظہار نے انسان کو غافل کر دیا ہے۔ انسان دوسروں کو موت سے ڈراتے ڈراتے خود موت کے منہ میں جا پہنچتا ہے۔

ہر طاقتور کے اوپر ایک طاقت مسلط ہے' جو شاید محسوس نہ ہو' لیکن یہ اپنا کام کر رہی ہے۔ ہمارا ہر قدم موت کی طرف ہے۔ سانس کی آری ہستی کے درخت کو مسلسل کاٹ رہی ہے۔ کیا طاقت اور کیا کمزوری۔ ہم رواں دواں ہیں' اپنی آخری منزل کی طرف۔ فاتحین مفتوح ہو جاتے ہیں۔ طاقتور آخر کمزور ہو جاتے ہیں۔ خوف زدہ کرنے والے آخر خوف زدہ ہو کر رہتے ہیں۔ انسان اگر محسوس کرے کہ عزت دینے والے نے ہی سب انسان پیدا کئے ہیں اور سب کو زندہ اور آزاد رہنے کا حق ہے تو وہ ضرور اپنے لہجے کو بدل لے۔ طاقت غرور پیدا کرتی ہے اور خوف نفرت پیدا کرتا ہے اور نفرت حد سے بڑھ جائے تو بغاوت اور بغاوت طاقت سے ٹکرا کر اسے ختم کر دیتی ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ اصل حکومت دلوں پر حکومت ہے۔ دلوں پر حکمرانیاں کرنے والوں کی قبریں بھی روشن رہتی ہیں۔ اصل طاقت احترام پیدا کرتی ہے' خوف نہیں۔ شیر ایک طاقتور اور خونخوار درندہ ہے' خوف پیدا کرتا ہے' لیکن شیر کے پاؤں کا کانٹا نکالنے والے انسان کے سامنے شیر بھی سرنگوں ہو جاتا ہے۔

احسان کرنے والوں کی عزت ہے۔ محبت کرنے والوں کا احترام ہے۔ سب سے بڑی طاقت یہ ہے کہ انسان طاقت حاصل کرنے کی خواہش سے بھی آزاد ہو جائے۔ فتوحات کرنے کی خواہش کو فتح کر لیا جائے۔ ہم جتنے قلوب خوش کرتے ہیں' اتنی نیکی ہے اور جتنے دل زخمی کرتے ہیں' اتنی خامی ہے۔ چار دن کا میلہ ہے۔ خوش رہنا چاہئے اور خوش رکھنا چاہئے۔ انسان اللہ کو بہت پیارے ہوتے ہیں۔ ان سے پیار کرنا چاہئے' تاکہ اللہ عزت عطا فرمائے۔ یہ حقیقت ہے' اسے مان لینا ہی بہتر ہے کہ عزت اور قوت اللہ کی طرف سے ہے اور ان کا تحفظ اس کی مخلوق کی خدمت سے ہی ہو سکتا ہے۔

جو انسان اللہ کے زیادہ قریب ہے' وہ مخلوق کیلئے زیادہ رحیم ہے اور جو انسان یا قوم یا ملک مخلوق میں خوف پیدا کرتا ہے' وہ اللہ کے قریب نہیں ہے اور جو اللہ کے قریب نہیں ہے' اس کا مرتبہ حجاب' اس کی طاقت حجاب' اس کی شہرت حجاب' اس کا وجود حجاب۔ فرعون کی طاقت اور انا پرستی بے بس ہو گئی' اس انسان کے سامنے جو واحد اور لاشریک اللہ کی محبت میں عزت اور حقیقی قوت کا لازوال انعام حاصل کر گیا۔

☆

جن لوگوں کو آپ کی موت کا غم ہو سکتا ہے ان کو زندگی میں خوشی ضرور دینا!

☆

خوشی دینے والا ہی تو غم دے جاتا ہے!

☆......☆......☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

پردیسی

جب انسان ایک دوسرے سے بیزار ہو جائیں۔ اپنے آپ سے‘ اپنے مستقبل سے مایوس ہو جائیں‘ ان کی امیدیں غیر ممالک سے وابستہ ہوں‘ ان کے اثاثے‘ ان کا سرمایہ ملک سے باہر ہو‘ تو لازمی بات ہے کہ وہ اپنے وطن میں رہ کر بھی خود کو غریب الوطن محسوس کریں گے۔

ہر انسان پردیسی ہے۔ پردیس ہمارا محبوب دیس ہے۔ انسان کی مجبوری یہ ہے کہ اپنے محبوب کے وطن کو اپنا محبوب سمجھتا ہے۔ بیگانگی‘ اجنبیت‘ لاتعلقی‘ بے حسی‘ خود غرضی‘ مطلب پرستی‘ انا پرستی اور خود پرستی انسان کو کبھی وطن پرستی سے آشنا نہیں ہونے دیتی۔ ایثار‘ وابستگی‘ محبت اور ہمدردی کے فقدان نے دیس میں پردیس پیدا کر رکھا ہے۔ یہ صورتحال اندر ہی اندر یکجہتی‘ ہم آہنگی اور حب الوطنی کو گھن کی طرح کھائے جا رہی ہے۔

ویسے بھی اس دنیا میں خود کو پردیسی محسوس کرنا فطری بات ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ ہم کہیں اور سے آتے ہیں اور کچھ عرصہ قیام کے بعد ہم واپس بلا لئے جائیں گے۔ اپنے دیس کو جانا ہوگا...... یہاں ٹھہرنے کا مقام نہیں...... زندگی کے مقدر میں پردیسی ہونا لکھا جا چکا ہے۔ یہ تحریر کاتب تقدیر کی ہے‘ اٹل ہے...... اسے ہو کر رہنا ہے۔ پیر‘ پیغمبر‘ ولی‘ درویش‘ مردان خدا کوئی بھی ہو‘ یہاں مدام قیام نہیں کر سکتا۔ زندگی کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کی ایک نامعلوم موج ہمیں اس کنارے پر چھوڑ گئی ہے اور کسی نامعلوم مدت کے بعد کسی نامعلوم لمحے میں ایک نامعلوم لہر ہمیں اٹھا کر اس پار واپس پھینک دے گی۔

یہ روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ زندگی کے بارونق بازار سے لوگ رخصت ہو جاتے ہیں۔ شہر آباد رہتے ہیں‘ لیکن شہری بدل جاتے ہیں‘ چلے جاتے ہیں۔ ہر دس سال کے بعد چہرے بدل جاتے ہیں۔ گلیاں وہی‘ مکان وہی‘ شہر وہی‘ شہر کی رونق وہی لیکن وہ چہرے کہاں گئے۔ وہ مانوس و محبوب چہرے...... رخصت ہو گئے‘ چلے گئے‘ اپنے گھر...... کون سے گھر...... اپنے وطن...... کون سے وطن! اگر ان کا وطن کوئی اور دیس تھا تو یہ دیس...... ان کا‘ ہم سب کا پردیس ہے! عجب حال ہے۔ دیس میں پردیس‘ سب کیلئے‘ ہمیشہ کیلئے۔

ہر شہر میں‘ آباد شہر میں‘ بارونق اور جگمگاتے شہر میں قبرستان کا ہونا ایک عجب داستان ہے۔ یہ داستان اہل دل کیلئے عبرتوں اور حقیقتوں کا دبستان ہے۔ اہل فضل اور اہل فکر حضرات اپنے اصل دیس کا چکر لگاتے رہتے ہیں۔ سر پر غرور کا انجام نگاہ میں رکھتے ہیں۔ وہ تاجوری سے نوحہ گری تک اپنے حاصل کا لاحاصل دیکھتے رہتے ہیں۔

لڑکیوں‘ عورتوں اور خواتین کو بار بار سمجھایا جاتا ہے کہ یہ دنیا بابل کا گھر ہے اور وہ دنیا سسرال ہے اور ہر لڑکی کو سسرال جانا ہی ہوگا...... دراصل یہ اطلاع ہے‘ یہ اعلان ہے‘ یہ وارننگ ہے کہ جانا ہی ہوگا...... پردیس میں رہنے والو! اسے غلطی سے اپنا دیس سمجھنے والو! یہ سمجھ لو کہ جانا ہی ہوگا...... اس کے بغیر چارہ ہی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

نہیں دیس پردیس ہے اور ہم سب پردیسی ہیں۔ ہم سنتے ہیں اور بھول جاتے ہیں۔ دیکھتے ہیں اور بھول جاتے ہیں۔ ہمیں دعوت ہے کہ اے آنکھوں والو! سیر کرو دنیا کی اور دیکھو عاقبت ان جھوٹے مالکوں کی' جن کی اصل ملکیت کچھ نہ تھی۔ یہ عبرت کدہ ہے۔ وقت کا عبرت کدہ...... آج کے کھنڈر کل کے محلات تھے۔ آج جہاں الو بولتے ہیں' وہاں کل تک رونق تھی' روشنی تھی' ظلِ سبحانی کے جلال کا شہر تھا۔ آج وہاں کچھ بھی نہیں ہے۔ وہ پردیسی اپنے دیس کو چلے گئے اور چھوڑ گئے ویرانیاں اپنے بعد...... ہم سمجھتے نہیں' مالک بن بیٹھتے ہیں۔ زمین کو انتقال کراتے کراتے ہمارا اپنا انتقال ہو جاتا ہے اور یہ دیس نئے پردیسیوں کا انتظار کرتا ہے۔

بڑے بڑے شہروں میں تو ویسے بھی پردیسی رہتے ہیں۔ دور سے آنے والے یہاں مقیم ہوتے ہیں۔ پلاٹوں کی سیل (SALE) ہوتی ہے اور پھر وہی حال یعنی وہی برا حال...... جانا ہی ہوگا' اپنے گاؤں...... اپنے گاؤں کے ویران قبرستان میں۔ نامعلوم دیس کا پہلا سٹیشن...... اور پھر منزلیں...... منزل در منزل...... سفر در سفر اور پھر آئے گا اپنا دیس' اصل دیس...... جہاں سے سفر کا آغاز ہوا تھا...... اس واقعہ کو ہر روز آدمی دیکھتا ہے...... دیکھتا ہے اور بھول جاتا ہے اور اس وقت تک بھولے رہتا ہے جب تک اسے زور سے جھنجوڑا نہ جائے کہ آ گئی تیرے سفر کی باری...... گھر جانے کی گھڑی اور اب جانا ہی ہوگا' ناگزیر ہے۔

غور سے دیکھا جائے تو کرائے کے مکان میں رہنے والا ساری عمر خود کو پردیسی سمجھتا ہے۔ نہ جانے کب اسے مکان سے نکال دیا جائے...... آدھی سے زیادہ قوم کرایہ دار ہے' پردیسی ہے۔

ملازم پیشہ انسان کا کوئی دیس نہیں۔ آج یہاں کل وہاں۔ ان لوگوں کی زندگی کا اندازہ لگائیں کہ بیوی کہیں' خود کہیں۔

سوچنے کا مقام ہے۔ ریل گاڑیوں کو دیکھیں' کھچا کھچ بھری ہوئی۔ پردیسی آ رہے ہیں' پردیسی جا رہے ہیں۔ ہزار ہا بسیں ہمہ وقت سفر میں ہیں۔ پردیسی آ رہے ہیں' جا رہے ہیں۔ ہوائی جہازوں کی بکنگ...... ٹکٹ نہیں ملتا...... پردیسیوں کو۔ یا اللہ! تمام مسافروں کا کون سا دیس ہے۔ یہ کہاں سے آتے ہیں اور کہاں جا رہے ہیں۔

آج کی بین الاقوامیت نے دیس کے تصور کو ویسے بھی رد کر دیا ہے۔ ہم کسی دیس کے شہری نہیں۔ ہم دنیا کے رہنے والے ہیں۔ سب پردیسی ہیں' وطن میں' وطن سے باہر!

ہمارے سیاستدان سب پردیسی ہیں۔ کسی کی کتاب ہندوستان میں چھپتی ہے' کسی کی انگلستان میں اپنے اپنے دیس میں...... سیاست پرورش پاتی ہے۔ بیرونی ممالک میں اور پھر واپسی پر...... بہاریں ساتھ لاؤں گا اگر لوٹا بیاباں سے...... لیکن نہیں...... پردیسیوں کے کیا ٹھکانے...... جانے کب کیا ہو جائے۔ لندن میں بیٹھ کر دیسی لوگ پلاننگ کرتے ہیں' دیس کے بارے میں' اپنے دیس کے بارے میں' اپنے پردیس میں...... عجب حال ہے۔ پردیس ہی پردیس ہے۔

سب سے زیادہ حسرت ناک حالت ان پردیسیوں کی ہے' جو کسب معاش کیلئے باہر گئے...... بیرون

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ملک گئے ان کے عزیز ان کے انتظار میں یہاں پردیسی ہیں' وہ وہاں پردیسی۔ دولت کی ہوس نے جدائیاں پیدا کر دی ہیں۔ پیسہ آ رہا ہے اور عمر بیتی جا رہی ہے۔ حالات بہتر کرنے کی تمنا نے حالت خراب کر دی ہے۔ خواہشات کا پھیلاؤ' نمائش کی خواہش' آرائش کی تمنا نے مجبور کر دیا کہ اپنے محبوب بیٹے' محبوب خاوند کو وطن سے باہر بھیجا جائے۔ اب گھر میں انتظار ہے' خط کا انتظار ہے' پیسے کا انتظار' پیسہ بھیجنے والے کا انتظار...... جس کی خاطر گھر سجایا' وہی گھر میں نظر نہ آیا۔ حیرت ہے' افسوس ہے۔ ہم کیوں نہیں سادہ زندگی بسر کرتے۔ کیا غریب الوطنی کے بغیر گزر نہیں ہو سکتی؟

اور وہ لوگ' بیچارے' وطن سے دور یادوں کے سہارے دن کاٹ رہے ہیں۔ اوپر سے گزرنے والے طیاروں کو حسرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں کہ یہ جہاز وطن جا رہے ہیں اور وہ مجبور ہیں۔ اجنبی زمینوں پر' اجنبی فضاؤں میں' اجنبی لوگوں میں' اجنبی ماحول میں۔ وطن میں عزت کی زندگی گزارنے کی تمنا میں پردیس کی ذلت برداشت کر رہے ہیں...... مجبوریوں کا عذاب نازل ہو چکا ہے۔ ہم کیوں نہیں سمجھتے۔ دولت کی تمنا دلبروں کو دور کر دیتی ہے۔ انسان غریبی کا لقمہ نہیں کھاتا اور جدائی کا زہر کھا لیتا ہے۔ کیوں نہ بلا لیا جائے ان بیچاروں کو! وی سی آر نہ سہی' رنگین ٹی وی کے بغیر بھی زندگی گزر سکتی ہے۔ اپنے پیاروں کو جدا کر کے کون سا میوزک سنو گے؟ غریبی کے اندیشے سے نکل کر تم اور بڑے اندیشوں میں مبتلا ہو چکے ہو۔ تم سب ایک دوسرے کی یاد میں روتے رہتے ہو...... چند سکوں کے عوض اتنا بڑا عذاب...... جدائی کا عذاب...... بلا لو پردیسیوں کو دیس میں واپس!

وہ دانشور بھی پردیسی ہیں' جو سفرنامے لکھنے کیلئے مسافر بنتے ہیں۔ سفرنامے کی خواہش ہی پردیس کی تمنا ہے۔ جب خیال اور رفعت خیال کمزور ہو جائے' تو واقعات کا بیان آسان محسوس ہوتا ہے۔ خیال کے سفر سے جسم کا سفر آسان ہے۔ بہرحال آج کل سفرناموں کا دور ہے۔ مسافرت کی گھڑی ہے۔ پردیسی ہو جانے کے زمانے ہیں۔ پاسپورٹ اور ویزا اور این او سی کے حصول کا وقت ہے۔ جب تک خیال ایک مقام پر نہ ٹھہرے' ہم کسی مقام پر نہیں ٹھہر سکتے۔ ہمارا ہر خیال ابھی زیر تشکیل ہے۔ ابھی ہر شعبہ زیر منصوبہ بندی ہے۔ ابھی بڑے فیصلے باقی ہیں' ہمارے فیصلے اور پھر ہمارے بڑوں کے فیصلے۔ ہم لوگ عجیب حال میں ہیں۔ گھر میں پنجابی بولتے ہیں' محفلوں میں اُردو' دفتروں میں انگریزی...... عبادت عربی میں کرتے ہیں۔ ہر زبان پردیسی ہے۔ ہم کئی دفعہ پردیسی ہیں۔ ہم انگریزی زبان سے نجات حاصل نہیں کر سکے اور ہم سندھی' بلوچی اور پشتو سے ناآشنا...... بھائی کی زبان سے بےخبر۔ دور کی زبانیں بولتے ہیں اور یہاں خود کو پردیسی سمجھتے ہیں۔ بھائی بھائی کی زبان سے آشنا نہ ہو تو بھائی چارہ کیسے پیدا ہو۔

انسان گھر سے نکلے تو پردیسی ہو جاتا ہے۔ ساٹھ کلومیٹر کے بعد زبان کا لہجہ' الفاظ' ڈکشن بدل جاتے ہیں۔ ضلع ضلع کی زبان الگ ہے۔ ایک صوبے کا آدمی دوسرے صوبے میں مکمل پردیسی ہے۔ زبان اور لباس کی یکسانیت خیال میں یکسانیت پیدا کرتی ہے۔ اس یکسانیت کے بغیر ہم سب پردیسی ہیں۔ ایک دوسرے کے پاس ایک دوسرے سے ناشناس۔ دیس میں پردیسی۔ زندگی کے مقدر میں پردیسی ہونا لکھا جا چکا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہے۔ ہم تمام عمر زائر اور مسافر رہتے ہیں‘ کبھی اس آستانے پر‘ کبھی اس آستانے پر۔ کبھی اس طرف کبھی اس طرف...... اسلام عرب سے آیا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ہم بھی عرب سے آئے ہیں۔ اس لئے ہم روز عمرہ‘ حج‘ زیارتیں کرتے رہتے ہیں۔ ہندوستان میں ہمارے روحانی پیشواؤں کے آستانے ہیں۔ ہم ان کی جدائی میں پردیسی محسوس کرتے ہیں‘ خود کو۔

ہمارے فکری اور سیاسی پیشوا بھی دور بستے ہیں۔ ہم ان کے دیار کو بھی اپنے لئے دیس سمجھتے ہیں۔ ہم اپنے آپ سے یا تو مفرور ہونا چاہتے ہیں یا ہم سمجھتے ہی نہیں کہ ہمارا دیس کیا ہے۔ بہرحال ہمارے محبوب کی گلیاں ہی ہمارا دیس ہیں۔

دراصل ہم اس فانی جہاں میں بے قرار ہی رہتے ہیں۔ ہم سب پردیسی ہیں۔ جب تک ہم اپنے دیس نہ جائیں‘ ہمیں چین نہیں آئے گا...... ہمارا اصل دیس ہمارے پاؤں کے نیچے مٹی میں ہے یا سر کے اوپر آسمان میں ہے۔ وجود مٹی سے آتا ہے‘ مٹی کے دیس میں لوٹ جائے گا۔ روح آسمان یا لامکان سے آتی ہے‘ وہ وہاں پرواز کر جائے گی اور پھر قرار آئے گا‘ بے قرار پردیسی کو۔

ماٹی پر ماٹی چلے ‘ چلے ہزاروں رنگ
انت کو ماٹی جا ملے ماٹی ہی کے سنگ

☆

میں آرزوئے دید کے کس مرحلے میں ہوں
خود آئینہ ہوں یا میں کسی آئینے میں ہوں
تیرے قریب رہ کے بھی تھا تجھ سے بے خبر
تجھ سے بچھڑ کے بھی میں تیرے رابطے میں ہوں
ہر شخص پوچھتا ہے مرا نام کس لئے
تیری گلی میں آ کے عجب مخمصے میں ہوں
واصف مجھے ازل سے ملی منزل ابد
ہر دور پر محیط ہوں جس زاویے میں ہوں

☆......☆......☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ٹھہرتا نہیں کاروانِ وجود

اس کائنات میں کوئی وجود ہمیشہ کیلئے ایک جگہ پر موجود نہیں رہ سکتا۔ ہر چیز بدل جاتی ہے۔ ہر لمحہ دوسرے لمحات کو رستہ دے کر رخصت ہو جاتا ہے۔ سانس کی آری ہستی کے سایہ دار درخت کو کاٹتی چلی جاتی ہے اور آخر کار انسان ہر عمل سے بیگانہ ہو کر نامعلوم دنیا کی طرف رخصت ہو جاتا ہے۔ یہ کھیل جاری رہتا ہے۔

کائنات کا ذرہ ذرہ اپنا مقام بدلتا ہے۔ حالتیں بدلتی ہیں۔ حالات بدل جاتے ہیں۔ موسم بدل جاتے ہیں۔ ہر شے میں ہمہ وقت تغیر رونما ہوتا رہتا ہے۔ ہمہ حال تبدیلیوں میں قیام کی خواہش ہی انسانی زندگی کا طرہ امتیاز ہے۔ انسان جانتا ہے کہ یہاں اس دنیا میں ٹھہرنا ناممکن ہے۔ قیام کا امکان نہیں۔ اس سے پہلے بھی ہزارہا قافلے اس دشت بے اماں سے گزرے اور اپنے بعد ویرانیاں چھوڑ گئے۔ انسان جانتا ہے کہ اسے بھی جانا ہے لیکن وہ جانے سے پہلے کوئی کام ایسا کرنا چاہتا ہے' جو اس کے نام سے منسوب رہے۔ وہ مکان بناتا ہے۔ اس میں روشنیاں اور فانوس لگاتا ہے اور کچھ عرصہ کے بعد خود اندھیروں میں کھو جاتا ہے۔

ہمہ حال نئی شان والے پروردگار عالم نے ہر شے میں تغیر پیدا فرما کر حسن بخشا ہے۔ سارا جہاں حسن ہزار رنگ کے ساتھ جلوہ افروز ہے۔ کتاب فطرت کا ایک ایک ورق رنگ و نور سے مزین ہے۔ زمین خوشبو سے مہکتی ہے۔ کبھی آسمان اپنی گردشوں میں مست نظر آتا ہے۔ ہر طرف جلوے ہی جلوے ہیں۔ رونقیں ہی رونقیں ہیں۔ خالق کی قدرت کاملہ کے مظاہر دلفریب اور دلنشیں ہیں۔ پوری کائنات پر منور روح محیط ہے۔

سورج کو دیکھیں' اپنی آمد سے پہلے ہی جلوہ آرا ہوتا ہے۔ صبح کاذب ہو یا صبح صادق' نور کا پرتو ہے۔ سورج کی روشنی میں تحریک ہے۔ صبح پہلی کرن سے پھول کھلنے شروع ہوتے ہیں۔ سورج نکلتا ہے تو بس زندگی نکلتی ہے۔ چہکار اور مہکار کا دور شروع ہوتا ہے۔ ہر ذی جان حمد و ثنائے خالق کبریا میں مصروف نظر آتا ہے۔ چرند پرند' انسان' اشیاء' دریا' پہاڑ' ہوائیں' فضائیں سب متحرک نظر آتے ہیں۔ زندگی اپنا اظہار کرتی ہے۔ انسانی آنکھ محو نظارہ ہوتی ہے اور پورا منظر نامہ حسن کے لباس میں ملبوس دلکشی کی داستانیں بیان کرتا ہے۔

صبح کی رونقیں دوپہر کے آرام میں سانس لیتی ہیں اور پھر دوپہر' سہ پہر اور شام اور پھر سکوت شام۔ سب آوازیں خاموش ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ تلاش میں سرگرداں وجود اپنے آشیانوں اور اپنے ٹھکانوں میں واپس آ جاتے ہیں اور اس طرح سورج اپنے جلوے بکھیرتا ہوا رخصت ہو جاتا ہے۔

رات چاند ستاروں کے حسن سے آراستہ ہو کر منظر نامے پر طلوع ہوتی ہے۔ ایک نئے قسم کا جلوہ نظر آتا ہے۔ جھلمل جھلمل ستاروں کی محفلیں بپا ہوتی ہیں۔ دل محبت سے معمور ہوتے ہیں۔ رات کے مسافر اپنی منزلوں کی طرف رواں ہوتے ہیں۔ کاروان وجود کسی حالت میں ٹھہرتا نہیں ہے۔ ہمہ حال حرکت' ہمہ حال گردش۔ ہر لحظہ نیا پن' ہر لمحہ انوکھی داستان۔ رات کی محفل روح کی محفل ہے۔ یادوں کے دریچے وا ہوتے ہیں۔ دل کی دنیا آبادی ہوتی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہے۔ ستارے چمکتے ہیں اور انسان کے دل و دماغ میں خیالات روشن ہوتے ہیں۔ سورج وجود کی خوراک مہیا کرتا ہے اور رات روح کی خوراک مہیا کرتی ہے۔ چاندنی راتوں سے وجد میں آئے ہوئے آہو کلیلیں بھرتے ہیں۔ چکور چاند کی طرف لپکتے ہیں اور لپکتے ہی رہتے ہیں۔ منزلیں دور ہوں' تب بھی ہمت پست نہیں ہوتی۔ حوصلے بلند ہوتے ہیں۔ راتوں کو تغیر جاری رہتا ہے۔ ہوائیں نیند کے تحفے لاتی ہیں اور انسان کی خدمت میں پیش کرتی ہیں۔

اس کائنات میں کوئی ستارہ' کوئی سیارہ' ہمہ حال ایک حال پر نہیں رہتا۔ جو خود نہیں بدلتے' ان کے گرد و نواح بدل جاتے ہیں اور یوں تبدیلی مستقبل طاری و جاری رہتی ہے۔

موسم ایک حال میں نہیں رہتے۔ ابھی گرمی تھی' ابھی برسات ہے۔ زمین خشک تھی' اب جل تھل ہے۔ خشک سالی کا موسم اور پھر سیلاب کے زمانے۔ دریا کبھی چاندی کے ایک تار کی طرح اپنے راستوں سے گزرتے ہیں اور کبھی سمندر بن کر کناروں کو اڑا لے جاتے ہیں۔ اس کائنات کا مزاج مبدل ہے۔ تغیر ہی اصول حیات ہے۔ موسموں کو خوئے انقلاب سکھانے والی ذات خود ہی ہمہ رنگ نیرنگ ہے۔ سرد ہوائیں چلتی ہیں' تو زندگی غاروں اور پناہ گاہوں میں چھپتی ہے۔ اولے اور برف باری کے مناظر بڑے دلچسپ ہیں۔ فطرت کبھی نغمات سناتی ہے اور کبھی فطرت ہنگامے بپا کرتی ہے۔ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں۔ زلزلے آتے ہیں۔ زمین کے اندر مخفی قوتیں اظہار کرتی ہیں اور زلزلوں کی ہیبت سے جہاں کانپ جاتا ہے۔ قدرت کے کارخانے میں کوئی پرزہ ساکن نہیں۔ سکون اس کارخانے میں ناممکن ہے۔ ہر شے تیزی سے بدل رہی ہے۔

عروج و زوال کی داستان ہے' یہ زندگی۔ اس میں کوئی حالت ہمیشہ رہ نہیں سکتی۔ کبھی خوبی اور عمل کے بغیر عزت اور عروج ملتے ہیں' کبھی خامی اور بد اعمالی کے بغیر ہی ذلت اور زوال سے دو چار ہونا پڑتا ہے۔ یہ عجیب بات ہے۔ زندگی کے مزاج میں قائم رہنا ممکن نہیں۔ اس میں کچھ نہ کچھ ہوتا ہی رہتا ہے۔

انسان ہنستا ہے۔ خوش ہوتا ہے۔ وہ اپنی زندگی پر ناز کرتا ہے اور اسی دوران کسی نامعلوم وجہ سے اس کی ہنسی آنسوؤں میں بدل جاتی ہے۔ خوشی رخصت ہو کر غم دے جاتی ہے۔ انسان جس حالت پر فخر کرتا ہے' اسی حالت پر افسوس کرنے لگتا ہے۔ مبارک دینے والے تعزیت کرنے لگتے ہیں۔

یہ تغیرات ہیں۔ ہر آدمی کے سر پہ کتبہ گڑا ہے۔ کون کس سے تعزیت کرے۔ اس دنیا میں ٹھہرنے کا مقام ہی نہیں۔ مسلسل تبدیلی' مستقل تغیر۔ ہمہ حال' نیا حال۔ اس میں کوئی قرار نہیں' کوئی اماں نہیں۔ انسان کرسی پر بیٹھا بیٹھا بوڑھا ہو جاتا ہے۔ عمل نہ کرے تو بھی عمل جاری رہتا ہے۔ یہ بچپن کل کی بات تھی' گزر گیا۔ کھیل کود کے زمانے گزر گئے۔ کیوں گزر گئے۔ بس یہی قانون ہے۔ ہر حال گزر جاتا ہے۔ ہر جلوہ رخصت ہو جاتا ہے۔ ہر لحظہ بدل جاتا ہے۔ بچپن گیا' جوانی آئی۔ آئی کہ نہ آئی بہر حال چلی گئی۔ کیسے؟ کیوں؟ بس ایسے ہی۔ آنے والی شے جاتی ہے۔ جوانی اور بڑھاپے میں فرق نہیں رہتا۔ مستقبل کا خیال رہے تو انسان جوان ہے اور اگر صرف ماضی کی یاد ہی باقی ہو تو انسان بوڑھا ہے۔ بوڑھے انسان کے پاس مستقبل کے منصوبے نہیں ہوتے۔ صرف ماضی کی حسرتیں ہوتی ہیں۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

انسان سفر کا آغاز کرتا ہے۔اس کے پاس کتنے ہی راستے ہوتے ہیں جو راستہ چاہے اختیار کر لے۔ وہ آہستہ آہستہ راستے ترک کرتا جاتا ہے اور پھر ایک صبح اسے محسوس ہوتا ہے کہ اس کے پاس صرف ایک ہی راستہ رہ گیا ہے۔اب اس کی زندگی لامحدود امکانات سے محدود ممکن میں داخل ہوتی ہے۔ ہر انسان کے ساتھ یہ ہوتا ہے۔ کشادہ سڑکیں کم ہوتے ہوتے تنگ گلی تک آ جاتی ہیں اور یہ تنگ گلی ایسی ہے کہ انسان مڑ بھی نہیں سکتا' واپس نہیں جا سکتا۔بس آزاد انسان مجبور انسان بن کے رہ جاتا ہے۔

پھیلے ہوئے خیالات' پھیلے ہوئے پروگرام' پھیلے ہوئے آسمان سب سمٹ جاتے ہیں۔ ہر حال بدل جاتا ہے۔ ہر لمحہ نیا لمحہ ہے اور آخر کار قدرتوں والا انسان بے بسی کو تسلیم کر لیتا ہے موسم بدلتے ہوئے آخری موسم آ جاتا ہے' جس کے بعد کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ یہ آخری باب ہے' زندگی کا۔

یہ کائنات ہر حال میں بدلتی ہے۔بس ایک چکی ہے کہ چل رہی ہے۔ پیس رہی ہے زندگی کو اور جنم دے رہی ہے نئی زندگی کو۔ رنگ بنتے ہیں اور رنگ مٹتے ہیں۔ ایک رنگ جو ہمیشہ قائم رہتا ہے' وہ ہے اللہ کا رنگ' اس کا جلوہ۔ ہر شے تبدیل ہوتے ہوئے مٹتی چلی جاتی ہے' لیکن اللہ کا رنگ' شان والا اللہ نئی تابانیوں کے ساتھ قائم رہتا ہے۔ کائنات بدلتی ہے اور کائنات کو تبدیلیاں عطا کرنے والا قائم و دائم ہے۔ جوں کا توں۔ اس میں نہ کمی ہوتی ہے نہ اضافہ۔ وہ اپنے جلووں میں باقی رہتا ہے۔اس کے علاوہ ہر تبدیلی' ہر تغیر پیغام فنا ہے' ہر رنگ عارضی ہے۔ ہر اختیار بے بسی ہے۔ ہر حاصل محرومی ہے۔ ہر ہونا نہ ہونا ہے۔ہم سے کوئی ہماری عمر پوچھے تو ہم گزری ہوئی عمر بتا دیتے ہیں۔ جو اپنے پاس نہیں ہے' اس کو شمار کرتے رہتے ہیں۔ جو خرچ ہو گیا اسے گنتے رہتے ہیں۔ حالانکہ ہماری اصل عمر تو وہ ہے' جو باقی ہے۔ انسان سمجھتا نہیں۔ تبدیلیوں کے عارضے میں مبتلا انسان اور انسان کی زندگی اور گرد و پیش کی کائنات سب عارضی اور فانی ہے۔ یہ قافلہ ٹھہر نہیں سکتا۔ ہر ذرہ تڑپ رہا ہے اور مر رہا ہے۔ تغیر کو ضرور ثبات ہے لیکن یہ ثبات بھی متغیر ہے۔ اصل اثبات اس کیلئے ہے جو ذات ذوالجلال و الاکرام ہے۔ باقی سب وہم و خیال کی بدلتی ہوئی محفل ہے۔ باقی سب آرائش' جمال کائنات کا حسن ہے' لیکن یہی کائنات کا راز ہے اور یہ راز یوں آشکار ہوتا ہے کہ انسان سمجھ لیتا ہے کہ

''اوّل و آخر فنا باطن و ظاہر فنا''

☆

انسان عجب مخلوق ہے۔ خود تماشا ہے اور خود ہی تماشائی۔ انسان خود ہی میلہ لگاتا ہے اور خود ہی میلہ دیکھنے نکلتا ہے۔ ہجوم میں ہر انسان ہجوم کا حصہ ہے اور ہر انسان اپنے علاوہ انسانوں کو ہجوم کہتا ہے۔ تنہائیاں اکٹھی ہو جائیں تو میلے بن جاتے ہیں۔ نئے چراغ مل کر چراغاں بن جاتے ہیں۔

☆......☆......☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

عبادت

عابد اور معبود کے درمیان رشتہ عبادت ہے۔ معبود کے احکامات کی بجا آوری عبادت کہلاتی ہے۔ یہ احکامات اوامر و نواہی کی شکل میں ہمیں پیغمبر ﷺ کی ذات اقدس اور قرآن حکیم کے وسیلہ سے معلوم و وصول ہوتے ہیں۔ ان کی تعمیل بغیر عذر اور تردد کے عبادت کی اصل ہے۔

مسلمانوں کو عبادات کے مفہوم سے کماحقہٗ آگاہ کرنے کیلئے حضور اکرم ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ میں عملی کردار ادا فرمایا۔ عبادت کے اس مفہوم میں نہ اضافے کی گنجائش ہے، نہ تخفیف کی۔ نماز فرض ہے، تو سب کیلئے سب زمانوں میں فرض ہے۔ اسی طرح باقی عبادات۔ اس میں نہ کوئی کلام ہے نہ کسی بحث کی ضرورت۔ احکام عبادت میں کوئی ابہام نہیں۔ اس میں کوئی مزید وضاحت درکار نہیں۔ معبود کے احکام جاری ہو چکے ہیں۔ ان کی تعمیل پیغمبر ﷺ کے زمانہ سے آج تک من وعن جاری ہے۔ ملت اسلامیہ کا عبادت کا طریقہ کار وہی ہے جو حضور پرنور ﷺ کے زمانہ مبارک میں تھا۔

معبود کا حکم ہے کہ حرام نہ کھایا جائے۔ پس حرام مال سے اجتناب عبادت ہے۔ ماں باپ کا اس حد تک ادب کیا جائے کہ ان کے آگے "اُف" تک کا لفظ نہ کہا جائے۔ پس والدین کی خدمت عبادت ہے۔ غرضیکہ جو کچھ بھی معبود نے فرما دیا، اس پر یقین اور عمل عبادت ہے۔ جو کچھ کرنے کیلئے کہا گیا، وہ کیا جائے اور جس سے بچنے کیلئے کہا گیا، اس سے بچا جائے، یہی عبادت ہے۔ عبادت عقیدہ بھی ہے اور عمل بھی۔

ایک بات جو اس ضمن میں قابل غور ہے، وہ یہ ہے کہ ہمارا معبود ہمارا خالق بھی ہے۔ خالق نے مخلوق کیلئے تخلیق کے حوالے سے بھی فرائض عائد فرما رکھے ہیں۔ ان کی بجا آوری بھی عبادت ہی کہلائے گی۔ مثلاً خالق نے ہمیں انسان پیدا فرمایا۔ انسانیت کے تحفظ کیلئے جو اعمال ضروری ہیں، انہیں ادا کرنا عبادت ہے۔ اگر سانس لینا فرض ہے، تو سانس کی حفاظت عبادت ہے۔ خالق کی عطا ہوئی زندگی اپنے دامن میں فرائض کا انبار لئے ہوئے ہیں۔ ان فرائض کو پورا کرنا ہے۔ مثلاً رزق کمانا ضروری ہے، فرض ہے، مجبوری ہے۔ پس رزق کمانے کا عمل عبادت ہے۔ رزق کمانے کے بعد اس کی مناسب تقسیم عبادت ہے۔ اللہ کا حصہ اللہ کو دیا جائے، دنیا کا حصہ دنیا کو دیا جائے، اپنا حصہ اپنے استعمال میں لایا جائے، یہ عبادت ہے۔ اپنے استعمال میں آنے والے رزق کو مناسب استعمال کرنا بھی عبادت ہے۔ مطلب یہ کہ زندگی کو اپنے ماحول میں پرسکون بنانے کے ساتھ ساتھ اسے دین کے تابع رکھنا ہی عبادت ہے۔

حج، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ کی عبادات سب کیلئے یکساں ہیں، لیکن زندگی کے فرائض میں ہر انسان ہر دوسرے انسان سے مختلف ہیں۔ یکساں عبادت اپنی جگہ اٹل، لیکن غیر یکساں عبادت اپنی اہمیت کے لحاظ سے اتنی ہی اٹل ہے اور اس کا مفہوم ہر دور اور ہر زمانے میں ہر معاشرے کے ساتھ تبدیل ہوتا ہے، اس لئے زندگی کے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

فرائض بجا آوری میں اکثر وضاحتیں درکار رہتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یکساں عبادت یکساں نتیجہ نہیں پیدا کرتی۔ ہر نمازی نیک نہیں ہوتا۔ ہر مسجد کا ماحول ہر دوسری مسجد کے ماحول کے مساوی نظر نہیں آتا۔ اس لئے کہ زندگی اور زندگی کے تقاضے یکساں نہیں۔

نیت بدل جائے تو نیک عمل نیک نہیں رہتا۔ انسان اندر سے منافق ہو' تو اس کا کلمہ توحید کلمہ توحید نہ ہوگا۔ ہر چند کہ کلمہ توحید وہی ہے۔ قرآن بیان کرنے والے اور قرآن سننے والے اگر متقی نہ ہوں' تو قرآن فہمی سے وہ نتائج کبھی نہیں پیدا ہوں گے' جو قرآن کا منشاء ہیں۔

اللہ کریم کا ارشاد ہے کہ اگر منافق حضور اکرم ﷺ کی نبوت کی گواہی دیں' تو یہ بیان ہر چند کہ سچا ہے' لیکن منافق جھوٹ بول رہے ہیں۔ اسلام کے دشمن اگر مسجد بنائیں تو وہ مسجد گرا دی جائے۔ اس سے مساجد کا احترام مجروح نہیں ہوتا' بلکہ اس کے برعکس یہ مساجد کے احترام کا ہی عمل ہے۔

اگر مساجد میں عبادت جاری ہے اور اہل محلہ کی معاشرتی زندگی میں اصلاح کا عمل نہیں پیدا ہوتا۔ تو ایسی عبادت قابل غور ہے۔ نماز کا مدعا صرف نماز ادا کرنا ہی نہیں' بلکہ نماز کے انداز اور مفہوم کو زندگی میں رائج کرنا ہے۔ اگر زندگی سماجی قباحتوں میں بدستور گرفتار ہے اور نماز بدستور ادا کی جا رہی ہے' تو ایسی صورت حال پر بڑا غور ہونا چاہئے۔

مثلاً ایک عابد ڈاکٹر مریضوں کے حق میں صحیح نہیں' تو اس کیلئے' اس کی عبادت منفعت نہ لائے گی۔ اسی طرح اگر ہم تمام شعبہ ہائے حیات میں زندگی کے فرائض ادا نہ کریں اور معبود کی عبادتیں جاری رکھیں۔ تو یہ منشائے عبادت نہیں۔ منشائے عبادت یہ ہے کہ فرائض حیات بھی ادا کئے جائیں اور معبود کی عبادت بھی جاری رہے۔

اگر اولاد کی پرورش فرض ہے تو اولاد کیلئے صحت مند ماحول مہیا کرنے کا عمل عبادت ہے۔ ایک دوسرے کا احترام عبادت ہے۔ خالق کے اعمال کا احترام عبادت ہے۔ خالق نے یہ کائنات تخلیق فرمائی۔ انسان تخلیق فرمائے۔ کافر مومن' کالے گورے' صحت مند بیمار' محتاج غریب وغیرہ۔ ان کا احترام تخلیق کے حوالے سے فرض ہے اور دین کے حوالے سے ان کی اصلاح عبادت ہے۔ کافر کو دعوت اسلام دینا عبادت ہے۔ یہ دعوت محبت سے دی جائے یا قوت سے دی جائے' مفہوم کافر کی اصلاح ہے۔ منشائے اصلاح ہی عبادت ہے۔

اللہ کیلئے دعوت عمل صرف اللہ ہی کیلئے ہو' تو عبادت اور اگر اس میں انا یا نفس شامل ہو جائے تو عبادت نہ رہے گی۔ غور طلب بات یہ ہے کہ جب عبادت وہی ہے' معبود بھی وہی ہے تو نتیجہ وہی نہیں۔ کیوں؟

آج مسلمانان عالم اپنی عبادات کے باوجود اقوام عالم میں پسماندہ ہیں۔ کیوں؟ اگر اللہ کا پسندیدہ دین اسلام ہی ہے اور اس میں شک نہیں کہ ہے اور ہم مسلمان ہیں اسلام قبول کرنے والے تو ہماری زندگی ہمارے مالک سے قریب ہونے کے دعویٰ کے باوجود آسانیوں سے محروم ہے' تو ہمیں سوچنا پڑے گا کہ کچھ نہ کچھ کہیں نہ کہیں بگاڑ ہے۔ پانی کہیں مر رہا ہے۔

مسجد اقصیٰ مسلمانوں کیلئے ہی نہیں' اللہ کیلئے بھی محبت کی ایک یادگار ہے۔ یہودیوں کے قبضے میں ہے۔ ہم بے بس ہیں۔ اللہ تو بے بس نہیں (نعوذ باللہ)۔ کچھ نہ کچھ ہے' کہیں نہ کہیں۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

خانہ کعبہ مقام امن ہے۔ اس میں ایک شخص دعویٰ کرتا ہے کہ وہ مہدی ہے۔ مار دیا جاتا ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ اگر اس نے جھوٹ بولا تو خانہ کعبہ میں بولا۔ اگر وہ قتل ہوا تو خانہ کعبہ میں۔ دونوں حالتیں اسلام کے دعووں کیلئے قابل غور ہیں۔

ہم عبادت کرتے ہیں۔ دعائیں مانگتے ہیں۔ نیک اعمال کرتے ہیں' لیکن زندگی مشکلات سے باہر نہیں نکلتی۔ کیوں؟

مسلمانوں کے پاس سب سے زیادہ دولت ہے اور مسلمان ہی سب سے زیادہ غریب ہیں اور پھر بھی وہ مسلمان ہیں۔ اخوت کا درس اور چیز ہے اور اخوت کا عمل اور۔ مسلمانوں کیلئے تیل کے چشمے ہیں' سرچشمے ہیں اور مسلمانوں کے پاس چراغ کیلئے تیل نہیں۔

اگر اعمال یہودیوں کے سے ہوں اور عبادت مسلمانوں کی سی ہو' تو نتیجہ کیا ہوگا؟

محمد بن قاسم کا حملہ اس لئے ہوا کہ مسلمان خواتین کی بے حرمتی ہوئی تھی۔ محمد بن قاسم جلال خداوندی بن کر ناموس ملت کے تحفظ کیلئے تشریف لائے۔ آج اگر مسلمان مرد ہی مسلمان خواتین کی بے حرمتی فرمائیں' تو محمد بن قاسم کہاں سے آئے اور کیا کرے؟ بے بسی ہے!!

عبادت کے مفہوم کی وضاحت میں علامہ اقبالؒ نے کیا خوبصورت اشعار فرمائے ہیں

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز
بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

کتنا روح پرور منظر ہوگا' غزنوی و ایاز ایک ہی دربار میں یکساں حالت میں موجود ہیں۔ آقا و غلام کی تقسیم ختم ہوگئی۔ یہ عبادت کی اصل ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر منشائے عبادت آقا و غلام کی تقسیم ختم کرنا ہے' تو کتنی دیر کیلئے؟ صرف نماز میں؟ یہی عبادت کی اصل ہے اور یہی عبادت سے محرومی ہے کہ ہم صرف نماز میں بندہ و صاحب کی تقسیم ختم کرتے ہیں اور زندگی میں یہ فرق جاری رہتا ہے۔

اگر عبادت کی حالت زندگی میں رائج ہو جائے' تو عبادت کے نتائج حاصل ہو سکتے ہیں۔ غزنوی اور ایاز کی تقسیم ختم کرنے کیلئے عبادت فرض کی گئی اور ہم نے محمود اور ایاز کے درجے قائم رکھ کر عبادت ادا کی' اس لئے عبادت کی برکت زندگی میں شامل نہ ہو سکی۔ ایک آدمی آٹے میں ملاوٹ کرتا جا رہا ہے اور عبادت بھی کرتا جا رہا ہے۔ وہ نہ یہ کام چھوڑتا ہے نہ وہ' نتیجہ سامنے ہے۔ ایک انسان جھوٹا ہے اور سچا کلام سنایا جا رہا ہے۔ نتیجہ کیا ہوگا۔ متقی نہ ہو تو انسان قرآن سے فلاح نہیں پا سکتا۔ ایک کافر اگر قرآن پڑھ لے' تو مومن نہیں ہو جاتا۔ تقویٰ شرط ہے' ہدایت کیلئے۔

حضور اکرم ﷺ کی حیات طیبہ ہمارے سامنے ہے۔ آپ ﷺ کا مرتبہ اس کائنات کے تمام مراتب

www.iqbalkalmati.blogspot.com

سے بلند۔ آپ ﷺ کی ذات گرامی باعث تخلیق کائنات ہے۔ آپ ﷺ پر درود و سلام ہو۔ آپ ﷺ نے اپنے منصب کی بلندیوں کے باوجود اپنی زندگی کو اپنے جاں نثاروں کی زندگی کے برابر رکھا۔ آپؐ اللہ کے پاس تشریف لے جاتے ہیں اور لباس میں پیوند ہے۔ آپ ﷺ نے کبھی اپنے پاس مال جمع نہ رکھا' بلکہ آپ ﷺ نے دو وقت کا کھانا محفوظ رکھنا بھی پسند نہ فرمایا۔

عبادت کی تاثیر حاصل کرنے کیلئے یہ ضروری ہے کہ عابدوں پر زندگی کی نوازشیں یکساں ہوں۔ اگر ناہموار معاشی' سماجی اور معاشرتی زندگیاں ایک جگہ یکساں عبادت کے عمل میں مصروف رہیں اور سالہا سال رہیں تو بھی نتیجہ یکساں نہ نکلے گا۔ بلکہ کچھ نتیجہ نہ نکلے گا۔ ہماری عبادت اپنے ثواب سے محروم ہے' اس لئے کہ ہماری زندگی یکساں مواقع سے محروم ہے۔

یتیم کا مال چھین کر حج کرنے والا ظالم حج کے ثواب سے کیوں نہ محروم رہے۔ مسلمانوں کا حج مسلمانوں کیلئے وہ نتیجہ نہیں پیدا کر رہا' اس لئے کہ حج کے موقع پر تمام خرید و فروخت اس مال کی ہوتی ہے' جو یہودیوں کا بنا ہوا' جہاز ان کے بنے ہوئے' سامان ان کا بکتا ہے۔ یعنی حج ہمارا اور ثواب ان کو۔ ہم غیر مسلم معاشرے کی بنی ہوئی اشیاء خریدنے سے کیوں گریز نہیں کرتے؟

عبادت کے ثواب کو مسلمانوں کیلئے وقف کر دینا بھی عبادت۔ دل مومن نہ ہو تو عبادت کس کام کی؟ دل سے اللہ کو ماننا ہی عبادت ہے۔ مشکلات پر صبر کرنا عبادت' نعمتوں پر شکر ادا کرنا عبادت' اپنی منشا کو منشائے الٰہی کے تابع کرنا ہی عین عبادت ہے۔ محروم اور مظلوم کو حق دلانا عبادت ہے۔ اپنی زندگی کو بے ضرر بنانا عبادت کی ابتداء اور زندگی کو منفعت بخش بنانا اس کی انتہا۔ انسان جتنا اللہ کے قریب ہوگا' اتنا ہی مخلوق پر مہربان ہوگا۔ یہی اصل ہے کہ جو اللہ کے حبیب ﷺ ہیں' اللہ کے انتہائی قریب ہیں۔ وہی کائنات میں سب کیلئے رحمت ہیں۔ اللہ کی عبادت ہمیں مخلوق پر شفیق بناتی ہے۔ مخلوق پر ظلم کرنے والا' ان سے دھوکا کرنے والا' ان کی خوراک میں ملاوٹ کرنے والا جتنی عبادت کرتا جائے' بے فائدہ ہے۔ کسی کا حق چھیننے والا تقرب الٰہی کا دعویٰ کرے' تو یہ دعویٰ دلیل سے محروم ہے۔

عبادت اجتماعی فلاح کیلئے ایک حقیقی اور اسلامی راستہ ہے۔ عبادت انفرادی امتیاز نہیں۔ کشتی کنارے لگی' تو سب ہی کنارے لگیں گے' ورنہ سب کیلئے مشکل ہے!!

☆

اک عجب چال چل گیا رستہ
چلتے چلتے بدل گیا رستہ
آسماں تھا مری نگاہوں میں
پاؤں سے جب نکل گیا رستہ

☆......☆......☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

خوش نصیب

یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ خوش نصیب کون ہے۔ کسی بڑے خوش نصیب کی زندگی کا جائزہ لیں تو معلوم ہوسکتا ہے کہ خوش نصیبی کسے کہتے ہیں۔ ہمارے عقیدے اور معلومات میں پیغمبر ہی خوش نصیب ہیں۔ وہ لوگ جن کی زندگی دوسروں کیلئے ایک مثالی نمونہ ہے۔ جن کا ذکر بھی اہل فکر حضرات کیلئے سکون و برکت کا باعث ہے۔

اگر ہم کسی پیغمبر کی پوری زندگی کو غور سے دیکھیں تو یہ جان کر تعجب ہوگا کہ ان کی خوش نصیبی نے کیا کیا منظر دیکھے اور کیا کیا منزلیں طے کیں۔ ایک پیغمبر بیٹے کی جدائی میں روتے روتے بینائی سے محروم ہو گئے۔ پیغمبر ہیں اور بیٹے سے جدا اور بیٹا بھی پیغمبر۔ بیٹے کی پیغمبری کی ابتداء کنوئیں میں گرنے سے ہوتی ہے۔ خوبصورت اور خوب سیرت پیغمبر' بھائیوں کے ناروا سلوک سے آشنا اور پھر بازار مصر ہے اور پیغمبر کو بیچا جا رہا ہے اور پھر الزام تراشی اور قید خانہ کی صعوبت' معصوم ہیں' لیکن مقید۔ مصر کا مالک مصر کے قید خانے میں۔ عجب حال ہے۔ علم والے ہیں' عزت والے ہیں' مرتبے والے' حسن والے۔ اللہ کے اتنے قریب ہیں کہ قرآن میں آپ کے تذکرے ہیں۔ آپ کا ذکر احسن القصص ہے۔ آپ کا حسن مثالی ہے۔ خوش نصیبی کی انتہا ہے۔

ایک اور پیغمبر۔ خوش نصیب پیغمبر۔ کم و بیش ہزار سال تک اللہ کے دین کی تبلیغ فرماتے ہیں۔ دین کی خدمت کرتے ہیں اور آخر کار اپنے بیٹے کو طوفان کی نذر ہوتے دیکھتے ہیں۔ التجا کرتے ہیں' خدا سے التجا کہ میرا بیٹا بچا لو۔ حکم خداوندی آتا ہے کہ ''بیٹا جب باپ کے عقیدے پر ہی نہ ہو' تو کیا بیٹا' جانے دو لہروں کے سنگ۔'' پیغمبر ہیں اور خوش نصیب ہیں' اس لئے خاموش رہتے ہیں۔ نبوت سلامت رہتی ہے اور زندگی خوش نصیبی میں کٹ جاتی ہے۔

ایک اور پیغمبر مچھلی کے پیٹ میں' نبوت لئے' تقرب لئے' خوش نصیبی ہے' لیکن مچھلی کا پیٹ بھی ہے۔ کسی پیغمبر کو آرے میں چیر دیا جاتا ہے' اُف نہیں کی جاتی' کیونکہ اُف کرنا خوش نصیبی کے خلاف ہے۔ کتنے پیغمبروں کا ذکر کیا جائے۔ ایک پیغمبر گھر سے بے گھر۔ بادشاہ وقت سے مقابلہ' دولت والے کے خلاف۔ بادشاہت والے' سلطنت والے' دبدبے والے' انسان کے خلاف ایک پیغمبر' جس کے پاس مال و زر نہیں' تخت و تاج نہیں' بس صرف خوش نصیبی ہے۔ بادشاہ دریا کی موجوں میں غرق ہوتا ہے اور پیغمبر کو آسودہ منزل کر دیا جاتا ہے۔ پیغمبر کا مشن پورا ہو گیا' خوش نصیبی ہے۔ بڑا نصیب ہے۔

اور پیغمبروں کے ذکر میں اس آخری رسول ﷺ' عزت و شوکت والے پیارے نبی یعنی حضور اکرم ﷺ کا ذکر کیسے نہ آئے' آپ سے زیادہ دنیا میں کون خوش نصیب ہو سکتا ہے۔ ایک طرف اللہ اور اس کے فرشتے آپ پر درود بھیجتے ہیں' دوسری طرف دنیا میں آپ ﷺ کے جاں نثار آپ ﷺ پر درود و سلام اور نعت کے ہدیے پیش کرتے ہیں۔ آپ ﷺ ایسے خوش نصیب ہیں کہ اپنے تو اپنے' بیگانے بھی آپ کو عقیدت

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کے نذرانے پیش کرتے ہیں۔ آپ ﷺ اتنے خوش صیب ہیں کہ جو آپ ﷺ کا غلام ہو گیا' وہ بھی خوش نصیب کر دیا گیا۔ لیکن غور طلب بات ہے کہ آپ ﷺ کی زندگی کس کس راہ سے گزری۔ آپ ﷺ پر کیا کیا وقت آیا۔ کون کون سے مراحل آئے۔ آپ ﷺ سلطان الانبیاء ہیں اور آپ ﷺ پر کوڑا پھینکا گیا۔ آپ باعث تخلیق کائنات ہیں اور آپ ﷺ پر زمین تنگ کر دی گئی۔ ہجرت پر مجبور ہو گئے۔ آپ ﷺ نے کفار سے پتھر کھا کر اپنے بہنے والے خون سے انہی کفار کیلئے دعائیں لکھیں۔ کسی پر لعنت نہ بھیجی۔ خوش نصیبی کی انتہا ہے کہ پیوند والا لباس زیب تن ہے اور آسمانوں سے بلاوا آتا ہے کہ اللہ اپنے خاص بندے کو آج سیر کرائے گا۔ کیا کیا نہ دکھائے گا' کیا کیا نہ بتائے گا۔ کیا کیا نہ آشکار ہو گا۔ سب کچھ ہو گا۔ سب ماضی سے ملاقات ہو گی اور مستقبل کے بھی جلوے آشکار ہوں گے۔ امت کیلئے دعائیں منظور ہوں گی' رفعتوں کی مسافت طے ہو گی' قاب قوسین بلکہ اس سے بھی آگے۔ جلوہ' جلوے کے روبرو ہو گا۔ آئینہ آئینے کے روبرو ہو گا۔ انسان اللہ کے قریب ترین ہو گا۔ ایسا قرب کہ نہ کبھی ہوا نہ کسی کو حاصل ہو گا' لیکن لباس میں پیوند رہے گا۔ خوش نصیبی وجود کا ظاہر نہیں' وجود کا باطن ہے۔

یہ بات ہمیں سمجھ میں نہیں آسکتی کہ امام حسینؑ کیوں خوش نصیب ہیں۔ آپ پر کربلا گزری اور یہ بہت بڑی کٹھن منزل تھی۔ کیا کیا نہ ہوا۔ کون سا غم تھا جو نہ ملا ہو۔ کون سا مرحلہ تھا' جو نہ آیا ہو۔ مراحل ہی مراحل' مشکل ہی مشکل۔ خود مشکل کشا اور یہ ابتلا۔ مالک ذوالفقار کے اور پھر جلوے گردش روزگار کے۔ بڑے نصیب کی باتیں ہیں۔ تہ ب ے تیغے ہیں۔ زمین پر ہونے والا آسمانی کرشمہ۔ خود تماشا و خود تماشائی۔ عجب صورت حال ہے۔ خوش نصیبی کی شرح دلپذیر اپنے خون سے رقم کر رہے ہیں۔ سید الشہداء نے خوش نصیبی کو وہ رنگ عطا کیا کہ کہنے والے برملا کہہ اٹھے

حقا کہ بنائے لاالٰہ است حسینؑ

یہ سب حسین اوراق ہیں' خوش نصیبی کی کتاب مقدس کے۔ یہ سب مقطعات ہیں' خوش نصیبی کی الہامی کتاب کے۔ کون جانے اور کون سمجھے۔ علم کے مخفی خزانوں کی کنجیاں ہیں' ان خوش نصیبوں کے پاس۔ ساقی کوثر ہیں اور دریا کے کنارے پر پیاسے ہیں۔ یہ سب راز ہائے سربستہ کی کرشمہ کاریاں ہیں۔ آج کا انسان کیا جانے کہ خوش نصیبی کیا ہے۔ آج کسی کو غریبی اور پیغمبری اکٹھی مل جائے تو وہ پیغمبری سے استعفیٰ دے دے۔ اگر آج کے انسان کو دولت اور خدا میں سے ایک کو چننا پڑے' تو وہ دولت قبول کر لے گا۔ دل اور شکم کا قصہ تو اقبالؔ نے فرما دیا کہ

دل کی آزادی شہنشاہی شکم سامان موت

آج کا انسان صرف دولت کو خوش نصیبی سمجھتا ہے اور یہی اس کی بدنصیبی کا ثبوت ہے۔ آج کا انسان یا مسلمان زندگی فرعون کی پسند کرتا ہے اور عاقبت موسیٰ کی۔ بدقسمت ہے آج کا انسان۔ آسائشوں کا گرفتار' نمائشوں کا پرستار' آرائشوں کا پجاری' آلائشوں کی بیماری میں گراہ رہا ہے۔ اس کا دل بجھ چکا ہے' لیکن اس کے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

مکان میں قہقہے روشن ہیں۔ وہ لذت وجود کی لعنت میں گرفتار ہے۔ اسے کسی بڑے مقصد سے تعارف نہیں۔ وہ صرف سنچریاں ہی بناتا ہے اور پھر کلین بولڈ ہو کر رخصت ہوتا ہے۔

آج ترقی کو مدعائے حیات سمجھا جا رہا ہے۔ ترقی' کیسی ترقی' کس سے ترقی' کس پر ترقی۔ خوراک کی بجائے دوائی کھانے والا انسان کیا ترقی کرے گا۔ آسمان زیر قدم آ گیا۔ آسمانوں کی راہ ڈھونڈنے والا دل کی دنیا ویران کر چکا ہے۔ انسان' انسان سے اجنبی ہے۔ اپنے آپ سے بیگانہ' مقصد حیات سے بے خبر۔ خوش نصیبی کے مفہوم سے نا آشنا۔

خوش نصیبی کسی شے کا نام نہیں' سماجی مرتبے کا نام نہیں' بینک بیلنس کا نام نہیں' بڑے بڑے مکانوں کا نام نہیں۔ خوش نصیبی صرف اپنے نصیب پر خوش رہنے کا نام ہے۔ کوشش ترک کرنے کا مقصد نہیں۔ کسی خوش نصیب نے آج تک کوشش ترک نہیں کی' لیکن یہ کوشش بامقصد ہونی چاہئے۔ ایسی کوشش کہ زندگی بھی آسان ہو اور موت بھی آسان ہو۔ یہ دنیا بھی اچھی اور وہ دنیا بھی بہتر۔ ایسی زندگی کہ ہم بھی راضی رہیں اور ہماری زندگی پر خدا بھی راضی ہو۔

خوش نصیبی ایک متوازن کا نام ہے نہ زندگی سے فرار ہو نہ بندگی سے فرار ہو۔ ایک ایسا انداز کہ نہ لالچ ہو نہ کنجوسی' نہ بخل۔ لالچی انسان پیسے گنتا رہتا ہے' جمع کرتا ہے اور آخر کار عذاب کی گرفت میں آ جاتا ہے۔ کنجوس اپنی دولت کے استعمال سے محروم ہے۔ وہ کسی کے مال کی حفاظت کرتا رہتا ہے' استعمال کا حکم نہیں اور بخیل اپنے مال سے کسی کو کچھ نہیں دیتا۔ وہ ایسا سورج ہے' جس کی روشنی نہیں۔ ایسا دریا ہے' جس میں پانی نہیں' ایسا انسان ہے' جس میں انسانیت نہیں۔

خوش نصیب انسان حق کے قریب رہتا ہے۔ وہ ہوس اور حسرت سے آزاد ہے۔ وہ فنا کے دیس میں بقا کا مسافر ہے۔ اس کا دل جلوہ پرنور سے معمور ہے۔ وہ اپنے آپ پر راضی' اپنی زندگی پر راضی' اپنے حال پر راضی' اپنے حالات پر راضی' اپنے خیالات پر راضی' اپنے خدا پر راضی اور ہمیشہ ہمیشہ کیلئے راضی' سلام ہے خوش نصیبوں کی خدمت میں!!

☆......☆......☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اختلاف

جب تک رات اور دن قائم ہیں' اختلاف قائم رہے گا۔ اختلاف ہی شاید زندگی ہے' زندگی کا حسن ہے' زندگی کا دوام ہے۔ خالق نے تخلیق کائنات میں اختلاف لیل ونہار ہی نہیں' اختلاف عقائد' اختلاف مزاج' اختلاف مشاہدات بلکہ اختلاف حالات کو تخلیق فرما کر فن تخلیق کے کمالات کا اظہار فرمایا ہے۔

ہر عقیدے کے مخالف ایک عقیدہ ہے' ہر آرزو کے برعکس آرزو ہے' ہر مزاج کے روبرو ایک مزاج ہے' ہر جنس کے مقابل ایک جنس ہے' ہر انا کے سامنے ایک انا ہے۔ ہر خودی کی ضد ایک خودی ہے' ہر خوشی کے باطن میں غم ہے اور ہر مایوسی کے عالم میں امید جلوہ گر ہے......

دنیا میں اگر کوئی شے ناممکن ہے' تو ہم رنگی و یک رنگی عقیدہ ہے۔ اللہ کریم نے اپنی لامحدود قدرتوں نے سامنے اپنی ہی مخلوق میں سے ایک قوت' اپنی ذات کے مقابل' بغاوت و طاغوت میں قائم' بیان فرمائی ہے۔ قادر مطلق کے حکم مطلق سے انکار کرنے کا حوصلہ رکھنے والا کون ہو سکتا ہے؟ اگر ہے تو کیوں ہے؟ اسے جرأت انکار کیوں ہے؟ اسے موت کیوں نہ آئی؟ وہ فنا کیوں نہ کر دیا گیا؟ اگر شیطان نے بغاوت کی بھی تو اس بات کا بیان قرآن کی آیت کیوں ہے؟ اختلاف کو عالی ظرفی اور خندہ پیشانی سے برداشت کرنا بقائے حیات اور بقائے اختیار کا ثبوت ہے..... خالق مخالف کو تباہ نہیں کرتا۔ مخلوق مخالف کو تباہ کرنا چاہتی ہے۔ یہی خالق اور مخلوق میں فرق ہے۔ لوگوں نے قیامت کے بارے میں پوچھا..... اللہ نے ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ ایسی خبر کے بارے میں پوچھتے ہیں' جس میں ان کا اختلاف ہے۔ اختلاف مشاہدے کے بغیر ختم نہیں ہوتا اور قیامت کا مشاہدہ زندگی ختم کر دے گا۔ پھر لوگ جان لیں گے۔ ان کو علم ہو جائے گا اور وہ علم کیا علم ہوگا جو صاحب علم کو فنا کر دے۔

زندگی میں اختلاف ایسے ہے' جیسے فطرت کے مشاہدات میں اختلاف..... عجب حسن ہے' اختلاف کے عالم ہیں!!

پہاڑ ہیں کہ میخوں کی طرح گڑے ہیں۔ چٹانیں ٹھوس' قوی عزم کی طرح اٹل' اپنی جگہ قائم و دائم اور پھر پہاڑوں کے دامن میں وادیاں حسین وجمیل' دریا رواں دواں اور پھر میدان بچھونے کی طرح کشادہ اور پھر صحرا اور سمندر۔ پیاسے صحرا اور لبریز سمندر' عجب عالم ہے۔ حسن ہی حسن' جلوہ ہی جلوہ اور اختلاف ہی اختلاف!!

تیز ہوائیں' خاموش فضائیں' بلند آسمان' متحرک اجسام' منور سیارگان' تاریک راتوں میں روشن قمر' درخشندہ ستارے اور پھر سورج' بقا اور فنا کا بیک وقت پیامبر' سب اختلافات زیست کے حسین کرشمے ہیں۔

رونق حیات اختلافات کے دم سے ہے۔ گرمئی بازار نیرنگی اشیاء کے باعث ہے۔ شعور کی پختگی اور خیال کی بلندی اختلاف شعور اور اختلاف رائے سے ہے۔

عقیدے کی پختگی اختلاف عقیدہ کی برداشت کا نام ہے۔ ناپختہ عقیدہ چھوٹے برتن کی طرح جلد گرم

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہو جاتا ہے۔ سب سے قوی عقیدہ اس ذات گرامی کا ہے' جو کائنات کے ہر انسان کیلئے رحمت کا پیغامبر ہے۔ سلام ہو اس ذات پر' جو سب کی سلامتی کی خواہاں ہے' جس نے کسی کیلئے بددعا نہیں کی' جو ہر زخم کیلئے مرہم ہے' جو ہر دل سے پیار فرماتی ہے' جس کے پاس شفقتوں کے خزانے ہیں' جس نے کم ظرفوں کو عالی ظرف بنایا' جس نے اختلاف برداشت نہ کرنے والوں کو صبر و استقامت کی منزلیں عطا فرمائیں۔ بلند عقیدہ بلند دروازوں کی طرح آنے والوں کے استقبال میں کشادہ رہتا ہے۔ محبت نہ ہو تو عقیدہ بلند نہیں ہو سکتا اور محبت نفرت کی ضد ہے۔ عقیدوں سے نفرت انسانوں سے نفرت ہے اور انسانوں سے نفرت خالق کی محبت سے محروم کر دیتی ہے۔

اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ سب عقائد درست ہیں' قطعاً نہیں۔ درست عقیدے والا نادرست عقائد کو محبت سے بدل دیتا ہے۔ نفرت اور غصہ عقیدوں کی اصلاح نہیں کر سکتے۔ جس دل میں نفرت پرورش پائے' وہ خود عقیدے سے محروم ہو جاتا ہے۔

یہ بات ذرا پیچیدہ سی ہے' آیئے غور کریں:

اللہ کی زمین پر اللہ کے دیئے ہوئے رزق پر پلنے والے اللہ کے پیدا کیے ہوئے انسان اللہ کو نہیں مانتے۔ سوچئے کیا اللہ چاہتا ہے کہ سب لوگ ایک عقیدے میں شامل ہوں؟ کیا اللہ سب کو ہم عقیدہ بنانے پر قادر ہے کہ نہیں؟ اگر اللہ قادر ہے تو کیوں نہیں سب کو ہم عقیدہ بنایا؟ اللہ یقیناً قادر ہے اور اپنی قدرت کاملہ سے ہی عقیدوں کے اختلاف کے باوجود کائنات کے ہر انسان کو رزق عطا فرماتا ہے۔ یہ ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ نے اختلاف کو کبھی تباہ نہیں فرمایا یا مکمل طور پر اختلاف کا خاتمہ نہیں کیا...... شیطان اللہ کا دشمن ہے' لیکن ہے اور رہے گا!! اختلاف کا جواز یہ ہے کہ جنت پیدا فرمانے والے نے دوزخ کو بھی پیدا فرمایا۔ قوت اور صداقت ایک ہی طاقت کے نام ہیں اور اسی طاقت کو عقیدہ کہتے ہیں۔ یہ طاقت اختلاف پر برہم نہیں ہوتی۔ قوت بغاوت سے ڈرتی نہیں۔ صداقت آفتاب کی طرح ہے' جسے کسی کاذب اندھیرے کا ڈر نہیں ہوتا۔ عقیدہ اتنا مطمئن ہوتا ہے کہ اسے کسی اختلاف کا خوف نہیں ہوتا خوفزدہ عقیدہ عقیدہ نہیں رہ سکتا!! ساری کائنات بھی اگر مخالف ہو جائے تو اللہ اور اللہ والوں کو فرق نہیں پڑ سکتا!

عقیدے کی طرح سیاست میں اختلاف رائے حیات سیاست ہے۔ مخالف رائے کو تباہ کرنے کی آرزو کرنے والا دور عارضی رہتا ہے۔ جو زمانہ تاریخ میں داخل نہ ہو' وہ چاہے کتنا طویل ہو' عارضی ہوتا ہے۔ ہر انسان کو رائے دینے کا حق ہے' رائے رکھنے کا حق ہے' زندگی گزارنے کا حق ہے۔ ہمارا مخالف ہی تو ہمارا ثبوت ہے اور وہی ہماری تقویت بھی اپنے اپنے مدار میں گردشیں کرنے والے لامحدود ستارے آسمانوں کی رونقیں ہیں۔ اسی طرح کثرت رائے زندگی کی رونق ہے۔ جس طرح ہم اپنی رائے کو معتبر سمجھتے ہیں' اسی طرح دوسرا انسان بھی اپنی رائے کو معتبر اور مستند سمجھتا ہے۔ اپنا احترام مقصود ہو' تو اختلاف رائے کا بھی احترام ہونا چاہئے۔ اگر میں رات کو آفتاب دیکھتا ہوں' تو مجھے اس شخص کا بھی احترام کرنا چاہئے جو دن کو تارے دیکھتا ہے...... ہرچند کہ دونوں باتیں بظاہر ناممکن ہیں۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہم اپنی خوش فہمی کو آگہی کہتے ہیں اور دوسروں کی آگہی کو غلط فہمی...... تعجب ہے۔ یوم حساب سے پہلے ہم ایک دوسرے کی عاقبت خراب کرنے میں مصروف ہیں۔ ہم خود کو جنت کا مکین سمجھتے ہیں اور دوسروں کو دوزخ کا ایندھن...... حالانکہ معاملہ اس کے برعکس بھی ہوسکتا ہے۔

ہم خود کو اہم بلکہ بہت ہی اہم سمجھتے ہیں۔ ہم اپنے خیالات میں خود کو وی آئی پی سمجھتے ہیں۔ یہ ہماری کم ظرفی ہے۔ سیاست میں ہم اپنی جماعت کو محب وطن سمجھتے ہیں اور دوسری جماعتوں کو غدار۔ اپنی رائے پر مغرور ہونے والے انسان صحت رائے سے محروم ہو جاتے ہیں۔ ان پر اصلاح کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ وہ بھول جاتے ہیں کہ وہ انسان ہیں۔ خطا و نسیان‘ ظلم و جہالت کے پتلے!!

اختلاف کا احترام کرنا چاہئے۔ مخالف کی اصلاح محبت سے کی جائے‘ مروت سے کی جائے۔ مخالفت شعور میں نکھار پیدا کرتی ہے...... بادِ مخالف بلند پروازی کا زینہ ہے۔ اختلاف ہی بے قراری پیدا کرتا ہے۔ اختلاف کے دم سے زندگی جمود سے نکل کر تحریک بنتی ہے۔ حرکت زندگی ہے‘ جمود موت۔ اختلاف انقلاب و ارتقاء کا ذریعہ ہے۔

عظیم انسان اختلاف کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ زندگی کا وسیع تر اختلاف زندگی کا حسن ہے اور خالق نے زندگی کو اختلاف کے زیور سے مزید فرما کر اسے حسن بخشا ہے۔ ایک گھر میں پیدا ہونے والے اور ایک چھت کے نیچے پرورش پانے والے ایک انداز فکر نہیں رکھتے۔ ایک دستر خوان پر پلنے والے ایک جیسا ذائقہ نہیں رکھ سکتے۔ دنیا کی طرف رجوع کرنے والے اور آخرت پر نگاہ رکھنے والے الگ الگ رہیں گے۔ بھلا سونے والے اور جاگنے والے کیسے برابر ہو سکتے ہیں۔ ساری دنیا فوج نہیں بن سکتی کہ ایک ہی وردی میں ملبوس ہو۔ دنیا میں لباس الگ الگ رہے گا‘ مزاج الگ الگ ہوگا‘ رنگ الگ الگ ہوگا‘ عقیدے مختلف ہیں گے۔ دریا ہمیشہ رواں رہیں گے اور کنارے ساکن ہوں گے۔ پہاڑ بلند رہیں گے اور میدان کشادہ...... کنجوس کا دل تنگ رہے گا اور سخی کی پیشانی کشادہ۔ ہمارے عقائد‘ ہمارے تخیلات اور ہمارے رجحانات ہمارے ملبوس کی طرح الگ الگ رہیں گے۔ ان ملبوسات کے اندر ہمارا وجود‘ حقیقی وجود...... وجود واحد بے رنگ ہے‘ اس لئے ہم رنگ ہے۔ انسان انسان سے غیر نہیں‘ لیکن فکر اور عقیدہ الگ الگ......!!

ہر آنکھ میں آنسو یکساں ہیں‘ ہر دل کی دھڑکن ایک ہے‘ ہر ماں کی ممتا ایک۔ ہر مسافر ایک ہی سفر پر ہے اور تمام مسافر ہم سفر ہیں۔ ہر اثاثہ راہ میں لٹے گا۔ ہر آرزو ناتمام ہے۔ ہر آغاز ایک سے انجام پر ختم ہوگا۔ رنگا رنگ جلوے‘ ہمہ رنگ نظارے حسن اختلاف کے دم سے ہیں اور یہ اختلاف اس وقت تک ختم نہیں ہوتا جب تک بے رنگ کا جلوہ نظر نہ آئے۔ بے رنگ روشنی کے سب رنگ ہیں۔ سات رنگوں کے جلوے دراصل سفید رنگ کے دلفریب روپ ہیں۔ کثرت اس وقت تک سمجھ میں نہیں آتی‘ جب تک وحدت آشنائی نہ ہو اور وحدت اس وقت تک سمجھ میں نہیں آتی‘ جب تک کثرت شناسی نہ ہو۔ اختلاف حجاب ہے اور یہ حجاب اس وقت اٹھتا ہے جب اختلافات پیدا فرمانے والے کا فضل شامل حال ہو‘ نہیں تو نہیں۔

☆......☆......☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

السلام علیکم

آج کا کالم آپ حضرات کے خطوط کے جواب میں حاضر ہے۔ نہ جانے کیا ہو گیا تھا مجھے' کہ میں یکسر بدل سا گیا تھا۔ میں جب کسی شے کو دیکھتا' تو میری راہ میں بینائی حائل ہو جاتی۔ بولنا چاہتا' تو گویائی راستہ روک لیتی کہ آخر یہ سب کیوں؟ اپنی رام کہانی دوسروں کو سنانے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ جو میرے ساتھ بیت رہی ہے اسے ظاہر ہی کیوں کیا جائے؟ لیکن آپ حضرات کے خطوط اور ''نوائے وقت'' کے بروقت تقاضے سے کچھ محسوس ہوا کہ ایک دل کی بات ہر دل کی بات ہے۔ ایک قلب کا اضطراب سب قلوب کا اضطراب ہے۔ ایک انسان کی تلاش اور اس کا حاصل دوسرے انسانوں کی تلاش اور ان کے حاصل سے متعلق ہے۔ ہم خلاؤں میں نہیں رہتے اور اگر خلا میں بھی رہنے لگیں' تو بھی رابطہ کنٹرول ٹاور ہی سے رہے گا۔ سب انسانوں کی آنکھوں میں یکساں آنسو ہیں اور یہی ہے رشتہ انسان کا انسانوں کے ساتھ' انسان بہت کچھ بیان کرتا ہے اور بہت کچھ مخفی رکھنا چاہتا ہے' لیکن وہ اسے مخفی نہیں رکھ سکتا۔ دنیا میں کوئی راز ہمیشہ راز نہیں رہا۔ ہم مخفی رکھتے رکھتے خود ہی مخفی ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔

یہ عجیب بات ہے کہ گنج مخفی آشکار نہ ہو' تو گنج کیسے کہلائے۔ بات دعویٰ کی نہیں' بات احساس کی ہے اور احساس کسی مزید مشاہدے کا محتاج نہیں ہوتا۔ احساس اپنا ثبوت آپ ہے۔ جب ہم وادی احساس میں قدم رکھتے ہیں' تو بس اس سے نکلنا ہمارے بس میں نہیں رہتا۔ ہم احساس کو قابو کرتے ہیں اور احساس ہمیں قابو کر لیتا ہے۔ احساس شاید اپنی ہی آواز میں اپنا نوحہ بھی ہے اور اپنا قصیدہ بھی۔ اس آواز کو جتنا بند کرو' یہ اتنی ہی سر بلند ہوتی ہے۔ یہ آواز ہی طلسم ہوشربا ہے۔ یہ آواز آہ و فغان نیم شب کا پیغام بھی لاتی ہے اور حرف رائیگاں بھی نوشت کرتی ہے۔ خاموشی میں' رات کے سناٹوں میں یہ آواز شور مچاتی ہے۔ سینے کے اندر سے چلاتی ہے۔ مجھے آزاد کرو۔ مجھے بولنے دو۔ میں مر گئی تو تم بھی مر جاؤ گے۔ آوازیں بند ہو جائیں تو سمجھ لیجئے کہ کوئی سانحہ گزر رہا ہے۔ آواز خاموش نہیں ہو سکتی۔ آواز ہمیشہ بولے گی۔ تنہائی میں' محفل میں زندگی میں' زندگی کے بعد۔ آواز قائم رہتی ہے۔ زندگی ایک آواز سے شروع ہوتی ہے۔ حرف کن تو ایک صدا ہے' ایک اذن ہے' ایک آواز ہے۔ اس آواز سے ہی آوازوں کا سفر شروع ہوا اور یہ سفر لامتناہی ہے۔ آوازوں کو خاموش کرنے کی خواہش کچھ دیر کیلئے کامیاب ہو سکتی ہے لیکن پھر ایک ایسا وقت آتا ہے کہ خاموشی بذات خود ہی آواز بن کے رہ جاتی ہے۔ یہی وہ وقت ہوتا ہے' جب مخفی آشکار ہوتا ہے' جب خفتہ بیدار ہوتا ہے اور راز سر بستہ کا اظہار ہوتا ہے۔ اس میں کوئی الجھاؤ نہیں۔ سامع کا شوق ہی خاموشی کو گویائی عطا کرتا ہے۔

تو حضرات میں کہہ رہا تھا کہ میں نے خاموش ہی رہنے کا فیصلہ کر لیا تھا اور پھر یہ فیصلہ بھی پورا نہ ہوا۔ دنیا صبر کا گھونٹ بھی تو نہیں پینے دیتی۔ ہمارا آخری کالم شاید ''انتظار'' ہی تھا اور انتظار ہی قائم نہ رہ سکا۔ انتظار کو موت سے زیادہ شدید کہا گیا ہے' اس لئے کہ انتظار اور موت دونوں ہی فراق کو خاموش کر دیتے ہیں' لیکن انتظار خاموش نہیں رہنے دیتا۔ انتظار وصال کی آرزو میں فراق سے گزرنے کا تجربہ ہے اور یہ تجربہ اشکوں سے تحریر ہوتا ہے۔

میں نے پہلے ہی عرض کیا ہے کہ ہم سب انتظار میں ہیں۔ اپنی محنتوں کے معاوضے اور اپنے اعمال کی عبرتیں حاصل کرنے کیلئے ہم منتظر ہیں۔ خدا وہ وقت نہ لائے کہ معاوضے عبرتیں بن جائیں۔ وقت بدلا ہوا ہے۔ زمانے کا رنگ بدل گیا ہے۔ رگوں میں خون کی گردش کی رفتار بدلی ہوئی ہے۔ مزاج فلک برہم ہے۔ صاحبان بصیرت غور کیوں نہیں کر رہے کہ جس دور میں خواجگی بندہ پروری سے الگ ہو جائے' وہ دور بدنصیب کہلاتا ہے۔ اس امانت خانے سے حاصل کی ہوئی ہر چیز میں چھوڑ کر رخصت ہونا ہے اور ہم ایسا نہیں چاہتے۔ ہم بحیثیت قوم ایک ایسے مسافر کی طرح ہیں' جس کا اثاثہ اس کے سفر

www.iqbalkalmati.blogspot.com

میں رکاوٹ ہے۔ وہ اثاثہ نہیں چھوڑتا اور نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ سفر کا عزم اس سے چھن جاتا ہے۔ مسافر سفر نہ کرے' تو منزل سے محرومی ہی اس کا نصیب بن کے رہ جاتی ہے۔

غالباً ہم سب مجبور ہیں اور اسی مجبوری میں ہی ہم اپنی اپنی منزل کی طرف گامزن ہیں۔ غلام کو غلامی پسند نہ ہو' تو کوئی آقا پیدا نہیں ہو سکتا۔ غلامی خود آقا پرور ہے' آقا ساز ہے۔ نیاز مندی ہی بے نیازی کا ثبوت ہے۔ ہم خود ہی کسی کو بلندی بخشتے ہیں اور پھر اس سے اس بلندی کا فیض مانگتے ہیں۔ ہم خود ہی اپنے لئے عذاب ہیں اور خود ہی اپنے لئے ثواب۔ ہم خود ہی راہی ہیں' خود ہی رستہ' خود ہی مسافر' خود ہی ہمسفر' خود ہی منزل اور خود ہی محرومی منزل۔ ہماری لب بندی سے گویائی پیدا ہوتی ہے اور گویائی سے لب بندی بلکہ نظر بندی پیدا ہوتی ہے۔

تو عزیزان محترم! میں کہہ رہا ہوں کہ آواز زندگی ہے۔ اگر شکلیں مسخ ہو جائیں تو بھی ہم ایک دوسرے کو آواز ہی سے پہچانیں گے۔ آوازوں کے سمندر میں انسان کی گویائی ڈوب جاتی ہے اور ڈوبتے ڈوبتے ہی ایک نئی آواز افق سے گونجتی ہے۔ آواز کا طلسم سب سے بڑا طلسم ہے۔ عین ممکن ہے کہ آوازوں کا شور ہو اور زندگی کا نشان باقی نہ ہو۔ مشینیں انسانوں کی آوازیں پیش کر رہی ہوں اور انسان مشینوں کی دنیا سے نکل چکا ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ہر طرف بظاہر سناٹا ہو اور اس میں آوازیں گونج رہی ہوں۔ رات کے ہولناک سناٹوں میں انسان کا ماضی گونجتا ہے' مستقبل بولتا ہے۔ انسان ایسے پیغامات سنتا ہے جو نہ سنائی دینے والے ہوں اور وہ اجسام دیکھتا ہے جو نہ دکھائی دینے والے ہوں۔ دور کی آواز پاس سے سنائی دیتی ہے اور پاس ہی سے آنے والے خراٹوں کی آواز آہستہ آہستہ خاموش ہو جاتی ہے۔ انسان جب اپنے ہونے کا اور کوئی ثبوت نہ پیش کر سکے تو وہ صرف شور مچاتا ہے' بولتا ہے...... معنی والفاظ کے رشتوں سے بے نیاز۔

آواز کی تاثیر مسلم ہے۔ ایک آواز اطاعت پیدا کرتی ہے اور ایک بغاوت۔ ایک آواز خوف پیدا کرتی ہے اور ایک آواز شوق۔ آواز انسان کو محبوب بناتی ہے اور آواز ہی سے انسان ناپسند ہو جاتا ہے۔ آواز بڑی پر تاثیر ہوتی ہے۔ کسی کے منہ سے نکلی ہوئی آہ آسمانوں کو چیر جاتی ہے اور کسی کی فریاد بے حسی کے کانوں سے ٹکرا کر شرمسار ہو جاتی ہے۔ دلربا کی آواز ہی سر دلبری ہے۔ کرخت آوازیں دوزخ کے نگرانوں کی ہوتی ہیں۔ جنت کے مکین شیریں سخن ہوتے ہیں۔ آوازیں پیدا کرنے والے نے آوازوں کی رینج (RANGE) مقرر کر دی ہے۔ سب سے بری آواز گدھے کی ہے اور سب سے پیاری آواز سب سے پیارے انسان کی ہے۔ اللہ کو یہ آواز اتنی پیاری ہے کہ اس نے حکم دے رکھا ہے کہ خبردار! کوئی آواز اس کے محبوب ﷺ کی آواز سے بلند نہ ہو۔ ورنہ سب اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ آپ ﷺ کی آواز کے مقابل دنیا کی ہر آواز کا قد پست ہے۔ یہی راز ہے' یہی اس پیغام کی ندرت ہے جو آپ کی آواز نے عطا فرمایا۔ اب آپ ﷺ کی آواز ہی گرے ہوئے انسان کو سنبھالا دیتی ہے۔ آپ ﷺ کی آواز ہی ایک روشن مستقبل کی طرف نشاندہی کرتی ہے۔ آپ ﷺ کی آواز قلوب کو منور کرتی ہے۔ آپ ﷺ کی آواز زمین اور آسمانوں میں سب سے زیادہ مقبول آواز ہے۔ آپ ﷺ کی آواز پر چلنے والے مسافروں کی خدمت میں السلام علیکم۔

☆

جب تک توبہ کا دروازہ بند نہ ہو کسی آدمی کو برا نہ کہو!

☆

چھوٹے آدمی کو چھوٹا نہ سمجھو، بڑا آدمی بڑا نہ رہے گا!

☆......☆......☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

رزق

مخلوق کے خالق کا دعویٰ ہے کہ وہ زمین پر چلنے والے ہر جاندار کے رزق کا کفیل ہے۔ اس میں سب مخلوق شامل ہے۔ انسان' حیوان' کیڑے مکوڑے' مرغ و ماہی غرضیکہ ہر ذی جان اور ذی روح' بغیر کسی استثنا کے۔

رزق صرف یہی نہیں کہ جیب میں مال ہو' بلکہ ہماری ہر صفت رزق ہے اور ہماری ہر استعداد رزق ہے۔ بینائی رزق ہے' گویائی رزق ہے' خیال رزق ہے' احساس رزق ہے' سماعت رزق ہے' وجود کی طاقت اور لطافت رزق ہے' غم رزق ہے' خوشی رزق ہے' علم رزق ہے' محبت رزق ہے' حسن رزق ہے' ذوق جمال رزق ہے اور سب سے بڑی بات یہ کہ ایمان بھی رزق ہے۔

اس ہمہ رنگ رزق کے نزول اور حصول کے عمل پر غور کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ خالق کا دعویٰ کسی اور دلیل کا محتاج نہیں۔ وہ ایسا رازق ہے کہ بچے کے پیدا ہونے سے پہلے اس کے رزق کا انتظام کر چکا ہوتا ہے۔

آسمانوں سے مصفا اور مطہر پانی کی بارش کرنے والا خالق رزق کی ترسیل کے وسیع سلسلے رکھتا ہے۔ انسان سمجھ نہیں سکتا۔ آج کا انسان جھگڑالو ہو گیا ہے۔ وہ تسلیم سے حاصل ہونے والی تعلیم سے محروم ہو چکا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ رزق کے وسیع و عظیم پھیلاؤ کو دیکھتا ہے تو ہے' سمجھتا نہیں۔

بارش کے ساتھ رزق کا اتنا گہرا تعلق ہے کہ بارش کو ہی رزق کہہ دیا جاتا ہے۔ بارش کے ہونے سے رزق کے چشمے بلکہ سرچشمے جاری ہو جاتے ہیں۔ پہاڑوں اور جنگلوں میں اگنے والے ایک معمولی درخت کو دیکھیں' رزق سے بھرپور ہے۔ اس کی شاخیں پرندوں کا رین بسیرا ہیں۔ اس کا سایہ جانداروں کی پناہ گاہ ہے۔ لکڑی' طویل سلسلہ ہے رزق کا۔ جلانے والی ہو تب بھی لکڑی رزق ہے۔ عمارتی لکڑی تو سبحان اللہ۔ رزق ہی رزق ہے۔ فرنشنگ ہاؤس' شوروم' فرنیچر' گاڑیاں رزق کمانے والوں اور رزق کھانے والوں کیلئے نعمت ہے۔ درخت کی لکڑی نہ ختم ہونے والا خزانہ ہے۔ درخت بارش کی عطا ہے۔ بارش خالق کا عمل ہے۔ دعویٰ یہ ہے کہ رزق آسمان سے نازل ہوتا ہے۔ دلیل یہ کہ بارش میں صفت رزاقی ہے۔

زمین سے اگنے والے اناج کو بارش سے جو تعلق ہے' وہ محتاج بیان نہیں۔ جاندار زمین سے اگنے والی اجناس پر پلتے ہیں۔ مویشیوں ہی کو لیجئے۔ تازہ دودھ کی نہریں ہیں۔ تازہ گوشت کا نہ ختم ہونے والا سٹور۔ صحت مند گوشت' جس پر انسانی صحت کا دارو مدار ہے۔ مویشیوں کی کھالیں کیا کیا رزق مہیا کرتی ہیں' کسی ٹینری سے معلوم کریں۔ مویشیوں سے لباس' جوتے' باربرداری اور نہ جانے کیا کیا کچھ حاصل ہوتا ہے۔ ان کی رزاقانہ افادیت پر مکمل تبصرہ خارج از امکان ہے۔

جانور' جانوروں کا رزق ہیں' انسانوں کا رزق ہیں' یہاں تک کہ مرا ہوا جانور بھی گدھ کا رزق ہے۔ گدھ مردار پر پلتا ہے' شاہین زندہ شکار سے اپنی زندگی برقرار رکھتا ہے۔ پروردگار کے کام ہیں۔ شاہین اور شیر کی خوراک کو زندگی دے کر محفوظ کر دیا گیا ہے۔

اگر آسمانوں سے مینہ نہ برسے' تو رزق کی داستان ختم سی ہو کر رہ جائے۔ سائنس کی ترقی کے باوجود

www.iqbalkalmati.blogspot.com

رزق کا نظام معیشت و معاشیات' تقسیم دولت کا سارا نظام بارش کے ختم ہونے سے ختم ہو جائے گا۔ بارش کے دم سے سوتی اور اونی کپڑے کی ملیں چل رہی ہیں۔ بارش نہ ہو تو نہ اون نہ کپاس' نہ خوراک نہ لباس۔

بارش کی کمی سے بجلی کا نظام بحران کا شکار ہوتے دیکھا گیا ہے۔ رزق کی تقسیم و ترسیل کا نظام آسمان سے برسنے والے پانی پر ہے۔ پانی کی کمی سے قحط سالی اپنے ظالم جبڑوں میں انسان کو دبوچ لیتی ہے۔ یاد رکھنے والی بات یہ ہے کہ بارش منشائے الٰہی ہے اور یہ عطائے رحمانی بغیر کسی معاوضے کے ہے۔

انسانی آنکھ کو قدرت نے بینائی کا رزق عطا کیا اور اس بینا آنکھ کیلئے نظاروں کے ترانے موجود ہیں۔ کائنات کے منور مناظر انسان کی ضیافت نگاہ کا سامان ہیں۔ کہساروں سے ریگزاروں تک نظر کا رزق نظاروں کے حسن میں پھیلا دیا گیا ہے۔ یہ سب بغیر معاوضے کے ہے۔

ایسے محسوس ہوتا ہے کہ مشرق سے طلوع ہونے والا سورج رزق کے خزانے بکھیرتا ہوا مغرب میں غروب ہوتا ہے اور پھر رات ایک الگ قسم کا رزق راحت جاں کیلئے تقسیم کرتی ہے۔ پرسکون نیند ایک عظیم دولت ہے' مفت ملتی ہے' اس پر کروڑوں روپے نثار۔ سورج پھلوں کو رس عطا کرتا ہے' چاند مٹھاس بخشتا ہے' ستارے صاحبان فکر کو دولت افکار سے مالا مال کرتے ہیں۔ غرضیکہ اس کائنات کا ہر موسم اور ہر لمحہ کسی نہ کسی انداز سے رزق تقسیم کرتا ہی رہتا ہے۔

انسان کا رزق اس کے اپنے وجود کے کسی حصے میں پنہاں ہوتا ہے۔ اس صلاحیت کو دریافت کرنا ہی انسان کا فرض ہے۔ اس کے بعد حصول رزق کا مسئلہ ختم ہو جاتا ہے۔

کچھ لوگوں کا رزق ان کے ذہن میں ہوتا ہے۔ ان کی ذہنی صلاحیت رزق بنتی ہی چلی جاتی ہے۔ یہ صاحبان فکر و فراست اپنی اور دوسروں کی معیشت کو استوار کرتے ہیں۔ دنیا کو علم و ادب سے نوازتے ہیں اور رزق ان کے ذہن کو سلام کرنے کیلئے حاضر رہتا ہے۔

کچھ انسانوں کا رزق ان کے گلے میں ہوتا ہے۔ سریلا' رسیلا نغمہ یوں بھی رزق ہے اور یوں بھی گلوکار کا گلا سونے کی کان سے کیا کم ہو گا۔ اس نغمگی سے کتنے اداروں اور کتنے افراد کا رزق وابستہ ہے۔ صاحب آواز کے ساتھ صاحب ساز کو بھی نواز دیا جاتا ہے۔

مزدوروں اور ورکروں کا رزق ان کے بازوؤں میں ہے۔ جسمانی طاقت' جو قدرت کی عطا ہے' ذریعہ رزق بھی ہے۔ ہاتھ چلتے ہیں اور پیٹ پلتے ہیں۔ کاسب کا رزق کسب میں ہے۔ کاسب امیر ہو یا غریب' وہ اللہ کا دوست ہے۔

کچھ ممالک میں جنسیات بھی معاشیات کا ایک حصہ ہے۔ گمراہی ہے' لیکن رزق سے وابستہ ہے۔ گناہ تو ہے' لیکن رزق کا ذریعہ ہے۔

اس مقام پر مذہب انسان کی رہنمائی کرتا ہے۔ مذہب بتاتا ہے کہ حلال کیا ہے' حرام کیا ہے۔ جائز کیا ہے' ناجائز کیا ہے۔ ثواب کیا ہے' عذاب کیا ہے۔ کرم کیا ہے' ستم کیا ہے۔ مذہب غور کرنے کی دعوت دیتا ہے کہ آخر رزق کی ضرورت کیا ہے۔ زندگی گزارنے کیلئے رزق چاہئے۔

ماں کی گود سے قبر تک کا سفر ہے۔ کتنا زاد راہ چاہئے؟

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہم مال بڑھاتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ زندگی کم ہوتی جا رہی ہے۔ سانس کی آری ہستی کا شجر کاٹ رہی ہے۔ زندگی برف کی سل کی طرح پگھلتی ہی چلی جا رہی ہے۔ یہ پونجی گھٹتی جا رہی ہے۔ دولت موت سے نہیں بچا سکتی۔

سانس بند ہو جائے تو رزق کی تمام افادیت ہمارے لئے ہمیشہ کیلئے ختم ہو جاتی ہے۔ جائز ضروریات کو ناجائز کمائی سے پورا کرنا حماقت بھی ہے اور گناہ بھی۔ رشوت کے مال پر پلنے والی اولاد لازمی طور پر باغی ہو گی' بے ادب ہو گی' گستاخ ہو گی۔ دوہرا عذاب ہے۔ عاقبت بھی برباد اور اولاد بھی برباد۔

''تکاثر زر'' نے انسان کو اتنا غافل اور اندھا بنا دیا ہے کہ اس کی آنکھ بند ہونے سے پہلے کھل ہی نہیں سکتی۔ انسان دولت کے حصول کی خواہش میں پاگل سا ہو گیا۔ دولت زندگی کیلئے ہے' لیکن آج کی زندگی صرف دولت کیلئے ہے۔

سوچنا چاہئے کہ صرف پیسہ ہی رزق نہیں۔ ایک قسم کا رزق حاصل کرنے کیلئے دوسری قسم کا رزق ضائع کرنا کم عقلی ہے۔ دین کو دے کر دولت دنیا حاصل کی۔ تو بھی کس کام کی؟

وطن چھوڑ کر پیسہ لیا تو کیا لیا؟ جہنم میں لے جانے والی دولت سے وہ غریبی بہتر ہے' جو جنت کی راہ دکھائے۔

خیر و شر کا شعور نہ ہو' تو امیر غریب کی بحث عبث ہے۔ کائنات میں دولت کی یکساں تقسیم کی خواہش ایک ایسا خواب ہے' جو اس وقت تک شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا جب تک کوے اور مور کو ایک جیسے پر نہیں ملتے یا شیر اور گیدڑ کو ایک جیسا مزاج نہیں ملتا۔

اچھا امیر بہت اچھا ہوتا ہے' برا غریب بہت برا۔ اچھا امیر وہ ہے جو اپنے مال سے اپنے محروم بھائی کی خدمت کرے۔ برا غریب وہ ہے جو دوسرے کے مال کو باطل طریقے سے حاصل کرنا چاہے یعنی چوری' ڈاکہ' رشوت کے ذریعہ سے۔

آزادی پرواز رزق ہے۔ سونے کا قفس ملے' تو بھی قبول نہ کرنا چاہئے۔

یہ زندگی محدود ایام کیلئے ہے۔ پاکیزہ رزق کی تلاش کرنی چاہئے' بلکہ اس کا انتظار کرنا چاہئے' ہمارا رزق ہمیں ضرور ملے گا جیسے ہمیں ہماری زندگی ملی ہے' بینائی ملی ہے' گویائی ملی ہے اور جیسے ایک دن ہمیں موت سے ملنا ہے۔

جو ہماری جان کا محافظ ہے' وہی ہمارے رزق کا ضامن ہے۔ رزق دینا رازق کا عمل ہے۔ یہ اس کا دعویٰ ہے جس نے سورج' چاند' ستاروں کو نورانی رزق عطا کیا ہے' جس نے پہاڑوں کو استقامت دی ہے' دریا کو روانی دی ہے' گلوں میں رنگ بھرے ہیں' موسموں کو خوئے انقلاب عطا کی ہے۔ بیج کو مٹی کی تاریکی میں پالنے والا انسان کو کیوں نہ پالے گا؟

صبر و استقامت کا مقام ہے۔ اپنی غریبی کی توہین نہ کرنی چاہئے۔ اپنے مال کو عذاب نہ بنایا جائے۔ حق والے کو حق دے دیا جائے اور اپنی عاقبت کی فکر کی جائے۔ عاقبت' آنے والا لمحہ ہو سکتا ہے۔

☆......☆......☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

پیلو پکیاں

بہار کا موسم' پیار کا موسم' گم شدہ چہروں کے دیدار کا موسم' تھل' بیلے' بار کا موسم' پیلو پکنے کا موسم اور دراصل وصال یار کا موسم بڑے انتظار کے بعد آتا ہے۔ خواجہ غلام فریدؒ نے ''پیلو'' کو تکمیل عرفان بنا دیا۔

عشق مجازی سے عشق حقیقی تک کا فاصلہ ''پیلو پکنے'' کی دیر تک ہے۔ پیلو چننے سے ابتداء ہے۔ سب سنگی ساتھی مل کر چنتے ہیں' پیار کی امرتیاں' محبت کے ''پیلو''...... پیلو چنتے چنتے آنکھیں ملتی ہیں' دل ملتے ہیں اور پھر جدائی کا زمانہ شروع ہو جاتا ہے...... پیلو ختم ہو جاتی ہیں اور انتظار شروع ہو جاتا ہے۔ چہروں کی سرخیاں رخصت ہو جاتی ہیں اور انسان ''ہکا بکا'' رہنے لگتا ہے پھر کب آئے پیلو کا موسم اور یار مل کے پیلو چنیں۔

''آچنوں رل یار پیلو پکیاں نی وے''
(پیلو پک گئے، آؤ یار مل کر چنیں)

محبت سے آشنا' محبت کی روح سے آشنا' محبت کی تاثیر سے آشنا' محبت کے کرشموں سے آشنا' محبت کے اعجاز سے آشنا لوگ ہر موسم اور ہر رت میں پیار کی بہار ڈھونڈ لیتے ہیں۔ وہ ہر مجاز میں حقیقت تلاش کر لیتے ہیں...... ہر شے میں جلوہ تلاش کر لیتے ہیں' ہر وجود میں محبوب حقیقی کو موجود پاتے ہیں وہ آشنائے راز ہوتے ہیں در راز آشنا کرنا جانتے ہیں۔

اہل تصوف حضرات نے اپنے کلام میں بڑے بڑے عقدے کشا کئے ہیں۔ ان کے سامنے کوئی معمولی نظارہ بھی معمولی نہیں۔ ہر شے ہی غیر معمولی ہے۔ پھول کھلے' تو وہ غور کرتے ہیں کہ پھول کی ہستی کیا ہستی ہے۔ عجیب راز ہے۔ پھول کھلتا ہے' مرجھا جاتا ہے۔ چند لمحات کیلئے وہ مسکرایا اور پھر ہمیشہ ہمیشہ کیلئے نامعلوم دنیا میں چلا گیا...... بس انسان کی زندگی پھول کی مسکراہٹ سی ہے۔ ادھر آئے ادھر گئے...... پھول اپنی زندگی پر کیا اترائے گا' کیا فخر کرے گا

گوڑھی رنگت دیکھ کر پھول گمان بھئے
کتنے باغ جہان میں لگ لگ سوکھ گئے

اہل باطن دراصل ظاہر کی اصل کو پہچانتے ہیں...... ظاہر کی حقیقت معلوم کرنے والا اہل باطن ہے...... باطن کوئی نئی دنیا نہیں' اسی دنیا کا نیا شعور ہے...... ماسوا میں ہی ماورا کے جلوے ہیں۔ باطن شناس انسانی منشا میں خدائی منشا کو پہچانتا ہے...... ''پیلو' چھوٹا' بہت چھوٹا جنگلی پھل سمجھ لیں۔ پیلو کا کھانا اتنا پرلطف نہیں' جتنا پیلو چننا۔

پیلو چنتے چنتے انسان اپنا مقدر چنتا ہے اور پھر...... ''ہکا بکا'' رہ رہ جاتا ہے کہ اس نے کیا چاہا اور اسے کیا مل گیا...... پیلو چنتے ہی یار آشنا ہو گیا...... اور محبت سے شناسائی ہوئی...... محبت فراق سے گزری...... پیلو چننے والی سنگتیں جدا ہو جاتی ہیں...... اور فراق تھل ''سنجا'' نظر آتا ہے...... طالب وہیں روہی بیلے میں روتا رہتا ہے اور محبوب پیلو کی رت کے ساتھ ہی غائب ہو جاتا ہے۔ جلوہ رخصت ہوا' لیکن خیرہ آنکھ حیرت کے تھل میں گم ہو گئی...... اس نے کیا دیکھ لیا کہ پھر کچھ دیکھنے کی آرزو ہی نہ رہی...... اس نے کیا سن لیا کہ اب کچھ اور سننے کی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

تاب ہی نہ رہی۔ وصال آشنا فراق کے دشت بے اماں میں گم ہو جاتا ہے۔

اور پھر رت بدلتی ہے' موسم آتے ہیں' پیلو پکتی ہیں اور اب پیلو کچھ اور ہیں' بہار کچھ اور ہے' وصال کچھ اور ہے' یار کچھ اور ہے' جلوہ کچھ اور ہے...... اب وہ وصال ہے' جس کا فراق نہیں۔ وہ حاصل ہے' جو کبھی ختم نہیں ہوتا۔ فرید کہہ اٹھتا ہے کہ دنیا جس کو تلاش کرتی ہے' وہ تو فرید کے پاس ہے۔ ہردم' ہرآن' ہررنگ' ہر انداز...... مجاز حقیقت بن چکا ہوتا ہے...... اب تھل' جل تھل ہو جاتا ہے۔

صوفیا نے اپنے شعر کو عرفان رنگ بنا کر اس سے وہ کام لیا' جو بڑے بڑے علما تقریروں سے نہ لے سکے۔ نعت کے چند اشعار انسان میں عشق نبی ﷺ کے جلوے پیدا کر سکتے ہیں' صوفیا نے قلوب کو گرمایا' جلوہ آشنا کیا اور بندوں کو حق کے تقرب سے آشنا کر دیا۔

اللہ بے مثل و بے مثال ہے۔ اسے کسی شے سے تشبیہ نہیں دی جا سکتی ہے بجا ہے' درست ہے' لیکن طالبان حق کو جب یہ سنایا جائے کہ

الف اللہ چنبے دی بوٹی مرشد من وچ لائی ہو

یعنی اللہ ایک خوشبودار چنبے کی بوٹی ہے اور مرشد ہی مرید کے دل میں عشق الٰہی کا خوشبودار پودا لگاتا ہے...... بات سمجھ میں آتی ہے کہ توحید صرف علم ہی نہیں' اس علم کا کوئی عمل بھی ہے۔

پیار کی فصلیں' پیار کی پیلو پکتے پکتے طالب کو واصل کر دیتی ہیں...... عجب حال ہے۔

اسی دنیا اور دنیا کی انہی رونقوں اور جلووں سے جلوہ حق دریافت کرنا ہوتا ہے...... چمگادڑوں کو جلوہ آفتاب کبھی نظر ہی نہیں آتا...... اس میں روشنی کا کیا قصور۔ تن کی دنیا میں ہی من کی دنیا آباد ہے۔ اگر یہ نہیں' تو وہ بھی نہیں۔ آنکھ نہ ہو تو جلوہ کیسا۔ ذہن نہ ہو تو خیال آرائی کیسی۔ دل نہ ہو تو دلبری کیا۔ لذت جبیں سائی نہ ہو تو سنگ دریار کا کیا قصور۔ ذوق بندگی نہ ہو تو بندہ نوازی کا لطف کون حاصل کرے گا...... لینے والا ہی نہ ہو تو دینے والا کیا کرے پتھر دل پریت کو کیا جانے...... ہوس زر پرستی حق پرستی کیسے بنے...... جس دل میں نفرت اور کینے کے پھوڑے پک رہے ہوں' وہ کیا جانے کہ پیلو پکنے کا کیا مفہوم ہے...... پیلو چنتے چنتے حیرت کے جلوے میں انسان ہکا بکا ہو جاتا ہے۔ جلوہ محبوب جا بجا دیکھنے والے اور ہوتے ہیں...... وہ دل اور ہیں' وہ نگاہیں اور ہیں' وہ روحیں اور ہیں اور بہت ہی اور ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ اس دنیا میں سب اسی کے رنگ ہیں۔

جان من باکمال رعنائی
خود تماشا و خود تماشائی

وہ جانتے ہیں کہ حسن کے جلوے موجود ہیں...... یہ سب جلوے کسی اور کے ہیں...... یہ سب نیرنگ کسی ذات کے ہیں...... پہاڑوں سے نکلنے والے دریا خود سمندر کیلئے پیاسے ہوتے ہیں اور یہ کناروں کی پیاس بجھاتے ہوئے اپنے محبوب ساگر سے واصل ہو کر اپنی پیاس بجھاتے ہیں...... یہ سب پریم نگر ہے۔ محبت نہ ہو' تو چاند چاند نہ رہے اور چکور چکور نہ رہے...... تعلق سے دنیا قائم ہے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

یہ نظام صرف معاشیات اور ارتقا کا نظام ہی نہیں' بلکہ یہ حسن و جمال کی دنیا ہے' یہ حسن خیال کی دنیا ہے' یہ جلوہ لازوال کی دنیا ہے...... اس میں محبت کی پیلو ہیں...... پیلو چننے کے موسم ہیں۔ چننے والی ''سنگتیں'' ہیں اور محبت کے جلوے ہیں...... ارتقائے محبت ہے...... اور عرفان و ایقان کی منازل ہیں...... یار یار کے قریب آئے' بیلے پر بہار آئے...... اور پھر فراق دل کو قرار آئے...... خواجہ غلام فریدؒ سچ کہتے ہیں

آیا پیلوں چنن دے سانگے
اوڑک تھیاں فریدن وانگے
چھوڑ آرام قرار...... بکیاں بکیاں نی وے
آچنوں رل یار...... پیلو پکیاں نی وے

یعنی سب سنگتیں سب سہیلیاں پیلو چننے کے بہانے اکٹھی ہوئیں...... اوّل اوّل تو شوق ملاقات تھا اور انجام کار سب فریدن جیسی ہو گئیں...... یعنی آرام قرار سے بیگانہ...... ہکا بکا...... حیرت زدہ...... ہوش سے دست بردار۔ بس یہ سب پیلو کا کرشمہ ہے' آرزو اور محبت اور وصال یار کے جلوے ہیں کہ ان کی منزل فراق اور وصال سے بہت آگے ہے...... حیرت ہی حیرت' تحیر ہی تحیر۔ معمولی سی بات' کتنا غیر معمولی نتیجہ...... ایک خوشی کا میلہ اور آخر کار حقیقت آشنا فریدؒ صرف اکیلا...... حیران و سرگرداں' روہی کا تنہا مسافر' قدم قدم پر رونے والا جلوے کے تقرب میں خود سے بھی دور جا پہنچا...... ایسی منزل' جس میں پیلو پکتی ہیں' بہاریں آتی ہیں' سنگتیں آتی ہیں لیکن دل میں دشت کی وسعت اور صحرا کی پیاس ہے...... کوئی یار ہو کہ جس کے ہمراہ پیلو چنی جائیں...... کوئی ہمراز ہو جس سے درد بیان کیا جائے۔ کوئی درد شناس ہو جس سے دل کی بات کہی جائے......

فرید نے پیلو کیا چنیں' درد چن لیا۔ ایسا درد جس کا مداوا بھی وہ خود ہی ہے۔ ایسا سفر جس کا انجام بھی سفر ہے' جس کی منزل ایک نئی مسافرت ہے۔ ایسا راز کہ بیان بھی ہو اور فاش بھی نہ ہو۔ ایسا یار ملا کہ شاہ رگ سے قریب ہو اور نگاہوں سے اوجھل ہو۔ یہ انعام ہے کہ سزا' جو کچھ بھی ہے' لطف ہے۔ اس کا الطاف ہے' جو درد بن کے ساتھ رہتا ہے۔ محسوس ہوتا ہے لیکن نظر نہیں آتا...... جو جلوہ بن کر دل سے گزرتا ہے اور آنسو بن کر آنکھ سے ٹپکتا ہے۔

پیلو پک گئے اور عرفان کی منزل طے ہو گئی...... فرید درد مزید مانگتا ہے اور پیلو چنتا رہتا ہے...... عجب رنگ سے نیرنگ نے بے رنگ کی راہ دکھائی...... بہار ہی بہار' ہر طرف یار ہی یار' ہمہ وقت دیدار ہی دیدار...... ہکا بکا فرید جنگل' روہی' بیلے میں اکیلے سفر پر ہمیشہ ہمیشہ کیلئے رواں دواں' ''ہر جا عین ظہور'' کے جلووں سے مسحور' اس کی یاد میں گم جو پیلو کے موسم میں ملا اور ہر موسم کو پیلو کا موسم بنا گیا فرید کی خزاں سدا بہار ہے۔ اس پر مخفی راز آشکار ہے...... جتنا آشکار ہے' اتنا ہی پراسرار ہے...... کوئی فرید کا یار ہو' تو جانے کہ فرید نے ''پیلو'' کے موسم میں کیا کیا دیکھا ...... کیا کھویا کیا پایا...... سب کچھ نثار کیا اور سب کچھ پا لیا۔ فرید نے اپنی ذات نثار کی اور حسن کی ذات کا عرفان پایا...... پیلو کی رت فرید کی عید ہے!!

☆......☆......☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

صبر

انسان کو اس بات پر صبر کرنے کیلئے کہا گیا ہے' جو اسے پسند نہ ہو اور جس کا ہو جانا ناگزیر ہو۔ ہر وہ عمل جو برداشت کرنا پڑے' صبر کے ذیل میں آتا ہے۔ ناقابل برداشت کوئی واقعہ نہیں ہے' جس کو دیکھنے والے' اور پڑھنے والے ناقابل برداشت کہتے ہیں۔ سانحہ ہو یا حادثہ' جس کے ساتھ پیش آ رہا ہے وہ تو اس میں سے گزر رہا ہے' رو کر یا خاموش رہ کر۔

انسان کو صبر کی تلقین کی گئی ہے' اس لئے یہ زندگی ہماری خواہشات کے مطابق نہیں ہوتی۔ جہاں ہماری پسند کی چیز ہمیں میسر نہ آئے' وہاں صبر کام آتا ہے۔ جہاں ہمیں ناپسند واقعات اور افراد کے ساتھ گزر کرنا پڑے' وہاں بھی صبر کام آتا ہے۔

صبر کا نام آتے ہی اذیت کا تصور آتا ہے۔ ناپسندیدہ زندگی قبول کرنے کی اذیت یا پسندیدہ زندگی ترک کرنے کی اذیت۔ یہ اذیت احساس کی لطافت کی نسبت سے بڑھتی اور کم ہوتی رہتی ہے۔

کوئی زندگی ایسی نہیں جو اپنی آرزو اور اپنے حاصل میں مکمل ہو' برابر ہو۔ کبھی آرزو بڑھ جاتی ہے' کبھی حاصل کم رہ جاتا ہے۔ صبر کا خیال ہی اس بات کی دلیل ہے کہ انسان جو چاہتا ہے وہ اسے ملا نہیں۔

انسان محنت کرتا ہے کوشش کرتا ہے' مجاہدہ کرتا ہے' ریاضت اور عبادت کرتا ہے کہ زندگی اطمینان اور آرام سے گزرے اور مابعد حیات کے بھی خطرات نہ رہیں' لیکن زندگی عجب ہے۔ اس میں جب کوئی مقام حاصل ہوتا ہے' پسندیدہ مقام' تب بھی ہمیں احساس ہوتا ہے کہ کہیں نہ کہیں کچھ نہ کچھ رہ گیا ہے یا کہیں نہ کہیں کچھ نہ کچھ غیر ضروری اور غیر مناسب شے شامل ہو گئی ہے' اس زندگی میں۔ بس ایسی صورت میں انسان بے بس ہوتا ہے۔ صبر کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا۔

انسان شادی کرتا ہے۔ شادی کا معنی خوشی ہے' لیکن کچھ ہی عرصہ بعد انسان محسوس کرتا ہے کہ شادی کا عمل فرائض اور ذمہ داریوں کی داستان ہے۔ حقوق کا قصہ ہے۔ صرف خوشی کی بات نہیں۔ اس میں رنج اور رنجشیں بھی شامل ہیں۔ دو انسان' زوجین' مل کر سفر کرتے ہیں۔ ایک دوسرے کیلئے باعث مسرت ہونے کے وعدے اور دعوے لے کر ہم سفر بنتے ہیں اور کچھ ہی عرصہ بعد ایک دوسرے کو برداشت کرنے کے عمل سے گزرتے ہیں' خوش رہنے کا تصور ختم ہو جاتا ہے۔ صبر کرنا پڑتا ہے۔ اب یہ فیصلہ تبدیل نہیں ہو سکتا۔ اولاد ہونے کے بعد انسان کو محسوس ہوتا ہے کہ وہ ایک خوبصورت رسی سے جکڑا گیا ہے۔ اس کی آزادی اور آزاد خیالی ختم ہو گئی ہے۔ اس پر عجیب و غریب فرائض عائد ہو گئے ہیں۔ وہ محبت کے نام پر مصیبت میں گرفتار ہو گیا' لیکن اب صرف صبر ہے۔ یہی تلقین ہے کہ ہونے جانے والے واقعات پر افسوس نہ کرو' صبر کرو۔

صبر کا مقام اس وقت آتا ہے' جب انسان کو یہ یقین آ جائے کہ اس کی زندگی میں اس کے عمل اور اس

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کے ارادے کے ساتھ ساتھ کسی اور کا عمل' کسی اور کا ارادہ بھی شامل ہے۔ اپنے حال میں دوسرے کا حال شامل دیکھ کر انسان گھبراتا ہے اور جب اسے ایک اور حقیقت کا علم ہوتا ہے کہ اس ارادوں اور اس کے عمل میں اس کے خالق و مالک کا امر شامل ہے اور کبھی کبھی یہ امر ایک مشکل مقام سے گزرنے کا امر ہے' تو انسان سوچتا ہے کہ اگر بات اپنی ذات تک ہو تو بدل بھی سکتی ہے' لیکن اگر فیصلے امر مطلق کے تابع ہیں' تو ٹل نہیں سکتے۔ یہاں سے انسان اپنی بے بسی کی پہچان شروع کرتا ہے۔ بے بسی کے آغاز سے صبر کا آغاز ہوتا ہے۔

خوشی میں غم کا دخل' صحت میں بیماری کا آ جانا' بنے ہوئے پروگرام کا معطل ہونا' کسی اور انسان کے کسی عمل سے ہماری پرسکون زندگی میں پریشانی کا امکان پیدا ہونا' سب صبر کے مقامات ہیں۔

تکلیف ہمارے اعمال سے آئے یا اس کے حکم سے' مقام صبر ہے' کیونکہ تکلیف ایک اذیت ناک کیفیت کا نام ہے۔ تکلیف جسم کی ہو' بیماری کی شکل میں یا روح کی تکلیف' احساس مصیبت یا احساس تنہائی یا احساس محرومی کی شکل میں' مقام صبر ہے۔ انسان جس حالت سے نکلنا چاہے اور نکل نہ سکے' وہاں صبر کرتا ہے۔ جہاں انسان کا علم ساتھ نہ دے' اس کی عقل ساتھ نہ دے اور اس کا عمل اس کی مدد نہ کر سکے' وہاں مجبوری کا احساس اسے صبر کے دامن کا آسرا تلاش کرنے کی دعوت دیتا ہے۔

صبر کا تصور دراصل صرف مجبوری ہی کا احساس نہیں ہے۔ صبر کے نام کے ساتھ ہی ایک اور ذات کا تصور واضح طور پر سامنے آتا ہے کہ ہم اپنی زندگی میں سب کچھ نہیں کر سکتے۔ ہم اپنی زندگی کے مالک ہو کر بھی مکمل مالک نہیں۔ ہم مختار ہو کر بھی مختار نہیں۔ ہم قدرت رکھنے کے باوجود قادر نہیں۔ ہم اور ہماری زندگی ہزارہا اور زندگیوں کے دائرہ اثر میں ہیں۔ ہم اور ہماری زندگی ایک اور ذات کے ارادے کے تابع ہیں اور وہ ذات مطلق ہے۔ اس کا امر غالب ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے' ہمارے ساتھ' ہماری زندگی کے ساتھ' ہمارے ظاہر کے ساتھ' ہمارے باطن کے ساتھ' ہماری تنہائی کے ساتھ' ہمارے گرد و پیش کے ساتھ' ہمارے والدین کے ساتھ' ہماری اولاد کے ساتھ' ہمارے ہر ہر خیال کے ساتھ اور وہ ذات چاہے تو ہمارے مرتبے عذاب بنا دے' چاہے تو ہماری غریبی اور غریب الوطنی کو سرفرازیاں عطا کر دے۔ وہ ذات یتیموں کو پیغمبر بنا دے اور چاہے تو مسکینوں کو مملکت عطا کر دے۔ اس ذات کا امر اور عمل اٹل ہے۔ اس کے فیصلے آخری ہیں۔ اس کے حکم کے تابع ہیں۔ انسان کی خوشیاں' انسان کے غم' انسان کی زندگی' انسان کی موت' انسان کی محبت' انسان کے خوف' انسان کے جذبات و احساسات۔ وہی ذات ہے' جو انسان کو بار بار حکم فرماتی ہے کہ صبر کرو۔ یعنی اپنی زندگی میں میرے حکم سے پیدا ہونے والے حال کو سمجھنے سے پہلے تسلیم کر لو۔ جو سمجھ میں نہ آ سکے' اس پر صبر کرو اور جو سمجھ میں آئے' اس پر مزید غور کرو۔ صبر کی منزل ایک مشکل منزل ہے۔ فقر میں ایک بلند مقام ہے صبر کا۔

وہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ عجب بات ہے کہ وہ تکلیف دور نہیں کرتا اور برداشت کرنے والوں کے ساتھ رہتا ہے اور تکلیف بھیجنے والا بھی خود ہی۔ بس یہی انسانی عظمت کا راز ہے انسان کی تسلیم و رضا کا روشن باب' انسان کی انسانیت کا ارفع مقام کہ وہ سمجھ لے کہ تکلیف دینے والا ہی راحت جاں ہے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

یہ زندگی اس کی دی ہوئی اسی کے حکم کی منتظر ہے۔ وجود اس کا بنایا ہوا اسی کے امر کے تابع ہے۔ وہ ستم کرے تو ستم ہی کرم ہے۔ وہ تکلیف بھیجے تو یہی راحت ہے۔ وہ ذات ہمارے جسم کو اذیت سے گزارے، تو بھی یہ اس کا احسان ہے۔

صبر کرنے والے اس مقام سے آشنا کرا دیے جاتے ہیں کہ تکلیف دینے والا ہی صبر کی توفیق دے رہا ہے اور اس مقام پر ''صبر'' ہی ''شکر'' کا درجہ اختیار کر لیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے مقرب اذیت سے تو گزرتے ہیں، لیکن بیزاری سے کبھی نہیں گزرے۔ وہ شکر کرتے ہوئے وادیِ اذیت سے گزر جاتے ہیں۔

دنیا دار جس مقام پر بیزار ہوتا ہے، مومن اس مقام پر صبر کرتا ہے اور مومن جس مقام پر صبر کرتا ہے، مقرب اس مقام پر شکر کرتا ہے، کیونکہ یہی مقام وصالِ حق کا مقام ہے۔ تمام واصلین حق صبر کی وادیوں سے بہ تسلیم و رضا گزر کر سجدہ شکر تک پہنچے۔ یہی انسان کی رفعت ہے۔ یہی شانِ عبودیت ہے کہ انسان کا وجود تیروں سے چھلنی ہو، دل یادوں سے زخمی ہو اور سرِ نیاز سجدہ میں ہو کہ ''اے خالق! مجھے صبر و استقامت کی منزلیں عطا کرنے والے! مجھے تسلیم و رضا کے معراج عطا کرنے والے! تیرا شکر ہے، لاکھ بار شکر ہے کہ تو نے مجھے چن لیا، اپنا بندہ بنایا، اپنا اور صرف اپنا۔ تیری طرف سے آنے والے ہر حال پر ہم راضی ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ ہم اور ہماری زندگی بے مصرف اور بے مقصد نہ رہنے دینے والا تو ہے۔ جس نے ہمیں تاجِ تسلیم و رضا پہنا کر اہلِ دنیا کیلئے ہمارے صبر کا ذکر ہی باعث تسکینِ روح و دل بنایا۔''

بیکسی کی داستان بننے والے امامِ عالی مقام بیکسوں کیلئے چارہ ساز ہیں۔ یہ داستان اہلِ علم کیلئے نہیں، یہ اہلِ نظر کا مقام ہے، اہلِ صبر کیلئے، اہلِ شکر کیلئے۔ ان کیلئے جو ہر حال پر راضی رہتے ہیں۔ جن لوگوں پر اس کا کرم ہوتا ہے، ان کی آنکھیں تر رہتی ہیں۔ ان کے دل گداز رہتے ہیں۔ ان کی پیشانیاں سجدوں کیلئے بیتاب رہتی ہیں۔ ان کے ہاں تکلیف رہتی ہے، لیکن ان کی زبان پر کلماتِ شکر رہتے ہیں۔ مقاماتِ صبر کو مقاماتِ شکر بنانا خوش نصیبوں کا کام ہے۔ ایسی خوش نصیبی کہ زمین والے ان کی تکلیف پر اظہارِ غم کریں اور آسمان والے ان پر سلام بھیجیں۔ صبر والوں کی شان نرالی ہے۔ ان کا ایمان قوی ہے۔ ان کے درجات بلند ہیں۔ ان کے جسم پر پیوند کے لباس ہیں اور ان کے در پر جبریلؑ جیسے غلام ہیں۔ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ ہمیشہ سے ہمیشہ کیلئے۔

☆......☆......☆

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

www.iqbalkalmati.blogspot.com

واصف علی واصف کی دیگر تصانیف

- دل دریا سمندر
- قطرہ قطرہ قلزم
- حرف حرف حقیقت
- کرن کرن سورج
- بات سے بات
- اقوال واصف علی واصف
- کلیات واصف علی واصف (شاعری)
- واصفیات (کلیات)
- بھرے بھڑولے (پنجابی شاعری)
- مکالمہ
- دریچے (اقوال)
- ذکرِ حبیب ﷺ (نعتیہ مجموعہ)
- گمنام ادیب
- شب چراغ (شاعری)
- شب راز (شاعری)
- گفتگو 1 تا 5 (یکجا)
- گفتگو 6 تا 10 (یکجا)
- گفتگو 11 تا 15 (یکجا)
- گفتگو 16 تا 20 (یکجا)
- گفتگو 21 تا 25 (یکجا)
- گفتگو 26 تا 30 (یکجا)
- واصف علی واصف
- واصف علی واصف (تاثرات ومشاہدات)
- The Beaming soul
- Ocean in a drop

کاشف پبلی کیشنز
301۔اے، جوہر ٹاؤن، لاہور
Kashif Publications
www.kashifpublications.com
kashifpublications@gmail.com

علم و عرفان پبلشرز
الحمد مارکیٹ، 40۔اردو بازار، لاہور۔
فون: 37232336'37352332 فیکس: 37223584
www.ilmoirfanpublishers.com
E-mail: ilmoirfanpublishers@hotmail.com